بسم اللہ الرحمن الرحیم

اختصار

اردو کی ترقی میں اولیائے سندھ کا حصہ
(عہد کلہوڑا سے عہد پاکستان تک)

۱۱۳۲ / ۱۷۱۹ - ۱۴۰۰ھ / ۱۹۸۰ء

مقالہ برائے پی - ایچ - ڈی

نگران
پروفیسر مولانا غلام مصطفٰے قاسمی

مقالہ نگار
عبدالستار خان وفا راشدی

شعبۂ اردو
سندھ یونیورسٹی ، جام شورو

۱۴۰۰ھ / ۱۹۸۰ء

زیر نظر مقالے کا عنوان ھے " اردو کی ترقی مین اولیائے (۱) سندھ کا حصہ "
(یہان اولیائے سے مراد وہ اھل سلوک ھین جن کا تعلق کسی نہ کسی سلسلۂ طریقت سے رہا ھے)
یہ مقالہ تین حصون پر مشتمل ھے ۔

پہلا حصہ ایک تفصیلی مقدمہ بعنوان " سندھ مین ، سندھی عربی فارسی اور اردو زبان و ادب پر ایک نظر " پر محیط ھے ۔ اس "مقدمہ" مین عہد کلہوڑا سے عہد پاکستان تک کے ادوار مین سندھی عربی فارسی اور اردو زبان و ادب کا عہد بہ عہد ارتقاء کا ایک خاکہ پیش کیا گیا ھے ۔ یہ امر گرچہ مقالے کے اصل موضوع مین شامل ہی لیکن جہان تک سندھ مین اردو سے ان زبانون کے ربط و ارتباط کا تعلق ھے اسکے اثرات و محرکات کے آئینے مین اس حقیقت کا انکشاف دلچسپی سے خالی نہین کہ اردو کی ترقی مین حصہ لینے والے اولیاء ، صوفیا علماء ، شعراء اور ادباء نے اپنے افکار و معارف کے دائرے کو اردو تک محدود نہین رکھا بلکہ سندھی عربی فارسی زبان و ادب مین ان کی اسلامی ، علمی ، تاریخی اور تحقیقی تخلیقات و نگارشات نوادرات مین سے ھین اور یہ ھمارا قومی ورثہ ھین ۔

تحقیقات کی روشنی مین یہ حقیقت واضح ھوچکی ھے کہ اسلامی عہد سے پہلے سے سندھ سندھی زبان کی جنم بھومی ھے ۔ عربون کی آمد کے بعد عربی آئی پھر فارسی آئی اور اس کے بعد اردو نے سندھ ھی مین جنم لیا ۔ آغوش سندھ مین یہ چارون زبانین ھنستی مسکراتی پھلتی پھولتی رھین ۔ شروع سے ان زبانون کا ایک دوسرے سے گہرا رابطہ اور مربوط رشتہ رہا ھے ۔ ان زبانون نے اھل سندھ کی تاریخ و ثقافت اور تہذیب و معاشرت کی تعمیر و تشکیل مین ھمیشہ سے نمایان کردار ادا کیا ھے ۔

سندھ کے اھل اللہ اور اھل علم بیک وقت سندھی عربی فارسی اور اردو پر عبور رکھتے تھے اور رکھتے ھین ۔ یہ چارون زبانین ھر دور ، ھر عہد مین ایک دوسرے پر اثر انداز ھوتی رھی ھین ۔ صوفیائے کرام نے امتیاز رنگ و نسل سے بلند اور علاقائی قید و بند سے آزاد ھوکر ان چارون زبانون کی نشو و نما مین وسیع النظری و وسیع القلبی سے حصہ لیا جس کے مفید و موثر اثرات مرتب ھوئے ۔ ان زبانون مین جو علوم و فنون منصۂ شہود مین آئے وہ سندھ مین اسلامی روایات دینی اقدار تہذیبی و ثقافتی تغیرات ملی و تعلیمی تحریکات اور قومی جدوجہد

---

(۱) اس مقالے مین سندھ کے اولیائے کرام یا صوفیائے کرام کے علاوہ بعض ایسے حضرات کے تذکرے بھی شامل ھین جو اولیائے کرام (اھل سلوک) تو نہین لیکن ان کا تعلق کسی نہ کسی حیثیت سے صوفی خاندان سے ھے ۔ وہ اپنی علمی دینی اور ادبی خدمات کی بدولت خاص مقام کے حامل ھین اسلئے ان کا ذکر بھی مناسب سمجھا گیا ۔

کے آئینہ دار ہیں ۔

دوسرے حصے میں اس مقالے کو عہد کلہوڑا سے عہد پاکستان تک کے حسب ذیل پانچ ادوار میں تقسیم کیا گیا ہے ۔

پہلا دور	عہد کلہوڑا	۱۱۳۲ - ۱۱۹۶ ھ ۱۷۱۹ - ۱۷۸۲ ء
دوسرا دور	عہد تالپور	۱۱۹۶ - ۱۲۵۹ ھ ۱۷۸۲ - ۱۸۴۳ ء
تیسرا دور	عہد برطانیہ (دور اول)	۱۲۵۹ - ۱۳۱۸ ھ ۱۸۴۳ - ۱۹۰۰ ء
چوتھا دور	" " (دور ثانی)	۱۳۱۹ - ۱۳۶۷ ھ ۱۹۰۱ - ۱۹۴۷ ء
پانچواں دور	عہد پاکستان	۱۳۶۷ - ۱۴۰۰ ھ ۱۹۴۷ - ۱۹۸۰ ء

اس مقالے میں اردو کے جن اولیائے سندھ کے عہد بہ عہد تذکرے شامل ہیں انکی فہرستیں درج ذیل ہیں ۔

پہلا دور

(۱) ملا عبدالحکیم عطا ٹھٹھوی　(۲) میر حیدر الدین کامل

(۳) شاہ عبداللطیف بھٹائی　(۴) میر اسداللہ ساقی

(۵) میر حفیظ الدین علی　(۶) روحل فقیر

دوسرا دور

(۱) مراد فقیر زنگیجہ　(۲) اخوند قاسم ساوڻی ھالائی

(۳) سچل سرمست　(۴) شاہو فقیر　(۵) غلام علی فقیر

تیسرا دور

(۱) خلیفه نبی بخش
(۲) دریا خان زنگیجه
(۳) فقیر یوسف نانک
(۴) قنبر علی شاه
(۵) فتح دین شاه
(۶) غلام شاه لغاری
(۷) شاه نصیرالدین نقشبندی
(۸) حمل فقیر لغاری
(۹) غلام حیدر فقیر
(۱۰) نظر علی فقیر
(۱۱) فقیر قادر بخش بیدل
(۱۲) سید مهدی شاه بخاری
(۱۳) الله داد خان صوفی
(۱۴) صوفی ابراهیم شاه فقیر
(۱۵) محمد ابراهیم خلیل نقشبندی
(۱۶) مخدوم امین هالائی
(۱۷) نواب غلام الله خان لغاری
(۱۸) حزب الله شاه مسکین راشدی
(۱۹) حسن ~~چنیشاه~~ بخش شاه
(۲۰) محمد محسن بیکس

چوتها دور

(۱) قطب الدین شاه جهانیان پوشه
(۲) سوبها فقیر لغاری
(۳) سید مهدی شاه نصر پوری
(۴) فقیر ولی خان لغاری (ثانی)
(۵) سید غلام محمد شاه گدا
(۶) سائین عبدالغنی قادری
(۷) فقیر نظر علی خان لغاری
(۸) میر عبدالحسین سانگی
(۹) مرزا قلیچ بیگ
(۱۰) شمس الدین بلبل
(۱۱) زرک خان زیرک لاشاری
(۱۲) میان وڈل علوی حیدری
(۱۳) پیر رشد الله شاه
(۱۴) مولانا عُبید الله سندهی
(۱۵) سید کلیم الله شاه
(۱۶) پیر کمال الدین کمال
(۱۷) پیر جمال الدین علوی
(۱۸) پیر بهاون علی شاه قادری
(۱۹) محمد قاسم گڑهی یٰسینی
(۲۰) سید فضل الله شاه

پانچوان دور

(۱) محمد صادق رانیپوری
(۲) خلیفه غلام الله
(۳) عبدالله جان شاه آغا سرهندی
(۴) شاه غلام رسول قادری
(۵) محمد ابراهیم ناظم گڑهی یٰسینی
(۶) مولانا عبدالشکور نظامی
(۷) قاضی غلام اکبر درانی
(۸) مولانا دین محمد ادیب
(۹) تاج محمد افغان مشتاق
(۱۰) پیر مصطفی صبغت الله شاه ایرانی
(۱۱) مخدوم امیر احمد
(۱۲) حافظ محمد هاشم جان سرهندی

(۱۳) پیر علی محمد راشدی
(۱۴) سائین عبدالرشید قادری
(۱۵) محمد سلیم جان سرهندی
(۱۶) مراد خان چانڈیو
(۱۷) سید زوار حسین شاه
(۱۸) پیر حسام الدین راشدی
(۱۹) ڈاکٹر غلام مصطفی خان
(۲۰) پیر اسحاق جان سرهندی
(۲۱) پروفیسر علی نواز جتوئی
(۲۲) پیر غلام محی الدین سرهندی
(۲۳) شاه اکرام حسین سیکری
(۲۴) مرزا محمد افضل بیگ
(۲۵) مخدوم محمد زمان طالب المولی
(۲۶) حافظ پیر محب الله شاه
(۲۷) شاه بشیر الدین مخفی قادری
(۲۸) علیم الدین علمی قادری
(۲۹) مولانا غلام مصطفی قاسمی
(۳۰) پیر سید بدیع الدین شاه
(۳۱) حضور احمد سلیم
(۳۲) مخدوم غلام احمد

هر دور کے هر تذکرے مین سندھ کے اولیائے کرام کے سوانح حیات کے بعد ان کی روحانی ، علمی و ادبی خدمات اور کمالات کا تجزیہ کیا گیا هے ـ متعلقہ دور کی تاریخ ، تهذیب ، ثقافت اور معاشرت کی روشنی مین ان کی زندگی کے اهم پهلوون مثلاً حسب و نسب ، ولادت ، مولد و مسکن ، تعلیم ، اساتذه ، عملی زندگی ، مسلک ، سلسلۂ طریقت ، فیضان ، درس و تدریس ، تلامذه ، سفر و سیاحت ، وفات وغیره سے متعلق خاکہ پیش کیا گیا هے ـ

نظم و نثر مین عربی فارسی سندھی اور اردو تصنیفات ، تالیفات ، مطبوعات اور مخطوطات کی تفصیلات پیش کی گئی هین ـ مختلف اصناف مین تخلیقات و نگارشات کی خصوصیات بھی بیان کی گئی هین ـ تاریخی تهذیبی و سیاسی پسمنظر مین نثر نگاری و شاعری کے عوامل و محرکات اور عصری حالات و کوائف کا جائزه لیا گیا هے ـ اهل فکر و فن کی طرز نگارش اور اسلوب زبان و بیان پر بھی بحث کی گئی هے ـ آخر مین نظم و نثر کے نمونے شامل هین ـ

مقالے کی ترتیب و تدوین مین قدیم اور اوریجنل ماخذ یعنی اصل مخطوطات ، مطبوعات اور دستاویزات سے استفاده کرنے کی کوشش کی گئی هے جن کے حوالے حواشی مین حسب محل و حسب موقع دے دیئے گئے هین ـ

عام روش سے هٹ کر نامون کی ترتیب مین سن ولادت اور تذکرون کی ترتیب مین سن وفات کو ملحوظ رکھا گیا هے یعنی جن کی وفات جس عهد مین هوئی ان کا ذکر اسی عهد مین کیا گیا هے مثلاً سچل سرمست کی پیدائش گرچہ عهد کلهوڑا مین هوئی لیکن ان کا وصال عهد

تالپور مین ہوا ۔ فقیر قادر بخش بیدل تالپورون کے زمانے مین پیدا ہوئے لیکن برطانوی عہد مین معبود حقیقی سے جا ملے ۔ مخدوم امیر احمد انگریزون کے دور غلامی مین تولد ہوئے لیکن پاکستان کے دور آزادی مین پیوست رحمت ہوئے لہذا علی الترتیب سچل کا ذکر تالپور ، بیدل کا ذکر برطانیہ اور امیر احمد کا ذکر پاکستان کے عہد مین کیا گیا ہے ۔

ایسے حضرات جن کے اسلاف یا اخلاف نے علم و فضل ، شعر و ادب مین کوئی لائق ذکر خدمات انجام دی ہین اور اردو کے علاوہ دوسری زبانون خصوصاً سندھی عربی فارسی تصانیف یا مخطوطات چھوڑے ہین تحقیق و جستجو کی روشنی مین حواشی مین ان پر مختصر نوٹس لکھ دیئے گئے ہین ۔ اس طرح نہ صرف اضافی معلومات سامنے آجائینگی بلکہ سرمایہ علم و ادب کے یہ مخفی گوشے بھی منظر عام پر آجائینگے اور آئندہ کام کرنے والون کے لئے نشان راہ کا کام دینگے ۔

ہر دور کے حصہ اردو مین برصغیر مین اردو ادب کی ارتقائی صورت حال کے پیش نظر سندھ مین اردو انشاء پردازی اور شاعری کی انفرادی و مقامی خصوصیات کے ساتھ ساتھ ان کا تقابلی مطالعہ بھی پیش کیا گیا ہے ۔

تیسرے حصے مین زیر بحث (متعینہ) ادوار کی حکومتون کے عروج و زوال اور قیام کا تاریخی پس منظر ضمیمون کی صورت مین پیش کیا گیا ہے ۔ سندھ کے چند ایسے قابل ذکر کتب خانون کی فہرست درج ہے جن سے استفادہ کیا گیا ہے ۔ مطبوعہ و غیر مطبوعہ کتب ، دواوین ، رسائل و جرائد و اخبارات کی فہرستین زیر عنوان " کتابیات " شامل ہین جن سے اس مقالے کی ترتیب و تدوین کے سلسلے مین استفادہ کیا گیا ہے اور جو اس مقالے کا ماخذ ہین ۔

— تمام —

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اردو کی ترقی میں اولیائے سندھ کا حصہ

{ عہدِ کلہوڑا سے عہدِ پاکستان تک }

۱۱۳۲ھ / ۱۷۱۹ء — ۱۴۰۰ھ / ۱۹۸۰ء

مقالہ
برائے پی ایچ۔ ڈی

نگران
پروفیسر مولانا غلام مصطفےٰ قاسمی

مقالہ نگار
عبدالستار خاں وفا راشدی

شعبۂ اردو
سندھ یونیورسٹی
جام شورو

۱۴۰۰ھ / ۱۹۸۰ء

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اردو کی ترقی میں اولیائے سندھ کا حصہ

[عہد کلہوڑا سے عہد پاکستان تک
۱۱۳۲ھ / ۱۷۱۹ء — ۱۳۰۰ھ / ۱۹۸۰ء]

مقالہ
برائے پی ایچ ڈی

نگران
پروفیسر مولانا غلام مصطفیٰ قاسمی

مقالہ نگار
عبدالستار خان وفا راشدی

شعبہ اردو
سندھ یونیورسٹی ، جام شورو

۱۳۰۰ھ ۱۹۸۰ء

ترتیب

دوسرا دور ۱۱۹٦ - ۱۲۵۹ ھ / ۱۷۸۲ - ۱۸۴۳ ء

تیسرا دور ۱۲۵۹ - ۱۳۱۸ ھ / ۱۸۴۳ - ۱۹۰۰ ء

چوتھا دور ۱۳۱۹ - ۱۳۶۷ھ / ۱۹۰۱ - ۱۹۴۷ء

پانچواں دور ۱۳۶۷ - ۱۴۰۰ھ / ۱۹۴۷ - ۱۹۸۰ء

ضمیمہ نمبر ۳ ـ عہد برطانیہ

ضمیمہ نمبر ۴ ـ عہد پاکستان

ضمیمہ نمبر ۵ ـ اردو سندھی ادب کے سرچشمے

کتابیات

عکس شبیہہ ، عکس تحریر ، عکس مضامین

ا

پہلا حصہ

ہدیۂ شکر

کچھ اس مقالے کی ترتیب کے بارے میں

مقدمہ ۔ سندھ میں ، سندھی عربی فارسی اور

اردو زبان و ادب پر ایک نظر

هدیۂ شکر

ربّ العلمین ، جو بڑا رحیم و کریم ہے ، کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اس کی مدد ہر گام اور ہر منزل پر اس بندہ عاصی و عاجز کے شامل حال رہی اور تمام مشکلین آسان ہوگئین ۔

۱۹۵۲ءمین سرزمین سندھ مین آمد و سکونت کے بعد جوشی کے جن روحانی ، علمی و ادبی بزرگون کے دامن فیض و کرم سے وابستگی کا شرف حاصل ہوا ان مین مخدوم امیر احمد مرحوم (سابق پرنسپل سندھ اورینٹل کالج حیدرآباد) پروفیسر ڈاکٹر غلام مصطفےٰ خان (سابق صدر شعبہ اردو جامعہ سندھ) اور پروفیسر مولانا غلام مصطفےٰ قاسمی (ڈائرکٹر شاہ ولی اللہ اکیڈیمی ، مدیر اعلی ماھنامہ الولی ، الرحیم حیدرآباد) کا ذکر لطیف اس حقیر و فقیر کے لئے باعث افتخار و انبساط ہے ۔

مولانا مخدوم امیر احمد مرحوم کی بافیض صحبتون کا اثر تھا کہ راقم کے دل مین سندھ کی تواریخ ، ثقافت اور ادبیات کے مطالعہ کا شوق کارفرما ہوا ۔ یہ اس خاکسار کی خوش نصیبی ہے کہ استاد الاساتذہ ڈاکٹر مولانا غلام مصطفےٰ خان صاحب کی ہدایت و حوصلہ افزائی کے باعث اس نے پی ایچ ڈی مین داخلہ لیا اور آپکی نگرانی مین کام کا آغاز ہوا ۔ آپ نے جس شفقت اور اخلاص سے اس ناچیز کی رہنمائی فرمائی اس نے آگے کام کرنے کا حوصلہ دیا ۔ ڈاکٹر موصوف کی سندھ یونیورسٹی سے سبکدوشی کے بعد سے اب تک مولانا غلام مصطفےٰ قاسمی صاحب جیسے جید عالم دین ، ممتاز محدث و محقق کے زیر نگرانی کام کرنے کی سعادت حاصل ہوئی ۔ مولانا ئے مکرم نے اپنی غیر معمولی مصروفیات اور خرابی صحت کے باوجود جس محبت اور لگن سے کٹھن سے کٹھن موڑ پر رہنمائی فرمائی اسکی روشنی مین راہین آسان ہوگئین اور اللہ تبارک وتعالیٰ کے فضل و کرم سے یہ مقالہ پایۂ تکمیل کو پہنچا ۔

راقم السطور بعد ادب و احترام ان بزرگان علم و عرفان کی خدمت اقدس مین ہدیہ عقیدت پیش کرنے کی سعادت حاصل کرتا ہے ۔ یہان اس حقیقت کا اظہار بھی ناگزیر ہے کہ بعض اہم کتب و رسائل اور مواد کے حصول مین کچھ دشواریان پیش آئین اور یہ دشواریان

فقط ڈاکٹر نجم الاسلام صدیقی (صدر شعبہ اردو جامعہ سندھ) کی خصوصی توجہ اور مفید و موثر مشوروں سے دور ہوئیں ۔ راقم ان کا بے حد ممنون احسان ہے ۔

اس مقالے کی ترتیب و تدوین کے سلسلے میں چند اور محسنوں کرمفرماوں اور دوستوں کی بروقت پرخلوص تعاون و اعانت شامل رہی ۔ ان حضرات نے مخطوطات ، مطبوعات اور قلمی دستاویزات کی فراہمی میں خاص دلچسپی لی ۔ راقم الحروف صمیم قلب سے ان تمام حضرات کی خدمت گرامی میں " ہدیہ تشکر " پیش کرتا ہے ۔ چند معاونین کرام کے اسمائے گرامی یہ ہیں :

(۱) ڈاکٹر وحید قریشی ، ڈین فیکلٹی آف اسلامک اینڈ اورینٹل لرننگ ، پنجاب یونیورسٹی ، لاہور ۔

(۲) ڈاکٹر سخی احمد ہاشمی ، سابق صدر شعبہ اردو ، جامعہ سندھ

(۳) ڈاکٹر خواجہ غلام علی الانہ ، پروفیسر انچارج انسٹی ٹیوٹ آف سندھیالوجی ، سندھ یونیورسٹی ۔

(۴) غلام ربانی سکریٹری سندھی ادبی بورڈ حیدرآباد (سندھ)

(۵) انور فاتی نگران کتب خانہ ، سندھی ادبی بورڈ

(۶) پروفیسر حضور احمد سلیم ، صدر شعبہ فارسی ، جامعہ سندھ

(۷) ڈاکٹر طاہر ملک ، صدر شعبہ علوم اسلامی ، جامعہ کراچی

(۸) پیر سید وہب اللہ شاہ ، نگران کتب خانہ پیر جھنڈو

(۹) سید الطاف علی بریلوی ، سکریٹری آل پاکستان ایجوکیشنل کانفرنس کراچی

(۱۰) شان الحق حقی ، سابق سکریٹری ترقی اردو بورڈ کراچی

(۱۱) ڈاکٹر شیخ ابراہیم خلیل ، سابق پروفیسر لیاقت میڈیکل کالج حیدرآباد

(۱۲) ڈاکٹر شیخ محمد اسماعیل ، نگران کتب خانہ خلیل لطیف آباد

(۱۳) پیر حکیم غلام محی الدین سرہندی ، نگران کتب خانہ خواجہ حسن سرہندی ٹنڈو سائیں داد

(۱۴) مخدوم غلام احمد بن مخدوم امیر احمد ، ہیڈ ماسٹر اسلامیہ ماڈرن ہائی اسکول حیدرآباد

(۱۵) احمد شیخ ، ناشر زیب ادبی مرکز ، طابع سندھ پرنٹنگ پریس ، حیدرآباد ۔

(۱۶) ڈاکٹر شاہ محمد نعیم ندوی سابق صدر شعبۂ اردو جامعہ سندھ

(۱۷) ~~[illegible]~~ پیر وزیر سید قمر [illegible] گورنمنٹ سندھ [illegible] [illegible] حیدرآباد

کمترین

وفا راشدی

کچھ اس مقالے کی ترتیب کے بارے میں

زیر نظر مقالے کا عنوان ہے " اردو کی ترقی میں اولیائے [۱] سندھ کا حصہ " (یہاں اولیاء سے مراد وہ اہل سلوک ہیں جن کا تعلق کسی نہ کسی سلسلہ طریقت سے رہا ہے) یہ مقالہ تین حصوں پر مشتمل ہے ۔

پہلا حصہ ایک تفصیلی مقدمہ بعنوان " سندھ میں ، سندھی عربی فارسی اور اردو زبان پر ایک نظر " پر محیط ہے ۔ اس " مقدمہ " میں عہد کلہوڑا سے عہد پاکستان تک کے ادوار میں سندھی عربی فارسی اور اردو زبان و ادب کا عہد بہ عہد ارتقاء کا ایک خاکہ پیش کیا گیا ہے ۔ عہد کلہوڑا سے پہلے ~~[illegible]~~ ۔ یہ امر گرچہ مقالے کے اصل موضوع میں شامل نہیں لیکن جہاں تک سندھ میں اردو سے ان زبانوں کے ربط و ارتباط کا تعلق ہے اسکے اثرات و محرکات کے آئینے میں اس حقیقت کا انکشاف دلچسپی سے خالی نہیں کہ اردو کی ترقی میں حصہ لینے والے اولیاء ، صوفیاء ، علماء ، شعراء اورادباء نے اپنے افکارو معارف کے دائرے کو اردو تک محدود نہیں رکھا بلکہ سندھی عربی فارسی زبان و ادب میں ان کی اسلامی ، علمی ، تاریخی اور تحقیقی ، تخلیقات و نگارشات نوادرات میں سے ہیں اور یہ ہمارا قومی ورثہ ہیں ۔

تحقیقات کی روشنی میں یہ حقیقت واضح ہوچکی ہے کہ اسلامی عہد سے پہلے سے سندھ سندھی زبان کی جنم بھومی ہے ۔ عربوں کی آمد کے بعد عربی آئی پھر فارسی آئی اور اسکے بعد اردو نے سندھ ہی میں جنم لیا ۔ آغوش سندھ میں یہ چاروں زبانیں ہنستی مسکراتی پھلتی پھولتی رہیں ۔ شروع سے ان زبانوں کا ایک دوسرے سے گہرا رابطہ اور مربوط رشتہ رہا ہے ۔ ان زبانوں نے اہل سندھ کی تاریخ و ثقافت اور تہذیب و معاشرت کی تعمیر و تشکیل میں ہمیشہ سے نمایاں کردار ادا کیا ہے ۔

---

(۱) اس مقالے میں سندھ کے اولیائے کرام یا صوفیائے کرام کے علاوہ بعض ایسے حضرات کے تذکرے بھی شامل ہیں جو اولیائے کرام (اہل سلوک) تو نہیں لیکن ان کا تعلق کسی نہ کسی حیثیت سے صوفی خاندان سے ہے ۔ وہ اپنی علمی و دینی اور ادبی خدمات کی بدولت امتیازی مقام کے حامل ہیں اسلئے ان کا تذکرہ بھی مناسب سمجھا گیا ۔

۲

سندھ کے اہل اللہ اور اہل علم بیک وقت سندھی عربی فارسی اور اردو پر عبور رکھتے تھے اور رکھتے ہیں ـ یہ چاروں زبانیں ہر دور ، ہر عہد میں ایک دوسرے پر اثر انداز ہوتی رہی ہیں ـ صوفیائے کرام نے امتیاز رنگ و نسل سے بلند اور علاقائی قید و بند سے آزاد ہوکر ان چاروں زبانوں کی نشو و نما میں وسیع النظری و وسیع القلبی سے حصہ لیا ہے جس کے مفید و موثر اثرات مرتب ہوئے ـ ان زبانوں میں جو علوم و فنون منصہ شہود میں آئے وہ سندھ میں اسلامی روایات ، دینی اقدار ، تہذیبی و ثقافتی تعمیرات ملی و تعلیمی تحریکات اور قومی جدوجہد کے آئینہ دار ہیں ـ

دوسرے حصے میں اس مقالے کو عہد کلہوڑا سے عہد پاکستان (عصر حاضر) تک کے حسب ذیل پانچ ادوار میں تقسیم کیا گیا ہے ـ

پہلا دور	عہد کلہوڑا	۱۱۳۲ — ۱۱۹۶ ھ ۱۷۱۹ — ۱۷۸۲ ء
دوسرا دور	عہد تالپور	۱۱۹۶ — ۱۲۵۹ ھ ۱۷۸۲ — ۱۸۴۳ ء
تیسرا دور	عہد برطانیہ (دور اول)	۱۲۵۹ — ۱۳۱۸ ھ ۱۸۴۳ — ۱۹۰۰ ء
چوتھا دور	" " (دور ثانی)	۱۳۱۹ — ۱۳۶۷ ھ ۱۹۰۱ — ۱۹۴۷ ء
پانچواں دور	عہد پاکستان	۱۳۶۷ — ۱۴۰۰ ھ ۱۹۴۷ — ۱۹۸۰ ء

ہر دور کے ہر تذکرے میں سندھ کے اولیائے کرام کے سوانح حیات کے بعد ان کی روحانی ، علمی و ادبی خدمات اور کمالات کا تجزیہ کیا گیا ہے ـ متعلقہ دور کی تاریخ ، تہذیب ، ثقافت اور معاشرت کی روشنی میں ان کی زندگی کے اہم پہلوؤں مثلاً حسب و نسب ولادت ، مولد و مسکن ، تعلیم ، اساتذہ ، علمی زندگی ، مسلک ، سلسلہ طریقت ، فیضان ، درس و تدریس ، تلامذہ ، سفر و سیاحت اور وفات وغیرہ سے متعلق خاکہ پیش کیا گیا ہے ـ

منظوم و نثر میں عربی فارسی سندھی اور اردو تصنیفات ، تالیفات ، مخطوطات اور

مطبوعات کی تفصیلات پیش کی گئی ھین ۔ تاریخی تہذیبی و سیاسی پس منظر مین نثر نگاری و شاعری کے عوامل و محرکات اور عصری حالات و کوائف کا جائزہ لیا گیا ھے ۔ اهل فکر و فن کی طرز نگارش اور اسلوب زبان و بیان پر بھی بحث کی گئی ھے ۔ آخر مین نظم و نثر کے نمونے شامل ھین ۔

مقالے کی ترتیب و تدوین مین قدیم اور اوریجنل مآخذ یعنی اصل مخطوطات ، مطبوعات اور دستاویزات سےاستفادہ کرنے کی کوشش کی گئی ھے جن کے حوالے حواشی مین حسب محل و حسب موقع دے دیئے گئے ھین ۔

عام روش سے ھٹ کر ناموں کی ترتیب مین سن ولادت اور تذکروں کی ترتیب مین سن وفات کو ملحوظ رکھا گیا ھے یعنی جن‌کی وفات جس عہد مین ھوئی ان کاذکر اسی عہد مین کیا گیا ھے مثلاً سچل سرمست کی پیدائش گرچہ عہد کلہوڑا مین ھوئی لیکن ان کا وصال عہد تالپور مین ھوا ۔ فقیر قادر بخش بیدل تالپوروں کے زمانے مین پیدا ھوئے لیکن برطانوی عہد مین معبود حقیقی سے جاملے ۔ مخدوم امیر احمد انگریزوں کے دور غلامی مین تولد ھوئے لیکن پاکستان کے دور آزادی مین‌پیوست رحمت ھوئے ۔ لھذا علی الترتیب سچل کا ذکر تالپور ، بیدل کا ذکر برطانیہ اور امیر احمد کا ذکر پاکستان کے عہد مین کیا گیا ھے ۔

ایسے حضرات جن کے اسلاف یا اخلاف نے علم و فضل ، شعر و ادب مین کوئی لائق ذکر خدمات انجام دی ھین اور اردو کے علاوہ دوسری زبانوں خصوصاً سندھی عربی فارسی تصانیف یا مخطوطات چھوڑےھین ۔ تحقیق و جستجو کی روشنی مین حواشی مین ان پر مختصر نوٹس لکھ دیئے گئے ھین ۔ اس طرح نہ صرف اضافی معلومات سامنے آجائینگی بلکہ سرمایۂ علم و ادب کے یہ مخفی گوشے بھی منظر عام پر آجائین گے اور آئندہ کام کرنے والوں کے لئے نشان راہ کا کام دین گے۔

ھر دور کے حصۂ اردو مین برصغیر مین اردو ادب کی ارتقائی صورت حال کے پیش نظر سندھ مین اردو انشاء پردازی اور شاعری کی انفرادی و مقامی خصوصیات کے ساتھ ساتھ ان کا تقابلی مطالعہ بھی پیش کیا گیا ھے ۔

تیسرے حصے مین زیر بحث (متعینہ) ادوار کی حکومتوں کے عروج و زوال اور قیام کا

تاریخی پس منظر اور دیگر اہم امور کی وضاحت کو ضمیموں کی صورت میں پیش کیا گیا ہے ۔
سندھ کے چند ایسے قابل ذکر کتب خانوں کی ایک فہرست بھی درج ہے جن سے خاص طور
پر مدد لی گئی ہے ۔ مطبوعہ و غیر مطبوعہ کتب ، دواوین ، رسائل و جرائد و اخبارات کی
فہرستیں زیر عنوان " کتابیات " شامل ہیں جن سے اس مقالے کی ترتیب و تدوین کے سلسلے
میں استفادہ کیا گیا ہے اور جو اس مقالے کا مآخذ ہیں ۔

حقیر و فقیر

وفا راشدی

مقدمہ

سندھ میں ،

سندھی عربی فارسی اور اردو زبان و ادب پر ایک نظر

سندھ کا تاریخی پس منظر

باب الاسلام سندھ ، وطن عزیز مملکت پاکستان کا وہ خطہ ہے جو صدیوں سے تاریخ و ثقافت ، تہذیب و تمدن ، علوم و فنون کا مرکز اور تصوف و روحانیت ، حقائق و معارف کا گہوارہ رہا ہے ۔ اس حقیقت کی زندہ شہادتیں آج بھی جابجا تاریخی عمارتوں ، قدیم مسجدوں مجاہدان اسلام کے مزاروں ، بزرگان دین کی درگاہوں ، فدایان توحید کی خانقاہوں ، پرانے کتب خانوں ، قدیم سکوں اور بہت سے دیگر نقوش و آثار سے ملتی ہیں (۱) ۔

موئن جو ڈرو (۲) ، سندھ کی ہزاروں سالہ قدیم تاریخ ، انسانی زندگی ، معاشرتی اقدار ، تہذیبی و تمدنی عوامل و محرکات کا گواہ ہے اور آج بھی اسکی عظمت رفتہ دنیا بھر کے سیاحوں کی توجہ کا مرکز ہے ۔ سندھ نے وہ دور بھی دیکھے جب آریائی تہذیب ، بودھ مت اور ھندومت نے اہل سندھ کو غیر اسلامی تحریکات و اثرات سے دوچار کیا ۔ سکندر اعظم کی فتح سندھ کے بعد اہل سندھ یونانی علم و حکمت سے بھی آشنا ہوئے ۔

---

(1) The Pre Muslim Antiquities of Sind by Professor Dr. J.E. Lohuizen, University of Amsterdam, Netherlands. Wr. to Sindhological Studies, 1979

(۲) موئن جو ڈرو (ضلع لاڑکانہ سندھ) اور ھڑپہ (ضلع ساھیوال پنجاب) دونوں مقامات سے ایک ہی دور کی یادگاریں برآمد ہوئی ہیں ۔ یہ تہذیب پانچ ہزار سال سے بھی قبل تمام وادی سندھ میں پھیلی ہوئی تھی ۔ اس تہذیب کے مظاہر پنجاب سندھ اور بلوچستان کے دیگر مقامات سے برآمد ہوئے ہیں ۔ ان مقامات میں موئن جو ڈرو کی قدامت اور تہذیب سب سے زیادہ اہمیت رکھتی ہے ۔ (تاریخ پاکستان و ھند ، جلد اول ، ص ۲۸ از سید عبدالقادر) ۔

1. Antiquities of Sind By Henry Cousens
2. Historical Geography of Sind by Mazhar Yousuf (Wr. to Sindhological Studies, 1979)

سندھ میں مسلمان فاتحوں کی آمد سے قبل ہندوستان کا نظام حکومت منتشر تھا ۔ تمام خطے مختلف راجاؤں کے زیر نگین ٹکڑوں میں بٹے ہوئے تھے ۔ مسلمانوں نے نظم و ضبط کے ساتھ منظم و مربوط حکومتیں قائم کیں ۔ ولید بن عبدالملک (٧٠٥ - ٧١٥ ء) کے عہد خلافت میں جو بنی امیہ کے اصل عروج و اقبال کا زمانہ تھا [١] محمد ابن قاسم نے ٩٣ ھ (٧١٢ ء) میں راجہ داہر کو شکست دیکر سندھ [٢] میں پہلی اسلامی حکومت کی داغ بیل ڈالی [٣] ۔

محمد بن قاسم نے حکومت کے نظم و نسق کے ساتھ ساتھ تبلیغ اسلام پر سب سے زیادہ توجہ دی ۔ سندھ کے باشندے محمد بن قاسم کے حسن سلوک ، روا داری اور اعلی ظرفی سے بہت متاثر ہوئے اور بخوشی و رضا قبول اسلام کا شرف حاصل کیا ۔ ان میں دیبل [٤] کے

---

(١) تاریخ اسلام ، محمود الحسن صدیقی ، ص ٩٧

(٢) اسلام سے پہلے راجہ داہر کی حکومت کے زمانے میں جس ملک کو سندھ کے نام سے موسوم کرتے تھے وہ سمت مغرب میں مکران ، جنوب میں بحر عرب اور گجرات تک ، مشرق میں موجودہ مالوہ کے وسط اور راجپوتانہ تک اور شمال میں ملتان سے گزر کر جنوبی پنجاب کے اندر تک وسیع تھا اور عرب مورخین اس سارے علاقے کو سندھ کہتے تھے ۔ (ماخوذ از تاریخ سندھ ، حصہ اول ، ص ١ ، قدوسی)

(٣) تاریخ ہند و پاکستان از ریاض الاسلام ، ص ١٧ - ١٨

(٤) اکابر دیبل میں جو لوگ مشرف بہ اسلام ہوئے ان میں قبلہ ابن مہتراج اور مولائی دیبلی کے نام سرفہرست ہیں ۔ محمد بن قاسم نے قبلہ کی حکمت و دانش کے اعتراف میں انھیں دیبل کا حاکم بنایا ۔ (چچ نامہ)

اکابر بھی شامل تھے ـ محمد بن قاسم نے جس علاقے کو فتح کیا وہاں مسجدیں (۱) تعمیر کروائیں اور مدرسے قائم کیئے ـ

عربوں کی آمد سے انگریزوں کی آمد تک (۹۳ — ۱۲۵۹ ھ / ۷۱۲ — ۱۸۴۳ ء) عرب ، سومرا ، سمہ ، ارغون ، ترخان ، مغل ، کلہوڑا ، تالپور نے یکے بعد دیگرے سندھ کی سرزمین پر بارہ سو سال حکومتیں کیں ـ ان تمام حکومتوں اور عہدوں کے تاریخی سیاسی تہذیبی سماجی علمی ادبی اور روحانی نقوش وادی مہران کے چپے چپے پر ثبت ہیں ـ

سرزمین سندھ کو اس اعتبار سے فضیلت حاصل ہے کہ جس زمانے میں عرب کے ریگستان میں آفتاب توحید طلوع ہوا اسی زمانے میں ریگزار سندھ میں بھی شمع رسالت روشن ہوئی ـ اسلام کا پرچم لہرایا ـ ایک روایت سے پتہ چلتا ہے کہ ہادی اسلام سرور کونین حضرت محمد مصطفے صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے پانچ صحابیوں کو بغرض اشاعت اسلام سندھ کی طرف روانہ کیا ـ ان میں سے دو صحابۂ کرام سندھ میں رہ گئے اور یہیں پیوند خاک ہوئے (۲) ـ سندھ میں اشاعت اسلام کی ابتدا یہیں سے ہوتی ہے گئی ـ

تواریخ اور تذکروں سے یہ شہادتیں ملتی ہیں کہ خلافت راشدہ اور بنی امیہ کے دور سے پہلے ہی سے عرب تاجروں مجاہدوں اور مبلغوں کی آمدورفت کا سلسلہ جاری تھا ـ اس طرح عربوں سے اہل سندھ کے روابط و تعلقات ظہور اسلام سے قبل بھی قائم تھے ـ

---

(۱) محمد بن قاسم نے دیبل منصورہ ، اسرور ، حیدرآباد ملتان وغیرہ میں مجسدیں تعمیر کروائیں ، نماز و امام کا بندوبست کیا ـ بقول صاحب چچ نامہ ـــ " مسجد بنا نمود و بانگ نماز و امام تعین فرمود " ـ ٹھٹھہ کے قریب بھنبھور کی جامع مسجد کو برصغیر پاک و ہند کی سب سے قدیم مسجد بتائی جاتی ہے ـ بھنبھور شہر کی کھدائی کے بعد اس مسجد کے آثار نمایاں ہوئے ہیں جن سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ مسجد محمد بن قاسم کے زمانے کی یا ان سے پہلے کی ہوگی ـ حضرت مولانا غلام مصطفے قاسمی نے اپنے ذاتی مشاہدے اور معلومات کی بنیاد پر ایک تحقیقی مقالہ اس مسجد کے بارے میں تحریر فرمایا ہے جو ماہنامہ اولولی حیدرآباد بابت جنوری فروری ۱۹۷۶ء کے اوراق میں محفوظ ہے ـ

(۲) سرزمین سندھ میں علم و حدیث (قلمی نسخہ) ص ۱
[handwritten:] ... صحابہ کرام کے زمانے میں ... سندھ پہنچا ... تاریخ فرشتہ جلد دوم صفحہ ۸۱۵

سندھ کی سرزمین اولیائے کرام کی سرزمین ہے ۔ حضرت شیخ ابو تراب [1] المعروف بہ حاجی ترابی ہندوستان اور پاکستان کے سب سے پہلے ولی اللہ ہیں جو ۱۵۲ ھ (۷۷۱ء) میں دور عباسیہ میں گزرے ہیں ۔ آپ کا مزار پر انوار ٹھٹھہ سے دس میل کے فاصلہ پر مرکز روحانیت و مرجع خلائق ہے ۔ برصغیر پاک و ہند میں یہ شرف بھی سندھ کو حاصل ہے کہ یہاں اولیائے کرام صوفیائے عظام اور بزرگان دین ابتدائی صدی ہجری سے عرب ، عجم ، افغانستان اور مختلف اسلامی ممالک و مرکز سے آتے اور تجلیات الٰہی ، انوار محمدی سے دلوں کو منور کرتے رہے ۔

سندھ میں عربی کا آغاز

سرزمین سندھ میں عربوں کی آمد اور اسلامی حکومت کے قیام کے بعد بعض عرب قبائل نے یہاں مستقل سکونت اختیار کی ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین کے عہد میں آنے والے عربوں کے خاندان [2] یہاں پہلے سے موجود تھے ۔ ان میں علمائے دین بھی تھے اور اکابر اسلام بھی ۔ ان کی مادری زبان عربی تھی ۔ عربی اللہ کا کلام اور رسول کی زبان ہے ۔ اس زبان کی جامعیت ، وسعت اور ہمہ گیری نے اہل سندھ کو متاثر کیا ۔ عربی پہلے سرکاری زبان کی حیثیت سے رائج ہوئی پھر ایک دینی اور علمی زبان کی حیثیت سے وادی مہران کے گوشے گوشے میں پھیل گئی ۔ محمد بن قاسم کے زمانے سے امیران تالپور کے عہد تک کے ہر دور میں جابجا مدرسے قائم ہوئے ۔ عربی علوم اور اسلامی فنون کی درس و تدریس ، تحصیل و تکمیل کا رواج عام ہوا ۔ ان مدرسوں کے اساتذہ کرام میں نہ صرف سندھ بلکہ عرب ، عراق ، شام اور عجم کے ماہرین علوم و فنون بھی شامل تھے ۔

دیبل ، منصورہ ، السرور ، ملتان ، بکھر ، ٹھٹھہ ، سیوھن ، حیدرآباد جیسے مقامات اسلامی تہذیب و تعلیم کیلئے پوری اسلامی دنیا کی توجہ کا مرکز تھے ۔ سندھ میں عربوں کے چار سو سالہ دور حکومت اور اس کے بعد سے دور مغلیہ (۱۱۳۲ ھ — ۱۷۱۹ ء) یعنی پہلی صدی ہجری سے گیارھویں صدی ہجری تک سندھ میں عربی النسل اور سندھی النسل

---

(۱) تحفۃ الکرام ، جلد سوم ص ۲۵۳ ، تذکرہ صوفیائے سندھ ، ص ۳۳ تا ۳۶ ۔

(۲) عربوں نے سب سے پہلے دیبل میں ایک محلہ بسایا تھا جس میں چار ہزار عرب خاندان آباد تھے ۔ (تاریخ سندھ قدوسی ، جلد اول ، ص ۳۱۰)

علماء ، صوفیاء ، فقہاء ، قرأ ، محدثین ، محققین اور ارباب تجوید و تفسیر کاروان در کاروان نظر آتے ھین (۱) ۔ ان ارباب دین کی تعلیمات ، تصنیفات و تالیفات کا بیش بہا خزانہ کلام ربانی اور پیغام محمدی پر مبنی اسلام کی حقیقت و معرفت کی شہادت دیتا ھے ۔

متعدد علماء خاک سندھ سے اٹھے اور اپنے علم و فضل ، درس و تدریس اور افکار و معارف سے عالم اسلام کو فیضیاب کیا ۔ ان مین امام حدیث ابو معشر نجیح (وفات ۱۷ ھ ــ ۷۸۶ ء) بن عبدالرحمن سندھی اور ان کی اولاد ائمہ حدیث و مغازی مین سے تھے ۔ انھون نے مدینہ اور بغداد مین اپنی امامت و عظمت کا علم بلند رکھا (۲) ۔

مکہ مکرمہ مین امام ابو جعفر محمد بن ابراھیم بن عبداللہ دیبلی (وفات ۳۲۲ ھ) (انھون نے مکتوبات نبوی کا مجموعہ مرتب کیا جو اعلام السائلین من کتب سید المرسلین کے آخری حصہ کی زینت ھے) ، بغداد مین حافظ ابو محمد خلف ابن سالم (وفات ۲۳۱ ھ ــ ۸۲۵ء) ابو نصر الفتح بن عبداللہ سندھی ، امام ابوبکر احمد بن قاسم سندھ ، نیشاپور مین ابو العباس احمد بن عبداللہ بن سعید دیبلی (وفات ۳۴۳ ھ) شام مین امام ابو عبداللہ محمد اور ان کے پوتے علی ابن محمد بن محمد دیبلی شافعی (وفات ۱۵۶ ھ) (جو بڑے محدث و فقیہہ تھے ان کی تصنیف " کتاب الادب ، عربی مین بڑی اہم کتاب مانی جاتی ھے) ~~جمرہ~~ بصرہ

---

(۱) تین سو سال تک علوم اسلامیہ مین صرف مصر اور شام کے علماء کا طوطی بولتا تھا لیکن گیارھوین صدی ھجری کے آخر تک جیسے اکابر علم و ادب سندھ کی سرزمین سے اٹھے سارے عالم مین اس کی نظیر نہین ملتی ۔
(تفصیلات کیلئے ملاحظہ ھو مقالہ " امام ابوالحسن کبیر سندھی " از مولانا محمد عبدالرشید نعمانی ، مطبوعہ الولی حیدرآباد اکتوبر نومبر ۱۹۷۲ء)

(۲) مولانا غلام مصطفی قاسمی کے ایک عربی مقالہ " سندھ مین علم حدیث " (قلمی) سے استفادہ کیا گیا ۔ اس طویل مقالے کا ایک حصہ بعنوان " سندھ مین حدیث جا امام اور ممتاز عالم " ۔ ماھنامہ نئی زندگی (سندھی) کراچی شمارہ اپریل ، مئی ۱۹۷۵ء مین شائع ھوچکا ھے ۔ یہ مقالہ بھی راقم کی نظر سے گزرا ھے ۔

(۳) کتاب الانساب للسمعانی ، ص ۳۱۳ ، تاریخ الخطیب البغدادی ج ص ۳۳۶ ۔ تہذیب التہذیب ، ج ۹ ، ص ۲۷ ــ ۸۸ ، بحوالہ سرزمین سندھ مین علم حدیث ص ۲ ، ۳ ۔

میں ابو العباس محمد دیبلی (وفات ۳۲۵ ھ) عراق میں حافظ محمود (وفات ۲۳۱ ھ ، حافظ حدیث تھے) اور مصر میں ابو قاسم شعیب بن محمد دیبلی کا سرچشمۂ علوم و فنون گئی صدیوں تک جاری رہا ۔ یہ امر بھی قابل ذکر ہے کہ امام اعظم ابو حنیفہ (بانی مسلک حنفی) نسلاً سندھی تھے ۔ ان کے آبا و اجداد نے سندھ سے پہلے ایران پھر عراق میں سکونت اختیار کی (۱) ۔ امام ابو حنیفہ کے ایک ہمعصر اور امام مالک کے شاگرد شیخ الاسلام امام اوزاعی بن عمر اپنے زمانے کے مشہور مجتہدوں میں سے تھے ۔ فقہی مذہب کے بانی تھے اندلس میں علم و فن کے جوہر دکھائے (۲) ۔

اب ان علمائے دین کا ذکر کیا جاتا ہے جو سندھ میں پیدا ہوئے اور سندھ ہی میں وفات پائی ان کے علاوہ ان حضرات کا ذکر بھی ضروری ہے جو عرب عجم ، مشرق وسطیٰ اور وسطیٰ ایشیاء سے مختلف ادوار میں یہاں آئے اور اپنی زندگی علمی دینی و روحانی خدمات میں وقف کی ۔ یہ تمام حضرات نحو معانی منطق فقہ حدیث تحقیق تجوید تفسیر کے علوم و فنون میں اپنی مہارت اور کمال کی بناء پر مستند و ممتاز سمجھے جاتے تھے ۔

پہلی صدی ہجری (یعنی ۹۳ ھ) جب محمد بن قاسم سندھ آئے تو ان کے ہمراہ علماء و فقہاء کی ایک جماعت بھی تھی جن میں موسیٰ ابن یعقوب ثقفی کو بہت بلند درجہ حاصل تھا ۔ محمد بن قاسم نے انہیں الرور کے قاضی القضات کے عہدے پر مامور کیا تھا ۔ موسیٰ ابن یعقوب کا خاندان اپنی غیر معمولی علمی خدمات کی بدولت مدتوں ممتاز رہا ۔ (چچ نامہ) ۔ معروف تابعی حسن بصری کے تلامذہ الربیع بن صبیح السعدی بصری اور ابو موسیٰ اسرائیل دونوں تبع تابعین میں سے تھے ۔ اول الذکر حدیث کے اجل امام اور آخر الذکر صحیح بخاری کی روایت میں ہیں ۔ ربیع ابن صبیح (وفات ۱۶۰ ھ) نے حدیث پر سب سے پہلی کتاب تصنیف کی (۳) ۔

عہد اسلامی میں دیبل ، منصورہ ، ملتان اور الرور وغیرہ اسلامی علوم و فنون اور تہذیب و معاشرت کا گہوارہ تھے ۔ اس زمانے میں وہاں علماء کی خاص تعداد موجود تھی ۔

---

(۱) تاریخ سندھ ، ابو ظفر ندوی

(۲) تذکرۃ الحفاظ جلد اول ص ۱۲۰ ، تہذیب التہذیب ج ۲ ص ۲۳۸ بحوالہ سرزمین سندھ میں علم حدیث ، ص ۲

(۳) سرزمین سندھ میں علم حدیث (قلمی) ص ۵

ابو العباس احمد بن محمد بن صالح یعنی منصورہ کے قاضی اور بڑے فقیہہ و محدث تھے ۔ متعدد تصانیف چھوڑیں ۔ قاضی ابومحمد منصوری داؤد (۱) منصورہ میں قضا کے عہدے پر فائز تھے ۔ ۳۷۵ ھ میں منصورہ میں مدرسہ قائم کیا ۔ ان کی تصانیف سے ان کی محققانہ بصیرت کا اندازہ ہوتا ہے ۔ محمد بن ابو الشوارب (۲) منصوری ۲۸۳ ھ میں عراق سے سندھ آئے اور منصورہ میں عمر گزار دی ۔

ساتویں صدی ہجری کے اوائل میں اسمعیل بن علی محمد الثقفی نے منہاج المسالک عربی میں لکھی جسکا فارسی ترجمہ چچ نامہ کے نام سے علی حامد بن ابو بکر کوفی نے ۶۱۳ ھ میں کیا (۳) ۔

آٹھویں صدی ہجری میں شیخ ابو حنیفہ محمد تغلق کے زمانے میں قاضی تھے ۔ شیخ صدرالدین فقہ میں خاص شہرت رکھتے تھے ۔ مشہور سیاح ابن بطوطہ جو ۷۳۸ ھ میں سندھ آئے ان بزرگوں کا ذکر کیا ہے ۔ مولانا برہان الدین بکھری سلطان علاو الدین محمد شاہ خلجی کے دور میں فقہ و اصول کے مدرس و ماہر تھے ۔ ظہیر الدین بکھری ان کے معاصرین میں سے تھے ۔ ضیاء الدین برنی کی کتاب میں ان کا تذکرہ ملتا ہے ۔ مخدوم محمد یو بکائی (ضلع دادو مصنف المتانت جس میں سندھی زبان کے الفاظ بھی شامل ہیں) کے علاوہ نویں اور دسویں صدی ہجری کے علماء میں مولاناعبدالعزیز ابہری سیوہانی (متوفی ۹۱۸ ھ) بایزید ٹھٹھوی (مصنف علم الکلام) قاضی عبداللہ ، قاضی ابراھیم دریبلوی، قاضی دتہ سیوہانی (بحوالہ تاریخ معصومی) ، شیخ الاسلام عماد الدین مسعود بن شیبہہ سندھی (عظیم الدرجت محدث تھے ان کی تصانیف میں کتاب الاقالیم و طبقات الحنفیہ کے علاوہ دوسری کتابوں سے عرب دنیا نے استفادہ کیا (۴)) ۔ اور مولانا عمر فقیہہ وغیرہ وہ بزرگان دین اور اولیا اللہ تھے جنھوں نے جابجا مدرسے قائم کئے ۔ تصانیف و خطبات اور درس و تدریس کے ذریعہ دین کی تعلیمات کو عام کیا ۔ عربی علوم اور اسلامی تعلیمات ، تہذیب و معاشرت کے فروغ میں خاص طور پر حصہ لیا ۔

---

(۱) الکامل ، ج ۷ ص ۳۳۴ ۔ احسن التقاسیم ص ۳۸۱ بحوالہ سرزمین سندھ میں علم حدیث ، ص ۵

(۲) ایضـــاً

(۳) مقدمہ فتح نامہ سندھ ، ص ۱ مقالات اختر ص ۳

(۴) الولی ، اکتوبر ۱۹۷۶ء ، ص ۱۵

عربی کے سندھی ادیبون مین سندھی بن علی کاتب کا سراغ ملتا هے - اس نے شر مین " کتاب الشرکتـة " کے نام سے ایک کتاب لکھی جس مین سندھی مغنیون کے حالات درج هین -

سندھ کے شعراء نے عربی کے شعری ادب کی ترقی و ترویج مین بھی عرب معاصرین کے دوش بدوش حصہ لیا اور اپنے شعر و سخن کا لوہا منوایا - ان مین ابو عطاء سندھی تیسری صدی هجری کا بلند پایہ شاعر گزرا هے - اس کی ملی نظمین حب الوطنی اور محبت انسانی کے جذبات سے مملو هین - ابو العلما افلح سندھی عربی کا بہت بڑا شاعر مانا جاتا تھا - تذکرہ شعرائے عربی مین ان کے اشعار و قصائد کے نمونے ملتے هین - یہ سندھی ادبی بورڈ حیدرآباد کا قابل قدر کارنامہ هے کہ اس نے ابو العلماء کے کلام کی کھوج لگائی اور مجموعہ کلام شائع کو کے اس عظیم شاعر کی ادبی یادگار قائم کردی - ان کے علاوہ ابو اسحاق (وفات ٢٣٥ ھ — ٨٣٢ ء) مشہور سندھی کشاجم سندھی ، هارون عبداللہ ملتانی ، سندھی ابن صدقـة وغیرہ نے عربی شعر و ادب کی دنیا مین شہرت و ناموری حاصل کی -

سندھی
<u>اسلامی عہد مین</u>

سندھی زبان کی تاریخ اتنی هی قدیم هے جتنی کہ خود سندھ کی تاریخ - سندھی زبان کی اصل کیا هے ؟ اس زبان نے سندھ مین کب جنم لیا ؟ اس کی ابتدائی تشکیل کن زبانون کے اختلاط اور بنیاد پر هوئی ؟ اس بارے مین اختلاف رائے پایا جاتا هے - ماهرین لسانیات اور محققین ادبیات نے اپنے اپنے نظریات پیش کئے هین لیکن یہ مسئلہ هنوز تحقیق طلب هے - اس جگہ یہ بحث همارے موضوع سے علیحدہ هے -

بہرکیف یہ ایک تاریخی حقیقت هے کہ سندھ مین عربون کی آمد سے قبل سندھی زبان کی ابتدا هوچکی تھی - اسلامی حکومت کے قیام کے وقت یہان سندھی زبان موجود تھی عربون کے دور مین سندھی ملکی زبان تھی اور عربی حکومت کی زبان تھی (سندھی ادب ص ١٢) دونون زبانین دوش بدوش ترقی کرتی گئین (١) - سندھی عربی رسم الخط کی بنیاد بھی عربون

---

(١) " منصورہ ملتان اور اطراف مین عربی اور سندھی بولی جاتی هے " (سفر نامہ ابن حوقل ص ٢٣٢ لا لیڈن) - ایک اور عرب سیاح کا بیان هے کہ " سندھ مین جو بولیان بولی جاتی هین وہ عربی اور سندھی هین " - (سندھی بولی جی تاریخ ، بی ایم ایڈوانی ، ص ٨١) -

کے عہد میں بڑھی - البیرونی نے کتاب الہند میں لکھا ہے کہ سندھی عربی اور ناگری اسی خط میں لکھی جاتی ہے (۱)

منصورہ کے حاکم عبداللہ بن عمر ھباری (۲۷۰ - ۳۰۳ ھ / ۸۸۳ - ۹۱۵ ء) کے حکم اور مہروک نامی راجا کی خواہش پر منصورہ کے ایک عراقی عالم نے سندھی زبان میں راجا کی شان میں ایک قصیدہ اور اسلامی عقائد و فضائل سے متعلق ایک نظم لکھی - بقول ڈاکٹر میمن عبدالمجید سندھی یہ نظم سندھی زبان کی پہلی نظم ہے جو تیسری صدی ہجری اور نویں صدی عیسوی میں منصۂ شہود میں آئی (۲) - پھر مذکورہ بالا عالم نے راجا ھی کی فرمائش پر قرآن حکیم کا ترجمہ سندھی زبان میں تفسیر کے ساتھ کیا (۳) - سندھی زبان میں قرآن کریم کے اس ترجمہ کو دنیا کا سب سے پہلا ترجمہ کہا جاتا ہے (۴) -

اس امر کے بارے میں سارے اہل تحقیق اور اہل تاریخ کی متفقہ رائے ہے کہ دنیا کی ہر زبان کے ادب کا آغاز اسکی سحر انگیز شعری تخلیقات اور دلفریب نغمات سے ہوا - اسی طرح سندھی ادب کی ابتدا بھی اسکی منظومات سے ہوئی - سندھی زبان میں سب سے پہلا شعر یا پہلی نظم کون سی تھی اس کا کوئی نمونہ دستیاب نہیں - اوپر کی سطروں میں ڈاکٹر عبدالمجید سندھی کے حوالے سے یہ عرض کیا گیا ہے کہ ۲۷۰ ھ (۸۸۳ ء) میں ایک عراقی عالم نے سندھی میں جو نظم کہی تھی وہ سندھی زبان کی پہلی نظم تھی لیکن اس نظم کا کوئی ایک شعر بھی کسی نے بطور ثبوت پیش نہیں کیا - اس سے یہ ظاہر ہے کہ تیسری صدی ہجری اور نویں صدی عیسوی کا شعری مواد تلف ہوچکا ہے -

سندھی شعر کے قدیم ہونے کے بارے میں سندھ کے مشہور مورخ و محقق پیر حسام الدین راشدی ایک جگہ رقمطراز ہیں :

" سندھی زبان کا سب سے قدیم شعر جو ہمیں دستیاب ہوا ہے وہ فضل بن یحییٰ کی مدح میں کہا گیا ہے اور اتفاق سے بعض عربی اور فارسی تاریخوں میں محفوظ رہ گیا ہے (روضۃ الصفاء و نزھۃ الفضلاء مجمل التواریخ) اسکی صورت اور الفاظ اگرچہ بگڑچکے ہیں لیکن اس

---

(۱) تاریخ سندھ حصہ اول مولانا قدوسی ، ص ۲۹۳

(۲) سندھی کی اساسی شاعری - سہ ماہی العلم مارچ ۱۹۸۰ء

(۳) تاریخ سندھ حصہ اول مولانا ابو ظفر ندوی ص ۳ بحوالہ عجائب الہند ، بزرگ بن شہریار

(۴) قرآن مجید کے اس سندھی ترجمے کی اشاعت کا شرف سندھی ادبی بورڈ جام شورو کو حاصل ہے -

حالت مین بھی، وزن اور قافیہ اس مین موجود ھے ۔ مجمل التواریخ
۵۲۰ ھ کی تصنیف ھے ۔ اس مین لکھا ھے کہ "و" مروی از زمین
سندھ پیش وی (فضل بن یحییٰ برمکی ۱۲۸ - ۱۹۳ ھ) آمد و
بزبان خویش یک بیت انشا کرد و بگفت ، و آن این بود ۔"
ارڙا برڙا ڪنڪرڙا ڪرا ڪري منڊرا

بہرحال بقول پیر صاحب موصوف یہ سب سے قدیم سندھی شعر ھے جو اب تک دستیاب ہوا ھے (۱)

عربون کے بعد سومرا خاندان (۱۰۵۰ - ۱۳۵۱ ء) کے عہد حکومت مین سندھی شاعری نئی امنگ اور نئے رنگ سے ابھری۔ اس دور کی سندھی شاعری مین جہان اھل اللہ و اھل صفا کے صوفیانہ و عارفانہ اشعار نے روح کو بیدار اور ذھن کو منور کیا وھان رومانی کہانیون تاریخی داستانون ، رزمیہ گیت اور عوامی نظمون نے دلون کو تازگی بخشی ۔ یہ منظوم داستانین اور عوامی گیت دراصل عوامی زندگی ، تہذیب و معاشرت کی عکاسی کرتے ھین ۔ اس لئے اس رنگ کی شاعری کو مقبولیت حاصل ھوئی ۔ لیلیٰ چنیسر ، عمر ماروی ، مومل رانو ، سسی پنون ، دودا چنیسر وغیرہ اسی دور کی یادگار اور لازوال کہانیان ھین جو آج تک سندھی شاعری کی اساسی کہانیان ھین (۲) ۔ یہ داستانین فارسی اردو اور دنیا کی کئی زبانون مین منتقل ھوچکی ھین ۔

سمہ دور حکومت (۱۳۵۱ - ۱۵۲۱ ء) مین سندھی شاعری عام ھوگئی ۔ ارباب حکومت نے بھی اس زبان و ادب کی سرپرستی کی ۔ ھر دور کی طرح اس دور مین بھی سندھی زبان و ادب کی ترقی و ترویج مین اولیائے کرام نے سب سے زیادہ خدمات انجام دین جن مین شیخ حماد بن رشید الدین جمالی (متوفی ۷۶۳ ھ (۱۳۶۲ ء) بمقام ٹھٹھہ) ان کی وہ دعائیہ نظم مشہور ھے جو انھون نے ۷۷۷ ھ مین جام تماچی کیلئے کہی تھی ۔ ان کے بعد دوسرے درویش شعراء مین شیخ اسحاق آھنگر (وفات ۹۰۳ ھ مدفن حیدرآباد) شیخ بھریو (م ۹۰۳ ھ - ۱۴۹۷ ء) سید علی ثانی (۹-۹۷۱ ھ - ۱۵۶۳ ء) مخدوم احمد بھٹی (م ۹۳۰ ھ - ۱۵۲۳ ء) وغیرہ قابل ذکر ھین (۳) ۔

---

(۱) سندھی ادب ، ص ۱۶

(۲) ان مین سے بعض کہانیان حضرت شاہ عبداللطیف بھٹائی کی ذھنی تخلیق کی اساس بنین اور شاہ جو رسالو مین ھمیشہ کیلئے محفوظ ھوگئین ۔ شاہ کی ان شعری تخلیقات کے سندھی ادب پر بہت گہرے اور دائمی اثرات موجود ھین ۔

(۳) تحفۃ الکرام ج ۳ ص ۲۰۲، ۱۷۹، ۱۸۲، ۱۸۳ - تذکرہ لطفی حصہ اول ج ۱ ص ۲۳

سمہ عہد کے سب سے اہم شاعر قاضی قاضن (م ۹۵۸ ھ - ۱۵۵۱ ء) بن ابو سعید بن قاضی امین الدین دریپلی ھین - قاضی قاضن عارف کامل ، واصل باالله اور عالم یکتا تھے - بکھر مین بیس سال قاضی کے عہدہ جلیلہ پر فائز رھے - ۹۵۸ ھ (۱۵۵۱ ء) مین حرمین شریفین مین رب حقیقی سے جاملے - قاضی صاحب کے سات اشعار " بیان العارفین " (۱) مین ملتے ھین - بقول ڈاکٹر میمن عبدالمجید سندھی یہ ابیات سندھی زبان کی اساسی شاعری مین اسلامی تصوف کے گنجینہ اسرار و رموز ھین (۲) -

ارغون ، ترخان اور مغل دور ($\frac{\text{۹۲۷ - ۱۱۳۲ ھ}}{\text{۱۵۲۱ - ۱۷۱۹}}$) کی مدت پر محیط ھے - اس زمانے مین فارسی زبان سرکاری ھونے کے باوجود سندھی زبان و ادب کو روز افزون فروغ ملا - ان ادوار مین سندھی زبان پہلے سے زیادہ صاف بامحاورہ اور فصیح و بلیغ ھوگئی - سندھی ادب مین نظم و نثر کی نت نئی اصناف اور تخلیقات سے مزید اضافہ ھوا -

سمہ عہد سے کلھوڑا عہد تک کی درمیانی صدیون مین سندھ کے جن ارباب نظم و نثر نے سندھی زبان و ادب کو ایک نئے موڑ سے آشنا کیا ان مین ولی کامل ، عارف عامل ، شاہ عبدالکریم بلڑی ($\frac{\text{۹۴۴ - ۱۰۳۲ ھ}}{\text{۱۵۳۸ - ۱۶۲۲ ء}}$) امتیازی مقام کے حامل ھین - شاہ صاحب حضرت مخدوم نوح ھالائی کے مرید اور حضرت شاہ عبداللطیف کے پر دادا تھے - واقعہ یہ ھے کہ شاہ کریم کے فکری اثاثے کی اساس پر شاہ لطیف اور دوسرے متاخرین شعراء نے فکر و فن کی عمارتین تعمیر کین -

" بیان العارفین " (۳) (تالیف ۱۰۳۴ ھ) سے شاہ کریم کے صوفیانہ حقائق و عارفانہ

---

(۱) بیان العارفین حضرت شاہ عبداللطیف کے جدامجد شاہ عبدالکریم بلڑی کے ملفوظات کا مجموعہ ھے اس مین وہ اشعار و اقوال بھی شامل ھین جو شاہ صاحب نے اپنے مریدون کی رشد و ھدایت کی غرض سے ارشاد فرمائے - بیان العارفین مین شاہ صاحب کے سندھی ابیات کے علاوہ قاضی قاضن کے سات شعر اور دوسرے ھمعصر شعراء کے سندھی ھندی اور فارسی اشعار بھی شامل ھین جو شاہ صاحب نے ان سے خود سنے -
(ماخوذ از معلومات ڈاکٹر میمن عبدالمجید سندھی)

(۲) مقالہ سندھی کی اساسی شاعری العلم مارچ ۱۹۸۰ء

(۳) شاہ کریم کے ایک مرید محمد رضا بن عبدالواسع ٹھٹھوی نے محنت و تحقیق سے مجموعہ ملفوظات بیان العارفین کو ۱۰۳۸ھ (۱۶۲۸ء) مین مکمل کیا - کتاب کے شروع مین حالات زندگی ھین اسکے بعد شاہ صاحب کے احوال و اقوال فارسی نثر مین لکھے ھین - سندھی ابیات کا فارسی نثر مین ترجمہ بھی ھے -
بیان العارفین کا سندھی ترجمہ پہلی بار بمبئی سے ۱۸۷۶ء مین اور دوسری مرتبہ ۱۹۰۹ء مین اشاعت پذیر ھوا - مرزا قلیچ بیگ نے ۱۹۰۴ء مین "رسالہ کریمی" ڈاکٹر عمر بن داؤد پوتہ نے " بلڑی والے جو کلام " اور ۱۹۶۳ء مین ڈاکٹر میمن عبدالمجید سندھی نے " کریم جو کلام " کے نام سے شاہ کریم کا کلام مرتب کیا -

خیالات اور شاعرانہ عظمت کا پتہ چلتا ھے ۔ اس میں اسلامی تعلیمات و روایات کے علاوہ قرآنی آیات کی تفسیر اور احادیث نبوی کی تشریح و توضیح بھی ملتی ھے ۔ شاہ کریم کی شاعرانہ عظمت اس اعتبار سے اور بڑھ جاتی ھے کہ انھوں نے اپنی منظومات میں عشقیہ داستانوں کو اپنے مخصوص اشاراتی انداز میں پہلی دفعہ بیان فرمایا ھے اور وہ شاہ صاحب کے اصل پیغام کی ترجمان بن گئی ھیں ۔

حافظ مخدوم نوح ھالا کنڈی (۱) (متوفی ۹۹۸ ھ (۱۵۹۰ ء) کا مرتبہ دینی و روحانی اعتبار سے بلکہ علمی و ادبی لحاظ سے بھی بہت بلند تھا ۔ ان کے علم و فضل اور معرفت و روحانیت کا سرچشمہ سارے سندھ میں آج تک جاری ھے ۔ مخدوم نوح سندھی فارسی عربی زبانوں پر کامل دسترس رکھتے تھے ۔ ان تینوں زبانوں میں ان کے اشعار اور اقوال تحریری صورت میں ملتے ھیں ۔ خانوادہ نوح کے ایک مایہ ناز سپوت مخدوم محمد زمان طالب المولیٰ نے حضرت نوح کا سندھی و فارسی کلام مرتب کیا ھے ۔ ان کے سندھی کلام کا کچھ حصہ الولی کے شماروں میں راقم کی نظر سے گزر چکا ھے ۔ فارسی میں قرآن شریف کا ترجمہ مع تفسیر مخدوم نوح کا غیر فانی کارنامہ ھے ۔

علاوہ ازیں مغل دور تک کے شعراء و ادباء میں راجو درویش (المتوفی ۹۷۷ ھ) عثمان احسانی (م ۱۰۵۰ ھ مصنف وطن نامہ) لطف اللہ قادری (مصنف منہاج المعرفت ۱۰۷۸ ھ) لطف اللہ لاکھو ، شاہ عنایت شہید (م ۱۱۳۰ ھ ۔ ۱۷۱۷ ء) اور پیر محمد لکھوی (م ۹۹۹ ھ ۔ ۱۵۹۰ ء) بانی جماعۃ شاعری) وہ قابل قدر ھستیاں ھیں جنھوں نے افکار صد رنگ اور گلہائے رنگا رنگ سے گلستان ادب سندھی کو سدا بہار بنادیا ھے ۔

سندھ میں فارسی کا آغاز

سندھ میں فارسی زبان کب آئی ؟ سندھ میں فارسی نظم یا نثر کا قدیم ترین نمونہ کیا تھا ؟ اس کا کوئی سراغ نہیں ملتا ۔ ڈاکٹر ایچ ۔ آئی سدا رنگانی اپنے ڈاکٹریٹ کے انگریزی مقالہ بعنوان " پرشین پوئٹس آف سندھ " میں ایک جگہ لکھتے ھیں :

---

(۱) مقالہ " ھالا پرانا کا علم و ادب " از قاضی محمد اعظم ، ص ۲ الرحیم سندھی ، جون ۱۹۷۵ء

"In fact no historical data is available as to exact data of the introduction of the Persian language in Sind" (1)

تحقیق و تفتیش سے پتہ چلتا ہے کہ سندھ کے تعلقات عربوں کی طرح ایرانیوں سے بھی بہت قدیم تھے ۔ ایک مورخ کے بیان کے مطابق عہد عباسیہ میں خلیفہ المعتمد کے حکم سے صوبہ سندھ اور مکران ایران کے صفاری خاندان کے زیر اقتدار تھے ۔ سندھ کے پہلے فرمانروا یعقوب بن لیث نے سندھ میں فارسی کو سرکاری زبان کی حیثیت سے رائج کی اور اس کی اشاعت میں خصوصی توجہ دی (۲) ۔

محمد بن قاسم کی فتح سندھ (پہلی صدی ہجری کے آخر) سے عربوں کے عہد حکومت (چوتھی صدی ہجری کے ربع اول) تک سندھ میں سندھی ملکی زبان اور عربی سرکاری زبان کی حیثیت سے رائج تھی ۔ اس کی تصدیق عرب سیاح ابن حوقل اور مسعودی (جو تیسری اور چوتھی صدی ہجری میں سندھ آئے تھے) کے اس بیان سے ہوتی ہے ۔

" سندھ میں صرف عربی اور سندھی بولی جاتی ہے "

فارسی کے بارے میں یہ قیاس کیا جاسکتا ہے ، چونکہ عربوں کے عہد سے ہی ایرانیوں کی آمد و رفت کا سلسلہ سندھ میں شروع ہوچکا تھا اس لئے ان کی وجہ سے کہیں کہیں فارسی بولی جاتی ہوگی ۔

لیکن یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ یہاں فارسی نے دراصل پانچویں صدی ہجری میں محمود غزنوی کے دور حکومت [illegible] میں رواج پایا جب سندھ پر سومرا خاندان برسراقتدار تھا (۳) ۔ غزنویوں کے بعد ایبکوں غوریوں خلجیوں تغلقوں اور مغلوں

---

(1) Persian Poets of Sind, Chapter-I, p.5, Sindhi Adabi Board, 1956.

(۲) پاکستان کے علاقائی زبانوں پر فارسی کا اثر ، ص ۳۹
" منصورہ (بکھر) اور ملتان اور انکے اطراف کی زبان عربی اور سندھی ہے ۔ مکران والوں کی زبان فارسی اور مکرانی ہے " ۔ (سفر نامہ اصطخری بغدادی سیاح ص ۱۷۷ لائیڈن بحوالہ نقوش سلیمانی ص ۲۵۳)

(۳) اسی زمانے یعنی ۳۷۵ ھ (۹۸۵ء) میں ایک عرب سیاح ملتان آیا وہ اپنے سفرنامہ میں لکھتا ہے " سندھ کے قدیم مرکز ملتان اور سندھ کی دیگر مسجدوں میں خطبے فارسی میں پڑھے جاتے ہیں " ۔

ل ۱

کے دور آئے ـ ہر دور میں فارسی کو سرپرستی ملی اور پھلتی پھولتی رہی ـ مقامی فرمان رواوں سومرا اور سمہ کے ترک قبیلے کے حکمران ارغون ترخان اور مغل نے فارسی زبان و ادب کی ترقی و اشاعت میں حصہ لیا ـ خصوصاً مغلوں کے عہد حکومت تک سندھ و ھند میں فارسی ادب کو انتہائی عروج ملا ـ

سومروں کے دور میں علی بن حامد ابو بکر کوفی نے قاضی اسماعیل بن علی الثقفی کی عربی کتاب " منہاج السالک " کا فارسی ترجمہ " چچ نامہ " (۱) (فتح نامہ سندھ) کے نام سے کیا ـ

سید عثمان مروندی عرف لعل قلندر شہباز (۲) سیوستانی (۵۳۸ – ۶۷۳ ھ) علی بن حامد کوفی کے معاصرین میں سب سے عظیم المرتبت صوفی ولی اللہ اور جلیل القدر شاعر گزرے ہیں ـ عربی و فارسی علوم و ادبیات پر کامل دستگاہ رکھتے تھے ـ قرآن حدیث و فقہ کا وسیع مطالعہ تھا ـ ماہر لسانیات اور ماہر قواعد زبان بھی تھے ـ ان کی کئی فارسی کتابیں (۳) مدرسوں کے نصاب میں شامل رہیں جن میں عقد ، اجناس ، میزان صرف ، صرف صغیر ، قسم دوئم وغیرہ مشہور ہیں ـ

اس دور میں سندھ کی مشہور داستانیں فارسی ادب کی زینت بنیں ـ ملا مقیم نے " مومل رانو " کو " ترنم عشق " اور اکی بیراگی نے لیلا چنیسر کو " چنیسر نامہ " اور سید محمد طاہر لسانی نے عمر ماروی کو " ناز و نیاز " کے نام سے فارسی منظوم کا روپ دیا ـ

---

(۱) چچ نامہ کے فارسی اور اردو ترجمے سندھی ادبی بورڈ نے شائع کئے ہیں ـ

(۲) لعل قلندر شہباز کی علمی و ادبی خدمات اور فارسی شاعری کے مختلف پہلووں سے متعلق اس خاکسار (وفا راشدی) کے مقالات ماہنامہ الولی حیدرآباد اکتوبر ۱۹۷۵ء ماہ نو راولپنڈی جون ۱۹۷۶ء پیغام اظہار کراچی کے شہباز نمبر علی الترتیب اگست ۱۹۷۶ء اور جولائی ۱۹۷۹ء میں قارئین کرام کی نظروں سے گزر چکے ہیں ـ

(۳) Burton Richard F., Sind and the Races England Edition, 1851.

۱۵

سمہ عہد کے شعراء میں شیخ حماد جمالی ، شیخ عیسی اور مخدوم بلال فارسی گوئی و فارسی دانی میں خاص شہرت و ناموری کے مالک تھے ۔ سمہ خاندان کے دوسرے حکمران جام جونا کو فارسی میں شعر کہنے کا ملکہ تھا ۔ بانی شہر ٹھٹھہ نظام الدین عرف ننـدہ (م ۹۱۴ ھ (۱۵۰۸ ء) مدفن مکلی) درویش صفت صاحب ذوق تھے ۔ ان کی دعوت پر ایران کے کئی مشہور ارباب شعر و ادب سندھ آئے ۔

والی سندھ مرزا شاہ بیگ ارغون کی عالمانہ بصیرت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ اس نے قرآن شریف کی تفسیر فارسی میں لکھی ۔ شیخ عبداللہ آہی (م ۹۵۰ ھ) شاہ بیگ کے ہمراہ ہرات سے سندھ آئے ۔ سو سے زائد کتابیں لکھیں ۔ فارسی دیوان بھی چھوڑا ۔ شاہ بیگ کے فرزند مرزا شاہ حسن المتخلص بہ سپاہی (م ۹۶۲ ھ (۱۵۲۲ ء) متعدد علوم و ادبیات پر دسترس رکھتا تھا ۔ شاہ حسن نے گاؤں گاؤں میں مدرسے کھلوائے ۔ عربی و فارسی تعلیمات کا باقاعدہ انتظام کیا ۔ ہاشم کرمانی معروف بہ شاہ جہانگیر ہاشمی شاہ حسن کے زمانے میں سندھ آئے اور بکھر میں سکونت اختیار کی ۔ ان کی دو مثنویاں مظہر الآثار اور مظہر الانوار فارسی ادب میں سنگ میل ہیں ۔

مخدوم نوح ہالاکنڈی کے فارسی ملفوظات و اشعار کے علاوہ قرآن حکیم کا پہلا فارسی ترجمہ اسی دور کا قابل قدر کارنامہ ہے ۔ مولانا فخری ہروی نے روضۃ السلاطین اسی زمانے میں لکھی ۔ امیر ابو القاسم بیگلر (۹۶۹ - ۱۰۳۰ ھ) ۱۰۱۷ ھ (۱۶۰۸ ء) میں " بیگلر نامہ " کے نام سے ارغون خاندان کی تاریخ لکھی ۔ منتخب التواریخ اور چیسر نامہ بھی ان کی مشہور تصانیف ہیں اور میر قانع کے الفاظ میں " در فنون کمال یگانہ بودہ و در حقائق " شعر فہمی و شعر گوئی طریقے برافراشت " (مقالات الشعراء ص ۱۱۶)

حیدر کلیچ ، میر غروری کاشانی ٹھٹھوی کے علاوہ تاریخ معصومی میں عہد ارغون کے اٹھارہ بزرگان دین اور اکابر ادب فارسی کے تذکرے موجود ہیں ۔

والی سندھ محمد عیسی خان ترخان کا پوتا مرزا جانی بیگ اور اس کا فرزند غازی بیگ ترخان دونوں شعر و ادب کے شیدائی تھے ۔ مرزا غازی بیگ المتخلص بہ وقاری خود بھی شعر کہتا تھا اور شاعروں کا بے حد قدر دان تھا ۔ ملا اسد ، میر نعمت اللہ واصلی ، ملا اسحق گیلانی ، ملا مرشد بروجردی ، رشید اصفہانی ، میر محمد ہاشم صائب اصفہانی ، طالب آملی علی حزین اور ملا شیخ اسحاق بکھری جیسے اساتذہ فن و اکابر سخن نے سندھ

کی علمی و ادبی محفلوں کو گرمایا (۱) ۔

۱۶

معصوم شاہ کی نعتیہ نظمیں ، میر غوری کی ہجویہ شاعری ، سید محمد ہاشم ٹھٹھوی کی منظوم کتاب " سیر السلاطین " ترخانی دور کی مختلف اصناف پر یادگار تخلیقات ہیں ۔ رضا بن عبدالواسع ٹھٹھوی نے شاہ عبدالکریم بلڑی کے ملفوظات اور احوال و اقوال کو بیان العارفین و تنبیہ الغافلین کی شکل میں اہل فارسی سے روشناس کرایا ۔

عہد اکبری کے ارباب علم و فضل میں سندھ کے صاحب دیوان شاعر سید صفائی کے نور نظر ، میر معصوم شاہ نامی بکھری (متوفی ۱۰۱۴ ھ (۱۶۰۵ ء) امتیازی حیثیت کے حامل تھے ۔ وہ بہادر سپاہی ، حاذق طبیب ، دقیق نظر مورخ ، شیوا بیان شاعر ، انتھک سیاح تھے ۔ اکبر نے انھیں اعلی منصب و اعزاز سے نوازا تھا ۔ انھوں نے سفارت ایران کے فرائض بھی انجام دیئے ۔ شاہ عباس صفوی نے میر معصوم بکھری کی بڑی قدر و منزلت کی ۔ میر معصوم کی تاریخ سندھ (تاریخ معصومی (۲)) چچ نامہ کے بعد دوسری اہم تاریخ ہے جو سندھ کی قدیم تاریخ کے ضمن میں بنیادی مآخذ کا درجہ رکھتی ہے ۔ میر معصوم بکھری کی سات مثنویاں فارسی ادب میں خاص اہمیت رکھتی ہیں ۔ مثنوی حسن و ناز (قصہ سسی پنون کا منظوم فارسی ترجمہ) کے علاوہ دیوان نامی ، اکبر نامہ ، ہفت نقش اور طب نامی وغیرہ فارسی کی زندہ جاوید تصانیف ہیں ۔

عہد اکبری اور عہد عالمگیری کے ارباب نظم و نثر فارسی میں میر ابو القاسم نمکین ملا محب علی سندھی ، عارف بلوچی ، عبدالجلیل بلگرامی ، سید محمد آزاد بلگرامی ، میر ابوالمکارم (مصنف پری نامہ سلیمان) حکیم عبدالروف (ابو المنعم کے نام سے سندھی میں موسیقی پر پہلی کتاب لکھی) اہل دیوان شاعر اور اصحاب تصانیف تھے ۔

میر عبدالرشید ٹھٹھوی نے دور جہانگیری میں فارسی کی پہلی لغات " فرہنگ رشیدی " اور دوسری لغات عربی و فارسی عہد شاہجہانی میں " منتخب اللغات " کے نام سے تالیف کی ۔

دہلی کے مغل سلاطین سندھ میں علوم و فنون کی ترقی و اشاعت میں گزشتہ حکمرانوں پر سبقت لے گئے ۔ عہد مغلیہ میں جتنے بھی مغل گورنر ٹھٹھے میں مسند نشین رہے

---

(۱) مقالات الشعراء ، ص ۸۲۸ تا ۸۳۷

(۲) تاریخ معصومی کا اردو ترجمہ سندھی ادبی بورڈ کی جانب سے شائع ہوچکا ہے ۔

تقریباً سب کے سب فارسی کے اسکالر اور علم و ادب کے سرپرست تھے ۔ ان کے عہد گورنری میں میر عبدالرزاق مشرک فارسی سے ، عبدالجلیل بلگرامی ، غلام علی آزاد کے چچا سید محی الدین بلگرامی ہندوستان سے آئے اور مغل حاکموں کی نظر عنایت اور داد و دہش سے نہال ہوئے ۔

سندھ میں اردو کی ابتداء

سرزمین سندھ ہزاروں سال سے قدیم تہذیب و تمدن کا گہوارہ ، مختلف قوموں اور زبانوں کا مولد و مسکن رہا ہے ۔ اردو زبان کی کہانی ہندوستان میں ہزاروں سال پیشتر اس وقت سے شروع ہوتی ہے جب آریا وسط ایشیا کے میدانوں سے اتر کر پنجاب کی راہ (ملتان) سے ہندوستان آئے ۔ وہ علاقہ جہاں آریہ اقوام نے پہلے پہل قدم رکھا ملتان کے علاقہ تھا اس وقت ملتان سندھ کا ایک اہم خطہ تھا (۱) ۔ اس زمانے میں آریا قوموں کی زبان سنسکرت تھی ۔ اردو زبان کا اصل سرچشمہ بھی آریائی سنسکرت ہے جو بعد میں پراکرت (ہندی) پھر برج بھاشا کے نام سے موسوم ہوئی (۲) ۔

اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ اسلام سے بہت پہلے سے عرب ، عجم ، مشرق وسطی اور دوسرے اسلامی ممالک سے سندھ کے ساتھ تجارتی و اقتصادی تعلقات رہے ۔ اس بناء پر بحری راستے کے ذریعہ سندھ و ہند میں ان قوموں کی آمد و رفت اور مختلف زبانوں میں بول چال کا آغاز ہوچکا تھا (۳) ۔

۹۳ ھ مطابق ۷۱۲ ء میں محمد بن قاسم کی فتح سندھ کے بعد سندھ میں اسلامی حکومت کا قیام عمل میں آیا ۔ اس زمانے میں ہندوستان کے مختلف علاقوں اور صوبوں مثلاً پنجاب میں پنجابی ، سرحد میں پشتو ، بنگال میں بنگالی ، مہاراشٹر میں مرہٹی ، مدراس میں تامل تلنگی مالابار میں ملیالم ، ملتان میں ملتانی اور سندھ میں سندھی الگ الگ بولیاں تھیں لیکن اردو پشاور سے لیکر راس کماری تک مشترکہ زبان کی حیثیت سے بولی جاتی تھی یہ اور بات ہے کہ اس وقت اس زبان کی ہیئت و صوت وہ نہیں تھی جو آج ہے یعنی اس زبان کو قدیم

---

(۱) ارض ملتان ، ص ۲۱

(۲) اردو زبان کی کہانی ، مولوی عبدالحق ، ص ۱۱

(۳) نقوش سلیمانی ، ص ۳

ھندی یا پراکرت کہتے تھے (۱) ۔ یہ زبان کسی نہ کسی شکل میں ملتان اور سندھ میں بھی موجود تھی ۔

جیسا کہ اوپر کی سطروں میں عرض کیا جاچکا ہے کہ عربوں کی آمد سے سندھ و ھند میں نہ صرف مسلم تہذیب و معاشرت کا چراغ روشن ہوا بلکہ عربی زبان و ادب اور علوم و فنون کا چشمہ بھی پھوٹا ۔ ۱۰۰۰ ء میں سلطان محمود غزنوی کی فتوحات کے بعد سندھ میں فارسی کا آغاز ہوا ۔ اسکے بعد ارغون ، ترخان ، مغل حکمرانوں (یعنی سندھ میں سمہ ، سومرا ، ارغون ، ترخان ، مغل ، کلھوڑا ، تالپور) کے عہد تک (انگریزوں کے قیام سلطنت سے پہلے) فارسی نہ صرف سرکاری و دفتری زبان رہی بلکہ علم و ادب کی زبان ثابت ہوئی ۔ فارسی کو مسلم تہذیب و ثقافت کی علامت سمجھا جاتا تھا ۔ اسطرح فاتح و مفتوح قوموں کے میل جول اور اختلاط و ارتباط سے مجموعی طور پر جس زبان نے جنم لیا اس کا نام ھندی یا ھندوی پڑ گیا ۔ بعد میں ھندوستان کی نسبت سے ھندوستانی قرار پایا (۲) ۔ پھر وہ وقت آیا جب مسلمانوں نے عہد جہانگیری میں فارسی کے ساتھ ھندی کو رواج دیا اور اس کا نام ریختہ رکھا ۔ بقول مولوی عبدالحق " یہیں سے اردو کی ابتداء ہوتی ہے " (۳) ۔

اس طویل مدت میں یعنی عہد محمد بن قاسم سے لیکر عہد شاھجہانی تک اردو مختلف صورتوں میں بدلتی رہی اور جب یہ زبان سنسکرت ، پراکرت ، بھاشا ، ھندی ریختہ کے ناموں سے گزر کر اس منزل پر پہنچی جب اس میں عربی فارسی ، ترکی ، فرانسیسی ، پرتگالی اور انگریزی وغیرہ کے بیشمار الفاظ و محاورات شامل ہوگئے تو ان تمام زبانوں کے روابط سے جس ایک زبان نے جنم لیا اس کا نام شاھجہان کے عہد میں پہلے اردوے معلیٰ پھر اردو ہوگیا (۴) ۔

اردو کی جائے پیدائش سے متعلق محققین و مورخین کی آرا مختلف ہیں ۔ محمود شیرانی نے پنجاب کو (پنجاب میں اردو) نصیر الدین ھاشمی نے دکن کو (دکن میں اردو)

---

(۱) اردو زبان کی کہانی ، ص ۱۳

(۲) نقوش سلیمانی ، ص ۹۹

(۳) اردو کی ابتدائی نشو و نما میں صوفیائے کرام کا کام ، ص ۱۶

(۴) داستان تاریخ اردو ، ص ۱۲

۱۵

حامد حسن قادری نے دلی و نواح دلی کو (داستان تاریخ اردو) رام بابو سکسینہ نے گجرات کو (تاریخ ادب اردو) مولوی عبدالحق نے دو آبہ گنگا جمنا کو (اردو زبان کی کہانی) شیخ اکرام الحق نے ملتان کو (ارض ملتان) اور پیر حسام الدین راشدی نے سندھ کو (مقالہ اردو کا مولد سندھ مطبوعہ رسالہ اردو کراچی اپریل ۱۹۵۱ء) اردو کا مولد بتایا ہے (۱)

پیر حسام الدین کا یہ نظریہ کہ "سندھ، اردو کا مولد ہے" اب تک کی تحقیقات کی روشنی میں درست معلوم ہوتا ہے اس کی تصدیق مولانا سلیمان ندوی کے ان الفاظ سے ہوتی ہے

> "ہندوستان کی متعدد زبانوں کا پہلا گہوارہ سندھ ہے جس کو آج ہم اردو کہتے ہیں اس کا ہیولی اسی وادی سندھ میں تیار ہوا ہوگا" (۲)

راشدی صاحب اور ندوی صاحب کے مذکورہ بالا بیانات کو علامہ نیاز فتحپوری جیسے چوٹی کے محقق اور یگانۂ روزگار نقاد کے حسب ذیل خیالات سے مزید تقویت پہنچتی ہے ۔

"اس سے انکار کی کوئی گنجائش نہیں کہ اردو کی بنیاد سب سے پہلے وہ حملہ تھا جو شاہان اسلام (۳) نے ہندوستان پر کیا ۔ میرے نزدیک وہ اولین تخم ریزی تھی جو عرصہ تک عدم آبیاری کی وجہ سے کوئی نتیجہ پیدا نہ کرسکی لیکن بعد کو جب رفتہ رفتہ شاہان اسلام نے یہاں قیام کرکے مستقل سلطنتیں بنائیں اور باہمی میل جول بڑھنے لگا تو اس تخم کی

---

(۱) راقم الحروف (وفا راشدی) نے اپنی کتاب "بنگال میں اردو" (ص ۲) میں ناطق لکھنوی کے حوالے سے یہ لکھا ہے "اردو کو ایک ایسا سرچشمہ تصور فرمائیے جو شمالی ہند کے پہاڑوں سے جاری ہوا، دہلی میں آکر دریا بنا ۔ اس دریا سے بیسوں شاخیں نکلیں ۔ ایک بنگال کو گئی ایک بہار کو ایک اودھ اور ایک گجرات کو ۔ یہاں یہ شاخ تمام دکن میں پھیل کر ایک سمندر بن گئی ۔ اودھ میں جو شاخ پہنچی اس کے پانی کو تمام ہندوستان خصوصاً آگرہ اور دہلی کے ادیبوں اور شاعروں نے جمع ہوکر لکھنو میں صاف کیا اور صاف کرکے تمام ملک میں نہریں دوڑا دیں" ۔ (نظم اردو ص ۱۵)

(۲) نقوش سلیمانی، ص ۳۱

(۳) اس خیال کی تائید محمود شیرانی کے اس بیان سے بھی ہوتی ہے ۔ "اس زبان کا وجود اس زمانے سے ہے جب مسلمان ہندوستان میں آباد ہوئے" ۔ (پنجاب میں اردو ص ۹)

نشو و نما کے آثار شروع ہوئے اور برج بھاشا میں (جو خود آرین اقوام کی اصل زبان سنسکرت اور ہندوستان کے اصل باشندوں کی زبان سے ملکر تیار ہوئی تھی) فارسی و ترکی الفاظ کی آمیزش اس حد تک ہوگئی کہ آخرکار خلجیوں کے عہد میں اس درخت کی سب سے پہلی کلی امیر خسرو کی صورت میں نمودار ہوئی " (۱) ۔

علامہ نیاز فتحپوری کے ان خیالات کی روشنی میں کئی باتیں واضح ہوکر سامنے آتی ہیں ۔

(۱) شاہان اسلام کا سب سے پہلا حملہ سندھ کے راستے ہندوستان پر ہوا اور سندھ ہی ان کی حکومت کا مرکز رہا ۔

(۲) آرین قوموں نے سب سے پہلے ہندوستان کے جس خطے میں سکونت اختیار کی وہ سندھ یا ملتان کا خطہ تھا ۔

(۳) مسلمان بادشاہوں کے تقریباً ہر عہد میں سندھ یا ملتان علوم و فنون اور شعر و ادب کا مرکز رہا ۔

(۴) امیر خسرو سندھ میں آئے اور پانچ سال ملتان میں قیام کیا ۔ ان کے قیام سے سندھاور ملتان کی زبان اور اس کے ادب کو یقیناً آبیاری کا موقع ملا ۔

" سندھ میں اردو کا پہلا فقرہ " کس طرح وجود میں آیا اس کی تاریخ سے متعلق مولانا اعجاز الحق قدوسی رقمطراز ہیں " سندھی سلطان فیروز کے ٹھٹھ سے ناکام گھبرات جانے کے بعد اپنی کامیابی کو سندھ کے مشہور بزرگ حضرت پیر پٹھو کی کرامت قرار دیتے ہوئے کہا کرتے تھے : برکت شیخ پٹھا ، اک موا اک دٹھا (۲)

---

(۱) مقالہ " اردو شاعری پر تاریخی تبصرہ " نگار لکھنو جنوری ۱۹۳۵ء

(۲) پنجاب میں اردو (ص ۸) میں اس فقرے کو شمس سراج عفیف کی روایت سے نقل کیا گیا ہے " آٹھویں صدی ہجری کا ایک فقرہ جو فیروز شاہ خلجی ۷۵۲ ھ و ۷۹۰ کے حملہ سندھ سے تعلق رکھتا ہے ۔ تاریخ فیروز شاہی میں شمس سراج عفیف یوں نقل کرتے ہیں

برکت شیخ تھیا اک موا اک تہا

نقوش سلیمانی (ص ۲۵۹) میں مولانا سلیمان ندوی نے اس فقرے کو اسطرح نقل کیا ہے

برکت شیخ تھیا ، اک موا ، اک تہیا

محققین اس فقرے کے دو لفظوں کے بارے میں اختلاف رکھتے ہیں جیسا کہ اوپر کی نقلوں سے ظاہر ہے ۔ سندھ کے نامور درویش صفت استاد کامل ، ممتاز محقق اور جید عالم ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خان کی جدید تحقیق کے مطابق وہ فقرہ صحیح ہے جسے مولانا قدوسی نے تاریخ سندھ حصہ اول کے صفحہ ۳۰۲ پر درج کیا ہے ۔ یعنی

برکت شیخ پٹھا ، اک موا اک دٹھا

(حاشیہ مقدمہ ، سندھ کے جدید اردو شعرا) ص ۱۲

" اک مرا " سے ان کا اشارہ سلطان محمد تغلق کی طرف تھا ۔ جس نے ٹھٹھہ ھی مین وفات پائی تھی ۔ اک نٹھا سے ان کا اشارہ سلطان فیروز کی طرف تھا جو ٹھٹھہ سے ناکام گجرات کی طرف چلاگیا تھا ۔ کہا جاتا ھے کہ نثر مین یہ اردو کا پہلا فقرہ ھے جو سندھ مین بولا گیا (۱) ۔

گزشتہ صفحات کے مطالعہ سے ظاھر ھے کہ مسلمانون کے عہد حکومت مین منصورہ (بکھر سندھ) اور ملتان کو زبان و ادب اور علوم و فنون کے اعتبار سے مرکزیت کا درجہ حاصل تھا ۔ سندھ اور ملتان زمانہ قدیم سے تاریخی تہذیبی و ثقافتی طور پر ایک دوسرے سے بہت قریب رھے ۔ اس زمانے مین سندھ مین جو سندھی اور اردو بولی جاتی تھی وہ ملتانی یا سرائیکی (۲) سے بہت قریب تھی ۔ اس زبان کے نمونے چھٹی صدی ھجری (بارھوین صدی عیسوی) کے اھل اللہ و صوفیاء کے کلام مین ملتے ھین ۔

ھم اس زمانے کے جس صوفی و عارف شاعر کو سرزمین سندھ سے منسوب کرسکتے ھین وہ حضرت بابا فریدؒ شکر گنج ($\frac{\text{۵۶۹ - ۶۶۴ ھ}}{\text{۱۱۷۳ - ۱۲۶۵ ء}}$) (۳) ھین ۔ ان کے اشعار مین ملتانی سرائیکی کے علاوہ عربی فارسی ھندی کی آمیزش بھی نمایاں ھے ۔ ان کے سرائیکی کلام کا تتبع

---

(۱) تاریخ سندھ حصہ اول ، ص ۳۰۲

(۲) پیر حسام الدین راشدی ــــ " سرائیکی یا سریلی جو سندھ کے مشرقی حصہ مین بولی جاتی ھے ، جس مین بھاولپور کا علاقہ بھی شامل ھے " ۔ (سندھی ادب ص ۹)

شیخ اکرام الحق ــــ " ملتانی کو سرائیکی کہا جاتا ھے چونکہ یہ زبان و ادب سندھ کے صدر مقام کی زبانی تھی اس لئے سندھ کے باجگذار علاقے اسے سرائیکی کے نام سے پکارتے تھے " ۔ (ارض ملتان ص ۳۵۶ ، ۳۵۷)

(۳) ولادت $\frac{\text{۵۶۹ ھ}}{\text{۱۱۷۳ ء}}$ (ارض ملتان ص ۳۹)

ولادت $\frac{\text{۵۶۹ - ۶۶۴ ھ}}{\text{۱۱۷۳ - ۱۲۶۵ ء}}$ وفات ۔ (اردو کی نشو و نما مین صوفیا کا کام ، ص ۱۳)

داستان تاریخ اردو ص ۱۸ پر بابا فرید کا سن ولادت $\frac{\text{۵۸۴ ھ}}{\text{۱۱۸۶ ء}}$ درج ھے جو درست نہین معلوم ھوتا ۔

بعد کے صوفی شعرائے سندھ مثلاً سچل سرمست ، قادر بخش بیدل ، روحل فقیر اور محسن بیکس وغیرہ نے بڑی دلآویزی و دلکشی کے ساتھ کیا ہے ۔

بابا فرید کا نمونۂ کلام

ملتانی = چو تنہا روی زیر ایہو زمین
خیک صل کی کہ ایہہ ڈات ہے (۱)

(چونکہ اس زمین کے نیچے تنہا جانا ہے اسلئے نیک عمل کرو کیونکہ یہی خیرات ہے)

یہ غزل ریختہ میں ہے ۔ اب فارسی آمیز اشعار دیکھئے

وقت سحر وقت مناجات ہے خیز دران وقت کہ برکات ہے
نفس مبادا کہ بگوید ترا خسپ چہ خیزی کہ ابھی رات ہے (۲)

امیر خسرو ($\frac{\text{۶۵۳ - ۷۲۵ ھ}}{\text{۱۲۵۵ - ۱۳۲۵ ء}}$) (۳) حضرت سلطان اولیاء نظام الدین محبوب الٰہی کے مرید و تربیت یافتہ تھے ۔ امیر خسرو نے غیاث الدین بلبن سے سلطان محمد تغلق تک کے گیارہ سلاطین دھلی کے عہد دیکھے ۔ فارسی کے علاوہ ھندی میں گیت دوھے اور ریختہ میں غزلیں کہیں ۔ ان کے فارسی و ھندی کلام کے امتزاج کے باعث ریختہ وجود میں آئی ۔ ان کے کئی دواوین موجود ھیں ۔ مورخوں اور محققوں کی متفقہ رائے ہے کہ امیر خسرو نے آج کی اردو زبان کی بنیاد رکھی اسلئے ان کو اردو کا پہلا شاعر تسلیم کیا جاتا ہے (۴) ۔

امیر خسرو ۶۸۳ ھ (۱۲۸۴ ء) میں ارغون نبیرہ خان نبیرہ ھلاکو خان اور شاھزادہ محمد سلطان کی جنگ کے پرآشوب دور میں ملتان پہنچے ۔ وہاں پانچ سال قیام کیا ۔ اس عرصہ میں ($\frac{\text{۶۸۶ ھ}}{\text{۱۲۸۶ ء}}$) میں غیاث الدین فوت ہوگیا ۔ ۶۸۸ ھ (۱۲۸۸ ء) میں ملتان کی عنان حکومت جلال الدین فیروز خلجی کے ھاتھ میں آگئی (۵) ۔ امیر خسرو نے پنجاب ملتان اور سندھ کا دورہ کیا ۔ خسرو کے فکر و فن پر ان علاقوں کی زبانوں کے اثرات مرتب ہوئے جسکا اندازہ امیر خسرو کے اس شعر سے کیا جاسکتا ہے

منکہ بوسہ می نہادم بار بوسہ نہاد گفتار چُل
(چُل ، نرم جیم چ کے ساتھ) ملتانی میں چلنے کو کہتے ھیں) (۶)

---

(۱) ارض ملتان ص ۳۹۱
(۲) اردو کی نشوونما میں صوفیا کا کام ، ص ۱۱ ۔ داستان تاریخ اردو ، ص ۱۹
(۳) داستان تاریخ اردو ، ص ۲۰
امیر خسرو ۱۲۵۳ - ۱۳۲۵ ء نگار لکھنؤ اردو شاعری نمبر ۱۹۳۵ء ، ص ۲۲۵
(۴) تاریخ ادب اردو ، رام بابو سکسینہ ص ۱۶ ، ۱۷
(۵) و (۶) ارض ملتان ص ۵۷ تا ۵۹ ۔ ص ۳۹۲

۱۴

سندھ میں اردو کی ترقی کا ابتدائی دور

امیر خسرو کو اردو کا سب سے پہلا شاعر مانا جاتا ہے لیکن باقاعدہ اردو شاعری کی ابتدا گیارھویں صدی ہجری اور سولھویں صدی عیسوی میں پہلے دکن میں ، بعد میں شمالی ہند میں ہوئی ۔

زبان و بیان اور اسلوب نگارش کے لحاظ سے اردو شاعری کی ترقی کا یہ ابتدائی دور شعرائے متقدمین کے دو ادوار پر مشتمل ہے ۔ طبقۂ متقدمین کا پہلا دور ۱۵۵۰ ء سے ۱۷۰۰ ء تک اور دوسرا دور ۱۷۰۰ سے ۱۷۵۰ ء تک کے شعرائے دکن پر پھیلا ہوا ہے ۔

یہ زمانہ تاریخی اعتبار سے شہنشاہ اکبر (۔۔۔ - ۱۰۱۴ ھ / ۱۵۵۶ - ۱۶۰۵ ء) سے محمد شاہ (۱۱۳۱ - ۱۱۶۱ ھ / ۱۷۱۹ - ۱۷۴۸ ء) کے عہد تک محیط ہے ۔

دور اول کا آغاز سلاطین قطب شاہی ، عادل شاہی اور والیان گول کنڈہ و بیجاپور سے ہوتا ہے ۔ اس دور کے شعراء کی غزلیں عاشقانہ جذبات اور عارفانہ خیالات کی آئینہ دار ہیں لیکن ان کی زبان میں دکنی الفاظ کی آمیزش کثرت سے ہے ۔ سلطان محمد قطب شاہ (۱۶۱۲ - ۱۶۲۶ ء) اس دور کا سب سے مشہور شاعر ہے ۔ طرز زبان و بیان کا اندازہ ان اشعار سے کیا جاسکتا ہے :

قطب شہ نہ دے مجھ دوانے کو پند ۔۔۔ دوا نے کو کچھ پند دیا جائے نا

پیاسا ہوتا سن پیارا پھلایا ۔۔۔ نزاکت عجب سبز رنگ میں دیکھا پیا

طبقۂ متقدمین کے دور دوم کا سب سے نامور اور اردو کا پہلا صاحب دیوان شاعر ولی دکنی (گجراتی) (۱۰۷۹ - ۱۱۵۵ ھ) گزرا ہے ۔ اسکے زمانے میں اردو زبان صاف ستھری اور روزمرہ کے قریب ہوگئی ۔ خیال میں ندرت اظہار میں جدت آنے لگی ۔ ولی کا یہ شعر دیکھئے کتنا صاف اور بامحاورہ ہے

مفلسی سب بہار کھوتی ہے ۔۔۔ مرد کا اعتبار کھوتی ہے

جس زمانے میں ہند میں قطب شاہ کا طوطی بول رہا تھا اسی زمانے میں سندھ میں بھی اردو کے ایک باکمال سخنور موجود تھے ۔ جن کا نام میر محمد بکھری اور تخلص فاضل تھا ۔ فاضل دربار شاہ اکبر اعظم کی ایک برگزیدہ شخصیت اور اعلیٰ منصب دار میر محمد معصوم نامی

بکھری (صحت تاریخ معصومی) کے چھوٹے بھائی تھے ۔ محترمی پیر حسام الدین راشدی اپنے ایک مقالہ میں تحریر فرماتے ہیں :

" میر فاضل ہندی کا شاعر تھا ۔ اپنے زمانے میں اس کا کلام بہت مقبول تھا " (۱)

حقیقت یہ ہے کہ میر محمد فاضل بکھری (ہمعصر قطب شاہ دکنی) کے کلام کی شہرت و مقبولیت سندھ سے نکلکر دلی تک پہنچ گئی تھی ۔ شیخ فرید بکھری نے اپنی یادگار تصنیف ذخیرۃ الخوانین میں فاضل کا ذکر ان توصیفی الفاظ میں کیا ہے :

" شعر بزبان ہندی از قسم کان بکمال فصاحت میگفت و قبولیت داشتہ " (ذخیرۃ الخوانین)

اسی طرح قطب شاہ (۹۸۸ - ۱۰۲۰ ھ) سے ولی دکنی (۱۰۷۹ - ۱۱۵۵ ھ) تک کے درمیانی عرصے میں سندھ میں ایک اور قادر الکلام صاحب دیوان شاعر کا سراغ ملتا ہے ۔ وہ ہیں ملا عبدالحکیم عطا ٹھٹھوی ۔ عطا ٹھٹھوی (۱۰۲۰ - ۱۱۳۰ ھ) نے سو سال عمر پائی ۔ شاہجہاں ($\frac{۱۰۳۷ - ۱۰۶۹ \text{ ھ}}{۱۶۲۸ - ۱۶۶۶ \text{ ء}}$) سے محمد شاہ ($\frac{۱۱۳۱ - ۱۱۶۱ \text{ ھ}}{۱۷۱۹ - ۱۷۴۸ \text{ ء}}$) تک کے چھ شاہان مغلیہ کے دور دیکھے ۔ گرچہ ان کی زبان ہندی آمیز اور فارسی آمیز ہے لیکن ان کی شاعری بہرحال اردو کی شاعری ہے مثلاً

زخود خون جگر پیتا و جیتا	ہر درد و داغ ہم آغوش رہتا (۲)
آشنا بیگانہ ، یار اغیار گشت	خود حقوق ما ہمہ برباد ہے (۳)

میرے خیال میں عطا ٹھٹھوی سندھ میں اردو کے پہلے صاحب دیوان (۴) شاعر ہیں ۔

فائز اور ورو بھی ٹھٹھہ کے رہنے والے تھے ۔ عبدالسبحان فائز ٹھٹھوی کے بارے میں صاحب مقالات الشعراء نے لکھا ہے :

---

(۱) مقالہ سندھ کے اردو شعراء مطبوعہ سہ ماہی اردو کراچی اکتوبر ۱۹۵۱ء

(۲) و (۳) پہلا شعر ایک غزل کا ہے ۔ دوسرا شعر اس نظم " شہر پرآشوب " سے منقول ہے جو اورنگ زیب عالمگیر کے عہد انحطاط و انتشار سے تعلق رکھتی ہے ۔

(۴) دیوان عطا ۔ مرتبہ راشد برہانپوری سندھی ادبی بورڈ حیدرآباد نے شائع کیا ہے ۔

" ایہام ہندی خوب نویسد ...... شعر ہندی و پارسی خوب گفتہ ، اکثر آن در مناقب و مرثیہ واقع " (۱)

شیخ ورو ٹھٹھوی نواب سیف اللہ خان کے عہد صوبہ داری (۱۱۳۲ - ۱۱۴۳ ھ / ۱۷۲۰ - ۱۷۳۳ ء) میں ٹھٹھے میں موجود تھے ۔ مقالات الشعراء میں ان کا ذکر ان الفاظ میں آیا ہے

" شیخ ورو از قبیلہ محمدا ران جوانی صاف طبیعت بودہ ، درباب مفتی بلدہ ہجو بسیار کردہ
ع

الا یا ایہا المفتی شدہ ریش تو جنگلہا
اکھاروں بال یک یک کر بناوں خوب کنّلہا (۲)

اس زمانے میں سرکاری و دفتری زبان فارسی تھی ۔ سندھی مقامی زبان تھی لیکن اردو بھی عوام میں رواج پانے لگی تھی ۔ مدرسوں اور مکتبوں بلکہ گھروں میں ابتدائی تعلیم عربی فارسی کے علاوہ اردو میں باقاعدہ رائج ہوگئی ۔ اردو کو اتنی مقبولیت حاصل ہوئی کہ کچھ ہی عرصہ بعد اردو میں شعر و شاعری کے علاوہ مضامین اور کتابیں لکھی جانے لگیں ۔ ٹھٹھہ ، بکھر ، سیوھن ، بوبک ، روھڑی ، حیدرآباد وغیرہ جو اسلامی علوم و فنون اور فارسی ادبیات کے مراکز تھے اردو شعر و ادب کی نشو و نما میں بھی پیش پیش تھے ۔ اس عرصہ میں جو مغل منصبدار اور اعلیٰ منصب دار سندھ میں تعینات ہوئے وہ تقریباً سب کے سب اہل علم اور اہل ذوق تھے ۔ انھوں نے فارسی کے ساتھ ساتھ اردو شعر و ادب کی ترقی و اشاعت میں بھی بڑھ چڑھ کر حصہ لیا ۔ شعراء و ادباء کی ایسی قدر دانی و پذیرائی ہوا کہ بعض مشہور و ممتاز اہل علم و اہل سخن ہندوستان سے سندھ آئے بعض نے سندھ کو اپنا وطن بنالیا اور خاک سندھ میں آسودگی حاصل کی ۔

میر جعفر علی بیخوا ، نواب مہابت خان کاظم صوبہ دار ٹھٹھہ کے عہد (۱۱۳۲ - ۱۱۳۵ ھ / ۱۷۱۹ - ۱۷۲۲ ء) میں ہندوستان سے ٹھٹھہ پہنچے ۔ شعرائے اردو کے بعض تذکروں میں ان کا تذکرہ موجود ہے ان کا ایک شعر بطور نمونہ پیش خدمت ہے

یے خواہوں زکوٰۃ حسن کی دے ۔۔۔۔۔ لو میاں مالدار کی صورت

---

(۱) مقالات الشعراء ، ص ۳۸۳
(۲) ایضاً ص ۸۲۸

محمد سعید راہبر گوالیاری ، نواب سیت اللہ خان کے عہد گورنری میں ٹھٹھہ میں مقیم تھے ۔ بقول میر علی شیر قانع اردو اور فارسی میں شعر کہتے تھے اور خوب کہتے تھے ۔

" شعر ہندی بسیار گفت و خوب می گفت " (۱)

سید محمود صابر رضوی استرآبادی ٹھٹھوی دلی میں پیدا ہوئے ۔ ۱۱۳۰ ھ (۱۷۲۷ء) میں اپنے والد کے ساتھ ٹھٹھہ آئے اور یہیں سکونت پذیر ہوئے ۔ بقول قانع

" بزبان ہندی و پارسی دیوانہا متعدد در مرثیہ و در غزلیات و مناقب درست کرد " (۲)

بلگرامی سادات کے علماء مورخین ، وقائع نویس اور شعراء و ادباء نے بھی سندھ میں گرانقدر خدمات انجام دی ہیں ۔ علامہ میر عبدالجلیل واسطی بلگرامی ، ان کے لائق فرزند علامہ سید محمد ان کے شاگرد رشید علامہ غلام علی آزاد سید محمد اشرف اور سید کرم اللہ وغیرہ اپنے وقت کے بلند پایہ عالموں ، اردو اور فارسی کے جلیل القدر ارباب علم و فکر میں شمار ہوتے تھے (۳) ۔

میر عبدالجلیل بلگرامی ($\frac{\text{۱۰۷۱ - ۱۱۳۸ ھ}}{\text{۱۶۶۱ - ۱۷۲۵ ء}}$) کے بارے میں پروفیسر مولانا حامد حسن قادری مرحوم رقمطراز ہیں " علامہ جلیل اور شاعر بے بدل گزرے ہیں ۔ ان کے ایک فارسی قصیدے میں عربی فارسی اردو تینوں زبانوں میں تاریخیں ملتی ہیں ۔ اردو کی تاریخ کا شعر یہ ہے ع اسیس دے کے کہی ہندوی موں یوں لغت

رہے جگت موں اچل پاس یہ وزیر سدا " (۴)
۱۱۳۴ ھ

متقدمین کا دور دوم و سوم اور متوسطین کا دور اول ۱۷۰۰ سے ۱۸۰۰ء تک شعرائے دکن اور شعرائے دہلی سے متعلق ہے ۔ اس صدی کے شعرائے ہند سے انکے ہمعصر شعرائے سندھ کا تقابلی جائزہ آئندہ صفحات (عہد کلہوڑا) میں پیش کیا جائے گا ۔

---

(۱) مقالات الشعراء ، ص ۲۲۲ (۲) ایضاً ص ۳۵۴

(۳) مقالہ " سندھ میں اردو کے آثار قدیمہ " تلخیص " تاریخ اردو و سندھ " تحریر افسر صدیقی امروہوی مطبوعہ رسالہ اردو حیدرآباد دکن اکتوبر ۱۹۳۷ء ۔ اس مقالہ کا ایک قلمی نسخہ محترمی افسر صدیقی کی عنایت سے راقم السطور کے نجی کتبخانے میں موجود ہے ۔

(۴) داستان تاریخ اردو ص ۳۵ ، ۳٦ ۔ پروفیسر حامد حسن قادری فن تاریخ گوئی میں مستند سمجھے جاتے تھے اسلئے ان کا یہ ارشاد بلا شبہ سند کا حکم رکھتا ہے ۔

عہد کلہوڑا (١١٣٢ — ١١٩٦ ھ / ١٧١٩ — ١٧٨٢ ء)

عہد کلہوڑا سندھی زبان و ادب کیلئے " عہد زرین " کہلاتا ہے ۔ اس عہد سے پہلے سندھی زبان عام بول چال تک محدود تھی ۔ اس عہد میں اسے علمی و ادبی حیثیت حاصل ہوئی ۔ عباسی کلہوڑوں کے دور میں دفتری زبان فارسی تھی لیکن کلہوڑوں کی زبان سندھی تھی ۔ انھوں نے سندھی زبان اور اسکے ادب کی نشو و نما میں نمایاں حصہ لیا ۔ تاجدار سندھ میاں سرفراز خان فارسی کے علاوہ سندھی کا جلیل القدر شاعر تھا ۔ اس کا کارنامہ یہ ہے کہ اس نے سندھی میں نعت گوئی کی طرح ڈالی اس کے مناقب و مناجات آج تک سندھ میں زبان زد خاص و عام ہیں ۔

شاہ عبداللطیف بھٹائی جیسے عظیم المرتبت ولی اللہ اس دور کے سب سے ممتاز شاعر تھے ان کا لازوال و بے مثال شاہکار " شاہ جو رسالو " اسی دور کی تخلیق ہے ۔ انھوں نے سندھی زبان و ادب کو نئے رجحانات و خیالات اور نئے الفاظ و محاورات سے مالا مال کیا ۔ عمر ماروی ، لیلا چنیسر ، سسی پنوں ، مومل رانو ، سر کا رایل ، سر کا موڈ ، جام تماچی اور سوہنی میہوال وغیرہ جیسی غیر فانی منظوم رومانی و عشقیہ داستانوں سے عظیم ادب کا مقام عطا کیا ۔ حمد و مناجات اور وائی جیسی اصناف کی تصنیف سے سندھی ادب میں اسلامی سوچ اور روحانی فکر دیا ۔

حمد ، مناجات ، نعت کے علاوہ وائی (کافی) مرثیہ ، مثنوی ، قصیدہ ، منقبت اور میلاد النبی جیسی اصناف سخن کی ایجادات کا سہرا اسی دور کے سر ہے ۔ اسلامی تصوف کے ساتھ ساتھ ھمہ و ہمہ وست ، جذبہ حب الوطنی اور عارفانہ مضامین شعروں میں شامل ہوئے ۔ اس ضمن میں روحل فقیر ، شاہ عنایت رضوی (متوفی ١١٢٠ ھ) میاں عیسیٰ ہالائی (متوفی ١١٦٣ ھ) خواجہ محمد زمان لواری والے (١١٢٥ - ١١٨٨ ھ) پیر محمد بقا (متوفی ١١٩٨ ھ) صاحبڈنہ فقیر (١١٠١ - ١١٩٩ ھ) مخدوم عبدالرؤف بھٹی ہالا کنڈی (متوفی ١١٩٩ ھ) جیسے شعرائے باکمال اور بزرگان کامل کے اسمائے گرامی سندھی ادب کی تاریخ میں زندہ جاوید رہیں گے ۔

عوامی شاعری بھی اس دور کی پیداوار ہے ۔ طالب ، حبیب ، شاہ حسین ، ھلال ،

منگھل ، سید ، محمود ، قطب ، جوڑیجو ، بلاول ، شریف ، کسیر ، بڈھو ، لکھمیر ، کھٹی ،
لطف اللہ اور قاسم نامی عوامی شاعروں نے دیہاتوں اورقصبوں میں رہنے والے عوام کے دلوں کو
اپنے سریلے بول اور روح میں اترجانے والے نغمات لطیف سے موہ لیا ۔

سندھی نظم کی پہلی کتاب " مقدمۃ الصلواۃ " کے نام سے منظرِ شہود میں آئی
جیسکی تصنیف کا سہرا ۱۱۱۲ ھ (۱۷۰۰ ء) اس عہد کے سخنور مخدوم ابو الحسن ٹھٹھوی
(المتوفی ۱۱۶۳ ھ) کے سر ہے ۔ اس کتاب میں نماز روزہ حج زکواۃ اور روز مرۃ زندگی کیے
دوسرے مسئلے مسائل نہایت آسان زبان اور سادہ پیرائے میں بیان کئے گئے ہیں ۔ ابو الحسن نے
سندھی کے جدید خط کی بھی بنیاد رکھی ۔ (تذکرہ مشاہیر سندھ ص ۱۲۳ ، ۱۲۵)

عہد کلہوڑا سے پہلے سومرو اور سمہ عہد میں سندھی میں نثر نگاری کی ابتدا
ہوچکی تھی لیکن باقاعدہ سندھی نثر کی ایسی کتاب جو علمی و ادبی افادیت کی حامل ہو
وہ قرآن کریم کا سندھی ترجمہ تھی ۔اس کتاب کے مترجم اپنے وقت کے مقتدر عالم اور عارف باللہ
بزرگ اخوند عزیزاللہ متعلوی تھے ۔ (سندھ کی ادبی تاریخ ، ص ۲۰۶)

مخدوم عبدالرحیم گروھڑی (المتوفی ۱۱۹۲ ھ - ۱۷۷۸ ء) نے سندھی نثر و نظم
میں سادہ صاف سلیس اور رواں طرز کی داغ بیل ڈالی ۔ ان کی نثر و نظم کی تصانیف میں
مکتوبات ، فتح الفضل اور ابیات سندھی ، ادبیات سندھی میں گران قدر اضافہ ثابت ہوئیں ۔
(سندھی نثر کی تاریخ ، ۵ - ۶ — سندھی ادب ، ص ۵۸)

اس دور میں اکثر و بیشتر ایسے علمائے دین اور بزرگان ادب گزرے ہیں جو نہ صرف
عربی و فارسی علوم و ادبیات پر کامل عبور رکھتے تھے بلکہ سندھی نظم و نثر میں بھی مستند
مانے جاتے تھے ۔ ان ممتاز ہستیوں نے عربی و فارسی کے علاوہ سندھی میں بھی متعدد علمی
و ادبی کتابیں تصنیف و تالیف کیں جو نہ صرف درس و تدریس اور اصلاح و تطہیر کے کام
آئیں بلکہ علوم و فنون کے فروغ کے لئے بھی مفید و موثر ثابت ہوئیں ۔ ذیل میں ہم ایسی
چند کتابوں اور ان کے مصنفین کا ذکر کرتے ہیں ۔ یہ تمام کتابیں تقریباً اسلامی عقائد ، اسلامی
مضامین و موضوعات اور فقہی و دینی مسائل کے بارے میں لکھی گئی ہیں :

۱) مخدوم ضیاء الدین ٹھٹھوی (۱۰۹۱-۱۱۷۱ھ) — مخدوم ضیاء الدین کی سندھی

۲) مخدوم محمد ہاشم ٹھٹھوی (۱۱۰۳-۱۱۷۳ھ) — فرائض الاسلام ، فرحت المومنین ، زاد الفقیر ، تفسیر پارہ تبارک ، تفسیر پارہ عم

۳)	مخدوم محمد شریف رانیپوری	ملکی سندھی (تصنیف ۱۱۶۰ھ)
۴)	مولوی علی اکبر	الموال و بسھل الاموال (تصنیف ۱۱۶۲ ھ)
۵)	مخدوم عبداللہ ٹھٹھوی	کنز المیوت (تصنیف ۱۱۷۵ ھ) قصص الانبیاء ، خزانتہ الابرار ، تنبیہہ الغافلین، خزانتہ الاعظم ، خزانتہ الروایات
۶)	مولانا احمد	ترجمۂ روضۃ الشہداء (ترجمۂ ۱۱۷۲ ھ)
۷)	مخدوم عبدالخالق ٹھٹھوی	مطلوب المومنین (تصنیف ۱۱۷۵ ھ)
۸)	مخدوم محمد ابراہیم بھٹی ہالہ کنڈی	سندھی محمد ابراہیم (تصنیف ۱۱۷۷ ھ)
۹)	مولوی عبدالسلام	شمائل نبوی (تصنیف ۱۱۹۷ ھ)
۱۰)	مولانا محمد حسین	ترجمۂ قصص الانبیاء ، تصنیف سیر بستان (۱۱۷۷ھ)

کلہوڑوں کے عہد میں عربی زبان اور علم و ادب کو فروغ ہوا ۔ اس دور میں صرف شہر ٹھٹھہ میں چار سو کالج مختلف علوم و فنون کے تھے (۱) ۔ سندھ کے کئی شہر اور قصبے مثلاً ٹھٹھہ ، سیوھن ، روھڑی ، حیدرآباد ، بوبک ، خدآباد ، سکھر وغیرہ اسلامی علوم و معارف کے مرکز تھے ۔ عربی و فارسی زبان میں تعلیم اور تحریر کا رواج عام تھا ۔ اکثر ارباب علم و فضل بیک وقت بزرگان دین بھی تھے اور ماہرین علوم بھی ۔ اپنے راسخ اسلامی عقائد اور دینی رجحانات کی بناء پر اسلامی فلسفہ تصوف اور اسلامی علوم و تواریخ سے خاص شغف رکھتے تھے ۔ فارسی کے علاوہ عربی زبان میں تصوف ، فقہ ، حدیث ، منطق ، فلسفہ ، تاریخ تفسیر ، فتاویٰ اور دیگر علوم و فنون سے متعلق ان کی تصنیفات و تالیفات آج بھی طلباء و اساتذہ مدرسین و مفکرین کے لئے مشعل ہدایت کی حیثیت رکھتی ھیں ۔ ان اولیائے کرام اور علمائے عظام کی تعلیمات نے سارے عالم اسلام کو منور کیا ھے ۔ اللہ کے ان نیک اور برگزیدہ بندوں کی خدمات اور کمالات کا سلسلہ طویل ھے ۔ یہاں عربی زبان سے متعلق ان کی علمی خدمات پر اجمالاً روشنی ڈالنے کی کوشش کی جاتی ھے ۔

مخدوم شیخ ابو الحسن کبیر ٹھٹھوی سندھی ثم مدنی ٹھٹھہ میں پیدا ھوئے ۔ ۱۱۳۶ ھ یا ۱۱۳۹ ھ (۲) میں مدینہ منورہ (۳) میں وفات پائی ۔ مدینہ میں ان کا

---

(۱) عہد اورنگ زیب کے ایک انگریز سیاح الیگزنڈر ھملٹن کا بیان ، بحوالہ مسلمانان کراچی و سندھ کی تعلیم ، ص ۹

(۲) مولانا غلام رسول مہر نے ابوالحسن کبیر کا سن وفات ۱۱۳۳ ھ یا ۱۱۳۸ ھ تحریر فرمایا ھے ۔ (تاریخ سندھ جلد دوم ص ۱۰۰۰)

(۳) فہرس الفہارس ج ۱ ص ۱۰۳ الجسی ۱ ص ۲۷۳

قائم کردہ مدرسہ موسوم بہ "مدرسۃ الشفاء" آج تک قائم ہے ۔ اس مدرسے کے کتب خانے میں شیخ ابو الحسن اوران کے شاگردوں کی لکھی ہوئی کتابوں کا بہت بڑا ذخیرہ محفوظ ہے ۔

مخدوم شیخ ابوالحسن فن حدیث و تحقیق کے حافظ ، مستند محقق اور صاحب تدقیق تھے ۔ صحابی ستہ ، مسند امام احمد بن حنبل کے "اذکار نوویہ" علامہ حجر کی کتاب "شرح نخبۃ الفکر" پر حواشی مرتب کئے ۔ یہ کتابیں مصر اور ہندوستان سے شائع ہوچکی ہیں ۔ فقہ کی مشہور کتاب "ھدایہ" کی شرح کے علاوہ صحیح بخاری ، صحیح مسلم ، سنن ماجہ اور سنن نسائی پر تعلیقات لکھیں (۱) ۔

شیخ محمد حیات سندھی ثم مدنی ، ساکن عادلپور ضلع سکھر مقیم حجاز (المتوفی ۲۶ صفر ۱۱۶۳ ھ (۱۷۵۲ء) مدفون جنت البقیع) (۲) کا شمار اپنے زمانے کے سب سے نامور محدثوں میں ہوتا ہے ۔ مولانا شیخ ابو الحسن سندھی اور مولانا عبداللہ بن سالم بصری سے تکمیل تعلیم کی ۔ شیخ ابوالحسن کی وفات کے بعد ۲۴ سال تک ان کی مسند پر بیٹھکر حدیث کا درس دیا (۳) ۔ بقول شیخ محمد اکرام "آپ مسجد نبوی میں صبح کی نماز سے قبل وعظ کہتے اور ایک جم غفیر آپکے ارشادات سننے کیلئے حاضر ہوتا" (۴)

شیخ حیات سندھی کے بے شمار شاگردوں میں شیخ محمد بن عبدالوھاب نجدی ، شیخ عبدالقادر کوکبانی ، شیخ محمد سویدی ، شیخ ابوالحسن صغیر سندھی ، شیخ محمد فاخر الہ آبادی ، شیخ احمد بن عبدالرحمن شامی ، شیخ محمد سعید ، محمد زاھد سورتی ، شیخ عبدالخالق یمنی ، سید عبدالرحمٰن العیدروسی ، نواب مصطفےٰ خان شیفتہ ، اور سید غلام علی آزاد بلگرامی جیسے مقتدر علمائے کرام کے نام شامل ہیں (۵) ۔

شیخ حیات کی لاتعداد تصانیف میں سے چند اہم کتابوں کے نام یہ ہیں ۔ الاقیات علی سبب الاختلاف ، رسالہ فی رد بدعۃ التعزیہ ، تحفۃ الانام فی العمل بحدیث النبی

---

(۱) سرزمین سندھ میں علم حدیث (قلمی) ص ۹

(۲) فہرس الفہارس ج ۱ ، ص ۳۶۲ ، سبحۃ المرجان ص ۹۵ ، حج الکرامۃ ابجدالعلوم ص ۸۳۹

(۳) سرزمین سندھ میں علم حدیث ص ۹

(۴) رود کوثر ص ۶۱۵

(۵) تاریخ سندھ جلد دوم "مہر" ص ۱۰۰۱

(اس رسالہ کی تلخیص میرزا مظہر جان جاناں کی کتاب " کلمات طیبات " میں شائع ہوچکی ہے)
شرح ترغیب و ترہیب (منذری) دو جلد ، شرح اربعین (نووی اور ملا علی قاری کی) اور
النہی عن عشق المردان و نسوان (۱) وغیرہ ۔

شیخ ابو الحسن صغیر سندھی جن کا اصل نام محمد بن صادق تھا ۱۱۲۵ ھ
میں ٹھٹھہ میں پیدا ہوئے ۔ تصرف میں درجۂ کمال حاصل کیا ۔ ۱۱۸۷ ھ میں مدینۂ منورہ میں
وصال فرمایا ۔ جنت البقیع میں آسودہ ہیں ۔

شیخ ابوالحسن صغیر اپنے وقت کے شیخ علم حدیث اور اجتہاد کا درجہ رکھتے تھے ۔
تحفۃ الفکر اور جامع الاصول (مقدمہ ابن الاثیر) کی شرحیں لکھیں ۔ آپ کے دست مبارک
سے لکھا ہوا بخاری شریف کا ایک نسخہ کتب خانہ امام مبین کی زینت ہے (۲) ۔

شیخ عبداللہ بن محمد سندھی بھی سندھ سے مدینۂ منورہ تشریف لے گئے وہاں
چالیس سال تک درس و تدریس کا سلسلہ جاری رکھا ۔ وہیں ۱۱۹۲ ھ میں جوار رحمت سے
پیوست ہوئے ۔

مخدوم محمد معین ٹھٹھوی (المتوفی ۱۱۶۱ ھ (۱۷۴۸ ء) بن مخدوم محمد امین
بن شیخ طالب اللہ بقول علی شیر قانع ۔ " جامع علوم معقول و منقول کاشف حقائق علمی و
عملی ، شارح وقائق صوری و معنوی ، علامۂ عصر ، مظہر انوار حقائق ربانی " (۳) تھے ۔

علامہ معین کا یہ مخدوم خاندان اپنے علم و کمال کی بدولت تین پشتوں سے ممتاز
تھا (۴) ۔ مخدوم معین مخدوم شاہ عنایت اللہ ٹھٹھوی مخدوم محمد ہاشم ٹھٹھوی ، شاہ
ولی اللہ دہلوی ، شاہ عبدالقادر مکی ، شیخ جلال محمد اور علامہ میر سعد اللہ پوربی جیسے
اکابر اسلام سے مستفیض اور مرشد میاں ابو القاسم نقشبندی خلیفہ شیخ سیف الدین سرہندی
سے بیعت تھے ۔

---

(۱) سلو سرزمین سندھ میں علم حدیث ، ص ۱۰
(۲) سندھ میں علم حدیث ، ص ۱۱
(۳) مقالات الشعراء ، ص ۱۲۱
(۴) تاریخ سندھ جلد دوم مہر ، ص ۹۹۰

مخدوم محمد معین کے مدرسۃ العلوم ٹھٹھہ سے فارغ التحصیل علماء و فضلاء نے عربی و فارسی علوم و معارف میں انتہائی کمال حاصل کیا جن میں میر نجم الدین عزلت رضوی ، مولوی محمد صادق حیات سندھی جعفری شیرازی ، شرف الدین علی اور میر مرتضی سیوستانی خاص طور پر قابل ذکر ہیں (۱) ۔

مخدوم معین کثیر التلامذہ بھی تھے ، کثیر التصانیف بھی ، تذکرہ صوفیائے سندھ میں عبدالرشید نعمانی کے مقدمہ دراسات اللبیب (مطبوعہ سندھی ادبی بورڈ) کے حوالے سے ۱۹ عربی و فارسی تصانیف کی ایک فہرست درج ہے جن میں " دراسات اللبیب فی الاسوہ الحسنۃ بالحبیب " ان کی آخری تصنیف ہے (۲) ۔ علاوہ ازیں تصوف منطق فلسفہ ، فقہ حدیث میں بھی کئی رسائل (۳) ان کی علمی یادگار میں سے ہیں ۔

مخدوم محمد ہاشم ٹھٹھوی (۱۱۰۴ - ۱۱۷۴ ھ / ۱۶۹۲ - ۱۷۶۱ ء) کا مولد ، مسکن مدفن ٹھٹھہ تھا ۔ سید سعد اللہ سورتی کے مرید ، اپنے والد مخدوم عبدالغفور اور صاحب فضیلت عالم مخدوم ضیاء الدین ٹھٹھوی کے شاگرد تھے ۔ مکہ شریف کے نامور محدثین شیخ عبدالقادر صدیقی شیخ عید بن علی مصری ، شیخ محمد طاہر مدنی اور شیخ علی بن داوی سے حدیث کی سند لی ۔ عربی و فارسی کی ساڑھے تین سو کتابیں ان کے تجربہ علمی اور جلالت شان کی شاہد ہیں جن میں ایک ثبت موسوم بہ " اتحاف الاکابر " کے علاوہ حیات القاری باطراف البخاری ، فرائض الاسلام ، تحفۃ القاری بجمع القاری اپنے موضوع کی افادیت کے اعتبار سے بے نظیر تصانیف ہیں ۔

مخدوم ہاشم ٹھٹھوی کے تلامذہ میں ان کے فرزند مخدوم عبداللطیف کے علاوہ مخدوم ابوالحسن صغیر ٹھٹھوی اور حاجی فقیر اللہ علوی شکارپوری نے عربی و فارسی میں کمال حاصل کیا اور علماء و اساتذہ وقت کے بلند درجات پر فائز ہوئے (۴)

---

(۱) تذکرہ علمائے ہند ، ص ۳۷۷

(۲) تذکرہ صوفیائے سندھ ، ص ۲۲۶ تا ۲۲۸

(۳) سندھ میں علم حدیث ، ص ۶

(۴) مخدوم ہاشم ٹھٹھوی کے کوائف و تصانیف تحفۃ الکرام جلد سوم ص ۲۳۰ ، سندھ میں علم حدیث ص ۶ ، مقالات الشعراء ، ص ۸۳۱ تا ۸۳۳ ، تذکرہ علمائے ہند ص ۵۲۹ اور تاریخ سندھ مہر ، ص ۶۹۲ سے ماخوذ ہیں ۔

سید حاجی شاہ فقیر اللہ علوی افغانی شکارپوری کا مولد جلال آباد (افغانستان) مسکن و مدفن شکار پور ، تاریخ وفات ۳ صفر ۱۱۹۹ ھ ہے ۔ اولیائے اکابر اور برگزیدہ علمی شخصیات میں سے تھے ۔ ان کی ذات گرامی سرچشمۂ علوم و فیوض تھی ۔ حرمین شریفین ، افغانستان ، ہندوستان اور سندھ کے علمائے عظام سے علوم ظاہری و باطنی میں کسب فیض و کمال کیا ۔

شاہ فقیر اللہ علوی کا مرتبہ علمی دینی و روحانی ہر اعتبار سے بہت بلند تھا ۔ شاہان وقت احمد شاہ ابدالی (افغانستان) نصیر خان بلوچ (قلات) محبت خان بلوچ (مکران) اور میاں سرفراز خان کلہوڑہ (سندھ) پر ان کے آستانے میں حاضر ہوکر ذہنی و روحانی تربیت حاصل کی [1] ۔

شاہ فقیر اللہ عربی فارسی اور پشتو کے بلند پایہ شاعر ادیب اور مصنف تھے ۔ بقول مولانا غلام رسول مہر " ان کا کتب خانہ علمی نوادرات و افادات کا بے مثل خزینہ تھا " [2] مولانا اعجاز الحق قدوسی نے آقائے حبیبی کے ایک مقالہ " شاہ فقیر اللہ جلال آبادی "(مطبوعہ رسالہ سروش (فارسی) شمارہ ۲۱ جلد دوم ۱۵ مارچ ۱۹۵۸ء) کے حوالے سے شاہ علوی کی تصانیف کی ایک فہرست درج کی ہے جس میں ان کی ۱۲ عربی ، تین فارسی اور ایک پشتو کتابوں کے نام ہیں ۔ ان کی تمام کتابیں تصوف و سلوک ، علم حدیث اور فقہ و تفسیر پر اسناد کا حکم رکھتی ہیں جن میں سے چند یہ ہیں : فتح المجید ، براہین النجات ، طریق الارشاد ، وثیقۃ الاکابر اور مکتوبات شاہ فقیر اللہ علوی ۔ مکتوبات کا یہ مجموعہ ان کے افکار و نظریات کا عدیم المثال نمونہ ہے [3] ۔

میر نجم الدین عزلت بکھری (المتوفی ۱۱۶۰ ھ) مخدوم محمد معین ٹھٹھوی کے بھانجے اور میر محمد رفیع بکھری کے بیٹے تھے ۔ ان کے شاگردوں نے ان کی زندگی میں علمی مرتبہ حاصل کیا جن میں ٹھٹھہ کے مفتی میاں احمد اور میاں باقر قابل ذکر ہیں ۔

میر صاحب کی عربی تصانیف میں " یک روزی " اور فارسی میں " طوطی نامہ " (جو نخشبی سے زیادہ بہتر ہے) مشہور کتابیں ہیں [4]

---

(۱) تذکرہ صوفیائے سندھ ص ۱۹۰ (۲) تاریخ سندھ جلد دوم مہر ص ۱۰۰۲

(۳) سرزمین سندھ میں علم حدیث ، ص ۷

(۴) تذکرہ علمائے ہند ، ص ۵۱۴ ، تاریخ سندھ جلد دوم مہر ص ۹۸۳

سید شاہ ولی ٹھٹھوی (المتوفی ۱۱۵۰ ھ - ۱۷۳۷ ء) شاہ ابوالقاسم کے فرزند اور مخدوم رحمت اللہ ٹھٹھوی (المتوفی ۱۱۲۷ ھ) آئینہ رحمت سندھ استاد مخدوم ضیاء الدین ٹھٹھوی کے شاگرد ارشد تھے - مختلف علوم سے متعلق ان کی ایک جامع تصنیف " تحفتہ المجالس " ان کی تیز طبع کی روشن یادگار ہے (۱) -

حاجی محمد قائم سندھی (المتوفی ۱۱۵۷ ھ) بقول علی شیر قانع " عالم اکمل و فاضل افضل ، مجموعہ علم معقول و منقول تھے (تحفتہ الکرام) حدیث میں ثقہ اور مستند علیہ جانے جاتے تھے " (مقالات الشعراء ، ص ۱۲۳۳-۱۲۳۶) دوسری دفعہ حج کیلئے حرمین شریفین تشریف لے گئے تو مدینہ منورہ میں امامت اختیار کرلی - جنت البقیع میں مدفون ہیں - علامہ محمد باقر واعظ اور مخدوم نور محمد نصر پوری حاجی محمد قائم کے شاگردوں میں ہیں (۲)

اس دور میں عربی فارسی میں لغات بھی لکھی گئیں جن میں عبدالرشید ٹھٹھوی کی لغت " رشید عربی " کو بنیادی اہمیت حاصل ہے - سندھ میں عربی کے مذکرہ بالا ارباب علم و فکر کے علاوہ بھی بہت سے محدثین و محققین گزرے ہیں جن میں غوث وقت ، محدث بے مثل خواجہ محمد زمان اول نقشبندی (۱۱۲۵ - ۱۱۸۸ ھ) ماہر نجوم ، نجات ارسل مخدوم جعفر بوبکانی ، میرزا محمد رحیم خان (المتوفی ۱۱۶۷ ھ/۱۷۵۴ء) مصنف رسالہ انیس القلوب ، تاریخ سلاطین مغل ، شیخ عثمان ٹھارو ، مخدوم عنایت اللہ اور ان کے دو فرزند مولوی محمد صادق ، میاں محمد سعید واعظ وغیرہ قابل ذکر ہیں -

---

فارسی: عہد کلہوڑا میں فارسی زبان و ادب نے برابر ترقی کی - فارسی سرکاری زبان تھی - شرفاء و علماء فارسی میں لکھنے پڑھنے اور خط و کتابت کرنے کو باعث فخر و عزت خیال کرتے تھے - شاہی مہر ، فرمان ، عہد نامے ، وصیت نامے اور دیگر سرکاری و غیر سرکاری دستاویزات فارسی میں لکھی جاتی تھیں - عباسی فرماں رواؤں نے اپنی مقامی زبان سندھی اور مذہبی زبان عربی ہی کو فروغ نہیں دیا بلکہ فارسی کی ترقی و اشاعت میں بھی فیاضانہ حصہ لیا - والی سندھ میاں نور محمد خان عباسی گرچہ دینی رجحانات کا حامل تھا لیکن شاعرانہ

---

(۱) تذکرہ علمائے ہند ص ۵۳۲ - نزہت الخواطر جلد ششم ، ص ۱۰۳ - تحفتہ الکرام ص ۵۹۶

(۲) احوال مشائخ کبار ورق ۲ الف بحوالہ تذکرہ علمائے ہند ص ۲۷۵ ، ۲۷۶

مذاق بھی رکھتا تھا - فارسی نثر لکھنے پر بھی طرح قادر تھا - وہ ارباب شعر و ادب کی بہت قدر کرتا تھا - ملکی و انتظامی مصروفیات کے باوجود وہ علماء و فضلاء اور شعراء و ادباء کی محفلوں میں بیٹھتا تھا ، انھیں حسب مقام و حسب مراتب داد و دھش اور انعام و اکرام سے نوازتا تھا - اس کے ذوق شعری کا اندازہ اس امر سے لگایا جاسکتا ھے کہ وہ مصرعہ طرح تجویز کرتا اور شاعروں سے غزلیں لکھواتا تھا (١) -

میاں سرفراز خان عباسی سندھی کا ھی نہیں فارسی کا بھی قادر الکلام اور صاحب دیوان سخنور تھا - شہادت تخلص کرتا تھا - اسکی سخن سنجی ، سخن فہمی ، نکتہ دانی دانشمندی اور اھل علم و فن کی قدردانی بے نظیر تھی - اس کا فارسی کلام حمد ، نعت ، منقبت ، غزل قصیدہ تمام اصناف سخن پر محیط ھے - سرفراز کا کچھ فارسی کلام " بیاض علی شیر قانع " کے اوراق میں بھی محفوظ ھے (٢) -

ٹھٹھہ کے میر عظیم الدین عظیم ، میر علی شیر قانع ، شیوک رام عطارد اور محمد پناہ رجا اس دور کے اھم شعراء میں سے تھے - سب کے سب ارباب سلطنت کے درباروں سے وابستہ تھے - عظیم میاں سرفراز خان کے دربار سے اور میر قانع میاں نور محمد خان ، میاں سرفراز خان اور میاں غلام نبی خان کے درباروں سے وابستہ رھے - ان کی مدح میں قصائد بھی کہے - عطارد میاں غلام شاہ اور میاں سرفراز خان کے دربار میں نثر نویس کے عہدے پر فائز رھے - رجا کی رسائی پر لطف اللہ وزیر سندھ تک شایان شان رھی (٣)

---

(١) ایک دفعہ میاں نور محمد نے مندرجہ ذیل مصرعہ طرح — ع

سیہم چشمے زھند آورد پیغام رم آھو

لکھکر ناظم ٹھٹھہ شیخ شکر اللہ کے پاس بھجوایا اور فرمائش کی کہ اس مصرعہ کا پہلا مصرعہ لکھوا کر بھجوایا جائے - محسن ٹھٹھوی نے اس زمین میں ایک مرصع غزل کہی اور مجوزہ مصرعہ طرح پر اسطرح گرہ لگائی :

نگہ از زلف شکین توشد دام رم آھو
سیہ چشم زھند آورد پیغام رم آھو (مقالات الشعراء ص ٧١٩)

(٢) تاریخ سندھ جلد دوم مولانا مہر ص ٧٢٥ تا ٧٣٠، برائے حالات و انتخاب کلام -

(٣) عظیم ، قانع اور رجا نے والیان کلہوڑا کا زوال اور امیران تالپور کا عروج اپنی آنکھوں سے دیکھا - یہ شعراء گرچہ عہد کلہوڑا میں جوان ہوئے لیکن دور تالپور میں وفات پائی اور یہ دور ان کے عروج شعر و فن کا دور تھا اس لئے ان کا تذکرہ اسی دور کے ضمن میں کیا جائے گا -

دربار عباسی سے منسلک منشی عبدالروف فارسی کے بلند پایہ ادیب تھے ۔ نثر صاف سلیس اور بے تکلف لکھتے تھے ۔

محمد داؤد خان عباسی ، میاں نور محمد خان کے بھائی تھے ۔ بقول مولانا غلام رسول مہر ـــ " کلہوڑا خاندان میں بہ اعتبار علم و فضل سب پر فائق تھے ۔ اہل علم کی پرورش اور بزرگ داشت کا مرکز تھے" (۱) ۔ " صید المراد فی قوانین الصیاد " معروف بہ " باز نامہ " شکار کی تاریخ اور فن پر فارسی میں یہ پہلی کتاب ہے جسکی تصنیف کا سہرا محمد داؤد خان عباسی کے سر ہے ۔ کلکتہ یونیورسٹی کے فیلو اور بورڈ آف اگزامینر کے سکریٹری کرنل ڈی سی فلٹ (D.C. Phillot) نے پہلے اس کتاب کا انگریزی ترجمہ شائع کرایا پھر ۱۹۰۸ء میں فارسی کی اصل کتاب (۲۳۳ صفحات پر مشتمل) شائع کرائی ۔

میاں داؤد کے ایک فرزند محمد علی عالی فارسی نظم و نثر کے باکمال صاحب قلم تھے ۔ قانع کے ہم محفل و ہم نشین تھے (۲) ۔

اسی زمانے میں صرف ایک شہر ٹھٹھہ میں ماہرین و مدرسین علوم عربی کے علاوہ فارسی کے نظم نگار اور نثر نگار ، اہل دیوان اور اہل تصانیف کافی تعداد میں موجود تھے ۔ سندھ کے دیگر شہروں اور قصبوں میں بھی فارسی کا رواج عام تھا ۔ مقالات الشعراء اور دیگر تذکرے اس حقیقت کے شاہد ہیں ۔

مخدوم ابو القاسم ٹھٹھوی ، سید ابو القاسم شکر الٰہی ٹھٹھوی (عربی و فارسی کے اعلیٰ شاعر) ، مخدوم معین تسلیم ٹھٹھوی (مصنف رسالہ اولیسہ شرح رموز حقائق و رموز صوفیہ ، رسالہ بسلسلہ اثبات رفع الیدین فی الصلوٰۃ ، نمونہ کلام مقالات ص ۱۲۶) محمد محسن ٹھٹھوی (المتوفی ۱۱۶۲ ھ ، ایک ضخیم دیوان کے خالق ، لطافت سخن و سلاست کلام کے بادشاہ ، عقد دوازدہ گوہر ، طراز دانش جملہ حسین ، لحک کمال ، انتخاب قصائد کے مصنف) ، شیخ ابراہیم ٹھٹھوی (تصانیف تحفتہ الطاہرین ، صید نامہ ، شرح مخزن اسرار) وغیرہ وہ ناقابل فراموش شخصیتیں ہیں جن کی نگارشات و تخلیقات نظم و نثر فارسی ادب میں سنگ میل کی حیثیت رکھتی ہیں (۳)

---

(۱) تاریخ سندھ جلد دوم مولانا مہر ، ص ۱۰۱ ، ۱۱۱

(۲) مقالات الشعراء ، ص ۳۹۳

(۳) مقالات الشعراء ، تذکرہ مشاہیر سندھ ، تذکرہ صوفیائے سندھ

عبدالرشید سندی بھی ٹھٹھ کے باشندے تھے ۔ فارسی کے خوش فکر شاعر تھے ۔ ان کی ایک طویل فارسی قصیدے کے کچھ اشعار مقالات الشعراء میں شامل ھیں ۔ ان کی دو لغتیں " رشیدی فارسی " اور " رشیدی عربی " ان کی عربی و فارسی زبان پر دسترس کا ثبوت ھیں (۱) ۔

زیر نظر کتاب کے باب اول (عہد کلہوڑا) میں جن بزرگوں کے تذکرے پیش کئے گئے ھیں ان میں ملا عبدالحکیم ، میر صدر الدین کامل ، میر حفیظ الدین علی ٹھٹھ کے رھنے والے تھے ۔ یہ تینوں ارباب فکر و سخن فارسی کے اھل دیوان تھے ۔ میر صدرالدین کامل کا مرتبہ فارسی نظم و نثر میں بہت بلند تھا ۔ علی شیر قانع ، محمد پناہ رجا ، میر ابوالبقا علی سبزواری ، میر حفیظ الدین علی جیسے نامور مورخ ، مصنف ، انشاء پرداز اور نظم نگار کامل کے مشہور تلامذہ میں سے تھے ۔

حضرت شاہ عبداللطیف بھٹائی بھی اسی دور میں گزرے ھیں جن کا لازوال شاھکار " رسالۂ شاہ " ان کی عربی و سندھی دانی کے ساتھ ساتھ فارسی زبان و ادب پر مہارت کی زندہ شہادت ھے ۔ شاہ صاحب کا فارسی کلام بھی ان کے عارفانہ خیالات کا آئینہ دار ھے ۔ ان کے کچھ فارسی اشعار مقالات الشعراء (ص ۳۲۶) میں شامل ھیں ۔ اس کتاب کے باب اول میں ایک اور بزرگ کا ذکر کیا گیا ھے اور وہ ھیں میر اسد اللہ ساقی جن کا تعلق سرزمین بھکر سے تھا ۔ ساقی فارسی کے بہت اچھے نثر نگار اور سخن سنج تھے ۔ ان کی فارسی مناجاتیں ان کے معیاری اشعار کی ضمانت ھیں (۲) ۔

اسی زمانے میں شاہ فقیر اللہ علوی نقشبندی اور میر جان اللہ شاہ رضوی جیسے بہت بڑے اھل اللہ اور اھل علم و کمال کے دم سے علی الترتیب شکار پور اور روھڑی علم و ادب اور روحانیت و ثقافت کے خاص مراکز تھے ۔ شاہ فقیر اللہ علوی شکارپوری (المتوفی ۱۱۹۵ ھ) عربی فارسی پشتو کے عظیم المرتبت ادیب اور سخن سنج تھے ۔ ان کے مکاتیب " مکتوبات شاہ فقیر اللہ علوی " کے مجموعے عربی اور فارسی زبان میں ھیں جن کے مطالعہ سے شاہ صاحب کے افکار و خیالات اور علمی و روحانی نظریات کا بخوبی اندازہ ھوتا ھے ۔ اس کے علاوہ ان کی فارسی کتابیں " شرح قصیدہ بانت السعاد " اور " شرح ابیات شکل مثنوی " (جسکا ایک قلمی نسخہ کابل میں ھے)

---

(۱) مقالات الشعراء ص ۱۹۵ ۔ تاریخ سندھ جلد دوم مہر ، ص ۹۸۲

(۲) مقالات الشعراء ، تذکرہ مشاھیر سندھ ، تذکرہ صوفیائے سندھ ۔

شاہ صاحب کی فارسی انشاء پردازی کا بے مثال نمونہ ہیں ۔ فارسی میں شعر بھی کہتے تھے اور فقیر تخلص کرتے تھے ۔ ان کی ایک فارسی غزل تذکرہ صوفیائے سندھ کے صفحہ ۱۹۵، ۱۹۶ پر منقول ہے (۱) ۔

حاجی قاسم شکارپوری (المتوفی ۱۱۷۱ ھ) شاہ فقیر اللہ نقشبندی کے خاص مرید اور تربیت یافتہ تھے ۔ فارسی کے بہت اچھے شاعر تھے ۔ مولانا دین محمد وفائی کا بیان ہے کہ شکارپور شہر کے بارے میں قاسم کا ایک طویل فارسی قصیدہ ان کی نظر سے گزرا ہے جس میں مرشد علوی کا احوال بھی منظوم کیا گیا ہے (۲) ۔

میر جان اللہ شاہ رضوی خلیفہ ارشد حضرت صوفی شاہ عنایت میر تخلص کرتے تھے فارسی کے پرگو اور صاحب دیوان شاعر تھے ۔ مثنوی اور قصیدے میں کمال رکھتے تھے ۔ حضرت شاہ عنایت کے واقعہ شہادت کو جس درد انگیز انداز میں نظم کیا ہے وہ ان کے کمال شاعری پر دلیل ہے (۳) ۔

فارسی کے مذکورہ بالا ارباب علم و ادب کے علاوہ اخوند ابو الحسن بے تکلف (استاد قانع) میر احسن ٹھٹھوی ، اکرم ٹھٹھوی ، محمد محسن ٹھٹھوی ، محمد ضیاء ٹھٹھوی ، عطارد ٹھٹھوی ، غلام علی مداح ٹھٹھوی ، میر مرتضیٰ الہام ، حافظ محمد احسن عرف کوثی ، سلیمان بیگ اسلم ، آقا حاجی محمد اکسیر ، ابراہیم ہالہ کنڈی ، مرزا محمد جعفر شیرازی ، شیخ رحمت اللہ سرشار ، محمد محفوظ سرخوش ، محمد علی سیوستانی ، محمد تقی خان عاشق ، شیخ عبدالسبحان فائز وغیرہ نامی شعراء و ادباء کا کاروان بڑی سندھ میں جادہ پیمان نظر آتا ہے (۴)

---

(۱) مقالہ " شاہ فقیر اللہ جلال آبادی از آثار حبیبی مطبوعہ رسالہ سروش (فارسی) شمارہ ۲۱ جلد دوم ۱۵ مارچ ۱۹۵۸ء ۔ بحوالہ تذکرہ صوفیائے سندھ ۔

(۲) تذکرہ مشاہیر سندھ ، ص ۱۵۷ ، ۱۵۸

(۳) تحفۃ الکرام جلد ۳ ص ۱۲۸ ، ۱۲۹ مقالہ میر جان اللہ شاہ رضوی از پروفیسر لطف اللہ بدوی مطبوعہ نئی زندگی (سندھی) شہید نمبر فروری ۱۹۵۷ء

(۴) ان شعرائے کرام کے حالات و کلام کے لئے ملاحظہ ہو مقالات الشعراء ۔

والیان کلہوڑا کے عہد میں افغانستان ، ہندوستان اور ایران سے بھی فارسی کے اہل علم و اہل ادب سندھ میں آئے ۔ بعض سندھ سے گزر گئے بعض سندھ کے زیر زمین آسودہ ہوگئے ۔ اس کی اصل وجہ یہ تھی کہ اس دور میں ارباب ریاست کی علوم و فنون کی سرپرستی کے باعث سندھ میں فارسی شعر و ادب کا خاصا چرچا تھا ۔

مرزا محمد علی معروف بہ فردوسی ثانی نادر شاہ کے ہمراہ سندھ آئے ۔ انھوں نے سندھ پر نادر شاہ کی یورش سے متعلق شاھنامہ لکھا جس کا ایک شعر یہ ہے

بیک گردش چرخ نیلوفری　　　　نہ نادر بجا ماند نے نادری (۱)

ایران ھندوستان اور دیگر ممالک کے نامور سخندان فارسی و اساتذہ سخن مثلاً شیخ علی حزین (۲) مرزا صائب ، والہ داغستانی ، سید غلام علی آزاد ، عبدالجلیل بلگرامی ، سید محمود صابر رضوی ، سید محمد بلگرامی ، سید محمد اشرف کی آمد و سکونت سے سندھ کی ادبی انجمنوں میں چار چاند لگ گئے ۔

---

(۱) مقالات اختر ، ص ۲۷

(۲) سندھ کے ایک بزرگ محقق اور استاد نی حضرت افسر صدیقی امروہی اپنے ایک مقالہ " سندھ میں اردو کے آثار قدیمہ " (موصوف کی عنایت سے اس مقالے کا ایک قلمی نسخہ راقم کے پاس محفوظ ھے) جو اردو کانفرنس علی گڑھ کے اجلاس منعقدہ ۲۹ مارچ ۱۹۳۷ء میں پڑھا گیا تھا ، میں رقمطراز ھیں :

" ۱۱۳۵ ھ میں شیخ محمد علی حزین ایران سے آئے اور ٹھٹھہ میں کئی ماہ قیام کیا ۔ اس وقت ملا باقر شہید (المتوفی رجب ۱۱۷۸ ھ) اورنگ آباد سے آکر شیخ کے تلمذ و بیعت سے مشرف ہوئے ۔ ملا باقر ابھی ٹھٹھے میں تھے کہ آفتاب رائے رسوا سیاح ھندوستان (المتوفی ۱۱۷۸ھ) آنکلے اور یہاں کے چند شعراء کے ساتھ جن میں ملا باقی بھی شامل ھیں بزم شعر و سخن منعقد کی " ۔

(رسالہ اردو حیدرآباد دکن اکتوبر ، جولائی ۱۹۳۷ء)

کلہوڑوں کا عہد سندھی اور فارسی شعر و ادب کی ترقی کا عہد تھا ۔
بارھویں صدی ہجری اور اٹھارویں صدی عیسوی کا یہ دور اردو زبان اور اس کے ادب کا ابتدائی دور تھا ۔ اس دور میں یہ زبان عام ہوجاتی ہے ۔ اس صدی سے پہلے اردو پرانی طرز کی زبان تھی جو ھندی آمیز یا بھاشا نما تھی یا عربی فارسی الفاظ یا ترکیبوں سے مخلوط تھی ۔ بقول بابائے اردو مولوی عبدالحق " یہ زبان جو بعد میں ریختہ اور اب اردو کے نام سے معروف ہے ایک مدت تک ھندی ہی کے نام سے موسوم رہی چنانچہ میر تقی ، میر حسن یہاں تک مصحفی اپنے تذکروں کو سخن آفرینان ھندی اور سخن گویان ھندی کے تذکرے کہتے ہیں " (۱)

اردو کی ترقی و توسیع کے اعتبار سے کلہوڑوں کا یہ عہد متقدمین کا دور دوم ۱۷۰۰ء سے ۱۷۵۰ء تک شعرائے دکن ولی اورنگ آبادی وغیرہ اور متقدمین کا دور سوم اور متوسطین کا دور اول ۱۷۵۰ء سے ۱۸۰۰ء تک کے شعرائے دھلی ، آبرو ، حاتم ، تاجی ، مظہر جان جاناں اور ان کے بعد سودا ، میر اور درد پر محیط ہے ۔ اس دور میں زبان میں دکنی الفاظ کی آمیزش بھی ہے روزمرہ کا استعمال بھی ۔

تیرے بن مجھ کو اے ساجن تو گھر اور بار کیا کرنا
اگر تونا اچھے مجھ کن تو یہ سنسار کیا کرنا

ہرگز سخن سخت کو لاوے نہ زبان پر
جس دھن میں یک بار وہ نازک بدن آوے (ولی)

آبرو نے تناسب لفظی کو ترقی دی لیکن مرزا مظہر نے معنی کو روح شعر و ادب قرار دیا ۔ اردو زبان صاف ہونے لگی اور شاعری کا یہ رنگ ہوگیا ۔

خدا کے واسطے اس کو نہ ٹوکو
یہی اک شہر میں قاتل رہا ہے (مظہر)

تاریخوں اور تذکروں سے ثابت ہے کہ ہر دور میں اردو زبان اور شعر و ادب کی تبلیغ و اشاعت میں جن شعرائے کرام کا حصہ رہا ان میں اکثریت صوفی شعراء کی رہی ہے ۔ اس دور میں بھی یہی حال تھا ۔ اوپر کی سطروں میں دکن اور شمالی ھند کے جن شعرائے اردو کا ذکر آیا ہے ان میں اردو کے سب سے پہلے صاحب دیوان شاعر ولی دکنی (۱۶۶۸ - ۱۷۴۴ء)

---

(۱) اردو کی نشو و نما میں صوفیا کا کام ، ص ۷۶

عظیم صوفی تھے ۔ شاہ مبارک آبرو خان آرزو ، شیخ شرف الدین مضمون ، شاہ حاتم ، مرزا مظہر جان جاناں ، خواجہ میر درد اور محمد رفیع سودا سب کے سب اہل شریعت و شیخ طریقت بزرگ تھے ۔ انہیں بزرگان دین کی بدولت اردو شاعری میں عشق مجازی کے ساتھ ساتھ عشق حقیقی کے جذبات عارفانہ خیالات ، صوفیانہ نظریات اور مذہبی رجحانات شامل ہوئے ۔

اس دور کے سندھی شعراء اردو اور فارسی میں شعر کہتے تھے ۔ ہندوستان کے مذکورہ بالا شعراء کے معاصرین تھے اور ان سے ہم چشمی کا دعویٰ رکھتے تھے ۔ ان شعراء کے تذکرے کے بغیر اردو شعر و ادب کا کوئی تذکرہ مکمل نہیں ہوسکتا ۔ چند کے نام یہ ہیں ۔ بیدوا شہید ، رسوا ، درد سندھی ، محمد سعید راہبر ، غلام مصطفیٰ محزون ، شیخ ورد ، شیخ عبدالسبحان ، فائز ٹھٹھوی ، میر محمود صابر ، محسن سیرانی ، سید فضائل علی خان ، محمد الدین خان ، نظام فیروز جنگ بہادر ، میر جعفر علی بے نوا ، بے قید اور مخدوم محمد معین ٹھٹھوی (۱) ۔

مخدوم محمد معین ٹھٹھوی کی ذات گرامی علوم و فیوض اور خدمات و کمالات کا سرچشمہ تھی ۔ وہ عربی و فارسی کے ماہر علوم ، تصانیف کثیر کے مصنف اور علمائے عصر کے یکتائے روزگار استاد تھے ۔ وہ فارسی اور اردو کے بلند پایہ شاعر بھی تھے ۔ فارسی میں تسلیم اور اردو میں بیراگی تخلص کرتے تھے (۲) ۔ بقول پیر حسام الدین راشدی " ان کا دیوان مفقود ہوگیا " (۳) ۔ بیراگی کا کچھ فارسی کلام مقالات الشعراء میں ملتا ہے جس سے ان کے مذاق سخن اور فارسی طرز کلام کا اندازہ کیا جاسکتا ہے لیکن ان کا اردو کلام تلف ہوچکا ہے ۔ ان کے اردو کلام کی عدم دستیابی کے باعث ان کا تذکرہ زیر نظر مقالہ میں شامل نہیں کیا گیا ۔

اس کتاب کے باب اول (عہد کلہوڑا) میں سندھ کے جن ارباب شعر و ادب کی زندگی ، شاعری ، خدمات و کمالات پر روشنی ڈالی گئی ہے انکے اسمائے گرامی یہ ہیں :
ملا عبدالحکیم ٹھٹھوی ، میر حیدر الدین کامل ، شاہ عبداللطیف بھٹائی ، میر اسد اللہ ساقی ، میر حفیظ الدین علی اور روحل فقیر ۔

---

(۱) مقالہ " سندھ کے اردو شعراء " از حسام الدین راشدی ، سہ ماہی اردو کراچی اکتوبر ۱۹۵۱ء
مقالہ " سندھ میں اردو کے آثار قدیمہ " از افسر صدیقی مطبوعہ رسالہ اردو حیدرآباد دکن اکتوبر ، جولائی ۱۹۳۷ء ۔

(۲) مقالات الشعراء ، ص ۱۲۱ تحفۃ الکرام جلد سوم ، ص ۲۲۹ ، ۲۳۰

(۳) مقالہ سندھ کے اردو شعراء ، مطبوعہ رسالہ اردو کراچی ص ۸۶ بابت اکتوبر ۱۹۵۱ء

مخدوم معین بیراگی کے علاوہ یہ شعرائے کرام اولیائے سندھ میں سے تھے جنھوں نے
سرزمین سندھ میں اردو کی ترقی و ترویج میں نمایاں حصہ لیا ۔ اوپر کی سطور میں جن
سخنوران ہند کا ذکر آیا ہے سندھ کے یہ اہل دل و اہل سخن ان کے ہمعصر تھے ۔ یہ
شعرائے سندھ اردو زبان و ادب کی خدمت کے سلسلے میں اپنے ہندی معاصرین سے کسی طرح
پیچھے نہیں رہے ۔ بعض حضرات کی شہرت وادئی مہران سے گزر کر دہلی اور لکھنو تک
پہنچ گئی تھی ۔

سندھ کے عظیم صوفی شاعر شاہ عبداللطیف بھٹائی بلاشبہ ہندی یا اردو کے شاعر
نہ تھے لیکن اس حقیقت سے بھی انکار نہیں کیا جاسکتا کہ اردو زبان پر ان کے احسانات اردو
کے دیگر شعرائے سے کچھ کم نہیں ہیں ۔ عربی فارسی اور ہندی کے بے شمار الفاظ اور تراکیب
جو کلام شاہ کی زینت ہیں آج اردو زبان کے جزو بن چکے ہیں ۔ " شاہ کا رسالہ " اس
امر کا زندہ جاوید شاہد ہے ۔

اس دور کی اردو شاعری کی تاریخ پر نظر ڈالنے سے یہ بات مسلمہ نظر آتی ہے کہ
اردو شاعری پر دکنی شاعری کا اثر زیادہ ہے لیکن ایک عجیب بات یہ ہے کہ اسی عہد کے اردو
کے سندھی شاعروں کے کلام پر دکنی اثرات کم اور مقامی اثرات زیادہ ہیں ۔ البتہ عہد تالپور
میں دکنی اثرات ~~بھ~~ نظر آتے ہیں جن کی صراحت کتاب ھذا کے باب دوم میں کی جائیگی ۔

کلہوڑوں کے عہد میں سندھ کی اردو نظم یا نثر دکنی چھاپ نہ ہونے کی ایک وجہ
یہ تھی کہ سندھ اس زمانے میں عربی و فارسی علوم و افکار کا مرکز تھا (جسکا ذکر اوپر آچکا
ہے) اس زمانے کے جن ارباب فکر و نظر کا ذکر کیا گیا ہے ان میں اکثر عربی و فارسی کے
علماء بھی ہیں جن کے کلام سے یہ حقیقت منکشف ہوتی ہے کہ ان اہل سخن کے کلام میں عربی
فارسی ، ہندی سرائیکی الفاظ ، محاورات ، تشبیہات ، تلمیحات ، استعارات ، تراکیب اور روزمرہ
کا استعمال عام ہے ۔ کہیں کہیں عربی و فارسی یا سندھی و سرائیکی آمیزش بھی موجود ہے
اسطرح ان شعرائے اردو کی زبان دکنی زبان کے بجائے ایک ایسی زبان تھی جو مذکورہ بالا
زبانوں سے مرکب ہوتی تھی ۔ اس دور میں سندھ کی اردو شاعری کی بعض اہم خصوصیات یہ
تھیں ۔

(۱) ہندوستان میں زوال سلطنت مغلیہ ، سندھ پر نادر شاہ اور احمد شاہ ابدالی کے
پے درپے حملے ، میاں نور محمد کلہوڑا کی جدوجہد آزادی ، ملک میں بدامنی و بے چینی ،
انتشار و خلفشار ، انقلابی و سیاسی حالات و حادثات کا بھرپور عکس اس دور کے کلام میں
پایا جاتا ہے ۔

اے مسلمانان وطن بیداد ھے　　　جو رھے ، بیداد ھے ، فریاد ھے

آشنا بیگانہ ، یار اغیار گشت　　　خود حقوق ما ھمہ برباد ھے

تنگ دست و طمع گنج و بخت لنگ　　　پا کنج و سر درد ، دل ناشاد ھے

(عطا ٹھٹھوی)

(۲) اس عہد کے کلام میں خارجیت بھی ھے داخلیت بھی جو شعراء کے دینی رجحانات ، طبعی میلانات ، عارفانہ خیالات اور صوفیانہ نظریات کا آئینہ دار ھے مثلا

دکھ سہہ ہوکر دوھیم آیا ھوں　　　بندہ مسکین یتیم آیا ھوں

عشق کی آگ جگمگاتی ھے　　　یہ دیا تیل بات باقی ھے

تیرے واصل ھیں دوجی نات نہیں　　　سب ھوا پھول ایک پات نہیں

(کامل ٹھٹھوی)

کامل مرشد راہ بتایا　　　روحل وچو روح اللہ پایا

آخر ذات ملی وچ ذاتیں　　　زھدا عشق روگا ھی ھے

عشق دی منزل جاھیں ، عشق حقیقت عشق طریقت

عشق بنا ایہہ صر آجاشی ، عشق ھی عالم عشق ھی دولت

(روحل فقیر)

کر سرخرو ھر بزم میں ، مجھ کو رسا ھر عزم میں

ساقی کہے ھر بزم میں ، پاشا جیلانی المـــــدد

(اسد اللہ ساقی بھکری)

(۳) اس دور میں تیسری خصوصیت صفت ایہام تھی ۔ اساتذہ دھلی اور شمالی ھند کے دیگر مشہور شعراء کے یہاں صفت ایہام کی بہت سی مثالیں ملتی ھیں ۔ شاہ مبارک آبرو ایہام کے بادشاہ تھے ۔ میر ، سودا ، قائم چاند پوری ، شاہ حاتم اور سید محمد شاکر ناجی صفت ایہام میں استادانہ کمال رکھتے تھے (۱) سندھ کے شعراء بھی اس فن میں اساتذہ

---

(۱) تفصیلات کیلئے ملاحظہ ہو تاریخ ادب اردو ، سکینہ ص ۸۲ تا ۹۳

ھند سے کم مرتبہ نہیں رکھتے تھے ۔ میر حیدر الدین کامل ٹھٹھوی اور میر حفیظ الدین علی ٹھٹھوی فن ایہام کے ماہر صنعت گر تھے جس کا اندازہ ذیل کی مثالوں سے بخوبی ہوسکتا ہے :

نار جاناں کی بات جانے میں
یہ نہ جانے تو اور جانا کیا (۱)

(کامل ٹھٹھوی)

اچار ہوا کھٹا پاپڑ لیتی ہے مچھی   سرکہ بنا تو آگے سونٹھی سلونی اچھی
پیلی ہے کیوں کناری سونا نہیں مہر کا   چونی پھوپی ہے باتیں موتی تو دیکھ سرکا (۲)

(علی ٹھٹھوی)

---

(۱) مقالات الشعراء ، ص ۶۷۰
(۲) ایضاً ص ۱۸۲

عہد تالپور (۱۱۹۶ — ۱۲۵۹ ھ / ۱۷۸۲ — ۱۸۴۳ ء)

والیان کلہوڑا کی طرح امیران تالپور بھی سندھ کے باشندے تھے ۔ سندھی ان کی مادری زبان تھی ۔ ان میں سے اکثر علماء و فضلاء اور شعراء و ادباء تھے ۔ انھوں نے عربی فارسی اور سندھی زبان و ادب کی فقید المثال سرپرستی کی۔

حقیقت یہ ہے کہ تالپوروں کے عہد میں سندھی زبان اور اس کے ادب کو غیر معمولی فروغ ہوا ۔ سندھی کے بڑے سے بڑے ارباب فکر و دانش اور اہل شعر و ادب پیدا ہوئے ان میں اکثر و بیشتر اولیائے کرام اور علمائے کرام تھے ۔

عبدالوہاب سچل سرمست (۱۱۵۲ — ۱۲۴۲ ھ / ۱۷۳۹ — ۱۸۲۶ ء) عہد تالپور کے سب سے عظیم صوفی ، سخن سنج ، نکتہ دان اور آشنائے اسرار و رموز تھے ۔ تصوف شاعری اور علم و فضل کے اعتبار سے اس دور میں سچل سائیں کا وہی مرتبہ تھا جو مرتبہ عہد کلہوڑا میں حضرت شاہ عبداللطیف کو حاصل تھا ۔ شاہ صاحب کی طرح سچل سائیں نے سندھی شاعری کو مضامین اور افکار کے لحاظ سے وسیع و بلند کردیا ۔ قرآن و حدیث کی روشنی میں فکر و فن کی نئی راہیں نکالیں ۔ اسلامی تصوف ، عارفانہ خیالات ، دینی رجحانات اور حقائق و معارف کے مضامین سے سندھی اور سرائیکی شعر و ادب کو وسعت و رفعت بخشی ۔ سچل کا ایک شعری مجموعہ " سچل کا سرائیکی کلام " کے نام سے شائع ہوچکا ہے جسکے مطالعہ سے انکشاف ہوتا ہے کہ سچل نے حمد ، نعت ، مناجات ، غزل ، دوہوں اور کافیوں جیسی اصناف سے بھی سندھی ادب کو مالا مال کیا ہے ۔ شاہ لطیف نے جس صنف کو " وائی " کے نام سے اپنایا تھا سچل نے اسی فن کو " کافی " کے نام سے روشناس کیا اور یہ کافی سندھی کی مقبول ترین صنف ثابت ہوئی ۔ سچل کے انداز میں جن دوسرے شعراء نے حمد ، نعت ، مناجات اور صوفیانہ شاعری کو آگے بڑھایا ان میں خواجہ محمد زمان (لواری شریف) (۱۱۲۵ - ۱۱۸۸ ھ) ملا صاحبڈنو فقیر شکار پوری ، روحل فقیر، چمن چارن ، پیر اشرف قریشی ، فتح محمد فقیر (متوفی ۱۲۵۹ ھ / ۱۸۴۳ ء) محمد عارف ~~خطہ~~ مشعیت شکار پوری (متوفی ۱۲۶۶ ھ / ۱۸۵۰ ء) (مترجم کریما سعدی در زبان فارسی) کے نام بڑی اہمیت کے حامل ہیں ۔ اسی صنف میں ایک اور شاعر نظر آتے ہیں جن ~~کا~~ نام مخدوم عبدالرووف بھٹی ہے ۔ انھوں نے سندھی منظوم میلاد نامہ کا آغاز کیا ۔ انھوں نے سندھی میں سب سے پہلے فارسی عروض اور بحروں کا بھی تجربہ کیا ۔

شاہ لطیف کے زمانے میں " وائی " دو مصرعوں پر مشتمل ہوتی تھی ۔ اب تین چار مصرعوں میں کہی جانے لگی اور کافی کے نام سے موسوم ہوئی ۔ سچل کے علاوہ فتح محمد فقیر خلیفہ کرم اللہ شکار پوری (متوفی ۱۲۷۱ ھ - ۱۸۵۵ء) حمل فقیر (۱۲۳۰ - ۱۲۹۶ھ / ۱۸۱۵ - ۱۸۷۹ء) . پیر علی گوہر شاہ اصغر (۱۲۳۱ - ۱۲۶۳ھ / ۱۸۱۶ - ۱۸۴۷ء) کی کافیاں نہ صرف مقبول بلکہ زبان زد عام ہوئیں ۔

دوہے کی مقبولیت بھی بڑھتی گئی ۔ اس دور کے اکثر شعراء نے مسلسل دوہے بھی کہے سچل مراد فقیر ، مولوی ولی محمد ، سید خیر شاہ پردیسی حیدرآبادی (مصنف مکالمۂ توبی و پگڑی جنگ نامہ) صدیق فقیر سومرو (مصنف دوہوں کے مجموعے موسوم بہ " رسالہ اور " دردنامہ ") وغیرہ ۔ دوہوں کے شاعروں میں مولوی ولی محمد کا کمال یہ ہے کہ انھوں نے عربی کی ایک کتاب " حکایات الصالحین ". کو سندھی دوہوں میں منتقل کیا اور یہ کتاب ایک مدت تک درسی نصاب میں شامل رہی ۔

امیران تالپور شیعہ مسلک سے تعلق رکھتے تھے ۔ ایران سے ان کے خاص تعلقات تھے اسلئے سندھ میں ایرانی علماء و شعراء کی آمد و رفت کا سلسلہ بھی جاری تھا ۔ سندھ و ایران کے مذہبی ، تاریخی ، ثقافتی روابط کی بناء پر سندھی زبان اور ادب پر ایرانی ثقافت اور فارسی زبان کا اثر ہوا ۔ خصوصاً سندھ کے فارسی شعراء فارسی طرز شاعری سے متاثر ہوکر سندھی میں فارسی عروض اور بحروں میں شعر کہنے لگے ۔ فارسی اسلوب پر سندھی میں مرثیہ نگاری اور غزل گوئی کاآغاز ہوا ۔ یہ خصوصیت صرف عہد تالپور سے منسوب ہے ۔

سید ثابت علی شاہ (۱۱۵۳ - ۱۲۲۵ھ / ۱۷۴۰ - ۱۸۱۰ء) سندھی کے سب سے پہلے مرثیہ نگار تھے ثابت علی نے عربی فارسی بحروں میں سندھی غزلیں کہیں ، ہجویہ اشعار کہے ، رزمیہ شاعری کی اور سندھی شعر و ادب کو فن کا درجہ دیا ۔ سندھی زبان میں فارسی الفاظ و محاورات ، تشبیہات و استعارات اور مضمون آفرینی کا سہرا سب سے پہلے ثابت علی شاہ ثابت جیسے ہمہ رنگ شاعر کے سر ہے ۔ سندھی میں ثابت علی کو وہی مقام حاصل ہے جو اردو کے مرثیہ نگاروں میں میر انیس و میر دبیر لکھنوی کو ہے ۔ سندھی شعراء میں ثابت شاہ جیسا کوئی دوسرا مرثیہ نویس اور مرثیہ خوان پیدا نہیں ہوا ۔ سندھی مرثیہ میں ان کی تصنیف " جنگ نامہ میاں عبدالنبی خان باعزت خان " مرثیہ نگاری کا ایک اعلیٰ نمونہ ہے ۔

خلیفہ گل محمد ہالا کنڈی (۱۲۲۶ - ۱۲۷۲ھ / ۱۸۱۸ - ۱۸۵۶ء) سندھی کے پہلے صاحب دیوان شاعر تھے ۔ ان کا دیوان بمبئی سے شائع ہوچکا ہے ۔ یہ مجموعہ کلام سندھی بیت ، غزلیات ،

ردیفوں اور قافیوں پر محیط ہے ۔ یہ سارا کلام عربی و فارسی عروض و اصول پر کہا گیا ہے
ان کے اشعار میں عربی و فارسی الفاظ و تراکیب کا استعمال کثرت سے ہوا ہے ۔

ثابت اور گل کے علاوہ عربی و فارسی ضوابط کی پابندی کرنے والوں میں سچل ، ملا
صاحبڈنوں ، صفوت شکار پوری ، خلیفہ کرم اللہ شکارپوری ، اشرف قریشی ، حمل فقیر اور خلیفہ
نبی بخش (جن کے رزمیہ نظمیں حب الوطنی اور جذبۂ جہاد سے معمور ہیں) کی غزلیات
سندھی ادب کی بیش قیمت سرمایہ ہیں ۔

عہد کلہوڑا میں سندھی مثنوی کی ابتدا شاہ لطیف کی منظوم داستانوں ، مومل رانو
عمر ماروی وغیرہ سے ہوچکی تھی لیکن یہ داستانیں زیادہ تر تلمیحات و استعارات کی صورت میں
نظم کی گئی تھیں ۔ مسلسل قصے کہانیوں کو مثنوی کی صورت میں لکھنے کا باقاعدہ رواج
تالپوروں کے زمانے میں پڑا ۔ حفیظ کی مومل رانو ، خلیفہ حاجی عبداللہ کی لیلٰی مجنوں (تصنیف
۱۲۰۸ ھ) حمل فقیر لغاری کی ہیر رانجھا ، عمر ماروی اور خلیفہ نبی بخش کی سسی پنوں
اس دور کی لازوال مثنویاں ہیں ۔

روحل فقیر کے تین صاحبزادے شاہو فقیر ، غلام علی فقیر ، دریا خان دیوان دلپت
رائے صوفی (وفات ۱۲۵۷ھ) ان کے بھائی چین رام ساقی شکارپوری (وفات ۱۲٦۷ھ) مخدوم
محمد عارف سیوہانی (وفات ۱۲۲۷ھ) فقیر عثمان لاڑکانوی (وفات ۱۲۷۹ھ) اور پیر محمد
راشد روضۂ دھنی (۱۱۷۰ - ۱۲۳۳ھ) اس دور کے اہم شعراء گزرے ہیں ۔

گزشتہ سطور میں عرض کیا جاچکا ہے کہ سندھی نثر میں تصنیف و تالیف کا آغاز
عہد کلہوڑا میں اخوند عزیز اللہ متعلوی اور مخدوم عبدالرحیم گروھڑی کی کتابوں سے ہوچکا تھا
تالپوروں کے زمانے میں نثر میں کچھ اور کام ہوا ۔ خلیفہ محمود نظامی کی کتاب " مجمع
الفیوضات " اس دور کی بڑی معرکۃ آرا کتاب ہے ۔ (سندھی نثر کی تاریخ ص ٦)

میران تالپور کا عہد عربی و فارسی علوم و ادبیات کے لئے ایک ترقی یافتہ عہد تھا ۔
سندھ کے مختلف شہروں قصبوں اور دیہاتوں میں مکتب اور مدرسے قائم تھے جن میں عربی و
فارسی درس و تدریس اور اسلامی تعلیمات کا باقاعدہ انتظام تھا ۔ ارباب سلطنت کی علم دوستی
اور ادب نوازی کی بناء پر ان کے مراسم ایران کے قاچاری حکام ، شریف مکہ ، امام مسقط اور
اسلامی ممالک کے نامور علماء و فضلاء ، شعراء و ادباء کی آمدورفت کا سلسلہ جاری رہا ۔ اس
دور میں اکثر علماء و اساتذہ ایسے تھے جو سندھ میں پیدا ہوئے لیکن تحصیل علم کے بعد
عرب ممالک میں جاکر آباد ہوئے ۔ وہاں علمی و دینی کی خدمات انجام دیں ۔ سرزمین حجاز

میں مدفون ہوئے ۔ کچھ ایسے تھے جنھوں نے مکہ مدینہ مصر عراق وغیرہ میں تعلیم پائی اور سندھ میں واپس آکر درس و تدریس ، تبلیغ و تعلیم میں زندگی گزار دی ۔ ایسے بھی تھے جو عرب عجم ، افغانستان کے باشندے تھے لیکن ترک وطن کرکے وادی مہران میں بس گئے اور ان کے دم سے مہران کی وادیاں تجلیات الہی اور انوار محمدی سے جگمگا اٹھیں ۔

ان اولیائے کرام ، علمائے عظام نے قرآن ، حدیث ، تفسیر ، فنون ، فقہ ، تاریخ ، تصوف ، فلسفہ سے متعلق عربی میں کتابیں لکھیں ، مختلف موضوعات پر تحقیق و تدقیق سے علم و ادب کی نئی راہیں نکالیں ۔ ان کی تصنیفات و تالیفات نہ صرف مدارس و مکاتب کے نصاب میں شامل ہوئیں بلکہ عربی علوم و فنون کی گرانقدر سرمایہ ثابت ہوئیں ۔

شیخ محمد عابد انصاری سیوستانی ثم مدنی (المتوفی ۱۲۵۷ ھ ۔ ۱۸۴۱ء بمقام مدینہ منورہ) سیوستان (موجودہ سیوہن شریف) کے مشہور علمی و روحانی خاندان کے چشم و چراغ تھے ۔ شیخ الاسلام حافظ یعقوب کے پوتے ، مولانا احمد علی کے فرزند اور مولانا محمد حسین شیخ شیخ محمد حیات سندھی کے بھتیجے تھے ۔

شیخ عابد کلہوڑوں کے آخری اور تالپوروں کے ابتدائی زمانے کے جلیل القدر عالم اور صوفی تھے ۔ سندھ ھند یمن مصر مدینہ کے علمائے کرام نے ان کی فاضلانہ عظمت کا اعتراف کیا ہے ۔ ان کی تصنیفات و تالیفات میں المواهب اللطيفة شرح مسند الامام ابی حنیفہ (سند کی روایت) ، طوالع الانوار شرح در مختار (فقہ فتاوی[1]) ، شرح بیتا لوصولی شرح بلوغ المرام من ادلتہ الاحکام (مصنفہ حافظ بن حجر عسقلانی) اور ایک ضخیم سندوں کی تالیف ثبت (تین حصوں میں) جیسی نادر کتابوں کے نسخے پیر جھنڈو یمن اور مدینہ کے کتب خانوں میں موجود ہیں ۔ شیخ محمد عابد کے تلامذہ اور فیض یافتگان دنیا کے بعض ممالک مثلاً عرب ایران افغانستان ھندوستان وغیرہ میں موجود تھے جنھوں نے اسلامی علوم و معارف کے سلسلے میں کارہائے نمایاں انجام دیئے (۱) ۔

مخدوم محمد عارف سیوھانی (متوفی ۱۲۳۷ ھ) سیوھن کے مشہور فقیہہ تھے ۔ انھوں نے فقہ حنفی کی مشہور کتاب " ھدایہ " (حاشیہ نجوم الھدایہ) اور تصوف کی کتاب " فتح الفضل " پر حواشی لکھے ہیں جو ان کی عالمانہ بصیرت کے شاھد ہیں ۔

---

(۱) فہرس الفہارس ص ۷۵ ، ۲۷۶ ، الیانع الجنی مطبوعہ جدید پریس دہلی ص ۶۹-۷۳ ، و حصر الشارد بحوالہ سرزمین سندھ میں علم حدیث حصہ دوم (قلمی) ص ۲

مخدوم عبدالواحد سیوہانی (۱۱۵۰ - ۱۲۲۴ھ / ۱۷۳۷ - ۱۸۰۹ء) کے والد مخدوم دین محمد عہد کلہوڑا میں قاضی اور ان کے دادا مخدوم عبدالواحد کبیر ایام اورنگ زیب میں سیوھن کے مفتی تھے ۔ مخدوم عبدالواحد علوم فقہ و فتاویٰ کے یگانہ روزگار عالم و فاضل تھے ۔ مولانا غلام مصطفےٰ قاسمی نے الرحیم مشاہیر نمبر میں مخدوم عبدالواحد کی ۱۹ کتب اور رسائل کی تفصیل درج کی ھے جن کے کچھ نسخے کتب خانہ پیر حسام الدین راشدی اور پیر جھنڈو میں محفوظ ھیں (۱) ۔

پیر محمد راشد (۱۱۷۰ - ۱۲۳۳ھ) کی تصنیفات شرح اسماء اللہ الحسنیٰ جمع الجوامع کے علاوہ مکتوبات و ملفوظات (مرتبہ خلیفہ محمود نظامی ، خلیفہ محمد حسین مہیر) ان کی علمی و روحانی عظمت اور افکار و معارف کے آئینہ دار ھیں ۔

مخدوم محمد ابراھیم ٹھٹھوی (مرید خواجہ صفی اللہ سرھندی وفات ۱۲۱۲ھ) نے کلہوڑوں کا آخری اور تالپوروں کا ابتدائی دور دیکھا ۔ شرعی مسائل اور فتاویٰ میں مستند مانے جاتے تھے ۔ دینی مباحث و مسائل پر ان کی کئی تصانیف ھیں جن میں اماطلۃ اذی العبید عن طریق جواز استعمال اموال الکافر المعہد مشہور ھے ۔ اس کتاب کی وجہ شہرت یہ ھے کہ اس میں ذمیت کی ماھیت پر بحث کی گئی ھے ۔ ۳۵ دلائل و شواھد سے ثابت کیا ھے کہ ان کے زمانے میں سندھ کے غیر مسلم حربی تھے ۔ ذمی نہیں تھے (۲) ۔ یہ کتاب انھوں نے ملکی پالیسی کے متعلق اپنے ایک بیان کی وضاحت میں لکھی تھی ان کی بعض تصانیف کے قلمی نسخے مدرسہ مظہر العلوم کراچی اور سندھ یونیورسٹی حیدرآباد میں موجود ھیں ۔ مخدوم عربی کے شاعر بھی تھے ۔ انھوں نے شیخ عثمان ھارو کی ھجو میں عربی نظم لکھی تھی ۔

شیخ عثمان ھارو بھی اس زمانے کے پائے کے عالم تھے ۔ انھوں نے مخدوم ابراھیم کی مذکورہ بالا کتاب کی تردید میں ایک کتاب عربی میں لکھی تھی جس میں مخدوم کی اس رائے سے اختلاف کرتے ھوئے لکھا کہ جو جمہور دارالحرب نہیں دارالکفار ھے (۳) ۔

شیخ محمد حسین (متوفی ۱۲۳۰ھ) علوم دینی و علوم ایران (طب) کے جامع تھے ان کی تصنیف البیان للشرب عن شرب الدخان علم طب کی بے نظیر کتاب ھے ۔

---

(۱) الرحیم مشاہیر نمبر (سندھی) ، ص ۸-۹

(۲) رسالہ دعوت الحق اگست ستمبر ۱۹۵۲ء ، ص ۲۳

(۳) تاریخ سندھ (عہد کلہوڑا) از مولانا مہر ، ص ۹۹۵

شاہ عبدالرحمٰن سندھی لکھنوی المتخلص بہ موحد (۱۱۶۱ - ۱۲۳۵ ھ) نے سندھ سے ہجرت کرکے ہندوستان میں سکونت اختیار کی - سندھی ، عربی ، فارسی اور اردو کے بہت بڑے صوفی عارف عالم اور شاعر و ادیب تھے - ان زبانوں میں ان کی تصانیف ان کے تجربۂ علمی کی ضمانت ہیں -

شاہ عبدالرحمٰن کی فلسفہ توحید سے متعلق عربی کتاب "کلمۃ الحق" نولکشور لکھنو سے شائع ہوئی تو علماء کی توجہ کا مرکز بن گئی - مولانا شیخ عبدالحلیم لاہوری نے اس کتاب کے رد میں ایک مبسوط رسالہ لکھا جس میں مولانا عبدالرحمٰن کے خلاف کفر کا فتوٰی صادر کیا - شاہ اسمٰعیل نے مولانا عبدالرحمن کے موقف و متن کی تائید و تصدیق کی - کلمۃ الحق کا اردو ترجمہ "وحدت الوجود" کے نام سے اللہ والے کی قومی دکان لاہور نے شائع کیا ہے - مولانا عبدالرحمٰن نے ایک عربی رسالہ شاہ عبدالعزیز بن شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے رد میں بھی لکھا تھا (۱) -

تالپور دور کے دیگر بزرگان علم و فضل میں میاں محمد کامل کثباری (۱۱۵۰ - ۱۲۳۹ھ) مولانا حیات کثباری (متوفی ۱۲۵۵ھ) میاں محمد حسن کثباری ، مولانا عبدالکریم گجبۃ (وفات ۱۲۳۰ ھ) مخدوم قاضی احمدی کھہڑوی (متوفی ۱۲۵۵ ھ) مخدوم محمد عاقل کھہڑوی (متوفی ۱۲۳۲ ھ) سید محمد صالح ثانی جیلانی گھوٹکی (۱۱۹۰ - ۱۲۲۹ھ) کے عربی کتب و رسائل آج بھی اہل دل و اہل فن کے لئے مشعل رشد و ہدایت کی حیثیت رکھتے ہیں -

---

فارسی ادب عہد تالپور میں فارسی زبان کو درباری زبان کی حیثیت حاصل تھی لیکن فارسی بولنے اور لکھنے پڑھنے کا رواج بھی عام تھا - اس دور میں فارسی زبان اور اس کے ادب نے خاص طور پر فروغ پایا - علماء شعراء ادباء اور اہل فن کی بے مثال پذیرائی ہوئی - اکثر ممتاز اہل علم و دانش اور ارباب شعر و ادب ارکان سلطنت کے دامن فیض و عنایت سے وابستہ رہے - ایران ، افغانستان اور دیگر ممالک کے شعراء و ادباء کی آمد و رفت اور سکونت سے وادی مہران شعر و ادب کا مرکز بن گئی تھی - اس کا اصل سبب یہ تھا کہ ارباب اقتدار بہت علم دوست ، اہل ذوق ، اہل دل اور اہل نظر تھے - انہوں نے خود بھی علم و ادب کی گرانقدر خدمات انجام دیں کتابیں لکھیں شعر کہے ، دیوان مرتب کئے - ان کی فارسی تخلیقات و نگارشات آج بھی سندھ میں زبان و ادب کا لازوال سرمایہ ہیں -

---

(۱) نزہۃ الخواطر ، ج ۷ ، بحوالہ تذکرہ مشاہیر سندھ ، ص ۷۶-۸۶

فاتح سندھ ، میر فتح علی خان خود عالم ادیب یا شاعر؟ تھے لیکن ان کے دربار میں اس وقت کے مقتدر ارباب علم و فن جمع تھے ۔ عظیم ، عطارد ، اِجا ، میر فتح کے درباری شعراء تھے ان میں عظیم کو ملک الشعراء کا مقام حاصل تھا ۔

میر کرم علی خان کرم (متوفی ۱۲۴۴ ھ (۱۸۲۸ ء) مدفون بمقام حیدرآباد) فارسی کے صاحب دیوان شاعر تھے ان کا دربار مرجع فن و شعر تھا ۔ عظیم ، ثابت شاہ ، مفتی صاحبوائی آزاد ، آقا محمد عاشق اصفہانی ، میرزا خسرو بیگ ، میر صابر علی صابر ، میر سید علی مشتاق ، عبدالمجید جوکھیہ مجیدی ، آخوند نور محمد ہالائی ، سلیمان حاجی ، میرزا مظہر ، میر کاظم شاہ سرخوش ، سید طباطبائی ، میر ہوتک افغانی اور نواب ولی محمد خان ولی لغاری جیسے شعرائے کرام میر کرم علی کے دامن نعم و کرم سے وابستہ تھے (۱)

بقول ڈاکٹر نبی بخش خان بلوچ " زھدۃ المعاصرین اور لحک خسروی " جیسے فارسی کے مشہور تذکرے میر کرم علی کے دور درخشاں کی ادبی یادگار ھیں " (سندھ میں اردو شاعری ص ۷۷) ۔

میر مراد علی خان (۱۱۸۸ - ۱۲۴۹ ھ) مدفن حیدرآباد) نے اپنا فارسی دیوان " دیوان علی " اور ایک تذکرہ " لحک خسروی " مرتب کیا ۔ " طب مراد " نامی کتاب لکھی جو ان کے فن طب پر مہارت کی زندہ شہادت ھے ۔

میر صوبدار خان میر (ولادت ۱۲۱۷ ھ (۱۸۰۲ ء) بمقام حیدرآباد) ، فتح علی خان کے فرزند اور ولی عہد تھے ۔ جنگ میانی میں انگریزوں کے ہاتھوں شکست کے بعد اپنے چچا زاد بھائی میر محمد نصیر خان جعفری آخری فرمانروائے حیدرآباد کے همراہ گرفتار ہوکر کلکتہ میں اسیر فرنگ رھے جہاں ۱۲۶۲ ھ (۱۸۱۱ء) کو قید حیات سے آزاد ھوگئے ۔

میر صوبدار خان کو شعر و ادب کے علاوہ فن طب سے بھی خاص شغف تھا ۔ طب کے موضوع پر ان کی ایک تصنیف " خلاصۃ الغذاء " کا سراغ ملتا ھے ۔ فارسی نظم میں متعدد تصانیف چھوڑی ھیں ۔ تین دواوین مرتب کئے جن میں ایک " دیوان میر " کا سن تصنیف ۱۲۴۰ ھ (۱۸۲۴ء) ھے ۔ اس شعری مجموعے میں ۳۱۲ غزلیں شامل ھیں ۔ صنف مثنوی میں بھی ید طولیٰ رکھتے تھے ۔ منظوم خطوط کے مجموعے کے علاوہ میر سندھ کی چند مثنویوں کے نام اور سن تصنیف یہ ھیں :

---

(۱) مقالہ تالپور حکمرانوں کے علمی کارنامے از احسن کربلائی مطبوعہ مہران جو موجوں ، ۱۹۶۳ء ، ص ۴۳

۸

۱) فتح نامہ (۱۲۴۴ ھ - ۱۸۲۸ء)

۲) سیف الملوک و بدر الجمال (۱۲۴۷ ھ - ۱۸۳۱ء)

۳) خسرو شیرین (۱۲۵۱ ھ - ۱۸۳۵ء)

۴) ماہ و مشتری (۱۲۵۲ ھ - ۱۸۳۶ء)

۵) جدائی نامہ (۱۲۶۰ھ - ۱۸۴۴ ء) (۱)

میر محمد نصیر خان جعفری (پیدائش ۱۲۱۹ھ بمقام حیدرآباد) فرزند میر مراد علی خان سندھ کے آخری فرماں روا تھے - جنگ میانی میں شکست کے بعد ایران و شہزادگان کے ساتھ اسیر فرنگ ہوئے - ۱۲۶۱ ھ (۱۸۵۳ء) میں بمقام کلکتہ قید فرنگ و بند غم سے ہمیشہ کیلئے رہائی پائی -

فارسی کے صاحب طرز انشاء پرداز اور خوش فکر سخن سنج تھے - نثر میں " مکاتیب جعفری " اور نظم میں " سفر نامۂ جعفری " ان کی یادگار تخلیق ہیں - ان دونوں میں " قید فرنگ " کے دوران سندھ ، بمبئی اور بنگال کے سفر اور دیگر واقعات سے متعلق دردناک تاثرات بیان کئے گئے ہیں -

نواب ولی محمد خان ولی لغاری ($\frac{\text{۱۱۶۵ - ۱۲۴۷ ھ}}{\text{۱۷۵۲ - ۱۸۳۲ ء}}$) حکومت تالپور کے نامور وزیر اعظم اور بہادر سپہ سالار تھے - فارسی کے صاحب دیوان شاعر جلیل القدر نثر نگار ، حکیم حاذق ، جید عالم ، متعدد کتب نظم و نثر کے مولف و مصنف - خرد نامہ (علم اخلاق) نزھتہ الابدان (علم طب) کے علاوہ ساقی نامہ ، موعظمت نامہ اور مثنوی ہیر رانجھا ان کی علمی بصیرت اور شعری رفعت کی مظہر ہیں -

سید ثابت علی شاہ (۱۱۵۳ ھ بمقام ملتان ۱۲۲۵ ھ (۱۸۱۰ء) بمقام سیوھن) میر کرم علی کے درباری شاعروں میں ثابت علی شاہ ثابت کو ممتاز درجہ حاصل تھا - ثابت شاہ تالپور دور کے بہت بڑے مرثیہ گو اور مرثیہ خوان تھے - میر انیس و میر دبیر اور سید صابر علی شاہ کے مرثیئے میں ان کا کوشی ثانی نہ تھا - ان کا فارسی دیوان اور مراثی ان کی فارسی دانی و سخن فہمی کی غیر معمولی مہارت و درک کے غماز ہیں -

ٹھٹھہ کے شکر اللہی شیرازی سادات سید عزت اللہ کا خاندان علمی روحانی و ادبی

---

(۱) تکملہ مقالات الشعراء ، ص ۵۶۳ تا ۵۹۳ ، تاریخ ادبیات مسلمانان پاکستان و ہند (تیرھویں جلد مطبوعہ پنجاب یونیورسٹی لاہور ، ص ۵۳۹)

اعتبار سے بہت ممتاز سمجھا جاتا تھا ۔ میر علی شیر قانع بن عزت اللہ ان کے بھائی سید ضیاء الدین ضیاء بھتیجے محمد عظیم الدین عظیم اور قانع کے فرزند میر غلام علی مائل نے فارسی علم و ادب کی ترقی و ترویج اور توسیع و اشاعت میں بے نظیر کارنامے انجام دیئے ۔ یہ حضرات عہد تالپور کے اکابر ادب میں سے تھے ۔

میر علی شیر قانع کی ولادت ١١٣٠ھجری میں عہد کلہوڑا میں اور وفات ١٢٠٣ ھ میں دور تالپور میں ہوئی ۔ قانع سندھ کے مشہور مورخ محقق مصنف تذکرہ نگار اور باکمال شاعر تھے ۔ دواوین سمیت ان کی تصنیفات و تالیفات کی تعداد بیالیس سے زیادہ ہیں جن میں دس سے زائد مثنویاں شامل ہیں ۔ میاں غلام شاہ کلہوڑا کی فرمائش پر " تاریخ عباسیہ " لکھی ۔ قانع کی دو کتابیں مقالات الشعراء اور تحفۃ الکرام سندھ کی تاریخ ، تصوف اور ادب پر بنیادی مآخذ کی حیثیت رکھتی ہیں ۔ مقالات الشعراء ١١٧٤ ھ سے ١٢٠٢ ھ یعنی ٢٨ سال کی طویل مدت میں لکھی ۔ یہ کتاب ٧١٩ فارسی کے قدیم اور قانع کے معاصر شعراء کا پہلا جامع اور دقیع تذکرہ ہے (١)

تحفۃ الکرام (سال تصنیف ١١٨٠ تا ١٢٠٣ ھ) تین حصوں میں ہے ۔ یہ کتاب سندھ کی تاریخ ، جغرافیہ ، سلاطین ، امراء و وزراء ، اولیاء ، علماء ، ادباء ، خلفاء ، حکمائے اسلام کے حالات و واقعات سے متعلق ایک مبسوط اور اہم دستاویز ہے (٢)

ضیاء الدین ضیاء (۱۱۶۰ - ۱۲۲۹ ھ / ۱۷۴۷ - ۱۸۱۴ء) والی میرپور خاص میر ٹھارو خان بن میر فتح خان مانکانی کے درباری شاعر تھے ۔ ضیاء نے میر ٹھارو خان کی خواہش پر عظیم ٹھٹھوی کی مثنوی ہیر رانجھا کی تقلید میں قصہ ہیر رانجھا کو نظم کیا ۔ اس مثنوی کے علاوہ فارسی میں ضیاء ٹھٹھوی کا ایک دیوان اور کئی بیاضیں (٣) انکی شاعرانہ صلاحیتوں کی شاہد ہیں ۔

---

(١) مقالات الشعراء پیر حسام الدین راشدی کے مقدمہ و حواشی کے ساتھ ١٩٥٧ء میں سندھی ادبی بورڈ حیدرآباد کے زیر اہتمام منظر عام پر آچکا ہے ۔ قانع کے یہ حالات و کوائف اسی ایڈیشن سے ماخوذ ہیں ۔

(٢) تحفۃ الکرام کا اردو ترجمہ (مترجم اختر رضوی) مع تصحیح و حواشی مخدوم امیر احمد و ڈاکٹر نبی بخش بلوچ سندھی بورڈ نے ١٩٥٩ء میں شائع کیا ہے ۔

(٣) ضیاء ٹھٹھوی اور دیگر شعراء کی بیاضوں اور مخطوطات سے سندھی ادبی بورڈ میں اسکے سکریٹری غلام ربانی اگرو اور نگران کتب خانہ انور ہالائی (ایڈیٹر گل پُھل) کی کرم و نوازش سے راقم کو استفادے کا شرف حاصل ہوچکا ہے ۔

محمد عظیم الدین عظیم (۱۱۶۲ - ۱۲۲۹ ھ / ۱۷۴۹ - ۱۸۱۳ ء) کا شمار فارسی کے چوٹی کے شعراء میں ہوتا ہے - عباسیوں کے دور میں پیدا ہوئے اور تالپوروں کے زمانے میں فوت ہوئے - دونوں حکومتوں نے عظیم کی شاعرانہ عظمت کا اعتراف کیا -

" فتح نامہ " عظیم ٹھٹھوی کا ایک عظیم تاریخی کارنامہ ہے - یہ مثنوی جو تین ہزار اشعار پر مشتمل ہے ۱۲۰۹ ھ (۱۷۹۴ ء) میں شاہنامہ فردوسی کے انداز میں لکھی گئی - عظیم نے میر فتح علی خان کی فرمائش پر ۱۲۱۳ ھ (۱۷۹۹ ء) میں اٹھارہ سو اشعار کی مثنوی ہیر رانجھا لکھی - یہ فارسی ادب کا شاہکار ہے - عظیم کا فارسی کلام مثنویوں کے علاوہ قصائد ، غزلیات ، رباعیات ، خمسات ، مسدسات اسلام اور مرثیوں پر محیط ہے (۱)

میر غلام علی مائل (۱۸۸۱ - ۱۲۵۱ ھ) بھی میر کرم علی خان کرم کے دربار سے وابستہ رہے - فارسی کے قادر الکلام شاعر تھے - ان کے فکر و فن کا دائرہ بہت وسیع تھا - قصائد مراثی سلام مناقب نعت کے علاوہ غزلیات و قطعات کا وافر ذخیرہ ان کے کلام میں موجود ہے - تاریخ گوئی و نظم نگاری کے فن میں یکتا و یگانہ تھے - ان کے اکثر تاریخی قطعات ان کے دور کے حالات و واقعات کی عکاسی کرتے ہیں - کلیات مائل ۱۹۵۹ء میں محمود احمد عباسی اور محمد حبیب اللہ رشدی کی ترتیب ، حواشی ، مقدمہ کے ساتھ سندھی ادبی بورڈ کی جانب سے زیور اشاعت سے آراستہ ہوچکا ہے (۲) -

محمد پناہ رجا ٹھٹھوی فارسی کے ایک اہم شاعر تھے - قانع کے استاد بھائی ، ابوتراب حیدر الدین کامل کے تربیت یافتہ تھے - میر لطف اللہ عرف میر ستارہ وزیر سندھ نے رجا کی قدر افزائی کی (۳) -

اخوند محمد بچل اویر (متوفی ۱۲۰۲ ھ (۱۷۶۱ء) میر نصیر خان جعفری کے استاد تھے - فارسی مثنوی "میر ماجرا" ان کی ادبی کاوشوں کی حاصل ہے (۴) محمد عارف ~~ٹھٹھہ~~ شکار پوری (وفات ۱۲۶۶ ھ - ۱۸۴۹ء) کا فارسی دیوان ان کے صاحبزادے میاں محمد امین نے مرتب کرکے پہلی بار ۱۳۱۳ ھ (۱۸۹۶ء) میں شائع کیا - اس کا دوسرا

---

(۱) دیوان عظیم مرتبہ ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خان (سابق صدر شعبۂ اردو جامعہ سندھ) سندھی ادبی بورڈ کے تحت ۱۳۸۱ھ (۱۹۶۲ء) میں شائع ہوچکا ہے -

(۲) میر مائل ٹھٹھوی کی چند بیاضوں کے مخطوطات (شعبۂ مخطوطات نمبر ۲۱) سندھی ادبی بورڈ میں راقم کی نظر سے گزر چکے ہیں -

(۳) مقالات الشعراء ، ص ۲۲۳.

(۴) Persian Poets of Sind P- 211

ایڈیشن سندھی ادبی بورڈ کی توجہ سے منظر عام پر آیا ہے -

مخدوم عبدالواحد سیوھانی (صنف اتحائف واحدی) پیر محمد راشد ، شیخ محمد حیات (وفات ۱۲۱۸ ھ - صنف مثنوی داستان جہاد عشق و عقل) خلیفہ محمد کھہڑوی ($\frac{۱۱۸۹ - ۱۲۶۷ \text{ھ}}{۱۷۷۳ - ۱۸۵۲ \text{ء}}$) صنف رسالۂ گلشن اولیاء ، جامع الفیوضات پیر نظام الدین نظامی سرھندی بن خواجہ پیر غلام محی الدین سرھندی (وفات ۱۲۵۱ ھ - ۱۸۳۵ء) صنف اسرار رموز نقشبندیہ ، اخوند میاں صاحبڈنو شکارپوری (متوفی ۱۲۵۰ ھ - ۱۸۳۴ء) فقیر گل محمد ، اخوند قاسم ھالائی بن نعمت اللہ کی غزلیات تاریخی قطعات ، مثنویاں ، منظومات دواین ملفوظات اور مکتوبات وغیرہ دور تالپور کی پیداوارھیں (۱)

اردو کے جن اولیائے کرام کی حیات اور کلام زیرنظر کتاب کے باب دوم (عہد تالپور) میں شامل ھیں ان میں سچل سرمست ، آخوند قاسم ھالائی بن اخوند محمود ، مراد فقیر زنگیجہ فارسی کے قادر الکلام شعراء تھے - فارسی کی مختلف اصناف پر ان کے کلام کے مجموعے سندھ کے فارسی ادب میں قابل قدر اضافہ ھیں -

---

تالپور: عہد تالپور اردو زبان و ادب کی ترقی کا دور تھا - یہ دور نثر اردو کا دوسرا دور تھا - مرزا رفیع سودا نے نثر میں خلاصۂ مثنوی شعلۂ عشق ، دیباچہ کلیات (۱۷۸۱ء) میں لکھا - محمد حسین کلیم نے خصوص الحکم ، رفیع الدین دھلوی نے (۱۷۷۶ء میں) اور شاہ عبدالقادر دھلوی نے اردو میں قرآن مجید کا ترجمہ کیا - میر عطا حسین تحسین کی نو طرز مرصع (۱۷۹۸ء) بھی اسی دور کی پیداوار ھے (۲) - یہ کتابیں مذھب اور حکایات سے متعلق ھیں اور ان کی عبارتیں فارسی آمیز الفاظ سے آراستہ ھیں -

تالپوروں کا یہ دور نظم اردو کے لحاظ سے شعرائے متقدمین کا دور سوم اور متوسطین کا دور اول (۱۷۵۰ تا ۱۸۰۰ء) شعرائے دھلی آبرو ، حاتم ، تاجی ، مظہر جان جاناں ، میر تقی میر ، خواجہ درد اور متوسطین کا دور دوم و سوم (۱۸۰۰ تا ۱۸۵۰ء) میر حسن ، انشاء ، جرات ، مصحفی ، ناسخ ، آتش جیسے باکمال شعراء اور انکے تلامذہ پر مشتمل ھے -

---

(۱) مقالات الشعراء ، تذکرہ لطفی جلد دوم ، تذکرہ مشاھیر سندھ الرحیم مشاھیر نمبر -

(۲) داستان تاریخ اردو ، ص ۵۷

اس عہد کی خصوصیت یہ ہے کہ اس دور میں اردو شاعری کی تمام اصناف کمال کو پہنچیں ۔ دکنی علیہ کے بجائے فارسی اثرات نمایاں ہوئے ۔ نحیف الفاظ ، متروک تراکیب ، پست خیالات کی جگہ جاندار الفاظ ، حسین تراکیب اور بلند خیالات نے لے لیئے ۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ خواجہ میر درد کا کلام عامیانہ اور غیر اخلاقی مضمون و خیال سے پاک ہے ۔ میر درد کی زبان اور طرز ادا میر تقی میر جیسی ہے لیکن تصوف کی چاشنی اور درد و اثر کے اعتبار سے منفرد ہے ۔ تصوف و عرفان کا رنگ جس قدر میر درد کے کلام میں نکھرا نکھرا نظر آتا ہے اس سے پہلے کسی اور شاعر کے یہاں مفقود ہے ۔

انشاء اللہ خاں انشاء نے اردو کی ترقی و توسیع کیلئے نئے نئے تجارب اختیار کئے ۔ نئی نئی اصطلاحات سے اردو کو مالا مال کیا ۔ نظیر اکبرآبادی اسی زمانے کے سب سے بڑے عوامی شاعر تھے ۔ وہ اردو کے شیخ سعدی ، عاشقانہ رنگ کے استاد ، ناصحانہ شعر گوئی کے ماہر ، عوامی زندگی کے عرفان و وجدان سے آشنا ، آدمی و آدمیت کے اسرار و رموز کے پاسبو اور نیچرل شاعری کے بانی و موجد تھے ۔

اس دور کے اساتذہ اردو کا رنگ شاعری دیکھئے

سمجھے تھے ہم تو میر کو عاشق اسی گھڑی
جب سن کے تیرا نام وہ بے تاب سا ہوا

(میر تقی ، ۱۱۳۷-۱۲۲۵ھ)

سینہ و دل حسرتوں سے چھا گیا ۔ بس ہجوم یاس جی گھبرا گیا
وحدت نے ہر طرف تری جلوے دکھا دیئے ۔ پردے تعینات کے جو تھے اٹھا دیئے

(میر درد (متوفی ۱۱۹۹ ھ)

غصے میں تری ہم نے عجب لطف اٹھایا
اب تو عمداً اور بھی تقصیر کریں گے (انشاء (وفات ۱۲۳۳ ھ)

ناصح میں اور ہم میں ہیں یہ طرفہ صحبتیں
ہم کچھ نہیں سمجھتے وہ سمجھائے جاتے ہے (جرات ، متوفی ۱۲۲۵ ھ)

تری کوچے ہر بہانے مجھے دن سے رات کرنا
کبھی اس سے بات کرنا کبھی اس سے بات کرنا (مصحفی ، وفات ۱۲۴۰ ھ)

آگے کے صفحات میں ہم سندھ کے ان اولیائے کرام کے کلام کا نمونہ پیش کرینگے جن کا ذکر اس دور

کے باب میں کہا گیا ہے ۔ (یعنی مراد فقیر ، قاسم ھالائی ، سچل سرمست ، شاھو فقیر اور غلام علی فقیر) لیکن اس سے قبل یہ ضروری ہے کہ ان عوامل و محرکات پر روشنی ڈالی جائے جو عہد تالپور میں اردو زبان اور اس کے ادب کی ترقی و اشاعت میں مد و معاون ثابت ہوئے واقعہ یہ ہے کہ امیران تالپور نے عربی اور سندھی کے علاوہ فارسی اور اردو زبان و ادب کے فروغ میں جس ذوق و شوق سے حصہ لیا اسکے سائے میں اردو کو پھلنے پھولنے کا خوب موقع ملا ۔ تالپوروں کا دربار فارسی و اردو ادباء و شعراء کی انجمن سے کم نہ تھا ۔ ارباب سلطنت میں میر کرم علی خان کرم ، میر مراد علی خان علی ، میر صوبیدار خان میر ، میر محمد نصیر خان جعفری ، نواب ولی محمد خان ولی لغاری ، نے اردو نظم و نثر میں کتابیں لکھیں ۔ ان کی تصانیف اور دواوین نہ صرف فارسی بلکہ اردو سے بھی غیر معمولی دلچسپی کے شاھد ہیں ۔ سید ثابت علی شاہ ، عظیم ٹھٹھوی ، ضیاء الدین ضیاء ، غلام علی مائل وغیرہ نہ صرف فارسی بلکہ اردو کے بھی ماہر شعراء گزرے ہیں ۔

عہد تالپور کے صوفی شعرائے اردو میں شاعر ہفت زبان سچل سرمست کا مقام بہت بلند تھا ۔ سچل کا کلام تصوف و تغزل کا دلگداز مرقع ہے ۔ ان کا دامن فکر عشق مجازی سے عشق حقیقی تک کے تمام پہلوؤں سے آراستہ ہے ۔ شاہ لطیف ، میر درد اور میر تقی کے رنگ میں سچل کے اشعار کا رنگ بہت نمایاں ہے ۔

شاہ لطیف کے رنگ میں :

"موتوا" میں ہے بشارت اس عشق کی اشارت[1]
مرنے میں ہے صفائی یادگیے تم حیاتی

میر درد کے رنگ میں :

نہ جلوہ گر ہے ہر دو جہان نے کوئی جلوہ ہے
تیری جائے نظر ہے تو نظر سے خود بنا ہوگا

میرتقی میر کے رنگ میں :

تیری مہر ہجر میں بیارا روتا ہوں زار زار
وعدے نے تیری ہم کو اب منتظر کیا ہے

عارفانہ خیالات اور صوفیانہ نظریات کی تبلیغ و اشاعت اس دور کی شاعری کی خصوصیات میں سے ہے چنانچہ سندھ کے دیگر شعراء بھی سچل کے ہم خیال و ہم نوا ہیں ۔ مثال کے طور پر یہ شعر ملاحظہ ہو :

کہو پوچھو ہم کون ہوں کس آیو سنسار
چوراسی لکھ جات کم جولیوت ہے اتار (مراد فقیر)

---

[1] "موتوا قبل ان تموتوا" صوفیوں کا مشہور قول ہے ۔ اس رنگ تصوف میں خواجہ میر درد کہتے ہیں —
موت کیا آکے فقیروں سے تجھے لینا ہے
مرنے سے آگے ہی یہ لوگ تو مر جاتے ہیں

اس دور کے بعض شعراء نے کلہوڑوں کے زوال اور تالپوروں کے اقتدار کا درمیانی زمانہ اپنی آنکھوں سے دیکھا ۔ اس پرآشوب دور کے عصری تقاضوں ، انقلابی حالات اور سیاسی واقعات کو محسوس کیا ۔ آخری عباسی فرمانروا میاں عبدالنبی کی سازش ، تیمور شاہ افغانی کی تحریک پر سندھ پر سردار مدد خان افغانی کی چڑھائی نے مراد فقیر کو بہت متاثر کیا ۔ انھوں نے عصری محسوسات کو نظم کی زینت بنا دیا ۔ اس تاریخی واقعہ کو منظوم تاریخ میں محفوظ کردیا اپنے ایک شعر میں اہل سندھ سے مخاطب ہوکر کہتے ہیں ظالم مدد خان کو نکال باہر کرو ، یہ یہودی اور میاں عبدالنبی یزید ہیں ۔

ماروں مدد کوں دور کرو　　　چھوڑو سمجھے یہودی یزید میاں

یہ صوفی شعراء بیک وقت سندھی ، سرائیکی ، ہندی ، فارسی اور اردو میں باقاعدہ شاعری کرتے تھے ۔ ان زبانوں کے اختلاط و اتصال سے نئے نئے شعری تجربے کرتے تھے ۔ یہ آمیزش ان کے کلام میں جابجا نمایاں ہے ۔

مکھ تیری سو بہار ہے چنتا کرو مت کام
جو تم پوچھو چاہ سوں سو سبہ دیوں بتام　　　(مراد فقیر)

جھلکار مکھ تری کا ہے بجلی کسے مانند　　　برسات مجھ انکھیاں کی ہے بادلی کے ملنند
نئیں نرگس ، دھن غنچہ کیا ہے ، زلف ہے سنبل
ہوا ہے اشک گلشن کے تیرا رخسار ہر ساعت　　　(قاسم ہالائی)

شاہو شاہ کے سر نے آیا ، بیت لاگی تب موری
غلام علی اب گیان گلی میں ملیو شیام کشوری　　　(فقیر غلام علی)

گزشتہ سطور میں عرض کیا گیا تھا کہ عہد کلہوڑا کے سندھی شاعروں کے کلام پر دکنی اثرات کم اور مقامی اثرات زیادہ ہیں جبکہ دور تالپور میں دکنی اثرات صاف طور پر نمایاں ہیں ۔ چند مثالیں دیکھئے :

ہے گرسنہ زاری عشق میں نے خواب نئے آرام ہے
جس دل سے برہا لگ چکا سب سوں ولا ماٹا تعلق ہوا　　　(سچل)

جن تیری ہاتھ سوں پیالہ پیا　　　اس کے سرسوں سبھی خمار گیا　　　(قاسم ہالائی)

گگن منڈل ہوں دامنی چمکے انحد کی گھنگھوری
آپ سوں آپ ہیں کھیلیں لھوھے باے پریم کی ڈوری　　　(فقیر غلام علی)

عہد برطانیہ (١٢٥٩ - ١٣١٨ ھ / ١٨٤٣ - ١٩٠٠ ء - ١٣١٩ - ١٣٦٦ ھ / ١٩٠١ - ١٩٤٧ ء)

١٢٥٩ ھ (١٨٤٣ء) میں جنگ میانی (١) میں تالپوروں کی شکست کے بعد سرزمین سندھ پر انگریزوں کا غاصبانہ تسلط ہوگیا ـ جب انگریز برسراقتدار آئے سندھی زبان اور اس کا ادب جادۂ ترقی پر گامزن تھا ـ فارسی زبان عدالتوں دفتروں اور پڑھے لکھے گھرانوں میں رائج تھی ـ انگریزوں نے ہندوؤں کی حمایت میں مسلمانوں کے ساتھ امتیازی سلوک کیا ـ سندھ کے عوام سے رابطہ قائم کرنے ، ان کی زبان و ثقافت کو سمجھنے کیلئے سندھی زبان سیکھی ـ اسلامی تہذیب و معاشرت ، تاریخ و ثقافت کو برباد کرنے ، جس کی غرض سے سندھی زبان و ادب پر کاری ضرب لگائی ـ فارسی کو مسلمانوں کی علمی و ثقافتی زبان سمجھکر اس کو ختم کرنے اور اسکی جگہ سندھی زبان کو عام کرنے کے منصوبے کو فوری طور پر عملی جامہ پہنایا ـ سندھی زبان کے مروجہ حروف (٢) کو بدل کر سندھی عربی کے مشترکہ حروف تہجی مقرر کئے ـ کمشنر سر بارٹل فریئر کی نگرانی میں ١٨٥٣ء میں عربی کے صوتیاتی اساس پر عربی کے ٢٩ حروف مستعمل حروف میں بڑھا کر ٥٢ حروف پر مشتمل سندھی حروف تہجی کی تشکیل کی گئی (٣) ـ

عربی خط نسخ میں حروف تہجی کی ترتیب و تشکیل کے بعد انگریزوں نے سندھی کے قواعد (گرامر) اور لغتیں خود بھی لکھیں اور مقامی اہل علم و قلم سے لکھوائیں (٤) ـ

١٨٥٣ء میں کراچی کے علاوہ سندھ کے دوسرے شہروں مثلاً حیدرآباد ، ٹھٹھ ، شکارپور ، خیرپور وغیرہ میں انگریزی مدارس کا قیام عمل میں آیا جہاں انگریزی کے ساتھ ساتھ سندھی تعلیم بھی لازمی قرار دی گئی ـ ١٨٦٠ء میں محکمۂ تعلیم بھی قائم کردیا گیا ـ فارسی زبان کی اہمیت بتدریج ختم ہوگئی ـ ملازمت و تجارت کے لئے سندھی سے واقفیت لازمی تھی ـ کل ہند سطح پر اردو کو مرالقی زبان کی حیثیت حاصل ہوئی ـ جب فرنگی فرمانروائی اور جابرانہ طریق حکمرانی کا اولین منصوبہ پایۂ تکمیل کو پہنچا تو برطانوی سامراج نے سندھی کی سرپرستی ترک کردی ـ علمائے دین کی مخالفت اور عوام کے جذبۂ تنفر کے باوجود پورے ملک ہند و سندھ کی عدالت ، دفتر ، کچہری و بازار میں

---

(١) ملاحظہ ہو ضمیمہ نمبر ٣

(٢) سندھی ادب ص ٨٣

(٣) سلطانہ کراچی و سندھ کی تعلیم ص ٦٨ تا ٧١ ، سندھی ادب کے مختلف رجحانات ص ١٥ سندھی نثر کی تاریخ ، الانہ ، ص ٨

(٤) تفصیلات کیلئے ملاحظہ ہو سندھی ادب ص ٨٣-٨٣ ـ سندھی ادب کے رجحانات ص ٢٣

۲

انگریزی زبان کا سکہ رواں دواں ہوگیا لیکن فرزندان سندھ کے حوصلے بلند تھے ان کی کوششوں سے سندھی زبان و ادب کی ترقی و اشاعت کے ایک نئے باب کا آغاز ہوا ۔ سرکاری و غیر سرکاری سطح پر چند درسی کتابوں کی ترتیب و اشاعت کے بعد قواعد تاریخ جغرافیہ ریاضی الجبرا علم الابدان منطق ڈرائنگ اور دیگر علوم و موضوعات سے متعلق نظم و نثر میں تصنیف تالیف اور ترجمے کا طویل سلسلہ شروع ہوگیا ۔

دیوان نندی رام نے سرکار انگلشیہ کی سرپرستی میں سندھی میں پہلی جماعت کی کتاب " باب نامہ " سیکھا" شوتروار (تعلیم سے متعلق) سحساں تروار (طبیعات) لکھنے کے علاوہ ۱۸۵۴ء میں تاریخ معصومی (فارسی) اور " ایسپ کی کہانیاں " (Stories of Esop) (انگریزی) کو سندھی ادب میں پیش کیا ۔ منشی اودھا رام نے ۱۸۶۱ء سے ۱۸۷۱ء تک کے عرصے میں " راس بلاسی " (انگریزی) کے علاوہ راء ڈیاچ اور سورٹھ ، کامی و کامروپ قصہ مہر منیر و بدر منیر کو انگریزی فارسی زبانوں سے سندھی میں منتقل کیا ۔ دیوان کوڑمل نے ۱۸۶۲ء میں ہندی ڈرامہ اِتنا ولی اور انگریزی تاریخ ہسٹری آف کالمبس کا ترجمہ کیا ۔ دیوان کیول رائے کی تین کتابیں گل ، گل شکر اور سوکڑی ۱۸۶۴ء سے ۱۸۷۰ء تک کی تصانیف ہیں ۔

سید میراں محمد شاہ اول (۱۸۲۹ - ۱۸۹۲ء) نے ۱۸۵۵ء میں سدھا تورو اور کدھا تورو (ہندی) اور ۱۸۶۱ء میں مفید الصبیان (فارسی) کو سندھی حروف و خطوط سے آراستہ کیا (۱) ۔ غلام حسین محمد قاسم قریشی (۱۸۵۲ء میں) " زمیندار کی کہانی " اور عبدالرحیم محمد وفا عباسی کی کہانیوں سیف الملوک اور بدر الجمال (۱۸۷۹ء) بہرام شاہ ، عجائب شاہ ، جمجمہ سلطان ، وکیوڑرا تار ، سسی پنوں ، عمر ماروی ، ہلے اور چوہے وغیرہ سے سندھی میں کہانی نویسی کی داغ بیل پڑی ۔

سندھی نثر کی ابتدا پہلے عہد کلہوڑہ پھر دور تالپور میں ہوچکی تھی ۔ یہ زمانہ اٹھارویں صدی عیسوی کے شروع اور بیسویں صدی کے نصف اول کا ہے ۔ سندھی نثر کا دوسرا دور عہد برطانیہ میں ۱۸۴۳ء کے بعد شروع ہوتا ہے جو قیام پاکستان تک کے کامیاب دور کا احاطہ کرتا ہے ۔ اس دور میں سادگی ، سلاست و فصاحت ، مقامی محاورات و استعارات سے سندھی نثر کو ایک نیا اور دلکش روپ ملا ۔ ناول ، ڈرامے ، انشائیہ کا شوق عام ہوا ۔ پھر تاریخی و تحقیقی کاموں کا بھی افتتاح ہوا ۔

---

(۱) سندھی نثر کی تاریخ ، ڈاکٹر الانہ ، ص ۶۸

مرزا قلیچ بیگ اس دور کے سب سے بڑے محسن ادب تھے ۔ انھوں نے مختلف علوم و فنون پر چار سو سے زائد کتابیں سندھی عربی فارسی بلوچی انگریزی اور اردو میں لکھیں ۔ جن میں طبع زاد تخلیقات اور ترجمہ شدہ نگارشات دونوں شامل ہیں ۔ بیک وقت مورخ ، محقق ، ادیب اور مترجم کی حیثیت سے ان کا کوئی ثانی نہیں ۔ تاریخ ، ثقافت ، اخلاق مذہب سے متعلق ان کی صابی کتب ، ناول ، ڈرامے ، افسانے ، ترجمے مطبوعہ و غیر مطبوعہ صورت میں ان کے کتب خانہ (۱) ٹنڈو ٹھورو میں محفوظ و موجود ہیں ۔

قلیچ بیگ کے نہج پر نوجوانوں میں کام کرنے کی نئی راہیں استوار ہوئیں ۔ سندھی ادب میں نئے رجحانات کا احساس ہوا ۔

قاضی عبدالغفور ھالائی نے امیر حمزہ لطف اللہ محمد اسحاق اخوند (۱۸۳۲ - ۱۹۰۲ء) نے فسانہ عجائب ، گل خندان ، حاجی امام بخش خادم (۱۸۶۱ - ۱۹۱۸ء) نے قصہ چہار درویش اور حاتم طائی نامی قصے کہانیوں کو سندھی قارئین سے روشناس کرایا ۔ ھدایت اللہ مشتاق (نثر مرجع کے بانی اور ھدایت الانشاء ، مصباح العاشقین کے خالق) مولوی حکیم فتح محمد سیوانی (دیباچہ تفسیر قرآنی بعنوان نور الایمان ، نو حیات النبی ، ابوالفضل و فیض ، میرن جی صاحب کمال و زوال ، آفتاب ادب) عبدالرزاق میمن اور ڈاکٹر ھوتچند گربخشانی (۱۸۸۳ - ۱۹۳۷ء) اسداللہ شاہ ٹھیڑائی کے علمی مذھبی ، تاریخی و ادبی کارنامے آئندہ نسلوں کے لئے مشعل راہ ثابت ہوئے ۔

اس دور کے دیگر نثر نگاروں کی فہرست میں محمد ھاشم گڑھی یاسینی ، محمد قاسم گڑھی یاسینی ، سید اسداللہ شاہ ، سید فضل اللہ شاہ اور ان کے خاندان کے دیگر افراد کے علاوہ اور بھی نام شامل ہیں ۔

نثاروں کی طرح ناظموں نے بھی ایک نئے ولولہ ایک نئی امنگ کے ساتھ مختلف اصناف سخن میں طبع آزمائی کی ۔ حسن خیال ، حسن بیان ، لطف زبان ، صوفیانہ و عارفانہ خیالات ، رزمیہ و بزمیہ منظومات نے سندھی شعر و سخن کو نئے حسن و جمال کی آراستگی سے قابل رشک بنادیا ۔ سندھی کے شعری ادب میں غزل ، مثنوی ، قصیدہ ، طنز و مزاح ، ھجو ، قطعہ اور قطعہ تاریخ سب کچھ جمع ہوگیا ۔

---

(۱) راقم کو ڈاکٹر محمد اسمٰعیل بن ڈاکٹر ابراھیم خلیل شیخ کی معیت میں کتب خانہ قلیچ سے استفادہ کا شرف حاصل ہوچکا ہے ۔

اس دور میں باقاعدہ مشاعرہ کا سلسلہ شروع ہوا ۔ سندھی کے اخبارات و رسائل (۱) بھی جاری ہوئے ۔ خلیفہ گل محمد (۱۷۸۳ - ۱۸۵۶ ء) سندھی کا وہ پہلا صاحب دیوان شاعر ہے جس نے سب سے پہلے اپنا دیوان حروف تہجی کے لحاظ سے مرتب کیا ۔

ہزہائینس میر حسن علی خان (۱۲۳۰ - ۱۳۲۴ ھ / ۱۸۲۴ - ۱۹۰۹ ء) فرزند میر نصیر خان جعفری (آخری تاجدار سندھ) کی " شاہنامہ سندھ " اور غلام مرتضیٰ شاہ مرتضائی کی شاہ نامہ ، سکندر نامہ وغیرہ معرکہ آرا مثنویاں ہیں ۔

اللہ بخش ابوجھو (متوفی ۱۳۱۹ ھ مطابق ۱۹۰۱ء) نے مولانا الطاف حسین حالی کی " مدوجزر اسلام " کی تقلید میں اور شمس الدین بلبل نے اکبر الہ آبادی کے تتبع میں طنزیہ و مزاحیہ شاعری کی طرح ڈالی (۲) ۔

قصیدہ نگاروں میں میر عبدالحسین سانگی ، مرزا قلیچ بیگ ، شاہ نجمی ، شمس الدین بلبل اور غلام محمد شاہ گدا کے نام سرفہرست ہیں ۔

کافیاں اور دوہے ایسی صنفیں ہیں جو سندھ کے عوام و خواص میں شروع سے مقبول رہی ہیں لیکن غزل کا نکھار اس زمانے کے شعراء کے ذوق عجم کی غمازی کرتا ہے ۔ اس قبیل کے شعراء میں مصری شاہ ، مخدی شاہ ، خیر محمد ، فقیر بھاونی ، سلیمان شاہ ، فقیر بیدل ، محسن بیکس ، محمد امین ھالائی ، محمد رمضان فقیر ، میر سانگی ، قیصر عثمان لاڑکانوی ، صاحبڈنو شاہ ، حسن بخش شاہ کا تعلق برطانیہ کے صد سالہ دور حکومت کی اول نصف صدی اور قلندر جھاڈیاں پوٹہ ، سوبھا فقیر لغاری ، ولی محمد لغاری ثانی ، کلیم اللہ شاہ ، پیر کمال کا تعلق دوسری نصف صدی سے رہا ۔

جن اہل سخن نے شعر و سخن اور فکر و فن کی ایک نئی بساط بچھائی ، سوز و گداز ، درد و اثر کا جادو جگایا ان کی فہرست طویل ہے ۔ اکثر کا کلام رسائل و اخبارات یا دواوین و کلیات کی صورت میں زیور اشاعت سے آراستہ ہوکر منظر عام پر آچکا ہے ۔ البتہ کچھ ایسے بھی ہیں جنکے افکار و آثار ملفوظات و مخطوطات اور دستاویزات کی شکل میں موجود ہیں ۔

---

(۱) ملاحظہ ہو سندھی صحافت نامی کتاب (در زبان سندھی) از کریم بخش خالد مطبوعہ ۱۹۵۵

(۲) مقالہ سندھی شعراء کی قومی شاعری مشمولہ مجلہ مہرانہ قومی شاعری نمبر ، ۱۹۶۶ء ، مرتبہ وفا راشدی مطبوعہ جامعہ سندھ ۔

زبان و ثقافت کے سلسلے میں برطانوی سامراج کی جابرانہ طرز حکومت اور آمرانہ سلوک نے فرزندان سندھ کی تاریخ و ثقافت کا رخ موڑ دیا ۔ اسلامی ثقافت کے تحفظ و سلامتی اور ملی بقا و استحکام کی خاطر وادی مہران کے صوفیاء علماء اساتذہ ، معلمین اور مبلغین نے قومی جدوجہد کے ایک نئے دور کا آغاز کیا ۔ شہر شہر ، قریہ قریہ ، گاوں گاوں دینی مدارس قائم کئے گئے ۔ سندھی کے ساتھ ساتھ عربی و فارسی علوم و فنون کی تعلیم و تبلیغ کا بندوبست کیا گیا ۔ جس کا مفید و موثر نتیجہ یہ برآمد ہوا کہ تاریخ ، ثقافت ، سیاست ، علم ، ادب اور روحانیت کے ہر میدان میں اہل اللہ ، اہل صفا ، اہل علم اور اہل فن پیدا ہوئے جنھوں نے سندھ کے گوشہ گوشہ میں ملی وقار ، قومی حمیت اور علمی و روحانی عظمت کا پرچم بلند رکھا ۔ تجلیات الٰہی اور انوار محمدی سے دلوں کو منور کیا ۔

سلسلۂ قادریہ کے ایک برگزیدہ بزرگ مولانا نورمحمد شہداد کوٹی (۱۲۰۲ - ۱۲۹۲ ھ) وہ محسن قوم ہیں جنھوں نے برطانوی دور کی ابتدا ہی میں علوم اسلامی کی افادیت و اہمیت کو محسوس کیا ۔ شہداد کوٹ ضلع لاڑکانہ میں مدرسہ نور محمدیہ کی بنیاد رکھی ۔ یہ وہ پہلی درسگاہ ہے جہاں تحصیل علم کی خاطر دور دور سے طلباء آتے تھے ۔ مولانا نور محمد کے بے شمار تلامذہ سندھ اور بلوچستان میں پھیلے ہوئے تھے ۔ مولانا نور محمد کے دو لائق فرزند مولانا گل محمد اور مولانا غلام صدیق اور ان کے فیض یافتگان مولانا محمد ابراھیم گڑھی یاسینی ، محمد قاسم گڑھی یاسینی ، مولانا داد محمد ، عبدالحکیم ، مولانا حسن قریشی ، علامہ حسن اللہ پاٹائی علی شاہ راشدی مولانا غلام محمد ملکانی نے گرانقدر خدمات انجام دیں ۔

ایک وہ وقت بھی آیا کہ مدرسہ نور محمدیہ کچھ عرصے کے لئے بند ہوگیا تو مولانا نور محمد کے پوتے اور مولانا غلام صدیق کے بیٹے مولانا عبدالحلیم کنڈی (متوفی ۱۳۵۵ ھ مطابق ۱۹۳۶ء) نے دوبارہ اس سرچشمۂ دین کو مدرسۂ عربیہ حلیمیہ کے نام سے جاری کیا ۔

اسی زمانے میں سرسید احمد خان کے ایک رفیق کار جسٹس امیر علی کی تحریک (۱) پر سندھ کے سرسید حسن علی آفندی نے ۱۸۸۳ء میں نیشنل محمڈن ایسوسی ایشن سندھ کے

---

(۱) ملاحظہ ہو خطبہ صدارت جسٹس امیر علی ، تیرھویں سالانہ اجلاس منعقدہ ۱۸۹۹ء بمقام کلکتہ زیر اہتمام ایجوکیشنل کانفرنس علیگڑھ ۔

زیر تنظیم سندھ مدرسۃ الاسلام (۱) کراچی کی بنا ڈالی (۲) ۔

اسی سال مولانا عبداللہ ولد شیخ عبدالکریم نے کراچی کے ایک محلہ کھڈہ میں مدرسۃ مظہر العلوم کی بنیاد رکھی ۔ مولانا عبداللہ کی وفات کے بعد ان کے بیٹے مولانا محمد صادق دیوبندی نے مدرسہ کو بام عروج پر پہنچایا ۔ مدرسہ مظہر العلوم کے اساتذہ میں حافظ محمد اسمعیل ولد مولانا صادق دیوبندی ، حکیم محمد سیوستانی ، اللہ ورا بروہی ، مولانا محمد مدنی اور کوثر اعظمی کی علمی و دینی کتابیں طالبان حق و صفا کیلئے مشعل راہ ثابت ہوئیں ۔

اس دور کی علمی و دینی درسگاہوں میں مدرسہ دارالرشاد پیر جھنڈو کو بڑی اہمیت حاصل ہے ۔ مولانا پیر رشد اللہ شاہ صاحب العلم اس کے بانی و سرپرست اور مولانا عبیداللہ سندھی اسکے ناظم و صدر مدرس تھے ۔ مدرسہ دارالرشاد نے دارالعلوم دیوبند کے نہج پر پوری برصغیر پاک و ہند میں شاہ ولی اللہ کے افکار و معارف کی تعارف و اشاعت اور سیاسی سماجی تہذیبی و ثقافتی زندگی میں قرآن حکیم کی روشنی میں ذہنی و فکری انقلاب برپا کرنے میں عدیم المثال خدمات انجام دی ہیں ۔ دارالرشاد کے تحت کتب خانہ اور مطبع قائم تھے ۔ " ہدایت الاخوان " کے نام سے ایک رسالہ بھی شائع ہوتا تھا ۔ اس ادارے کے شعبہ تصنیف و تالیف نے عربی و سندھی کی نادر و نایاب کتابیں بھی شائع کیں ۔ اس مدرسے کے مدرسین کی فہرست میں سندھ اور بیرون سندھ کے مشہور و ممتاز علماء کے نام شامل ہیں جن میں مولانا عبیداللہ سندھی ، مولانا نورالحق دیوبندی ، مولانا نجم الدین ، مولانا محمد حمدانی لغاری عبداللہ لغاری محمد اکرام احمد علی لاہوری محمد علی شاہ خدا بخش ولی محمد حاجی پوری اورمولانا غلام مصطفیٰ قاسمی قابل ذکر ہیں ۔

---

(۱) یہ وہی دانش کدہ ہے جسکے سب سے نامور طالب علم بانیِ پاکستان قائداعظم محمد علی جناح تھے ۔

(۲) یہ وہ زمانہ تھا جب پورا سندھ مع کراچی صوبہ بمبئی کا ایک حصہ تھا ۔ باوجود غالب اکثریت مسلمان سیاسی اعتبار سے انتہائی غیر اہم اقلیت تھے ۔ زمینداری اور تجارت غیر مسلموں کے ہاتھ میں تھی ، تعلیم میں پسماندگی کا یہ عالم تھا کہ ۱۸۸۳ء میں صرف تین مسلمان گریجویٹ تھے ۔ مساجد وغیرہ کے چھوٹے چھوٹے مدارس عربی کے سوا ان کا کوئی تعلیمی ادارہ نہ تھا اور بقول مسٹر حاتم علی علوی ۱۹۳۵ء تک یہ کیفیت تھی کہ سندھ کے سرکاری و نیم سرکاری اسکولوں میں غیر مسلم لڑکیوں کی تعداد مسلمان لڑکوں سے زائد تھی ۔ مسلم طالبات کی تعداد ساٹھ اور غیر مسلم طالبات کی تعداد پندرہ ہزار تھی ۔ ع ببیں تفاوتِ رہ از کجاست تا بہ کجا

(سید الطاف علی بریلوی، علیگڑھ تحریک کا شاہکار ، ص ۵۰۳)

مولانا عبیداللہ سندھی دیوبندی اس دور کے بہت بڑے انقلابی رہنما ، تاریخ ساز شخصیت مفسر قرآن ، شیخ الحدیث اور مجاہد اسلام تھے ۔ ان کی بے پناہ خدمات تاریخ اسلام کا ایک درخشاں باب ہے ۔ مولانا سندھی کے شاگردوں اور فیض یافتگان میں سندھ اور ہند کے چوٹی کے علماء شامل ہیں ۔ مولانا کی چند عربی تصانیف یہ ہیں ۔

۱) التمہید لائمتہ التجدید (مخطوطہ)
۲) التمہید التعریف ائمتہ التجدید
۳) تفسیر سورۃ سبا
۴) خلاصۃ القرآن
۵) الہام الرحمٰن فی تفسیر القرآن

علامہ خوشی محمد سندھ کے ایک بہت بڑے عالم دین ، شمالی سندھ اور بلوچستان کے اکثر علماء کے استاد تھے جن میں مولانا غلام مصطفیٰ قاسمی ، مولانا خلیفہ عبدالعزیز ، حافظ محمد بخش ، شاہ محمد بگٹو ، عبیداللہ چانڈیو ، عبدالکریم قریشی اور مولانا محمد نواز وغیرہ نے علوم عربیہ میں ممتاز مقام حاصل کیا ۔

سندھ کے وہ مقامات بھی اسلامی علم و ثقافت اور تصوف و روحانیت کے مراکز تھے جہاں دینی مدارس تھے اور جہاں اہل علم و اہل اللہ کے آستانے تھے مثلاً ۱۴

۱۴ ٹنڈو سائیں داد ، ٹھٹھ = خواجۃ محمد حسن جان بہت بڑے ولی اللہ ، مبلغ اسلام اور عربی و فارسی کے عالم و مصنف تھے ، شفاء الامراض ، ترجمہ عہد و مواثیق ، اصول الاربعۃ فی تردید الوہابیۃ طریق النجات مع رسالۃ التنویر فی اثبات التقدیر ، القضا الصحیح ، رسالۃ تحلیلیہ ، تذکرۃ الصلحاء فی بیان الاتقیاء ، رسالۃ فی باب صحتہ الجمعتہ فی القریٰ ، لغات القرآن ان کی چند عربی تصانیف ہیں ۔

حافظ سید اسداللہ شاہ فدا ٹکھراٹی کی عربی تصنیفات میں الاقمار فی جواب الاستفسار ، رسالہ علم تجوید و جنتہ النعیم فی استخراج لغات القرآن الکریم و تحفتہ الحذاق فی ترجمتہ التریاق کا سراغ ملتا ہے ۔

ہالا = حاجی محمد ہالائی ، عربی تصانیف ، الفاوی المحمدیہ فی احکام فی سنتہ سید المرسلین حل الترکیب منطق ، روہایہ ، خلاصۃ الاصول ،

شکار پور = مولانا عبدالغفور همایونی ، تصانیف : الدرالمنثور اور فتاویٰ همایونی پر متعدد مضامین ـ مولانا علی نواز علوی مصنف البشارہ الاهل بشارة ـ مولانا عبدالرحمن میهی (مجموعه رسائل) پاٹ شریف ـ علامه محمود صدیقی پاٹائی (امور عامه) ـ

موره ضلع نواب شاه ـ قاضی عبدالروف موراٹی (اڑ ارشاد الحق الیٰ اهواء افساد المشرک) ـ رضا محمد ڈیرو تعلقه کهکهڑ ضلع دادو ـ مولانا عبدالکریم ڈیرو تصانیف ، مقدمه تفسیر قرآن ، المکاتیب الجدیدہ ، صفحتہ الخشوع راحت القلوب من لسان المحبوب وغیرہ ـ

دور برطانیه کے دیگر علماء و اساتذہ عربیه اور ان کی تصانیف کی فهرست طویل هے ـ ان سب کا ذکر یہاں ممکن نہیں ـ

سرزمین سندھ میں انگریزوں کی حکومت کا سکه رواں هونے کے فوراً بعد فارسی کی جگه انگریزی نے لے لی ـ یه وہ زمانه تھا جب فارسی کا آفتاب اقبال نصف النهار پر پہنچ چکا تھا ـ سارا کاروبار فارسی زبان میں کیا جاتا تھا ـ عربی مسلمانان سندھ کی دینی و علمی زبان تھی ، فارسی کی اهمیت تہذیبی و ثقافتی زبان کی حیثیت سے باقی تھی ـ عربی علوم کی تحصیل و تعلیم دینی اعتبار سے لازمی تھی جبکه فارسی فنون و ادبیات پر دسترس کو طرہ امتیاز سمجھا جاتا تھا (۱) ـ

انگریزوں کے دور اقتدار میں والیان کلهوڑہ اور امیران تالپور کی سجی سجائی محفلیں اجڑ گئیں ـ جو ارباب نظم و نثر زندہ تھے انهیں کے دم سے فارسی کا چرچا باقی تھا ـ گاهے گاهے شعر و سخن کی محفلیں جم جاتی تھیں ـ میر شهداد خان حیدری (متوفی ۱۲۸۲ ھ مطابق ۱۸۵۷ء بمقام کلکته) خلف اکبر میر نور محمد خان صاحب دیوان تھے ـ دیوان حیدری ان کی یادگار هے ـ میر حسین علی خان حسین (متوفی ۱۲۹۵ ھ مطابق ۱۸۷۸ء) برادر خواد میر شهداد خان کلکته میں اسیر فرنگ تھے ـ رها هوکر حیدرآباد آئے اور وهیں وفات پائی ـ

---

(۱) پیر سید علی محمد راشدی برادر معظم پیر سید حسام الدین راشدی اپنی تعلیم و تربیت کے بارے میں ایک جگه تحریر فرماتے هیں :

> " وقت کے دستور کے مطابق همارے گاوں کی مسجد میں مکتب تھا ـ همارے استاد مسجد کے امام تھے ـ عربی اور دینیات کے علاوہ فارسی بھی پڑھاتے تھے ـ هم نے ابتدائی فارسی کی اهم ابتدائی کتابیں مثلاً کریماء پندنامه ، نام حق ، محمود نامه ، گلستان و بوستان ، سکندر نامه ، شرح ملا جامی وغیرہ شرح و مطالب کے ساتھ انهیں سے پڑھیں " (ترجمه) ـ (پیش حرف (سندھی) ب ، ج کلیات ادیب فارسی)

" دیوان حسین " کے علاوہ نثر میں مناقب علی ، شاہد الامامت ، لب لباب ، ان کی انشاء پردازی کی آئینہ دار ہیں ۔

میر حسن علیخان حسن فرزند میر محمد نصیر خان جعفری انیس سال کی عمر میں اپنے والد کے ساتھ کلکتہ میں نظر بند رہے ۔ ۱۲۷۹ ھ (۱۸۶۳ء) میں حیدرآباد آگئے جہاں ۱۳۲۴ ھ (۱۹۰۷ء) کو قید حیات سے آزاد ہوئے ۔ ان کے دو دیوان (اردو اور فارسی) ان کے شاعرانہ ذوق کے شاہد ہیں ۔ نثر نگاری میں بھی ید طولی رکھتے تھے ۔ انھوں نے ایک عیسائی مبلغ پادری فانڈر کی کتاب " میزان الحق " کے رد میں " لسان الحق " لکھی ۔

میر علی نواز خان ناز (۱۲۹۱ - ۱۳۵۴ ھ / ۱۸۸۴ - ۱۹۳۵ ء) ولد میر امام بخش خان والی ریاست خیر پور سندھی ، سرائیکی اردو کے علاوہ فارسی کے صاحب دیوان شاعر تھے ۔

مرزا مراد علی بیگ بڈھل (متوفی ۱۳۳۴ ھ ، ۱۹۱۵ء) مرزا فتح علی بیگ فتح کے چھوٹے صاحبزادے تھے ، مرزا فتح ، میر کرم علی میر مراد علی اور نصیر خان جعفری کے درباروں سے وابستہ رہے ۔ میر حسن علیخان کے استاد تھے ۔ مرزا بڈھل نے اپنے بڑے بھائی مرزا قاسم بیگ سے اصلاح لی ۔ مرثیہ اور قصائد میں خاص ملکہ تھا ۔ اردو فارسی سندھی میں شعر کہتے تھے ۔ ایک دیوان کے علاوہ کلیات مراثی ، مختار نامہ ، حملۂ حیدری (دو جلد) سفر نامہ کربلا اور شگوفۂ ماتم ان کی شعری تصانیف ہیں ۔ مرزا قربان علی قربان ، مرزا فتح علی بیگ کے پوتے تھے ۔ مناجات ، مناقب اور نعتوں میں خاص شہرت کے مالک تھے ۔

نواب ولی محمد خان لغاری (وزیر اعظم حکومت تالپور) اور ان کی اولاد میں کئی افراد نے اپنے علم و فضل اور فن و ادب سے وابستگی کی بناء پر تالپوری درباروں میں باریاب رہے ۔ عہد برطانیہ میں فکر و فن کا چراغ روشن رکھا ۔ جن میں نواب غلام اللہ شاہ لغاری ، حمل خان لغاری ، نواب اللہ داد خان مرجی ، تاج محمد خان اور ولی محمد خان ولی (ثانی) فارسی کے اہل تصانیف اور اہل دیوان ، اہل سخن گزرے ہیں ۔

میر عبدالحسین سانگی اسیران تالپور کے آخری شہزادے تھے ۔ وہ آخری فرمان روائے سندھ میر نصیر خان جعفری کے پوتے اور میر عباس علیخان کے چشم و چراغ تھے ۔ انھوں نے آخری دم تک نہ صرف سندھی فارسی اور اردو زبان و ادب کی سرپرستی کی بلکہ ان تینوں زبانوں میں منظوم و منثور نگارشات چھوڑیں ۔ حضرت شاہ لطیف کی زندگی ، شخصیت اور شاعری پر فارسی میں سب سے پہلے کتاب لکھنے کا سہرا سانگی کے سر ہے ۔ سانگی کا فارسی کلام

ان کے دیوان اور کلیات میں محفوظ ہے ۔ بزم سانگی کے اساتذہ سخن اور ارباب فن میں غلام محمد گدا ، سید غلام مرتضی مرتضائی ، میاں وڈل حیدری ، فضل محمد ماتم ، مرزا قلیچ بیگ ، فاضل شاہ اخوند لطف اللہ ، مرزا محمد حسن شیرازی ، مرزا محمد تقی نائب قندھاری اور مولانا ابوالحسن ٹھٹھوی نے دربار تالپور کی روایت کو زندہ رکھا تھا ۔

میر سانگی کے علاوہ جن اولیائے کرام کے تذکرے اس باب میں شامل ہیں ان میں سے اکثر فارسی کے نثر نگار اور صاحب دیوان شاعر تھے ۔ ان کی فارسی تصانیف کا ذکر بھی ان کے تذکرے میں کیا گیا ہے ۔

فقیر قادر بخش بیدل ، مولانا محمد عاقل لاڑکانوی ، مولوی بہا الدین بہائی اور غلام محمد شاہ گدا برطانوی دور کے چوٹی کے شعراء تھے ۔ ان شعرائے کرام نے فارسی کی تمام اہم اصناف سخن غزل ، قصیدہ ، مثنوی ، رباعی ، قطعہ وغیرہ میں طبع آزمائی کی اور فارسی ادب کو اپنے زرین خیالات ، عارفانہ تخیلات اور نئے نئے استعارات و تشبیہات سے مالامال کردیا ۔

فقیر قادر بخش بیدل (۱۲۳۰ - ۱۲۸۹ ھ / ۱۸۱۴ - ۱۸۷۲ ء) اس دور کے سب سے بڑے صوفی ، شاعر اور صاحب علم و فضل تھے ۔ عربی فارسی سندھی سرائیکی اور اردو میں ان کی تصانیف دیوان ، مکتوبات و ملفوظات علم و ادب کے گران مایہ خزانے ہیں ۔ ان کی فارسی تصنیفات و تالیفات میں ریاض الفقیر (غزلیات) سلوک الطالبین (دیوان) ، منہاج الفقیر (غزلیات) رموز العارفین (منظومات) مصباح الطریقت (مجموعہ غزلیات فارسی اردو) فی لطیف الحادیث (علم تصوف کے باطنی نکات) لغات میزان الطب ، انشائے قادری (خطبات و مقالات) اور مثنوی دلکشا بیدل کی صوفیانہ عالمانہ اور شاعرانہ عظمت کی مظہر ہیں ۔

اخوند محمد قاسم ہالائی بن نعمت اللہ قریشی (متوفی ۱۲۹۸ ھ (۱۸۸۱ء) فارسی عربی سندھی کے نامور شعراء میں سے تھے ۔ شاعروں میں پابندی سے شرکت کرتے تھے ۔ ان کا فارسی کلام ہفت روزہ مفرح القلوب میں شائع ہوتا تھا ۔ قصیدہ گوئی میں خاص شہرت پائی ۔

مخدوم محمد ابراہیم خلیل ٹھٹھوی کا سب سے بڑا کارنامہ تکملہ مقالات الشعراء کی تصنیف ہے ۔ میر علی شیر قانع کے تذکرہ مقالات الشعراء کے بعد تکملہ سندھ کے فارسی شعراء کا مبسوط جامع تذکرہ ہے ۔ پہلے مسکین بعد میں خلیل تخلص رکھا ۔ فارسی کے دو دیوان موسوم بہ دیوان مسکین دیوان خلیل کے خالق تھے ۔ ان کا شمار ٹھٹھہ کے ممتاز شعرا اور نثر نگاروں میں ہوتا ہے ۔

میر جان اللہ شاہ عاشق (متوفی ۱۸۹۳ ء) صوفی شاہ عنایت کے معتقد اور میر مراد علی شاہ کے مرید تھے - نثرنگاور شاعری میں منفرد تھے جس کی زندہ شہادت ان کا فارسی دیوان ہے -

مولوی بہا الدین بہائی (۱۲۲۹ - ۱۳۵۳ ھ / ۱۸۳۲ - ۱۹۳۲ ء) عربی و فارسی کے بہت بڑے عالم تھے ان کی تصانیف کی تعداد فارسی میں سترہ اور سندھی میں چار ہیں (۱) -

برطانیہ کے صد سالہ دور حکومت میں فارسی کے بہت سے نثر نگار بھی پیدا ہوئے - تاریخ ریاست خیرپور کے مورخ خان بہادر خداداد خان کی تصنیف لب تاریخ سندھ (۱۳۱۸ ھ ۱۹۰۰ء) اس دور کی آخری نثری تصنیف ہے -

پیر حزب اللہ شاہ مسکین نے بہاء الدین بہائی اور عاقل عاقلی جیسے نکتہ رس و نکتہ سنج اساتذہ سے مشورہ سخن کیا دیوان مسکین اور ایک رسالہ ان کی فارسی دانی پر دلیل ہے -

۱۸۵۵ء میں فارسی کا پہلا ہفت روزہ مفرح القلوب اور اس کے بعد کئی ہفت نامے خورشید ، اقبال اور اصلاح وغیرہ جاری ہوئے - ان اخبارات میں فارسی مضامین کے علاوہ مشاعروں میں پڑھے جانے والے فارسی کلام بھی شائع ہوتے تھے -

---

عہد برطانیہ بلاشبہ سندھ اور ہند میں اردو زبان و ادب کی ترقی و ترویج اور نشر و اشاعت کے لئے ساز گار ثابت ہوا (۲) - مغلوں کے زوال و شکست کے بعد ہندوستان پر انگریزوں کا آفتاب حکومت طلوع ہوا تو ۱۸۳۲ء میں فارسی کے بجائے اردو کو دفتری زبان قرار دیا گیا - گورنر جنرل لارڈ ویلزلی کے زیر نگرانی ۴ مئی ۱۸۰۰ء میں فورٹ ولیم کالج کلکتہ کی بنا ڈالی گئی جہاں سب سے پہلے ایسٹ انڈیا کمپنی کے ملازموں کو فارسی و ہندوستانی (اردو) زبانوں میں بہتر سے بہتر تعلیم دی جانے لگی (۳)

---

(۱) تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو مہران سوانح نمبر ۱۹۵۷ء ، ص ۱۲۹ ، ۱۳۰

(۲) سندھ پر تسلط سے پہلے ہندوستان پر انگریزوں کا قبضہ ہوچکا تھا - نئے گورنر جنرل کی ہدایت پر جابجا اسکول اور کالج قائم کئے گئے جہاں انگریزوں کو فارسی اور ہندوستانیوں کو انگریزی زبان کی تعلیم ضروری قرار دی گئی لیکن ہندوستان کے حالات و کوائف ، تہذیب و تمدن ، ثقافت و معاشرت سے بہرہ ور ہونے اور وہاں کے تعلیمیافتہ طبقے سے رابطے کیلئے انگریزوں کے نزدیک اردو سے بہتر کوئی اورزبان اس کام کی صلاحیت نہ رکھتی تھی اسلئے انھوں نے اردو کو رواج دینے کا فیصلہ کیا - فورٹ ولیم کالج اس سلسلے کی پہلی کڑی تھی - (بنگال میں اردو ، ص ۲۵ تا ۲۹)

(۳) ارباب نثر اردو ، ص ۱۱

فورٹ ولیم کالج کے قیام سے پہلے اردو نظم و نثر کی کئی کتابیں موجود تھیں مثلاً دہ مجلس ، خصوص الحکم ، ترجمہ قرآن شریف اور نو طرز مرصع وغیرہ ۔ یہ کتابیں زیادہ تر عربی و فارسی سے ترجمہ کی گئی تھیں ۔ مذہبی کتابوں کے علاوہ دوسری کتابیں مذہبی رنگ اور قصے کہانیوں پر مشتمل ہوتی تھیں ۔ فورٹ ولیم کالج کے مصنفوں ، مولفوں اور مترجموں نے پرانی روش سے ہٹ کر تصنیف ، تالیف ترجمہ کا ایک نیا طرز اختیار کیا ۔ عربی فارسی سنسکرت کے غیر مانوس ثقیل اور بے ترتیب الفاظ مقفیٰ و مسجع عبارات کے بجائے بے تکلف ، بامحاورہ اور فصیح و بلیغ عبارت آرائی کی طرح ڈالی ۔ فورٹ ولیم کالج کے مصنفین کی تصنیفات و مطبوعات نثر اردو کے اولین ادب پاروں کی حیثیت رکھتی ہیں ۔

فورٹ ولیم کالج کے مصنفین میں میر امن دھلوی کی " باغ و بہار " (سن تالیف ۱۸۰۲ء) اردو نثر میں سب سے پہلا طویل افسانہ یا ناول ہے ۔ یہ کتاب دلی کی ٹکسالی زبان کے حسن و لطافت کا ایک شاھکار ہے ۔ حیدربخش حیدری کی چار کتابوں قصۂ مہر و ماہ ، قصہ لیلیٰ مجنوں ، طوطا کہانی ، آرائش محفل (قصہ حاتم طائی) کے علاوہ باغ اردو ، گلشن ھند ھفت پیکر مرزا کاظم علی جوان (کا اردو ترجمہ شکنتلا (کالی داس کا ڈرامہ جو اردو کا پہلا ڈرامہ ہے) اور میر شیر علی افسوس کے دیوان کے علاوہ باغ اردو ، آرائش محفل اس دور کے نثری کارنامے ہیں ۔

فورٹ ولیم کالج کے نگران اور اردو کے محسن و سرپرست ڈاکٹر جان گلکرائسٹ کی اردو قواعد ، لغات ، لسانیات ، صرف و نحو فن عروض سے متعلق متعدد کتابیں اردو نثر کے فروغ میں مدد و معاون ثابت ہوئیں (۱) ۔

مرزا رجب علی بیگ سرور لکھنوی (۱۷۸۷ - ۱۸۶۷ ء) کا فسانہ عجائب اردو نثر کا پہلا تخلیقی کارنامہ ہے ۔ لیکن رجب کی رنگین عبارت آرائی ، قافیہ پیمائی ، عربی و فارسی تراکیب کی بنا پر ان کی طرز تحریر رواج نہ پا سکی ۔

مرزا غالب نے اردو نثر کو سادگی و بے تکلفی ، روانی و سلاست کے ساتھ ساتھ شگفتہ و مکالماتہ انداز عطا کیا ۔ ان کے خطوط میں ان کا یہ اسلوب بدرجۂ کمال نمایاں ہے ۔

---

(۱) سیر المصنفین ، ص ۵۳ ، ۵۵

سرسید احمد خان اور ان کے رفقاء[1] جن میں اردو کے عناصر خمسہ شامل ہیں نے اردو نثر کو با محاورہ زبان سلاست و روانی ، سادگی و دلکشی حلاوت و لطافت سے ایک نئی زندگی بخشی ۔ سرسید احمد خان کے تہذیب الاخلاق ان کی صحافت اور ان کے رفقاء کی علمی و فکری کاوشوں کی بدولت جدید نثر اردو کا آغاز ہوا ۔ ڈپٹی نذیر احمد کے اخلاقی و اصلاحی ناول ، محمد حسین آزاد کی آب حیات ، مولانا الطاف حسین حالی کی حیات جاوید ، حیات سعدی علامہ شبلی نعمانی کی سیرالنبی ، نواب محسن الملک مرزا فرحت اللہ بیگ کے مخصوص انداز تحریر نے نثر کو کہیں سے کہیں پہنچا دیا ۔

مولانا عبد الحلیم شرر کے تاریخی و مذہبی ناول ، رتن ناتھ سرشار ، مرزا ہادی رسوا کے منفرد ناول ، مولانا راشد الخیری کے عورتوں کی زبان و محاورات سے آراستہ ناول ، سلطان حیدر جوش ، سلطان حیدر یلدرم کے طرز نو کے افسانے ، امانت لکھنوی کا ڈرامہ اندر سبھا ، آغا حشر کاشمیری کے ترجمہ شدہ و طبعزاد ڈرامے ، لالہ سری رام اور عبد الغفور خان نساخ کے تذکرے ، خمخانہ جاوید ، سخن شعراء اردو ادب میں سنگ میل کی حیثیت رکھتے ہیں ۔

اسکے بعد اردو نثر کی تمام مروجہ اصناف پر تخلیق ، تحقیق ، تنقید ، ترجمہ اور تالیف کا ایک طویل سلسلہ جاری رہا ۔ ۱۹۳۶ء میں ترقی پسند تحریک سے اردو ادب میں نئے رجحانات ، نئے میلانات ، نئی طرز و ادا کا آغاز ہوا ۔ نام نہاد ترقی پسند مصنفین کی بے راہ روی و فحش نگاری نے صرف ادب بلکہ معاشرے پر بھی ضرب کاری لگائی ۔ کمزور ذہنوں کو غیر فطری جنسیاتی و نفسیاتی الجھنوں کا شکار بنا دیا ۔ اس ضمن میں میرا جی کی شاعری سعادت حسن منٹو اور عصمت چغتائی کے افسانے فراموش نہیں کئے جاسکتے ۔ منشی پریم چند کرشن چندر ، غلام عباس ، افسر میرٹھی کے ناول اور افسانوں نے بلاشبہ افسانوی ادب کو ادب برائے زندگی کے حقیقت پسند واقعات سے روشناس کیا ۔

ترقی پسندوں کا ایک دوسرا گروہ وہ تھا جس نے ترقی پسندی کی بے راہ روی اور غیر حقیقت پسندانہ روش سے ہٹ کر شاعری اور نثر نگاری کے مختلف پہلوؤں پر زندگی آموز اور زندگی آمیز تخلیقات گراں مایہ سے گلستان ادب کو سدا بہار بنادیا ۔ ان میں ناول نگار ، فسانہ خواں ، ڈرامہ نویس ، تذکرہ نگار ، مورخ ، محقق ، نقاد سب ہی شامل ہیں ۔ ان مشاہیر ادب اور اکابر فن میں مولانا ابوالکلام آزاد ، علامہ سلیمان ندوی ، قاضی عبدالغفار ،

---

(۱) سرسید احمد خان اور ان کے رفقاء' از ڈاکٹر سید عبداللہ مکتبہ کاروان لاہور

رشید احمد صدیقی ، احسن مارہروی ، نیاز فتحپوری ، ڈاکٹر محی الدین قادری زور ، نصیر الدین ہاشمی ، عبدالقادر سروری ، کلیم الدین احمد ، آل احمد سرور ، احتشام حسین ، خواجہ حسن نظامی ، مجنون گورکھپوری ، عبدالمجید سالک ، چراغ حسن حسرت ، صلاح الدین احمد ، ڈاکٹر عندلیب شادانی اور ڈاکٹر وحید قریشی کے نام تاریخ ادب اردو میں ہمیشہ زندہ رہیں گے ۔

اہل سندھ اردو نثر و نظم کے اس نشاط ثانیہ سے باخبر تھے ۔ سرسید کی تعلیمی تحریک کے ساتھ ساتھ اردو نثر کی تحریک سے سندھ کے ارباب علم و ادب متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے اور انھوں نے بھی اردو کے ہر شعبہ میں جولانی طبع کے جوہر دکھائے ۔ اس زمانے میں جبکہ سندھ میں سندھی ، عربی و فارسی کا زبان و ادب عروج پر تھا سندھ کے اہل فکر و فن نے اردو میں بھی ناول افسانوں ، ڈراموں کے علاوہ سیرت سوانح تذکرہ تاریخ ، تحقیق تنقید کی کتابیں لکھیں جن کی نشاندہی عہد برطانیہ کے باب میں کی گئی ہے ۔ یہاں سندھ کے چند ارباب نثر اردو کے نام درج کئے جاتے ہیں ۔

فقیر قادر بخش بیدل ، غلام شاہ لغاری ، شاہ نصیر الدین نقشبندی ، مخدوم ابراہیم خلیل ، امین ہالائی حزب اللہ شاہ رشدی ، مولانا عبیداللہ سندھی ، فضل اللہ شاہ سائیں ، عبدالغنی میر عبدالحسین سانگی ، زرک خان لاشاری ، جمال الدین علوی ، شمس الدین بلبل ، اور مرزا قلیچ بیگ ۔ مرزا قلیچ بیگ اس حیثیت سے امتیازی شان کے حامل ہیں کہ انھوں نے سب سے پہلے سندھ میں ناول ، افسانہ ، ڈرامہ لکھنے کا آغاز کیا اور سندھ میں اردو ادب کو فن کا درجہ بخشا ۔

حکومت برطانیہ کا یہ دور اردو شاعری کا بہترین زمانہ ہے ۔ یہ زمانہ انشاء جرات ، ناسخ و آتش اور ان کے تلامذہ کے بعد غالب ، ذوق ، مومن ، ظفر ، انیس و دبیر کے دور اول امیر داغ جلال کے دور دوم اور اقبال ، ظفر خان شاد ، حسرت فانی یاس اور وحشت کے دور سوم پر مشتمل ہے ۔

مرزا غالب اردو کے سب سے بڑے غزل گو شاعر ہیں ۔ وہ غزل میں جدید طرز فکر و فن کے بانی و موجد ہیں ۔ غالب کی شاعری جودت فکر کی معراج ہے ۔ انداز بیان ، لطافت زبان مسائل تصوف فلسفہ زندگی ، زندگی کے کرب و نشاط ، رفعت تخیل ، وسعت خیالی اور شوخی و ظرافت ان کی شاعری کے وہ محاسن ہیں جو ان کے فن کا طرہ امتیاز ہیں (۱)

---

(۱) طوالت کے خیال سے یہاں اشعار بطور مثال پیش نہیں کئے جائیں گے ۔

انیس و دبیر اردو کے بہت بڑے شعراء ہیں ۔ انھوں نے مرثیہ گوئی کے فن کو معراج کمال پر پہنچایا ۔ محل اردو کو نت نئے الفاظ ، محاورات ، تشبیہات و استعارات سے سجایا ۔ واقعات کی عکاسی ، جذبات کی ترجمانی ، خیالات و محسوسات کی فراوانی ، زبان و بیان کی شگفتگی ، برجستگی اور روانی جیسی انیس و دبیر کے مرثیوں میں ہے وہ کسی اور شاعر کے ہاں کہاں ۔

مرزا داغ دہلوی زبان کے بادشاہ اور حسن کے عکاس ہیں ۔ روزمرہ ، محاورات ، سادگی و پرکاری ، رنگینی و دلکشی ان کی غزل کی جان ہے ۔ امیر مینائی واردات قلب اور اخلاقی مضامین کو پیراہن شعر سے آراستہ کرنے میں خاص اسلوب کے مالک ہیں ۔ جلال لکھنوی درد و اثر اور جذبات نگاری میں بے مثل ہیں ۔

محمد حسین آزاد اور الطاف حسین حالی کی قومی ملی ، اخلاقی ، سیاسی ، معاشرتی اور حب الوطنی کے جذبات سے معمور نظموں سے نظم نگاری کی بنیاد پڑی ۔ ان کے مسدس ، مثنوی اور نیچرل نظموں نے نظم نگاری کو ایک نیا رخ دیا ۔ مولانا اسمٰعیل میرٹھی کی نظمیں بھی اسی قبیل کی ہیں جو حقیقت و معرفت ، اخلاقیات اور قومی و ملی جذبات کی عکاسی کرتی ہیں ۔ اکبر الہ آبادی ظرافت کے شہنشاہ ہیں ۔ انھوں نے ظریفانہ انداز میں مغربی تہذیب اور گمراہ کن تعلیم کا پردہ چاک کیا اور قوم کو اخلاقی و تعمیری سوچ کی طرف مائل کیا ۔

اکبر الہ آبادی کے بعد عصر جدید کے سب سے بڑے شاعر علامہ اقبال کے دور انقلاب کا آغاز ہوتا ہے ۔ کلام اقبال قرآن و حدیث کی تفسیر ، اسلامی اقدار اور اخوت و بیداری کا پیغام ہے ۔ ان کی تعلیمات و پیغامات نے مسلمانان ہند کو احساس خودی و خود اعتمادی ، اپنی قوت عمل و فکر سے اپنی دنیا آپ پیدا کرنے کی ترغیب دی ۔ فکر اقبال نے مملکت اسلامی کا تصور اور اس کی تعبیر دی اور پاکستان ایک حقیقت بن کر دنیا کے نقشے پر ابھر آیا ۔

علامہ اقبال کے معاصرین میں حسرت موہانی ، یاس چنگیزی ، عزیز لکھنوی ، اصغر گونڈوی ، شاد عظیم آبادی ، بیخود موہانی ، بیخود دہلوی ، جلیل مانکپوری ، نوح ناروی ، ناطق لکھنوی ، آرزو لکھنوی ، سیماب اکبرآبادی ، اثر لکھنوی اور وحشت کلکتوی وہ اساتذہ فن اور ماہرین سخن تھے جنھوں نے اردو غزل کو دلکش و دلفریب ، جدید رجحانات ، رنگا رنگ خیالات اور نو بہ نو موضوعات سے نہ صرف رفعت و وسعت عطا کی بلکہ گل نو بہار کے حسن و رنگ سے حیات جاودانی بخش دی ۔

یہ وہ زمانہ تھا جب اردو کے مشاہیر ادب اور اکابر سخن کا طوطی بول رہا تھا ـ سندھ کے شعراء و ادباء دھلی لکھنو اور کلکتہ کے مشاعرون اور ادبی محفلون مین شرکت کرتے تھے ـ بیرون سندھ کے ارباب شعر و ادب بھی سندھ مین آیا کرتے تھے اس طرح ایک دوسرے کے رابطہ کا سلسلہ کسی حد تک قائم تھا ـ اساتذہ کے دواوین اور ان کی نثر و شعری تخلیقات و نگارشات سندھ مین بھی پہنچ رہی تھین ـ ان باتون کے باوجود حیرت انگیز بات یہ ہے کہ سندھ کے شعراء و ادباء نے اپنی انفرادیت قائم رکھی ـ سندھ کی علمی روایات اور ثقافتی اقدار کا یہ اثر تھا کہ یہان کے شعرائے کرام نے دھلی لکھنو اور دکن کے افکار و آثار کو شان راہ نہین بنایا ـ شاید یہی وجہ ہے کہ سندھ کے اردو شعراء کا کلام اس مزاج اور اس معیار سے قریب نہین جو اردو شاعری کا طرۂ امتیاز رہا ہے ـ اس حقیقت سے بھی انکار نہین کیا جاسکتا کہ شعرائے سندھ نے شاعری کو صرف شاعری کیلئے نہین بلکہ علم و ادب کے فروغ کی خاطر اپنایا ہے ـ انھون نے جو کچھ کیا ہے اس مین ان کی انفرادیت جھلکتی ہے ـ اس مین ان کا اپنا اسلوب زبان اور اپنا انداز بیان ہے جسے نظر انداز نہین کیا جاسکتا ـ اس پہلو کی زندہ شہادت ان کے کلام سے جابجا ملتی ہے ـ

سندھ کے اردو شعراء کی چند خصوصیات ذیل مین بیان کی جاتی ہین ـ

(۱) سندھ کے اکثر اردو شعراء کے کلام پر عربی و فارسی کا مجموعی اثر غالب ہے ـ یہ شعراء عام طور پر بیک وقت عربی فارسی سندھی سرائیکی ، ھندی کے عالم ہوتے تھے یا ان زبانون اور ان کے ادبیات پر پوری پوری نظر رکھتے تھے اسلئے ان کا کلام کہین اردو فارسی کی دلفریب آمیزش ، کہین سندھی سرائیکی کا دلکش امتزاج اور کہین سرائیکی ھندی اردو کا حسین روپ نظر آتا ہے ـ ان کی اردو شاعری کا مزاج کسی نہ کسی مذکورہ بالا زبان یا زبانون سے ہم آہنگ ہے ـ مثلاً یہ اشعار دیکھئے :

مکھ ماھی دا نور تجلی ، صورت حسن حقانی
مکھ ماھی دا قبلہ کعبہ ، عشق امام حقانی (فقیر بیدل)

جدائی مین جین مشکل ، سجن بن حال حیران ہے
جسی دن سون سجن بچھڑیا ، میری دل رہی چل چل
و داغ کی آگ بجلی جیون ، ابر چشمان جون باران ہے (ابراھیم شاہ فقیر)

جو مزا دائی تھا پایا ہے دست در دست بادہ نوشان نوش (امین ھالائی)

سکین مایا موہنی ، سندر روپی نار
لاکھ چھلاوے ہر جیتان ، بھٹکاوے سنسار   (غلام اللہ سکین)

من بہ پجرت رقیب در وصلت
برقیبان چین کـــرم مت کـر   (مسکین راشدی)

روحی خفی ذاتی سرگی خفی اثباتی یروی
لاتکان لولاک وچ ہے ، اعظم جہان اکھری   (حسن بخش شاہ)

سنگور ایسی بھگتی لائی ہـــے
جن نے لون لون نام دھیائی ہـــے   (قطب جہانیان پوتہ)

الکھ اکسم کوئی رنت نہ پائے
لاکھ لکھیا کون کون لکھے رہے   (حسن شاہ ہمریوری)

سندھی = عرض ہندی زبان میں ~~آکھی~~ رکھی تو کـــریان (میں ہندی زبان میں عرض کرتا ہوں)
اردو = تھاتھا ساغر شراب پلا   (شاہ گدا)

(۲) اکثر شعرائے کرام کسی نہ کسی سلسلۂ طریقت کے مبلغ ہیں ۔ اللہ اور رسول کے دین کی تبلیغ و اشاعت اور اسلام کی خدمت ان کی زندگی کا نصب العین ہے ۔ یہی وجہ ہے کہ ان کا کلام توحید و رسالت کا پیغام ، حمد و نعت ، تصوف و معرفت کا گنجینہ ہے ۔

(۳) دوہے ، دوہڑے ، کافیاں سندھی کی بے حد مقبول اصناف ہیں اور سندھ کے شعراء ان صنفوں کے دیوانہ وار عاشق ہیں ۔ اسلئے انہوں نے اردو میں بھی ان صنفوں کے حسن و جمال کو خاص فنکارانہ تجربات کے ساتھ نکھارا ہے ۔

(۴) اس دور میں شمالی ہند کی اردو شاعری پر دکنی اثرات بہت کم ہوگئے ۔ ~~اسلئے~~ سندھ کے شعراء کے کلام پر اس کا اثر برائے نام رہ گیا ۔

(۵) انفرادی و مقامی اثرات کے باوجود شعرائے سندھ کے کلام میں وہ محاسن شعری بھی ملتے ہیں جو شعریت کی جان اور تغزل کا حسن ہے ۔ ان کے ہاں بھی صاف شستہ رواں دواں ، اشعار کی کمی نہیں ۔ ان کی غزل بھی سلاست و فصاحت ، چستی و برجستگی ، ~~xxxxx~~ فکر و تخیل کی آئینہ دار ہے ۔ کہیں کہیں مضمون آفرینی ، لطف زبان ، حسن ادا ،

واردات قلب ، لطیف تشبیہات و استعارات سے ان کی غزل رنگ تغزل کا عمدہ نمونہ معلوم ہوتی ہے ۔ اس رنگ کے چند اشعار پیش خدمت ہیں :

گلشن کی خبر خوب صبا باد سے پوچھو
تصویر قد سرو کی شمشاد سے پوچھو (قاسم قادری)

تیری زلف میں زنجیر ، موری گل میں دام ہے
تم دیدہ میں دم عید ، جما جم کا جام ہے (یوسف ناٹک)

ہوائے بیخودی آئے ، خودی کی دھول اڑ جائے
صدف کر سینہ کو اپنا عجب گوہر چھایا ہے (دین شاہ فتح)

مرغ دل کو دام گیسو میں نہیں جینے کا غم
اک خیال اس کو مگر اس خال کے دانے کا تھا (صبر نقشبندی)

جس کو ہے داغ جگر اس کو نہیں آرام دل
عشق ~~ہو~~ میں پکا نہیں، وہ بیخبر ہے خام دل (حمل فقیر)

نہ دل مانے نہ تن مانے ، ہر اک اپنی طرف پھیرے
کروں میں کیا نظر ایسی جو مشکل آن کے گھیرے (نظر فقیر)

ہمیں اسرار وحدت کا نفی اثبات میں دیکھا
سراسر نور بیرنگی ظہور ذات میں دیکھا
تیرے حسن کی دیکھ تجلی اے رشک حور
سورج کہوں کہ چاند کہ نور خدا کہوں (فقیر بیدل)

تیرے دام سے میرے دل کو چھڑا کون سکیگا
تقدیر کے لکھے کو مٹا کون سکے گا (امین ہالائی)

دنیا سرائے ماتم جس کو پتا نہیں ہے
عاشق مدام رہتے دیدار کے جن میں (فقیر ولی محمد لغاری)

کل جو اس گل کا گذر جانب گلزار ہوا
اسکے عارض کی طرف دیکھ کر گل زار ہوا (شاہ گدا)

19

خود شمع سا ہے روشن اس عشق کی بدولت
عاشق کو عشق ہی سے حاصل ہو زندگانی (ساٹھین غنی)

مشہور اپنا نام تو ستارہ ہوگیا
اپنے جنون کا خلق مین افسانہ ہوگیا (میر سانگی)

لحظہ اک دیدار سے فارغ کبھی رہتے نہین
چشم موسیٰ کو تو حسرت رہ گئی دیدار کی (قلیچ بیگ)

گئے سب ہاتھ خالی دولت دنیا کی نعمت سے
ہزارون مرد کار آئے ، ہزارون نابکار آئے (زیرک لاشاری)

یاد آیا یار کا دامن حناشی در چمن
لالہ سا ہم اپنے دل داغ حسرت لے چلے (وڈل علی حیدری)

اذان دین کے بلند اٹھان سے سارا تمام عالم (قید فرنگ مین ،
حکم حق نے دیا ہم کو کہا احمد نبی اکمل جلال الدین علوی)

انگریزون نے برصغیر پاک و ہند پر سو سال سے زائد عرصے حکومت کی ۔ اس عہد کی ایک صدی کے شعر و ادب کا نہایت مختصر جائزہ بھی اس مقدمہ کے صفحات مین پیش کرنا ممکن نہین اسلئےایک سرسری نظر ڈالنے کی کوشش کی گئی ہے ۔ اس سے کم از کم یہ اندازہ بخوبی لگایا جاسکتا ہے کہ اس زمانے مین اردو کے مشہور و ممتاز اہل فن اساتذہ سخن کے مقابلے مین سندھ مین اردو کے پروانون نے کس والہانہ جذبۂ عشق کے ساتھ شمع اردو کو روشن رکھا ۔

عہد پاکستان (۱۳۶۶ — ۱۴۰۰ھ / ۱۹۴۷ — ۱۹۸۰ء)

۱۹۰۶ء میں آل انڈیا مسلم لیگ کے قیام کے بعد دس کروڑ مسلمانان ہند تیس کروڑ ھندوؤں کے مقابلہ میں ایک پلیٹ فارم پر جمع ہوگئے ۔ قائد اعظم محمد علی جناح کی ولولہ انگیز و بصیرت افروز قیادت ، بے مثل تدبر ، سیاست و فراست کی بدولت سات سمندر سے آنے والے غاصب فرنگیوں سے آزادی چھین لی گئی ۔ ہزاروں جانیں آزادی کی راہ پر قربان ہوگئیں ۔ ھندوستان تقسیم ہوگیا ۔ ملت اسلامیہ ہند کی ایک آزاد مملکت اسلامی جمہوریہ پاکستان کے نام سے معرض وجود میں آئی (۱) ۔

۱۹۴۷ء سے پہلے سندھی ادب دو قومی نظریات پر مبنی دو مختلف تحریکوں کے سائے میں نشوونما پا رہا تھا ۔ ایک تحریک ھندوؤں کی تھی ۔ ھندوؤں نے کچھ ایسے لسانی و ادبی ادارے قائم کر رکھے تھے جن کا مقصد سندھی ادب کو سنسکرت اور ہندی الفاظ و محاورات سے آراستہ کرنا اور ہندو نظریات کے مطابق ڈھالنا تھا ۔ دوسری جانب مسلمانوں کی ایسی ادبی انجمنیں (۲) عالم وجود میں آئیں جن کا نصب العین سندھی ادب کو اسلامی نظریات کے تحت عربی و فارسی الفاظ و محاورات سے سجانا تھا ۔

انقلاب ۱۹۴۷ء کے بعد اہل ہنود نے ھندوستان کا رخ کیا تو ان کی ادبی تنظیمیں اپنی موت آپ مرگئیں ۔ ملت اسلامیہ سندھ کو سندھی زبان و ادب کی ترقی و ترویج اور نشر و اشاعت کے لئے وسیع و عریض میدان ملا ۔ ادبی انجمنوں کے علاوہ سرکاری و غیر سرکاری اشاعتی و مطبوعاتی اداروں ، پریس اور اخبارات و رسائل کا اجراء ہوا (۳) اس طرح نئی تنظیم اور نئے عزم و امنگ کے ساتھ انفرادی و اجتماعی طور پر سندھی ادب و صحافت کے مختلف شعبوں میں مسلسل کاموں کا آغاز ہوا ۔

---

(۱) تحریک پاکستان کے تاریخی پس منظر کے بارے میں ملاحظہ ہو ضمیمہ نمبر ۳

(۲) ملاحظہ ہو ضمیمہ نمبر ۵ ، سندھی ادب کے سرچشمے ۔

(۳) تفصیلات کے لئے ملاحظہ ہو ضمیمہ نمبر ۵ (اشاعتی ادارے ، سندھی صحافت)

عہد پاکستان کا یہ دور سندھی زبان و ادب کے لئے بڑا مبارک ثابت ہوا ۔ آزادی کے اس دور مین سندھی ادب کو خوب پھلنے پھولنے کا موقع ملا ۔ ۱۹۴۷ء مین حصول آزادی کے بعد سندھی کے جو بزرگ مورخین ، محققین ، ناقدین ، ادباء و شعراء پاکستان کے حصے مین آئے تھے ان مین مولانا دین محمد وفائی (ایڈیٹر الوحید ، مصنف تذکرہ مشاہیر سندھ) ، مولانا دین محمد ادیب ، غلام محمد شہوانی ، احمد غلام علی چھاگلا ، مخدوم محمد صالح بخش ، ڈاکٹر داود پوتا ، محمد بخش واصف ، محمد صدیق میمن ، محمد صدیق سافر ، عثمان علی انصاری ، مولانا عبدالواحد سندھی ، احسان احمد بدوی ، گل حسن ، میران محمد شاہ ثانی میر ، عبدالرزاق قاضی ، علامہ آئی آئی قاضی ، ای کے بروھی ، ڈاکٹر شیخ محمد ابراہیم خلیل (مصنف ادب و تنقید) لطیف اللہ بدوی (مصنف تذکرہ لطفی) ، احسن کربلائی مولائی شیدائی ، محمد اسماعیل عرسانی ، عطا محمد حامی ، لعل محمد لعل ، شیخ عبداللہ عبد ، پروفیسر علی نواز جتوئی ، پروفیسر محبوب علی چنا ، علی محمد راشدی ، مخدوم امیر احمد ، حسام الدین راشدی ، ڈاکٹر نبی بخش بلوچ ، ابراہیم جویو اور مولانا غلام مصطفیٰ قاسمی سندھی ادب کے اکابر ارباب فکر و دانش ہین ۔ ان کی تصنیفات و تالیفات سندھی ادب مین مشعل راہ کی حیثیت رکھتی ہین ۔

دوسری صف مین ڈاکٹر غلام علی الانا ، رشید احمد لاشاری مرحوم ، کریم بخش خالد ، ایاز قادری ، قیوم صائب اور منظور نقوی وغیرہ ہین ۔ ان اہل قلم نے نہ صرف سندھی زبان کو جدید استعارات و محاورات ، تشبیہات و تلمیحات سے آراستہ کیا بلکہ اس کے ادب کو تاریخ ، ثقافت ، جغرافیہ اور تحقیق ، تنقید ، عروض ، حساب ، مذہب ، اخلاقیات ، سوانح اور تذکرے سے متعلق نئے نئے موضوعات سے بے حد وسعت و رفعت ، تازگی و شگفتگی بخشی ۔

ڈاکٹر داود پوتا ، علامہ آئی آئی قاضی ، میران محمد شاہ ثانی ، آغا تاج محمد ، ڈاکٹر شیخ ابراہیم خلیل اور ڈاکٹر نبی بخش خان بلوچ نے شاہ عبداللطیف بھٹائی کی زندگی ، شخصیت اور کلام پر بے پناہ کام کیا ہے ۔

مرزا قلیچ بیگ اور ان کے معاصرین کے بعد پاکستان کے ابتدائی دور مین بہت اچھے ناول ، افسانے اور ڈرامے لکھے گئے جو سندھی ادب کا قیمتی سرمایہ ہین (۱)

---

(۱) مذکورہ بالا ارباب قلم کی تصانیف کا ذکر ضمیمہ ۵ مین اشاعتی ادارون کی مطبوعات کے ذیل مین کیا گیا ہے ۔ طوالت کے خوف سے یہان تصانیف کے نام نہین دیئے گئے ۔

تحریک پاکستان میں حصہ لینے والے ادیبوں اور صحافیوں کے علاوہ شاعروں کا ایک گروہ بھی برسر پیکار اور برسر عمل رہا ۔ ان کی پرجوش ، ولولہ انگیز اور حب الوطنی کے جذبات سے معمور قومی و ملی نظموں ، نغموں اور گیتوں نے سندھ کے عوام و خواص میں احساس آزادی اور جذبہ بیداری کی روح پھونک دی ۔ ان نظم نگاروں میں مخدوم محمد زمان طالب المولیٰ ، ڈاکٹر ابراہیم خلیل ، غلام احمد نظامانی ، مخدوم صالح بھٹی ، اختر ھالائی ، میران محمد شاہ ، حافظ محمد احسن ، لطف اللہ بدوی ، سرشار عقیلی ، ضیاء الدین بلبل ، عطا محمد حامی کی قومی " منظومات " تاریخی افکار ہیں ۔ اور ایک عہد کے قومی نکتہ نظر کی عکاسی کرتی ہیں ۔ تحریک پاکستان سے متعلق ان تمام نظموں کے مجموعوں کی اشاعت اور ان کا تحفظ قومی اداروں کا قومی فریضہ ہے ۔

دور اول کے متذکرہ بالا شعراء نے قومی و ملی نغمات کے علاوہ رومانی نظمیں ، غزلیں گیت ، دوہے ، بیت ، کافیاں ، مثنویاں ، مرثیے قصائد اور رباعیات بھی کہی ہیں ۔ ان تمام اصناف پر پوری قدرت ، ندرت ، جدت کے ساتھ طبع آزمائی کی ہے ۔ ہر بول اور ہر رنگ میں جادو جگایا ہے ۔ ان کے افکار رنگا رنگ سے سندھی کا شعری ادب گلستان سدا بہار بن گیا اس ضمن میں چند اور اہل سخن کے نام بھی آتے ہیں اور وہ ہیں شیخ عبدالرزاق راز ، لعل شکار پوری ، عبداللہ عبد ، سرور علی سرور ، عبداللہ خواب ، رشید احمد لاشاری ، محمد خان غنی ، منظور نقوی ، مظفر حسین جوش ، سلیم ھالائی ، انور ھالائی ، احسن کربلائی ، عبدالرحیم گدائی وغیرہ ۔

۱۹۳۶ء کی ترقی پسند تحریک نے اردو کی طرح سندھی کو بھی متاثر کیا ۔ اس تحریک کے اثرات مہران کی موجوں میں بھی شامل ہوئے ۔ جو موجیں صاف و شفاف پانی کی آغوش سے اٹھیں انھوں نے مہران کے موتیوں کو اپنے خوش رنگ و خوش آہنگ سے ایسی چمک دمک بخشی کہ آنکھیں خیرہ اور دل روشن ہوگئے ۔ جو موجیں آب کثیف کی گود سے ابھریں وہ زہر آلود ہوگئیں ۔ سندھی کے ترقی پسند مصنفین کا تعلق انھیں دو گروہوں سے ہے ۔

پہلا گروہ صحت مند رجحانات اور حقیقت پسندانہ میلانات کا علمبردار رہا ہے ۔ سندھ ھاری کمیٹی کے مشہور و جواں مرد لیڈر حیدر بخش جتوئی سندھ میں ترقی پسند تحریک کے بانی اور مبلغ اعظم تھے ان کی تحریک اور شاعری نے سندھی عوام اور فنکاروں میں نہ صرف فکری بلکہ عملی رجحان پیدا کیا ۔ انسان اور انسانی عظمت ، زندگی اور اس کی حقیقتوں سے آشنا کیا ۔

شیخ ایاز سندھ کے سب سے بڑے ترقی پسند شاعر ہیں ۔ وہ نہایت قد آور اور زور آور مفکر ہیں ۔ سندھی شاعری میں ان کا مرتبہ وہی ہے جو اردو میں فیض احمد فیض کا ہے شیخ ایاز اردو (۱) کے بھی نامور شاعر ہیں ۔ وہ صاحب طرز ادیب بھی ہیں ۔ شیخ ایاز نے اردو شعر و ادب سے وابستگی اور سندھی اردو اشتراک سے سندھی شاعری میں بڑی ندرت اور وسعت پیدا کی ہے ۔ ان کی غزل ، نظم ، گیت ، کافیاں دوہے وغیرہ نئے خیالات اور نئے طرز فکر و فن کے حامل ہیں ۔ ان کی شاعری میں ایسا سحر ایسا حُسن ہے کہ سندھ کی اصلی زندگی اور حُسن ان کے پیکر شعر میں سمٹ آیا ہے (۲) ۔ " شاہ جو رسالہ " کا مکمل منظوم اردو ترجمہ شیخ ایاز کا شعری کارنامہ ہے ۔

شیخ ایاز کے ہمعصر و ہم نوا ساتھیوں میں علی احمد بروھی ، مولانا غلام محمد گرامی مرحوم (ایڈیٹر سہ ماہی مہران) بشیر مورانی ، محمد ابراھیم جویو ، عبداللہ شیخ کے علاوہ شمشیر الحیدری ، تنویر عباسی ، نیاز ہمایونی ، عبدالحلیم جوش ، شیبان بخت ، رشید بھٹی ، نور عباسی ، الطاف عباسی ، مصطفٰی حیدر جتوئی مرحوم (بن حیدر بخش جتوئی مرحوم) تاج بلوچ ، نثار بزمی ، عبدالغفور عابد ، امداد حسینی ، نفیس احمد ناشاد (بڑھوتا شاد) ، ڈاکٹر علی نواز شوق اور محمد اسحاق راھی وہ اہم نام ہیں جو سندھی شعر و ادب کی آبرو ہیں ۔

گزشتہ بیس پچیس برسوں میں اچھے افسانے اور ناول بھی لکھے گئے ۔ سندھی کے جن فنکاروں نے ناول کی تکنیک اور افسانوں کے فن کو معراج کمال پر پہنچایا ان میں غلام ربانی (افسانوں کا مجموعہ " آب حیات ") جمال ابڑو (مجموعہ بدمعاش) ، سراج الحق میمن (ناول پڑاڈ وسوٹی سٹ) آغا سلیم (ناولٹ) امر جلیل (ناولٹ) نسیم کھرل ، علی احمد بروھی (مزاحیہ افسانے) ، ابراھیم جویو ، ایاز قادری ، الطاف قادری ، آغا سلیم ، رشید بھٹی غلام نبی مغل ، رسول بخش بلوچ ، مرزا مراد علی ممتاز مرزا ، شاکر شرما ، شوکت حسین شورو ، نجم عباس ، عبدالقادر جونیجو ، مظہر میمن ، تنویر جونیجو ، سحر امداد ، لعل چسکانی ، میر خادم حسین تالپور ، بادل جمالی ، مشتاق کاملانی ، غلام نبی ڈیپر ، علی بابا ، منظور قریشی وغیرہ

---

(۱) شیخ ایاز کے پہلے اردو مجموعہ کلام کا نام " بوئے گل نالۂ دل " (مطبوعہ ۱۹۵۸ء) اور دوسرے کا نام " کف گلفروش " ہے ۔

(۲) شیخ ایاز کے سندھی کلام کا منظوم اردو ترجمہ فہمیدہ ریاض نے کیا ہے جسے انسٹی ٹیوٹ آف سندھالوجی سندھ یونیورسٹی نے (زیر نگرانی ڈاکٹر غلام علی الانا) ۱۹۷۹ء میں " حلقہ میری زنجیر کا " کے نام سے نہایت دلکش و جاذب نظر انداز میں شائع کیا ہے ۔

وہ تخلیق کار ہیں جو افسانوی ادب کے نئے پرانے چراغ ہیں ۔ انہوں نے اپنی کہانیوں میں سماجی زندگی کی حقیقت نگاری ، دیہاتی ماحول ، عوامی زندگی اور زندگی کے مسائل و مصائب اور خوشیوں کو فنکارانہ انداز میں پیش کیا ہے ۔ ان چراغوں سے مستقبل میں مزید چراغ روشن ہونے کے امکانات روشن ہیں ۔

ان افسانہ نگاروں میں سے بعض نے دلکش و دلگداز ناول ، ناولٹ اور ڈرامے بھی تخلیق کئے ہیں ۔ ٹی وی اور ریڈیو ڈرامے بھی اردو کی طرح سندھی میں بھی ادب کا حصہ بنتے جارہے ہیں ۔ اس فن میں دن نئے نئے تجربات کی بنیاد پر ٹی وی ریڈیو تمثیلوں کا معیار اعلیٰ ہوتا جارہا ہے ۔ حال ہی میں مشہور فنکار ممتاز مرزا کے ٹی وی اور ریڈیو ڈراموں کا ایک خوبصورت اور دلفریب مجموعہ " آخری رات "(زیب ادبی مرکز حیدرآباد ١٩٨٠ء) کے نام سے احمد شیخ (طابع سندھی پرنٹنگ پریس) کے حسن ذوق کی بدولت منظر عام پر آیا ہے ۔ " آخری رات " جدید فن ڈرامہ نویسی کا قابل قدر نمونہ ہے ۔

عصر حاضر میں نئی نسل کا ایک کاروان نئے عزم ، نئی امنگ ، جوش اور نئے ولولے کے ساتھ رواں دواں ہے ۔ ناول افسانہ ڈرامہ کی طرف صحت مندانہ رجحان پایا جاتا ہے ۔ سندھ کی تہذیب و ثقافت اور زندگی کے حالات و کوائف سے متعلق تخلیقات معرض وجود میں آرہی ہیں ۔ نوجوانوں میں اسلامی روایات اور اخلاقی اقدار کا احترام موجود ہے ۔ لیکن مطالعہ اور محنت کی سخت ضرورت ہے ۔ تاریخ و تحقیق سے دلچسپی کم پائی جاتی ہے ۔ اسلئے قومی نقطہ نظر سے یہ بات بہت اہم ہے کہ ذہین اور ابھرتے ہوئے لکھنے والوں کی حوصلہ افزائی اور صحیح سمت ان کی رہنمائی کی جائے ۔ اس صورت میں سندھی ادب کی مزید ترقی و ترویج اور توسیع و اشاعت کے امکانات وسیع سے وسیع تر ہو جائیں گے ۔

تخلیق پاکستان کے وقت سندھ میں عربی مدارس کی تعداد بہت کم رہ گئی تھی ۔ سیوھن ، مٹیاری ، امروٹ ، لاڑکانہ اور ٹھٹھہ وغیرہ کے بڑے مدرسے اب نہیں رہے ۔ ذیل میں چند ایسے قدیم و جدید مدرسوں کے نام درج کئے جاتے ہیں جن کا سرچشمہ علم و فیض وادیٔ سندھ کے ہر چہار طرف جاری و ساری ہے ۔ ان مدرسوں میں علوم اسلامیہ کی تعلیم دی جاتی ہے جن میں درس نظامیہ بھی شامل ہے ۔ بعض درسگاہوں کی تعلیم دینیات اور عربی کی ابتدائی درس و تدریس تک محدود ہے ۔

کراچی = مدرسہ مظہر العلوم کھڈہ ، دارالعلوم کورنگی ، مدرسہ تعلیم الاسلام حب هدی ، اشرف المدارس ناظم آباد ، مدرسہ اسلامیہ امدادیہ موسیٰ کالونی ، مدرسہ تعلیم للقرآن لی مارکیٹ مدرسہ انوار العلوم فیڈرل بی ایریا ، مدرسہ اعجاز القرآن دهلی مسلم سوسائٹی ، انجمن قمر الاسلام سلیمانیہ ، جامعہ نظامیہ دارالعلوم امجدیدہ ، دارالعلوم حمیدیہ رضویہ -

حیدرآباد = مدرسہ مشہر العلوم ، جامعہ عربیہ ، جامعہ الاسلامیہ

خیرپور = مدرسہ دارالهدیٰ

سانگھڑ = مدرسہ صبغت الاسلام

بھنڈو = مدرسہ مدینہ العلوم

سجاول = مدرسہ هاشمیہ

ٹنڈوالهیار = دارالعلوم اسلامیہ

پیر گوٹھ = جامعہ راشدیہ

لاڑکانہ = مدرسہ قاسم العلوم

گھوٹکی = مدرسہ قاسم العلوم

شکار پور = مدرسہ دارالسعادت ، مدرسہ اشرفیہ

سکھر = مدرسہ مظہر العلوم حمیدیہ ، مدرسہ انوار العلوم ، مدرسہ فیض العلوم ، مدرسہ دارالعلوم اشرفیہ

قمبر = دارالعلوم

پنو عاقل = مدرسہ حمادیہ

اب هم سندھ کے ان علمی و اشاعتی اداروں کا ذکر کرتے هیں جو عربی علوم اور ادبیات کی تبلیغ و اشاعت کے لئے وقف هیں -

کراچی میں المرکز اسلامی ، زیر اهتمام جامعہ علمیہ بانی عبدالعلیم صدیقی ، قیام ۱۹۵۸ھ - یہ نہ صرف سندھ بلکہ پاکستان کا وہ اهم ادارہ هے جس کا علمی و تبلیغی دائرہ نہ صرف سندھ و کراچی بلکہ ساری دنیا تک پھیلا هوا هے - اس ادارے کا ایک انگریزی ماهنامہ " دی منارٹ " عربی علوم کی اشاعت کی غرض سے شائع هوتا هے -

مجلس المعارف - کراچی کا وہ واحد مرکز هے جهاں عربی کے علماء و اساتذہ محققین جمع هوتے اور عربی علوم و افکار سے متعلق تحقیقی و علمی مضامین و مقالات سے مستفیض فرماتے هیں یہ مقالات کتابی شکل میں شائع بھی کئے جاتے هیں -

کراچی = مدرسہ مظہر العلوم کھڈہ ، دارالعلوم کورنگی ، مدرسہ تعلیم الاسلام حب ہدی ، اشرف المدارس ناظم آباد ، مدرسہ اسلامیہ امدادیہ موسیٰ کالونی ، مدرسہ تعلیم القرآن لی مارکیٹ مدرسہ انوار العلوم فیڈرل بی ایریا ، مدرسہ اعجاز القرآن دہلی مسلم سوسائٹی ، انجمن قمر الاسلام سلیمانیہ ، جامعہ نظامیہ دارالعلوم امجدیہ ، دارالعلوم حمدیہ رضویہ ۔

حیدرآباد = مدرسہ مشیر العلوم ، جامعہ عربیہ ، جامعۃ الاسلامیہ

خیرپور = مدرسہ دارالہدیٰ

سانگھڑ = مدرسہ صبغت الاسلام

بھیڈو = مدرسہ مدینۃ العلوم

سجاول = مدرسہ ہاشمیہ

ٹنڈوالہیار = دارالعلوم اسلامیہ

پیر گوٹھ = جامعہ راشدیہ

لاڑکانہ = مدرسہ قاسم العلوم

گھوٹکی = مدرسہ قاسم العلوم

شکار پور = مدرسہ دارالسعادت ، مدرسہ اشرفیہ

سکھر = مدرسہ مظہر العلوم حمیدیہ ، مدرسہ انوار العلوم ، مدرسہ فیض العلوم ، مدرسہ دارالعلوم اشرفیہ

قمبر = دارالعلوم

پنو عاقل = مدرسہ حمادیہ

اب ہم سندھ کے ان علمی و اشاعتی اداروں کا ذکر کرتے ہیں جو عربی علوم اور ادبیات کی تبلیغ و اشاعت کے لئے وقف ہیں ۔

کراچی میں المرکز اسلامی ، زیر اہتمام جامعہ علمیہ بانی عبدالعلیم صدیقی ، قیام ۱۹۵۸ء ۔
یہ نہ صرف سندھ بلکہ پاکستان کا وہ اہم ادارہ ہے جس کا علمی و تبلیغی دائرہ نہ صرف سندھ و کراچی بلکہ ساری دنیا تک پھیلا ہوا ہے ۔ اس ادارے کا ایک انگریزی ماہنامہ " دی مارث " عربی علوم کی اشاعت کی غرض سے شائع ہوتا ہے ۔

مجلس المعارف ۔ کراچی کا وہ واحد مرکز ہے جہاں عربی کے علماء و اساتذہ محققین جمع ہوتے اور عربی علوم و افکار سے متعلق تحقیقی و علمی مضامین و مقالات سے مستفیض فرماتے ہیں یہ مقالات کتابی شکل میں شائع بھی کئے جاتے ہیں ۔

بیت الحکمت شاخ کراچی مظہر العلوم محلہ کھڈہ (بانی مولانا عبیداللہ سندھی) کی مطبوعات میں سطعات تصنیف شاہ ولی اللہ ، تالیف مولانا سندھی اور مولانا سندھی کی عربی تفسیر الہام الرحمٰن (جلد اول پارہ الم) مرتبہ مولانا غلام مصطفیٰ قاسمی قابل ذکر ہیں ۔

مجلس علمی کی بنیاد ۱۹۳۰ء میں مولانا شبیر احمد عثمانی نے ہندوستان میں رکھی ۱۹۳۸ء میں یہ ادارہ کراچی منتقل ہوگیا ۔ ناظم اعلیٰ مشہور عالم دین مولانا محمد یوسف بنوری مرحوم تھے ۔ اب مولانا طاسین اس کے نگران ہیں ۔ مدرسہ عربیہ نیوٹاؤن اس ادارے کے تحت چل رہا ہے ۔ مجلس علمی نے اب تک اسلامی علوم کی عربی فارسی اور اردو میں پچاس کتابیں شائع کی ہیں ۔ عربی مطبوعات حجاز مصر اور دیگر اسلامی ممالک میں بیحد مقبول ہیں ۔

ادارہ تبلیغ القرآن کراچی (قیام ۱۹۵۰ء نگران مولانا فیروز الدین روحی) کی جانب سے عربی اور اردو کی کوئی بیس کتابیں شائع ہوچکی ہیں جن میں تفسیر قرآن کریم (تین سپارے) اور اس کا انگریزی ترجمہ مع تفسیر ایمان افروز کارنامہ ہے ۔

حیدرآباد میں شاہ ولی اللہ اکیڈیمی نے حضرت شاہ ولی اللہ ، مولانا عبیداللہ سندھی اور مولانا غلام مصطفیٰ قاسمی کی عربی تصانیف اور تفاسیر کی بیحد مفید کتابیں شائع کی ہیں ۔

سندھی ادبی بورڈ کی عربی کتابوں کی فہرست یہ ہے ۔

مرتب	مطبوعات
۱) مولانا مخدوم امیر احمد	بذل القوۃ
۲) مولانا غلام مصطفیٰ قاسمی	المتاعۃ فی مراسۃ الخزانۃ
۳) ڈاکٹر نبی بخش بلوچ	دیوان ابی عطا
۴) مولانا نعمانی	دراسات اللبیب ، ذب الذبابات (حصہ اول و ثانی) مقدمہ کتاب التعلیم وغیرہ ۔

شمس العلماء ڈاکٹر عمر بن داؤد پوتا عربی کے بہت بڑے عالم ، مفکر ، محقق اور انشاء پرداز تھے ۔ وہ ماہر تعلیم و ماہر لسانیات اور خالص اسلامی ذہن و فکر کے حامل تھے ۔ تخلیق پاکستان کے وقت نظامت تعلیمات سندھ کے ڈائرکٹر تھے ۔ ان کے عہد تک سندھ بشمول کراچی میں میٹرک تک عربی زبان کی تعلیم لازمی نصاب میں شامل تھی ۔ ڈاکٹر داؤد پوتا کی تحریک اور الحاج سید علی اکبر شاہ (جہڑ والے) مولانا محمد صادق (معلم مدرسہ مظہر العلوم)

حکیم مولوی محمد سیوھانی اور مخدوم امیر احمد جیسے علمائے دین اور ماہرین عربی کی کوششوں سے حیدرآباد میں جامعہ عربیہ کی بنا رکھی گئی ۔ بعد میں عربی یونیورسٹی کی تحریک چلی لیکن اسلام دشمنوں نے علوم عربیہ اور معارف اسلامیہ کی دانشگاہ کا شجر لگنے نہ دیا ۔ ڈاکٹر داود پوتا متعدد عربی مقالات کے خالق اور عربی کتب کے مصنف بھی تھے ۔ ان کی ایک عربی کتاب موسوم بہ " المرشدہ المبتدین (سہ حصص) پاکستان بننے سے پہلے ثانوی جماعتوں کے نصاب میں پڑھائی جاتی تھی لیکن یہ اسلامی و عربی نصاب اس وقت ختم کردیا گیا جبکہ اسلامی مملکت میں اس نصاب کی اشد ضرورت تھی ۔ ڈاکٹر داود پوتا کی ایک انگریزی کتاب " عربی شعر کا فارسی شعر پر اثر " شائع ہوچکی ہے جسکے مطالعہ سے ثابت ہوتا ہے کہ ڈاکٹر صاحب ان تمام زبانوں کے شعر و ادب پر بھی نہایت محققانہ و ناقدانہ نظر رکھتے تھے ۔

۱۹۴۷ء کے وقت سندھ میں بہت سے علماء ، فضلاء ، فقہاء ، محققین و معلمین موجود تھے جنھوں نے عربی زبان میں قرآن ، حدیث ، تفسیر ، فقہ ، فلسفہ ، منطق ، طب اور دیگر موضوعات سے متعلق بے شمار کتب و رسائل لکھے ہیں ۔ ان میں سے بعض اللہ کے پیارے ہوچکے ہیں اور بعض بقید حیات ہیں جن کے دم سے عربی علوم و فنون اور اسلامی تعلیمات کا سرچشمہ جاری ہے ۔ جامعیت کے ساتھ چند علماء اور ان کی تصانیف کا ذکر کیا جاتا ہے ۔

مولانا دین محمد وفائی عربی کے بھی بلند پایہ عالم تھے جس کی تصدیق ان کی تصانیف سے ہوتی ہے ۔ اظہار الکرامتہ من مسئلہ الخلافتہ و الامتہ مولانا کی عربی تصنیف ہے جبکہ تقویتہ الایمان (موسوم بہ توحید الاسلام) اور تجرید البخاری (پانچ جلد ، موسوم بہ الہام الباری) کا سندھی میں ترجمہ و تفسیر ہے ۔ آخرالذکر کا اردو ترجمہ شیخ عبدالمجید سندھی نے کیا ہے ۔

مولانا عبدالکریم ڈیرو (۱۳۱۵ - ۱۳۷۳ ھ) بانی مدرسہ رضا محمد گوٹھ رضا محمد ڈیرو تعلقہ کھکڑ ضلع دادو کی عربی تصانیف ہیں ۔ مقدمہ تفسیر القرآن ، المکاتیب الجدید ، صفحہ الخشوع ، راحتہ القلوب من لسان المحبوب ۔

مولانا حاجی سید محمد شاہ مہاجر مدنی (بانی مدرسہ عربیہ گھوٹکی) نے عربی کی کئی کتابوں کو سندھی اور اردو میں ترجمہ کیا ہے ۔ مثلاً اردو میں القول المشتمم فی زکواۃ الغنم اور سندھی میں جمال القرآن ، قرۃ العین فی زیارت الحرمین وغیرہ وغیرہ

مولانا محمد یوسف عباسی معلم شعبۂ عربی نور محمد ھائی اسکول کی عربی تصنیف " معلم الصرف " صابی کتب مین اھمیت کی حامل ھے ۔

مولانا محمد ھاشم انصاری (استاد مخدوم امیر احمد) مولانا عبدالکریم چشتی شکارپوری اور دیگر معلمین و محققین کی عربی تصنیفات و تالیفات کی فہرست طویل ھے ۔

اس مقالے کے پانچوان دور (عہد پاکستان) مین جن اھل سلوک اور اھل اللہ علمائے کرام کے تذکرے باعث زینت ھین ان مین اکثریت ایسے حضرات کی ھے جو سندھی ، فارسی اور اردو کے علاوہ عربی کے بھی عالم اور ماھر ھین ۔ انھون نے عربی مین کتابین تصنیف بھی کی ھین تالیف بھی اور عربی کتب کے ترجمے بھی کئے ھین ۔ جن کی تفصیلات ان کے تذکرون مین موجود ہیں ۔ یہان ایسے چند علماء کے نام لکھے جاتے ھین ۔

عبداللہ جان سرھندی اھتمام حزب البحر (اربعین مجاھدین چہل حدیث) شاہ غلام رسول قادری (حقیقت صراط مستقیم ، اجلال محمدیؐ) ، محمد ابراھیم گڑھی یٰسینی (رسالہ حکم فوٹو گراف) ، مولانا دین محمد ادیب (اشرف العلوم ، اصلاح الاحوال ، حقوق البیت) پیر صبغت اللہ ایرانی (ترجمہ کتاب الحکم) مخدوم امیر احمد (بذل القوۃ فی حوادث سنۃ النبوۃ ، حیواۃ القاری جرح البخاری) محمد ھاشم جان سرھندی (ترجمہ رسالہ ناضہ العقائد الصحیحہ ، طریق النجات ؟ سید زوار حسین شاہ (تالیف مکتوبات معصومیہ ، ترجمہ گلدستۂ مناجات) ڈاکٹر غلام مصطفےٰ خان (قرآنی عربی ، ضیاء القرآن) تفسیر النظام المحمود پارہ عم) مولانا غلام مصطفےٰ قاسمی (المنتاہ فی مدت الخزانہ ، تفسیر الہام الرحمٰن ، تفسیر سورہ سبا ، تفسیر خلاصۃ القرآن ، لمعات ، تفہیم القرآن ، ابطاد الاعیاد امعان النظر اور سندھی ترجمہ مع تفسیر قرآن حمائل شریف) اور پیر بدیع الدین شاہ (زیادۃ الخشوع ، الدلیل ایسام علیٰ ان سنۃ المعلق الوضع کلما قام) ۔

عربی ھماری دینی ملی اور قرآنی زبان ھے ۔ پاکستان کے ابتدائی دور مین پاکستان کی قومی زبان کا مسئلہ مہینون اخبارات اور عوام مین زیر بحث رہا ۔ سرآغا خان مرحوم نے موتمر عالمی کے اجلاس منعقدہ ۱۹۳۹ء مین اپنے خطبۂ صدارت مین عربی کو قومی زبان بنانے پر زور دیا تھا ۔ ۱۹۷۲ء کی مسلم سربراہ کانفرنس لاھور مین پاکستان کے علماء اور اسکالرون نے عربی مین تقریرین کین اور عرب ممالک کے سربراھون نے عربی مین تبادلۂ خیالات کیا ۔

موجودہ حکومت پاکستان نے اسلامی نظام کے قیام و نفاذ کی غرض سے نہایت مثبت اقدامات کئے ہیں ۔ فعال و مستعد کمیٹیاں اور مجالس عمل قائم کی ہیں ۔ ان سب کاروائیوں اور سرگرمیوں کا بنیادی ذریعہ اظہار و ابلاغ عربی زبان ہی ہے ۔ عربی کے فروغ کے لئے ٹیلی ویژن اور ریڈیو میں روزانہ عربی کے درس دیئے جاتے ہیں ۔ پاکستان نیشنل سنٹروں میں بھی عربی تعلیم کا انتظام کیا گیا ہے ۔ حکومت پاکستان ان تمام اداروں اور مدرسوں کی بھرپور سرپرستی کر رہی ہے جو عربی زبان و ادب کی اشاعت اور اسلامی علوم کی تبلیغ کے سلسلے میں منظم کام کررہے ہیں ۔ محکمہ اوقاف نے مساجد میں بھی عربی درس و تدریس کا اہتمام کیا ہے سندھ میں عربی ، فارسی اور اردو وغیرہ سے زیادہ پرانی زبان ہے ۔ اہل سندھ کو عربی سے دینی ، دلی اور روحانی لگاؤ رہا ہے ۔ شہروں ، محلوں ، قصبوں اور قریوں میں اب بھی دینی مدرسے اور مکتب برسر عمل ہیں ۔ اس طرح سندھ کا گوشہ گوشہ تجلیات الہٰی اور انوار محمدیؐ سے روشن ہے ۔

عہد برطانیہ میں فارسی کی سرکاری حیثیت ختم ہونے اور اس کی جگہ انگریزی کے نفاذ کے بعد فارسی کی ترقی کیلئے فضا زیادہ سازگار نہیں رہی لیکن اسکے باوجود سندھ کے اہل ذوق و اہل دانش کی کوششوں سے مدرسوں میں فارسی کی تعلیم جاری رہی اور فارسی پڑھنے لکھنے کی روایت قائم رہی ۔

سندھ کے آثار قدیمہ اور مساجد و مقابر پر تاریخی کتبے فارسی میں آج بھی موجود ہیں مکلی قبرستان (ٹھٹھہ) کے تقریباً تمام مقبروں کے کتبے فارسی میں ہیں ۔ اولیائے کرام اور بزرگان دین کے لوح مزار فارسی قطعات و تواریخ سے مزین ہیں ۔ حضرت لعل شہباز قلندر ، حضرت شاہ عبداللطیف بھٹائی ، حضرت سچل سرمست ، حضرت قادر بخش بیدل ، حضرت نوح سرور ہالائی اور خواجہ عبدالرحمن سرہندی وغیرہ کی درگاہوں کے فارسی اشعار اور تاریخیں سندھ میں فارسی زبان و ادب کے گہرے اثرات کا بین ثبوت ہیں ۔ حیدرآباد اور نواح حیدرآباد میں والیان کلہوڑا اور امیران تالپور کے قبے پر فارسی خطوط و نقوش فارسی کی اہمیت و افادیت کی یاد دلاتے ہیں ۔

پاکستان کے دور آزادی میں بہت سے اہل علم اور اہل ادب نے فارسی زبان و ادب کی آبیاری کی اس کے گلشن میں رنگا رنگ پھول کھلائے ۔ فارسی کے بے شمار دواوین ، تصانیف اور تخلیات و نگارشات منصۂ شہود میں آئیں ۔ جن بزرگ ارباب علم و فن نے اپنی فارسی

داغ بیل ڈالی کا لوہا منوایا اور جن کی کاوشوں سے فارسی شعر و ادب نے فروغ پایا ان کا بھرپور تجزیہ پیش کرنا اس مقدمہ میں ممکن نہیں لہذا ایک سرسری نظر پر اکتفا کیا جاتا ہے ۔

ڈاکٹر داؤد پوتا فارسی کے ممتاز ادیب اور محقق تھے ۔ ان کی فارسی کتابوں میں نشمات حافظ ، چہار دانش ، ابو الفضل ، انتخاب نظم و نثر فارسی ، تالیف تاریخ معصومی ، تالیف چچ نامہ فارسی اساتذہ اور طلباء دونوں کیلئے مشعل ہدایت ثابت ہوئیں ۔

قاضی عبدالرووف موراشی (١٢٩٩ - ١٣٦٣) ساکن مورہ ضلع نواب شاہ) فارسی کے بہت بڑے انشاء پرداز اور شاعر تھے ۔ ان کی منظوم تصنیف " تنزیہ از تشبیہ " ان کی شاعرانہ عظمت کی مظہر ہے ۔ مولانا عبدالکریم ڈیرو (١٣١٥ - ١٣٧٣ ھ) بانی مدرسہ رضا محمد ، عربی و فارسی کے جید عالم تھے ۔ ان کی تصانیف عربی سے زیادہ فارسی میں ہیں جن کی تعداد ٢٥ سے زائد ہے ۔ ان کے طلباء و تلامذہ میں آج مشاہیر سندھ میں شامل ہیں ۔ چند فارسی کتب یہ ہیں ۔ اخلاق نامہ امام غزالی ، اعتقاد نامہ امام ربانی ، فوائد دینیہ ، تعلیم قرآن ، معلم القرآت ، فضائل آل و اصحاب وغیرہ ۔ مولانا یوسف عباسی معلم نور محمد ہائی اسکول حیدرآباد نے عربی علم صرف کے بارے میں فارسی میں ایک بہت مفید کتاب موسوم بہ " معلم الصرف" لکھی جو نصابی کتب فارسی میں شامل ہوئی ۔

دین محمد ادیب فارسی کے ممتاز عالم ، نقاد ، انشاء پرداز اور پرگو شاعر تھے ۔ فارسی تصانیف نثر میں منبع الانام ، زاد الادیب اور کلام کا مجموعہ کلیات ادیب تمام اصناف سخن پر حاوی ہے ۔

ڈاکٹر شیخ محمد ابراہیم خلیل سندھی اور اردو کی طرح فارسی کے بھی استاد فن ہیں ۔ ان کا مجموعہ منظومات " گلزار خلیل " کے مطالعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ حمد و نعت منقبت ، مرثیہ قصیدہ غزل نظم غرض کہ ہر صنف پر ان کے افکار عالیہ فکر و فن کا عمدہ مرقع ہیں۔

پیر حسام الدین راشدی ، پیر علی محمد راشدی ، ڈاکٹر نبی بخش خان بلوچ ، مخدوم امیر احمد ، لطف اللہ بدوی ، راشد برہانپوری اور مولانا غلام مصطفیٰ قاسمی سندھ کے نامور محقق ، مصنف ، مورخ اور مولف ہیں ۔ فارسی علوم و ادبیات پر وسیع و گہری نظر رکھتے ہیں ۔ اس زبان میں ان حضرات کا علمی کام فارسی ادب کے فروغ کے سلسلے میں عدیم المثال ہے ۔ ان کی فارسی تصنیفات و تالیفات نہ صرف سندھ بلکہ برصغیر پاک و ہند کے فارسی ادب میں اہمیت کی حامل ہیں ۔

پیر حسام الدین راشدی = مقالات الشعراء تکملہ مقالات الشعراء ، مثنوی چنیسر نامہ ،
مثنوی مظہر الآثار ، مثنویات قانع ، تاریخ مظہر شاہجہانی ، ترخان نامہ ، مکلی نامہ ،
حدیقۃ الاولیاء روضۃ السلاطین ، منشور الوصیت ، ہست نامہ وغیرہ -

ڈاکٹر نبی بخش خان بلوچ = دیوان قانع ، لب تاریخ سندھ ، تاریخ طاہری -
مخدوم امیر احمد = ترجمہ چچ نامہ ، تحفۃ الکرام ، تاریخ طاہری ، تاریخ معصومی -
مولانا غلام مصطفے قاسمی = ملفوظات

سندھی ادبی بورڈ کی خصوصی توجہ سے فارسی کے نادر و نایاب مخطوطات حسب
ذیل مرتبین کی کاوشوں کی بدولت منظر عام پر آچکی ہیں -

دیوان عطا (مرتبہ راشد برہانپوری) ، تحفۃ الطاہرین (آغا بدر عالم درانی)
مثنوی ہیر و رانجھا (حفیظ ہوشیارپوری) ، تاریخ تازہ نوائے معارک (عبدالحئی حبیبی افغانی)
کلیات مائل (محمود احمد عباسی) فتح نامہ (شیر محمد نظامانی) دیوان منشی (لطف اللہ
بدوی) وغیرہ -

عبداللہ جان شاہ آغا سرہندی کی مونس المخلصین اور برگ سبز قابل قدر کتابیں ہیں
اول الذکر فن سوانح نگاری اور آخر الذکر فن طب سے تعلق رکھتی ہے -

اسماعیل جان روشن سرہندی (مصنف دیوان روشن ، انشائے روشن ، نسیم چمن ،
جواہر نفیسہ) محمد اسحاق جان سرہندی (حالات مصنف دیباچہ دیوان روشن) عبدالعزیز
جان سرہندی (فارسی مقالات ، شتر تاریخی عمرکوٹ ، سخنوران زبان فارسی در سندھ ،
حافظ شیراز) ضلع تھرپارکر کے نامور شعراء اور نثر نگار ہیں - ان کے دم سے اس علاقے میں
سندھی شعر و ادب کی فضا قائم ہے -

ہالا بھی شروع سے علم و ادب کا مرکز رہا ہے - یہاں بھی فارسی کے ادباء و شعراء
اپنی فارسی دانی و فارسی گوئی کی شمع روشن کئے ہوئے ہیں - ان میں مخدوم طالب المولیٰ ،
قاضی غلام محمد اور انور ہالائی وغیرہ قابل ذکر ہیں -

انقلاب ۱۹۴۷ء کے بعد ہندوستان سے ارباب علم و ادب نے سندھ میں بھی ہجرت کی
ان میں فارسی کے علماء ، ادباء اور شعراء بھی شامل ہیں - کراچی ، ٹھٹھہ ، حیدرآباد ،
ٹنڈو محمد خان ٹھٹھ ماتلی ہالا سعیدآباد پیر جھنڈو خیرپور سکھر نواب شاہ پہلے ہی علم و

ادب کے مراکز تھے ۔ اب ان مرکزوں کی اہمیت پہلے سے زیادہ ہے ۔ //۱۳

* ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خان ایک عظیم المرتبت استاد ، بلند پایہ محقق اور تاریخ گوئی کے ماہر ہیں ۔ انھوں نے فارسی دان حکمران ، فارسی شعراء و ادباء کے تذکرے ، سوانح خانقاہ مظہریہ ، مکتوبات و ملفوظات امام ربانی کی تصحیح ، تالیف ، ترتیب و تدوین کا تحقیقی کام جس کمال فن اور ماہرانہ و محققانہ انداز سے کیا ہے وہ اپنی مثال آپ ہے ۔

پیر صبغت اللہ شاہ ایرانی کی مادری زبان فارسی ہے ۔ فارسی نظم و نثر پر غیر معمولی قدرت رکھتے ہیں ۔ ان کی فارسی تصانیف اور تمام اصناف سخن پر محیط فارسی کلام فارسی کے اعلیٰ و ارفع معیار کا خاصہ ہے ۔

مبدا و معاد ، معارف لدنیہ ، گلدستہ ، مناجات ، حضرت امام مجدد الف ثانی اور دیگر بزرگان دین کے مخطوطات و مکتوبات کو جس خوش اسلوبی و خوش طبعی کے ساتھ پیش کیا گیا ہے وہ ان کتابوں کے مولف ، مرتب اور مترجم سید زوار حسین شاہ کی فارسی زبان و ادب پر ان کی بے پناہ قدرت و مہارت کی دلیل ہے ۔

رئیس امروہی رئیس جیسے بھی شاہ اکرام حسین سبکری ، پروفیسر منظور حسین شور فارسی کے مشاق اور قادر الکلام سخنور ہیں ۔ ان کے قطعات تاریخ ، قصائد ، مثنویات اور نظمیں شعری ادب کے شاہکار ہیں ۔

الیاس عشقی اور پروفیسر حضور احمد سلیم حیدرآباد (سندھ) کے دو ایسے جلیل القدر فنکار ہیں ، فارسی ادب کا خصوصی مطالعہ اور فارسی شہ پاروں کی تخلیق جن کی زندگی کا مخصوص و محبوب مشغلہ ہے ۔ عشقی نے جدید فارسی غزل کو جس روایت ، جدت ، ندرت اور شگفتگی کے ساتھ زندہ رکھا ہے پورے سندھ میں ان کا کوئی حریف نہیں ۔ اس حقیقت کی تصدیق الیاس عشقی کے تازہ اور پہلا شعری مجموعہ فارسی " شہر آشوب " سے بخوبی ہوتی ہے ۔
پروفیسر حضور احمد سلیم (صدر شعبۂ فارسی جامعہ سندھ) فارسی علوم اور ادبیات کے ہر دلعزیز استاد ہیں ۔ انھوں نے جس لگن اور محنت سے جامعہ میں فارسی زبان و ادب کی خدمت انجام دی ہے وہ لائق تحسین ہے ۔ وہ فارسی کے منفرد شاعر اور صاحب طرز انشاء پرداز ہیں ۔ وہ کئی بار ایران کا دورہ کرچکے ہیں ۔ اہل ایران ان کی فارسی دانی کے معترف اور فارسی گوئی کے مداح ہیں ۔ حضور احمد سلیم نے فارسی میں درسی کتابیں بھی لکھی ہیں اور تحقیقی کتابیں بھی ۔ انھیں فارسی نظم و نثر کے ترجمہ کا بھی خاص ملکہ ہے ۔ کتاب

فارسی اول و دوم ، ارمغان فارسی ، دبستان فارسی اور خزینہ دانش نصاب میں شامل ہیں ۔ آموز گار فارسی اور دوبیتی نامہ بابا طاہر مع اردو منظوم ترجمہ فارسی ادب میں قابل قدر اضافہ ہیں ۔ حضور احمد سلیم کا کمال یہ ہے کہ انھوں نے علامہ اقبال کے کلام کے بعض حصوں کا اردو میں منظوم ترجمہ جس ندرت کے ساتھ کیا ہے اس کے مقابلے میں زیادہ سے زیادہ شہرت رکھنے والے شاعروں کے ترجمے ماند پڑ گئے جن میں فیض احمد فیض کے ترجمہ کلام اقبال کو بطور مثال پیش کیا جاسکتا ہے ۔ ۱۹۷۷ء میں حضور احمد سلیم کا منظوم اردو ترجمہ " انتخاب پیام مشرق " اقبال اکیڈمی لاہور سے شائع ہوچکا ہے ۔

موجودہ صورت حال یہ ہے کہ اسکولوں ، کالجوں اور یونیورسٹیوں میں فارسی اختیاری مضمون کی حیثیت رکھتی ہے ۔ بعض علمی مدرسوں میں فارسی کی تعلیم دی جاتی ہے لیکن سندھ میں اس کا مستقبل تشویشناک ہے ۔ اسلئے کہ ہماری نئی نسل کی طبیعت فارسی کی طرف مائل نہیں ہوتی ان میں فارسی ذوق کا فقدان ہے ۔ بہرحال صورت حال کچھ بھی ہو تاریخی روایتوں اور ثقافتی نقطہ نظر سے فارسی زبان و ادب کا تحفظ اور اس کا فروغ ہمارا اسلامی و قومی فریضہ ہے ۔ اس سے غفلت قومی حقائق سے چشم پوشی کے مترادف ہوگی ۔

اردو زبان اب دنیا کی بڑی زبانوں میں سے ایک ہے ۔ یہ زبان عہد بہ عہد بتدریج مختلف مراحل سے گزر کر بین الاقوامی حیثیت حاصل کرچکی ہے ۔ امریکہ ، برطانیہ ، روس ، چین جاپان ایران ترکی اٹلی اور جرمنی وغیرہ کے کتب خانوں میں اردو کتب و رسائل کے نادر و نایاب مطبوعات و مخطوطات کے بہت بڑے ذخائر موجود ہیں ۔ وہاں کی یونیورسٹیوں میں اردو کے شعبے قائم ہیں ۔ اردو زبان و ادب میں مختلف علوم و فنون سے متعلق علمی و تحقیقی کاموں کا سلسلہ جاری ہے ۔ ان ملکوں میں نہ صرف نصابی سطح پر اردو درس و تدریس کا انتظام ہے بلکہ اردو کی اہم کتابوں اور مضامین کے ترجمے اور غیر ملکی ادبیات کو اردو میں منتقل کرنے کا باقاعدہ اہتمام بھی ہے ۔

متحدہ ہندوستان میں اردو ہندوؤں اور مسلمانوں کی مشترکہ زبان کی حیثیت سے راج کر رہی تھی لیکن ہندو رہنماؤں کی تنگ نظری اور مسلم دشمنی کی بناء پر اردو کو مسلمانوں کی زبان قرار دی گئی ۔ اس کی جگہ ہندی یا ہندوستانی کو دیوناگری رسم الخط میں لکھنے اور پڑھنے کی بزور مہم چلائی گئی ۔ خدا کا شکر ہے کہ پاکستان کے معرض وجود میں آنے کے بعد اردو کو کفرستان سے نجات مل گئی ۔

کسی قوم کی پہچان اور اس کی شان اس کی اپنی زبان اور اپنی تہذیب و ثقافت سے نمایاں ہوتی ہے ۔ تخلیق پاکستان کے فوراً بعد بانی پاکستان اور گورنر جنرل قائد اعظم محمد علی جناح نے اعلان کیا تھا کہ " پاکستان کی قومی زبان صرف اردو ہوگی " (۱) ۔ گزشتہ حکومتوں نے اپنے اپنے طور پر اردو زبان کو قومی زبان کی حیثیت دینے کی کچھ کوششیں کیں لیکن افسر شاہی ذہنیت ہمیشہ قومی مفاد کی راہ میں حائل رہی ۔ جب انگریزوں نے برصغیر پاک و ہند میں قدم جمایا تھا تو فوراً انگریزی زبان رائج کردی تھی ۔ آج آزادی کے ۳۳ سال گزر جانے کے بعد بھی انگریزی زبان پاکستان کے دفتروں ، عدالتوں ، تعلیمی اور کاروباری اداروں میں جوں کی توں موجود ہے ۔ تاریخ اقوام عالم شاہد ہے کہ فاتح قوموں نے جس ملک کو فتح کیا وہاں اپنی قومی زبان کا سکہ جاری کردیا اور مفتوح قوموں کے نام و نشان مٹا دیئے ۔

اس سائنس اور ٹیکنالوجی کے دور حاضر میں دنیا کی ساری قومیں اپنے اپنے ملک اور قوم کی نمائندگی اپنی ملکی و قومی زبانوں میں کرتی ہیں ۔ ایک پاکستان ہے کہ یہاں اردو کو آج تک قومی زبان کا مقام حاصل نہ ہوسکا ۔ اللہ تبارک و تعالی کا بڑا فضل و کرم ہے کہ وہ وقت آگیا ہے ، انشاء اللہ جلد ہی اردو قومی زبان کی حیثیت سے اپنا مقام حاصل کرلیگی ۔ ایک تازہ اطلاع (۲) کے مطابق " حکومت پاکستان نے " مقتدرہ قومی زبان " کے نام سے ایک بااختیار ادارہ قائم کیا ہے جس کا بنیادی مقصد اردو کی قومی حیثیت اور منصب کے پیش نظر حکومت اور سماجی زندگی کے تمام شعبوں میں اس کا نفاذ اور فروغ ہے ۔ اس مقصد کے حصول کے لئے ذیلی کمیٹیاں (۳) بھی بنائی گئی ہیں جس کے ارکان میں ملک کے چوٹی کے ماہرین ، دانشور مورخین ، محققین اور مفکرین شامل ہیں ۔ یہ مقتدر حضرات اردو کو قومی حیثیت دلانے اور قومی زبان کی حیثیت سے عدالتوں دفتروں تعلیمی و کاروباری اداروں میں نافذ کرنے کے سلسلے

---

(۱) تقریر قائد اعظم

(۲) تفصیلی رپورٹ کیلئے دیکھئے اردو نامہ از ڈاکٹر ابواللیث صدیقی ، مطبوعہ روزنامہ نوائے وقت کراچی ، ۱۲ ، ۲۹ مئی ۱۹۸۰ء

(۳) مقتدرہ قومی زبان (جسکے صدر ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی ہیں) کا پہلا اجلاس ۲۰ اکتوبر ۱۹۷۹ء کو منعقد ہوا ۔ ذیلی کمیٹی کے اراکین میں ڈاکٹر ابواللیث صدیقی، ڈاکٹر نبی بخش خان بلوچ ، ڈاکٹر وحید قریشی ، ڈاکٹر سید عبداللہ کے نام شامل ہیں

میں پوری تن دہی اور انہماک سے مصروف عمل ہیں ۔ بڑی مستحسن بات یہ ہے کہ خود سربراہ مملکت اور حکومت پاکستان کے اعلیٰ دانشوروں نے بھی اردو کو نہ صرف ملکی بلکہ بین الاقوامی سطح پر اپنانے (بذریعہ تحریر و تقریر) کی روایت قائم کردی ہے ۔

کراچی حیدرآباد ٹھٹھ ہالہ ، ٹنڈو محمد خان گھوڑ ، میر پور خاص ، خیرپور ، سکھر ، نواب شاہ ، شکار پور اور لاڑکانہ وغیرہ شروع سے نہ صرف سندھی بلکہ اردو زبان و ادب کے بھی مراکز رہے ہیں ۔ ان شہروں اور علاقوں میں ادبی انجمنوں کی ادبی سرگرمیاں اردو کے حق میں مفید ثابت ہوئی ہیں ۔ ادبی نششتوں اور مشاعروں نے شاعروں اور ادیبوں کو ہمیشہ متحرک رکھا ہے ۔

تشکیل پاکستان کے ابتدائی دور میں انجمن ترقی اردو آل پاکستان ایجوکیشنل کانفرنس ترقی اردو بورڈ ، سندھی ادبی بورڈ کراچی ، نیز کراچی کے دیگر سرکاری و غیر سرکاری اشاعتی و طباعتی اداروں کے قیام ، اردو رسائل و اخبارات کے اجرا سے اردو کی نشر و اشاعت وسیع پیمانے پر ہوتی رہی ہے ۔ اردو کتب و جرائد رسائل و اخبارات کے بہت بڑے ذخیرے جمع ہوچکے ہیں اور یہ سلسلہ جاری ہے ۔ اس طرح اردو سندھ کے ہر کوچہ و بازار میں عام ہوگئی ۔ مقامی زبانوں کے میل جول سے اردو کی ہیئت میں تبدیلی بھی آئی ۔ صوتیاتی و لسانی اعتبار سے اردو نے سندھ میں بولی کی حیثیت سے کیا صورت اختیار کی اس کی تفصیل یہاں پیش نہیں کی جاسکتی ۔

زیر نظر مقدمہ کے گزشتہ صفحات سے یہ حقیقت واضح ہوچکی ہوگی کہ حصول آزادی سے قبل ہر مکتبۂ فکر و ہر مدرسۂ خیال کے ارباب علم و کمال سندھ و بیرون سندھ کے اکثر شہروں اور قصبوں میں موجود تھے ۔ انقلاب ١٩٤٧ء کے بعد ہندوستان کے مختلف صوبوں سے منتقل ہونے والے اہل علم و اہل قلم پاکستان کے تمام علاقوں میں پھیل گئے ۔ سندھ کے شہروں اور قصبوں میں سکونت اختیار کرنے والوں کی تعداد بہت بڑی ہے ۔ ان کی آمد و سکونت سندھی اور اردو دونوں زبانوں کے لئے نیک فال ثابت ہوئی ۔ سندھ میں ہجرت کرنے والوں نے محبت اور لگن سے سندھی زبان سیکھی اور اس کے علوم و ادبیات سے آگاہی حاصل کی ۔ سندھ کے قدیم باشندوں نے اپنے بھائیوں کو دلوں میں جگہیں دیں اور آنکھوں میں بسا لیا ۔ نئے پرانے سندھیوں کے میل جول اور اخوت و محبت کے نتیجے میں سندھ میں پاکستانی قومیت اور پاکستانی نظریئے کو تقویت پہنچی ۔ زبان اور ثقافت کو توانائی و شگفتگی ملی ۔ سندھی

اور اردو سگی بہنوں کی طرح رہتی بستی اور پھلتی پھولتی رہیں ۔ نئی بہار آئی تو نئے نئے پھول کھلے ۔ ہر دل ہرا اور ہر روح شگفتہ ہوگئی ۔ آج سندھ کا یہ ریگزار سندھی اور اردو دونوں کے لالہ زار و گل زار کا روح پرور ، دلنواز و دلفریب سماں پیش کرتا ہے ۔

یگانگت و محبت ، اتحاد و یکجہتی ، افہام و تفہیم کے سائے میں علوی وادی مہران میں اردو زبان و ادب نے اس دور میں جس تیزی سے ترقی کی ہے وہ حیرت انگیز ہے ۔ اسلامیات شخصیات ، سائنس و طب ، جغرافیہ ، تاریخ ، تذکرہ ، سوانح ، سیرت ، تحقیق اور تنقید کے ہر شعبہ میں بہت مفید کام ہوتا رہا ہے ۔ البتہ افسانے اور ناول اس عرصے میں بہت کم لکھے گئے ۔ ڈاکٹر احسن فاروقی مرحوم سندھ کے ممتاز ناول نگار تھے ۔ ڈاکٹر حسرت کاسگنجوی نے چند ناول لکھے ہیں لیکن ان کے افسانے زیادہ معیاری ہیں ان کے افسانوں کا مجموعہ " ادھا سورج ادھا سایہ " شائع ہوچکا ہے ۔ حسرت کو سندھ میں جدید فن افسانہ نگاری کا نمائندہ کہا جاسکتا ہے ۔ اردو میں ریڈیائی ڈرامے کافی لکھے گئے ہیں ۔ ٹیلیویژن کے بعض ڈرامے کامیاب ہیں لیکن فن ڈرامہ نگاری جمود کا شکار ہے ۔

جن ارباب نثر [1] نے اپنے تحقیقاتی و تنقیدی مضامین و مقالات ، تصنیفات و تالیفات سے سندھ میں اردو زبان و ادب کو نئی توانائی اور نئی زندگی بخشی ان میں پیر علی محمد راشدی (جنگ اور اخبار جہاں کے صفحات مشرق و مغرب) پیر حسام الدین راشدی (متعدد تاریخی و تحقیقی تصانیف) ڈاکٹر نبی بخش خان بلوچ (سندھ میں اردو شاعری) اے کے بروہی ڈاکٹر شیخ ابراہیم خلیل (تاریخ بیت اللہ ، اقبال کا علم الکلام ، سندھ کی قومی شاعری) [2] پروفیسر محبوب علی چنہ مرحوم (سندھی ادب کے نئے رجحانات) ، کریم بخش خالد (مضامین اظہار) ، ڈاکٹر عبدالمجید سندھی (اردو نامہ میں مطبوعہ مقالات) ، ڈاکٹر نجم الاسلام (داستان ادبیات پشتو) ڈاکٹر سخی احمد ہاشمی (شبلی کا ذہنی ارتقاء) ڈاکٹر احمر رفاعی (جگر ، حالات و افکار) آغا تاج محمد مرحوم (عکس لطیف) ڈاکٹر خان رشید مرحوم (تین مثنویاں) ڈاکٹر احسن فاروقی مرحوم (اردو ناول کی تنقیدی تاریخ ، ادبی تخلیق اور ناول)

---

(١) سندھ میں کراچی اردو کا سب سے بڑا مرکز ہے یہاں ارباب نظم و نثر اردو کافی تعداد میں موجود ہیں ۔ مقدمہ کی طوالت کے خیال سے کراچی کے اہل قلم کا ذکر یہاں نہیں کیا جارہا ہے ۔

(٢) مطبوعہ مجلہ مہرونامہ قومی شاعری نمبر مرتبہ وفا راشدی شائع کردہ سندھ یونیورسٹی ، ١٩٦٦ء ۔

ڈاکٹر شرف الدین (اردو سندھی کے لسانی روابط) رشید احمد لاشاری مرحوم (سچل حیات و کلام ، معلم اردو) اعجاز الحق قدوسی (تاریخ سندھ) شیخ عبدالرزاق راز (فاتح سندھ ، سلطنت دھلی) آفاق صدیقی (عکس لطیف ، ریگزار کے موتی) ڈاکٹر نعیم ھدی ، افسر صدیقی (تالیف مخطوطات انجمن ترقی اردو) اور احقر وفا راشدی (صحت بنگال میں اردو ، سنہرا دیس پیام نو ، گیت و عرفان اور دیگر مقالات و مضامین جو پاک و ھند کے رسائل میں شائع ہوتے رہتے ہیں) کے نام اور کام کا ذکر تاریخ ادب اردو خصوصاً سندھ میں اردو ادب کی تاریخ کی تکمیل کیلئے ناگزیر ھے ۔

اس دور میں سندھ میں جن ارباب نظم نے جدید رجحانات اور نئے عصری تقاضوں کو اپنایا اپنے اچھوتے خیالات اور معنی آفرین فکر وفن سے شعری ادب میں جان ڈالی ان میں اھل دیوان بھی ھیں اور تصانیف منظوم کے خالق بھی ۔ شیخ ابراھیم خلیل (گلزار خلیل) شیخ ایاز (بوئے گل نالۂ دل ، کف گل فروش ، منظوم ترجمہ رسالہ شاہ لطیف) رذی جے پوری الیاس عشقی ، حمایت علی شاعر (آگ میں پھول ، مٹی کا قرض) اشتیاق اظہر (نغمہ و شعور) شیخ عبدالرزاق راز (دھڑکنیں) برگ یوسفی ، صادق دھلوی (وجدان صادق ، رباعیات صادق) افسر صدیقی (شہاب تخیل) وغیرہ وہ شعرائے کرام ھیں جنھوں نے بڑی مہارت اور شوق و ذوق کے ساتھ فن شعر و نکات سخن کی آبیاری کی ، شاعری کی ھر صنف میں نئے تجربے اور نئے انداز کے ساتھ طبع آزمائی کی ۔ آج ان کے افکار رنگا رنگ ، حسن خیال و حسن کلام کی آب و تاب سے وادی مہران کی ادبی و شعری محفلیں ضوفشاں ، شاد اور آباد ھیں ۔

اس مقالے کے پانچویں دور میں جن اھل اللہ اور اھل سلوک کے تذکرے شامل ھیں ان کے حالات اور خدمات کے مطالعہ سے بخوبی اندازہ ھوگا کہ سندھ میں اردو کی ترقی و ترویج اور تبلیغ و اشاعت میں ان حضرات نے غیر معمولی خدمات انجام دی ھیں ۔ ان ارباب نظم و نثر نے تاریخ تحقیق تنقید تذکرہ سوانح سیرت وغیرہ کے تمام شعبوں میں بہت کام کیا ھے ۔ ان میں سے بعض کا شمار نہ صرف سندھ بلکہ برصغیر کے ممتاز اور نامور مورخین ، محققین ، ناقدین اور تذکرہ نگاروں میں ھوتا ھے ۔ مثلاً مخدوم امیر احمد ، ڈاکٹر غلام مصطفٰی خان ، مولانا غلام مصطفٰی قاسمی ، پروفیسر علی نواز جتوئی اور پروفیسر حضور احمد سلیم ۔

ان کے علاوہ شاہ اکرام حسین سیکری ، شاہ بشیر الدین نحفی ، علیم الدین علمی قادری میر بدیع الدین شاہ ، ساقی عبدالرشید ھاشم جان سرھندی ، عبداللہ جان سرھندی ،

محمد یسٰین گڑھی یسٰینی ، پیر صبغت اللہ شاہ ایرانی ، پیر اسحاق جان سرہندی ، مرزا افضل بیگ اور پیر محب اللہ شاہ وغیرہ کے تاریخی و تحقیقی مقالات اور کتابیں سندھ میں اردو ادب میں گرانقدر اضافے کا باعث ہیں ۔

اس دور میں سندھی عربی اور فارسی کتابوں کے اردو میں ترجمے کئے گئے ۔ اسطرح ان زبانوں کا لسانی و ثقافتی رشتہ ایک دوسرے کے ساتھ مزید مربوط و مضبوط ہوکر گلشن ادب اردو میں نیا رنگ آیا اور رنگا رنگ پھول کھلے ۔

عبداللہ جان سرہندی نے عربی کی چہل حدیث ، پیر صبغت اللہ شاہ نے کتاب الحکم ، ہاشم جان سرہندی نے طریق النجات ، العقائد الصحیحہ کو اردو میں پیش کیا ۔

سید زوار حسین شاہ ، ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خان اور مولانا غلام مصطفیٰ قاسمی نے عربی اور فارسی کی متعدد کتابوں کے ترجمے کئے اور تفسیریں لکھی ہیں جن کی تفصیلات ان کے تذکروں میں دیکھی جاسکتی ہیں ۔

مولانا دین محمد ادیب اور طالب المولیٰ نے متعدد نظم و نثر کی سندھی و فارسی تخلیقات و نگارشات کو زیور اردو سے آراستہ کیا ہے ۔ مخدوم امیر احمد نے سندھی رسالہ شاہ لطیف کو اردو نثر کا روپ دیکر سب سے پہلے اردو دنیا سے روشناس کرایا ۔

منظومات کا منظوم اردو ترجمہ کار کمال ہے ۔ ایسے باکمال مترجمین میں پہلا نام قاضی علی اکبر درازی کا آتا ہے جنھوں نے سچل سرمست کی فارسی مثنویوں و صلت نامہ وغیرہ کو بدرجہ کمال اردو میں منتقل کردیا ہے ۔ پروفیسر حضور احمد سلیم کا کمال یہ ہے کہ انھوں نے نہ صرف ایران کے مشہور شاعر بابا طاہر کے دوبیتی نامہ کو اردو کا جامہ دیکر اہل پاکستان سے روشناس کرایا بلکہ علامہ اقبال کے منتخب فارسی کلام کو اردو نظموں کا رنگ و آہنگ دیکر نئے سج دھج سے پیش کیا ۔

زیر نظر مقالے کے " دور پنج " کی محفل میں ایسے شعرائے کرام بھی شریک ہیں جن کی نظم نگاری اور جادو بیانی نے اردو شاعری کی دنیا کو نئے حسن اور نئے افق سے خوبصورت بنادیا ہے ۔ مولانا دین محمد ادیب ، صبغت اللہ شاہ ایرانی ، سید زوار حسین شاہ ، شاہ اکرام سیکری ، عبدالشکور نظامی ، غلام رسول قادری ، علی قادری وہ اہل دیوان اساتذہ فن اور اہل کمال سخنور ہیں جن کے تذکروں کے بغیر تذکرہ شعرائے اردو مکمل نہیں ہوسکتا ۔

یہ سب نکتہ دان و نکتہ رس ارباب فکر و فن اللہ کے خدائی اور رسول کے شیدائی ہیں اسلئے ان کا کلام بھی انہیں معبود و مقدس ہستیوں کیلئے وقف ہے ۔ ان اللہ والوں نے نعتیہ شاعری کو دوسری اصناف کی نسبت زیادہ اہمیت دی انہوں نے حضور اکرم ؐ کے حضور میں والہانہ عقیدت اور مستانہ جذبہ وارفتگی کے ساتھ نذرانہ عقیدت پیش کیا ۔ ان کی صوفیانہ زندگی اور فکر و دانش نے ہر طرف اجالا کردیا ہے ۔ اگر ان اہل اللہ کی نعت گوئی کا تجزیہ کیا جائے تو ایک علیحدہ مضمون درکار ہوگا ۔ اللہ نے توفیق دی تو کسی اور موقع پر یہ سعادت حاصل کروں گا ۔

اس محفل میں شریک شعرائے کرام نے اپنے خیالات و احساسات سے تنگنائی غزل کو وسعت و رفعت بخشی ہے ۔ گرچہ اکثر اہل سخن کا انداز تغزل روایتی ہے جن غزل گو سخنوروں نے قدیم طرز سخن کو اپنایا اور روایت کو برقرار رکھتے ہوئے جدید اسلوب فن کی نشو و نما کی ہے ان میں دین محمد ادیب ، زوار شاہ اور سلیم جان سرہندی کے نام اہم ہیں ۔ حضور احمد سلیم کا طرز سخن اور اسلوب فن سب سے الگ سب سے جدا ہے ۔ سلیم بلاشبہ جدید غزل کے نمائندہ فنکار ہیں ۔ مقدمہ طویل ہوچکا ہے اسلئے انتخاب کلام پیش نہیں کیا جارہا ہے

اوپر کی سطروں سے کسی حد تک اندازہ ہوگیا ہوگا کہ سندھ کے اولیائے کرام نے شروع سے آج تک ہر دور میں حقیقت و معرفت ، علم و عرفان اور شعر و ادب کا چراغ روشن کیا ہے ، چراغوں سے چراغ جلتے رہے ، نگاہیں روشن اور دل منور ہوتے رہے ہیں ۔ اللہ کے ان نیک اور برگزیدہ بندوں نے بلا امتیاز نسل و مقام سندھی ، عربی ، فارسی اور اردو زبان و ادب کی ترقی و ترویج اور تبلیغ و اشاعت میں نہایت اخلاص و ایثار کے ساتھ حصہ لیا ہے ۔ سرزمین سندھ میں یہ چاروں زبانیں اپنی بہنوں کی طرح مل جل کر رہتی آئی ہیں ۔ یہ زبانیں بتدریج ایک دوسرے پر اثر انداز ہوئیں ۔ سندھی اور اردو نے عربی و فارسی کے علاوہ ایک دوسرے کے اثرات قبول کئے ۔ سندھی اور اردو کے الفاظ محاورات ، استعارات و خیالات میں غیر معمولی اضافہ ہوا جس کے خوشگوار نتائج یہ برآمد ہوئے کہ جہاں سندھی زبان اور اسکے ادب نے بے پناہ ترقی کی وہاں اردو زبان اور اس کے ادب کو بھی خوب سنورنے اور نکھرنے کے مواقع فراہم ہوئے ۔ سندھ میں اردو زبان کی اہمیت و افادیت سے انکار نہیں کیا جاسکتا ۔ یہ اردو زبان اب ترقی یافتہ زبان کی حیثیت رکھتی ہے ۔ اردو نظم و نثر کی تمام اصناف اور علوم و فنون کے تمام موضوعات پر مشتمل تخلیقات و نگارشات سے مالا مال ہے ۔ بلاشبہ اردو کو یہ مقام اور یہ مرتبہ عطا کرنے میں سب سے زیادہ حصہ اولیائے سندھ کا ہے ۔

مقدمہ ——— ختم

دوسرا حصہ

پہلا دور ۱۱۳۲ — ۱۱۹۶ ھ
۱۷۱۹ — ۱۷۸۲ ء

عہد کلہوڑا

ملا عبدالحکیم عطا ٹھٹھوی

میر حیدر الدین کامل

شاہ عبداللطیف بھٹائی

میر اسداللہ ساقی

میر حفیظ الدین علی

روحل فقیر

ملا عبدالحکیم عطا ٹھٹھوی

(۱۰۳۰ - ۱۱۳۰ ھ)

ملا عبدالحکیم عطا ٹھٹھوی فارسی اور اردو کے یگانۂ روزگار شاعر اور سلسلہ قادریہ کے صوفی مشرب بزرگ تھے ۔ ٹھٹھ کے ایک ممتاز علمی و ادبی خاندان سے تعلق رکھتے تھے ۔ ان کے والد اور برادر معظم اپنے وقت کے جید عالم اور مقتدر شاعر تھے (۱) ۔

عطا عہد شاہ جہانی میں ۱۰۳۰ ھ میں پیدا ہوئے اور دور عالمگیری کے بعد عہد کلہوڑہ میں ۱۱۳۰ ھ میں وفات پائی ۔ ٹھٹھہ ان کا آبائی وطن ، مولد ، مسکن اور مدفن تھا ۔ عطا عربی ، فارسی اور ھندی کی تعلیم کی تکمیل کے بعد بیس سال کے سن یعنی ۱۰۶۰ ھ میں شعر و شاعری کی طرف مائل ہوئے ۔ شعر و سخن کا ذوق ورثے میں ملا تھا لیکن ذوق کی تہذیب اور شاہانہ مذاق کی جلا نواب ظفر خان احسن (۲) کے زیر سرپرستی ہوئی ۔ میر علی شیر قانع لکھتے ھیں " عبدالحکیم عطا می را او تربیت کردہ نمود شاعری داد " (۳) ۔

عبدالحکیم عطا وہ خوش نصیب شاعر تھے جنھوں نے سو سال عمر پائی ۔ صرف ان کی شاعری کی عمر اسی برس تھی اس لحاظ سے وہ ایک تاریخ ایک عہد تھے ۔ انھوں نے شاھجہان سے محمد شاہ تک کے چھ سلاطین (۴) کے دور دیکھے ۔

اسطرح عطا کے افکار و آثار تقریباً ایک صدی کی طویل مدت پر محیط ھیں ۔ وفات عالمگیر ۱۱۱۸ ھ (۱۷۰۷ ء) سے ۱۱۳۱ ھ تک کا زمانہ بہت ھی بدنظمی ، بدحالی اور بدامنی کا زمانہ تھا ۔ ٹھٹھ میں بھی بدعنوانی ، سماجی خلفشار ، اشراف گردی کا دور دورہ تھا ۔ عوام قحط و وبا کے شکار بھی رھے ۔ مغلیہ دور کے ان انقلابی و زوال پذیر حالات کی تصویریں عطا نے اپنے اشعار و افکار کے کینوس پر نہایت مصوری و فنکاری کے ساتھ پیش کی ھیں ۔

---

(۱) مقدمہ دیوان عطا ، ص ۲

(۲) نواب ظفر خان شہنشاہ ھند شاھجہان کی جانب سے ۱۰۶۳ھ سے ۱۰۶۷ھ تک ٹھٹھ کے گورنر رھے ۔ سخن فہم بھی تھے سخن سنج بھی ۔ احسن تخلص کرتے تھے ۔ علم دوست اور ادب نواز حاکم تھے ۔ ارباب علم و فکر کی بہت قدر کرتے تھے ۔

(۳) مقالات الشعراء بحوالہ مقدمہ دیوان عطا ، ص ۳

(۴) تاریخ سندھ ۔ اعجاز الحق قدوسی

ان کی ایک فارسی نظم " شہر آشوب " ان تمام کوائف کی بھرپور عکاسی کرتی ہے ۔ شہر آشوب [۱] کے ابتدائی دو اشعار یہ ہیں :

بشنو کہ بیان میکنم احوال وطن را	یعنی کہ بتفتہ بود این کیف و کماہی
کولی و کباهی شده شیطان زمانہ	دجال جہان ہمچو کسالی شده کاہی

ماحول و معاشرے کی تباہ حالی ، عوام کے حقوق کی پامالی ، جبروتشدد ، فتنہ و فساد اور اہل وطن کی کلفتوں ، صعوبتوں کا حال انہوں نے اپنی ایک اردو نظم میں بیان کیا ہے ۔ ان کا خطاب صرف ٹھٹھ یا سندھ کے ساکنوں سے نہیں بلکہ ہندوستان کے تمام مسلمانوں سے ہے ۔ اس سے ظاہر ہے یہ ناگفتہ بہ حالات وادی سندھ تک محدود نہ تھے بلکہ پورا ملک انتشار و خلفشار میں مبتلا تھا ۔

اے مسلمانان وطن بیداد ہے	کے جور ہے کہ بیداد ہے ، فریاد ہے
آشنا بیگانہ ، یار اغیار گشت	خود حقوق ما ہمہ برباد ہے
تنگ دستو طمع گنج و بخت لنگ	پا کج و سر درد ، دل ناشاد ہے
... تھ و طمع کند و وقت بند	(تا) شده زین تنگنا نکشاد ہے
دہر چنگیز و ہلاکو دہر بان	بعض ہے دم دشمنان فساد ہے
جز سکوت و شکر جائے شکوہ نیست	کار بے اصلاح پر افساد ہے

عطا کی شاعری کا سب سے اہم پہلو یہ ہے کہ انہوں نے اپنے زمانے کے معاشرتی تمدنی ، سماجی حالات کے ساتھ ساتھ تاریخی ، سیاسی و مذہبی واقعات کو اشعار کے قالب میں محفوظ کردیا ہے ۔ ان کی شاعری صحیح معنوں میں تاریخ کے ایک عہد ، ایک دور کی ترجمانی کرتی ہے ۔

جھوک شریف (میران پور) کے شہرہ آفاق ولی اللہ حضرت صوفی شاہ عنایت اللہ [۲] کی گرفتاری اور شہادت (۱۱۳۱ ھ) تاریخ سندھ کا ایک اندوہناک واقعہ ہے ۔ عطا نے حسب ذیل اشعار اسی واقعہ سے متاثر ہوکر کہے ہیں ۔

---

(۱) پوری نظم کیلئے ملاحظہ ہو دیوان عطا مرتبہ راشد برہانپوری ۔

(۲) جنگ جھوک اور شاہ عنایت کی شہادت کے لئے ملاحظہ ہو تاریخ سندھ حصہ ششم ، جلد اول ص ۲۸۵ مرتبہ غلام رسول مہر ۔

عطا اس بھوک سون ہم نوک رھتا	زخوردن ساگ لولی سوک رھتا
مری جان دیکھا پھر دکھ دہ دینا	کہ محتاج توکی مفلوک رھتـــا
دو کلجگ از دعا گویان مقابـــل	داد پایا مراد چوک رھتا
زبسا افراط اقطار فقیـــــران	کبھون اخبا بہ آدھی بھوک رھتا
ترا پیوستہ بوجھنا ھمنا کھلانا	نظر بر مور کی سلـوک رھتـــا
چگونہ سعد بہتا باز سکھ ھوین	عطا دی گرمیان جھوک رھتا
ترا عمر خضر فیاض فـــازی	عطا درد اجان سلوک رھتـــا

عطا کی شاعری کا ایک حصہ ان کے ذاتی تاثرات و احساسات کا آئینہ دار ہے - ۱۱۱۸ ھ سے ۱۱۲۹ ھ تک کا زمانہ عطا کی بیکس و صرت کا زمانہ تھا - اس کی عکاسی بھی ان کے اشعار مین ملتی ھے - مثلاً

غبار فقیر مرا روپ رو برنگ بھبوت	چہ کلجگ است کہ از بھوک جوگیان ماریت
بہ سفید سوختہ پھر دیکھنا نہ دکھ دینا	زدل شکستہ نہ پینا لہو سج ای میت

بہ اھل ترس نہ سینا (میان بنایداست)

کہ داب مردم دانا باھل درد پریت

ھر بیت این غـزل را دارم چو داغ سفیـد	تاریخ این غـزل شـد داغ دل عطائی ۱۱۲۹ ھ
داغ دل عطائی ، تاریـخ حـال تســت ۱۱۲۹ ھ	از خار خار سینہ خراشیدہ بودہ ای

" داغ دل عطائی " سے ۱۱۲۹ ھ کا سال نکلتا ھے - عطا کے شاعرانہ مرتبہ کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ھے کہ ٹھٹھہ کے گورنر نواب ظفر خان احسن ان کے خاص قدر دان تھے علمی و ادبی مجالس مین عطا کو ممتاز حیثیت حاصل تھی - میر قانع کے ایک بیان سے بھی پتہ چلتا ھے کہ کلام عطا عوام و خواص مین یکسان مقبول تھا - ان کے مناقب کابل اور پشاور تک میلاد کی محفلون مین پڑھے جاتے تھے - میر قانع کہتے ھین

" لک بیت باختتام رسانیدہ، مقبول الکلام مابین خاص و عام بودہ ، زبانی شیخ محمد زاھد شنیدم کہ در کابل و اطرافھا ی پشاور مناقب او را در مولود ھا میخوانند " (۱)

---

(۱) مقالات الشعراء ، ص ۳۳۲

عطا ٹھٹھوی کو اپنی سخن سنجی پر ناز تھا ۔ مقبولیت کے باوصف ان کو زمانہ سے ان کے فن کی ناقدری کا گلہ رہا ۔ شکوہ سنجی کا یہ تاثر ان کے فارسی و اردو دونوں کلام میں موجود ہے ۔ اپنے دیوان کے بارے میں کہتے ہیں

نسخہ ابیات دیوانم گزشت از سی ہزار
لیکن این قدر گہر را نیست اکنون جوہری

عطا کے اس شعر سے ظاہر ہے کہ ان کے اشعار کی تعداد تیس ہزار سے زیادہ تھی ۔ ان کے اس دعوی کی تائید صاحب مقالات الشعرا نے ان الفاظ میں کی ہے ۔

" دیوانش هزاز سی هزار بیت تجاوز است " (۱)

سید محمد مطیع اللہ راشد برہانپوری نے بڑی محنت ، مطالعہ و تحقیق سے دیوان عطا مرتب کیا ہے ۔ اسے سندھی ادبی بورڈ حیدرآباد نے شائع کیا ہے ۔ عطا کے فارسی کلام کا ایک ضخیم قلمی نسخہ اس دیوان میں مدغم ہے ۔ دیوان عطا میں ۱۲۱ اشعار کا ایک ساقی نامہ ، کسے علاوہ کچھ ترجیع بند ، مخمس ایک سو رباعیاں اور تقریباً دو سو غزلیات ہیں ۔ بقول راشد برہانپوری عطا کے اس مخطوطے کے مختلف صفحات حواشی و بین السطور میں خود ان کے ہاتھ کے لکھے ہوئے اردو اشعار شامل ہیں اور یہ سب اردو کلام بقول مرتب ۱۱۰۰ ھ تک کا ہے (۲) ۔ فاضل مرتب نے ان تمام اردو کلام کو زیر نظر دیوان کے صفحات ۱۳۲ تا ۱۳۷ اور ۲۵۹ تا ۲۶۱ میں محفوظ کردیا ہے ۔

" میر علی شیر قانع تحفۃ الکرام میں رقمطراز ہیں ۔ " ملا عبدالحکیم عطا جامع اخلاق حسنہ کامل تورع و تقوی بودہ ، سی سال کامل بقیام لیل و صیام نہار بیک وضو بعد نماز عشا تادم صبح در انشاء نعت نبوی و منقبت مرتضوی و ائمہ کرام علیہم السلام بسر بودہ لک بیت باختتام رسانید ، چند دیوان و چند مثنوی سوای آں دارد و کلامش بطرز قدما سلیس و فصیح واقع ، عمر طبیعی یافتہ ، معتقد خاص و عام زیستہ ، لباس سبز و شاعری در اولادش مخلف ماندہ " (۳)

---

(۱) مقالات الشعراء ، ص ۳۳۲
(۲) مقدمہ دیوان عطا ، ص ۱۲۱ ، ۱۳۲ تا ۱۳۷
(۳) تحفۃ الکرام ، جلد سوم ، ص ۳۳۳

میر قانع کی اس عبارت سے ثابت ہے کہ عطا نہایت روشن خیال ، وسیع المشرب ، با شرم ، پاکباز اور عبادت گزار انسان تھے ۔ میر قانع کی مندرجہ بالا سطور سے عطا کے اخلاق و عادات کے علاوہ انکی شخصیت و عظمت اور ذوق شعر و سخن پر بھی روشنی پڑتی ہے عطا کے دینی عقائد ، مذہبی رجحانات ، صوفیانہ خیالات اور فقیرانہ صفات کا عکس ان کے اشعار میں بھی ملتا ہے ۔

عطا فقیر مسلمان .... پناہ پتر اتیتسان برہم کی پرتیت
.... بدبد گوان کسی وضع گدائی مرا نہ رسم نہ ریت
در این خرابہ جیون کھیتی است برین اکھاڑہ تیون کھیلنا نہ ہارنہ جیت
فقیر پیر عطا اہل وصل دانشمند چوبہاٹ بھگتہ .... کبت ....

عطا کے کلام میں سندھی معاشرے کے لوازمات (عوامل) ، مقامی و عوامی اصطلاحات و محاورات کی کمی نہیں انھوں نے فارسی اور اردو کے طرز سخن کو بہت قریب کردیا ہے ۔ فارسی غزل کی طرح اردو غزل میں بھی حسن و عشق کا تاثر کو پیش کیا ہے ۔ دلی جذبات و احساسات کی ترجمانی انھیں خوب آتی ہے ۔

عطا فسطا کہاں خاموش رہتا سخن گزاز زبان پر گوش رہتا
ازین کلجگ گزرتا .... کہ اس دکھ سوں ... کوش رہتا
ز سوز سینہ حرم .... اگر از گرمئی دل جوش رہتا
چو مجنون نو فسون زار اینجا کہ بے پرواز خود بے ہوش رہتا
زخود خون جگر پیتا و جیتا بہ درد و داغ ہم آغوش رہتا
مسافر را همین آب و غذا خوش کز اشک و آہ دوشا دوش رہتا
چوگل رنگ خیا بدی پر زیند چو نیلوفر کہ نیلی پوش رہتا
بھر دم آدمی بے چارہ بے تاب ہمیشہ خوطہ نوشا نوش رہتا

عطا نے اپنے زمانہ کے لحاظ سے قدیم رنگ اور قدیم انداز سخن کو اپنایا ہے ۔ یہی وجہ ہے کہ اردو ہندی فارسی آمیزش ، الفاظ و تراکیب کا استعمال ان کے ہاں کثرت سے ہوا ہے ۔ قافیہ پیمائی کے لئے ایسے الفاظ جواب نہ صرف متروک ہیں بلکہ وجدان کو کھٹکتے ہیں ۔ انھوں نے ابہام سے گریز نہیں کیا ۔ اس غزل کے قوافی پر نظر ڈالئے تو معلوم ہوگا کہ شعر کہنے کے

لئے ایسے قافیوں کا استعمال ضروری تھا ۔

حیف است اے عطا	لا چار لادنا ولت پت لپٹندا
هشیار کھیلتا دکھ اپنا نہ سوجھتا	سب چھوڑنا نہ مال پرایا سمیٹتا
جوے سدھار جاگ کیا شہد بابلسی	صدچارھا زمانہ کبھی داو جیتتا
......ؤ جھولنا نہ لڑھن گیا ابھی	....اتیت کلجگ و پردیس جیتتا
...... کیا کہ گیا کھیت کا دسمسے	... تھلے.... کھلیان دیکھتا
... دن گیا کہ پوت کلا تور پھٹ پڑی	....چوٹا نت سری باپ کھیچتا
کھتا کہ آگا پیچھا بگار هسے	....پھرے کہ دنیا لینا نہ پوچھتا
...... ملھارے پر گھٹ پسڑا رہا	....دل نہ مانگے رہتا و چھوٹتا
...... بھولیا کہ ابھی رات ہے نہ دن	....حوالیانہ کا نہ سپنا نہ آکھتا
...... غزل کہتا بات چیت سن	..... پیا کچھ اپنا حال دیکھتا

عطا ٹھٹھوی کا زمانہ وہ زمانہ تھا جب جنوبی هند اردو شاعری کا مرکز تھا ۔ عطا کے اردو کلام سے ثابت ہے کہ سندھ میں عموماً اور ٹھٹھہ میں خصوصاً اردو زبان اور اردو شعر گوئی کا آغاز ہوچکا تھا ۔ اس اعتبار سے عطا اردو شاعری کے دور اول کے شاعر تھے ۔ ولی ، آبرو، مضمون ، تاجی مظہر جان جاناں ، حاتم وغیرہ جیسے شعرائے کرام عطا کے معاصرین میں سے تھے ۔

عطا نہایت مشاق اور قادر الکلام سخن سنج تھے ان کا ذوق شعری ، شعرائے متقدمین کے مذاق سے ہم آہنگ تھا ۔ بقول میر قانع

" شعرش مذاق متقدین دارد " (۱)

عطا کی زبان اور فکر و فن کا انداز وهی ہے جو اس زمانے میں دکنی و جنوبی هند کے شعراء کا طرۂ امتیاز تھا ۔ عطا نے اردو میں سیاسی نظمیں بھی کہی ہیں ۔ قطعات بھی ، غزلیات بھی ۔ اردو میں ان اصناف سخن پر سندھ میں سب سے پہلے جس شاعر نے طبع آزمائی کی وہ عطا ٹھٹھوی ہیں ۔ ملا عبدالحکیم عطا ٹھٹھوی کو " سندھ میں اردو کا پہلا شاعر " کہا جاسکتا ہے ۔

---

(۱) مقالات الشعراء ، ص

میر حیدر الدین کامل

(۱۱۰۰ - ۱۱۶۳ھ)

نام حیدرالدین ، کنیت ابو تراب ، تخلص کامل ۔ ٹھٹھہ کے مشہور خانوادہ امیر خانی سادات کے چشم و چراغ تھے ۔ یہ خاندان علم و فضل ، کشف و کرامات اور خدمات و کمالات کی بناء پر معزز و معتبر تھا ۔ ان کا سلسلہ نسب (۱) یہ ہے

" میر حیدرالدین ابو تراب کامل بن میر رضی الدین خان فدائی (۲) بن میر ابوالکلام شہید (۳) بن میر ابوالبقا امیر خان (۴) بن میر ابوالقاسم نمکین (۵) بن ملا میر سبزواری (۶) " ۔

میر کامل کی تاریخ ولادت ان کے تلمیذ ارشد اور ہمعصر مورخ و تذکرہ نگار میر علی شیر قانع نے اپنے تذکروں میں کہیں نہیں لکھی ۔ کسی اور تذکرے سے بھی پتہ نہیں چلتا ۔ پروفیسر میمن عبدالمجید سندھی نے اپنے ایک مقالہ (مطبوعہ اردو نامہ کراچی شمارہ ۱۵) میں میر کامل کی تاریخ پیدائش کے بارے میں قیاس آرائی کی ہے کہ

" ان کی پیدائش کا غالباً دسویں صدی کے آخر یا گیارھویں صدی کے بالکل شروع میں ہوئی " ۔ ڈاکٹر نبی بخش بلوچ نے " سندھ میں اردو شاعری " (ص ۵) میں تاریخ ولادت ۱۱۰۰ ھ (اس ؟ کے ساتھ) لکھی ہے ۔ راقم نے یہاں اسی سال ولادت کو مصدقہ جانا ہے ۔

کامل مجموعہ کمالات و جامع الصفات درویش تھے ۔ ان کی ساری زندگی فقر و قناعت ، صبر و شکر خود داری و بے نیازی اور عزلت پسندی میں گزری ۔ ان کے آباواجداد اعلی عہدوں پر فائز رہے لیکن انھوں نے عسرت و مسکینی کے باوجود کبھی سرکاری عہدہ قبول نہیں کیا ۔ حاکم ٹھٹھہ نواب مہابت خان کاظم (۷) اور دوسرے اہل ثروت نے ان کی خدمت میں وظیفے اور نذرانے پیش کرنے کی کوشش کی لیکن ناکام رہے ۔

میر کامل ہمہ وقت حال و قال ، ذکر خدا و ذکر رسول میں مستغرق رہتے ۔ ان کی بابرکات محفل میں اکثر ارباب علم و فکر اور اہل شعر و ادب جمع ہوتے اور ان کے سرچشمہ علم و عرفان ، کشف و کرامات سے مستفیض ہوتے ۔

صاحب مقالات الشعراء نے کامل کے حسن اخلاق اور اوصاف حسنہ کی صراحت ان الفاظ میں کی ھے:

" جناب کامل الناسیر بےنظیر سراپا کمال و مرجع ارباب کمال بودہ ، فقر اختیاری برگزیدہ ، حصور و مجرد می زیستند باوجود آنکہ معیشت شان بعسرت کلی بود و اکثر ارباب دول مثل نواب مہابت خان کاظم وغیرہ حکام بسماجت ھا وظیفہ و نیازعرض می کردند ، از هیچ کدام قبول نہ فرمودہ ، هم راہ عزلت گزین و گوشہ گیر ازابنای زمانہ می بودند و چرکہ از اهل دول وغیرہ بخدمت هر کہ شان فائز می شد ، بے بہرہ نمی ماند ، صحبتش غیر قال حال و قال اللہ وقال الرسول نبود ، اوقات بابرکات در تحزن دائمی و استغراق بسر می رفت ، خوارق از ایشان بسیار سرزدہ است " (۸) ۔

کامل زندگی بھر مجرد رھے لیکن ان کی معنوی و روحانی اولاد کی تعداد کافی تھی ۔ ان کے تلامذہ میں محمد پناہ رجا (۹) (متوفی ۱۱۹۷ ھ) میر ابوالبقا بھرور علی سبزواری ٹھٹھوی (۱۰) اور میر علی شیر قانع (۱۱) جیسے فارسی کے بلند پایہ مورخ ، شعراؑ و ادباء کے نام شامل ھیں ۔ میر قانع کامل کے یگانہ عصر شاگرد تھے ۔ قانع نے اپنے استاد سے مستفیض اور صحبت یافتہ ھونے کا اعتراف کیا ھے:

" فقیر چند می فیض صحبتش دریافتہ " (۱۲)

قانع نے مقالات الشعراء کے علاوہ تحفۃ الکرام میں بھی اپنے استاد کی فیض و صحبت کا ذکر نہایت عقیدت و ارادت سے کیا ھے ۔ وہ رقمطراز ھیں

" استاد محقق مجرد زیستہ ، در کمالات ، آنجناب کتابہا باید ، بسا اهل دل صحبتش سرمایہ فیوضات ظاهری و باطنی می دانستہ ، اغلب بزرگان بہ قوم ارادتہ بے سلوک داشتند ، هرگز رجوع بہ دنیا نفر مودہ و بعمل فنطوقہ ، کن فی الدنیا کانک غریب اوعا بری سبیل ، زیستہ " (۱۳)

میر کامل ، قانع پربیحد شفقت فرماتے تھے ۔ میر قانع بھی اپنے استاد کا بہت احترام کرتے تھے ۔ مقالات الشعراء (ص ۲۱۴، ۲۵۲، ۲۵۳) کے حوالے سے تحفۃ الکرام (اردو) کے پیش لفظ (ص ۲۶ ، ۲۷) میں تحریر ہے

" ۱۱۵۵ ھ میں میر حیدرالدین کامل جیسے استاد کامل سے ان کی (میر قانع کی) ملاقات ہوئی اور انھیں بزرگ کی صحبت کے اثر سے ان کے چھوٹے ہوئے شوق اور بجھتے ہوئے ذوق میں پھر جولانی آگئی ان کی شاگردی اختیار کرکے نئے سرے سے انھوں نے مشق سخن شروع کردی ۔ میر کامل نے ان کا تخلص مظہری رکھا جس سے ان کی تجدید شاعری کا سال ۱۱۵۵ ھ برآمد ہوتا ہے بعد میں قانع تخلص اختیار کیا " ۔

کامل نے ۱۱۶۴ ھ میں دنیائے فانی سے کوچ کیا ۔ قانع نے تاریخ وفات نکالی ۔

" ان للمتقین جنت " (مقالات الشعراء ، ص ۶۷۰)
۱۱۶۴ ھ

میر حیدرالدین کامل ایک جید عالم یکتائے روزگار سخن سنج اور بلند پایۂ انشاء پرداز تھے ۔ سندھی ، فارسی ، اردو میں شعر کہتے تھے ۔ تینوں زبانوں میں علیحدہ علیحدہ دیوان مرتب کئے (۱۴) دس دیوان تدوین کی غرض اپنے شاگرد رشید محمد پناہ (۱۵) رجا کے سپرد کئے اب ان نسخوں کا کوئی پتہ نہیں چلتا ۔ مقالات الشعراء اور دوسری بیاضوں میں ان کے کچھ فارسی اوراردو اشعار ملتے ہیں ۔

کامل کو سندھی اشعار کہنے کا شوق تھا گرچہ سندھی زبان پر پوری طرح قادر نہ تھے بقول صاحب مقالات

" زبان سندھی نہ دانستند و دران شعر می فرمودند " (۱۶)

انھوں نے سندھی میں جو کچھ کہا وہ تلف ہوچکا ہے ۔ فارسی شاعری میں ان کا مقام بہت بلند تھا ۔ میر قانع کے الفاظ میں " شعر فارسی هم اقلب برعنوان ایہام سرزد طبیعت گرامی می شد " (۱۷)

کامل اردو کے بھی مسلم الثبوت استاد تھے ۔ ان کا زمانہ وہ زمانہ تھا جب آفتاب مغلیہ زوال کے بادل میں رو پوش ہوگیا ۔ اور سندھ میں کلہوڑوں کی قسمت کا ستارہ چمکا ۔ عہد

مغلیہ میں ھند سے سندھ میں جو حکام اور صوبہ دار وغیرہ آتے تھے ان میں بعض شعراء بھی ہوتے تھے ۔ یہ وہ زمانہ تھا جب ٹھٹھہ علم و ثقافت اور شعر و ادب کے مرکزوں میں سے تھا ۔ ھندوستان کے مختلف گوشوں سے اردو کے شعراء (۱۸) بھی ٹھٹھہ میں آئے ۔ بہت سوں نے وھیں سکونت اختیار کرلی ۔ ان حضرات کی آمد و سکونت کے باعث سندھ کی فضا عموماً اور ٹھٹھہ کی فضا خصوصاً شاعرانہ تھی ۔ یہ دور اردو شاعری کا پہلا دور تھا ۔ ولی دکنی ، ھاشمی بیجاپوری ، ناجی ، مظہر جان جانان ، حاتم ، آبرو وغیرہ کی شاعری کا چرچا ھر چار طرف تھا ۔

اس عہد میں میر کامل کی شہرت ٹھٹھہ اور سندھ کے حدود سے نکل کر دلی اور لکھنو تک پہنچ چکی تھی ۔ کامل کا اردو کلام متنوع موضوعات اور رنگا رنگ خیالات کا دلکش مرقع ھے ۔ صنعت ایہام بہت مشکل فن ھے لیکن ان کا یہ فن نکتہ عروج پر نظر آتا ھے ۔ میر قانع کہتے ھیں

" هر چند اشعار هندی ایشا می عالمگیر است ، اما فقیر آنچه یاد دارد می نویسد (۱۹) ۔ در ایہام هندی بے مثل و دوهرہ و کبت نکات غریب و صفات عجیب و سایر اقسام از ایشان بسیار بنیادنهاست " (۲۰) ۔

کلام کامل کے مطالعہ سے پیر حسام الدین راشدی کی اس رائے گرامی کی بھی تصدیق ھوتی ھے

" کامل کا ایہامی شعر اس دور کے ھندوستانی ایہام گو شعراء سے کسی بھی صورت میں کم نہیں ھے " (۲۱) ۔

اب یہ شعر دیکھئے ۔ صنعت ایہام کی کتنی خوبصورت مثال ھے

یار جانا کی بات جانے میں
یہ نہ جانے تو پھر جانا کیا

(جانا = پہلے مصرع میں جانا بمعنی محبوب اور دوسرے مصرع میں جانا مصدر ھے
جانے = پہلے مصرع میں جانے فعل ھے جانا مصدر کا دوسرے مصرع میں جانے فعل ھے
جاننا مصدر کا ۔)

ذیل میں اس غزل کے باقی اشعار نقل کئے جاتے ھیں

پیارے لڑکے ھمیں ستانا کیا ہر گھڑی لڑکے روس (روٹھ) جانا کیا

پھر سخن پاک سچ چلے ھین کیون   بات ھے بیچ مین بتانا کیا

ہو جلا کھیل مین ہو جانا ھون   اے شمع اُڑ پتنگ اڑانا کیا

دلبری مین سکچ سو کچھ ناھین   دل چرانے مین دل چرانا کیا

شمع کھتی جلی جلی بتیان   کاٹنا سر ، جلا جلانا کیا

تیغ ضنے کی زور کامل پر   جو بہانا تو پھر بھانا کیا

کامل کی زبان وھی ھے جو اردو شاعری کے ابتدائی دور کی زبان تھی ۔ کون ، لون ، مین ، آہے گا ، بنانے گا وغیرہ جیسے الفاظ جو اب متروک ھین اس دور کے مشہور شعراء ولی ، ناجی ، میر ، حاتم ، آبرو وغیرہ کے ھان کثرت سے استعمال ہوئے ھین ۔ کامل نے بھی ان شعراء کی پیروی کی ھے ۔ اس اعتبار سے ان کی اردو بھی قدیم اردو ھے ۔ مثال کے طور پر چند اشعار ملاحظہ ھون ۔

عشق اب دھول ھے زلیخا کا   اس سون آگے ھے چاہ مین یوسف

دکھ سین ہوکر دونیم آیا ھون   بندہ مسکین یتیم آیا ھون

تو بنانے گا میرا جملہ کاج   ھے تیرے پر تمام میری لاج

کامل نے اپنے اردو اشعار مین عربی فارسی و ھندی کے الفاظ ، تراکیب ، تشبیہات و اصطلاحات کہین فقرے کہین مصرعے کی صورت مین استعمال کئے ھین ۔ مثلاً

درپن سون ترے خال کی پرچائین پڑی ھے

یا از تپ خورشید ، رخت جائین پڑی ھے

اس جگت کے دیہر سب دیکھے   خان و سلطان امیر سب دیکھے

ذرہ کی مہرسون لگی ھے بہت   شمع کھر درس کا پتنگ اتیت

وہ الف قامت جو میرا رام ہوئے   رام کرے سو مجھ الف آرام ہوئے

مندرجہ ذیل نعتیہ اشعار اردو فارسی کا حسین امتزاج ھے ۔

دے مجھے ساز بخش سا ماتم   رحم کن رحم از غلامانم

انبیا تو ھے اصفیا تو ھے   ثم باللہ شہ ھوا تو ھے

پاشکستہ فتادہ ام در چاہ   مین پڑا ھون مجھے اٹھا پاشاہ

صد ھزاران درود سو تسلیم   رسد از من بہ تو بصد تعظیم

کس چنین شعر مرد را کم دید   دید بعضی چہ بلک کس نہ شنید

میر کامل کے اردو کلام کا بیشتر حصہ فصاحت و بلاغت ، سلاست و روانی ، جدت و ندرت کا عمدہ نمونہ ہے ۔ ماحول کی عکاسی ، مقامی تشبیہات ، عوامی محاورات و ضرب الامثال ان کے کلام کی خصوصیات ہیں ۔

خال رخسار پر اچھا ہے — کال کی کھیت میں اگا ہے تِل
عشق کی آگ جگمگاتی ہے — یہ دیا تیل بات باقی ہے
کیوں نہ وہ دل اڑن کھٹولے ہوئے — شوق سوں جس نے چاریو پائے
کامل نے غنی ٹیکری پر لکھ لکھایے — کیوں ٹوٹا گھڑا پھر تو گھڑاو تو گھڑی کا

وے ہوئے دروغ جو اس لب سوں ہم سنے
یہ لعل قیمتی دیکھ جو تھی نکل گیا

خط تیرے کا شوق اکھیاں کا لکھا — ہرن کوں سبزی بنا چارہ نہیں
زلف اکھیاں پہ آن لٹکے ہیں — دام بادام دو دو اٹکے ہیں

کامل کی شاعری کا یہ پہلو بھی اہم ہے کہ انہیں تصوف و معرفت سے خاص شغف تھا ۔ ان کے جو اشعار صوفیانہ و عارفانہ خیالات کے حامل ہیں ان میں عشق مجازی سے عشق حقیقی تک کے فلسفہ توحید ، نظریہ حال و قال و ہمہ اوست نہایت واضح طور پر بیان کیا گیا ہے ۔ مثلاً

تیر واصل ہیں دو جئی تات(۱) نہیں
سب ہوا پھول ایک پات نہیں

(۱۔ تات بمعنی طلب ، جستجو)

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی شان میں میر کامل کی ایک منقبت ۶۷ بند پر مشتمل ہے ۔ اس منقبت کی زبان صاف سلیس اور شستہ ہے پہلے والہانہ عقیدت کے ساتھ اپنے دکھ درد کا اظہار کیا ہے پھر اپنی فلاح و نجات کیلئے حضرت علی کے واسطے سے دعا کی ہے اس منقبت کا پہلا بند یہ ہے

اے شعم دوسرا میں چیرا ہوں
نام تیرا مدام تہرا ہوں
بہت دیان دکھوں کی تیرا ہوں
آمدد کر لہر میں گھیرا ہوں
یا علی میں غلام تیرا ہوں

حواشی

(۱) ملاحظہ ہو تذکرہ امیر خان از حسام الدین راشدی

(۲) میر رضی الدین خان فدائی = (المتوفی ۱۱۲۰ھ) فارسی کے باکمال صاحب دیوان شاعر تھے ۔ قصیدہ گوئی میں ید طولی رکھتے تھے ۔ میر قانع لکھتے ہیں
"بمحاسن والا موصوف در شعر کامل وقت گذشتہ ، فدائی تخلص می فرسود ، صاحب دیوان است" (تحفۃ الکرام ، ج ۳)

(۳) میر ابوالمکارم شہود = (المتوفی ۱۰۷۳ ھ مدفن سیوھن) ایک مقتدر صاحب علم و فضل اور صاحب کشف و کرامات تھے ۔ بہت اعلی و پاکیزہ شاعری کرتے تھے ۔ ان کی دو مثنویاں پری خانہ سلیمان اور بدیع الجمال و سیف الملوک بے نظیر ہیں ۔
(مقالات الشعراء ، ص ۱۷۲)

(۴) میر ابوالبقا امیر خان = (المتوفی ۱۰۵۷ ھ مدفن صفہ صفا ، ستین جو تھانہ) مشہور جاگیردار ، بہادر جرنیل اور نامور صوبہ دار تھے ۔ جوناگڑھ ، ٹھٹھ ، بدین ، گجابہ ، آباوڑہ اور سیوھن وغیرہ کے علاقوں کے حاکم رہے ۔ انکے عہد صوبہ داری میں شہنشاہ شاہ جہان کی ہدایت پر ٹھٹھ کی عظیم الشان یادگار مسجد کی تعمیر کی گئی ۱۰۵۳ھ میں اس مسجد کی تعمیر کا کام شروع ہوا تین سال بعد ۱۰۵۷ میں تکمیل کو پہنچا ۔

(۵) میر ابوالقاسم نمکین = (المتوفی ۱۰۱۸ ھ مدفن صفہ صفا) پہلے قندھار میں میرزا محمد حکیم (المتوفی ۹۹۳ھ) برادر اکبر اعظم کے ملازم تھے ۔ بعد میں اکبر کی براہ راست ملازمت اختیار کی ۔ بکھر گجرات اور سیوھن کے صوبہ دار رہے ۔ روہڑی کا صفہ صفا (ستین جو تھان) ان کی یادگار ہے ۔ اسکے بالائی حصے پر میر ابوالقاسم اور ان کے افراد خاندان کے مزارات ہیں ۔ نمکین تخلص کرتے تھے ۔ صاحب سیف و قلم تھے "منشآت النمکین" ان کی ایک یادگار تصنیف ہے اور انڈیا آفس لائبریری میں محفوظ ہے ۔

(۶) ملا میر سبزواری = متولی درگاہ امام موسی رضا موضع بیجک (بٹ تیھک) ہرات کے رہنے والے تھے ۔ (ماثر الامرا ، ذخیرۃ الخوانین بحوالہ تذکرہ امیر خانی ، ص ۷)

(۷) محمد منعم خان ، خانخانان = عرف مہابت خان کاظم ، وزیر اعظم شاہ عالم ۱۱۳۲ ھ
میں ٹھٹھے میں آئے اور ۱۱۲۵ ھ میں وہیں انتقال کیا ۔ موصوف شاہنواز خان مصنف
مائز الامرا کے دادا تھے ۔ شاعر تھے ، کاظم تخلص تھا ۔
(مائز الامرا ، ص ۳ ، ۱۳۰ ، بحوالہ اردو نامہ شمارہ ۱۵)

(۸) مقالات الشعراء ، ص ۲۵۳
(۹) ایضاً ص ۱۰۸
(۱۰) تذکرہ امیر خان ، ص ۲۵۳
(۱۱) مقالات ، ص ۲۵۳ ، ۲۱۴
(۱۲) ایضاً ص ۶۷۰
(۱۳) تحفۃ الکرام ، جلد ۳ ، ص ۲۰۹
(۱۴) حاشیہ پیش لفظ تحفۃ الکرام (اردو) ص ۲۶
(۱۵) مقالات ، ص ۶۷۰
(۱۶) ایضاً
(۱۷) ایضاً
(۱۸) اس دور کی شاعری کا ایک جائزہ مقدمہ کتاب ہذا میں پیش کیا جا چکا ہے ۔
(۱۹) مقالات ، ص ۶۷۳
(۲۰) ایضاً ص ۶۷۱
(۲۱) مقالہ سندھ کے اردو شعراء از حسام الدین راشدی ، اردو کراچی ، اپریل ۱۹۵۱ء

شاہ عبدالطیف بھٹائی

۱۱۰۲ - ۱۱۶۵ھ
۱۶۸۹ - ۱۷۵۲ء

تمہید = زبدۃ العارفین ، قدوۃ السالکین ، سرتاج الشعراء حضرت سید شاہ عبداللطیف بھٹائی رحمۃ اللہ علیہ ان صوفیائے کرام اور اولیائے عظام میں سے تھے جنکی ذات بابرکات کی بدولت ریگزار سندھ میں تجلیات الہی اور انوار محمدی کی ضیا پاشی ہوتی رہی - اسلامی تہذیب و تمدن کی کرنیں پھوٹیں اور جن کے رشد و ہدایات ، کشف و کرامات اور علوم و فیوض کا سرچشمہ آج تک جاری و ساری ہے -

ولادت = شاہ عبداللطیف کی ولادت باسعادت ۱۱۰۲ ھ مطابق ۱۶۸۹ء میں ہالا حویلی (۱) میں ہوئی - شاہ صاحب کے والد ماجد سید حبیب شاہ اصلاً مٹیاری کے باشندے تھے - ہالاحویلی نامی دیہات میں سکونت پذیر تھے جہاں شاہ لطیف جیسے روشن دماغ و روشن ضمیر پیدا ہوئے ان کی پیدائش کےبعد ان کے والد محترم نے کوٹڑی (۲) میں اقامت اختیار کرلی تھی -

خاندان = شاہ صاحب کا خاندان چند گھرانوں میں سے ایک تھا جو اپنی عظمت و رفعت ، علوم و فیوض کے اعتبار سے سندھ میں بہت بلند سمجھا جاتا تھا - بقول ڈاکٹر ایچ ٹی سارلے شاہ صاحب نے اپنی خاندانی عظمت اور دنیاوی راحت کو کبھی باعث اعتنا نہ سمجھا -

شاہ صاحب کا تعلق ہرات کے علوی سادات سے تھا - شاہ صاحب کا سلسلہ نسب امیرالمومنین حضرت علی المرتضی کرم اللہ وجہہ سے اسطرح جا ملتا ہے -

شاہ‌عبداللطیف بن سید حبیب شاہ بن سید عبدالقدوس بن سید جمال شاہ بن عبدالکریم شاہ بن گل محمد شاہ بن ضیاء اللہ شاہ بن عبدالمومن شاہ بن سائین شاہ بن حاجی شاہ بن جلال محمد بن شرف‌الدین بن میر علی شاہ بن حیدر شاہ بن میر علی شاہ ہراتی بن محمد شیرازی بن محمد ترمذی بن علی شاہ بن یوسف شاہ بن حسین شاہ رضا شیرازی بن ابراہیم بن علی خوارمی

---

(۱) ہالا حویلی بھٹ شاہ سے چار میل کے فاصلے پر مٹیاری کے قریب ضلع حیدرآباد کی تحصیل ہالا کا ایک چھوٹا سا قصبہ تھا اب یہ قصبہ اجڑ چکا ہے - شکستہ مقبرے اور کھنڈرات اسرمقام کی بربادی کے نوحہ خوان ہیں -

(۲) یہ‌وہ کوٹڑی نہیں ہے جو شہر حیدرآباد کے مغربی جانب دریائے سندھ کے کنارے واقع ہے بلکہ بھٹ شاہ کے قریب کوٹڑی نام کا ایک اور قصبہ تھا جو اب ویران ہوچکا ہے -

بن حسین الاکبر شیرازی بن جعفر شاہ بن امام موسی کاظم بن امام جعفر صادق بن امام محمد باقر بن امام زین العابدین بن امام حسین علیہ السلام بن حضرت علی علیہ السلام ۔ (۱)

<u>شاہ عبدالکریم بلڑی</u> = شاہ لطیف کے جد امجد حضرت شاہ عبدالکریم بلڑی (۹۴۴ - ۱۰۳۲ھ) اپنے وقت کے سب سے بڑے صوفی محق اور شاعر بے مثل تھے (۲) ۔ ان کے لاتعداد مریدوں اور عقیدتمندوں نے ان سے روحانی علمی وادبی فیض پایا ۔ ان کے ابیات میں کافیوں کو بڑی شہرت ملی ۔ شاہ عبدالکریم کی ولادت مٹیاری میں ہوئی تھی لیکن ان کی ابدی آرام گاہ بلڑی ضلع حیدرآباد میں مرجع خلائق ہے (۳) ۔

<u>شاہ صاحب کے والد</u> = شاہ صاحب کے والد بزرگوار حضرت سید شاہ حبیب بھی ایک درویش صفت اور فرشتہ سیرت انسان تھے ۔ ظاہر ہے کہ شاہ صاحب نے خالص درویشانہ ماحول اور مذہبی فضا میں پرورش پائی ۔ ان کی اولین تعلیم و تربیت ان کے پدر شفق کے زیر نگرانی ہوئی ۔

<u>کیا شاہ صاحب امی تھے ؟</u> شاہ صاحب کے بچپن کے بارے میں یہ روایت مشہور ہے کہ جب ان کے معلم اخوند نور محمد بھٹی نے ان سے " الف " کے بعد " ب " پڑھنے کیلئے کہا تو شاہ صاحب نے یہ کہکر آگے پڑھنے سے انکار کردیا کہ " الف " (۴) کے بعد کوئی چیز نہیں ۔ اس واقعہ کے بعد شاہ صاحب کے کسی استاد کا ذکر کسی تذکرے میں نہیں ملتا جس سے ثابت ہو کہ انھوں نے کسی استاد کے پاس درسی تعلیم حاصل نہیں کی اور نہ کسی مکتب میں داخلہ لیا ۔ غالباً اسی وجہ سے میر علی شیر قانع نے اپنی ایک کتاب میں ایک جگہ لکھا ہے :

" امی ہونے کے باوجود خداتعالیٰ نے انکے قرطاس دل پر جملہ علوم نقش کردیئے تھے " (۵)

---

(۱) عکس لطیف ، حصہ اول ، ص ۲۱

(۲) سندھی ادب ، ص ۲۸

(۳) مضمون رومی پاکستان کا خاندان ، از احمد شیر (نذر لطیف) ص ۱۰۳

(۴) یہاں یہ نکتہ قابل توجہ ہے کہ شاہ کے رسالے کے جن نسخوں کا آغاز سر کلیان سے ہوتا ہے اس کا پہلا سر "الف" سے شروع ہوتا ہے اور اس سر کا پہلا مصرعہ یہ ہے
اول اللہ علیم اعلیٰ عالم جو دئی

(۵) تحفۃ الکرام ، جلد سوم ، ص ۱۵۳

حقیقت یہ ھے کہ شاہ صاحب امی نہ تھے ۔ تاج محمد آغا نے " عکس لطیف " مین ڈاکٹر گربخشانی کے مقدمہ لطیفی اور محمد بخش واقف کے شرح لطیفی کے حوالے سے لکھا ھے کہ شاہ لطیف کو متعدد علوم مثلاً عربی ، فارسی ، سرائیکی ، ملتانی ، ھندی ، پنجابی وغیرہ پر کافی دسترس حاصل تھی ۔ سندھی زبان تو ان کی مادری زبان تھی (۱) ۔

ڈاکٹر داود پوٹہ رقمطراز ھین " ظاھری تعلیم کے اولین مراحل طے کرنے کے بعد آپ نے باطنی علوم کی طرف توجہ فرمائی اور خصوصاً تصوف کا تو پورا مطالعہ کیا ۔ قرآن مجید ، مثنوی مولانا روم ، دیوان حافظ اور رسالہ کریمی سندھی اکثر ساتھ رھتے ۔ ان چارون کتابون کا ان کے کلام پر گہرا اثر پایا جاتا ھے " (۲) سارلے اور لیلا رام وطن کے بیانات سے بھی اس حقیقت کی تصدیق ھوتی ھے ۔

ان بیانات سے ثابت ھے کہ شاہ لطیف امی نہ تھے ۔ وہ علوم ظاھری و باطنی کے بحر بیکران تھے ۔ علوم و عرفان ، شعر و ادب مین شاہ صاحب کا مقام سندھ مین سب سے بلند اور اعلیٰ ھے ۔

<u>وفات ۔</u> شاہ عبدالطیف نے ۲۶ سال کی عمر مین بھٹ شریف (۳) مین سکونت اختیار کی اور وھین واصل اللہ ھوئے ۔ یہ مبارک مقام ھے جھان شاہ صاحب نے روحانیت و معرفت اور شعر و تصوف کو معراج کمال پر پہنچایا ۔ شاہ صاحب نے ۶۳ سال کی عمر مین ۱۴ صفر ۱۱۶۵ ھ مطابق ۱۷۵۲ عیسی کو وصال فرمایا ۔ [میاں نور محمد کلہوڑہ کی وفات سے دو برس قبل

---

(۱) عکس لطیف ، ص ۲۵

(۲) نذر لطیف ، ص ۱۳

(۳) بھٹ سندھی مین ریت کے ٹیلے کو کہتے ھین ۔ جب یہ مقام شاہ صاحب کا روحانی مسکن بنا تو یہ ویران علاقہ آباد ھوگیا اور اسکا نام بھٹ شاہ یعنی شاہ صاحب کا ٹیلہ قرار پایا ۔ بھٹ شاہ ھالہ شہر سے ۶ میل کے فاصلے پر مشرقی جانب نشیبی خطے مین واقع ھے ۔ شاہ صاحب کا روضۂ مبارک اونچے ٹیلے پر ھے ۔

(۴) میان یار محمد خان کلہوڑہ کی وفات کے بعد اسکا فرزند نور محمد خان ۱۱ محرم ۱۱۳۲ ھ مطابق ۱۳ نومبر ۱۷۱۹ ء کو مسند نشین ھوا (۳۵۴) نور محمد خان کی ولادت ۱۰۹۰-۹۱ ھ مطابق ۱۶۷۹-۸۰ ء (ص ۵۳۹) اور وفات ۱۲ صفر ۱۱۶۷ ھ مطابق ۹ دسمبر ۱۷۵۳ ء بمقام سرکھات کورسرہ ریاست جیسلمیر مین ھوئی تھی جلد ششم حصہ اول از غلام رسول مہر/(ص ۵۳۸ ۔ تاریخ سندھ عہد کلہوڑہ)۱۲

مزار = شاہ عبداللطیف بھٹائی کی وفات کے وقت ان کے مریدون کی تعداد لاکھون تک تھی عقیدتمندون کی تعداد بے اندازہ ھے - فرمان روائے سندھ میان غلام شاہ کلہوڑہ (۱۱۶۱-۱۱۸۶ ھ) نے ۱۱۶۷ ھ (۱۷۵۳ ء) مین اپنے مرشد کا مزار پر انوار تعمیر کرایا - تالپورون کے عہد حکومت مین میر نصیر خان نے اس کی مرمت کرائی - تحفۃ الکرام کے مصنف علی شیر قانع نے درست لکھا ھے کہ صبح و شام ان کی درگاہ [1] پر عجیب روح و سرور اور صفا و حضور رھتا ھے -

شاہ صاحب کے احاطہ درگاہ مین ان کے آس پاس کئی آسودگان سندھ ، علماء و مشائخ کے مزارات ھین جن مین شاہ صاحب کے پدر بزرگوار سید شاہ حبیب ، شاہ صاحب کے چچا زاد بھائی شاہ جمال ، شاہ صاحب کے خلیفہ خاص تمر فقیر ، خانوادہ تالپور کے آخری شہزادہ میر عبدالحسین سانگی اور ھمارے عہد کے ایک بہت بڑے عالم و محقق ڈاکٹر داود پوتہ قابل ذکر ھین [2] -

شاہ صاحب کے ایک باکمال مرید اور معاصر شاعر محمد پناہ [3] رجا تلمیذ میر حیدر الدین کامل نے کئی تاریخین [4] کہین - ھر ایک سے مادہ تاریخ ۱۱۶۵ ھ نکلتا ھے - شاہ صاحب کی درگاہ مبارک کے ایک کتبہ پر رجا کا حسب ذیل قطعہ تاریخ منقش ھے

شاہ صاحب ذوالمناقب سیدی عبداللطیف	آن کہ قطب وقت خود پیوست در مردان حق
چون زجام ارجعی مخمور شوق وصل شد	گفت ملہم غیب سال رحلتش رضوان حق ۱۱۶۵ ھ

شاہ کا عہد = تاریخی اعتبار سے شاہ لطیف کا عہد بڑا انقلاب آمیز اور شورش انگیز تھا - جب شاہ نے عالم رنگ و بو مین آنکھین کھولین شہنشاہ ھند اورنگ زیب عالمگیر دھلی کے تخت پر جلوہ افروز تھا - جب شاہ کی عمر اٹھارہ سال کی تھی اورنگ زیب (۱۰۶۸ - ۱۱۱۹ ھ / ۱۶۵۷ - ۱۷۰۷ ء) نے وفات پائی - عالمگیر کے بعد محمد شاہ (۱۱۳۱ - ۱۱۶۱ ھ / ۱۷۱۹ - ۱۷۴۸ ء) اور احمد شاہ غازی (۱۱۶۱ - ۱۱۶۷ ھ / ۱۷۴۸ - ۱۷۵۳ ء) نے یکے بعد دیگرے عنان حکومت سنبھالی - اس عرصے مین سندھ مین

---

(۱) راقم الحروف کو شاہ صاحب کے روضۂ مقدس کی زیارت کی سعادت نصیب ھے -

(۲) بھٹ شاہ ثقافتی مرکز اور درگاہ کے ترقیاتی تعمیراتی منصوبے کی تفصیلات کے لئے ملاحظہ ھو " لطیفی تحریک " مرتبہ کریم بخش خالد ، ۱۹۷۷ء

(۳) رجا کے حالات و کلام کیلئے ملاحظہ ھو مقالات الشعرا ، ص ۲۲۳ ، ۲۳۲

(۴) غلام رسول مہر نے تاریخ سندھ (عہد کلہوڑہ) جلد ششم حصہ دوم مین رجا کی دو تاریخون کی نشاندھی کی ھے -

کلھوڑہ خاندان کے اقتدار کا اثر بڑھتا گیا ۔ نور محمد خان کلھوڑہ کو اپنی حکومت قائم رکھنے کی کوشش میں بڑے سے بڑے طوفانوں کا سامنا کرنا پڑا ۔ نادر شاہ نے دلی کو لوٹا ، سندھ کو ایران کا زیر نگین کیا اسکے بعد دلی پر احمد شاہ ابدالی کا حملہ ، افغانستان کا قیام ، سندھ کا تابع و مطیع ہونا ، برصغیر میں ایسٹ انڈیا کمپنی کی آمد ، ان تمام تاریخی واقعات کے رونما ہونے تک شاہ صاحب بقید حیات تھے (۱)

حقیقت یہ ہے کہ شاہ صاحب سلطنت مغلیہ کے زوال اور حکومت برطانیہ کے آغاز کے درمیان ایک ایسی کڑی ہیں جسکو مربوط کئے بغیر شاہ صاحب کی شاعری اور اسکے پسمنظر کو سمجھنا ممکن نہیں ۔ شاہ صاحب کو سیاست و سلطنت کے عروج و زوال سے کوئی دلچسپی نہ تھی لیکن ایک عظیم صوفی شاعر کی حیثیت سے وہ سندھ میں انسانی و قومی زندگی کے تغیر و انقلاب سے بیحد متاثر ہوئے ۔ اس دور کے احساسات و تاثرات کے نقوش ان کے افکار میں بہت گہرے ہیں ۔

سیر و سیاحت = کائنات ، خالق کائنات ، حیات و ثبات کے اسرار و رموز ، حقائق و معارف سے آگہی کے جنون میں درویشوں ، جوگیوں ، سنیاسیوں کی صحبتیں اختیار کیں ۔ تیرتھ گاہوں زیارت گاہوں ، عبادت گاہوں میں حاضری دی ۔ اندرون سندھ و بیرون سندھ کے مختلف علاقے حیدرآباد ، ملیر کراچی ، ٹھٹھہ ، جیسلمیر ، کچھ ، کاٹھیاوار ، لسبیلہ ، مکران وغیرہ کی سیر و سیاحت کی جہاں کہیں گئے وہاں کے مذہبی و سماجی رسومات ، معاشرتی ماحول ، ثقافتی کوائف اور عوامی زندگی کا بہت قریب سے مطالعہ و مشاہدہ کیا ۔

عشقیہ داستانیں و شاعری = شاہ صاحب نے عوامی زندگی کے ہر پہلو اور ہر شعبہ پر حکیمانہ و صوفیانہ نظر ڈالی ہے ۔ ان کے اکثر و بیشتر اشعار زبان زد خاص و عام ہیں اور ضرب المثل کی طرح مشہور ہیں ۔ شاہ صاحب نے جن مقامات کو اپنی آنکھوں سے دیکھا وہاں کے مشہور واقعات اور عشقیہ داستانوں کو منظومات کا حسین و لطیف روپ دے کر لازوال بنا دیا ۔

شاہ جو رسالو = شاہ جو رسالو یعنی " شاہ کا رسالہ " (۲) شاہ عبداللطیف بھٹائی کی

---

(۱) یہ تاریخی کوائف تاریخ سندھ جلد دوم ، قدوسی کے صفحات ۳۱۸ تا ۳۳۶ سے ماخوذ ہیں۔

(۲) سندھ یونیورسٹی کے سابق وائس چانسلر اور سندھی اردو کے مشہور و ممتاز شاعر شیخ ایاز نے شاہ کے رسالے کا مکمل منظوم اردو ترجمہ کیا ہے جو ۱۹۶۳ء میں سندھ یونیورسٹی کے زیر اہتمام شائع ہوچکا ہے علاوہ ازیں شاہ کی بعض نظموں کے منظوم ترجمے اردو میں مشہور شاعر پروفیسر آفاق صدیقی کی جولانئی طبع کا نتیجہ ہیں اور متعدد رسائل کی زینت بن چکے ہیں ۔

فکر وخیال کی معراج کمال کا شاہکار ہے (۱) ۔ شاہ صاحب کا یہ عدیم المثال مجموعہ کلام تصوف ، موسیقی اور شعریت کا خیال انگیز ، روح نواز و دلگداز مرقع ہے ۔ سندھ کے چپے چپے میں شاہ کے اشعار نہایت عقیدت و محبت سے پڑھے اور سنے جاتے رہے ہیں ۔ ان ابیات کی خصوصیت یہ ہے کہ دیہاتی ہو یا شہری ، ان پڑھ ہو یا تعلیم یافتہ ، مفکر ہو یا محقق (۲) سب ہی بقدر شوق و بقدر ذوق اس سے محظوظ و مستفید ہوسکتے ہیں ۔ یہی وجہ ہے کہ آج شاہ صاحب کی وفات کو دو صدیاں گزر جانے کے باوجود ان کے کلام کی مقبولیت میں روز افزوں اضافہ ہے ۔

گنج = تحقیقات کی روشنی میں یہ بات درست ہے کہ شاہ صاحب اپنے ابیات کو جمع کرنے یا انہیں محفوظ رکھنے کے سلسلے میں قطعی بےنیاز تھے اس سلسلے میں مختلف روایتیں ہیں ان کے مریدوں اور خوشہ چینوں نے شاہ صاحب کا جو کلام سنا تھا اپنی اپنی یادداشت پر مرتب کیا ۔ اس اندازے سے جو نسخہ تیار ہوا وہ پہلے "گنج" اور بعد میں شاہ جو رسالو کے نام سے مشہور ہے ۔

ڈاکٹر نبی بخش خان بلوچ نے بڑی تحقیق و جستجو سے ۳۱ غیر مطبوعہ قلمی نسخوں اور ۱۳ مطبوعہ نسخوں کی تفصیلات اپنی قابل قدر کتاب "شاہ جی رسالی جا سر چشما" (۳) (شاہ کے رسالے کا سر چشمہ) میں پیش کی ہیں ۔ گنج نامی نسخوں میں ۱۲۰۷ ھ میں فقیر عبدالعظیم عرف رول شاہ کے قلم سے لکھا ہوا نسخہ فقیر میاں اسماعیل خلیفہ تمر فقیر کا نسخہ مشہور ہیں ۔

رسالے کی ترتیب = شاہ صاحب کے رسالے کی ترتیب و تدوین کی دو قسمیں ہیں ۔ پہلی قسم کے نسخوں کا آغاز سر سسی اور دوسری قسم کے نسخوں کی ابتدا سر کلیان سے ہوتی ہے ۔ اس کے سروں کی یہ تقسیم ہندوستانی علم موسیقی کے مطابق ہے ۔ سروں کے فصلوں یا داستانوں

---

(۱) رچرڈ ایف برٹن اپنی کتاب Sind and the Races that inhabit the Valley of Indus میں لکھتا ہے "The poetical fame of Syyed Abdul Latif rests principally upon his celebrated composition The Shah jo Risalo" P-83 Chapter IV.

(۲) ڈاکٹر ایچ ٹی سارلے ، آرنسٹ ٹرمپ ، ڈاکٹر جی شمل ، علامہ آئی آئی قاضی ، ڈاکٹر داؤد پوتا جیسے نامور اسکالرس کی بھی یہی رائے ہے ۔ مولانا غلام رسول مہر نے (تاریخ سندھ جلد ششم حصہ دوم ص ۱۰۶۷ میں) درست لکھا ہے کہ کسی زبان میں سندھ نے شاہ صاحب جتنا حقائق گو شاعر آج تک پیدا نہیں کیا ۔ Preface P-2 By Dr. N.A. Baloch contained in "Latif and the Modern World" By Prof Akram Ansari Printed By Sind Printing Press Hyderabad

(۳) "شاہ جی رسالی جا سرچشمہ" کو شاہ عبداللطیف ثقافتی مرکز بھٹ شاہ نے ۱۳۹۲ ھ کو ۱۹۷۲ ء سندھ پرنٹنگ پریس حیدرآباد سے طبع کراکے شائع کیا ۔ [illegible]

مین تقسیم کیا گیا ہے ۔ یہ داستانین بہت اور وائی پر مشتمل ہے ۔ وائی کو اب سندھی ادب مین کافی (١) کا نام دیا گیا ہے ۔ اس کافی سے سندھی غزل گوئی کا آغاز ہوا ہے (٢) ۔ ہر داستان کے آخر مین ھندی شعر کے طرز پر سندھی وائی لکھی ہے ۔ یہ بیت اور یہ کافیان شاہ کی موسیقی کی دھن مین ہین (٣) ۔

<u>شاہ اور رومی</u> = شاہ لطیف کا کلام سراپا قرآن و حدیث کی تفسیر ہے ۔ مولانا روم نے اپنی مثنوی کے بارے مین فرمایا تھا

مثنوی مولوی معنوی ہست قرآن در زبان پہلوی

اور شاہ لطیف کا ارشاد ہے

اس کلام کو معمولی اشعار نہ سمجھو

یہ آیات ربانی ہین

یہ آیات پڑھنے والون کو اپنے محبوب حقیقی سے ملا دیتی ہے ۔

~~[illegible]~~

<u>شاہ اور نور محمد</u> = میان نور محمد کلھوڑہ والئی سندھ بڑے علم دوست اور صاحب علم و کمال حاکم تھے ۔ شاہ صاحب سے بیحد ارادت رکھتے تھے ۔ بعض مورخون نے لکھا ہے کہ نور محمد نے شاہ صاحب کی خدمت مین مثنوی روم کا ایک قلمی نسخہ (٤) بطور تحفہ پیش کیا تھا ۔ شاہ صاحب اس نسخہ کو ہمہ وقت اپنے ساتھ رکھتے اور اشعار روم جھوم جھوم کر پڑھتے ۔ شاہ صاحب نے بطور خاص مثنوی روم کا مطالعہ کیا تھا ۔ ان کے فکری نقوش پر تعلیمات روم کا رنگ نمایان ہے ۔ مولانا رومی سے عقیدت کا اظہار شاہ صاحب نے اپنے اشعار مین بھی کیا ہے (٥) ۔ ایک بیت کا ترجمہ یہ ہے :

طالب حق حسن ، روشنی بے مثال
دور کر پردہ ، نظر مین رکھ جمال

---

(١) " وائی " شاہ لطیف کے دلآویز سحر موسیقی و شعر نے ایک نیا روپ دھارا شعر مین ایک نیا رجحان ایجاد ہوا جسکو وائی کہتے تھے اور جو ترقی پاتے پاتے سچل سرمست کی کافی بن گئی ۔ (سندھی ادب کے مختلف رجحانات ، ص ٧ - ٨)

(٢) عکس لطیف ، ص ٥٠

(٣) Preface P-2 Shah jo Risalo Edited by Dr N. B. Bloch 1974.

(٤) عکس لطیف ، ص ٢٣

(٥) مولانا رومی سے متعلق چھ بیت سر یمن کلیان مین شامل ہین ۔ ملاحظہ ہو ص ٢٢ شاہ جو رسالو نسخہ بمبئی ١٩٥٨ء ملوکہ ڈاکٹر شیخ ابراھیم خلیل ۔

وحدت الوجود = شاہ عبداللطیف نے اپنے کلام میں توحید الہی ، حب رسول ، حقیقت و معرفت ، شریعت و طریقت اور حیات و کائنات کے اسرار و رموز کو شرح و بسط سے بیان فرمایا ہے ۔ وحدت الوجود یا ہمہ اوست یعنی سب کچھ اسی ایک کی ذات واحد ہے وہ جو سب سے بڑا ہے اسکی محبت اور قرآن الہی کا اتباع تصوف کی روح ہے (۱) ۔ عارفین کامل اور اصفیائے کرام کا نکتۂ تصوف و معرفت اسی روح کی علامت ہے ۔ مولانا رومی ، شاہ ولی اللہ دہلوی اور شاہ لطیف جیسے بزرگان دین کا بنیادی نظریہ اسی قدر مشترک کا حامل ہے ۔ اہل صفا کا ایمان ہے کہ اندر کی آواز اسی ذات باری کی وحدانیت کی گواہی دیتی ہے ۔ خالق و مخلوق عبد و معبود ، ظاہر و باطن سب کچھ اسکی ذات میں مدغم ہے ۔ مولانا رومی فرماتے ہیں

ہرکہ راہ اسرار حق آموختند	مہر کردند و دہانش دوختند
جملہ ذرات عالم درنہاں	با تو میگویند روزان و شبان
خلق آب و نطق خاک و نطق گل	ہست محسوس حواس اہل دل

سندھ میں مخدوم محمد معین الدین ٹھٹھوی نے جو شاہ صاحب کے ہمعصر اور رفیق خاص تھے ، ولی اللہی فلسفہ کی کھلکر حمایت مقلید و تبلیغ کی ہے لیکن شاہ صاحب نے شاہ ولی اللہ کی تعلیم کو اپنانے کے بجائے اپنے جد اعلی حضرت شاہ عبدالکریم بلڑی کی راہ سلوک اختیار کی (۲) شاہ صاحب نے مولانا رومی کے فلسفہ و معرفت سے بھی بطور خاص استفادہ کیا ہے ۔ شاہ ولی اللہ کی تعلیم کی بنیاد علم و قلم ، عقل و فہم ، دماغ و سراغ پر رکھی گئی تھی جبکہ شاہ عبدالکریم کے نزدیک منزل مطلوب تک پہنچنے کا وسیلہ دل و نگاہ ، عشق و محبت تھا ۔

شاہ صاحب فرماتے ہیں :

وحدتا کثرت تھی ، کثرت وحدت کل
حق حقیقی ھیکڑو بیو نہ بھل
ھو ھلا چوھل باللہ سند و سجڻین

ترجمہ : وحدت میں کثرت بنی اور سب کثرت وحدت ہوگئی
وہ حق ہے اور درحقیقت ایک تو اسے بھول کر غیر کو مت پکار
خدا کی قسم ہر جگہ اس دوست کا شور ہنگامہ ہے

---

(۱) روح تصوف مولانا اشرف علی تھانوی ، ص ۸

(۲) مقالہ " بھٹائی کے کلام میں وحدت الوجود کا مسئلہ " از ڈاکٹر داؤد پوتہ مشمولہ مہران جاموٹی ، ص ۱۷

شاہ نے فلسفہ تصوف کو محض ایک نظریئے کے طور پر نہیں بلکہ جز و زندگی بناکر اپنایا تھا یہ اجزائے ترکیبی کل میں سمو کر تخلیق کائنات و تعمیر حیات کا راز بن گئے ۔ تلاش حق اور راہ حق کے نکات کو شاہ صاحب نے اپنے کلام میں بڑی صراحت سے بیان کیا ھے ....
اینما تولو فثم وجہ اللہ کی تفسیر شاہ صاحب نے اپنے بیت میں اسطرح پیش کی ھے

ایک قصر در لکھ ، کوڑین گیندش گو کھیون
جیڈانا کریان پرکھ ، تیڈ انا صاحب سا مھون

ترجمہ : ایک قصر لاکھ دروازے ھیں اور کروڑوں کھڑکیاں
جس طرف نظر پھیرتا ھوں ادھر اسی صاحب (خدا) کا جلوہ نظر آتا ھے ۔

اللہ کی محبت ، رسول کی محبت ، انسان کی محبت اور ان محبتوں کے تعلق سے کائنات و حیات سے محبت کے واضح تصورات اور تصورات کے خد و خال شاہ صاحب کے افکار جمیل میں حسن و لطافت کے ساتھ صاف و شفاف نظر آتے ھیں ۔

اول اللہ علیم اعلی عالم جو ڈنی
(ترجمہ) اللہ سب سے اول اعلی علیم اور سارے عالم کا مالک ھے
قادر پنھنجی قدرت سین قائم آہ قدیم
وہ قادر ھے ، اپنی قدرت سے قائم اور قدیم ھے
والی ، واحد ، وحدہ رازق رب رحیم
والی واحد رازق رب اور رحیم ھے
سو ساراہ سچو ھئی جئی حمد حکیم
اس سچے مالک کی تعریف کر ، اس حکیم کی حمد بیان کر
کری پان کریم ، جوڑون جوڑ جھان جیون
وہ قادر کریم صانع مطلق ھے وھی سارے جھان کی امید بر لانے والا ھے

وحدہ لا شریک لہ جن اتو سین ایمان
جنھوں نے ایمان سے کہا کہ خدا ایک ھے اور اسکا کوئی شریک نہیں
تن مجیو محمد کارنی قلب سان لسان
انھوں نے دل و زبان سے اس محمد کو بھی مانا
او فائق مین فرمان ، اوتر کنہ نہ اولشا
جسکے لئے یہ دنیا بھی اللہ کے فرمان میں فوقیت حاصل کی

وحدة جسے و ڈھٹا الا اللہ سین اور ین

(ترجمہ) جنھون نے وحدت کے صحیح معنی سمجھے وہ الااللہ کا ذکر کرتے ھین

ھیون حقیقت گا یو طریقت تو رین

وہ اپنے دل کو حقیقت مین ملا کر طریقت کے ترازو مین تولتے ھین

معرفت جی ماٹھ سین ، ذلیا ذلیا ھر ذورین

معرفت کی خوشی اختیار کرکے پردیس کی خاک چاھتے پھرتے ھین

سکھ نہ سنا گا ھیمو پھی نہ ووڑین

وہ نہ چین سے سوتے ھین نہ آرام کرتے ھین

کلینڈو کو رین عاشق عبداللطیف چئی

اے لطیف ایسے عاشقون نے اپنے سر شاخون سے کٹا ڈالے

(سر کلیان ـ داستان اول)

قرآنی آیات و الفاظ = مندرجہ بالا اشعار سے جہاں ایک طرف شاہ صاحب کے نظریئے تصوف واضح طور پر سامنے آتا ھے وھان دوسری جانب یہ بات بھی قابل تحسین ھے کہ انھین قرآنی آیات ، قرآنی الفاظ اور قرآنی ارشادات کی ترجمانی مین بے انتہا قدرت حاصل تھی ـ یہ کمال حیرت انگیز ھے کہ مصرع کے مصرع اور فقرے کے فقرے عربی الفاظ و قرآنی آیات کے نگینے مین اسطرح جڑ دیئے ھین کہ وہ شعر کے سانچے مین ڈھل کر انگشتری پرنور و پر رنگ کی طرح دل و نگاہ کو جذب کرلیتے ھین ـ

شاہ صاحب اور زبان = سندھ مین اسلام کی آمد سے عربی زبان نے رواج پایا ـ عربی اسلامی علوم و معارف کا سرچشمہ ھے ـ عہد مغلیہ مین فارسی نے عروج پایا ـ شاہ صاحب کے عہد مین جہان کلھوڑون نے عربی و فارسی روپ کو فروغ دیا وھان سندھی زبان و ادب کی سرپرستی کی شاہ صاحب نے عربی فارسی سندھی ان تینون زبانون کو اپنے علمی و دینی تبلیغ و اشاعت ، تصوف و عرفان ، شعر و نغمہ کی ترقی و ترویج کیلئے اپنایا ـ

سندھی = کلام لطیف کی بڑی خوبی یہ ھے کہ وہ آسان سندھی مین ھے ـ عربی فارسی ، سرائیکی ھندی اور اردو کے سادہ اور عام فہم الفاظ کے موزون و برمحل استعمال نے کلام کی افادیت مین بے انتہا اضافہ کردیا ھے ـ استعارات ، تلمیحات ، تشبیہات کے باوجود طرز ادا دلکش اور انداز بیان پرکیف ، موثر ، دلآویز و دلپذیر ھے ـ شاہ صاحب کی بدولت سندھی زبان جدید تقاضون سے ھم آھنگ ھوئی ـ سندھی ادب مین نئے رجحان کا آغاز ھوا ـ حمد و نعت

مناجات جیسی اصناف سندھی میں شامل ہوئیں اور پیر حسام الدین راشدی کے الفاظ میں " نہ صرف زبان کو نئے الفاظ ، محاوروں اور ترکیبوں سے مالا مال کردیا بلکہ سندھی شعر کے محدود دامن کو نئے اسلوب نئے مضامین اور گونا گوں تخیلات سے بھردیا " (۱) ۔

فارسی = شاہ صاحب کے زمانے میں روزمرہ اور بول چال کی زبان سندھی تھی لیکن درباروں اور دفتروں میں فارسی زبان رائج تھی ۔ امراء و شرفا کے گھروں میں فارسی زبان بولی جاتی تھی ۔ شاہ صاحب فارسی زبان پر کامل عبور رکھتے تھے ۔ فارسی میں بھی پختہ اور معیاری شعر کہتے تھے ۔ راقم کا خیال ہے کہ شاہ جو رسالو کی بے انتہا مقبولیت کے باعث اہل نقد و نظر اور تذکرہ نگاروں نے ان کی فارسی شاعری کی طرف توجہ نہ دی ۔ یہی وجہ ہے کہ ان کا فارسی کلام کہیں یکجا نظر نہیں آتا ۔ میر علی شیر قانع نے مقالات الشعراء میں ان کے مختصر سے حالات کے بعد یہ تین اشعار نقل کئے ہیں :

آئینہ دل چو صاف باشد	برعکس ہمہ معاف باشد
یعنی چوبد وشدی تو لاحق	چیزی بنود در وت جز حق
پس ہرچہ کنی زتو نیا شد	تو رفتہ بغیر اونیا شد (۲)

شاہ صاحب کے زمانے میں سندھ میں سندھی اور ہندی (جو اب اردو کہلاتی ہے) بولی جاتی تھی ۔ سبزی فروش بھی یہی زبان بولتے تھے ۔ اس بات کی تصدیق حسب ذیل واقعہ سے ہوتی ہے

" کہتے ہیں کہ دن شاہ عبد اللطیف بھٹائی دوپہر کے وقت آرام کررہے تھے کہ باہر سے ایک سبزی فروش کی یہ آواز سنی " سوتا ! پالک ! چوکا " (۳) ۔ شاہ صاحب اس آواز پر خوفزدہ ہوکر اٹھے ۔ فقیروں کو عجب لاحق ہوا اور سبب دریافت کیا ۔ شاہ صاحب فرمانے لگے کہ بابا آپ نے سبزی فروش کی آواز سنی ؟ جو یہ کہہ رہا تھا جو کوئی پلک سویا وہ چوکا (خطا کار) ہے " (۴) ۔ (ترجمہ مولانا غلام مصطفی قاسمی)

شاہ صاحب کے جملہ افکار عالیہ کا غائر و بغور مطالعہ کیا جائے تو یہ نتیجہ اخذ ہوتا ہے کہ

---

(۱) سندھی ادب ، ص ۳۳

(۲) مقالات الشعراء ، ص ۳۲۶

(۳) سوتا = سویا پالک = پالک ساگ چوکا = سبزی
تصوف کے نقطہ نظر سے ان تین الفاظ کا مطلب یہ ہے کہ جو شخص ایک پلک سویا (غافل ہوگیا) وہ چوک گیا (حقیقت و معرفت کی نعمتوں اور اللہ کی رحمتوں سے محروم ہوگیا)

(۴) مقدمہ لطیفی (شاہ جی سوانح عمری) ڈاکٹر ہوتچند گربخشانی ، ص ۲۳ درنتی سندھی پبلیکیشن ، کراچی یونیورسٹی ، طبع ورسنی مارچ ۱۹۷۷ء

ان کے هر سر ، هر بیت اور هر وائی (کافی) مین عربی وفارسی کے ایسے بیشمار الفاظ موجود هین جو اب اردو زبان و ادب کے جز بن چکے هین ـ اسی طرح ان کے کلام جمیل مین هندی اور اردو کے الفاظ بھی کثرت سے ملتے هین ـ ایسے الفاظ و محاورات و تراکیب کی ایک طویل فہرست پیش کی جاسکتی هے لیکن طوالت کے خیال سے یہان تفصیلی تجزیہ ممکن نہین ـ شاہ کے جو اشعار اوپر پیش کئے گئے هین ان مین اس قسم کے الفاظ موجود هین ـ

ذیل مین چند اشعار نقل کئے جاتے هین جن سے اندازہ هوگا کہ شاہ صاحب نے هندی اور اردوالفاظ کو کس انداز سے اپنے ابیات مین سمویا تھا ـ اگر انھین معلوم هوتا کہ ان کے بعد اردو اتنی ترقی کرجائیگی جتنی کہ آج کے دور مین کرچکی هے تو یقیناً وہ اردو (هندی) مین بھی باقاعدہ شعر کہتے جسطرح فارسی مین کہے هین ـ

سارى سک سبق شریعت سندو ، سھنی
طریقتان لکو وهی ، حقیقت جو حـق
معرفت دکھہ ، اصل عـاشق کـی　　(سر سوهنی)

<u>وائی</u>

تھیندو تن طبیب ، دارون مھجے درد جو
(میرا دوست میرا طبیب هوگا ، میرے درد کی دوا کیلئے)
بکی دیندم با جھنہ جی اچی شال حبیب　، دارو مھجے درد جو
(امید هے کہ ایسا هی هوگا دوست مجھے عنایت کی دوا دیگا میرے درد کی دواکیلئے
برهن اچی پان کیئو ، سند و غور غریب
دارو مھجے درد جو
(اے دوست خود اگر مجھ غریب کے حال پر غور کرو)، میرے درد کی دوا کیلئے)

ذکھڑ و سنبھوئی دور کیئو ، منجھون ، تن طبیب
دارون مھجے درد جو
(سب بیماریان دور کردے ، میرے تن سے اے طبیب) میرے درد کی دوا کیلئے

ادیون عبداللطیف جے هانگ آہ حبیب
دارون مھجے درد جو

(بہنون عبداللطیف کہتا هے ، وہ حبیب میرا حکیم هے)
میرے درد کی دوا کے لئے

دیکھئے قرآنی آیت پر کس خوبصورتی سے گرہ لگائی ہے -

سوئی راہ رد کرے ، سوئی رھنما (وہی گمراہ کرنے والا وہی رھنما ہے)
وتعز من تشاء و تذل من تشاء (وہ جسے چاھے عزت دے جسے چاھے ذلت دے)

اردو زبان میں یہ مصرعہ سر سا رنگ کا جز ہے

دو میں دلدار عالم سب آباد کرین

یہ اشعار بہت صاف اردو میں ہیں - ایسی مثالیں شاہ کے کلام میں جا بجا ملینگی -

بلبل روئے ایں دن کہاں بھئی گلزار ان کی قیامت آج ہے جنکے بچھڑے یار (۱)
لاالہ کر ارسی الااللہ سے دیکھ محمد صورت رب کی اسمیں میں نہ میکھ

حضرت امیر خسرو دھلوی (۱۲۵۳ - ۱۳۲۴ھ) جیسے جامع الصفات اور مجموعہ کمالات درویش شاعر کو اردو کا سب سے پہلا شاعر کہا جاتا ہے (۲) - طبقہ متقدمین کے دور اول کے اردو شعراء میں ولی دکنی (۱۰۶۸ - ۱۷۴۴ ء) میر تقی میر (۱۷۱۰ - ۱۸۱۰ ء) اور خواجہ میر درد (۱۱۳۳ - ۱۱۹۹ ھ) کا اردو کی ترقی میں نمایاں حصہ رہا (۳) - یہ شعرائے کرام شاہ عبداللطیف کے معاصرین تھے -

شاہ عبداللطیف بھٹائی اردو کے اسی ابتدائی دور سے تعلق رکھتے تھے - شاہ صاحب کی خدمت اردو کی تاریخ مرزا غالب ، ذوق اور داغ دھلوی کے زمانے سے پہلے مرتب ہوئی - اس اعتبار سے یہ کہنا نامناسب نہ ہوگا کہ اردو کی ابتدائی ترقی و ترویج میں جسطرح امیر خسرو نے ھند میں حصہ لیا تھا اسی طرح شاہ عبداللطیف نے سندھ میں حصہ لیا تھا -

---

(۱) تم کیا گئے کہ ہم پہ قیامت گزر گئی -

(۲) تاریخ ادب اردو ، رام بابو سکسینہ ، نسخہ نولکشور ، ص ۱۲ - ۱۸

(۳) نگار لکھنو اردو شاعری نمبر - ۱۹۳۵ء

میر اسداللہ ساقی
(المتوفی ۱۱۸۱ ھ)

نام میر اسداللہ ، تخلص ساقی ، وطن بکھر ، اپنے نام اور تخلص کے بارے مین خود کہتے ھین :

مست گردم زبادۂ کوثر
اسداللہ ساقیم باشد

وہ اپنے وقت کے مشہور طبیب تھے ۔ حکیم میر یعقوب کے شاگرد تھے اپنی علمی استعداد اور شاعرانہ مرتبے کے باعث ارباب علم و دانش مین قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے ۔

میر اسداللہ بکھری کی تاریخ ولادت معلوم نہ ھوسکی ۔ میر علی شیر قانع نے تحفۃ الکرام فارسی (ص ۱۳۱) اور مقالات الشعراء نسخۂ قدیم (ص ۲۶۷) مین ان کا ذکر کیا ھے اورانھین اپنا ھمعصر بتایا ھے ۔ میر قانع کے ایک بیان کے مطابق ساقی کا سن وفات اغلباً ۱۱۸۱ ھ متعین کیا جاسکتا ھے ۔

اسداللہ ساقی نے طب و تاریخ کے موضوع پر کئی کتابین لکھین جن مین " ذخیرۂ خوارزم شاھی " کی تلخیص مشہور ھے ۔ یہ کتاب طب سے متعلق ھے ۔ یہ دراصل سید اسماعیل جرجانی (۵۰۳ ھ) کی تالیف ھے ۔ اس کی بارہ جلدین قطب الدین محمد بن ابو سبکتگین خوارزم شاہ کے نام معنون ھین (۱) ۔

میر اسداللہ ساقی متقی پرھیز گار اور خدا ترس انسان تھے ۔ ان کی زندگی کے شب و روز خدمت خلق اور عبادت الٰہی کی روشنی سے درخشندہ و تابندہ تھے ۔ فارسی اور اردو مین اعلیٰ و ارفع شعر کہتے تھے ۔ ان کے افکار عالیہ ان کے بلند و پاکیزہ خیالات اور روحانی جذبات کے آئینہ دار ھین ۔ بارگاہ رب العزت مین دست بدعا ھوتے ھین تو کس لب و لہجہ اور عجز و انکساری کے ساتھ اسکا اندازہ ان کی ایک مناجات سے لگایا جاسکتا ھے ۔ مخمس مین ان کی یہ مناجات ان کی مہارت سخن اور عظمت فن کی غماز ھے ۔ اسکے تین بند نذر قارئین ھین

اے انیس بزم عز و شان رب العالمین ‏ ‏ رحم کن برحال زار تو ارحم الراحمین
بردرت فریاد می دارم همین عالم جبین ‏ ‏ قرب دہ بادوستان یا جامع المتفرقین
لا تذرنی رب فردا انت خیر الوارثین

---

(۱) تذکرہ مشاھیر سندھ ، ص ۱۱۸

جون صی دارم بندہ آرام دردنیا و دین — جز تو دیگر نیست غمخوارم بدل دارم یقین

یاد فرمائی، کردارم درد بردل بر حزین — زود فریادم برس برنالہ اندوہ گین

لا تذرنی رب فرد انت خیر الوارثین

دیگر آن دارم طلبائب آرزوئی خوشتری — وہ مرا جائے بفضل خود بفردوس برین

ساقی کوثر دہد جام شراب و مرنگبین — این ہم حاجات گفتم کن اجابت کہ قرین

لا تذرنی رب فرد انت خیر الوارثین

اسداللہ ساقی نے مختلف اصناف سخن پر طبع آزمائی کی ۔ ہر صنف میں اپنے ذہنی و قلبی نقوش ثبت کردیئے ۔ حمد و نعت کے علاوہ بزرگان دین کی شان میں والہانہ عقیدت اور جوش و ولولہ کے ساتھ منقبتیں کہیں جن سےان کے مذہبی عقائد اور فکری رجحانات آشکارا ہیں ۔

غوث الاعظم حضرت سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی سے بے پناہ عقیدت رکھتے تھے ۔ انھیں اپنا روحانی پیر مانتے تھے ۔ ذیل کے اردو اشعار ان کی ذہنی کیفیت اور دلی جذبات کے مظہر ہیں ۔

ربی میری رہوال کر — اعدا میں اس دال کر

ہر مطلب فی الحال کر — یا شاہ جیلانی المدد

کر سرخرو ہر بزم میں — مجھکو رسا ہر عزم میں

ساقی کہے ہر بزم میں — یا شاہ جیلانی المدد

میر حفیظ الدین علی
(۱۱۲۰ - ۱۱۹۰ ھ)

میر حفیظالدین المتخلص بہ علی کے والد میر حافظ الدین ، ٹھٹھ کے مشہور امیر خانی سادات سے تعلق رکھتے تھے - رضی الدین فدائی ، میر حفیظ الدین کے دادا اور میر ابوالکلام شہود جد اعلی تھے - میر حیدرالدین کامل جیسے سربرآوردہ عالم و شاعر علی کے چچا تھے - ظاہر ھے کہ علی کا تعلق ایک ایسےدرویش علمی گھرانے سے تھا جنکا سرچشمہ علم و فیض نہ صرف ٹھٹھ بلکہ سندھ کے گوشے گوشے میں جاری تھا (۱) -

حفیظ الدین علی ۱۱۲۰ ھ میں اپنے آبائی وطن ٹھٹھ کی خاک سے اٹھے اور ۱۱۹۰ ھ میں وھیں پیوند خاک ھوئے -

علی کی تعلیم و تربیت خالص علمی و ادبی ماحول میں ھوئی - انھوں نے اپنے بزرگوں کے زیر شفقت و عاطفت علوم ظاھری و باطنی کی منازل طے کیں - انھیں اپنے چچا میر حیدرالدین کامل سے بہت قرب حاصل تھا - وہاں کی ذات و صفات سے خاص طور پر متاثر تھے - یہی وجہ ھے کہ بقول پیر حسام الدین راشدی

" علوم و فنون میں اپنے چچا کے مماثل تھے " (۲)

علی فارسی اور اردو (ھندی) کے خوش فکر شاعر تھے - شاعری میں انھوں نے پوری مہارت کے ساتھ اپنے چچا میر کامل کا تتبع کیا ھے - میر علی قانع ، علی کے بہت مداح تھے - انھوں نے علی کو " خسرو ثانی " کہا ھے - علی کی شعر گوئی سے متعلق قانع کا تبصرہ یہ ھے

" باوجود کم سوادی و بصارت بصر و کری گوشھادر زمین لطائف و عزائب شعر بزبان ھندوی ، خسرو ثانی است - معانیھا نہ کہ وی در دھرھا و کبت و ابیات و نکات ھندی می بندد .... چون در پارسی بو یہ کم دارد یک بیتش قانعم ، اغلب کلام وی در ھندوی طرز ایہام واقع ، اماچہ ایہام کہ از دوسہ و چہار پنج معنی ھم گاہ گاھی تجاوز دارد " (۳)

---

(۱) میر حفیظ الدین علی کے سلسلہ نسب کی تفصیلاتکیلئے ملاحظہ ھو صفحات گزشتہ میں تذکرہ و حواشی میر حیدرالدین کامل -

(۲) مقالہ سندھ کے اردو شعراء - سہ ماھی اردو کراچی ، ص ۸۲ ، اکتوبر ۱۹۵۱ء

(۳) مقالات الشعراء ، تذکرہ میر حفیظ الدین علی ، ص ۱۸۱ -

علی ھندی دوھروں ، گیتوں اور ابیات میں خیالات و نکات کو سمونے میں کامل قدرت رکھتے تھے ۔ فارسی میں کم اور ھندی (اردو) میں زیادہ کہتے تھے ۔ میر کامل کی طرح " صفت ایہام " کا تجربہ انھوں نے اپنے اشعار میں کمال فن کے ساتھ کیا ھے ۔ قانع نے علی کی اس صفت کی مثالیں پیش کرتے ھوئے مندرجہ ذیل دو بیت نقل کئے ھیں جس سے اندازہ ھوتا ھے کہ علی کو ایہام کی صفت ، زبان و بیان میں بلا کی قدرت حاصل تھی ۔ ایک ایک شعر میں بیک وقت ایک دو نہیں بلکہ پانچ پانچ چھ چھ معنی پائے جاتے ھیں ۔

پہلے شعر میں اچار ، کھٹا ، پاپڑ ، لیٹی ، مچھی (مچھلی) ، سرکا ، سوئی (سوئیاں) اور سلونی (نمکین) جیسی کھانے کی متعدد اشیاء اور ان کی صفات معنویت کے ساتھ جمع کردی ھیں ۔

اچار ھوا کھٹا پاپڑ لیٹی ھے مچھی
سرکہ بنا تو آگے سوئی سلونی اچھی (۱)

اسی طرح دوسرے شعر میں — پہلی ، کناری ، مہر کا سونا ، چونی (دوپٹہ) ، موتی ، آرائش پوشاک سے متعلق ھیں ۔ یہ بھی صفت ایہام کی حیرت انگیز مثال ھے ۔

پہلی ھے کیوں کناری سونا نہیں مہر کا
چونی پہوچی ھے باتیں، موتی تو دیکھ سرکا (۲)

---

(۱) مقالات الشعراء ، تذکرہ میر حفیظ الدین علی ، ص ۱۸۲
(۲) ایضاً ، ص ۱۸۲

روحل فقیـــــر

(۱۱۳۲ - ۱۱۹۳ ھ)

روحل خان زنگیجہ عرف روحل فقیر سندھ کے صف اول کے اھل ذوق اولیائے کرام مین سے تھے - ان کی زندگی تبلیغ علم و دین اور فروغ شعرو ادب کیلئے وقف تھی - روحل خان کے والد ماجد کا نام شاھو خان زنگیجہ (۱) تھا - روحل کو زنگیجہ ذات کے سپوت ھونے پر فخر تھا - کہتے ھین

باپ میرا شاھونا ھین ، اس گھرنا ھین مات
جنتے ھم جایا تھیین ، کال ورن تھین جات

لوگ آکھے ہے روحل بو لیندا	کوئی آکھے ھے ذات زنگیجا
تھین روحل تھین ذات زنگیجا	اے کھیے ـــــــر اللھی ہے

شاھو خان میان دین محمد کلھوڑہ (المتوفی ۱۱۱۱ ھ) کے امراء مین سے تھے - میان نور محمد کے عہد مین عمر کوٹ کے حاکم تھے - " پدماجی بھٹ " (۲) (پدما جی کا ٹیلہ) نامی دیہات مین ان کا مسکن تھا -

روحل خان کی ولادت ۱۱۳۲ ھ مین " پدما جی بھٹ " مین ھوئی - ان کی پیدائش کے متعلق خود روحل کا یہ بیت ان کے ابیات مین شامل ھے

سیلے سنگی ، ست ساتھی ، ہر گھٹ آئے
پورنما س چکورا آیا ، گھر شاھو کے باشے

روحل کی تعلیمو تربیت ان کے والد مکرم کے زیر نگرانی ھوئی - عربی فارسی اور سرائیکی مین بہت اچھی استعداد حاصل کی -

کلھوڑون کا عباسی خاندان شاھو خان کی خدمات کا بہت معترف و مداح تھا - میان غلام شاہ کلھوڑہ کے دور مین روحل پہلے توشہ خانے کے ناظم رھے - بعد مین جیسلمیر ،

---

(۱) سندھ مین زنگیجہ خاندان جتوئی بلوچ نامی قبیلہ کی ایک شاخ ھے -

(۲) یہ دیہات عمر کوٹ اور کھاروڑی کے درمیان واقع تھا کہتے ھین کہ اب وھان "روحل کا کنوان" کے نام سے پختہ کنوان ھے جو اس دور کی شاھدی کرتا ھے -

جودھپور اور بیکانیر کے سفر کے عہدے پر فائز ہوئے ۔ فرائض منصبی اعلی صلاحیتوں کے ساتھ بڑی خوش اسلوبی سے انجام دیئے جہاں کہیں تعینات رہے اپنے اخلاق حسنہ اور موثر دینی و روحانی پیغامات کے ذریعے ہر خاص و عام کو متاثر کیا جس علاقے میں رہتے اس علاقے کی زبان سے بھی اچھی طرح واقفیت حاصل کرلیتے جسکی بناء پر انھیں اپنے خیالات و نظریات دوسروں تک پہنچانے میں مدد ملتی ۔ مقامی لوگ ان کی بیحد قدر کرتے تھے ۔ بجیہ سنگھ راجہ جودھپور ان کا اس قدر گرویدہ ہوا کہ انھیں ایک عرصہ تک جودھپور سے جانے نہ دیا ۔

روحل فقیر سندھ کے وہ پہلے سرکاری اعلیٰ عہدے دار تھے جنھوں نے نہ صرف اسلامی تصوف اور ھندومت کا وسیع مطالعہ کیا بلکہ اپنے تبلیغی مشن کو کامیاب بنانے کی خاطر اپنے مطالعہ و معلومات کی روشنی میں عملی اقدامات کئے ۔ جودھپور کے دوران قیام انھوں نے پنڈتوں سے مناظرے کئے ۔ پنڈت الیسر سنگھ راج بجیہ سنگھ کا ایک نورتن تھا اسکے ساتھ روحل کا مناظرہ ایک تاریخی واقعہ کی حیثیت رکھتا ھے ۔ الیسر سنگھ جیسے ممتاز پنڈت کو اس نظریئے کا قائل کردیا کہ اسلامی تصوف ھندو ویدانت پر حاوی ھے ۔ روحل کے ھندی منظوم رسالہ موسوم بہ " اگم وارتا " مذکورہ بالا مناظرے کے سوالات و جوابات کا مرقع ھے ۔

سب سے پہلے اسلامی تصوف کے ساتھ ساتھ ھندو وحدانیت کے فلسفے کو بھی شعر کے سانچے میں ڈھالنے کا سہرا روحل فقیر کے سر ھے ۔ اس ایجاد کو سچل سرمست نے ترقی کی منزل تک پہنچایا (۱) ۔

روحل نے ھندو تصوف و شعر سے واقفیت کی غرض سے کبیر داس کی شاعری کا بھی مطالعہ کیا تھا ۔ وہ اپنے مرتبہ کو کسی طرح کبیر کے مرتبے سے کم نہ سمجھتے تھے ۔ اس قسم کے خیالات کا اظہار انھوں نے ایک شبد میں کیا ھے جس کا مطلع اور مقطع یہ ھیں ۔

ھوں میں تسکل سوں نیارا
میں داس کبیر کہایا ...

کہت روحل ھم روحل ناھوں
کبیر روپ ھمارا

---

(۱) سندھی ادب ، ص ۳٦

روحل کا تبلیغی مشن اس وجہ کامیاب تھا کہ سندھ کے بیشتر علاقوں خصوصاً جودھپور ، جیسلمیر ، تھر کے بہت سے راجپوت اور مکھواڑ ھندو روحل فقیر کے ھاتھوں مشرف بہ اسلام ہوئے اور بیعت کی ۔ ۱۱۳۰ ھ میں میران پور عرف جھوک شریف کے عظیم بزرگ صوفی شاہ عنایت اللہ نے حکومت وقت کے ھاتھوں جام شہادت [1] نوش کیا ۔ ان کی عظمت و شہادت سے روحل بے حد متاثر تھے وہ صوفی شہید سے خاص عقیدت رکھتے تھے ۔ اسی عقیدت کی بناء پر روحل صوفی شہید کے ایک صاحبزادے صوفی عزت اللہ شاہ کے مرید ہوئے ۔ اپنے مرشد کے بھائی صوفی سلام اللہ شاہ [2] کی صحبت میں بعض ریگستانی علاقوں کی سیر و سیاحت کی اور روحانی تربیت سے مستفیص ہوئے ۔

روحل فقیر نے اپنے پیر و مرشد صوفی عزت اللہ شاہ اور صوفی سلام اللہ شاہ کی قربت کی خاطر ملازمت ترک کرکے جھوک شریف میں قیام پذیر ہوئے ۔ پھر کوٹلہ جو کوٹ ڈیجی کے قریب ضلع خیرپور میں واقع ہے ، میں سکونت اختیار کی ۔ زندگی کے آخری دنوں میں کنڈڑی میں اقامت پذیر تھے ۔ وہاں دھیان گیان ، ذکر و فکر میں منہمک رہے ۔ اسی عالم استغراق میں ۱۱۹۲ ھ [3] کو ان کی روح قفس عنصری سے پرواز کرگئی ۔ کنڈڑی میں ان کا مزار پرانوار زیارت گاہ عوام ہے ۔

روحل فقیر کی منظوم تصانیف میں چار ھندی رسائل من پربودھ ، ادھت گرنتھ ، اگم وارتا اور سرب گیان ان کی یادگار ھیں ۔

---

(۱) مقالہ شاہ شہید صوفی از پروفیسر محبوب علی چنہ ماہنامہ ماہ نو مطبوعہ پاکستان پبلیکیشن کراچی

(۲) صوفی سلام اللہ شاہ نے زندگی کے آخری ایام میں میران پور کی سکونت ترک کرکے ڈیراتھر کے ٹیلہ شلم خیرپور میں قیام فرمایا جہاں ۲۵ ذی الحج ۱۱۸۳ ھ کو رب حقیقی سے جا ملے ۔ صوفی عزت اللہ شاہ نے ۱۲ جمادی الثانی ۱۱۸۷ ھ کو رحلت کی ۔

(۳) پروفیسر محبوب علی چنہ نے اپنی کتاب سندھی ادب کے مختلف رجحانات میں روحل کا سن وفات ۱۱۸۸ھ (ص ۸) لکھا ہے ڈاکٹر نبی بخش خان بلوچ کی سندھ میں اردو شاعری (ص ۲۹) میں ۱۱۹۲ھ درج ہے ۔ لطف اللہ بدوی نے کنڈڑی وارن جو کلام کے دیباچہ میں یہی سن رقم کیا ہے آخرالذکر سن وفات درست معلوم ہوتا ہے گرچہ اس سن کو بھی مستند نہیں کہا جاسکتا ۔ روحل کے سن وفات کی طرح سن ولادت میں بھی اختلاف پایا جاتا ہے ۔

روحل کے سندھی ، سرائیکی اور ھندی کلام پر مشتمل ایک مجموعہ لطف اللہ بدوی نے " گنڈری وارن جو کلام " کے نام سے مرتب کیا تھا جسے ۱۹۶۲ء میں سندھی ادبی بورڈ نے ۱۷۸ صفحات پر ڈیمی سائز میں شائع کیا ھے ۔

روحل نے مادری زبان سرائیکی اور علاقائی زبانوں سندھی و ھندی میں بھرپور شاعری کی ھے ۔ انھوں نے شاعری کو اسلامی تصوف کی اشاعت اور دینی نظریات کے اظہار کا بہترین ذریعہ بنایا ۔ انھوں نے مختلف اقسام شعر کی ایجاد و اختراع کو فروغ دیا (۱) ۔ ان کا کلام مختلف اصناف دوھے ، چوپائی ، شبد ، دھڑا ، سی حرفی ، کافیان ، بیت وغیرہ پر مشتمل ھے ۔ سلوک و شعر میں امام غزالی ، مولانا رومی اور نورالدین جامی کے افکار و نظریات سے استفادہ کیا ۔ جامی کا ارشاد ھے

اے دل طلب کمال در مدرسہ چند
تکمیل اصول و حکمت و ھندسہ چند
ھر فکر کہ جز ذکر خدا وسوسہ ھست
شرمے ز خدا بدار این وسوسہ چند

مولانا رومی نے فلسفہ زندگی اور مقصد حیات کی یوں ترجمانی کی ھے

زندگی مقصود بھر زندگی ست	زندگی بی‌بندگی شرمندگی ست
جز خضوع و بندی و اضطرار	اندر این حضرت ندار و اعتبار

روحل کا کلام نکات توحید ، فکرو اجتہاد ، مسائل تصوف سے متعلق ان بزرگان دین اور شعرائے متقدمین کے نظریات سے ھم آھنگ ھے ۔ روحل کہتے ھیں

چشما آب حیات تا دا ۔ دل اندر حوض حضوری
سردی سودی بندی عاشق پریت‌چندھان دی پوری

روحل کی کافیوں اور سی حرفیوں میں عشق حقیقی کا بھرپور تاثر ملتا ھے ۔

کافی = کامل مرشد راہ بتایا روحل و چو روح اللہ پایا
آخر ذات ملی وچ ذاتیں دیدا عشق اوگاھی ھے

---

(۱) سندھی ادب کے مختلف رجحانات ، ص ۸

سی حرفی = عشق دی منزل جانین ، عشق حقیقت عشق طریقت

عشق بنا ایتھ عمر آجاشی، عشق بھی عالم عشق ھی دولت

.... عشق بھی ملت

روحل قول ابوھکونا فاسد ، عشق عبادت عشق مین طاعت

توحید الٰہی اور انوار الٰہی کی تصویر اپنے اشعار مین بڑی فنکاری و چابکدستی سے بنائی ھے - ایک ایک شعر مین عارفانہ رنگ بڑی رعنائی کے ساتھ نمایان ھے

صفت کرو سلیمان کی ، جو آدانت مدھۃ ھوؒ

سو ایک ایک اکھنڈ ھے نہ دوجا کسو

"الف" ایک الکھ ھے جوتی سب گھٹ بھیتر دیکھیا سوتی

جھان دیکھون تیان نرمل نور ترب نر نتر ھے بھر پور

"ب" بادل بن برسے دھار بجلی چمکے اتت اپار

بوی امرت برسی پورا بھنجے بتان کوٹی والا سورا

خدا شناسی کے ساتھ ساتھ خودی و خود شناسی کی تلقین شاعرانہ انداز مین قدیم شعراء کے ھان شاذ و نادر ھی کی گئی ھے اس موضوع کو شعری پیراھن مین سجانے اور ھندی نما اردو شاعری مین سمونے کی اولیت روحل فقیر کو حاصل ھے -

اپنا روپ پہچان ، سمجھ من درسن بھی

جیسے سنکھ آجا سنگ ڈولے آپ نہ چینے بھرم بھولے

جانت ھوؒ آجان

کھسوری لیے میرگھ کے ما ٹھین تن ٹھن ڈھونڈھے سونگے نا ٹھین

ھو رھیا حیران

جن تم کو نشچے کو جانیا رمتا رام سکل گھٹ مانیا

سو سادھو پروان

تین لوک مین تیرا واسا کاھےپھرت ھوہ آدا سا

جان سکے تو جان

میری بریت صاحب سدک لاگی روحل بھیت بھرم کی بھاگی

آتم مین غلطان

روحل فقیر کا کلام ، ان کے بلند پاکیزہ و سنجیدہ خیالات اور دینی و روحانی کیفیات کا آئینہ دار ہے

کاہے پھر و بھواس
شبد کی سادھو کر سمرنا بچھی کا کر پیاس
بھئو ساگر پار ترن کو جب ساسوں میں ساکن

کوئی بھرت پکے ما نہیں کین کون گنگا بھاس — شکھ بھوکا جے بھرے مول نہ کھاوے گھاس
تیرا صاحب تجھ ہی ما نہیں تم تجو اور آس — میر دئے صاحب ملے، اچرج اچنبھا ہاس
ستگر روحل ہم کون بلنا کٹی جسم کی پھاس — دن این مجھکو رھئے تیرے چرن کی من بیاسی

دوسرا دور $\dfrac{\text{۱۱۹۶ — ۱۲۵۹ ھ}}{\text{۱۷۸۲ — ۱۸۴۳ ء}}$

عہد تالپور

مراد فقیر زنگیجہ

اخوند قاسم ساوں ہالائی

سچل سرمست

شاہو فقیر

غلام علی فقیر

مراد فقیر زنگیجہ

(۱۱۳۲ھ — ۱۲۱۱ھ / ۱۷۲۰ء — ۱۷۹۸ء)

مراد فقیر زنگیجہ کرولد محمد حیات خان ، بلوچ کے زنگیجہ نامی قبیلہ سے تعلق رکھتے تھے
مراد فقیر ، روحل فقیر کے گاون پدماجی بھٹ (پدما کا ٹیلہ) مین ۱۱۳۲ھ (۱۷۲۰ء) مین پیدا
ہوئے - مراد فقیر کا روحل فقیر سے خاندانی تعلق تھا - مراد ، روحل سے دس سال چھوٹے تھے -
دونون نے ایک ھی جگہ پرورش پائی اور تعلیم حاصل کی - روحل کے تقدس و تقوی اور علم و فضل
سے بیحد متاثر تھے - انکی صحبتون سے فیضیاب ہوئے یہانتک کہ ان کے ھاتھون بیعت (۱) کی اور
اپنی صاحبزادی کو ان کے نکاح مین دیا - اس رشتے کے تعلق سے روحل کے دو بیٹے تھے - ایک
خدا بخش خان اور دوسرے دریا خان -

جب روحل فقیر نے پدماجی بھٹ سے ھجرت کی تو مراد فقیر بھی ان کے ھمراہ کوٹڑہ مین
جا بسے - بعد مین روحل فقیرنے کنڈری مین بود و باش اختیار کی لیکن مراد فقیر کوٹڑہ ھی مین رھے
جھان انھون نے ۱۲۱۱ھ (۱۷۹۸ء) مین دار فانی سےکوچ کیا - انکا مقبرہ کوٹڑہ مین ھے -

مراد فقیر کا زمانہ کلھوڑہ خاندان کے زوال کا پرآشوب زمانہ تھا - انھون نے تالپورون کے
اقتدار کا سورج طلوع ہوتے بھی دیکھا - کلھوڑون کا آخری فرمانروا میان عبدالنبی نے تیمور شاہ والی
افغانستان کی مدد طلب کی - ۱۱۹۵ھ (۱۷۸۱ء) مین سردار مدد خان افغان نے سندھ پر
چڑھائی کی - قتل و غارت ، آتش زنی جیسی بربریت و جارحیت سے سندھ کو تخت و تاراج کیا -
اس سانحہ سے مراد فقیر کے دل مین کلھوڑون کیلئے نفرت اور تالپورون کے لئے محبت کا جذبہ پیدا ہوا
انھون نے اس الم انگیز واقعہ سے متعلق اپنے تاثرات کو شعر کے قالب مین ڈھال دیا - ایک شعر
مین ظالم مدد خان کو سندھ سے مارکر نکال باھر کرنے کی تلقین کرتے ھین :

مارو مرد کون دورکرو چھوڑوجے بھودی یزید میان

تالپورون کی فتح و کامرانی پر مراد فقیر بہت خوش ہوئے اور ~~اپنے~~ اپنے شعرون مین ان کو دعاون سے یاد
کیا - حاکم خیرپور میر سہراب خان تالپور نے مراد کی بڑی قدر و منزلت کی -

---

(۱) تذکرہ لطفی ، حصہ دوم ، ص ۳۵۷

مراد فقیر کی مادری زبان سرائیکی تھی ـ سندھی فارسی مارواڑی اور ھندی زبانوں مین کامل قدرت رکھتے تھے ـ سرائیکی کے ممتاز شاعر تھے ـ سندھی کے دوھے (۱) بہت بلند پایہ ھین انکے دوھون مین فلسفۂ خودی کی گونج رہتی ھے انکی بدولت سندھی ادب مین دوھون کو عروج حاصل ہوا ـ فارسی مین بھی شعر کہتے تھے ـ بقول ڈاکٹر نبی بخش خان بلوچ ـــ " مارواڑی اور سندھی آمیز ھندی مین دوھڑہ گیت اور بھجن کہے ھین ـ روحل اور مراد کے اشعار جو ھندی کے بحور و اوزان مین ھندی ھی کے اصناف سخن پر مشتمل ھین ـ اردو کے ابتدائی ارتقائی دور یعنی دور ھندی کا ایک مثالی نمونہ ھین " (۲) ـ

فارسی مین فریدالدین عطار کے کلام سے بطور خاص استفادہ کیا ـ انکے اتباع مین فارسی اشعار کہے ھین ـ مراد فقیر نے روحل فقیر کی طرح اپنے کلام مین صوفی شاہ عنایت شہید کی تعلیمات اور شاہ عبداللطیف بھٹائی کے افکار و نظریات کی تبلیغ و اشاعت کی ھے (۳) ـ ان کے کلام مین عشق کی داخلی کیفیت ، درد ، فکر ، فقنہ ، نفی ، اثبات ، اور ھمہ اوست کے نظریات ملتے ھین ـ شعر مین معنویت ، مطلوب و مقصود کی جستجو اور وحدت کی روح پنہان ھے ـ ان اشعار سے مراد کے عقائد و خیالات بہت واضح ھین :

قدر خود را نمی دانی	ذات قدسی کمال انسانی
خود پرستی مکن کہ خود بینی	کار کفر است در مسلمانی
اھرمن نفس را مقید کن	کہ توئی آھت سلیمانی
عیب خود را اگر شناس شوی	خود میخود دم زنی " زمن رانی "
از خضر آب زندگی مطلب	کہ تو سرچشمہ آب حیوانی
کنج عزلت گزین کہ خواھی یافت	در گدائی مراد سلطانی

مراد فقیر کا کچھ کلام " کنڑی وارن جو کلام " مین محفوظ ہوگیا ھے ـ اس مجموعے کے ۱۲۹ سے ۱۷۳ تک کے صفحات سرائیکی کلام پر محیط ھین ـ جن مین دوھڑا ، سی حرفی اور کافیان شامل ھین ـ مراد فقیر نے سرائیکی اور ھندی مین روحل فقیر کا بہت کامیاب تتبع کیا ھے نمونۂ کلام یہ ھے :

---

(۱) سندھی ادب ، ص ۷۵

(۲) سندھ مین اردو شاعری ، ص ۳۳

(۳) کنڑی وارن جو کلام ، ص ۲۸

کافی

قادر اندر قلوب گزارے　　زهدار دلندے تخت هزارے
روح اتا رنگ یار پیارے　　هر دم ویکھیں تے سکھ پائین

مراد اندر وچ دلبر ویہرا　　گھر فقیر دے کروچ کھیرا
دنیا هے یہ رین بسیرا　　مکھڑا کول تے باجھوں آلائین

شبد

سکھی ری چلو پیا کے دوار
پریم کو بادل این ارن برسے ، رم جھم امرت دھار
گگن منڈال انحد گرجے ، ڈھ ڈس میگھہ ملار
نرمل نیر دام سوں بجے ، من کو میل اتار
چت من جتهن بجلی چمکے ، پر گھٹ جوت اپار
بیونت سادت بوند سکھ اپجے ، تحیئے تنکل و کار
چوں کنول کی سیوا کریئے ، مانگوں دان دیدار
کہت مراد یہ مکت کو ماگ ، لیو تت سار

دھرے

سکھ تیرے سر بہار هے چنتا کرو مت کاه　　جو تم پوچھو چاه سوں سوجھ دیوں بتا

نا کوئی جیئے نہ کوئی مرے جوتی جوت سماه　　جیسے جل ترنگ پھرے هیرا جل مل جاه

کہو پوچھو هم کون هوں کہ آهو سنسار　　چورا سی مکھ جات کم جو لیوت هے اوتار

پھند سوئے

پریت کی ریت ، ابھے میرے میت ، جیسے من جیت کے پنچھا مارے
آئی تب جیت ، پوری پرتیت ، مٹے سبھ دویت ، جو وست و چارے
بھیو نردوکھ ، نہ هر کھہ نہ سوکھ ، نہ بدھ نہ موکھ ، دھی گھٹ دھارے
جس سادھ سادھ مراد آئی تس هوں مل هوں هل هوں بلهارے

آخوند قاسم ساوئی هالائی

(۱۱۳۵ — ۱۲۱۵ھ)

حضرت مخدوم نوح رحمۃ اللہ علیہ کی سرزمین هالا قدیم (ضلع حیدرآباد) میں آخوند ساوئی[(۱)] خاندان علم و ادب ، سلوک و صفا ، شعر و سخن اور عربی و فارسی کی تعلیم و تدریس کی وجہ سے خاص شهرت کا حامل رہا ہے ۔ اس خاندان میں بڑے بڑے علماء و فضلاء ، شعراء و ادباء ، حافظ و قاری اور علم و دانشور گزرے هیں ۔ محمد قاسم نام کے دو شخص اسی سربرآوردہ خاندان کے سپوت تھے ایک آخوند محمد قاسم (۲) بن نعمت اللہ قریشی ۔ دوسرے آخوند محمد قاسم بن آخوند محمود ساوئی ثانی الذکر نے اپنی ایک فارسی غزل کے ایک شعر میں اپنے نام و تخلص کے ساتھ ولدیت یوں لکھی هے

مرید تستقاسم ابن محمود
دلش را بخش آرام اے دلا رام (قاسم نامہ ، قلمی نسخہ)

آخوند محمد قاسم ساوئی هالائی کے والد محترم آخوند محمود هالائی اپنے وقت کے عالم دین ، ماهر تعلیم اور صاحب سلوک بزرگ تھے ۔ عربی فارسی و سندھی کے درس و تدریس کے میدان میں امتیازی حیثیت کے مالک تھے ۔ وہ نصرپور میں معلم تھے ۔ درس و تدریس کے فرائض آخری عمر تک انجام دیتے رهے ۔ ۱۱۷۲ھ میں نصرپور میں انتقال کیا اور وهیں مدفون (۳) هیں ۔

آخوند محمد قاسم کی صحیح تاریخ ولادت معلوم نہ هوسکی ۔ سندھ میں اردو شاعری (ص ۲۷) میں ۱۱۳۵ھ ؟ درج هے اور یہ سن هنوز تحقیق طلب هے ۔

---

(۱) مقالہ " هالا پرانا کا علم و ادب " از قاضی محمد اعظم ، مطبوعہ الرحیم (سندھی) مئی جون ۱۹۷۵ء ص ۵

(۲) آخوند محمد قاسم ساوئی هالائی بن نعمت اللہ قریشی (۱۲۲۱ھ مطابق ۱۸۰۶ء — ۱۲۹۸ھ مطابق ۱۸۸۱ء) جید عالم ، صاحب فیض اور سندھی کے صاحب دیوان شاعر تھے ۔ فارسی میں بھی بہت معیاری شعر کہتے تھے ۔ دیوان قاسم (سندھی) مرزا قلیچ بیگ کے مقدمہ کے ساتھ شائع هوچکا هے ۔ جریدہ " مفرح القلوب " کے اکثر شمارے ان کے فارسی کلام سے مزین هیں۔ (مزید حالات و کلام کیلئے ملاحظہ هو تذکرہ لطفی ، ص ۲۲۹ تا ۲۳۶ ۔ حاشیہ تکملۂ مقالات الشعراء ، ص ۳۲۶ تا ۳۲۵) ۔

(۳) الرحیم مشاهیر نمبر ، ۱۹۶۷ء ، ص ۹۳

آخوند قاسم کی ابتدائی زندگی ٹھریون مین گذری جھان انکے والد مکرم مدرس تھے - انھین کی نگرانی مین عربی فارسی سندھی کی تعلیم حاصل کی - والد کی رحلت کے بعد قاسم نے بھی پیشہ مدرسی اختیار کیا - ان کا پھلا تقرر ان کے والد مرحوم کے عھدے پر ھوا - بعد مین ٹنڈوجام خان مین اقامت اختیار کی - وھان میر جام خان کے صاحبزادے میر مھدی خان کے اتالیق رھے - درس و تدریس کے ساتھ ساتھ خدمت علم و ادب اور شعر و سخن بھی ان کا مشغلہ حیات تھا - موجہ صوفیون کی صحبتون مین رھے اور صدق و صفا کی راہ مین زندگی وار دی -

۱۲۱۵ھ مین ھالا مین فوت ھوئے - ان کا مقبرہ مخدوم ھالا قدیم مین واقع ھے (۱)

آخوند قاسم ایک برگزیدہ معلم ھی نہ تھے وہ یکتائے عصر عالم دین اور شاعر عالی وقار بھی تھے - ان کا تخلص قاسم تھا - سندھی ، فارسی اور اردو مین شاعری کرتے تھے - ھر زبان کی نگارشات مین ان کی قادرالکلامی و شگفتہ بیانی کے نقوش ثبت ھین - فارسی مین ان کا دیوان " دیوان قاسم " کے نام سے موجود ھے اور نوادرات مین سے ھے - دیوان قاسم کا ایک قلمی نسخہ کتب خانہ تالپور حیدرآباد کے ذخائر مین محفوظ ھے - اس نسخے کی آخری عبارت یہ ھے -

" بتاریخ ششم شھر رجب المرجب ۱۲۱۲ھ روز یکشنبہ کاتب الحروف فقیر حقیر

پر تقصیر محمد تقی غفر اللہ لھا و ذنو بھا " -

دیوان کے مندرجات حسب ذیل عنوانات کے تحت ھین -

" مدح ایک در رفعت مخدوم نو ھالہ کندی ایک مدح پسر خود میان محمد حیات

ایک غزل فارسی - ۸۷ غزل اردو کی تعداد ۸ (۲)

دیوان قاسم کا ایک اور نسخہ خطی صوبراج کھائی کے ذخیرہ کتب مین موجود تھا - اسکی تاریخ کتابت ۹ شوال ۱۲۳۰ھ ھے (۳) -

قاسم کے مجموعہ کلام کا ایک قلمی نسخہ موسومہ قاسم نامہ ڈاکٹر نبی بخش خان بلوچ کی ملکیت ھے - قاسم نامہ کا آغاز فارسی غزل کے اس مطلع سے ھوتا ھے

آید خیال خال تو در قلب لالہ را
چشم تو داد سر بیابان غزالہ را

---

(۱) " ھالا پرانا کا علم و ادب " - ص ۲

(۲) مھران جو موجون ، ص ۳۵

(۳) حاشیہ تکملہ مقالات الشعراء ، ص ۳۸۰

قاسم ساونی ھالائی فارسی اوراردو کے بلند پایہ شاعر تھے ۔ فارسی شعراء میں حافظ اور سعدی سے بیحد عقیدت رکھتے تھے ۔ ان اساتذہ عجم کے کلام کا خصوصیت کے ساتھ مطالعہ کیا ۔ انھیں کے تتبع میں غزلیں کہیں ۔ حافظ و سعدی کی شان میں تحسین آمیز اشعار بھی کہے مثلاً

بہر خدا چشاشم ساقی مئے حقیقت — گاھسے زجام حافظ گاھسے زجام سعدی

قاسم تمام گیر دھر روز فیض معنی — کہ از کلام حافظ کہ از کلام سعدی

دیوان قاسم اور قاسمنامہ میں اردو غزلیں بھی شامل ھیں ۔ کلام قاسم کے مطالعے سے اس حقیقت کا انکشاف ھوتا ھے کہ نہ صرف صریور اور ھالا بلکہ سندھ کے مختلف علاقوں میں اردو زبان اور شعر و ادب کا ذوق پایا جاتا تھا ۔ انکے اشعار سے اس بات کا بھی سراغ ملتا ھے کہ اس دور کے اساتذہ کا کلام بھی قاسم کی نظروں سے گزرا ھوگا ۔ انھوں نے اپنی اردو شاعری میں ان تمام قواعد و ضوابط کو ملحوظ رکھا ھے جو ان کے ھمعصر شعراء کے پیش نظر تھے ۔ دکنی زبان اور طبقہ متوسطین کے شعراء اردو کی تمام خصوصیات سے ان کے اشعار مملو ھیں ۔ انکی بعض غزلوں میں ولی دکنی کے زبان و بیان کی چھاپ ھے ۔ یہ اس بات کی غمازی ھے کہ وہ ولی سے متاثر تھے ۔ حقیقت یہ ھے کہ قاسم نے واقعی ولی کی پیروی کی ھے ۔ ایک مقطعے سے اس بات کی شہادت بھی ملتی ھے ۔

اے آشنا کرم سوں ایک بار آدرس دے
مشتاق ھے تمھارا قاسم ولی کے مانند

اس زمانے کے رواج کے مطابق سوں ، کوں ، تمارے ، تجکوں ، مورے ، ھوے جن ، آوے ، سان ، وغیرہ جیسے الفاظ کثرت سے استعمال ھوئے ھیں ۔

جب ھووے میرا سریجن بے حجاب — ذرہ سان گردش میں آوے آفتاب

مستی مدھ سیتی اس کوں کام کیا — جن نے پیا ھے پیوکی انکھیاں سوں شراب

آج مل جاوے کا تیرے تئیں صنم — قاسما بیجا ھے اتنا اضطراب

بزم میری سوں جب نگار گیا — تب سوں جیو کا قرار گیا

قاسما اب تیری دعا سوں رقیب — پیو کی مجلس سوں بے وقار گیا

اداسی ھوں سدا ھم نے پیا درس تمارے کا
خدا کے واسطے آکر دکھا دیدار ھر ساعت

خدا کے واسطے مجھکو منع نہ کر قاسم — کہ دل ضعیف کوں دیتا ہے خوش قرار قدح
ھندی کے الفاظ مثلاً سریجن مکھ جگت ، دین ، سجن ، جیون بھی ان کے اشعار میں ملتے ھیں :

میرے دل کھس گیا وہ دلربا شوخ — پکڑتا ہے جیوں خس کوں کہربا شوخ
(کھس گیا = چھین کرلے گیا)
جگت کے خوبرو یاں میں ھیں نیں — دیکھا کہیں تجھ سا پیا شوخ
نگہ کر مہرآبادی کسی دین سوں — پیا قاسم سیتی مت ہو سدا شوخ

عشاق باہرات نہ آتاں عبث عبث — مکھ مجھ سوں اے نگار چھپاتاں عبث عبث
عشاق بن خالت کوں اے سجن سمجھ — حسن و جمال اپنا دکھاتاں عبث عبث
فارسی الفاظ و تراکیب اور تشبیہات کے ساتھ اس قسم کے خوبصورت اشعار بھی کہے ھیں ۔

جھلکار مکھہ تیرے کا ھے بجلی کے مانند — برسات مجھ انکھیاں کی ہے بادلی کے مانند
نیناں تری ھیں نرگس دو گال گل کھلے ھیں — ہے دھن تنگ تیرا اپکل کلی کے مانند
پہنا ہے آج شاید پیو صندلی قبا کوں — رنگ جہاں ہوا ہے سب صندلی کے مانند
نین نرگس ، دھن غنچہ کیا ہے زلف ھے سنبل — ہوا ہے اشک گلشن کے تیرا رخسار ھر ساعت
گگن جمال کے اوپر سجن تو ہے سورج — ہوا منیر تیرے مکھ سیتی چندا کا راج
اب ~~دیکھ~~ خیال میں چند ایسے اشعار پیش کئے جاتے ھیں جو صاف اور سادہ ھیں اور خیال و معنی سے
لبریز :

مجھے حوالہ کیا یار گلعذار قدح — ہزار جان گرامی کروں نثار قدح
خبر نہیں ہے دو جگ کی میرے تئیں ھرگز — کہ بے حساب دیا ہے مجھے خمار قدح
خدا کے واسطے مجھکو منع نہ کر قاسم — کہ دل ضعیف کوں دیتا ہے خوش قرار قدح
جگت سوں بیکل تجھ عشق میں جوھے قاسم — وہ ڈھونڈھ ڈھونڈھ تیرے در اوپر پھرا ھے آج
طالب نہیں جو کوئی اسی پاسوں بدم — اے جان جان تو ہے جاناں عبث عبث
اپنے حضور یار دے مشتاق کوں کبھی — اتنا ارے نگارستاناں عبث عبث
ھر لحظہ اے نگار پرنگہ کے شراب سوں — اغیار کوں پیالہ پلاناں عبث عبث
جو درد عشق سوں نہیں آگاہ قاسما — احوال اپنا اس کوں سناناں عبث عبث
پھر میرے پاس وہ سجن آیا — شکر للہ کہ انتظار گیا
جن تیرے ہاتھ سوں پیالہ پیا — اسکے سوسوں سبھی خمار گیا

سچل سـرمست

(۱۱۵۲ھ — ۱۲۴۲ھ / ۱۷۳۹ء — ۱۸۲۷ء)

سندھ کے عظیم وجودی درویش اور هفت زبان شاعر عبدالوهاب فاروقی سچل سرمست کے والد ماجد کا نام میاں صلاح الدین فاروقی بن میاں محمد حافظ عرف صاحبڈنہ فاروقی (۱) تھا جن کا سلسلہ نسب حضرت عمر فاروق سے جاملتا هے ۔ سچل کے جد امجد مجاهد اسلام فاتح اعظم محمد بن قاسم کے همراہ حجاز سے سندھ میں آئے ۔ پہلے سیوستان (موجودہ سیوهن شریف) میں سکونت اختیار کی پھر قریہ درازہ ریاست خیر پور میں آن بس گئے ۔ درازہ کا یہ فاروقی خاندان (۲) علم و دانش تصوف و عرفان کے اعتبار سے بڑے سندھ میں ممتاز رها هے ۔ سچل کے اسلاف طریقت میں سلسلہ قادریہ سے منسلک تھے (۳) ۔ خواجہ پیر میاں عبدالحق خاکی اپنی ایک منقبت کا آغاز اس مطلع سے کرتے هیں جسمیں خدا اور حضرت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم کےبعد حضرت غوث الاعظم کا ذکر فرماتے هیں :

بعد خـدا و مصطفیٰ یا غوث رب العالمین
دل کی کرین سید صفا یا غوث رب العالمین

منصور ثانی سچل سرمست وادی مہران میں ضلع خیر پور کے ایک گاؤں درازہ میں ۱۷۳۹ء مطابق ۱۱۵۲ هجری میں پیدا هوئے ۔ ان کا اصل نام عبدالوهاب فاروقی تھا ۔ سچل سرمست کے نام سے شہرت دوام ملی ۔ انکے بزرگ انهیں پیار سے " سچو ڈنہ " (۴) (سندھ میں اس شخص کو کہتے هیں جو بلاخوف و خطر حق گوئی کو اوصاف انسانی میں بڑا جوهر سمجھتا هو) بچپن سے نیکی اور

---

(۱) سچل کے دادا حضرت صاحبڈنہ (۱۱۰۱ - ۱۱۹۲ھ) درگاہ درازہ کربانی ، اپنے وقت کے بے نظیر عالم دین اور باکمال سالک و شاعر گزرے هیں ۔ سچل نے اپنے جداعلی خواجہ عبداللہ گیلانی اور دادا محمد حافظ عرف صاحبڈنہ کے حوالے سے اپنی اعلی نسبی کا یوں ذکر کیا هے

دادا محمد حافظ تھیں دا وچ درازیں ڈیرا
دست تھیں دے اصلوں آھا مقصد سارا میرا
شاہ عبداللہ اساڈا خواجہ پیران پیران آل نبی اولاد علی هی حضرت میران میران

(۲) سچل کا حسب نسب مقدمہ منصور ثانی سچل سرمست مرتبہ پروفیسر عطا محمد حامی ص ۵ ، ۲ ۔ سچل سرمست جو خاندان از محمد یعقوب چانگ نئی زندگی جون ۱۹۵۲ء ۔

(۳) ملاحظہ هو مقدمہ دیوان آشکار مرتبہ مخدوم امیر احمد (نسخہ فارسی)

(۴) الرحیم مشاهیر نمبر مرتبہ مولانا غلام مصطفی قاسمی ، ص: ۱۲۵ ، ۱۹۶۷ء

سچائی ان کا شعار تھی اسلئے لوگ انھیں سچل اور سچو بھی کہتے ھیں ۔

سچل سرمست عربی فارسی سندھی سرائیکی ملتانی پنجابی ھندی اور اردو میں شعر کہتے تھے ۔ بقول پروفیسر محبوب علی چنہ " ان کے اشعار کی تعداد سندھ کے تمام شعراء کے کلام سے زیادہ ھے " (۱) ۔ فارسی میں آشکار اور خدائی ، اردو سندھی اور دیگر زبانوں میں سچل ، سچل ڈنہ ، سچو تخلص کرتے تھے ۔

حافظ سچل سرمست کی ابتدائی تعلیم حافظ عبداللہ قریش کے آغوش فیض میں ھوئی ۔ کم سنی میں قرآن مجید حفظ کیا اور علوم دین سے بہرہ ور ھوئے ۔ جب چھ سال کی عمر میں ان کے پدر بزرگوار کا سایہ شفقت ان کے سر سے اٹھگیا تو ان کے چچا خواجہ میاں عبدالحق فاروقی نے اپنے زیر طفت ان کی تعلیم کے فرائض انجام دیئے ۔ سچل ان کی نگرانی میں نہ صرف فارسی و عربی تعلیم سے آراستہ ھوئے بلکہ علم تصوف و معرفت اور علم باطنی کے اسرار و رموز سے واقف ھوئے ۔ حضرت خواجہ میاں عبدالحق فاروقی المتخلص بہ خاکی ایک جید عالم دین ، صوفی منش بزرگ ، سندھی و فارسی کے خوش فکر شاعر تھے ۔ سچل ان کی علمی شخصیت اور دینی عظمت سے خاص طور پر متاثر و مستفیض ھوئے ۔ ان کے ھاتھ پر بیعت کی جسکا اعتراف انھوں نے اپنے اکثر اشعار میں اسطرح کیا ھے

گر بگوشی میشوم واقف ازآن اسرار راز

پس تو کن با صدق دل روئے بہ سو شہر دراز

ھست آنجا پیر عبدالحق عارف اولیاء

می کشد آن سر وحدتش سکین نواز

شان و شوکت پیر ما بالاتر است	ھمچو او کس نیست در عالم علا
آشکار را خاک پائے پیر باش	تا شوی از دوش بادشاہ

سچل سرمست نے ۱۴ رمضان المبارک ۱۲۴۲ ھجری (۱۸۲۷ء) میں رحلت فرمائی ۔ درازہ کا وہ مقام جو کبھی سچل سائیں کا مولد و مسکن تھا وفات کے بعد معرفت و روحانیت کا مرکز بن گیا ۔ آج ان کا روضہ مقدس مرجع خاص و عام ھے ۔ حضرت فقیر بیدل نے ان کی وفات حسرت آیات سے متعلق ایک سندھی میں اور دو فارسی میں قطعات تاریخ کہے ۔

---

(۱) سندھی ادب کے مختلف رجحانات ، ص ۱۰

چون سالک سچو زین طلسم مجاز   سوئے آشیان رفت چون شہباز

زہے صاحب وقت ، منصور وقت   کہ بے مثل بودہ با شمر و گداز

دلم جست سال و مالش زجان   بگفتہ کہ دریائے ذخار راز

مندرجہ ذیل قطعہ تاریخ سچل کے لوحِ مزار پُر انوار پر کندہ ہے :

در بیضائے ازل ترکیب شد مخروج عشق   یکت ز دریائے محبت کرد بیرون موج عشق

از خدا بودی صدیق و بیش احمد شد سچو   ازطی صادق یقین و پیشوا مخروج عشق

سال نورا منتیٔ بر لوح تقدیر این نوشت   بود براجرج عُلوِ او آفتاب اوج عشق

سچل سرمست نے سندھ مین دو حکومتوں کے عہد عروج و زوال دیکھے - کلہوڑہ حکومت کا انجام اور دور تالپور کا آغاز - امران تالپور سچل کی صوفیانہ زندگی ، بے مثل اخلاق و کردار اور عالمانہ و شاعرانہ عظمت کے بیحد قائل تھے - میر رستم خان بن سہراب خان حاکم خیر پور بھی ان کا بہت معتقد تھا یہانتک کہ اس نے ان کے ہاتھ پر بیعت کی (۱) - اس خاندان کے ایک رئیس میر علی صفدر خان تالپور نے سچل کا پہلا فارسی مجموعہ کلام " دیوان آشکار " بڑے اہتمام سے شائع کرایا تھا - (۲)

سچل کو شاہ قلندر سے بیحد عقیدت تھی - شاہ قلندر نے ان کی زندگی مین توحید و رسالت کے عشق کا راز کھول دیا تھا - انھوں نے لال شہباز قلندر سے بے انتہا سیفتگی و ارادت کا ذکر اپنے اشعار مین یوں کیا ہے

قلندر جوگی کیسے بین بجائے

تو شاہ بے نیازی دم زن "اِنیِّ اِنا اللہ"   شہباز پاکبازی دم زن " اِنیِّ انا اللہ "

وحدت کا آکو کے آیا شہباز دل پھیرے   اب مٹ چکے ہین سارے آداب شکر للہ

---

(۱) " تعلقات بہ حکام وقت " ، مقدمہ دیوان آشکار ، مرتبہ مخدوم امیر احمد

(۲) مضمون سچل سائین کے ادبی تبرکات ، از قاضی علی مردان درانی ، مطبوعہ نئی زندگی جون ۱۹۵۲ء -

سچل کا زمانہ کئی اعتبار سے بڑا مبارک اور اہم زمانہ تھا ۔ شاہ عبداللطیف بھٹائی بقید
حیات تھے ۔ جب شاہ لطیف نے وفات پائی تو سچل کی عمر تیرہ برس تھی ۔ یہ وہ دور تھا جب
فضائے سندھ شاہ صاحب جیسی عظیم المرتبت ہستی کے روحانی ، علمی و ادبی فیوض سے معمور تھی
ہر سو شاہ لطیفکی حیات آفرین ، معرفت انگیز صداوں سے قلوب انسانی مسرور و مخمور ہو رہے تھے
ایسے مبارک و متبرک زمانے میں سچل کا آغوش حیات میں آنکھیں کھولنا یقیناً فال نیک ثابت ہوا ۔
ان کے کانوں میں اللہ اکبر کی آوازیں گونجیں ۔ ہوش سنبھالا تو قرآن حکیم اور حدیث نبوی کے
علاوہ صحیفہ لطیفکے گہوارۂ تعلیمات و پیغامات میں اپنی فکر و دانش کی تہذیب و تدوین کی اور
پاکیزہ زندگی کو اپنایا ۔ روح کی پاکیزگی ، دل کی صفائی ، قلب کی وسعت و بلندی نے سچل کی
تعلیمات کو اجاگر و پائیدار کیا ۔ ان کے افکار جمیل پر شاہ صاحب کا پر تو جابجا ملتا ہے ۔

سچل صوفی منش تھے ۔ فلسفہ تصوف کو محض ایک نظریئے کے طور پر نہیں بلکہ جزو زندگی
بناکر اپنایا تھا ۔ یہ اجزائے ترکیبی کُل میں سمو کر تخلیق کا روپ دھار گئے اور تخلیق کا راز
بتلا گئے ۔ جس ماحول میں سچل نے پرورش پائی ، تعلیم و تربیت سے آراستہ ہوئے وہ خالص دینی اور
مذہبی ماحول تھا ۔ شاہ عبداللطیف (۱) اور لعل شہباز قلندر (۲) کی تعلیمات نے ان کے دل
و دماغ پر گہرا اثر کیا تھا ۔ وہ ان بزرگوں کے پیغامات سے خاص طور پر متاثر ہوئے ۔ تلاش حق اور
راہ حق کے فلسفے کو شاہ صاحب نے اپنے رسالوں میں بڑی وضاحت و صراحت کے ساتھ بیان فرمایا
ہے (۳) ۔ شاہ صاحب کی یہ آواز سچل کے قلب و دماغ میں رس بس گئی ۔ شاہ صاحب کے زمانے
کے عوامل و کوائف اور گرد و پیش کے تقاضوں نے سچل کے فکر و فن پر فطری اثر ڈالا ۔ سچل نے
ارشادات لطیف پر عمل کیا ۔ ان کے تمثیلی کلام کا تتبع کیا (۳) ۔ جیسا کہ اوپر عرض کیا جاچکا
ہے کہ مختلف راہوں سے گزر کر اپنے لئے ایک نئی راہ متعین کی ۔

شاہ لطیف کی طرح سچل نے بھی جا بجا اس انداز میں حق کا پیغام دیا ہے ۔ " مو توا
قبل ان تموتو " ۔ میں جو درس حق دیا گیا ہے اسکی ترجمانی سچل نے اپنے اشعار میں یوں کی ہے

" مو توا " میں ہے بشارت کس عشق کی اشارت

مرنے میں ہے صفائی پاوئے تم حیاتی

---

(۱) ملاحظہ ہو " شاہ کا رسالہ "

(۲) ملاحظہ ہو تذکرہ شہباز مولفہ ڈاکٹر میمن عبدالمجید سندھی (نسخہ سندھی)

(۳) گزشتہ صفحات میں راقم نے شاہ لطیفؒ کے تذکرے میں اس موضوع پر تفصیل سے روشنی ڈالی ہے ۔

(۳) مقدمہ از حکیم محمد صادق رانیپوری سچل جو سرائیکی کلام ، ص ۳۱

هو جانا بقا مین ، اس حسن یه تها مین

حق کی قسم تو حق هے بن جا تو ذات ذاتی

اس شمع پر پتنگے آتے هین کیا اچهل کر

تر سینگے وه نه هر گز جن کو ملے هماتی

منصور کا یه قصه معراج سرا پهر

سولی په دیکه لے تو اثبات مین نکاتی

سمجها سچل نے بیشک مجه مین هے حق سمایا

جب سے هے دل لگایا دوئی رهی هے جاتی

سچل کے اسلامی تصوف کے فلسفے مین اناالحق ، وحدت الجود ، همه اوست ، نفی اثبات ، فنا ، بقا ، موت و زیست ، حق و باطل ، ظاهر و باطن ، خیر و شر ، ذکر و فکر ، حال و قال کے تمام پہلو نظر آئینگے ۔ سچل نے ان تمام نکات کو شعری آئینے مین جما کر انسانی ذهنون کو حقیقت پسندی ، حق شناسی و حق گوئی سے سرشار و همکنار کردیا هے ۔

منصور هو یا سرمد هو صنم یا شمس الحق تبریزی هو

اس تیری گلی مین اے دلبر هر اک کا سر قربان هوا

اگر اثبات کو سمجها نه هر گزتو گدا هوگا — گدا اگر تو نهین هرگز یقیناً خود خدا هوگا

فنا کی بات باطل هے اگر تو هم سے سچ پوچهے — خدا هے تو بقایا الله نه هرگز تو فنا هوگا

نه جلوه گر هے هر دو جهان نےکوئی جلوه هے — تری جائے نظر هے تو نظر سے خود لتا هسے

زمین پر کیا فلک پر کیا دگر کیا عرش و کرسی پر — درون بیرون همه چرچا تو کلی جابجا هوگا

"هوا لاول هوا لآخر هوا لظاهر هوا لباطن" — یهان بهی وه وهان بهی وه سچل پهر تو کجا هوگا

دوئی کا دین باطل هے نکل باهر تو مذهب سے — یه وحدت کا هے حکم اب وار چنگے سے چلاونگا

" وَہی یَسمع وَ فی یَبْصِر " نشانی حق کی یه پائی

" وهی ینطق " کو پهچانا تو سب باتین بتاون گا

بتایا مجه کو مرشد نے نهین تم غیر حق هر گز

" ولا موجود اِلاّ هو " یه نقاره بجاون گا

" هوا لظاهر هوا الباطن " وه حق موجود دو جگ مین

کها سولی په جو منصور نے مین وه کهاون گا

سچل تو سرِّ معنیٰ ہے جو کچھ دیکھا وہی پایا

دل و جان عشق کی اس آگ میں یا رو جلاوں گا

سچل سرمست کی شاعری کا بیشتر حصہ سندھی ، سرائیکی اور ملتانی زبانوں پر مشتمل ہے ۔ مرغ نامو ، وحدت نامو ، قتل نامو ، سندھی مرثیہ اور سچل جو رسالو ، سچل جو کلام عرف عاشقی الہام مرتبہ سر گرامی مانو فقیر مطبوعہ ۱۹۵۲ء سچل کی سندھی شعری تصانیف ہیں ۔ " سچل جو رسالو " مرتبہ مرزا علی قلی بیگ برادر مرزا قلیچ بیگ مطبوعہ الیکٹرک ابو العلائی پریس آگرہ میں ایک سو پچاس ڈوھیڑوں کے علاوہ غزلیں اور کافیاں ہیں ۔ " کافی " وہ صنف ہے جسے " وائی " کے نام سے شاہ لطیف نے ایک نیا روپ دیا اور سچل نے اسے انتہائی عروج تک پہنچایا (۱) ۔ سندھی اردو کے ممتاز شاعر شیخ ایاز کی رائے میں " سچل کے جدید سندھی گیت اور کافی نے شاعری میں بڑی دلکشی کے ساتھ ایک نئی روح پھونک دی ہے ۔ ان کی کافیوں میں گداز اور شیرینی ہے" (۲)

سچل فارسی گوئی میں ید طولیٰ رکھتے تھے اس زبان میں بھی بڑی مہارت اور روانی کے ساتھ شعر کہتے تھے ۔ متعدد تصانیف ان کی غیر فانی یادگار میں سے ہیں ۔ " دیوان آشکار " میں فارسی غزلیں اور کافیاں ہیں اسکے متعدد ایڈیشن مختلف اداروں نے شائع کئے ہیں ۔ ایک نسخہ مخدوم امیر احمد مرحوم نے اپنے مقدمہ کے ساتھ مرتب فرمایا تھا جسے سچل ادبی اکیڈیمی لاہور نے شائع کیا ہے (۳) ۔ علاوہ ازیں مثنوی معنوی رومی اور فرید الدین عطار کی منطق الطیر کی طرز پر حسب ذیل مثنویاں سچل کی اہم شعری تخلیقات ہیں ۔

رہبر نامہ ، سوز نامہ وصلت نامہ ، تار نامہ ، عشق نامہ ، ساقی نامہ ، گداز نامہ اور راز نامہ ۔

سچل جو سرائیکی کلام (۵) مرتبہ مولانا محمد صادق رانیپوری مطبوعہ سندھی ادبی بورڈ ۱۹۵۹ء کا پہلا حصہ سرائیکی ڈوھیڑوں ، سی حرفیوں اور کافیوں پر محیط ہے ، سارا کلام مختلف سروں میں دعا ، حسن و عشق ، ھیر رانجھا ، تصوف وغیرہ جیسے موضوعات کا احاطہ کرتا ہے ۔

---

(۱) سندھی ادب کے مختلف رجحانات ، ص ۱۰

(۲) ۱۲ جون ۵۳ء میں سکھر میں سچل سرمست کی برسی کے موقع پر جناب شیخ ایاز کی صدارتی تقریر بعنوان " سچل سرمست کی عظمت " (سندھی) مطبوعہ نئی زندگی ، مئی ۱۹۵۵ء سے اقتباس

(۳) دیوان آشکار کے اس نسخے کی ایک جلد راقم کے نجی کتب خانے میں محفوظ ہے ۔

(۴) پروفیسر عطا محمد حامی نے آخری پانچ مثنویوں کے سندھی میں ترجمے کئے ہیں اور وہ تراجم انکی کتاب " منصور ثانی سچل سرمست " میں شامل ہیں ۔

(۵) اس مجموعہ کلام کا ایک نسخہ راقم کی پرسنل لائبریری میں موجود ہے ۔

دوسرا حصہ پچاس اردو غزلیات کا دلکش و دلگداز مرقع ہے ۔ ان کا یہ اردو کلام کہیں میر تقی میر اور کہیں خواجہ میر درد کے رنگ میں ڈوبا ہوا ہے ۔ جہاں تک سندھی و سرائیکی شاعری کا تعلق ہے وہ تو شاہ لطیف کا کوئی دوسرا روپ ہے لیکن اردو کلام خواجہ میر درد سے ہم آہنگ ہے ، زبان و بیان کے اعتبار سے سچل میر درد سے قریب ہیں ان کا اسلوب و طرز ادا وہی ہے جو درد کا ہے ۔ درد کے رنگ (۱) میں یہ اشعار ملاحظہ فرمائیے ۔

کروئیں کس کو بھلا اپنے حال سے آگاہ
تری ہی درد سے قصہ مرا تمام ہوا

جو اپنے سر پہچانے انا سرہ وہ انسان ہے
بڑی ہے بات الفت کی وہ ہے مشکل نہ آسان ہے

وہی ظاہروہی باطن وہی ہم تم کا بہانہ ہے
نکل اس کفر اور اسلام کی حد سے یہ فرمان ہے

مری آنکھوں نے اے دلبر عجب اسرار دیکھا تھا
مثال ابر اس خورشید کا انوار دیکھا تھا

ظاہر ہو یا باطن اندر ہو یا باہر — سچل سپرد تیرے ہر باب شکر اللہ
میں بار بار ہوں خودکچھ بھی نہیں تفاوت — سمجھا انا کے معنی دیگر کلام کیا ہے
تحقیق ~~التحقیق~~ الحقیقت ساری ہے اس خدائی — سچل ہے جب وہ مالک تو پھر غلام کیا ہے

حق پاک ہے حق پاک ہے حق خالق افلاک ہے
کہ خرم و بیباک ہے کہ خود بخود سفاک ہے

عشق مجازی ہو یا حقیقی، عشق کے بغیر زندگی کوئی زندگی نہیں ۔ کائنات کا وجود اور حیات کی تشکیل عشق کے سربستہ راز میں مضمر ہے ۔ محبوب کی طلب اور عشق کی تڑپ وہ کیفیت ہے جو حیات کو تابندگی اور استقامت بخشتی ہے ۔ عصر قدیم میں رومی و حافظ اور عصر جدید میں

---

(۱) ملاحظہ ہو مقالہ " درد کا تصوف " بشمولہ " تحریر و تقریر " از ڈاکٹر غلام مصطفی خان ، مطبوعہ ۱۹۶۲ء

لطیف و اقبال نے فلسفہ عشق کو اپنے کلام میں بڑی وضاحت کے ساتھ پیش کیا ہے ۔ عشق کی راہیں آسان بھی ہیں اور کٹھن بھی ۔ جو ہم نفس ناہموار و دشوار گزار راہوں سے گزر کر منزل مقصود تک پہنچتا ہے وہی محبوب کی قربت کی لذتوں سے سرشار و بدمست ہوتا ہے ۔ سچل نے عشق مجازی کی چوٹ کھائی تھی یا نہیں اسکا تو علم نہیں لیکن مجازی دنیا کے محبوب سے خوب جی کھول کر گفتگو شدید کی ہے ۔ تصوراتی لطف اندوزی، بدمستی و سرشاری ان کے حصہ میں آئی ہے ۔ مزید برآں چونکہ انھیں تصوف و معرفت سے فطری لگاؤ اور گہرا تعلق تھا ، صوفیانہ زندگی سے روحانی وابستگی تھی اس لئے وہ عشق کے اسرار و رموز اور کیف و کم کی نعمتوں سے خوب آشنا تھے ۔ ان کے افکار عالیہ میں روحانی اسرارکی جستجو اور روحانی اضطراب کی کیفیت ہے ۔ اس حقیقت کا انکشاف ان کی فارسی نگارشات سے ہوا ہے ۔ ان کی اردو منظومات بھی عشق کے بھرپور تاثر کا اعلی نمونہ ہیں ۔ پہلے اس صوفی منش شاعر بے بدل کا ایک فارسی شعر دیکھئے

آشکارا ، گزرز مذہب ہا   دورہ عشق چہ گدچہ شاب

اب اردو اشعار نذر قارئین ہیں

بہتر ہے ایسی زندگی بن عشق ہے شرمندگی   بن عشق ہے شرمندگی بہتر ہے ایسی زندگی

عشق عجب آفات ہے نے کشف و کرامات ہے   تقویٰ نہ کوئی بات ہے تس میں نہ موجودات ہے

اے یار توں نے سر دیا ترا نام تب عاشق ہوا   منصور نے جب سر دیا تب سوں ہے وہ الحق ہوا

اس عشق "انا الحق" کا یہی نعرہ لگا میدان میں آ   جب سر خود ظاہر کیا ہر حال تو تارک ہوا

سیکھے گا عشق جو بھی جھیلے گا وہ مصیبت   سر جان صدم یہ صدقے سچل یہ جسم سارا

عشق ہے امام میرا دیگر امام کیا ہے   میخانہ میں ہوا ہوں جرعہ یا جام کیا ہے

اس کو خبر اس راز کی ہے عشق کا جس پر اثر

سر دے سچل اس راہ میں مقصد یہی ہو جا کا مگر

آخر یہ مطلب پا لیا مرشد نے ہم سے کہا

بن عشق دلبر کے سچل کیا کفر کیا اسلام ہے

سندھ کے ایک ایسے شاعر نے جسکی زندگی صوفیانہ طرز پر گزری ہو خالق و مخلوق کی عبادت و خدمت کیلئے وقف ہو ، مختلف زبانوں میں شعر کہنے کی بے پناہ صلاحیت رکھتا ہو جب اردو زبان میں طبع آزمائی کی تو اپنے باکمال معاصرین سے کسی طرح پیچھے نہیں رہا ۔ جو اشعار خالص تغزل کے رنگ کے ہیں ، جن میں واردات قلب ، محبوب مجازی کے غمزے ، عشوے ، انداز و اطوار کی عکاسی

اور حسن و عشق کی ترجمانی کی گئی ہے وہ سوز و گداز ، غم و الم ، شوخی و بیباکی کیفیتوں سے بھرپور ہیں ۔ ایسے اشعار پر میر تقی میر کا اثر بدرجہ کمال غالب ہے ۔

تیرے صبر ہجر میں بیارا روتا ہوں زار زار
وعدے نے تیرے ہم کو اب منتظر کیا ہے
اتنی بے وفائی یار نہ کر سچل سے
اس کی گلی میں تم نے اک دن گذر کیا ہے

بیچارہ اک نہیں میں آشفتہ اس صنم کا — کتنے ہوئے حیران دیکھکر حسن لایزالی
دل کو ترا جادو لگانے صبر نے آرام ہے — تری طرف سے اے صنم نے خط نے پیغام آہے
آتش لگادی جان سوں فریاد پر فریاد ہے — مرتا ہوں تیری ہجر میں یہ سوزاں صمصام ہے
اس حال کی اپنی خبر کسکو سناوں اے صنم — جنجال ہے یہ زندگی مرنا ہی میرا کام ہے
آنکھوں میں جادو ہے تری لوٹا ہے تونے دل میرا — ہے زلف کی وہ پیچ میں اسیر سچل یہ دام ہے
دلبر کے دل پہ میں تو دیوانہ ہورہا ہوں — یارو میں دو جہاں سے بیگانہ ہورہا ہوں
تجھ کو تو درد نہیں یار نے سچل سے کہا — میں نے رو رو کے کہا تجھ کو اعتبار نہیں

سچل کی ولادت ولی دکنی کی وفات (۱۷۴۴ء) سے پانچ سال پہلے ہوئی جب سچل نے شعر و ادب کی دنیا میں قدم رکھا تو اردو شاعری پر سلطان محمد قلی قطب شاہ اور ولی دکنی کی چھاپ تھی [1] ۔ زبان و بیان میں دکنی الفاظ و محاورات کی آمیزش تھی ۔ وہ الفاظ و تراکیب جو آج متروک ہیں اس زمانے میں عام طور پر رائج تھیں ۔ حسن کلام و حسن خیال کا خیال کم رکھا جاتا تھا ۔ دلی جذبات کی ادائگی ، اپنے مخصوص انداز میں کرتے تھے ۔ ذیل میں اس رنگ کے چند اشعار پیش کیئے جاتے ہیں ۔

گلشن ہے تو بہارے بلبل ہے دل ہمارا — رنگ باس دونوں تجھ میں پھل ہے پھلیا ہوا
تری درشن کوں اے محبوب آتے ہیں جیباں سب
دکھ درشن جو ہوویں رکھ جل اشکوں رقیباں سب
(قلی قطب شاہ)

---

(۱) ملاحظہ ہو تاریخ ادب اردو از رام بابو سکسینہ مطبوعہ نولکشور (نسخہ ھندی)

دل بیتاب کہ اک آن نہیں اس کو قرار
زلف دلدار ھسر ہے پریشانی میں

مدت ہوئی سجن اے دکھایا نہیں جمال
دکھلا کے اپنے قد کوں کیا نہیں نھال

اب جدائی نہ کر خدا سوں ڈر
بے وفائی نہ کر خدا سوں ڈر

رحم کر اوپر کہ آیا ھے ولی
درد دل کا تجھ کوں درمان بوجھ کر

(ولی دکنی)

آبرو ھر بیچ مرنا تھا
مکھ دکھا کر اسے ~~تجھے~~ جلائے گا (آبرو)

سچل کی شاعری کا ڈھانچہ بھی دکنی اردو اور دکنی اصطلاحات کی بنیاد پر تشکیل پایا ۔ سچل نے بھی وھی طرزادا اختیار کیا جو اس زمانے کے شعراء کا طرۂ امتیاز تھا ۔ اسی قبیل کے چند اشعار دیکھئے

بیمار ہوں تیرے برہ کا چھوٹنا میرا مشکل ہوا
بہ درد میرا دیکھکر افلاطوں لایقعل ہوا

اے یار تم آنا نہیں مجھ پر شفا بخشی کرو
اس درد میرے کی دوا آنا ترا اک پل ہوا

عاشق بھی جو غم ہوا دونوں جگ اک دم ہوا
دن رات اس ماتم ہوا اکھیاں کا اب آگم ہوا

کرتا ہوں اے ھربجن اس باب شکر اللہ
اس بیرہ نے کیا ھے بیتاب شکر اللہ

تیرے جو نین دیکھے حیرت میں پڑگیا ھوں
تونے کیا ہے مجھ کو بیخواب شکر اللہ

سچل کی غزلیں رنگ تغزل کا عمدہ نمونہ ھیں ۔ معیاری بھی ھیں محاسن شعری سے مزین بھی ۔ زبان صاف ، سلیس ، انداز بیان دلچسپ ، الفاظ کا استعمال مناسب و موزوں ہے ۔ بعض مقام پر طرز ادا کی دلکش نے شعر کو کہیں سے کہیں پہنچا دیا ھے ۔ ھجر وصل ، چھیڑ چھاڑ ،

وفا و جفا ، بے اعتنائی و بے التفاتی ، بے رخی ، غمزہ ، شوخی وغیرہ جو غزل کے دور قدیم کی خصوصیات میں سے ہیں ان کے ہاں بڑی دلنشینی و دلپذیری کے ساتھ موجود ہیں ۔

مجھ کو فنا کریگی اے جان تری جدائی × فرقت میں تیری درد کرتا ہوں میں گدائی

تیری فراق سے میں دیوانہ بن چکا ہوں × مجھ کو ہوش ہے حاصل الفت میں جگ ہنسائی

دو چار دن کا میلہ دوچار دن فراقی × سیکھی کہاں سے تونے یہ ستم آشنائی

معشوق کی نگاہ سے دل خوش ہوا ہے × فرقت کا غم مٹایا کہتا ہوں حمد اللہ

ہاتھوں میں اسکی کاجل ہاتھوں میں اسکی لالی × پیتا ہے خوب بھر بھر وہ جام پیرتالی

وہ شاہ عشق آیا دیکھو سچل تماشا × فرار ہوچکی ہے اب میری عقل ساری

یہ ہے طریق مشکل آسان نہ اس کو سمجھو × اس عشق میں اے یارو، موجود صد جفا ہے

سر کی نہ کر تمنا گر راہ عشق پوچھی × یہ قتل عاشقوں کا الفت میں ہی روا ہے

اس کو خبر نہیں ہے اس عشق کی اے یارو × جو شخص ہے یہ کہتا معشوق بے وفا ہے

آشفتان ہزاران قربان سر کرلیں گے × سچل غریب مسکین درگاہ کا گدا ہے

مری آنکھوں نے اے دلبر عجب اسرار دیکھا تھا × میان ابر اس خورشید کا انوار دیکھا تھا

جلایا طور سینا کو تھا جس نور تجلی سے × تری کوچے میں اس انوار کو اظہار دیکھا تھا

مرا تو کام تھا اس ہادی و رہبر کی صورت سے × اسی صورت کا میں نے ہر جگہ دیدار دیکھا تھا

برابر ہیں پھر جا جسطرح سورج کی یہ کرنیں × پھر مظہر اسی انداز سے اظہار دیکھا تھا

کہا اکبار اس نے بالیقین کلمہ انا الحق کا × رہ اسرار میں منصور کو بردار دیکھا تھا

کنارا تھا نہ جس کا تو سچل اس بحر میں آیا
نگو سار اس میں ہر اک طالب دیدار دیکھا تھا

شاھو فقیر

(۱۱۶۵ ھ — ۱۲۳۰ ھ / ۱۷۵۲ ء — ۱۸۱۵ ء)

حضرت روحل فقیر کا حلقہ تلامذہ اور دائرہ ارادت وسیع تھا ۔ خود ان کے خاندان میں کئی اچھے شعراء و ادباء گزرے ھیں ۔ مراد فقیر ان کے عزیز قریب تھے ۔ روحل کی اولاد میں شاھو خان فقیر غلام علی اور دریا خان نے تاریخ و تصوف اور علم و ادب کی دنیا میں نمایاں خدمات انجام دیں ۔

شاھو خان زنگیجہ عرف شاھو فقیر ، روحل فقیر کے فرزند اکبر اور خلیفہ ارشد تھے ۔ روحل کی وفات کے بعد شاھو فقیر درگاہ روحل کے سجادہ نشین ھوئے (۱) ۔

شاھو خان ۱۱۶۵ ھ (۱۷۵۲ء) میں بمقام کنڈڑی (ضلع خیرپور) میں پیدا ھوئے اوروھیں ۱۲۳۰ ھ (۱۸۱۵ء) میں داعی اجل کو لبیک کہا ۔ ان کا مزار مبارک کنڈڑی میں واقع ھے ۔

شاھو فقیر نے تصوف و شریعت اور علم و دانش کے گھوڑے میں پرورش پائی ۔ انکی تعلیم و تربیت ان کے عالم باعمل اور سالک بے بدل باپ کی خاص نگرانی میں ھوئی ۔ سندھی سرائیکی اور ھندی میں مناسب تعلیم حاصل کی ۔ تینوں زبانوں میں شعر کہا ۔ تخلص شاھو لکھا ھے ۔ صوفیانہ زندگی اور ذوق شعری میں اپنے والد کی پیروی کی اپنے اکثر اشعار میں اپنے مرشد باپ اور شفیق استاد کا نہایت عقیدت و احترام سے ذکر کیا ھے ۔

اس زمانے کی روایت کے مطابق ان کا کلام ھندی آمیز اردو میں موجود ھے ۔ اس قسم کا کلام زیادہ تر سندھی ، ھندی اور اردو الفاظ و تراکیب پر مشتمل ھے ۔ اسے ریختہ بھی کہہ سکتے ھیں ۔ لیکن چونکہ شاھو فقیر ، روحل فقیر اور ان کے خاندان کے دیگر شعراء نے اسلامی تصوف کے ساتھ ساتھ دیو مالا ، ھندو مت اور رامائنی قصہ کہانیوں کو بھی منظوم کیا ھے اسلئے ان کے ھندی سے خصوصی لگاو کا اندازہ کیا جاسکتا ھے ۔

---

(۱) تذکرہ لطفی ، حصہ دوم ، ص ۳۷۳

شاهو فقیر اور ان کے والد روحل کے درمیان یہ منظوم مکالمہ (۱) دیکھئے

شاهو فقیر

گُر پٹسی کم جاہنا ، گُبدہ ٹِی پہچان
شاهو اب عرض کرے ، دیهو سرب گیان
گیان بنا کم کم کو پڑے جب سگر کچھ سمجھا
شاهو پر دیا کرو ، دیهو تُرت دکھا

(گرونگر یعنی مرشد کے مسکن و موقت کو کم سمجھا گرچہ کم علمی کی پہچان ہوگئی شاہو عرض کرتا ہے کہ اسے صحیح علم سے نوازا جائے ۔ گیان یعنی علم کے بغیر کچھ سمجھ میں نہیں آتا اے مرشد کامل شاہو پر کرم کریں اور اسے اپنی تعلیم و رہبری کی روشنی دکھائیں) ۔

روحل فقیر

سگر پُٹسی پوس هے ، سدا ہے پرواہ
روحل او راجا بھئے ، راجن سے پتشاہ
اننگ اکثر نہ ملے ، تین تین بھرپور
روحل بچن بولئے ، کرچکے هنسا سور

(سچے مرشد کے مسکن اور موقت والا مرد حوصلہ مند اور لاپروا ہے ۔ روحل راجا بلکہ راجاوں کا راجا ہے ، اس کے هاں هوس کی کبھی گزر نہیں ۔ اسکی آنکھیں عشق حقیقی سے سرشار ہیں ۔ انہیں هنس کر چُگے جاسکتے ہیں (ان آنکھوں کا علم صرف دانا و بینا کو ہوسکتا ہے)

---

(۱) سندھ میں اردو شاعری ، ص ۳۷ - ۳۸ سے ماخوذ

غلام علی فقیر

(۱۱۸۰ — ۱۲۵۵ ھ / ۱۷۶۷ — ۱۸۳۹ ء)

فقیر غلام علی زنگیجہ جو غلام علی فقیر کے نام سے مشہور تھے ، روحل فقیر کے منجھلے صاحبزادے اور شاھو فقیر کے چھوٹے بھائی تھے ۔

غلام علی فقیر کی ولادت ۱۱۸۰ ھ (۱۷۶۷ء) میں اور وفات ۱۲۵۵ ھ (۱۸۳۹ء) میں ھوئی ۔ کنڈری نامی گاؤں ان کا مولد ، مسکن و مدفن ہے (۱) ۔ انھوں نے اپنے پیچھے دو فرزند چھوڑے ۔ روحل فقیر ثانی اور فقیر نواب خان ۔ دونوں نے فقر و تصوف میں مقام حاصل کیا ۔ دونوں اپنے والد محترم فقیر غلام علی سے بیعت تھے ۔ روحل فقیر ثانی نے غلام علی فقیرکے وصال کے بعد ان کی جگہ سجادہ نشینی کا دستار پہنا ۔ فقیر نواب خان سندھی کے شاعر تھے ۔ کافی گوئی میں شہرت پائی ۔ اس صنف میں اپنے والد سے خاص طور پر استفادہ کیا

غلام علی فقیر نے اپنے بڑے بھائی شاھو فقیر کی نگرانی میں تعلیم و تربیت پائی اور علوم ظاھری و باطنی سے آگہی حاصل کی ۔ برادر اکبر کی رحلت کے بعد مسند سجادگی پر جلوہ افروز ھوئے ۔ لائق باپ اور فائق بھائی کی تعلیمات کی بڑی حسن و خوبی سے تبلیغ کی ۔ اپنے علم و عمل سے دوسروں کو مستفیض کیا ۔ اپنے کلام میں روحل اور شاھو سے مستفیض ھونے کا ذکر کیا ھے ۔

> کل فقیر کون کیتم سجدہ ، شاھو شاہ ھمارا
> میں نے کیا
>
> پیر اساڈا
> پیر ساڈا ظاھر ھویا ، شاھو شاہ سدا وعدا
> ھمارا کہلاتا ھے

غلام علی فقیر نے کوئی تخلص اختیار نہیں کیا ۔ سرائیکی ، سندھی اور ھندی میں شعر کہتے تھے ۔ ھر زبان کے اشعار میں غلام علی بطور تخلص لکھا ہے ۔ ان کا نظریہ سلوک و صفا وھی

---

(۱) تذکرہ لطفی ، ص ۳۷۴

وهی تھا جو ان کے بزرگانِ سلف کا تھا ۔

شاعری میں بھی انھوں نے اپنے بزرگوں سے فیض پایا ۔ لیکن ایک چیز جو انھیں اپنے خاندان کے صوفی شعراء میں ممیز کرتی ھے وہ ھے ان کی کافی ۔ انھوں نے دیگر صنفوں کی نسبت کافی کو زیادہ پسند کیا اور اس فن میں نمایاں کامیابی حاصل کی ۔ ان کے کلام میں کافیوں کی تعداد خاصی ھے ۔ ان کی کافیوں میں ان کا منفرد رنگ نمایاں ھے ۔ ان کی کافیوں میں ان کا منفرد رنگ نمایاں ہے ۔ ان کے خیالات و نظریات کی بھرپور عکاسی پائی جاتی ھے ۔ ان کا هندی کلام روحل اور شاهو کے هندی کلام سے زیادہ صاف ہے ۔ ان کے کلام میں اردو الفاظ و محاورات کا استعمال بڑی خوش اسلوبی سے کیا گیا ھے ۔

روحل فقیر اور مراد فقیر کی هندی شاعری کے طرز پر ایک هوری کا نمونہ دیکھئے

پریم نگر کے مادھ ، شیام سوں کھیلوں هوری
بدرا بن موں بین بجاوے، چشمان لاوت چوری
عطر عبیر کی دھوم مچی ہے ،کیسر بھرت کٹوری
لگی منڈل موں دامنی چمکے، نحد کی گھنگھوری
آپ سوں آپ ھیں کھینچ لیوھے ، پائے پریم کی ڈوری
شاھو شاہ کے سرنے آیا ، پریت لاگی عب موری
غلام علی اب گیان گلی میں ، ملیو شیام کشوری

تیسرا دور ١٢٥٩ — ١٣١٨ ھ / ١٨٤٣ — ١٩٠٠ ع

عہد برطانیہ (دور اول)

خلیفہ نبی بخش لغاری قاسم قادری

دریا خان زنگیجہ

فقیر یوسف ناک

سید قنبر علی شاہ

فتح دین شاہ جہانیاں پوشہ

غلام شاہ لغاری

شاہ نصیر الدین نقشبندی

حمل فقیر لغاری

غلام حیدر فقیر

نظر علی فقیر زنگیجہ

فقیر قادر بخش بیدل

سید مہدی شاہ بخاری

اللہ داد خان صوفی لغاری

صوفی ابراہیم شاہ فقیر

مخدوم ابراہیم خلیل نقشبندی

مخدوم امین ہالائی

نواب غلام اللہ خان لغاری

حزب اللہ شاہ مسکین راشدی

حسن بخش شاہ

محمد محسن بیکس

خلیفہ نبی بخش خان لغاری قاسم قادری

۱۱۹۰ھ / ۱۷۷۶ء — ۱۲۸۰ھ / ۱۸۶۳ء

خلیفہ نبی بخش خان لغاری قاسم قادری ، طریقہ قادریہ کے صاحب طریقت بزرگ تھے ان کے والد بزرگوار کا نام بالاچ خان لغاری تھا ۔ خلیفہ نبی بخش خان لغاری ۱۱۹۰ ھجری مطابق ۱۷۷۶عیسوی میں سیٹھی نامی آباٹی دیہات میں تولد ہوئے ۔ اب وہ مقام تحصیل ٹنڈو باگو کے نام سے مشہور ہے اور ضلع حیدرآباد میں واقع ہے ۔

عربی و فارسی کی معمولی تعلیم مقامی مکتب میں حاصل کی ۔ ذاتی مطالعہ اور مشق و ریاضت سے علم و ادب میں بہت اچھی استعداد حاصل کی ۔ ۱۲۱۵ ھ میں جب گلشن حیات میں پچیسویں بہار سے لطف اندوز ہونے کا وقت آیا تو کسی کی محبت نے بیقرار کیا اور ازدواجی زندگی کا آغاز ہوا ۔ دو دلوں نے راہ وفا میں محبت کے پھول کھلائے لیکن رفیقہ زندگی کی زندگی نے وفا نہ کی اور وہ ہمیشہ کیلئے داغ مفارقت دے گئیں ۔

روئے گل سیر ندیدیم و بہار آخر شد

شریک حیات کی قبل از وقت موت اور دائمی جدائی نے نبی بخش کے دل و دماغ کو ماوف کردیا اور جہان رنگ و بو سے ایسے بیزار ہوئے کہ دنیائے حق و معرفت میں سکون قلبی تلاش کی ۔ نبی بخش خان کے ایک خالہ زاد بھائی محمد قاسم صوفیانہ خیالات کے اللہ والے آدمی تھے ۔ اہل اللہ کی صحبتوں میں رہتے تھے ، درگاہ راشدیہ قادریہ کے موجودہ سجادہ نشین حضرت پیر پگارو (سائیں پیر سکندر شاہ مردان ثانی) کے جد اعلیٰ حضرت پیر محمد راشد (روضے دھنی) (۱۱۷۱ - ۱۲۳۳ ھ) اس زمانے کے بہت بڑے جید عالم ، عظیم المرتبت صوفی اور جلیل القدر روحانی بزرگ تھے ۔ حضرت محمد قاسم لغاری حلقہ راشدیہ سے تعلق رکھتے تھے ۔ انھوں نے نبی بخش خان کو پریشان حال دیکھکر مشورہ دیا کہ جو مزا عشق حقیقی میں ہے وہ عشق مجازی میں کہاں؟ حقیقت و معرفت کا راستہ اختیار کرکے دیکھو تمہاری دنیا ہی بدل جائیگی ۔ نبی بخش اپنے بھائی محمد قاسم کی معیت میں حضرت روضے دھنی رحمتہ اللہ علیہ کی خدمت اقدس میں پیش ہوئے اور ان کے مبارک ہاتھوں سے شرف بیعت (۱) حاصل کیا ۔ نبی بخش لغاری

---

(۱) خلیفی جو رسالو مرتبہ ڈاکٹر نبی بخش خان بلوچ ۔ ص ۱۵

نے جس محنت ، ریاضت اور ذوق و شوق سے اپنے مرشد اعلیٰ کی رشد و ھدایات پر عمل کیا ۔ اس سے وہ بہت خوش ھوئے اور انہیں سند خلافت (١) و خرقہ خلافت سے نوازا ۔ درویشی میں ایسا لطف آیا کہ انھوں نے طریقہ قادریہ کی تبلیغ و اشاعت ، عبادت و ریاضت اور علمی و دینی خدمت کیلئے اپنی باقی عمر کو وقف کردیا ۔

پیر گھائیں محمد راشد (روضے دھنی) کے وصال کے بعد ان کے جانشین فرزند پیر سائیں سید صبغت اللہ شاہ (حجر دھنی) المتوفی ١٢٣٦ ھ (١٨٢١ع) کے حلقۂ ارادت میں خلیفہ نبی بخش کو امتیازی مرتبہ حاصل تھا ۔ اپنے تبلیغی مشن کی خاطر پیر صبغت اللہ شاہ کے ھمراہ سندھ ، کاٹھیاوار اور گجرات وغیرہ جیسے دور افتادہ مقامات کی سیاحت (٢) کی ۔ پیر صبغت اللہ شاہ کی وفات کے بعد ان کے صاحبزادے پیر سائیں سید علی گوھر شاہ اصغر (بنگلے دھنی) (المتوفی ١٢٦٣ ھ مطابق ١٨٤٢ع) کے عہد سجادہ نشینی کا سلسلہ پیری مریدی اور علمی و دینی خدمات کا شہرہ عروج پر تھا ۔

پیر سائیں سید حزب اللہ شاہ (تخت دھنی) (١٢٥٨ - ١٣٠٨ ھ) خلیفہ صاحب کے جوان سال ھمعصر تھے اسطرح خلیفہ صاحب نے خاندان راشدؒ کی مسلسل چار برگزیدہ ھستیوں کی آنکھیں دیکھیں ۔ ان صوفیائے کرام کے علاوہ خلیفہ صاحب کے معاصرین میں کئی [illegible] علمائے دین ، اصفیائے کرام اور متعدد ادباء و شعراء حضرات گزرے ھیں جن میں روحل مراد ، عبداللہ فقیر ، سچل سرمست ، فقیر محمد صدیق سومرو ، فقیر بیدل ، سید ثابت علی شاہ بھاوری عرف شریف وغیرہ کے اسمائے گرامی تاریخ علم و عرفان میں ھمیشہ حرمت و احترام سے لیئے جائیں گے ۔

١٢٥٩ ھ مطابق ١٨٤٣ع میں جب خطہ سندھ پر فرنگیوں کا تسلط ھوا تو اس انقلاب عظیم سے ان گنت لوگ بے یار و مددگار اور بے گھر و بار ھوگئے ۔ خلیفہ نبی بخش خان لغاری کو بادل ناخواستہ اپنی جائے سکونت تبدیل کرنی پڑی اور وہ اپنے آبائی گاؤں میٹھی کی رھائش ترک کرکے شہر حیدرآباد سے چھ میل کے فاصلہ پر مغربی جانب ایک ویران مقام پر اقامت پذیر ھوئے ۔ ان کی موجودگی دوسروں کے لئے باعث عزم و ھمت اور موجب خیر و برکت ثابت ھوئی ۔

---

(١) خلیفی جو رسالو ۔ ص ١٨

(٢) تذکرہ صوفیائے سندھ ۔ ص ٢٤١

دیکھتے ہی دیکھتے وہاں انسانوں کی آبادی ہوگئی ۔ اس بستی کا نام خلیفہ صاحب کی نسبت سے " خلیفی جی میٹھی " پڑ گیا ۔ خلیفہ لغاری نے اس غیر آباد علاقے کو آباد کیا اور وہاں کے باشندوں کو اللہ ، اسکے رسول ، رسول کے دین اور دین کی عظمت سے آگاہ کیا ۔ اس نو آباد بستی میں بھی ان کے مریدوں، شاگردوں اور عقیدتمندوں کی تعداد میں بہت اضافہ ہوا۔

خلیفہ نبی بخش خان لغاری قادری نے اپنے نو آباد کردہ گاؤں " خلیفی جی میٹھی " میں سن ۱۲۸۰ ھ (۱۸۶۳ع) کو ۸۰ سال کی عمر میں داعی اجل کو لبیک کہا ۔

خلیفہ نبی بخش اردو ، سرائیکی ، سندھی اور ہندی کے خوش فکر شاعر تھے ۔ بقول ڈاکٹر غلام علی الانا ۔ " سندھ کے عظیم ترین رزمیہ شاعر تھے ان کی نظمیں حب وطن اور جذبۂ جہاد سے سرشار ہیں" [۱] ۔ ان کے بھائی حضرت محمد قاسم میدان تصوف میں انکے پہلے ہونے ان کا دل سے احترام کرتے تھے ۔ بطور عقیدت انہوں نے اپنا تخلص قاسم رکھا ۔ شاہ سندھ ، ولی کامل حضرت شاہ عبداللطیف بھٹائی (۱۱۰۲ ھ ۔ ۱۱۶۵ ھ) رحمۃ اللہ علیہ سے ان کی عقیدت لامحدود تھی اسلئے " شاہ جو رسالو " کی مناسبت سے انہوں نے اپنے مجموعۂ کلام کا نام " خلیفی جو رسالو " تجویز فرمایا ۔

محترمی ڈاکٹر نبی بخش خان بلوچ کا یہ اقدام نہایت مستحسن ہے کہ انہوں نے " خلیفی صاحب جو رسالو " کو بڑی محنت اور مطالعہ سے مرتب فرمایا ہے ۔ یہ مجموعۂ کلام ۳۰ × ۲۰ سائز کے ۳۳۰ صفحات پر مشتمل ہے ۔ ۱۹۶۲ع میں سندھی ادبی بورڈ حیدرآباد کے تحت خوبصورت ٹائپ میں چھپ کر منظر عام پر آچکا ہے ۔

خلیفہ صاحب کا یہ رسالہ ۲۹ سر ، وائیاں ریختہ ، غزلیات ، مناجات کا دلکش و دل فریب گلدستہ ہے ۔ سرائیکی ، ہندی اور اردو کی مختلف اصناف شعری پر ان کا دسترس حیرت انگیز ہے ۔ ہندی اردو کلام ۲۳۲ سے ۲۶۳ صفحات تک محیط ہے ۔ حصہ اردو کا عنوان یہ ہے

" ایں جز در زبان ہندوستان در سلوک و مناجات و غزلیات (واٹیھائے) و ریختہ (ڈرا گھائے) و پدوڑا سوڑہ و سہرا و ھمب و ہوری " ۔

---

(۱) مضمون " سندھی ادب اور زبان " مطبوعہ ماہنامہ پیغام ۔ کراچی ۔ اکتوبر ، نومبر ۱۹۷۶ع ص ۵۵ ۔

" در زبان ہندوستان " یعنی اردو میں اکیس غزلیات اور ۵ رختیہ ہیں ۔ ان کی شاعری کا زیادہ تر حصہ شعر و موسیقی کا روح نواز و دلگداز امتزاج ہے اور یہ قدیم عارفانہ شاعری کی عمدہ مثال ہے ۔ بقول ڈاکٹر مہر بخش بلوچ (رسالہ خلیفہ ص ۲۲۵) " وائی ، غنائی نظم کی ایک قدیم صنعت ہے " ۔ اس صنعت میں خلیفہ صاحب کو ید طولیٰ حاصل تھا ۔ انہیں فن مثنوی میں بھی ملکہ تھا اں کا کمال یہ ہے کہ انہوں نے ۱۲۵۳ ھ مطابق ۱۸۳۸ع میں سسی پنوں کی معروف داستان کو سرائیکی زبان میں مثنوی کا روپ دے کر اسکی افادیت کو لازوال کردیا ۔

خلیفہ قاسم قادری کا اردو کلام توحید و سلوک کے اسرار و رموز اور حقیقت و معرفت کا سرور انگیز و روح پرور گنجینہ ہے ۔ حقائق و معارف کی مستی و سرمستی ، مدہوشی و سرشاریت کی کیفیات اور احساسات و جذبات سے ایک ایک شعر معمور و پرنور ہے ۔ اسلوب قدیم ہونے کے باوجود زبان صاف ، سلیس اور رواں دواں ہے ۔

انتخاب کلام

نکتہ ہائے در سلوک و توحید

ایا شاہ بیرنگ در باغ رنگ　　لگی رنگ کی رنگ میں خوب جنگ

لگا عشق کاتب سے ڈنکا تمام　　کیا ترک جنت کوں آدم امام

تو بلس میں دیکھ کن فیکون　　کہ پیدا ہوا پلی میں گوناں گوں

نہ مشرک نہ مومن نہ مامن ہو　　نہ قاتل یزیدی حسینی نہ حر

نہ ذاکر نہ شاکر نہ غافل غرور　　نہ جن و پریزاد ملکی نہ حور

نہ خالق خدا نہ خدا سے جدا　　یہودی نصاری نہ قوم سندا

ثوابوں سے الفت نہ طالب خطا　　مری ذات مجھہ کوں کو دیوے بتا

نہ ہاشم نہ قاسم محمد ملوک　　نہ جھگڑا کسی سے نہ کرتا سلوک

اسی دیس میں چل کے آیا جبھی　　مذاہب طریقے میں دیکھے تبھی

کیا موج رنگیں آب حیات　　حباب میں ملیا آب سیں آب آب

بحر میں پڑی بوند ہوگئی بحر　　بحر ہے بحر ہے بحر ہے بحر

بحر سے نکالے بھلا کون بوند　　بحر سیں ملی بوند ہوگئی سمونید

بحر میں یہی بوند موتی امول　　وہی پھول پھل ہے وہی جھاڑ پھول

نظر بیچ آئے عجب ایک کھیل　　یہ ہے کھیت بویا نہ ساتھی نہ بیل

کہ آگے بھی تھا ان پیچھے بھی ان　　ملیا خاک میں ایک ساتھی کا تن
اہیا ہیچ اپنی اصل کسے اصل　　نہ آیا ہماری نظر میں نقل

مناجات بجناب غوث اعظم

غوث اعظم پیر پیران　　مدد میری پیر پیران
چوچل آئی سو پھل پای　　کات ہماری سب تقصیران
ہم ہیں جنوں کے جنم کے داسی　　صاحب میرے سمجھاً پھیرا
جرم گناہ سب قاسم کے　　کیجیو معاف صغیراً کبیرا

گلشن کی خبر خوب صبا بادے پوچھو　　تصویر قد سرو کی شمشاد سے پوچھو
بیدرد کو معشوق سے کیا کم ہے یارو　　شیرین کی حقیقت بھلا فرہاد سے پوچھو
آتے ہو نہ جاتے ہو ستاتے ہو بھلا کیوں　　تقصیر ہے کیا میری پریزاد سے پوچھو
نکلا ہے ستمگر وہ لے کر تیغ ادا کی　　مجھہ خون کی خبر خنجر فولاد سے پوچھو
غم درد کی تصویر قاسم کن کون بتاوں　　آواز میری آہ کا تم ناد سے پوچھو

گھر چلی ہمارے چنچل آتا کبھی کبھی　　بد خو رقیب کون بھی ستاتا کبھی کبھی
جس وقت او سریجن آتا ہے انجمن میں　　بیڑا ہمارے ہاتھہ سیں کھاتا کبھی کبھی
در پر سدا کھڑا ہو مانند گدا سوامی　　اپنی سنجی محفل میں بٹھاتا کبھی کبھی
جلتا ہوں غم کی دھوپ میں تجھ بن سوا سریجن　　آب وصل میں قاسمؔ نہاتا کبھی کبھی

مجھہ تشنگی کی آگ بجھانے کون نہ آیا　　پھر جام وصل جانی پلانے کون نہ آیا
تجھہ عشق کی آتش میں سد جلتا رہا میں　　ٹک دیں بھی مجھوں سے ملانے کون نہ آیا
صد سوال کئے قاسم تمہیں بول توں ہم سے　　ٹک بیگھہ گدائی کا دلانے کون نہ آیا

ریختہ

سکھی ری میں کسے سنگ بھیجوں گی سندیسوا
پریم رہے تو اب تو پردیسوا
آوں کہہ گئے ابہوں نہ آئے ڈھونڈ رہی ہوں پورب دیسوا
اٹھو چل قاسم پیا کو لاؤ کرکے جوگن بھیسوا

دریا خان زنگیجہ

۱۱۹۰ ھ / ۱۷۷۷ء — ۱۲۷۰ ھ / ۱۸۲۳ء

دریاخان زنگیجہ مراد فقیر زنگیجہ کے نواسے ، روحل فقیر کے سب سے چھوٹے بیٹے اور غلام علی فقیر کے چھوٹے بھائی تھے ۔ دریاخان کی پیدائش ۱۱۹۰ ھ مطابق ۱۷۷۷ء میں اور رحلت ۱۲۷۰ ھ مطابق ۱۸۲۳ء میں بمقام کنڈڑی ہوئی (۱) ۔ دریا خان سن شعور کو نہ پہنچے تھے کہ ان کے پدر بزرگوار حضرت روحل فقیر کا سایۂ عاطفت ان کے سر سے ہمیشہ کیلئے اٹھ گیا ۔ ان کے بڑے بھائی غلام علی فقیر نے ان کی پرورش اور تعلیم و تربیت کے فرائض بڑی ذمہ داری اور خوش اسلوبی سے انجام دیئے جسکا خوشگوار نتیجہ یہ نکلا کہ دریا خان فقیری اور شاعری دونوں میدان کے مشہسوار ثابت ہوئے ۔

راہ طریقت میں بھی غلام علی فقیر نے ان کی رہبری کی ۔ بھائی کی رشد و ہدایت کو جادۂ حیات کیلئے مشعل راہ بنایا اور دین و دنیا میں سرخرو ہوئے ۔ دریا خان کے مریدوں اور عقیدتمندوں میں مسلمانوں کے علاوہ سکھ اور ہندو بھی شامل تھے ۔ انھوں نے اپنے غیر مسلم کی رہنمائی کیلئے اپنے کلام میں اسلام کے علاوہ دوسرے مذاہب کے رجحانات کی اچھائیاں بیان کی ہیں ۔ اسلئے ان کے ہاں اسلامی تصوف سے قطع نظر دیو مالا اور راماینی داستانوں کی تلمیحات ، تشبیہات و استعارات ملتے ہیں ۔

اپنے بڑے بھائی غلام علی فقیر کی طرح انھوں نے بھی کوئی تخلص اختیار نہیں کیا اور اپنے کلام میں دریا خان لکھا ہے ۔ وہ غلام علی فقیر کی تعلیمات و خیالات سے بہت متاثر تھے روحل اور شاہو سے بھی فیض حاصل کیا لیکن غلام علی فقیر کے فکر و فن کا اثر ان کے ہاں زیادہ واضح اور نمایاں ہے ۔

دریا خان نے دوہے بہت کہے ہیں ان کے ہاں سندھی ، ہندی اور اردو کا خوبصورت امتزاج ملتا ہے ۔ نمونۂ کلام یہ ہے :

دوہے ۔

رام رام کے نام سوں جن کو لاگی پریت — دریا خان الیہہ سنسار موں ہاری لیئی جیت
ہر بار کہو کوئی نہیں جو کرے پریم پچھان — دریا خان جس گھٹ پریم ہے وہاں ہے پورگھٹ گیان

---

(۱) تذکرۂ لطفی ص ۳۷۶ ۔ حصہ دوم

بہاشہد

شام سندر آیورے سکھی میرو کان
بھورا بن میں کھیلے ہوئے مکھمہ صاحب شام کشوری
رادھا روپ دیا ہوئے
پانچ سکھی مل منگل گاؤ، چھنگ مردنگ ھدف کی چوٹ چلاؤ
رنگ اس تال بجا ہوئے
دریا خان اے بد تب ہیں بابا، ستگر سبد میں سہج سمایا
آپ آپے گن گا ہوئے

باسی

مت بھولو من مت بھولو   ہر نام سمر من مت بھولو
ستگر سبد میں الٹ سمایو   کایا کاشی تیرتھ نایو
من کی پنج سو اس مناو   گیان ھنڈولے میں جھولو

فقیر محمد یوسف سانگ

(۱۱۹۲ھ - ۱۲۶۹ھ)

مولوی قاضی محمد ھاشم اپنے وقت کے بڑے عالم دین اور درویش صفت بزرگ تھے ۔ محمد یوسف ان کے لائق فرزند تھے ۔ محمد یوسف کے سن ولادت کے متعلق اختلاف پایا جاتا ھے ۔ بعض روایات کے مطابق ان کا سال پیدائش ۱۷۹۲ع مطابق ۱۱۹۲ ھجری (۱) قرار پاتا ھے ۔ ان کا آبائی وطن شہر چھل ریاست خیرپور میرس تھا (۲) ۔

فقیر محمد یوسف کی ابتدائی تعلیم و تربیت ان کے عالم فاضل باپ حضرت قاضی مولوی محمد ھاشم کی خاص نگرانی میں ھوئی ۔ بعدزہ سولہ سال کی عمر میں قرآن و حدیث اور عربی و فارسی کی دینی تعلیم سے فارغ ھوئے ۔ ولی صفت پدر کی خصوصی توجہ ، علماء و فضلاء کی صحبتوں اور علم و عمل کی لگن نے ان کو بہت جلد اعلی و ارفع مقام پر فائز کردیا ۔ ان کا شمار سندھ کے ممتاز ارباب علم و ادب میں ھونے لگا ۔ ان کے علمی ، دینی و ادبی مرتبہ سے خوش ھوکر ان کے پدر بزرگوار نے اپنی زندگی ھی میں ان کی دستار بندی کی رسم ادا کردی تھی اور اپنا خرقہ خلافت بخش دیا تھا ۔

اپنے والد ماجد قاضی محمد ھاشم کی وفات کے بعد ان کی جگہ " قاضی " کے منصب جلیلہ پر مامور ھوئے ۔ فقیر محمد یوسف وسیع القلب ، فیاض اور مخیر انسان تھے ۔ نیک کاموں کیلئے دوسروں کی مالی و علمی امداد میں پیش پیش رھتے تھے ۔ ان کے والد کے قائم کردہ " مدرسہ دارالعلوم " میں درس و تدریس کے فرائض سے فارغ ھوکر مطالعۂ کتب ، خدمت انسانی اور اللہ و رسول کے ذکر و اذکار میں مشغول رھتے ۔ مناظر قدرت سے وہ روحانی طور پر محظوظ ھوتے ۔ کائنات و مظاھر کائنات کی رنگا رنگ کیفیات اورعلم و عرفان سے وسیع معلومات و مشاھدات کی غرض سے انھوں نے مختلف مقامات کی سیر و سیاحت کی ۔ ھمیشہ راہ طلب اور تلاش حق میں جادۂ پیماں رھے ۔

---

(۱) علمی آئینو (سندھی) ۱۹۷۳ع ۔ مرتبہ ڈاکٹر غلام علی الانہ ۔ مطبوعہ سندھیا لوجی سندھ یونیورسٹی ۔

(۲) بقول ڈاکٹر نبی بخش خان بلوچ فقیر محمد یوسف ضلع خیرپور کے " اگڑہ " نامی گاؤں میں ۱۲۰۰ھ میں پیدا ھوئے ۔ اگڑہ قوم سے تعلق رکھتے تھے ۔ (سندھ میں اردو شاعری ، ص ۹۰) ۔

رانی پور میں مرشد حضرت پیر سائین ابو صالح شاہ جیسے صاحب طریقت و شریعت کی

صحبتوں میں کافی عرصہ تک رہے - یہ وہ مقام ہے جو بعد میں " مسکن یوسف " یا فقیر جو گوٹ " (فقیر کا گاؤں) کے نام سے مشہور ہوا - ایک روایت یہ ہے کہ ایک دن فقیر یوسف ہرن کے شکار کو نکلے جنگل میں شدید طوفان آیا - پناہ لینے کیلئے قریب کے ایک مکان میں پہنچے وہ مکان دراصل ایک پیر فقیر کا ٹھکانا تھا - صبح صادق کا وقت تھا نماز فجر کا وقت قریب تھا - محفل سماع کی روح پرور آواز نے ان کو بے اختیار کردیا وہاں پہنچکر ہر شخص کو بدمستی و مدہوشی میں غرق پایا - جب محفل سماع اختتام کو پہنچی تو فقیر یوسف کو معلوم ہوا کہ وہ جگہ درازہ کے مشہور شطاری بزرگ حضرت سچل سرمست کی خانقاہ تھی - وہاں وہ سچل سائین کے قدموں میں بارہ مہینے رہ کر اللہ کی عبادت و ریاضت میں مصروف رہے - سچل سرمست کسے ہاتھوں شرف بیعت سے مشرف ہونے کی تڑپ میں وہ دن بھر مٹی کھود کر لاتے اور خانقاہ کی تعمیر کے لیئے جمع کردیتے - اس آزمائش میں کامیاب ہوئے تو حضرت سچل کے حلقہ مریدان میں شامل ہونے کی سعادت حاصل کی - اس کے بعد فقیر یوسف نے سچل سائین کی خانقاہ میں اعتکاف کے دن کاٹے - انھوں نے سچل سائین کے زیر رشد و ہدایات ترک نفس کا ریاض اور روح و قلب کو پاکیزہ کیا - ان کی پرکشش و روحانیت آمیز صحبتوں میں نہ صرف طریقت و معرفت کی منزلیں طے کیں بلکہ علم و ادب کی روشنی سے بھی قلب و روح کو منور کیا -

یہ وہ زمانہ تھا جب شہر درازہ ریاست خیرپور کے حاکم میر مراد علی خان تالپور تھے والی خیرپور ایک علم دوست ، ادب نواز ، نیک طبع اور صاحب سلوک فرمان روا تھے - فقیر محمد یوسف ناتک کی علمی فضیلت ، عارفانہ زندگی کے علاوہ سچل سائین کے مرید خاص ہونیکی حیثیت سے ان کی بے حد تعظیم و تکریم کرتے تھے - وہ بھی سچل کے مرید تھے - امور سلطنت میں ان کے صلاح و مشورے کو لازمی اور صائب جانتے تھے - سچل کے وصال کے بعد میر مراد علی فقیر یوسف کو اپنا پیرو مرشد (۱) ماننے لگے - انہوں نے اپنے ذاتی خرچ سے پان اسٹیشن گمبٹ سے ایک میل دور کے فاصلے پرگوٹ حبحس میں ان کی رہائش کا خاص بندوبست کیا - ان کی عقیدت و ارادت کا یہ عالم تھا کہ میر مراد علی خان جب بھی شکار یا سفر کیلئے روانہ ہونے سے پہلے سچل سائین کے مزار پر انوار کی زیارت کرتے فاتحہ پڑھتے ، پھر فقیر یوسف کے آستانے پر حاضری دیتے - میر مراد علی نے فقیر یوسف کو جاگیر بھی بخشنے کی خواہش ظاہر کی لیکن

---

(۱) تذکرہ مشاہیر سندھ - ص ۲۷۹

انھوں نے یہ کہکر قبول کرنے سے انکار کر دیا کہ ہمیں فقیروں کو جاگیروں سے کیا کام ۔

مولانا دین محمد وفائی نے تذکرہ مشاہیر سندھ کے صفحہ ۲۷۹ پر فقیر یوسف نانک سے متعلق صرف چند سطریں لکھی ہیں ۔ اس تذکرے میں ولادت و رحلت کی سنیں بھی درج نہیں ہیں ۔ان کی شاعری کے متعلق صرف اتنا لکھا ہے کہ یوسف نانک کا صوفیانہ توحیدی شعر ریاست کی مروجہ سرائیکی زبان اور سندھی ، ھندی زبان میں دستیاب ہے ۔ ان کے ھندی کلام کا نمونہ یہ ہے ۔

گم ہوکے دیکھہ نظارا آپ سارا
محبوب کی صورت میں
رکھہ خیال ہک ہک دم دا
دم دم وچ خوف ختم دا
دم کرتوں جسم و سارا آخر گزارا

فقیر محمد یوسف نانک عارف کامل ، عالم باعمل اور شاعر بے نظیر تھے ۔ عالم صوفی ، شاعر ، ہر حیثیت میں ان کا مرتبہ بلند تھا ۔ سرائیکی ان کے آباو اجداد کی بولی تھی ۔ بلوچی سے بخوبی واقف تھے ۔ عربی ، فارسی ، سنسکرت ، ھندی اور اردو زبانوں پر کامل دستگاہ رکھتے تھے ۔ جس زبان میں جس بے ساختگی سے بولتے تھے اس زبان میں اسی برجستگی سے لکھتے بھی تھے ۔ پانچ زبانوں یعنی فارسی ، سندھی ، سرائیکی ، ھندی اور اردو میں شعر کہتے تھے ۔ ان کی شعری تخلیقات کافیاں ، غزلیات ، قطعات اور نعتوں پر مشتمل ہیں ۔

فقیر صاحب کی ھندی زبان پر دسترس کا ثبوت اس ایک واقعہ سے ملتا ہے کہ ایک دن حضرت سچل سرمست اپنے آستانہ میں علم و ادب کے بارے میں محو گفتگو تھے ۔ ھندی لسانیات خاص طور پر موضوع گفتگو تھا ۔ فقیر صاحب نے اس بحث میں جس فاضلانہ انداز سے حصہ لیا حضرت سچل ان کی ھندی دانی پر ششدر رہ گئے اور وفور مسرت میں انہیں ھندی کی مناسبت سے نانک کا لقب تفویض کیا اور ھدایت فرمائی کہ " گرونانک " کی عظمت اور ھندی سے مزید واقفیت و آگہی حاصل کرنی ہو تو امرتسر کا سفر اختیار کرو ۔ اس واقعہ کے بعد سے فقیر صاحب نانک تخلص کرنے لگے ۔ اس سے پہلے ان کا تخلص یوسف تھا ۔

نانک یوسف یار سُداوِی
بی خبر جنگ پولو بیلی

امرتسر کے سفر مین جو اهل الله و اهل علم فقیر یوسف نانک کے همسفر تهے ان مین حاجی عبدالله فقیر ، ڈهڈی فقیر ، بلو فقیر ، الله داد فقیر عرف آننه فقیر کے نام شامل هین ۔ پہلے لاهور تشریف لے گئے وهان ان کی کرامات کا چرچا هوا پهر امرتسر مین قیام فرمایا ۔ دوران قیام گورونانک کے احاطه مین گورونانک کی عظمت کی داستانین سنین ۔ ان کی تعلیمات کا مطالعه کیا ، تعلیمات کے اثرات کا مشاهده فرمایا ۔ فقیر یوسف نانک کے مقام سے بهی ایک دنیا باخبر هوئی ۔ ان کے عقیدتمندون ، ارادتمندون کا حلقه اور وسیع هوگیا جس مین مسلمانون کے علاوه سکهه اور هندوون کی ایک بڑی تعداد شامل تهی ۔ وه امرتسر مین بهی محفل سماع منعقد کرتے ، الله کی راه اختیار کرنے کی هر خاص و عام کو دعوت عام دیتے ، لوگ جوق درجوق محفلون مین شریک هوتے ۔ فقیر یوسف کی زبان مین الله تعالی نے ایسی تاثیر دی تهی که کتنے هی هندو اور سکهه ان کے هاتهون مشرف به اسلام هوئے ۔

فقیر نانک صاحب کے جلیسون و هم نشینون مین اس وقت کے نامور صوفی شاعر حضرت فقیر قادر بخش بیدل کے علاوه شادی فقیر عرف شادی شهید ، مخدوم عبدالخالق ، حسنه فقیر ، فقیر محمد صالح ، حاجی عثمان جهاکی ، محمد صدیق ، محمد صالح پیر ، گهرام فقیر جتوئی ، شیر علی فقیر اور یعقوب فقیر جتوئی نامی صوفیائے کرام قابل ذکر هین ۔ فقیر صاحب کے دوستون ، ساتهیون اور مریدون مین نه صرف درازه ، خیرپور اور سندهه بلکه ملتان اور پنجاب کے اولیائے کرام کے نام بهی آتے هین مثلاً میر علی مراد خان تالپور والی خیرپور کے علاوه حیدر شاه کیمیاگر (خیر پور) فقیر غلام حیدر شر پهروجه (خیر پور) فیض حقانی ، حاجی عبدالله فقیر ، ڈهڈن فقیر ناریجو ، بلو فقیر ، باهو شاه اور حسن شاه (ملتان و پنجاب) وغیره ۔

فقیرمحمد یوسف نانک کی تاریخ ولادت کی طرح ان کی تاریخ وفات مین بهی اختلاف پایا جاتا هے ۔ حضرت فقیر قادر بخش بیدل نے ان کی جو تاریخ رحلت کہی تهی اس مین ۹ جمادی الاول ۱۲۶۹ هـ (۱) درج هے وه تاریخ ذیل کے قطعه مین شامل هے ۔

این چه دوری که در زمان افتم   عارف کامل از جهان افتم
یوسف مصر جان ، عزیز وجود   جاذب ملک جاودان افتم

---

(۱) صاحب تذکره مشاهیر سندهه اور دوسرے سوانح نگار یوسف نانک کی تاریخهائے ولادت و وفات کے بارے مین خاموش هین البته پروفیسر محبوب علی چنه نے کلیات امین کے صفحه ۲۲۵ پر مخدوم امین محمد امین هالائی کے معاصرین کی جو فهرست پیش کی هے اس مین فقیر یوسف کا سن وفات ۱۸۵۳ع رقم هے ۔

گشت روپوش زین تجلی گاہ	بہ نہان خانہ بہ نشان رفتم
نورحق مدت بہ ہستی ماند	باز برواج لا مکان رفتم
سال و حلش فرد بجست سروش	گفت طائر بہ آشیان رفتم

۱۲۶۹ھ

حقیقتوں سے علم و آگہی نے ان کے تخیل میں بلندی ، سوچ میں رفعت اور جذبات میں وسعت پیدا کردی - انہیں ہر شے میں حسن و جمال کی تلاش رہتی - ان کے نزدیک حسن ذوق ، حسن طلب کے بغیر آدمی نہ حسن زندگی سے لطف اندوز ہوسکتا ہے نہ عشق حقیقی سے ہمکنار ہوسکتا ہے - بقول یوسف

آہی عشق حسن اسرار یار
ہے

فقیر صاحب تصوف میں فلسفہ ، ہمہ اوست اور وحدت الوجود کے ترجمان تھے - ان کا عشق تصویر کا عشق تھا - عشق و عاشقی کے مقابلے میں انہوں نے اپنے مرشد سچل سرمست کی پیروی کی - وہ علم عروض کے ماہر تھے - شاعرانہ قواعد و ضوابط کی بڑی بڑی پابندی کی - وہ فن موسیقی اور علم موسیقی سے بخوبی واقف تھے - شاید اسی لئے ان کا کلام شعر و موسیقی کا نہایت حسین مرقع ہے - محاورات ، تلمیحات ، تشبیہات و استعارات کے ساتھ ساتھ کہاوتوں اور محاورات کا استعمال جس فصاحت و بلاغت سے کیا ہے وہ ان کی مہارت فن اور پختگی کلام کا مظہر ہے - ایک ماہر نقاش کی طرح انہوں نے انسان کی ذہنی حالت ، دماغی کیفیت اور گرد و پیش کے حالات و واقعات کی نقاشی بھی کی ہے - انہوں نے سوہنی مہینوال ، لیلا چنیسر ، لیلی مجنوں ، شیریں فرہاد ، عمر ماروی ، مومل رانو ، ڈیڈی جام تماچی جیسی لازوال داستانوں کی منظوم تصویریں بھی پیش کی ہیں -

یوسف نانک کا کلام نازک خیالی ، اعلی تخیل اور پاکیزہ جذبات کی عکاسی کرتا ہے - عرفان و حقیقت اور " لاتقنطوں الرحمت اللہ " کی تفسیر ہے - ان کی نعتیں سرور کائنات حضرت محمد مصطفے صلی اللہ علیہ وسلم سے والہانہ محبت و عقیدت کی ترجمان اور دونوں جہاں پر آپ کی فیضان بیکران کی آئینہ دار ہیں - سرائیکی نعت کا نمونہ دیکھئے -

صدقے تھیواں صدقے	میں ہوا شہر دراز دا
میں لکڑاں واری جاواں	انہیں نینا والی سازدا

اردو اور ھندی میں ان کا کلام کم ملتا ھے البتہ ان کے ایسے اشعار لاتعداد ھیں جو سندھی ، سرائیکی ، ھندی اور اردو کے اجزائے ترکیبی سے مشعر شہود ہو آتے ھیں - ایسے شعروں کی بھی کمی نہیں جن میں سرائیکی طرز اختیار کیا گیا ھے لیکن ایسے مصرعوں یا شعروں کے دو ایک لفظ کی تبدیلی سے اردو یا ھندی کے اشعار بن جاتے ھیں مثلاً

(۱) اندر باھر اللہ مولی

(۲) آھی عشق حسن اسرار یار (ھے)

(۳) آل نبی اولاد علی جے (کی)

(۴) ناتک یوسف یار سدائی

(۵) وہ دلبر یار دلبر

(۶) درد قبول کریں (کرو) دلبر جو (کا)

اشعار

عشق یار دی عشق وہاں اُٹھاں ، ناتک حشرو ھزارا

وچ وحدت ھک نکتہ سمجھا ، ھرول شفق اوتسارا

اردو ، فارسی اور ھندی کے ایسے الفاظ جو کلام یوسف کے جزویات میں سے ھیں -

یوسف یار ، زات فقیر ، آدم حوا ، مست خیامی ، مرد موالی ، عاشقی درد محسن ، دیوان ، جان جسم قربان ، عشق ، عاشقی ، موج صحیح محبت ، محبوبہ حاضر ، ھادی ، مدد طشاہ ، مرشد صادل فدائی ، بوستان ، دلبر دلبر ، قادر ، مومن ، خوش ، خط واہ واہ ، معلیٰ ، اصا ، صاحب حکم حکام ، کفار یار ، غریب ھا ، برہ بدنام سارا ، شاھی ھمرہ ، آپ نظارہ ، وست سسارا ، مسکین بیچارہ ، اقرار ، ھارا ، حیرت ، حال علم عمل ، خاصیں خاص وغیرہ

اردو کلام

تیری زلف پیچاں زنجیر ، میری گل میں دام ھے

تم دیدہ میں دم صید ، جما جسم کا جام ھے

دیتی ھیں سچ تراوت ، ھیں تو ھیں سین

ھم شربتی حیات ، وہ روشنی بادام ھے

مقصب ہے عشق عاشق ، مقصود یک نگہہ
مجکوں بہ آستانہ ، سجدہ سلام ہے
اے او حدیث دلبر ، کس نے سکھائی ہے
ہم شہر تیر اندازی ، تو قتل عام ہے

------

(١) (٢)
چوٹی تجھی ہوں دیدموں ، خنجر و کٹارا
(٣)
برسجی عشاقاں ، عشق ان دوم خضلم ہے
در پیچ زلف شانک ، پیوست تو آمدہ
(٥) (٤)
~~تشر قشر~~ سیں چوٹی ناھیں ، چوٹا کلام ہے

قربان جان کروں میں تم دید بان ہو — گفتار تو اتاد بحقیق محرم نام ہے
ایسا نہ کسی سے چوٹی جیسا نہ تمھاری دیدوں — خنجر کٹار یار تو ہم وار حرام ہے

---

(١) چھوٹی (٢) کٹارا (٣) دھوم دھام (٤) تڑھنہ پھڑھنہ

(٥) چھوٹا

سید قنبر علی شاہ شریف بھاڈائی

۱۲۰۰ ھ - ۱۲۶۳ ھ
۱۷۸۵ ء - ۱۸۴۷ ء

سید قنبر علی شاہ سندھ کے ان اولیائے کرام شعراء میں سے تھے جن کو تصوف اور شاعری دونوں شعبوں میں حضرت شاہ عبدالطیف بھٹائی رحمتہ اللہ علیہ سے خاص عقیدت اور والہانہ محبت تھی - یہی وجہ ہے کہ ان کے تصوف اور شاعری میں شاہ صاحب کے فلسفہ تصوف اور افکار عالیہ کا پر تو - آب و تاب کے ساتھ نمایاں ہے -

قنبر علی شاہ نے نہایت پاکیزہ اور باوقار زندگی گزاری، جس خاموشی سے انھوں نے علم و عرفان اور شعر و ادب کی خدمات انجام دیں وہ لائق ستائش ہے - یہ ان کی بے نیازی اور خاموش خدمت کی دلیل ہے کہ ان کا تذکرہ عام تذکروں میں نہیں ملتا -

قنبر علی شاہ کی ولدیت سید بچل شاہ بھاڈائی اور عرفیت شریف تھی - انھوں نے اپنی عرفیت ہی کو تخلص قرار دیا - اس کا سبب غالباً ان کی طبعی شرافت اور اخلاقی میلان تھا - ضلع ٹھٹھہ کے شہر سجاول سے کوئی دس میل کے فاصلے پر جنوب کی طرف تحصیل " جاتی " کے ایک دیہات بھاڈ کے نام سے مشہور ہے - قنبر علی شاہ کے آبا و اجداد اسی دیہات کے باشندے تھے - قنبر علیشاہ اپنے آبائی وطن بھاڈ میں ۱۲۰۰ ھ مطابق ۱۷۸۵-۸۶ ع کو پیدا ہوئے - ان کی تعلیم و تربیت مقامی مکتب و مدرسے میں ہوئی -

جب جوان ہوئے تو حالات دنیا نے آ گھیرا - نامساعد ماحول نے اس قدر بے چین کیا کہ وہ اپنے آبائی مسکن بھاڈ چھوڑنے پر مجبور ہوئے اور گنبالی نامی گاوں میں اقامت پذیر ہوئے - یہ مقام ضلع ٹھٹھہ کے تحصیل گھوڑا باری میں واقع ہے - بالآخر ۱۲۶۳ ھ مطابق ۱۸۴۷-۴۸ع میں عدم آباد کو ہمیشہ کیلئے منتقل ہوگئے -

سید قنبر علیشاہ شریف بھاڈائی نے مذہبی ماحول میں آنکھیں کھولیں اور دین و شریعت کی فضا میں پرورش پائی - وہ بچپن سے صوم و صلواۃ کے پابند اور اخلاق و اخلاص کے سراپا تھے - بزرگان دین اور علمائے کرام کی با فیض صحبتوں نے ان کے شوق، علم و عمل اور ذوق شعر و شاعری کو جلا دی - انھوں نے حضرت شاہ لطیف سے والہانہ عقیدت کی بناء پر " ابیات لطیف "

کا باقاعدہ مطالعہ کیا اور ان کی زرین تعلیمات و عالمگیر پیغامات سے خاطر خواہ استفادہ بھی کیا ۔ انھوں نے شاہ کے بیت اور وائی کے طرز پر بیت اور وائیاں کہنے کی مشق کی اور ان اصناف میں غیر معمولی مہارت حاصل کی ۔ قنبر شاہ نے بیت وائی ، دوھے جیسی اصناف پر جس فنکارانہ انداز سے طبع آزمائی کی وہ ان کی جولانی طبع اور روانی فکر کی آئینہ دار ھے ۔ یہ ان کے پیر و مرشد شاہ صاحب کا روحانی فیضان تھا کہ انھوں نے اپنے شعری مجموعے کا نام " شاہ جو رسالو " کے تتبع میں" شریف جو رسالو " رکھا ۔ اس رسالے میں سندھی ، ھندی اور اردو بیت ، وائیاں اور دوھے شامل ھیں ۔ ڈاکٹر نبی بخش خان بلوچ کی اطلاع کے مطابق " شریف جو رسالو " (۱) ابھی غیر مطبوعہ ھے ان کا اردو کلام کچھ اس طرز کا ھے

رام بھگت اپکار ھے ، جسے سیر باٹے ساز
شریف پھیتے بکھیا روشی کسے لحاظ
بھیک مانگنے

---

(۱) دیباچہ خلیفی جو رسالو از خلیفہ نبی بخش لغاری ، ص ۳۳

فتح دین شاہ فتح جھانیاں پوشہ

١٢٠٥ ھ — ١٢٩١ ھ

ڈاکٹر نبی بخش خان بلوچ " سندھ مین اردو شاعری " کے صفحہ ١٢٣ پر رقمطراز ھین

" آچ کے مشہور ولی مخدوم جلال الدین جھانیان جھان گشت کی اولاد مین سے سندھ مین " جھانیان پوشہ " خاندان مشہور ھوا ۔ فتح دین شاہ بن ویدھل شاہ اس خاندان کے حیدرآبادی قبیلہ کے جد امجد تھے ۔ انھون نے حیدرآباد مین سکونت اختیار کی اور موجودہ " ٹنڈو جھانیان " کو آباد کیا"

حضرت مخدوم جلال الدین جھانیان جھان گشت ، حضرت سید جلال الدین بخاری جلال سرخ (١) کے پوتے اور حضرت سید احمد کبیر کے فرزند تھے ۔ سید جلال الدین بخاری جھانیان جھان گشت کی ولادت با سعادت اچ (٢) مین شب برات کو ٧٠٧ ھ مین ھوئی ۔ عید کے دن ٧٨٥ ھ مین ٧٨ سال کی عمر مین واصل اللہ ھوئے ۔ اچ مین آپکی درگاہ مبارک مرجع خاص و عام ھے (٣)

اخبار الاخیار مین ھے کہ حضرت جھانیان جھان گشت جام علم ولادیت و سیادت تھے ۔ آپ نے بہت سیر و سیاحت کی ۔ اکثر اولیا اللہ سے نعمت و برکت حاصل کی ۔ آپ ملتان تشریف لے گئے اور وھان بقول مصنف سیر العارفین عید کے دن شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی ، شیخ صدر الدین اور شیخ رکن الدین کے مزارون پر مراقبہ کیا اور عیدی کے طور پر آپ کو ان اللہ والون کی جانب سے " مخدوم جھانیان " کا لقب ملا ۔ مخدوم جھانیان نے شیخ ابوالفتح رکن الدین نبیرہ شیخ حضرت بہاء الدین زکریا ملتانی رحمتہ اللہ سے شرف بیعت و خرقہ خلافت حاصل کیا ۔

مخدوم جھانیان کی عظمت کا اندازہ اس تاریخی واقعہ سے لگایا جاسکتا ھے کہ آپ اچ سے ملتان جاکر ٧٥٢ ھ مین سلطان فیروز شاہ تغلق اور فرمانروائے سندھ جام مانیسہ کے مابین صلح کرائی ۔ سلطان محمد تغلق نے آپ کو ملتان کا " شیخ الاسلام " جیسے بلند مرتبہ پر فائز کرنا چاھا لیکن آپ نے قبول نہ کیا اور حج بیت اللہ (٤) کے ارادے سے مکہ معظمہ تشریف لے گئے ۔ مکہ معظمہ مین حضرت امام عبداللہ یافعی جیسے بلند مرتبت عالم اسلام کی صحبتون سے فیض حاصل کیا ۔ پھر اپنے وطن اچ واپس آگئے اور وھین مدفون ھوئے (٥) ۔

---

(١) حاشیہ ص ١٤ پر (جلال سرخ)

(٢) اچ حاشیہ ص ٧ پر

(٣) ایضـــاً

(٤ و ٥) تحفتہ الکرام ، ص ٣٦٩ " بزم صوفیا " اخبار الاخیار ، ص ٢٩٨

مخدوم جھانیان جھان گشت کے دو فرزند سید صدر الدین اور سید ناصر الدین اور ایک خلیفہ شیخ بابو تاج الدین بھکری بھکر مین مدفون ھین (۱) ۔

مذکورہ بالا حالات و واقعات سے ثابت ھے کہ مخدوم جلال الدین جھان گشت کا تعلق سرزمین سندھ سے بہت گہرا تھا ۔ آپ کی فیوض و کرامات کی بدولت سندھ کے اکثر طاقے ضیاءِ توحید و انوار محمدی سے منور ھوئے ۔ تذکرون سے یہ بھی پتہ چلتا ھے کہ مخدوم جھانیان کی اولاد اچ سے بھکر تک آباد تھی ۔ ڈاکٹر بلوچ صاحب کی تحریر کے مطابق ان کی اولاد مین سے ایک خاندان سندھ مین " جھانیان پوتہ " کے نام سے مشہور ھوا ۔ مخدوم جھانیان کا اچ سے ملتان اور مکہ معظمہ تک آنے جانے کا ذکر ان کے سوانح نگارون نے کیا ھے ۔ ممکن ھے کہ اسی دوران انھون نے کچھ عرصے کیلئے حیدرآباد یا نواح حیدرآباد مین قیام فرمایا ھو ۔ اگر وہ خود نہ بھی آئے ھون تو بھی یہ اغلب ھے کہ جسطرح ان کے دو صاحبزادے اچ سے بھکر آکر آباد ھوئے اسی طرح ان کی اولاد مین سے کچھ افراد یا کوئی شخص حیدرآباد کے گرد و نواح مین آکر بس گیا ھو اور فتح دین شاہ کا تعلق اسی قبیلہ سے ھو ۔

واقعہ یہ ھے کہ حضرت مخدوم جھانیان نے آٹھوین صدی ھجری مین خطہ سندھ مین توحید الٰہی کا جو چراغ روشن کیا تھا اسکو تیرھوین اور چودھوین صدی ھجری تک فروزان رکھنے کی کوششین خانوادہ جھانیان کے جن بزرگان حزین نے جاری رکھین ان مین ویدھل شاہ اور ان کے بعد ان کے بیٹے فتح دین شاہ اور پوتے قطب الدین شاہ جھانیان پوتہ کے اسمائے گرامی فراموش نہین کئے جاسکتے ۔

فتح دین شاہ جھانیان پوتہ ۱۲۰۵ ھ (۱۷۸۹ ء) اپنے آبائی محلہ ٹنڈو جھانیان تعلقہ حیدرآباد مین پیدا ھوئے ۔ حضرت ویدھل شاہ جھانیان اپنے وقت کے صاحب علم صاحب باطن اور صاحب دل درویش تھے ۔ انھون نے اپنے فرزند فتح دین شاہ کی دینی و علمی تعلیم اپنے سایہ شفقت مین دی ۔ انھین کی خاصی توجہ سے عربی و فارسی کی ضروری تعلیم کی تکمیل ھوئی ۔ فتح دین شاہ نے سلوک و صفا کا درس بھی اپنے صاحب صفا والد کے زیر شفقت لیا ۔ جوان ھوئے تو علم و روحانیت کی پیاس اور بڑھی اپنے آبا و اجداد کی طرح صحرا نوردی اور گام بہ گام سیر و سفر کو منزل مقصود تک پہنچنے کا ذریعہ تصور کیا ۔

اسی زمانے مین میران پور (جھوک شریف) کے حضرت فضل اللہ شاہ قلندر (المتوفی ۲۷ جمادی الآخر ۱۲۴۳ ھ (۱۸۲۷ ء) کے فیضان کا بڑا چرچا تھا ۔ فتح دین شاہ نے بعد ارادت و عقیدت

---

(۱) پیش لفظ از حسام الدین راشدی ، مطبوعہ تذکرہ صوفیائے سندھ ، ص ۱۲ ، ۱۳

مشکوک

ان کے دست مبارک پر بیعت کی اور ایک مدت تک ان کی صحبت و خدمت سے فیض یاب ہوتے رہے پھر اپنے مرشد مکرم کے حسب ہدایت اپنے آبائی وطن " جھانیان پوشہ " واپس آگئے جہاں آخری عمر تک خدمت علم و دین میں منہمک و مستغرق رہے ۔ ۲۶ محرم الحرام ۱۲۹۱ ھ میں وفات پائی ۔

فتح دین شاہ ، فتح تخلص کرتے تھے ۔ فارسی کے صاحب دیوان شاعر تھے ۔ سندھی اور اردو میں بھی بہت پختہ شعر کہتے تھے ۔ اپنے اشعار میں فتح دین بھی لکھا ہے مثلاً

شدہ روشن دو عالم فتح دین را | بسہ تیغ همت مشکل کشائی
چشیدم مغـز معنی جز و کل را | بفتح الدین عیان اسرار باشد

درمیان تاب وحدت فتح دین ترا یافتم
از نفی اثبات دیدم شعلـہ اسـرار را

سندھی اور اردو میں کافیاں بھی کہیں ۔ انھوں نے اپنی غزلوں میں بھی کافیوں کا انداز اپنایا ہے ۔ اسلوب سادہ ، دلکش اور معنی آفرین ہے ۔ خیالات و جذبات میں پاکیزگی ، صفائی و روانی ہے ۔ وحدت الوجود ، نفی ، اثبات ، ہادی حق ، مسیحا ، الف ، خودی ، بے خودی اور جوش و جلال جیسے الفاظ کے برمحل و برجستہ استعمال سے حقائق و معارف کے اسرار و رموز کی طرف بہت لطیف اشارے ملتے ہیں ۔ ذیل کی غزل سے ان کا نکتـہ نظر واضح ہے ۔

ھو یا منصور مصطفیٰ میں کہ ہادی حق بتاتا ہے
علامت کوں سلامت کر ، آپ آپے چھپایا ہے
نہیں درکار عیسیٰ کا مسیحا دم ہمارا ہے
الف پڑھی الـف کی جھادی کہ جسمیں کل سمایا ہے
اللہ کا پرتو الف پڑا
محمد شرف اعدادی ، الست اسرار آیا ہے
دونوں جگ میں برق بناکر ابر رحمت وسایا ہے
ہوائے بیخودی آئے ، خودی کی دھول اڑ جائے
صدف کر سینہ کو اپنا عجب گوہر چھپایا ہے
جلالی جوش کے جذبے جسم کوں خود جلایا ہے
فتح ہے دین کی ہر دم کفر کوں سر مٹایا ہے

(۱) سید جلال الدین سرخ بخاری بن المؤید علی بن جعفر بن محمود بن احمد عبداللہ حضرت امام علی نقی علیہ السلام کی اولاد میں سے تھے -

آپ اپنے وطن بخارا سے چلے تو بھکر میں رہائش اختیار کی - سندھ کے دوران قیام ملتان تشریف لے گئے وہاں حضرت بہاء الدین زکریا ملتانی کے ہاتھوں شرف بیعت سے مشرف ہوئے اور خلافت کا اعزاز حاصل کیا - یہ بزرگ آپس میں چار یار کہلاتے ہیں - شیخ بہاء الدین ، شیخ فرید الدین ، سید عثمان مروندی عرف لعل شہباز قلندر اور سید جلال سرخ -

(تحفۃ الکرام - ص ۳۶۷)

جس زمانے میں آپ نے بھکر میں سکونت اختیار کی تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بشارت کی برکت سے آپ کی شادی بھکر کے ایک ممتاز صوفی سید بدرالدین کی صاحبزادی سے ہوئی جن کے بطن سے حضرت سید احمد کبیر تولد ہوئے - وہ مخدوم جلال الدین جہانیان جہان گشت کے والد تھے -

حضرت سرخ بخاری ۱۲۴۴ ھ میں بھکر سے آکر اچ میں سکونت پذیر ہوئے - پچانوے سال کی عمر پائی - ۱۳۹۱ ھ میں اچ میں وصال ہوا - اچ میں آپ کا مزار پر انوار مرجع خلائق ہے -

آپ جہاں جہاں تشریف لے گئے اسلام کی روشنی سے کفر و الحاد کی ظلمتیں چھٹ گئیں - ضیائے توحید اور شمع رسالت سے بہت سے گمراہ انسانوں کے تاریک دل روشن ہوئے - اچ میں محلہ بخاریان مغربی پنجاب میں شہر جھنگ سیالاں حضرت جلال سرخ بخاری نے آباد کئے تھے - (اخبار الاخیار ، ص ۶۱ — آب کوثر ، تحفۃ الکرام ، ص ۳۶۷ - ۳۶۹) صوفیا ، ص ۳۹۵

(۲) اچ ملتان سے ستر (۷۰) میل کے فاصلے پر جنوب مغرب میں واقع ہے -

(۳) تحفۃ الکرام ، ص ۳۶۷ ، ۳۶۹ — اخبار الاخیار ، ص ۲۹۸

(۴ و ۵) تحفۃ الکرام ، ص ۳۶۹ - " بزم صوفیا " ، اخبار الاخیار ، ص ۲۹۸

غلام شاہ لغاری

۱۲۱۴ ھ — ۱۲۷۸ ھ

۱۸۰۰ ء — ۱۸۶۱ ء

نواب غلام شاہ لغاری وادی مہران کی ان نامور شخصیات میں سے تھے جو نہ صرف اپنے اعلیٰ حسب و نسب [1] کی بناء پر کمال و معراج کی بلندیوں تک پہنچے بلکہ امور سلطنت میں غیر معمولی صلاحیتوں کی بدولت دنیاوی جاہ و منصب کا اعلیٰ مقام بھی حاصل کیا ۔ یہی نہیں بلکہ بے پناہ جذبہ خدمت و ایثار کے باعث دنیائے علم و ادب اور جہان سلوک و شریعت میں زندہ جاوید ہوگئے ۔

نواب غلام شاہ لغاری غلام محمد خان نگار کے پوتے ، غلام اللہ شاہ اول فقیر لغاری کے صاحبزادے اور نواب ولی محمد خان ولی کے بھتیجے تھے [2] ۔ ان کا سال پیدائش ۱۲۱۴ ھ (۱۸۰۰ ء) اور سال وفات ۱۲۷۸ ھ (۱۸۶۱ ء) ہے ۔ جب انہوں نے آغوش مادر میں آنکھیں کھولیں تو ان کے گرد و پیش ثروت و حشمت اور دنیا کی ہر نعمت کی فراوانی تھی ۔ مگر گھر کا ماحول رئیسانہ ہونے کے باوجود علم و دین کی خوشبوؤں سے بسا ہوا تھا ۔ ان کی پرورش ناز و نعم سے ہوئی لیکن تعلیم و تربیت کڑی نگرانی میں کی گئی ۔ رئیس باپ نے منتخب اساتذہ اور ممتاز علماء کی اتالیقی میں اپنے فرزند ارجمند کو زیور تعلیم و شائستگی سے آراستہ کیا ۔ علمی و دینی فضا اور ذاتی ذوق و شوق نے انہیں کامرانی و ناموری کی سعادتوں سے ہمکنار کیا ۔

غلام شاہ لغاری کم عمری ہی سے امور سلطنت میں دخل رکھتے تھے ۔ جب انہوں نے ہوش سنبھالا تو فرمانروائے سندھ میر نور محمد خان تالپور کے عہد میں ان کے والد غلام اللہ شاہ فقیر لغاری عمر کوٹ کی گورنری کے عہدے پر فائز تھے ۔ بیٹے کو ذہین و ہونہار دیکھکر انہیں اپنا معاون مقرر کیا ۔ اس دوران اسلام کوٹ ضلع تھرپارکر میں سوڈھوں نے بغاوت کردی ۔ غلام شاہ کو باغیوں کی سرکوبی کیلئے بھیجا گیا انہوں نے ناظم اسلام کوٹ کی حیثیت سے باغیوں

---

(۱) " این خاندان از عہد کلہوڑہ تا زمان تالپور در سندھ بسیار معزز و بریسا عہد ہائے جلیلہ سرفراز بود ، و شعرائے متعدد و فارسی و سندھی از این خانوادہ برخاستہ اند "

(تکملہ مقالات الشعراء ، ص ۲۵۵)

(۲) ملاحظہ ہو نسب نامہ تذکرہ الہداد خان صوفی تیسرا دور کتاب ہذا ۔

کا خاتمہ کردیا ۔ ۱۲۵۳ ھ (۱۸۳۸ ء) مین جب نواب غلام اللہ کا انتقال ہوا تو ان کی جگہ ان کے فرزند نواب غلام شاہ کو طاقتہ جاتی اور ریاست کچھ کا ناظم اسلئے مقرر کیا گیا کہ وہ انگریزون کے ساز باز کی نگرانی کرین ۔ ۱۸۳۸ ء کا زمانہ تھا جب فرنگی فوجون کا ایک دستہ سندھ مین ان کے فوجیون کو اناج اور رسد پہنچانے کی غرض سے شاہ شجاع کو کمک پہنچانے کا جھوٹا منصوبہ رکھا کر دریائے سندھ سے ہوکر ضلع ٹھٹھہ کے وکر بندر پہنچا تھا لیکن ناظم ٹھٹھہ غلام شاہ نے خفیہ ذرائع ابلاغ سے اسکا پتہ چلا لیا اور ان کی حکمت عملی اور قبل از وقت موثراقدامات سے فرنگیون کی یہ سازش ناکام ہوگئی ۔

اس زمانے مین کرنل پاٹنجر (۱) حیدرآباد مین انگریزون کا سفیر تھا اس نے حکومت برطانیہ کو اس واقعہ سے متعلق جو رپورٹ بھیجی اس کرمتن کا خلاصہ یہ تھا

"۲۷ دسمبر کو لفٹنٹ اسٹوک کا خط ملا کہ فوج دریائے سندھ کے دھانے پر پہنچ گئی ھے لیکن غلام شاہ جنھین میر نور محمد نے ایک ماہ پیشتر وہان بھیج دیا تھا انھون نے نہ صرف اناج اپنے قبضے مین لے لیا بلکہ ہر قسم کی رسد کو فوج تک پہنچنے سے انکار کردیا ھے" ۔

۱۸۴۲ ء مین نواب غلام شاہ سکھر مین والی سندھ میر شہداد خان (۲) تالپور کے سفیر مقرر ہوئے ۔ اسکے دوسرے سال ۱۸۴۳ء مین سندھ انگریزون کے زیر نگین آگیا ۔ سر چارلس نیپئر حاکم سکھر نواب صاحب کی انتظامی صلاحیتون کے قائل ہوگئے اور ان کی سفارش پر انگریزون نے انھین ۱۸۴۴ء مین سکھر کا نظام سونپ دیا ۔ وہ ۱۸۵۲ء مین اسی ملازمت سے اعزاز کے ساتھ ریٹائر ہوئے ۔

نواب غلام شاہ لغاری ھمہ جہت خصوصیات اور ھمہ رنگ شخصیت کے مالک تھے امور انتظامیہ کے ماہر ہونے کے ساتھ ساتھ بلند پایہ نثر نگار ، خوش فکر سخن سنج اور دلگداز رکھنے والے صاحب سلوک تھے ۔ فن طب سے خاص شغف تھا علوم ظاہری کے علاوہ علوم باطنی سے آگہی رکھتے تھے ۔

میران پور (جھوک شریف) کے نامور بزرگ حضرت فضل اللہ شاہ قلندر (المتوفی ۱۲۴۳ ھ) کے مرید تھے ان سے بیحد عقیدت رکھتے تھے ان کی بافیض و بابرکت صحبتون سے غیر معمولی استفادہکیا ۔ اپنے مرشد قلندر سے دلی و روحانی قربت و رفاقت کا ذکر اپنی اکثر کافیون مین نہایت

---

(۱) برٹش پالیسی سندھ از پی این کھیرا ۔

(۲) میر شہداد خان حیدری (المتوفی ۱۸۵۷ء) ولد میر نور محمد خان تالپور فارسی کے صاحب دیوان شاعر تھے صاحب تکملہ مقالات الشعرا نے اپنی کتاب مین انکا مختصر حال اور کلام تحریر کیا ھے (ص ۱۵۹ تا ۱۶۲)

فخر و جوش کے ساتھ کیا ھے -

ریختہ روپ بلاول

مرد ھنک مرلی موری من بجے بجے
باجت تار ستار
رمز ربانی روح باجت ھے   نا دانحد گجے گجے
قلب رھیو کنھار
غلام شاہ کوں شاہ قلندر   دان دیو سائیں سچے سچے
پریم اس کو خمار

روپ سا رنگ ریختہ

من کی مرلی اور باجے تار طلب طنبور بلجے
دشم دوارے دھن سن لاگے انحد لگا گاجے
غلام شاہ کو دھیان ذکر سوں دیا قلندر ساجے

ریختہ بروہ

عشق ذات دیوانہ ھے ، کوئی بوجھے ذات مستانہ ھے
حسن بن آپے ، اگن لگا یے
لوک ھمیں سوں ملت ملتے ھم خلقی خفتانہ ھے
کرتا یاد یگانہ ھے
شاہ قلندر شاہ بہمن کا فضل اللہ فرزانہ ھے
ھم حلقہ بگوش شہانہ ھے
ساقی سانبھالہ دیا من موری میخانہ ھے
خاص خمر خمخانہ ھے
غلام شاہ سرانحد باجے ، کھلیا راز اپانہ ھے
دل اندر دردانہ ھے

کافی روپ رام کلی ریختہ

شاہ قلندر پیر ، پیر قلندر ، موری لاج راکھو

تم ہین جہاز سمپوٹ کو ساچو ، تم ہین ہمارو سانگو (۱)

غلام شاہ کو سرن تمہاری تار کرو تم تانگھو (۲)

میرے دل رہو صاحب تیرو نام

مطرب ساقی سبھ ہمارے ، رہو محو مدام

غلام شاہ موں شاہ قلندر ، دیو بھر بھر جام

ایسی بے شمار کافیاں ہین جن مین شاہ قلندر کا ذکر بڑی شدت سے کیا ہے ۔ ایسا لگتا ہے جیسے ان کے پیر و مرشد کی محبت ان کے لگید رگ رگ مین سمائی ہوئی تھی ۔ زندگی کی ہر منزل پر شاہ قلندر کی یاد روشنی بن کر انہیں راہ حق دکھاتی تھی ۔ یہ شاہ صاحب کا روحانی اثر تھا کہ ان کی سوچ ان کی فکر ، ان کے فن ، ہر چیز مین ان کے ذکر سے انہیں توانائی کو تازگی ملی ہے اور یہ ان کے حضرت مرشد کی کرامات کا کرشمہ تھا ۔

غلام شاہ فارسی کے بلند پایہ ادیب تھے ۔ نثر مین ان کی کئی کتابیں اور رسالے ان کی یادگار مین سے ہین ۔

(۱) دردنامہ مین نواب غلام شاہ نے اپنے مرشد حضرت فضل اللہ شاہ قلندر کے ملفوظات جمع کئے ہین اس کتاب مین مندرجہ ذیل سطور سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ ملفوظات ۱۲۶۶ھ مین نقل کئے گئے ۔ یہ سطورین اس کتاب کے آخر مین یوں ہین ۔

" نسخہ دردنامہ از دست حقیر غلام شاہ فقیر لغاری بتاریخ بیست و نہم ماہ رمضان المبارک بروز جمعہ سنہ ۱۲۶۶ھ صورت تحریر یافت "

(۲) انیس العاشقین ۔ یہ کتاب سلوک کے موضوع سے متعلق ہے ۔ یہ " نسخہ سلوک صحبت نانک شاہ " ۱۲۷۰ ھ مین لکھا گیا ۔ اس کتاب کے آخری حصے کی حسب ذیل عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کی کتابت خود انھوں نے اپنے ہاتھوں سے ۱۲۷۰ ھ مین کی ۔

" نسخہ سلوک صحبت نانک شاہ ساکن امرتسر، مرشدش شاہ امانت اللہ صوفی ساکن ولایت کشمیر از دست امیدوار علو صیم بندہ درگاہ اللہی غلام شاہ لغاری بتاریخ بیست و سیوم ماہ ربیع الاول سنہ ۱۲۷۱ ھ تحریر آمدہ "

---

(۱) سانگو = آسرا (۲) تانگھو = اتھلا پانی

(۳) <u>نسخة ادویات</u> ۔ طب کے موضوع پر یہ کتاب اس اعتبار سے خصوصیت رکھتی ہے کہ انھوں نے طبی علوم کے مطالعہ اور تجربات کی روشنی میں طب کے مفید نسخوں کی تفصیلات لکھی ہیں اس کتاب کا اختتام ان کے ان الفاظ پر ہوتا ہے

" نسخة ادویات بعضی از کتا بہاے و بعضی آزمودہ خود بندہ درگاہ غلام شاہ ولد غلام اللہ فقیر لغاری تجویز کردہ نوشتہ شد " ۔

(۴) <u>نسخة ظفر نامہ</u> ۔ اس کتاب کی تاریخ تحریر اور مقام تحریر کا پتہ اس جملے سے چلتا ہے ۔

" نوشتہ ماہ ربیع الاول ۱۲۷۴ ھ در شہر خانپور " ۔

(۵) <u>غوثیہ</u> ۔ یہ کتاب تصوف و طریقت کے موضوع پر لکھی گئی ہے اور غلام شاہ کے نظریہ زندگی و عقائد دینی کا مظہر ہے ۔

ان کی یہ تمام تصانیف فارسی زبان میں ہیں جن کے مطالعے سے نہ صرف ان کی فارسی دانی بلکہ سلوک و صفا ، طب و حکمت جیسے موضوعات سے ان کا غیر معمولی لگاو اور فارسی نثر نویسی میں مہارت کا آئینہ دار ہیں ۔

نواب غلام شاہ لغاری بیک وقت کئی زبانوں میں شاعری کرتے تھے ۔ سندھی ، سرائیکی ، فارسی ، ریختہ اردو میں ان کا کلام موجود ہے ۔ ان کی کافیوں کی دو ضخیم بیاضوں کا پتہ چلتا ہے ۔ ان کی جو کافیاں ریختہ میں ہیں ان میں ان کے اسلامی رجحانات ، فلسفۂ تصوف ، نظریۂ حیات اور شاعرانہ کمال کی جھلکیاں ملتی ہیں ۔

<u>کافی روپ دے گدھار ریختہ</u>

سانچی کیجئے پریت صاحب سوں ، سنجی کیجے پریت
غلام شاہ تم جوش جگادو ، عشق کی رنگ کھو ریت

<u>ریختہ روپ پروہ و روپ سا رنگ</u>

اے تن ہو یا گرم گداز تیری تپش سوں موم گلت ہے
عشق صاحب کا شاہین ہویا ، تیز کرے پرواں
بحر وحدت کی موج جگائی ، کیا نشیب و فراز
غلام شاہ کا حال حقیقی ، من اندر ممتاز
ک

شاہ نصیرالدین نقشبندی

۱۲۲۳ھ / ۱۸۰۳ء — ۱۳۱۸ھ / ۱۹۰۰ء

سرزمین سندھ میں صوباً اور ضلع نواب شاہ میں خصوصاً اللہ تبارک و تعالی کے جن نیک و برگزیدہ بندوں نے علم و دین ، تصوف و روحانیت اور حقیقت و معرفت کے نور سے دلوں کو منور، روحوں کو بیدار اور ذھنوں کو تابان و درخشان رکھا ان میں پیر شاہ نصیرالدین انصاری نقشبندی نوشہرائی کا اسم مبارک بہت معتبر ، بہت ممتاز ہے ۔

شاہ نصیرالدین نقشبندی کا سلسلہ نسب [1] سرور کائنات حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مشہور صحابی حضرت جابر انصاری سے جا ملتا ہے ۔ شاہ نصیر کے مورث اعلی حضرت حاجی محمد عثمان افغانستان کے شہر احرار سے ھجرت کرکے نوشہرہ فیروز ضلع میں سکونت پذیر ہوئے شاہ نصیر کے جد امجد حضرت شہاب الدین مشہور بہ سیر دھنی کے مزار مقدس بھی میں ہے ۔ شاہ نصیر کے دادا حافظ حاجی عطا محمد انصاری اور ان کے پدر بزرگوار مخدوم پیر عبدالحئی انصاری اپنے وقت کے مشہور عارفین و سالکین میں سے تھے ۔ ان بزرگان دین کے دم سے وادی مہران میں نقشبندیہ طریقت کو بہت فروغ ہوا ۔ شاہ نصیر نے اپنے بہت میں سلسلہ نقشبندیہ سے وابستگی کو باعث فخر قرار دیا ہے ۔ کہتے ہیں

شھی نقشبندان تون بِہتر اٿا ھی
تنھجی آھے قائم سدا بادشاھی

شاہ نصیر کی تاریخ پیدائش کے بارے میں تذکرہ نگاروں میں اختلاف پایا جاتا ہے ۔ یہی وجہ ہے کہ ڈاکٹر نبی بخش خان بلوچ (سندھ میں اردو شاعری) مولانا دین محمد وفائی (تذکرہ مشاہیر سندھ) لطف اللہ بدوی (تذکرہ لطفی جلد سوم) اور پروفیسر محبوب علی چنہ (مخدوم امین ھالائی کے معاصرین شمولہ کلیات امین) وغیرہ نے اپنے اپنے تذکروں میں شاہ نصیر کی تاریخ ولادت تحریر نہیں کی ہے ۔ افسر صدیقی امروھی کی ایک قلمی بیاض میں شاہ نصیر کا سن ولادت ۱۲۲۳ ھ راقم کی نظر سے گزرا ہے ۔ خانزادہ سمیع نوشہروی نے بھی اپنے ایک

---

(۱) مضمون (سندھی) " حضرت پیر شاہ نصیر نوشہروی " از خانزادہ سمیع نوشہروی ، مطبوعہ ماھنامہ نئی زندگی ۔ کراچی ۔ جنوری ۱۹۷۸ء

مقالے مطبوعہ نئی زندگی جنوری ۱۹۷۸ء میں بھی سن ولادت لکھا ہے ۔ راقم کے خیال میں ۱۲۲۳ ھ کا سن درست معلوم ہوتا ہے ۔

شاہ نصیر کی ابتدائی تعلیم و تربیت ان کے والد ماجد کے زیر نگرانی ہوئی ۔ والد کی وفات کے بعد ان کے مرید عثمان فقیر سانگی کی صحبتوں میں نکات معرفت اور رموز حقیقت سے آگاہ ہوئے (۱) ۔ بعد ازاں پیر جھوک شریف سے شرف بیعت حاصل کیا ۔

شاہ نصیر نے اپنے عظیم مشن کو تبلیغ و اشاعت کی خاطر اولیائے نقشبندیہ کی سنت میں نہ صرف سندھ بلکہ بیرون سندھ کے دور دراز مقامات کی زیارت و سیاحت کی ۔ بمبئی، اجمیر، قندھار ، بلوچستان ، سرہند شریف کا سفر کیا (۲) ۔

شاہ صاحب کی ساری زندگی خدمت خلق ، عبادت الٰہی ، احیائے دین اور فروغ علم و ادب میں گذری ۔ شاہ صاحب اور ان کے ارباب بیعت کی فیوض و برکات ، خدمات و کرامات کی روشنی نواب شاہ تک محدود نہ تھی بلکہ ریاست خیرپور اور سندھ کے دوسرے علاقوں تک پھیلی ہوئی تھی خصوصاً لاڑکانہ میں ان کے مریدوں کی تعداد کافی تھی ۔

شاہ نصیر کے صرف ایک فرزند تھے ۔ پیر صفی اللہ جان ، وہ بھی صاحب دل و صاحب علم و عرفان درویش تھے ۔ نوشہرہ کے پیر شہاب الدین اور ارشاد شاہ بھی شاہ نصیر کی اولاد میں سے ہیں ۔

شاہ نصیر راگ رنگ ، سماع و سرود کی محفلوں کے بے حد شائق تھے ۔ عالم کیف و مستی کو کسب روحانی کا ذریعہ تصور کرتے تھے ۔

۱۳۱۸ ھ مطابق ۱۹۰۰ء میں اس محفل رنگ و بو سے ہمیشہ کیلئے رخصت ہوگئے ان کا مزار پرانوار نوشہرہ فیروز میں مرکز روحانیت اور گہوارہ زیارت ہے ۔ ہر سال ۴ ذی العقد کو اعلیٰ پیمانے پر عرس ہوتا ہے ۔

شاہ نصیر بہت خوش خط تھے ۔ نصیرا تخلص کرتے تھے ۔ سندھی فارسی اور اردو میں روانی کے ساتھ نثر و نظم لکھنے کی بھرپور صلاحیتوں کے مالک تھے ۔ ان کا کلام کیف و سرود سرشاری و سرمستی، حقائق و معارف کا بصیرت افروز مرقع ہے ۔ وحدت الوجود اور ہمہ اوست کے فلسفے کو عارفانہ رنگ میں پیش کرنے کا ملکہ رکھتے تھے ۔

---

(۱) تذکرہ مشاہیر سندھ ص ۲۷۷ (۲) تذکرہ لطفی جلد سوم ص ۳۲۰

شعرائے عجم میں انہیں حافظ شیرازی کا کلام بہت پسند تھا ـ دیوان حافظ اکثر ان کے زیر مطالعہ رہتا تھا ـ فارسی میں کلام حافظ کا تتبع ہی نہیں کیا بلکہ ان کی بعض غزلوں کی خوبصورت تضمین بھی کی ہے (۱) ـ جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ فارسی کے بھی قادر الکلام شاعر تھے ـ

شاہ نصیر اپنی سندھی کافیوں کی بناء پر سندھ کے خاص و عام میں جانے پہچانے جاتے تھے ـ ان کے ایسے اشعار کی تعداد کافی ہے جو سندھی اور اردو کی آمیزش سے تخلیق ہوئے ہیں ـ ان کا ایک سندھی مرثیہ بھی اس ضمن میں لائق مطالعہ ہے ـ اردو میں شعرائے متقدمین اور اپنے معاصرین کے طرز فکر کو ملحوظ خاطر رکھا ہے ـ ہر شعر صاف سادہ ، رواں اور دلآویز ہے ـ غزلوں کے یہ اشعار دیکھئے ـ

قامت سے تری سرو خراماں ہے حیران ‏ ‏ ‏ لعلوں سے تری لعل بدخشاں ہے حیران

مرجان بھی مرجان سے برجا بولتی ہے ‏ ‏ ‏ بجھکی فسادیکھہ کے غلطاں ہے حیران

روتا ہوں تری ہجر سے شب روز اے دلبر ‏ ‏ ‏ آنکھوں سے مری قلزم عماں ہے حیران

نالہ جو کروں ہجر میں شب روز نصیرا ‏ ‏ ‏ نالوں سے مری دلگیر پریشان ہے حیران

شیشۂ مرجان سے اس کے جب پیا جام سے
اڑ گیا دل سے مری جو خوف مرجانے کا تھا
ساقیا میخواروں نے کی آج میخواری عجب
زعفران سا رنگ سارا زرد میخانے کا تھا
مرغ دل کو دام گیسو میں نہیں جینے کا غم
اک خیال اس کو مگر اس خال کے دانے کا تھا
رشک رضوان لیتا ہے اس یار کے دربان سے
اے نصیرا شرمگیں کا شان کاشانے کا تھا

---

(۱) ایک فارسی غزل کی تضمین مخمس کی صورت میں کی ہے ـ دو بند کا یہ مخمس تذکرہ لطفی جلد سوم کے ص ۳۲۳ ، ۳۲۴ پر شامل ہے ـ

حمل فقیــــر لغــاری

(۱۲۲۵ھ / ۱۸۰۹ء — ۱۲۹۶ھ / ۱۸۷۹ء)

اصل نام حمل خان ۔ لغاری بلوچ کے قبیلہ سیرکانی سے تعلق رکھتے تھے ۔ انھوں نے اپنے قلم سے اپنی ایک بیاض میں اپنا نام --- " حمل فقیــر لغاری سیرکانی " لکھا ہے ان کے والد کا نام عبدالرحیم خان لغاری اور دادا کا نام حمل فقیر لغاری تھا ۔ ان کے آباو اجداد کا سلسلۂ نسب حضرت آدم صفی اللہ علیہ السلام سے جا ملتا ہے ۔ اس بیاض میں حمل خان کے خود نوشت حالات اور شجرۂ نسب شامل ہیں ۔ اختتام پر انکے اپنے قلم سے نام اور یہ تاریخ تحریر بھی درج ہے

" تمام شد از دست حمل فقیر لغاری ماہ جمادی الثانی ۱۲۸۲ ہجری " (۱)

حمل خان اپنے گوٹھ (ریاست خیرپور) میں ۱۲۲۵ ھ (۱۸۰۹ع) میں پیدا ہوئے ۔ ان کی تعلیم و تربیت نواب سعید خان کے زیر نگرانی ہوئی ۔ عربی و فارسی کی تعلیم کے بعد تعلقہ سکرنڈ ضلع نواب شاہ کے " میر خان لغاری " نامی گاؤں میں منتقل ہوگئے اور وہیں تادم مرگ اقامت پذیر رہے ۔ وہاں ایک مدرسہ قائم کیا اور درس و تدریس کے مشغلے کو مشغلۂ حیات بنایا ۔

حمل کی تدریسی صلاحیت اور معلمانہ حیثیت مسلم تھی ۔ اس عہد کے امرائی تالپور ان کی عظمت اور فضیلت کے بہت قدردان تھے جن میں میر علیمراد ار خان ، میر شاہنواز خان ، میاں بختیار خان ولد رئیس میر خان اور میر علی مراد خان والی خیرپور کے نام قابل ذکر ہیں ۔ آخرالذکر دو امیروں کی جانب سے حمل کو باقاعدہ وظیفے ملا کرتے تھے ۔

حمل خان کے شاگردوں میں ان کے فرزند میاں محمد رحیم کے علاوہ غلام شاہ ، میر خان اور میاں بختیار خان جیسے فارسی کے عالم و فاضل گزرے ہیں ۔

پیر صاحب پگارو حضرت محمد راشد (روضے دھنی) کی درگاہ سے حمل فقیر اور ان کے بزرگوں کا دیرینہ ارادتمندانہ تعلق رکھتا (رہا) ۔ ان کے خاندان کے کئی افراد صوفیائے راشدیہ کے مرید تھے ۔ خلیفہ نبی بخش خان لغاری جو حضرت پیر پگارو سے بیعت تھے حمل خان کے ایک بزرگ تھے اس سلسلے سے حمل کے پیر علی گوہر شاہ اصغر (بنگلے دھنی) اور ان کے نامور فرزند پیر حزب اللہ

---

(۱) ملاحظہ ہو عکس تحریر و شجرۂ نسب حمل فقیر لغاری ، کلیات حمل ص ۲ ۔ الف

شاہ (تخت دھنی) سے خاص تعلقات رہے (۱) لیکن حمل فقیر کی دلی ارادت لواری شریف کے بزرگان دین سے تھی اور اسی نسبت سے انھوں نے طریقۂ نقشبندیہ کو اپنایا ۔ ان کے پیرو مرشد حضرت شاہ مدنی خواجۂ محمد حسن خانوادہ لواری (۲) کے سجادہ نشین تھے ۔ انھوں نے اولیائے لواری کی شان میں متعدد مرحیہ اشعار کہے ہیں ان کے ایسے اشعار بیشتر سندھی میں ہیں اور ان کے مجموعۂ کلام میں جا بجا ملتے ہیں ۔

حمل کو سیر و سیاحت کا بہت شوق تھا ۔ ذاتی مشاہدات اور علمی تجربات کی غرض سے مختلف مقامات کا سفر کیا ۔ سندھ کے مختلف علاقوں مثلاً شکار پور ،سکھر ، نواب شاہ میں تھوڑے تھوڑے عرصے قیام بھی کیا ۔

حمل خان فقیر لغاری نے ۲ صفر ۱۲۹۶ ہجری (۱۸۷۹ع) کو "محمود فقیر لغاری" نامی گاؤں میں انتقال کیا ۔ ابراھیم شاہ والا قبرستان واقع "میر خان لغاری" میں سپرد خاک ہوئے ۔ ان کی اولاد میں میاں محمد رحیم (۳) نے فارسی و سندھی میں کمال حاصل کیا ۔

حمل فقیر کو شاعری اور موسیقی سے فطری لگاؤ تھا ۔ حمل کی ایک قلمی بیاض جمال خان کے توسط سے ڈاکٹر نبی بخش کے ہاتھوں میں پہنچی ۔ اس قیمتی بیاض کو ڈاکٹر نبی بخش خان بلوچ نے تصحیح و حواشی کے ساتھ مرتب کیا اور اسے سندھی ادبی بورڈ نے ۱۹۵۳ع میں "کلیات حمل" کے نام سے شائع کیا ہے ۔ کلیات حمل کے مطالعے سے اندازہ ہوتا ہے کہ حمل صرف بلند پایہ عالم ، عارف و درویش ہی نہ تھے بلکہ شاعری میں بھی ان کا مرتبہ بہت بلند تھا ۔ فارسی سندھی ، سرائیکی ، پنجابی ، ہندی اور اردو میں بلند پایہ شعر کہتے تھے ۔ خیالات و موضوعات میں صراحت ، ہم آہنگی اور رنگا رنگی ہے ۔ مختلف اصناف سخن پر نہایت پختگی و شیفتگی سے طبع آزمائی کی ۔ سندھی و سرائیکی میں ان کی مثنویاں ، کافیاں ، قصائد ، مناقب بیت ، غزلیات وغیرہ نے بہت مقبولیت حاصل کی ۔ سرائیکی میں شعر کہنے کا خاص ملکہ تھا اور بقول پروفیسر محبوب علی چنہ "سرائیکی کلام کو بام عروج پر پہنچانے کا سہرا حمل خان لغاری کے سر ہے" (۴) ۔ جن شعرائے کرام نے سرائیکی میں کلام حمل کا کامیاب تتبع کیا ان میں سائیں حسن بخش شاہ اور اللہ بخش فقیر کے نام بہت اہم ہیں (۵) ۔

---

(۱) مقدمہ کلیات حمل ۔ ص ۹ ، ۱۲

(۲) ملاحظہ ہو تذکرہ حضرت شاہ مدنی خواجۂ محمد حسن مشمولہ اولیائے لواری شریف اردو ترجمہ عبدالکریم جان محمد تالپور ۔

(۳) محمد رحیم ولد حمل خان کے سوانح حیات اور شاعری کے لئے ملاحظہ ہو ضمیمہ ۳ کلیات حمل ص ۲۷۳ تا ۲۸۲ ۔ (۴) سندھی ادب کے مختلف رجحانات ۔ ص ۱۱

(۵) کلام حسن بخش شاہ مولفہ عارف المولیٰ ۔ ص ۱۱

پنجاب میں ہیرا رانجھا کے قصے کو بڑی اہمیت حاصل رہی ہے ۔ شہنشاہ اکبر کے ہمعصر شاعر دامودر ، راجہ رنجیت سنگھ کے درباری شاعر اللہ بخش مجروح اور فرخ ملتانی کا عشقیہ قصہ ہیر رانجھا بہت مشہور ہے لیکن حمل فقیر کی مثنوی ہیر رانجھا کا رنگ سب سے جدا سب سے الگ ہے ۔ حمل کی یہ مثنوی پرسوز و پر اثر سرائیکی ڈو ہڑوں اور سی حرفی میں ہے ۔کسی زمانے میں یہ مثنوی سندھ سے باہر بہاولپور ، ملتان اور پنجاب کے دیگر علاقوں میں بڑی دلچسپی سے پڑھی اور سنی جاتی تھی (۱) ۔ حمل فقیر ، عبدالطیف شاہ بھٹائی اور خلیفہ نبی بخش لغاری کے صوفیانہ خیالات اور شاعرانہ عظمت سے بہت متاثر تھے ۔ یہی سبب ہے کہ ان کی شاعری میں زیادہ تر ادبیں بجز اولیائے کرام کا رنگ فکر غالب ہے ۔ حمل اکابر اسلام اور صوفیائے کرام کے بہت معتقد تھے ۔ ان کے کلام کا بیشتر حصہ حمد و نعت کے علاوہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ ، غوث الاعظم حضرت عبدالقادر جیلانی اور بزرگان لواری کی مدح میں قصیدے اور مثنویوں پر مشتمل ہے یہی وہ حصہ ہے جو حمل کے شعری رجحانات ، فکری میلانات اور علمی و دینی عقائد کا بصیرت افروز مرقع ہے ۔

ان کا کمال یہ ہے کہ انھوں نے سندھی نعت ، منقبت ، مدح ، معجزہ وغیرہ میں اردو کے الفاظ مصرعے و فقرے بڑی چابکدستی سے استعمال کیئے ہیں ۔ معمولی تغیر و تبدل سے اس قسم کے اشعار اردو کلام کے اجزا معلوم ہوتے ہیں ۔

(۱) ذات احمد جی (۲) سمجھہ خدا

(۲) باطن ظاہر وجود ۔ اول آخر نور شہود

(۳) شیوں (۳) اسماء صفات کمال ۔ خواہ جمال خواہ جلالی

(۴) سمجھہ حقیقت احمد نام

(۵) اصل حقیقت احمد جان (۴)

(۶) " برزخ کبری " احمد نام

(۷) نور وجود آھی(۵) ظاہر نور

(۸) اول آخر نور قدیم ۔ آھی احمد بلا میم

(۹) " اسم اعظم " اجمال وجود ۔ ظاہر باطن آہ موجود

(۱۰) عالم مطلق موجود جمالی ۔ موجود اول آہ احمد عالی

(در بیان حقیقت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم ۔ کلیات حمل ص ۱۲۲ تا ۱۲۶)

---

(۱) تذکرہ لطفی ۔ ص ۳۲۶ (۲) جی = کی (۳) شیوں = مظہر

(۴) جان = جہان (۵) آھی = ہے

* بہت ھندی تصنیف حمل فقیر لغاری * کے تحت یہ چند اشعار دیکھئے ۔

تجلی تاب ، موھیا مہتاب ، کنگھر کباب
آگی کون آب ، دیا اجارا
جبین کی چین ، دیکھے غمگین ، موھے مسکین
وسارے دین ، دیا عقبی را
ادگر مین ، سجن دن دین ، چلاے چین
سنائے سین ، دری پر دارا
جواھر دند ، لب گلقند ، دھان خوش خند
کریگا بند ، ھمہ ھوشیارا
رخش گلفام ، نبوت نام ، تری تشــــام
گئیسگت گام ، چلے گھنــارا
نبی کا نور ، ہو یا مشہور ، دیا دکھ دور
کیا مســرور ، ملک مختــارا
شفیع کی شان اوپر فرقان ، ملا رحمـــــان
دیا قربان جملہ جگ ســارا
حمل دن رات نبی کی نعت ، پڑھو صلواۃ
یہ کلمہ بات تیسی چھٹکارا

حمل فقیر کی غزلین رنگ تغزل کا عمدہ نمونہ ھین ۔ زبان صاف ، اسلوب سادہ ھے تخیل مین بانکپن ھے ۔ کہتے ھین کہ وہ نوجوانی مین کسی کو دل دے بیٹھے تھے شاید اسلئے ان کے عشقیہ اشعار مین دلبری و دلرُباشی کے تیور دل نواز و دل ساز ھین

* غــزل حمل فقیــر نو ساختــہ *

جس کو ھے داغ جگر اس کو نہین آرام دل — عشق مین پکا نہین وہ بے خبر ھے خام دل
جس کے دل کا یار کی زلفون مین ھر دم تھا گزر — اسکا مشکل چھوٹنا ھے ، جا پڑا دردام دل
جو سجن دل لوٹ لے گیا وہ کبھی آتا نہین — رات دن وہ ڈھونڈتا ھے گلبدن گلفام دل
ایک پل مجھہ سے جدا ھوے نہین او ماھرو — دیکھہ دل کے درد کا تون یہ میرا ھے کام دل
ھر گھڑی ھر وقت مجھہ کو یاد ھے وہ دلربا — دم بدم کرکے لیا ھے درد اس کا نام دل
دین و دنیا عیش و عشرت اسکے دل سون اترگئے — جس سخی ساقی کے ھاتھون پر پیا ھے جام دل
حور حمل کی نہین کچھہ آرزو اس یار بن — اس کا ملنا مانگتے ھین ھر صبح پر شام دل

غلام حیدر فقیر

(١٢٢٥ ھ - ١٣١٠ ھ)

غلام حیدر فقیر ، سید قنبر علی شاہ بخاری کے مرید اور خلیفہ تھے جوہنا گڑھ (ٹھٹھ) کے رہنے والے تھے ان کا سال ولادت ١٢٢٥ ھ بمقام جوہنا گڑھ اور سن وفات ١٣١٠ ھ بمقام سندھ ہے -

عربی و فارسی کی ابتدائی تعلیم مقامی مکتب میں حاصل کرنے کے بعد سندھی ، ہندی سرائیکی کی زبان اور ادب سے بہرہ ور ہوئے - اوائل عمر سے سلوک و صفا کی جانب مائل تھے - زہد و تقویٰ ، تزکیہ نفس اور ریاضت و عبادت کا سودا سر پر کچھ ایسا سمایا کہ قبول و عرفان کی تلاش و جستجو میں سرگردان رہے - چند سال دنیا والوں کی نظر سے بچ کر جوہنا گڑھ کے گرنا رائی نامی پہاڑ کے ایک غار میں چلہ کشی کی - پھر گردار سے نکل کر علوم باطنی کی تحصیل اور تبلیغ دین کی تبلیغ و اشاعت کیلئے اپنے آپ کو وقف کردیا - انھیں دنوں فقیر گرناری کے نام سے مشہور ہوئے - دور دراز مقامات کی سیر و سیاحت کی - کشاں کشاں سندھ پہنچے -

اس زمانے میں ضلع ٹھٹھہ میں حضرت سید قنبر علی شاہ (١٢٠٠ - ١٢٦٢ ھ) میں سید سچل شاہ بخاری اپنے علم و فضل اور تصوف و معرفت کے اعتبار سے بہت بلند مقام رکھتے تھے - غلام حیدر فقیر ان کی خدمت میں حاضر ہوئے اور بیعت و خلافت کی سعادت حاصل کی - چند برس آستانہ مرشد میں حقائق و معارف کے نکات سے آشنا ہوئے - ١٢٦٢ ھ / ١٨٤٧ع میں جب ان کے پیر و مرشد واصل اللہ ہوئے تو کچھ عرصے تک ان کے مزار مبارک کی خاک دھول کو اپنی آنکھوں کا سرمہ بنایا اور روحانی فیض پایا -

سرور کائنات حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو " میر قافلہ " اور اپنے پیر حضرت قنبر علی شاہ کو " تاجوں کا تاج " کہتے ہیں

دھن تو نام سلیمان کوں ، دھن تو محمد میر

دھن توشہ مردان کوں دھن تو شیر شہیر

پیر میرا پاک ہے سر " تاجوں کا تاج " سریا ہر کوئی کاج جو میے اندر آنیا (١)

غلام حیدر عرف فقیر گرناری نے اپنے پیر حضرت سید قنبر علی شاہ کی صحبت میں رہ کر شعر و ادب سے بھی لگاؤ پیدا کیا - شاعری کا ذوق انھیں کی ہمنشینی کا مرہون منت ہے - تخلص تیرھا

---

(١) میرا پاک پیر جو تاجو کا تاج ہے ، کے طفیل میں سب کام انجام پائے -

(جس کے معنی شہباز کے ہیں) اپنایا - شروع شروع میں اپنے کلام پر اصلاحیں اپنے مرشد سے لیں
سندھی ، ہندی ، سرائیکی اور اردو میں شعر کہتے تھے - وائی اور بیت زیادہ لکھتے
تھے - شاید یہی سبب تھا کہ یہ اصناف ان کے کلام میں زیادہ نمایاں ہیں - سید قنبر علی شاہ
حضرت شاہ عبداللطیف بھٹائی سے روحانی عقیدت رکھتے تھے انکے کلام کا اتباع باعث فخر و مسرت
تصور کرتے تھے - شاہ جو رسالو کی تقلید میں اپنے دیوان کا نام " رسالو " تجویز کیا تھا - اسی
طرح فقیر گرہاری نے اپنے پیر و مرشد قنبر علی شاہ کی پیروی میں اپنے مجموعہ کلام کا انتخاب ہے اس
سے انکشاف ہوتا ہے کہ ان کی شاعری کا سرمایہ بہت مختصر ہے لیکن جو کچھ کہا ہے اس زمانے
کی زبان اسلوب طرز سخن کو پیش نظر رکھکر کہا ہے - ان کے کلام کا بیشتر حصہ سندھی ،
سرائیکی ، ہندی اردو کی آمیزش ہے - کون ، کول ، سنگ ، سنگی ، موکون ، موہنے جنم ، داسا ،
تاسا وغیرہ جیسے الفاظ کی ان کے ہاں کثرت ہے - یہی ان کا اصل رنگ شاعری ہے جسکا اندازہ
ان اشعار سے ہوسکتا ہے -

موکو مجھے گرد کا ہے بھروسا   ہوں میں جنم جنم کا جس کا داسا
بھروسہ
ایسا گرد میں ہوں پایا   جس نے میٹھا ، تن کسی تاسا
مٹایا

نہ میں کسی کے سنگ ہوں نہ کوئی میرا سنگھا   میں جس کے سنگ ہوں وہ ہمارا سنگی
دیکھے جب چشم پیارے تو ہم مستان ہوجاتے   سریا کون پوشش کرا کر عریان ہوجاتے
مرا محبوب اب آیا ہمارے کول آدیکھو   گلی دل کی صفا کرکے گھمکھٹ کون کھول آدیکھو

نہ دے آزار مجھ دل کو تو اے آرام جان سمجھو
یہ خوبی کچھ نہیں رہتی سدا اے مہربان سمجھو

منظر علی فقیر زنگیجہ

۱۲۲۵ھ - ۱۲۶۵ھ
۱۸۱۱ء - ۱۸۴۹ء

حضرت روحل خان المعروف بہ روحل فقیر سندھ کے ایک مشہور صوفی شاعر تھے - ان کے خاندان میں کئی صوفیائے کرام ایسے گزرے ہیں جنھوں نے شاعری میں بھی شہرت حاصل کی - فقیر شاھو خان زنگیجہ ، فقیر غلام علی زنگیجہ ، فقیر خدا بخش اور فقیر دریا خان زنگیجہ حضرت روحل فقیر کے صاحبزدگان تھے جنھوں نے سلوک و طریقت کے ساتھ ساتھ میدان شعر و ادب میں بھی نام پیدا کیا -

منظر علی فقیر زنگیجہ اس فقیر گھرانے کے صاحب علم و عمل درویش تھے وہ حضرت روحل فقیر کے پوتے اور سائیں خدا بخش فقیر کے بیٹے تھے - منظر علی فقیر کی پیدائش ان کے آبائی قصبہ کنڈڑی (خیر پور) میں ۱۲۲۵ھ (۱۱ - ۱۸۱۰ء) کو ہوئی - عالم نو عمری یعنی ۱۸ سال کے سن میں ان کے والد محترم کا سایہ (۱۲۴۳ھ مطابق ۲۸-۱۸۲۷ء) ان کے سر سے اٹھ گیا - ان کے چچا حضرت فقیر دریا خان زنگیجہ نے انھیں اپنے سایہ شفقت میں لے لیا - اپنی اولاد کی طرح ان کی پرورش کی اور مناسب تعلیم و تربیت سے آراستہ کیا - منظر علی بھی اوائل عمر سے اپنے مشفق و مخلص چچا سے بہت مانوس تھے ان کی نگرانی میں علم ظاہری سے بہرہ ور ہوئے ان کے زیر تربیت تصوف و شریعت کے نکات سے آگہی حاصل کی یہانتک کہ انھیں کے ہاتھوں بیعت کی - اپنے پیر و مرشد کے فیض و کرم کا اظہار بعض اشعار کی زبانی کیا ہے -

دان دھیان گیان دریا خان گوردانا ھرہ دیجئے
منظر علی میری بپت آوکی ، آپ چھاتی کیوں کیجئے

منظر علی فقیر ۱۲۶۵ھ مطابق ۴۹-۱۸۴۸ء میں اپنے رب حقیقی سے جا ملے ان کے چچا دریا خان کا انتقال پانچ سال بعد یعنی ۱۲۷۰ھ مطابق ۵۳ - ۱۸۵۲ء میں ہوا -

منظر علی فقیر زنگیجہ عربی ، فارسی ، سندھی ، سرائیکی اور اردو پر کامل قدرت رکھتے تھے ان تمام زبانوں میں ان کی شاعری ان کی قادر الکلامی اور قدرت زبان کی غمازی کرتی ہے - انھیں ترجمے کا بھی بہت اچھا درک تھا - اس کا اندازہ ان اشعار سے ہوتا ہے جن کو انھوں نے فارسی سے اردو میں منتقل کیا - ایک شعر کا ترجمہ نمونتہً درج ذیل ہے -

دلم دلدار می جوید ، تنم آرام می خواہد	دل چاہے دلدار کوں، تن چاہے آرام
عجائب کشمکش دارم ، کہ جانم مفت می کاھد	دبدھا میں دونوں گئے مایا ملی نہ کرم

منظر علی فقیر نے راہ سلوک میں وہی مسلک اختیار کیا جو ان کے دادا حضرت روحل فقیر اور چچا دریا خان زنگیجہ کا مسلک تھا منظر علی نے اپنی شاعری میں اسی مسلک کو ذریعہ اظہار بنایا شاعری میں بھی انہیں بزرگوں کی پیروی کی ۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے اشعار توحید ہادی ، تزکیہ نفس ، ہمہ اوست نفی و اثبات ، فنا و بقا ، بے ثباتی حیات اور حق کی لازوال قوت وحدت کا ترجمان ہیں ۔ نکتہ توحید کو اس شعر میں کس خوبصورت انداز میں پیش کیا گیا ہے ۔

منظر علی گور صاحب جانو　　　اس بن اور نہ دو جا جانو

انکے کلام کا ایک قلمی نسخہ درگاہ کنڈڑی خیرپور میں موجود ہے یہاں دو کافیاں نقل کی جاتی ہیں پہلی کافی صاف اور سلیس ریختہ میں ہے دوسری کافی کو ہندی و سرائیکی کا خوبصورت آمیزہ کہا جاسکتا ہے ۔

ریختہ

ادھر دل مجھ سے کہتا ہے چل تو یار کے دیرے
ادھر تن مجھ سے کہتا ہے تو دکھ مجھکو مت دے رے
جوکہتا دل کا سنتا ہوں تو وہ رہتی ہے گھر میرے
اگر تن کی سنوں باتیں تو پھر دکھ دیہے بہتیرے
نہ دل مانے نہ تن مانے ، ہر اک اپنی طرف پھیرے
کروں میں کیا منظر ایسی جو مشکل آن کر گھیرے

ہندی سرائیکی آمیزش

دیکھ تو ہری میرے ہر دے بسے ، میں تو اور کچھ نہیں جانوں
سادھ سنگت وڈ بھاگ آئے ، مستک بھاگ سے پرپھو پاوے
آتم رام دھیاؤں
سم سم پر بسہ پایو جنھیں ، انند سکھ ہے گھٹ تنھیں
گھٹ گرو کی گاؤں
دھن دھن سادھجے ہر نالے ، تن میں مست مگھن متوالے
آتم الٹ سماؤں
گور دریا خان پیالہ جو پایا ، جنم مرن کا دکھ مٹا یا
انحد ناد بجاؤں
منظر علی ایسا سی دھیاوں ، انہو دیس میں نگر بساوں
امرا (پور) پد پاؤں

فقیر قادر بخش بیدل

۱۲۳۰ھ - ۱۲۸۹ھ

۱۸۱۳ء ۱۸۷۲ء

سندھ کے دوسرے مقامات کی طرح روہڑی بھی شروع سے اہل علم و فضل اور اہل تصوف و عرفان کا مولد و مسکن رہا ھے ۔ فقیر قادر بخش بیدل اسی خطہ روحانیت افزا کے بہت بلند پایہ صوفی شاعر تھے ۔

قادر بخش بیدل کے والد ماجد حضرت محمد حسن رحمۃ اللہ علیہ روہڑی کے مشہور بزرگان دین میں سے تھے ۔ موصوف حسب و نسب کے اعتبار سے قریش تھے ۔ وہ پارچہ بافی کا کام کرتے تھے اس لئے پانولی (۱) مشہور ھوئے ۔ اس زمانے میں سلسلہ قادریہ کے مشہور و معروف عارف کامل حضرت صوفی شاہ عنایت اللہ شہید (۲) (۱۰۶۵ھ/۱۶۵۶ھ — ۱۱۳۰ھ/۱۷۱۸ء) ساکن جھوک شریف کے کمال تصوف و معرفت کی بڑی شہرت تھی ۔ حضرت محمد حسن آپ کے ھاتھوں شرف بیعت سے مشرف ھوئے اور خرقہ خلافت حاصل کیا ۔

روایت ھے کہ خلیفہ محمد حسن کی کوئی نرینہ اولاد نہ تھی ۔ ایک دن آپکے مرشد حضرت صوفی شاہ شہید نے آپکو اپنے آستانے میں افسردہ دیکھکر افسردگی کی وجہ دریافت کی ۔ خلیفہ موصوف نے فرمایا

" اعلیٰ حضرت یہ بندہ عاجز نرینہ اولاد کی نعمت سے محروم ھے ۔
حضور دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ جو بڑا رحیم و کریم ھے اپنا فضل
و کرم فرمائے ۔ اسکے خزانے میں کیا کمی ھے " ۔

صوفی جی نے بارگاہ ایزدی میں دعا کی اور فرمایا

" انشاء اللہ تمہاری مراد بر آئیگی ۔ تمہارا لال صاحب کمال ھوگا
عالم معرفت میں عروج پائے گا اسکے حرم سے روہڑی کا پرچم بلند رھیگا "

بفضل رب کریم خلیفہ محمد حسن کے گھر جو شمع روشن ھوئی اسکا نام عبدالقادر رکھا گیا ۔ وہ آگے چل کر " فقیر بیدل " اور قادر بخش بیدل کے نام سے مشہور ھوئے ۔

عبدالقادر کو ان کے پدر بزرگوار نے پانچ سال کی عمر میں قرآن حکیم کی تعلیم کیلئے مقامی مسجد کے مکتب میں بٹھا دیا ۔ وہ بچپن سے ذکی و ذھین تھے ۔ بارہ برس کے سن میں

---

(۱) سندھ میں اردو شاعری ۔ ص ۱۱۲

(۲) تذکرہ صوفیائے سندھ از اعجاز الحق قدوسی

پہنچتے پہنچتے قرآن حدیث ، دینیات کی تعلیمات مکمل کرلیں پھر اپنی خداداد ذہانت اور ذاتی محنت و صلاحیت کی بناء پر فقہ ، فلسفہ دین ، تصوف ، علم الکلام اور دیگر علوم دینی پر کامل دستگاہ حاصل کرلی ۔ حساس اور خاموش طبع تھے اپنے درویش باپ کے ہمراہ اکثر علماء و فضلاء اور بزرگان دین کی صحبت میں گزارتے تھے ۔ آخری عمر تک سیر و سفر خلوت، عبادت ، مطالعہ ، فکر و استغراق ، تصنیف و تخلیق اور درس و تدریس میں مصروف رہے ۔ کہتے ہیں کہ بارہ برس کی عمر میں فقیر بیدل گو/ نے برابر تین رات خواب میں دیکھا کہ ایک لنگوٹ بند قلندر ان سے مخاطب ہیں

" ہمارے پاس آجاؤ "

انہوں نے روہڑی سے سیہون شریف تک کا سفر عالم جذب میں دیوانہ وار طے کیا ۔ حضرت لعل قلندر شہباز سیوستانی کے روضۂ مبارک تشریف لے گئے ۔ ڈاکٹر میمن عبدالمجید سندھی اپنے ایک مقالہ (۱) میں لکھتے ہیں کہ " وہاں سے آپکو (یعنی بیدل کو) شعر کہنے کی اجازت ملی اور آپ نے دو غزلیں فارسی اور اردو میں کہیں " ۔ اردو غزل ذیل میں پیش کی جاتی ہے ۔

دل وحدت طلب فارغ زقید جسم و جاں ہوگا — کہ پھٹک عاشقاں دائم پھلک للمکاں ہوگا
اڑ جا چھوڑ کے پنجرا جسم کا گھر پیا چاہے — کہ اوپر عرش اعظم کے تمہارا آشیاں ہوگا
اُٹھا اس فرش خاکی سے قدم چڑھ جا فلک اوپر — کہ سات آکاس ہفت کے آگے اک نہ/ جہاں ہوگا
بھروسے جسم کے مت کرو اسم کی بات یوں مت کہو — صفت کوں چھوڑ آگے چل کہ بیچوں بے نشاں ہوگا
طلب مطلوب طالب کوں کھوکر جاں وحدت میں — کہ بس ذات بے رنگی محیط بے کراں ہوگا
وہی اول وہی آخر وہی ظاہر وہی باطن — خودی کے ترک میں مخفی جو ہے وہ جہجہاں ہوگا
دوئی کے وہم سے بیدل تیرا دل گرہوا فارغ — ظہور اس ذات مطلق کا جہاں چاہے وہاں ہوگا

بیدل نے روہڑی واپس آکر وہ دونوں غزلیں اپنے استاد کو دکھائی تو انہوں نے دیکھتے ہی فرمایا کہ " یہ دونوں غزلیں تو پنجاب کے ایک شاعر بیدل کی ہیں ۔ اتنا سنتے ہی آپ وجد میں آگئے اور دوسری تین غزلیں عربی ، فارسی اور اردو میں کہیں ۔ اردو کی غزل یہ ہے ۔

ہمیں اسرار وحدت کا نفی اس بات میں دیکھا — سراسر نور بے رنگی ظہور ذات میں دیکھا
نفی جب تک نہ ہو ہرگز نہ پاوے ذوق اثباتی — اسی شطرنج کا ہم جیتنا اب مات میں دیکھا
کوئی جو ہو رہا عاشق الکھ بیچوں منزہ پھر — اروپ اور روپ کا اس نے لقالصفات میں دیکھا
نہ ہو اے بوالہوس راغب بیدلی کا یہ پندار — کہ جام و تیغ ہم واللہ سجن کے ہاتھ میں دیکھا

---

(۱) بیدل کی اردو شاعری ۔ از عبدالمجید سندھی سہ ماہی اردو نامہ کراچی شمارہ ۱۱ ۔ ص ۸-۹

کسی مصور سے پوچھا سبب اشائے معنی کا — کہا میں مطلب والا ابھی اسمات میں دیکھا
یہ بیدل سن، ولی اشکم ، اس معشوق ھمدم ہے — کہ ہم مصباح احدیت اسے مشکات میں دیکھا

ابھی چودہ سال کے تھے کہ بیدل کے پدر بزرگوار کا سایہ ان کے سر سے اٹھ گیا ۔ انھوں نے اپنے والد محترم کے پیر حضرت صوفی شاہ عنایت اللہ شہید (۱) کے خلیفہ ارشد میر جان اللہ شاہ (۲) سے بیعت کی ۔ قادر بخش بیدل کو اوائل عمر سے تلاش حق اور جستجو معرفت کا شوق تھا ۔ ذوق جنون کے عالم میں انھوں نے دور دور کی سیر و سیاحت کی ۔ بزرگوں کے آستانوں اور اللہ والوں کے درباروں میں حاضری دی ۔ آلام و مصائب کی گھاٹیوں سے گزر کر مظاہرہ قدرت کے مشاہدات ، دنیا کے رنگا رنگ تجربات کی روشنی میں نہ صرف دنیاوی علوم سے سرفراز ہوئے بلکہ روحانی کسب و کمالات سے آگہی حاصل کی

ع جو ہو ذوق یقین پیدا تو کٹ جاتی ہیں زنجیریں

دوران سفر بیدل نے پیر گوٹھ (خیر پور) میں سندھ کے مشہور ولی اللہ پیر محمد راشد رحمۃ اللہ علیہ کی درگاہ میں اعتکاف کیا ۔ اس عرصے میں پیر پگارو حضرت صبغت اللہ شاہ (۳) (۱۱۸۳ھ/۱۷۷۹ء — ۱۲۳۶ھ/۱۸۲۱ء) کے فرزند عزیز سید علی گوہر شاہ کے استاد مقرر ہوئے

---

(۱) بیدل کو صوفی شاہ شہید سے روحانی عقیدت تھی ۔ انھوں نے ان کی شہادت (۱۱۳۰ھ/۱۷۱۸ء) کے دلدوز واقعہ سے متاثر ہوکر ایک دل سوز مرثیہ کہا جسکے چند اشعار یہ ہیں

عشق چندین حملہ بر عشاق بے سرو پا نمود
بر رخ صاحب دلان صدرہ در رحمت کشود
سوہی صحرا قیامت در ہزار روسی و صد
سر برہنہ صوفی بخود کاش را خسرود

(مضمون "شاہ شہید صوفی" از پرنسپل محبوب علی چنہ مطبوعہ "مہران جاموتی" (سندھی) پاکستان پبلیکیشن ص ۳۲۳)

(۲) میر جان اللہ شاہ رضوی (المتوفی یکم ربیع الاول ۱۱۷۷ھ بمقام روہڑی) متخلص بہ میر کے علم و عرفان کا چرچا سکھر اور روہڑی میں عام تھا ۔ فارسی کے بلند پایہ صاحب دیوان شاعر تھے ۔ ایک مثنوی بھی یادگار ہے ۔ (تحفۃ الکرام اردو ص ۳۹۷ ، مضمون از پروفیسر لطف اللہ بدوی مش زندگی شہید نمبر)

(۳) الرحیم مشاہیر سندھ نمبر مرتبہ مولانا غلام مصطفے قاسمی ۔ ص ۲۵

انھوں نے تلمیذ ارشد کو عربی و فارسی کی جامع و مانع تعلیم کے جوھر سے آراستہ کیا ۔ مثنوی مولانا روم بھی شرح و بسط سے پڑھائی ۔ فقیر بیدل کی باکمال و بافیض تعلیمات کی بدولت سید علی گوھر شاہ (۱) نہ صرف تصوف و معرفت کے علوم بیکران سے بہرہ ور ھوئے بلکہ عربی و فارسی کے عالم اور اعلی درجہ کے شاعر بن گئے ۔

بیدل فقیر پیر گوٹھ سے فارغ ھوکر ضلع خیرپور کے ایک قصبہ پریان لو میں تشریف لے گئے یہ مقام روھڑی سے آٹھ میل کے فاصلے پر واقع ھے ۔ وھاں کے ایک برگزیدہ درویش حضرت مخدوم محمد اسمعیل کے روضہ مبارک پر کسب فیض کیا ۔ پھر خیرپور ھی کی سب سے مشہور و مقدس زیارت گاہ حضرت سچل سرمست کی درگاہ عالیہ کی زیارت کی اور دونوں آسودگان خیرپور کے قدمیں میں کچھ عرصے رہ کر اپنے آبائی شہر روھڑی واپس آگئے اور وھیں مستقل سکونت اختیار کلی ۔ ذریعہ معاش کی غرض سے کپڑے اور دیگر اشیاء کا کاروبار کیا ۔ فکر معاش کے بعد ھمہ وقت فکر الہی ، ذکر محمدی اور خدمت خلق میں گزارتے ان کے مریدوں اور عقیدتمندوں میں ھر مذھب و ملت کے لوگ یعنی ھندو مسلمان سب ھی شامل تھے ۔

۱۶/ ذوالقعد ۱۲۸۹ ھ/۱۸۷۲ع میں بیدل کا وصال ھوا ۔ ان کا مزار پرانوار روھڑی اسٹیشن سے متصل زیارت گاہ خاص و عام ھے ۔

فقیر بیدل نے جب اس جہاں میں قدم رکھا تو سندھ میں اقتدار تالپور کا دور دورہ تھا اور جب دار فانی سے دارالبقا کی راہ لی اس وقت انگریزوں کی سلطنت کا سورج نصف النہار پر جلوہ گر تھا ۔ حضرت لعل قلندر شہباز سیوستانی ، شاہ عبداللطیف بھٹائی اور سچل سرمست بیدل کے نامور بزرگان اسلاف میں سے تھے ۔ اسے حسن اتفاق کہئے یا ان بندگان خدا کا روحانی اعجاز کہ جب شاہ صاحب نے وفات پائی اس وقت سچل سائیں کی عمر تیرہ برس کی تھی اور جب سچل سائیں اس دنیا سے رخصت ھوئے اس وقت فقیر بیدل نے حیات بے ثبات کی [illegible] بہار کو آنکھوں سے لگایا تھا ۔ یہ مذکورہ بالا ارباب علم و عرفان کا فیضان تھا کہ فقیر بیدل کو اپنے زمانے میں وھی مقام عالیہ عطا ھوا جو مقام حضرت شاہ لطیف اور حضرت سرمست جیسے اکابر سندھ کو اپنے اپنے زمانے میں حاصل تھا (۲) ۔

---

(۱) پیر سید علی گوھر شاہ (اول) راشدی اصغر تخلص کرتے تھے ۔ ۱۲۳۱ ھ (۱۸۱۶ع) میں پیدا ھوئے ، ۱۲۶۳ ھ (۱۸۴۷ع) میں فوت ھوئے ۔ والد حضرت پیر سید صبغت اللہ شاہ راشدی کی وفات کے بعد سجادہ نشینی کی پگڑی انکے سر بندھی اور پیر پگاڑو سوم کے لقب سے ملقب ھوئے ۔ سندھی کے صاحب دیوان شاعر تھے ۔ محفل راگ و سماع کے شیدائی تھے انکی کافیوں کا رنگ اوروں سے جدا تھا اسلئے اسی صنف میں انھیں زیادہ شہرت ملی ۔
(سندھی ادب از حسام الدین راشدی ، ص ۷۵ ، الرحیم مشاھیر نمبر ص ۲۹)

(۲) سندھی ادب مولفہ حسام الدین راشدی ، ص ۹۰

بیدل نے حضرت عثمان مروندی المعروف بہ لعل قلندر شہباز سیوہانی ، شاہ لطیف اور سائین سچل کی مدح مین اردو قصیدے بھی لکھے اور انکی خدمت اقدس مین خراج عقیدت پیش کیا سائین قلندر کی شان مین کہتے ہین

قلندر آفتاب اولیا ؑ ہے — قلندر مظہر صحا ہے
قلندر صورت شہرخدا ہے — قلندر محض ذات کبریا ہے
مرا مرشد مکمل ہے قلندر
حسینی حیدر سلطان سرور

قلندر مخزن اسرار مولا است — قلندر مطلع الانوار مولا است
قلندر منبع آثار مولا است — قلندر مجمع اطوار مولا است
مرا مرشد مکمل ہے قلندر
حسینی حیدر سلطان سرور

دلا مت ڈر زہول روز محشر — پکڑ لے دامن ابن پیمبر
شہ شاہان عرفان دین پرور — قطب ارشاد عشاقان کا رہبر
مرا مرشد مکمل ہے قلندر
حسینی حیدر سلطان سرور

قادر بخش بیدل کا شمار سندھ کے اکابر علم و ادب مین ہوتا ہے صوفی ، شاعر ، مصنف ، انشاء پرداز ، انکی ہر حیثیت مسلم و مستند تھی ۔ عربی ، فارسی ، سندھی ، سرائیکی اردو اور ہندی زبان و ادب پر مکمل عبور رکھتے تھے ۔ ہر زبان مین نظم و نثر بڑی مہارت سے لکھتے تھے ۔ بقول ڈاکٹر میمن عبدالمجید سندھی " نظم و نثر مین واقعہ کربلا سے متعلق ہین " (١) مجموعی طورپر ان کی تصنیف و تالیف کا موضوع آیات قرآنی کلمات حدیث ، مسائل تصوف اور فلسفہ علم و فقہ کے باریک سے باریک نکات کی تشریحات و توضیحات سے تعلق رکھتا ہے ۔

بیدل کی چند اہم کتب کے نام یہ ہین ۔

(١) رموز العارفین (فارسی نظم) (٢) تقویۃ القلوب (نثر)
(٣) ریاض الفقر (٤) سلوک الطالبین (٥) رموز قادری (٦) منہاج الحقیقت
(٧) دہر البحر (٨) وحدت نامہ (٨) الفوائد الصحی
(٩) قرۃ العین فی مناقب السبطین (١١) فی لطف الاحادیث (١٢) سرور نامہ
(١٣) لغات میزان الطب (١٤) پنج گنج (١٥) مصباح الطریقت

---

(١) اردو نامہ کراچی ، شمارہ ١١

" پنج گنج " کے نام سے حضرت امیر خسرو دھلوی کی ایک تصنیف فارسی میں موجود ھے - بیدل نے اسی نام سے سندھی میں ایک کتاب لکھی جسمیں قرآن کریم اور حدیث مبارک کی روشنی میں مولانا روم اور شاہ کے کلام کی مطالب و تشریحات پیش کی ھیں - عربی و فارسی کے بعض مقتدر شعرائے کرام مثلاً جامی ، عزیزی ، سعدی ، حافظ اور شاہ حسن بصری کے کلام اور شاہ لطیف کے کلام کا تقابلی مطالعہ نہایت عالمانہ اور مفکرانہ انداز میں پیش کیا ھے -

مصباح الطریقت - بیدل کا دیوان ھے جو اردو اور فارسی کلام پر مشتمل ھے -

دیوان بیدل کے نام سے سندھی ادبی بورڈ حیدرآباد نے بیدل کا جو مجموعہ کلام شائع کیا ھے اسے عبدالحسین شاہ موسوی نے سلیقہ اور خوش اسلوبی سے مرتب کیا ھے - اس شعری مجموعے کے دو اڈیشن شائع ھوچکے ھیں ایک ١٩٠٢ع میں اور دوسرا ١٩٦١ع میں - یہ دیوان رائل سائز کے ٢٩٢ صفحات پر محیط ھے - اس دیوان کے شروع میں بیدل کی حیات و نگارشات پر (سندھی زبان میں) شرح و بسط سے روشنی ڈالی گئی ھے - حصہ نظم کی ترتیب کچھ یوں ھے -

ابیات سندھی زیر عنوان وحدت نامہ ، فرائض نامہ وغیرہ

سرائیکی کافیاں (مناقب ، مخمس ، مرثیہ وغیرہ) ص ١٥١ تا ٢٦٣

اردو ھندی کلام - ص ٢٦٣ تا ٢٦٩

فارسی کلام - ص ٢٧٠ تا ٢٧٦

عربی کلام - ص ٢٧٧ تا ٢٨٢

علاوہ ازیں بیدل کا ایک اور غیر مطبوعہ شعری مجموعہ موسوم بہ " غزلیات فقیر بیدل " مخطوطے کی شکل میں موجود ھے - یہ مخطوطہ جناب عطا محمد حامی پروفیسر گورنمنٹ کالج خیر پور کی ملکیت ھے - اردو اشعار کل سات صفحات پر رقم ھیں اور صرف چودھ غزلیات ھیں - جناب سید علی احمد زیدی نے " سندھ میں اردو مخطوطات " (ص ٥٣) میں اس قلمی نسخے کا ذکر کیا ھے - زیر تبصرہ مجموعے کی پہلی غزل کا پہلا شعر یہ ھے

ھم شب کے راز کا بیدل جوبھی واقف ھوا
بولنے میں کچھ نہیں خاموش رھنا خوب ھے

اب آخری غزل کا آخری شعر ملاحظہ ھو

تیری خدمت میں بیدل شرف و عزت پایا
تیرے عز و شرف کا اولیا اصفیا حافظ

سندھ کے مشہور و ممتاز دانشور ، مورخ اور محقق محترمی پیر حسام الدین راشدی نے ایک

جگہ (١) تحریر فرمایا ہے کہ " حضرت قادر بخش اردو میں طالب تخلص کرتے تھے " ۔ محمد موسیٰ سومرو اپنے مضمون (٢) " سندھ کا ایک برگزیدہ صوفی شاعر " میں لکھتے ہیں کہ " سندھی اور فارسی میں ان کا تخلص بیدل اور اردو میں طالب تھا " ۔

لیکن فارسی مجموعہ کلام " سلوک الطالبین " اور چند کلام اردو کے مطالعہ سے ڈاکٹر میمن عبدالمجید سندھی کے اس بیان کی تصدیق و تائید ہوتی ہے کہ " آپ اردو میں بھی بیدل تخلص کرتے تھے ۔ صرف فارسی کے ایک چھوٹے دیوان " سلوک الطالبین " میں آپ نے طالب تخلص کیا ہے " (٣)

ان کی شاعرانہ عظمت کا اعتراف ہر دور کے اہل نقد و نظر نے کیا ہے ۔ اردو فارسی کے مشہور شاعر و محقق حفیظ ہوشیارپوری مرحوم مصنف " مقام غزل " (٤) میں فرماتے ہیں ۔

" قادر بخش بیدل اپنی وسعت بیان کو کسی ایک زبان تک محدود نہ کرسکا اور اس نے عربی ، فارسی ، اردو اور سندھی کو اپنے خیالات کا ذریعہ بنایا ۔ اس کا ذوق صحت مندانہ اور اس کا عشق سخت کوش ہے " (٥) ۔

بیدل نے سندھی شاعری میں شاہ لطیف کا اور اردو شاعری میں سچل سرمست کا تتبع کیا ہے ۔ سندھی میں شاہ صاحب کی وائی (ہھی دوہے) اور سچل سائیں کی کافیوں کے طرز پر کافیاں کہی ہیں ۔ سچل نے " کافی " کی صنف کو علم عروض کے قواعد اور فنی ضوابط کے تحت فروغ دیا ہے ۔ اس صنف نے عوام میں مقبولیت حاصل کی ہے ۔ بیدل نے بھی اس نہج پر خوبصورت کافیاں کہی ہیں جو اب سندھی میں عوامی شاعری کا خاص جزو ہیں ۔

---

(١) مقالہ بعنوان "سندھ کے اردو شعراء" مطبوعہ سہ ماہی اردو کراچی اکتوبر ١٩٥١ع

(٢) مطبوعہ ماہنامہ پیغام کراچی جون ١٩٧٦ع (مرتبہ عبدالحلیم جوش)

(٣) مقالہ بیدل کی اردو شاعری مطبوعہ اردو نامہ کراچی ، شمارہ ١١ ص ٩ ، ١٠

(٤) مقام غزل مرتبہ شان الحق حقی مطبوعہ ١٩٧٣ع حفیظ ہوشیارپوری کا پہلا اور/آخری مجموعہ کلام ہے ۔

(٥) خطبہ صدارت ثقافتی کانفرنس زیر اہتمام لطیف اکیڈیمی سکھر منعقدہ ١٩٥٩ع اس خطبے کا قلمی نسخہ اس کانفرنس کے موقع پر خود حفیظ مرحوم نے (وہ ان دنوں حیدرآباد ریڈیو اسٹیشن کے ریجنل ڈائرکٹر تھے) اپنے دستخط سے اس خاکسار راقم کو عنایت فرمایا تھا جو اس کے ذاتی کتب خانے میں محفوظ ہے ۔

دو کافیوں کے یہ روپ دیکھئے

کافی

وہ بیرنگی آپ آدم بن کسے آیا
روپ کا اوڑہ نقاب احد و عبد لڑایا

١- وہ اروپ سروپ ھو آیا   عشق و حسن کا کھیل کھلایا
دونوں وہ القاب ، ساجن سر دھرایا

٢- کہاں وہ پہنچے پوش عرب کا   ہوئے ساقی جام طرب کا
کہاں وہ دست رباب ، گیت اناالحق گایا

٣- کہاں فقیہ مشائخ ناسی   ملا مومن ھک غازی
کہاں دوست خراب ، ہمی رنگ لگایا

٤- خلق الاشیا سمجھ اشارت   فھو عینھا محض بشارت
بیدل شوق شتاب ، سرّ صحیح سمجھایا

کافی روپ ھوی (سرائیکی)

آج پیا ہوری کھیلن آیا
سمون رنگی بے رنگ سمایا

سمین روپ اروپ سماوت   وحدت کثرت رمز رلاوت
نوع بہ نوع جانی جلوہ بنایا

بیدل راوی لین کھیلے ھوری   شام سندر دل لٹ گھسی زوری
چشم آھوے ساوں جھوک لایا
(چشم اکے ھوں جادو لایا)

بیدل کا اردو کلام عموماً عارفانہ ھے - اکثر و بیشتر اشعار میں فلسفہ تصوف کا بیان اور حکیمانہ رموز و نکات آشکارا ھیں - فلسفہ خودی ، خدا شناسی اور اللہ کی وحدت کے سربستہ راز کو علامہ اقبال نے جس حالمانہ انداز میں پیش کیا ھے وہ ان کی علمی بصارت اور روحانی بصیرت کا غماز ھے -

خودی کا سر نہاں لا الہ الا اللہ   خودی ھے تیغ فشاں لا الہ الا اللہ

یہ دور اپنے ابراہیم کی تلاش میں ہے   صنم کدہ ہے جہاں لا الہ الا اللہ
خرد ہوئی ہے زمان و مکان کی زناری   نہ ہے زمان نہ مکاں " "
یہ نغمہ فصل گل و لالہ کا نہیں پابند   بہار ہو کہ خزاں " "

اگرچہ بت ہیں جماعت کی آستینوں میں
مجھے ہے حکم اذاں لا الہ الا اللہ
(ضرب کلیم)

حیرت و مسرت کی بات ہے کہ لا الہ الا اللہ کے سر نہاں کا یہ ایمان افروز پیغام علامہ اقبال (المتوفی ١٩٣٨ع) سے کوئی ستر سال پیشتر سندھ کے ایک عظیم شاعر بیدل عوام کے دلوں میں سمو چکے تھے - یہ اور بات ہے کہ دونوں کا طرز فکر ، عہد و زمان کے اعتبار سے مختلف ہے - حضرت بیدل ارشاد فرماتے ہیں

وجود ایک ہے بس لا الہ الا ہو   نہ گردش کی ہوس لا الہ الا ہو
وہی ہے مرغ وہی آشیاں لا ہوتی   وہی ہے عین قفس " "
وہی ہے قافلہ سالار دشت پیمائی   وہی ہے بانگ جرس " "
وہی ہے لیلیٰ و مجنوں وہی ہے بلبل و گل   وہی ہے شکر و مگس " "

وہی ہے بیدل فانی وہی ہے
وہی ہے آتش و خس لا الہ الا ہو

وحدت الوجود ، ہمہ اوست ، وحدت میں کثرت ، کثرت میں وحدت ، فنا و بقا ، نفی و اثبات اور ذکر و فکر کے موضوعات اور ان موضوعات کے باریک نکات کی ترجمانی سندھ کے اکثر صوفیائے کرام نے اپنے افکار و آثار میں کی ہے - قلندر شہباز ، شاہ لطیف ، سچل سرمست جیسے عظیم اولیائے عظام نے فارسی ، سندھی اور اردو میں رموز تصوف ، مسائل تصوف بیان کئے ہیں - بیدل کے فکر و خیال کی فضا پر انھیں بزرگوں کے فانوس تخیل کا پرتوضو فگن ہے

~~ہمیں اسرار وحدت کا نفی اثبات میں دیکھا   سراسر نور بصیرت کی ظہور ذات میں دیکھا~~
~~نفی جب تک نہ ہو ہرگز نہ پائے ذوق اثباتی   اسی شطرنج کا ہم جیتنا اب مات میں دیکھا~~
~~کوئی جو ہو وہا عاشق الگ بیچوں منزہ پھر   اروپ اور روپ کا اس نے اتا ہفات میں دیکھا~~
~~یہ بیدل سن و فی انفسکم ، اس مشکل شعر ہے   کہ ہم مصباح احدیت اسے مشکات میں دیکھا~~

سہمیں روپ اروپ سمارت   وحدت کثرت از رلاوت

نہیں بندہ حقیقت میں سمجھ اسرار معنی کا — خودی کا وہم برہم زن پہنچنے بیخود خدائی کا

بنے انسان کی صورت بوسہ کے واسطے آیا — نیاز و ناز کرتا ناظر و منظور کے اوٹ سے

کہاں عارف کہاتا ہے ، کہاں رندی بتاتا ہے — حقیقت کا ظہور دیکھ سو دستور کے اوٹ سے

بہت مذہب ہیں کثرت میں نہ جا بدل مشقت میں

ہوا جو فرق وحدت میں اسے ملت سوں کیا مطلب

انا الحق ، منصور ، طور وغیرہ جیسی تاریخی تلمیحات اور صوفیانہ اصطلاحات نے سچل کے کلام کو بہت بلند کردیا ہے جسکی تقلید میں بیدل نے بھی بہت عمدہ شعر کہے ہیں ۔

"اناالحق" جب کہوں گا میں سر میدان آونگا — گلی اب چھوڑ دلبر کی طرف دیگر نہ جاوں گا

سو "منصور" کی صافی "اناالحق" سے وہ سلطان ہے

ہوا اس سے ہے روشن عشق یہ اس کا فسانہ ہے

(سچل)

"اناالحق" آپ کہتا ہے وہی منصور کے اوٹ سے — جو مارے دم "انااللہ" کا درخت طور کے اوٹ سے

محفل بخت میں ممتاز ہیں ارباب علوم — محکمہ عشق میں منظور ہے منصور کی بات

کسی منصور سے پوچھا سبب انشائے معنی کا — کہا میں مطّلب والا ، ابھی اسمات میں دیکھا

یہ کائنات ، یہ موجودات ، فرش و عرش اور حد نگاہ کی تمام رنگینیاں و رعنائیاں دراصل سوز عشق کا مظہر ہیں ۔ مجاز سے حقیقت تک کی تمام منزلیں عشق کی بدولت طے ہوتی ہیں تب کہیں زندگی پر حیات کا راز منکشف ہوتا ہے ، کائنات کا حسن و رنگ نکھرتا ہے ۔ اللہ والوں کے کرب و جذب ، رندی و مستی ، بیخودی و مدہوشی ، یہ سب کچھ عشق کی جلوہ فرمائیاں تو ہیں ۔ سچل کہتے ہیں

عشق عجب آفات ہے نا کشف کرامات ہے

نفی نہ کوئی طاقت ہے تن میں نہ موجودات ہے

عشق ہے امام میرا دیگر امام کیا ہے — میخانہ میں ہوا ہوں جرعہ یا جام کیا ہے

بیدل کا ارشاد ہے

با یقین عاشق و معشوق حقیقت میں ایک ہیں — لوگ کہتے ہیں عبث ناظر و منظور کی بات

دو جگ کا بادشاہ ہے مست شراب عشق — عالی ہے ہر جناب سے لاشک جناب عشق

شہر صفت نہ رہ توں ہوس کے حجاب میں — باہر نکل کے دیکھ رخ آفتاب عشق

دوزخ کی آگ کب بجلا دی اسی کے تئیں — جسم سوختہ کا جی ہوا کل کباب عشق

زہاد پر نہیں سر وحدت کا منکشف — گر فتح باب چاہیں تو مت چھوڑ باب عشق
تھو چرخ کا دستہ بنایا حکیم قدر — جب کون ہے بزم راز میں غلغل رباب عشق
تابع ہیں عاشقان کے چہ ابرو چہ آفتاب — دوزخ بہشت جانتا ہے آب و تاب عشق
جوئی کہ پوچھتا ہے عشق کون چیز ہے — کہہ بیدل اسکے تئیں کہ ابھی سن جواب عشق (۱)

جہاں بیدل کے دل میں عشق الہی کی شمع فروزاں تھی وہاں وہ عشق مجازی کی کیفیتوں سے بھی ہمکنار تھے ۔ ان کا نظریہ یہ تھا کہ عشق کی حقیقی منزل تک پہنچنے کیلئے مجازی محبوب کی چوٹ کھانا ضروری ہے ۔

میں ہوں مشہور عشق بازی میں
خاصہ درد و غم مجازی میں

انہوں مجازی دوست کے حسن و جمال میں محبوب حقیقی کا اصل روپ نظر آتا ہے ۔ یہی وہ حسن تھو ہے جس میں گم ہوکر عاشق اپنے حقیقی عشق کی رہبری حاصل کرتا ہے ۔

مکھ ماہی دا نور تجلی ، صورت حسن حقانی
مکھ ماہی دا قبلہ کعبہ ، عشق امام حقانی

بیدل کے عارفانہ کلام سے قطع نظر ان کی غزلیں حسن تغزل ، حسن کلام اور حسن خیال کا عمدہ نمونہ ہیں ۔ خوبصورت تشبیہ و استعارے اور دل و نگاہ کی باتیں ان سے خوب بن پڑتی ہے

---

(۱) علامہ اقبال کے نزدیک عشق کا مقام یہ ہے

عشق کی گرمی سے ہے معرکہ کائنات
علم مقام صفات ، عشق تماشائے ذات
عشق سکوت و ثبات ، عشق حیات وممات

عشق کے ہیں معجزات ، سلطنت فقرو دین
عشق کے ادنی غلام ، صاحب تاج و نگیں
عشق مکاں و مکیں ، عشق زماں و زمیں
عشق سراپا یقیں اور یقیں فتحیاب

(ضرب کلیم)

حیران ہوں کہ قد کو تمہارے میں کیا کہوں
طوبیٰ کہوں کہ سرو کہ نخل وفا کہوں

تیرے حسن کی دیکھ تجلی اے اشک حور
سورج کہوں کہ چاند کہ نور خدا کہوں

ابرو تمہارے کو جو ہیں شکل ہلال عید
محراب سجدہ طاعت اہل صفا کہوں

تیرے نین پرخمار کو سر مست بادہ ناز
یا بے خودی کا جام یا سحر بلا کہوں

مژگاں تیرے کو جو کہ ہیں جنگل عتاب کے
ناوک کہوں کہ نوک سنان جفا کہوں

خال سیہ تیرے کو جو ہے عکس داغ دل
آسود ہجر کہ دانہ مرغ ہوا کہوں

لب لعل تیرے سے دردداں چمکتے ہیں
میں اس شفق کے رنگ کو پروین نما کہوں

رات تجھ بن پکار رکھتے ہیں — دن سبھو انتظار رکھتے ہیں
لعل لب کی قسم کہ گوہر اشک — محض بےشمار رکھتے ہیں
نزہت وصل یاد کرکے مدام — چشم کوں آبدار رکھتے ہیں
برق رفتار کے تماشا میں — دیدہ پر بہار رکھتے ہیں
محفل درد عشق میں بیدل — عزت و افتخار رکھتے ہیں

بسکہ ہیں نین تیرے ناز کے ساغر میں مست — کیا کروں اس کے آگے نرگس مخمور کی بات

آج گلشن میں چلو دیکھو کہ چرچا اور ہے — باغ میں گل رخ کے آنے سے تماشا اور ہے
مرتا ہوں تیرے ناز کا آغاز ہے ہنوز — خوش کفن یہ نازک انداز اور ہے

نازنیں سب ہیں سنگدل لیکن — تو ہے ممتاز بے نیازی میں
برق رخسار کے تماشا میں — دیدہ ابر بہار رکھتے ہیں

قدیم شعرائے اردو نے دکنی زبان میں جو شعر کہے اسکا رواج دکن ، دلی اور شمالی ہند تک نہ تھا بلکہ سندھ میں بھی پایا جاتا تھا - ولی دکنی ، شاہ مبارک آرزو ، قلی قطب شاہ ، شاہ حاتم ، مرزا جان جانان مظہر وغیرہ کے ہاں سبھو ، کبھو ، سی ، سوں ، توں ، کوں ، بیچ ، کھاوے ، آوے ، جاوے ، اوس ، اوسے ، تلک وغیرہ جیسے الفاظ کا استعمال کثرت سے ہوا ہے - یہ طرز سخن (۱) اس زمانے کی شاعری کا طرہ امتیاز سمجھا جاتا تھا حالانکہ اب اس قسم کے الفاظ متروک ہوچکے ہیں اور شعری محاسن کی ضد سمجھے جاتے ہیں - ذوق و وجدان کو بھی قبول نہیں - سندھ میں جن اہل سخن نے اس طرز سخن کی کامیاب تقلید کی ہے ان میں حیدرالدین کامل ، سچل سرمست اور قادر بخش بیدل سرفہرست ہیں - اس رنگ کے چند اشعار بطور مثال پیش خدمت ہیں -

تیرے درشن کوں اے محبوب آتے ہیں جہاں سب
دکھا درشن جو ہوویں راکھ جل اسکوں رقیباں سب
(قلی قطب شاہ)

اب خدائی نہ کر خدا سوں ڈر | بے وفائی نہ کر خدا سوں ڈر
اے ولی غیر آستانہ یار | جبہ سائی نہ کر خدا سوں ڈر

دل بیتاب کسے اک آن نہیں اس کو قرار | ولی جنت میں رہنا ہی نہیں درکار عاشق کوں
موں میں میں جب ملائے گا | دل کے اندر مے سمائے گا
(ولی)

عشق اب دھول ہے زلیخا کا | اس سوں آگے ہے چاہ میں یوسف
(حیدرالدین کامل)

ہے گریہ زاری عشق میں ، بے خواب ، بے آرام ہے
جس دل سے برہا لگ چکا ، سب سوں وہ لاتعلق ہوا
اے یار تو نے سر دیا ، ترا نام تب عاشق ہوا
منصور نے جب سر دیا تب سوں نے وہ الحق ہوا (۲)

---

(۱) ~~ایضاً~~ ایسی بے شمار مثالیں "اردو غزل" از ڈاکٹر یوسف حسین خاں میں موجود ہیں -

(۲) "سچل کا سرائیکی کلام" مرتبہ حکیم محمد صادق رانجھی

سید مہدی شاہ بخاری

(۱۲۳۰ ھ - ۱۲۹۷ ھ)

سید مہدی شاہ بخاری حلقہ راشدیہ کے اولیائے کرام میں سے تھے - تصوف اور شاعری دونوں میں خاص مقام رکھتے تھے - انکے آباو اجداد بخارا سے نکلے تو سندھ کا رخ کیا - تحصیل میر پور خاص ضلع تھرپارکر کے میر واہ گورچانی نامی گاوں میں قیام کیا اور وہیں کے ہو رہے -

مہدی شاہ بخاری کے دادا کا نام سید علی محمد شاہ بخاری اور والد کا نام شاہ بخاری تھا - میرواہ گورچانی میں یہ خاندان اپنے علم اور خدمت کی بدولت بہت معزز سمجھا جاتا تھا - مہدی شاہ ۱۲۳۰ ھ میں اپنے آبائی قصبہ میں پیدا ہوئے - جمادی الثانی ۱۲۹۷ ھ کو وہیں فوت ہوئے - میرواہ گورچانی کے مشہور قبرستان ولی ملوک شاہ میں مدفون ہوئے-

شاہ صاحب نے اس زمانے کے رواج کے مطابق عربی ، فارسی ، سندھی اور اردو کی تعلیم اپنے گھر پر پائی - ان زبانوں میں اچھا استعداد حاصل کی ان کے بزرگ حضرت پیر پگارو کے حلقہ ارادت میں شامل تھے - مہدی شاہ نے اس برگزیدہ خاندان راشدیہ کے ممتاز والی اللہ حضرت پیر سید حزب اللہ شاہ راشدی (۱۲۵۸ - ۱۳۰۸ ھ) کے دست مبارک پر بیعت کی - آپ کے زیر رشد و ہدایت اپنے قلب کو منور اور روح کو صاف و شفاف کیا - صدق و صفا کی تعلیم و تربیت کی تکمیل کے بعد ہمہ وقت درس و تدریس ، تبلیغ دین ، خدمت خلق اور فکر سخن میں مصروف رہتے -

فن موسیقی سے بہت دلچسپی تھی - مہدی تخلص کرتے تھے - سندھی ، سرائیکی اور اردو میں ڈوب کر شعر کہتے تھے - کافی گوئی میں ملکہ رکھتے تھے - بڑی خوبصورت کافیاں کہی ہیں - شعر و موسیقی کا جیسا حسین امتزاج ان کی کافیوں میں ملتا ہے اس کی مثال اس دور کے شعراء کے ہاں کم ملتی ہے -

صوفیائے کرام اور اولیائے عظام سے انہیں بہت عقیدت تھی اپنے شعروں میں ان کا ذکر والہانہ انداز میں کیا ہے - ایک کافی میں پہلے بزرگان دین کی عظمت و بلندی کا ذکر کرتے ہیں پھر حضرت غوث الاعظم عبدالقادر جیلانی اور طریقہ قادریہ کی عظیم المرتبت شخصیتوں بہاء الدین ذکریا ، صدر الدین ، رکن الدین ملتانی کی خدمت میں خراج عقیدت پیش کرتے ہیں -

ایسے بادل سخی سوانڑ جوان موہن متوالے ے
ہک ہک احسن ہک ہک افضل ہک ہک بے مثالے ے
آل غوث دہردا ہو یا بہاو الدین بہالسے ے
صدر الدین رکن کا پوتا صاحب جوش جلالسے ے

بعض کافیوں میں سندھی ، پنجابی ، سرائیکی اور ہندی الفاظ بڑی چابکدستی سے استعمال کئے ہیں مثلاً گل (بات) ہک (ایک) تھی (ہوئی) گھٹانا (کم کرنا) طوفان (ڈر) وغیرہ اسطرح طور موسیٰ تجلی اور وحدت و معرفت کے دیگر نکتوں کو اپنی کافیوں میں جس مہارت سے سمویا ہے وہ انہیں کا حصہ ہے ۔ مثال کے طور پر یہ کافی دیکھئے

وہ جلوہ کا جھلکار ، رنگی رخسار ، اس جناب ہدیٰ کا
میں تحتہا الانہار ، دیکھو اسرار ، سہیل یمنی کا

کج نرگس چشم خماری ، کج کار غلامان کاری
کوہ طور موسیٰ نکسراری

غمزہ ہے غمخوار ، قلبی دار ، گوہر گل بدنی کا

کج زلف لیلۃ القدر   کج کار غلامان کثرت

کج ظاہر ہے زدہار ، زلف کی تار اب ارنی کا

لب احمر سرخ اناری   کیا لعل موتی مروادی

کیا بحمل بھید خماری

کیا چھبی کا چمکار جھوک کی تار ، ہیرا کیا نگدی کا

جا مہدی اس جا میں   شوہیں دولہ کے دھرئیے

خرقان ڈوبے آہ دسہ کرسے

سردار اوپر ہسوار ، قبل کی کار ، حسینی حسنی کا

(۲)

ایک گل میری مان ، تو اے میری جان ، پیاری وان

مشک و عنبر ہر گھر کے ماہیں   جھاڑ جھنڈ سونگھے پھول بن جاہیں

بھو رہیا حیران

مہدی روپ نہ رنجن درشن کیسی گوپی لاکھوں کرشن

دل پھر تھئی مستان

سندھی میں ان کی کافیاں مشہور ہیں ۔ سندھی کافیوں کے بعض مصرعے کے مصرعے اور فقرے کے فقرے اردو میں ہیں

۱۔ سیر سرو سالاری کا جاکے تم گلشن میں دیکھو

۲۔ دیکھو یار کا دیدار ، جو اسرار بنا آئیا

سید مہدی شاہ مہدی کو ھندی و فارسی سے بھی لگاو تھا جسکا اندازہ اس بات سے ہوتا ہے کہ انہوں نے اپنی کافیوں میں ان زبانوں کے الفاظ بھی اردو کافیوں میں بڑی خوبصورتی سے سجائے ہیں مثلاً

تجھ میں دنیا کی دولت لٹائیں سکیگا
ھفت کشور کی مایا سرکار سلیمانی
سکندری خزانے کوں گھٹا کوں سکیگا
چاہ زنخ کا قیدی درغب غب غرق رہا
یوسف جیسے بندہ کوں چھٹا کوں سکیگا
اژدھا زلف کی عاصا ، موسیٰ کی کرامات
اسکا کل کی ناگن کو الٹا کوں سکیگا
عیسی موسی نبی میرا محمد علیہ السلام
اس مہدی کی شجاع شاہی کو تھا کوں سکیگا

اللہداد خان صوفی لغاری

۱۲۳۸ ھ — ۱۳۰۰ ھ
۱۸۲۳ ء — ۱۸۸۳ ء

نواب ولی محمد خان ولی (۱) لغاری ولد غلام محمد خان نگار (۲) کے چار بیٹے تھے - (غ م)
نواب اللہداد خان صوفی، نواب احمد خان (۳) (متوفی ۱۸۷۰ء) غلام حیدرخان اور محمد خان۔

---

(۱) نواب ولی محمد خان ولی لغاری (۱۱۶۵ ھ (۱۷۵۲ء) — ۱۲۴۷ ھ (۱۸۳۲ء) وادی مہران کے ان درویش صفت امیروں میں سے تھے جنھوں نے اس سرزمین میں اسلامی تہذیب و ثقافت کی تشکیل اور صحت مند معاشرے کی تعمیر و کلچر میں نمایاں حصہ لیا تھا - انکی علم دوستی اور ادب پروری مشہور تھی - مزاج منکسرانہ دل عاجزانہ اور طبیعت فقیرانہ تھی - شاہ عنایت اللہ صوفی کی درگاہ میرانپور شریف کے معتقد اور میاں فضل اللہ صوفی کے مرید تھے (تذکرہ لطفی جلد دوم ص ۱۲۹) -

نواب ولی محمد حکومت تالپور میں مدبر وزیراعظم ، بہادر سپہ سالار اور نامور حاکم رہے ان کی حکمرانی سیوھن سے جیکب آباد تک پھیلی ہوئی تھی میر فتح علیخان تالپور کے دور میں عبدالنبی کلہوڑ والی سندھ کے خلاف جنگ ہالانی ۱۱۹۶ ھ (۱۷۸۱-۸۲ء) میں انھوں نے شجاعت و دانشمندی کے جوہر دکھائے (تاریخ سندھ جلد دوم ص ۷۸۵ قدوسی) شہر حیدرآباد کے شمالی جانب مقابر تالپور کے درمیان ان کا مقبرہ واقع ہے - ولی لغاری فارسی کے صاحب دیوان شاعر اور جلیل القدر انشاء پرداز تھے - حاکم حاذق اور جید عالم بھی تھے - متعدد کتب نظم و نثر کے مصنف و مولف تھے - نثر میں ان کی کتابیں " خرد نامہ " (علم اخلاق) اور نزھۃ الابدان (علم طب) ھیں - ساقی نامہ ، موعظت نامہ اور مثنوی ھیر رانجھا ان کی شعری تخلیقات ھیں - علاوہ ازیں ایک ضخیم دیوان انکے علمی و ادبی آثار میں سے ھے دیوان کے اول و آخر اشعار حسب ذیل ھیں -

ابتدا - الہی جوہر آرا ساز شمشیر زبانم را
چو خورشید درخشان کی در نظم بیانم را

انتہا - بہی کامیاب دلربا خواھد ولی کام ترا
سویش نمی آئی چرا تو کاروان کیشی (تکملہ ص ۲۲۲ تا ۲۲۶)

(۲) غلام محمد خان نگار ولد بہوت خان ولد جام دودو خان ولد مگن خان ایران تالپور کے جد اعلیٰ میر بہرام خان کے دربار سے منسلک تھے (رکن اعلی کی حیثیت سے) ۱۱۹۸ھ (۱۷۸۳-۸۴ء) میں فرمانروائے سندھ میاں عبدالنبی کلہوڑہ کے ھاتھوں شہید ہوئے - نگار فارسی کے شاعر تھے ایک دیوان اور ایک مثنوی ان کی یادگار میں سے ھیں - (تاریخ سندھ جلد دوم ص ۷۸۴ - تکملہ ۳۵۴ ، ۳۵۵) -

(۳) نواب احمد خان کے صاحبزادے ولی محمد خان ثانی (۱۲۹۵ ھ - ۱۳۳۲ ھ) فارسی کے صاحب دیوان شاعر تھے - ولی محمد خان ثانی کا تذکرہ زیر نظر کتاب کے چوتھے دور میں شامل ھے -

(غ م) ملاحظہ ہو نسب نامہ ص ۲۲۳

نواب الٰہداد خان لغاری ، نواب ولی محمد خان ولی لغاری جیسے لائق باپ کے لائق بیٹے تھے - جب نواب الٰہداد خان نے عالم رنگ و بو کی آغوش مین آنکھیں کھولین ان کے گرد و پیش عیش و آسائش اور دولت و ثروت کی فراوانی تھی - ہوش سنبھالا تو امیر باپ کی فقیرانہ زندگی اور صوفیانہ طرز عمل کے سائے مین ان کی تربیت ہوئی جسکا اثر یہ ہوا کہ بچپن سے ہی آرام و آسائش اور جاہ و حشمت کی زندگی پر فقر و فنا اورزہد و صفا کی زندگی کو ترجیح دی -

نواب الہداد خان لغاری کی ولادت ۲۷ رمضان المبارک ۱۲۳۸ ھ (۱۸۲۳ ع) مین بمقام حیدرآباد اور وفات ۱۸ محرم الحرام ۱۳۰۰ ھ (۳۰ نومبر ۱۸۸۳ ع) (۱) بمقام کوٹ لاشاری تعلقہ سیوھن ہوئی -

نواب الٰہداد خان صوفی لغاری فارسی کی اعلٰی تعلیم سے بہرہ ور تھے - نو سال کے تھے کہ ان کےوالد بزرگوارچل بسے- جب کوئی ان کا سرپرست نہ رہا تو انھون نے خود اپنے پاون پر کھڑے ہونے کا عزم کیا اور اوائل عمری ہی مین حکومت تالپور کے آخری حکمران میر محمد نصیر خان (۲) جعفری (۱۲۱۹ - ۱۲۶۱ ھ) کی ملازمت اختیار کرلی - ۱۸۴۳ ع مین سندھ پر انگریزون کے غاصبانہ تسلط کے بعد وھان کے ناگفتہ بہ معاشی و اقتصادی حالات سے وہ بھی متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے - تین چار سال مفلسی و تنگدستی کا سامنا کیا - ۱۸۴۷ ع مین حکومت برطانیہ کے ایک باعزت منصب پر مامور ہوئے اور ۱۸۶۳ ع مین اس ملازمت سے سبکدوش ہوئے-

---

(۱) الرحیم مشاہیر سندھ (ص ۲۰) اور تکملہ مقالات الشعراء (ص ۳۶۲) مین تاریخ وفات ۲۹ نومبر ۱۸۸۲ع ریکارڈ کی گئی ہے -

(۲) میر محمد نصیر خان التخلص بہ جعفری (۱۲۱۹ - ۱۲۶۱ھ) ولد میر مراد علی خان حکومت تالپور کے آخری تاجدار تھے - علم و ادب کے زبردست سرپرست اور قدر دان تھے خود فارسی اور اردو کے بلند پایہ نثر نگار اور نظم نگار تھے - ۱۸۴۳ع مین جب انگریزون نے سندھ پر قبضہ کیا تو انھین قید کرکے کلکتے مین نظر بند کیا جسطرح بہادر شاہ ظفر کے بعد دلی اور واجد علی شاہ اختر کے بعد لکھنو کی ادبی محفلین اجڑ گئین اسی طرح نصیر جعفری کی کلکتہ روانگی کے بعد حیدرآباد کی ادبی فضا سونی ہوگئی - فارسی کی کئی مثنویان ، سفر نامہ ، ایک دیوان اور اردو کا ایک دیوان جعفری کی شاعرانہ عظمت کا آئینہ دار ہین (تکملہ مقالات الشعراء - تاریخ سندھ ، قدوسی)

صوفی لغاری کے دو فرزندوں نواب حسین علی حسین اور نواب محمد علی علی نے فارسی شاعری (۱) میں شہرت حاصل کی ـ نواب الہداد خان لغاری شروع سے اپنے اخلاق و اخلاص ، پرہیزگاری ، پاکیزگی اور سادگی کے اعتبار سے صوفی صفت آدمی تھے ـ اسی مناسبت سے انھوں نے اپنا تخلص صوفی اختیار کیا ـ میدان سلوک میں راہ نقشبندیہ (۲) کا انتخاب کیا اور اس راہ میں ایک بلند مقام حاصل کیا ـ

جرعہ می نوشیدہ ام اے دل ، زجام نقشبند — زان سبب جان می کنم قربان نام نقشبند
کیست گو بانقشبندان ھمسری ساز د دگر — جاودان باشد رضائے حق بکام نقشبند
طمعنہ دار دار شریعت ، ھر طریقہ بیش و کم — بر طریق احمدی ، دائم قیام نقشبند
پیر گشتی در ثنا خواھی تو صوفی گفت دل — گفتش نوشیدہ ام یک جرعہ جام نقشبند

صوفی صاحب کا شمار ان کے زمانے کے مشہور شعراء و ادباء اور صوفیائے کرام میں ہوتا تھا ـ فارسی میں غیر معمولی استعداد کے مالک تھے ـ فارسی میں ایک دیوان کے علاوہ مثنوی مسکین ؛ مثنوی اصغر ، قصہ تسکین و شیدا ان کی یادگار تصانیف ہیں ـ

شہر حیدرآباد ان کا وطن تھا ـ اپنے اشعار میں اس کی تعریف کی ہے ـ

موذن در گمان صبح بانگ صبح بر دارد — چونا گہ آن مہ من در شب مہتاب بر خیزد
نہ تنہا حسرت کشمیر شہر حیدرآباد است — ز بحرش موج ، اشک اندر دل بیجار بر خیزد

دوش آن گل چہرہ گلگون نمایان کرد و گفت — خوش گل از گلستان حیدرآباد شوام
دیدہ ام صوفی بجز گریہ نماند ھیچدم — در فراق سروران حیدرآباد فلک

سندھی ، سرائیکی اور اردو میں بھی خوب طبع آزمائی کی ہے ـ اردو کلام نعتوں اور غزلوں پر محیط ہے ـ ایک نعت اور دو غزلیات بطور نمونہ
نقل کی جاتی ہیں ـ

---

(۱) تکملہ مقالات الشعراء ، ص ۲۶۲ ، ۲۶۳ ـ مطبوعہ سندھی ادبی بورڈ کراچی ۱۹۵۸ء

(۲) تکملہ ، ص ۲۶۲

پہلے کہوں نام خدا جو ہے خدا سب سے بڑا شب و روز ہے جسکا ثنا ، میری زبان سے ماجرا

مجھکو خدا و مصطفیٰ ہیں دو جہان مین آسرا

والشمس ہے رو کی قسم و اللیل گیسو کی قسم مشکین اس مو کی قسم مجھکون وہ ابرو کی قسم

مجھکون خدا و مصطفی ، ہین دو جہان مین آسرا

مہ کیا اسی مکھ سے ملے، گل کیا اسی گل سے ولے قرآن صفت اسکے بلے، جون ھار ہے اسکے گلسے

مجھکون خدا و مصطفی ، ہین دو جہان مین آسرا

مکھ اوپر زلف کون لایا نہ کرو رین مین دن کون چھپایا نہ کرو

چشم شوخی سے اٹھایا نہ کرو مجھکون صحرا مین پھرایا نہ کرو

گر تجھے ڈر ہے خدا کا توکسی کو خنجر چشم سے دکھایا نہ کرو

اس قدر تاب ضعیفان کون نہین نظر شوخ اٹھایا نہ کرو

گر تجھے دل نہین مجھ سے تو فرض اپنے مکھ سین تو سنلایا نہ کرو

غیر کی صحبت مین کبھی مت بیٹھو شک کون گیل سے ملایا نہ کرو

گر تجھے پاس ہے صوفی کا عزیز پاس غیرون کے تو جایا نہ کرو

متاع عشق جانان کی اگر لیتے تو ہم لیتے دل و جان کی بہا سے یہ ثمر لیتے تو ہم لیتے

مزا پایا ہے مین مے ان لبون کی تلخ کہتی سین اگر شیرین زبانی کی شکر لیتے تو ہم لیتے

یہ آب چشم اس نوخیز لعل ناز پستان کون کیا ہون پرورش اب تو ثمر لیتے تو ہم لیتے

مریض عشق کا دار و مسیحا سے نہ ہو آخر دوا اس لب سے ایک بوسہ اگر لیتے تو ہم لیتے

مرے اس شعر دلکش میں اثر کیونکر نہ ہو صوفی کہ ہر شعر محبت سے اثر لیتے تو ہم لیتے

نسب نامہ نواب الہداد خان صوفی لغاری
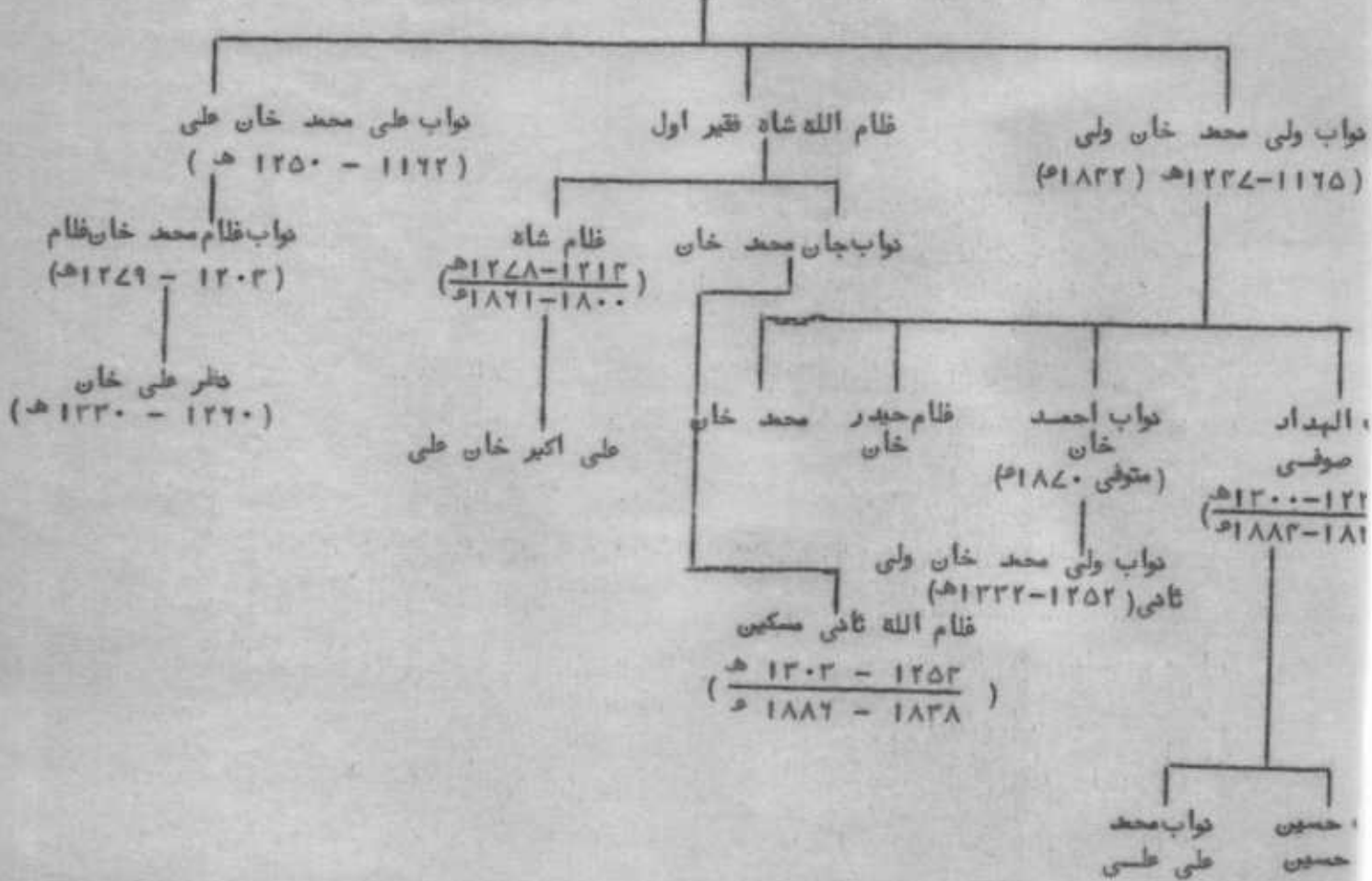
(تکملہ مقالات الشعرا مطبوعہ سندھی ادبی بورڈ کراچی ۱۹۵۸ء سے ماخوذ)

صوفی ابراهیم شاہ فقیر

۱۲۳۲ھ - ۱۲۹۱ھ
۱۸۲۶ء - ۱۸۷۵ء

ضلع ٹھٹھہ کا ایک قریہ ، جھوک شریف جو میران پور کے نام سے معروف ھے ، اھل اللہ، اھل علم اور اھل دل حضرات کی فیوض و برکات کا مرکز رھا ھے - وادی مہران کے مشہور ولی اللہ حضرت صوفی شاہ عنایت شہید (المتوفی ۱۱۳۰ھ - ۱۷۱۷ء) اور ان کے نامور اخلاف کی بدولت جھوک شریف کو بڑی اھمیت حاصل رھی ھے -

صوفی ابراھیم شاہ فقیر اسی برگزیدہ خاندان سے تعلق رکھتے تھے - انھیں ایک مدت تک میران پور کی سجادہ نشینی کے مسند جلیلہ پر جلوہ افروز رھنے اور اپنے اسلاف کے کارناموں اور ان کے پیغامات کو لوگوں تک پہنچانے کا شرف حاصل رھا - ان کی ساری زندگی بزرگان جھوک کی تعلیمات کو عام کرنے ، اللہ اور رسول کے دین کو فروغ دینے میں گزری -

صوفی ابراھیم شاہ اپنے آبائی وطن میرپور بٹھورو قریہ جھوک میں مورخہ ۲۷ جمادی الاول سن ۱۲۳۲ ھجری مطابق سن ۱۸۲۶ عیسوی کو پیدا ھوئے اور وھیں بتاریخ ۸ ذی الحجۃ ۱۲۹۱ ھجری مطابق ۱۸۷۵عیسوی کو تقریباً پچاس سال کی عمر میں پیوند خاک ھوئے -

سندھی اور اردو دونوں زبانوں میں شاعری کرتے تھے - سندھی کے پر گو شاعر تھے اس لیئے سندھی اشعار کی تعداد اردو کی نسبت زیادہ ھے - اردو میں گاھے گاھے شعر کہتے تھے - پھر بھی تیس پینتیس سال کی مشق سخن سے اردو کا تھوڑا بہت سرمایہ جمع ھوگیا تھا -ان کے اشعار میں تخلص کہیں صوفی اور کہیں فقیر ملتا ھے -

صوفی کے ہان عشق مجازی کا تصور بہت سرسری ھے جو اشعار عشق حقیقی یا حقیقت و معرفت کی طرف اشارہ کرتے ھیں ان میں خیالات سطحی اور مضمون معمولی ھے- جذبات میں وہ روانی نہیں جو اچھے شعر کی خصوصیت ھے - زبان عموماً سندھی آمیز ھے - بعض اشعار زبان کی ناھمواری کے باعث وجدان کو کھٹکتے ھیں - بہرکیف یہ بات لائق ستائش ھے کہ انھوں نے اردو میں شعر کہا اورجو کچھ کہا وہ اردو کی ترقی کے باب میں مستحسن اقدام ھے -

ذیل میں دو غزلیں پیش کی جاتی ھیں - ایک کے مقطعے میں فقیر اور دوسرے کے

مقطے مین صوفی تخلص کیا ھے ۔

جدائی مین جین مشکل ، سجن بن حال حیران ھے
جس دن سون سجن بچھڑا ، مری دل تب رہی جل جل
وداع کی آگ بجلی جیون ، ابر چشمان جون باران ھے
لگا ہے عشق سون دل سون ، نہین سونا سہی اک پل
غذا ہے طعام خون خواذن ، بساطی سیج خاران ھے
بڑھے تیرے عشق کے امراض ، جن کا ھوا نہین درمان
شفائے درد سودایان ، بدست غم گساران ھے
چڑھیان تیرے چشم کیان خوجان آیان سر پر فقیران چل
کیا بند قید زلفان سون ، رہو[1] بس[2] دل پکاران ھے

---**---

حسن کی فوج لوٹے ھون کہان جاوان مین فریادی
ہجر کی تیغ کوٹھے ھوی[3] دیکھو سجنان کی بیداری
گدا ھون وہ پیا ور کے اخزان سامان سکندر کے
بجز دیدار کے دلبر کے ، ھر جاھی[4] ہے اثرادی[5]
پیالہ مئے الستی کا ، دیا پر پیار مستی کا
کٹھیا کال وھم ھستی کا ، کیا از قیدی آزادی
صفا ، صوفی جو رہتے ھون ، جگر کا خون کھاتے ھون
سجن کے پاس جاتے ھون مہ کر مجھہ سون تو بیداری

---

(۱) وہ (۲) ھر (۳) کاٹا ھے (۴) جاتی ھے
(۵) ضائع

مخدوم ابراهیم خلیل نقشبندی
(١٢٣٣ - ١٣١٧ ھ / ١٨٢٧ - ١٨٩٩ ء)

نام محمد ابراهیم ، تخلص سکین اور خلیل ، نسباً صدیقی ، مذهباً حنفی ، طریقت نقشبندیه ۔ ان کے والد ماجد کا نام مخدوم عبدالکریم تھا جن کا سلسلهٔ نسب حضرت مخدوم کرم اللّٰه قدسره سے جا ملتا هے جسکی ترتیب یه هے :

" مخدوم عبدالکریم بن مخدوم غلام حیدر بن مخدوم عبدالکریم
بن مخدوم محمد زمان بن مخدوم عنایت الله بن مخدوم محمد امین
بن محمد مخدوم کرم اللّٰه " (١)

اس شجرے سے ظاهر هے کہ مخدوم محمد ابراهیم خلیل بزرگان نقشبندیه (٢) اور طائفۂ اسلامیه کی جلیل القدر اولاد میں سے تھے ۔ ماه جمادی الاول ١٢٣٣ ھ مطابق ١٨٢٧ء کو ٹھٹھ میں پیدا هوئے ۔ کئی تواریخ ولادت میں سے ایک تاریخ یه هے :

سال میلاد متنفس بسر الهام گفت دل
" گوهر درج شرف علم لدن "
١٢٣٣ ھ

آٹھ سال کی عمر میں قرآن کریم قرآت کے ساتھ ختم کی ۔ اپنے پدر بزرگوار مخدوم عبدالکریم اور دادا مخدوم غلام حیدر سے عربی و فارسی ، فقه و حدیث کی بنیادی کتابیں معنی و مطالب کے ساتھ پڑھیں جن میں گلستان سعدی ، بوستان سعدی مجموعهٔ صرف و نحو کافیه ، کنز الدقائق توضیح ، مطول قابل ذکر هیں ۔ علوم ریاضی و منطق سے بھی واقف تھے ۔

مخدوم ابراهیم خلیل ٹھٹھوی کی تصنیفات و تالیفات میں سب سے اهم تالیف " تکملهٔ مقالات الشعراء " هے ۔ میر علی شیر قانع ٹھٹھوی نے " مقالات الشعراء " (٣) لکھا تھا ۔

---

(١) تکمله مقالات الشعراء ، ص ١٦٧

(٢) مخدوم خلیل نے تکمله (ص ١٦٧ تا ٢١٠) میں اپنے بزرگوں کے علم و فضل ، عظمت و کرامات کے بارے میں بالتفصیل روشنی ڈالی هے ۔

(٣) مقالات الشعراء سندھ کے فارسی شعراء کا پهلا مفصل تذکره هے یه پیر حسام الدین راشدی کے مقدمه و حواشی کے ساتھ سندھی ادبی بورڈ کے تحت منظر عام پر آچکا هے ۔

خلیل نے دیگر شعراء کا تذکرہ بطور تکملہ مقالات الشعراء لکھا ۔ تکملہ مقالات الشعراء میں ۱۱۷۳ ھ (۱۷۶۰ء) سے لیکر ۱۳۰۶ ھ (۱۸۸۸ ء) تک کے سندھی شعراء کے جامع و مبسوط تذکرے ہیں اسطرح دو عہد کے ایک سو ۲۸ سال کے فارسی شعر و ادب کی تاریخ محفوظ ہوگئی ہے ۔ اس کا ایکقلمی نسخہ پنجاب یونیورسٹی (۱) میں ہے ۔ تکملہ مقالات الشعراء ۱۹۵۸ء میں پیر حسام الدین راشدی کے تصحیح و حواشی کے ساتھ سندھی ادبی بورڈ کے زیر اہتمام شائع ہوچکا ہے ۔

مخدوم ابراہیم خلیل نقشبندی ٹھٹھوی نے ۷۳ سال کی عمر میں ۱۳۱۷ ھ مطابق ۱۸۹۹ء میں انتقال کیا ۔ مخدوم ابوالقاسم نقشبندی کے قبرستان واقع ٹھٹھہ میں مدفون ہیں ۔ متعدد شعرائے سندھ نے تواریخ وفات کہیں ۔ مولانا عبدالکریم درسرکراچوی کی بیاض میں تاریخیں محفوظ ہیں ان میں سے ایک یہ ہے :

ادب کامل یکتائے دوران	فروغ بزم ارباب فضائل
خلیل نقشبند لوح دلہا	از و فیضان حق میگشت حاصل
بحق پیوست آں حق گو حق جو	بروز آورد کو میداشت در دل
فلک سال و صالش گفت اے درس	بگو "بستان جنت" کرد منزل (۲)
	۱۳۱۷ ھ

ابراہیم خلیل اپنے وقت کے ممتاز عالم دین تھے ۔ فارسی نظم و نثر کے ادیب و شاعر کی حیثیت سے بھی ان کا مرتبہ بلند تھا ۔ میاں محمد زاہد بن میاں عبدالواسع شاکرانی سے مشورۂ سخن کیا ۔ اپنے استاد موصوف ہی کے حسب ہدایت اپنے نام کی مناسبت سے اپنا تخلص خلیل رکھا ۔ ان کے دوسرے شعری مجموعے کا نام "دیوان خلیل" تجویز پایا ۔ مکاتیب کا جو مجموعہ مرتب کیا وہ "انشائے ماتجندہ خلیل" کے نام سے موسوم ہے ۔ خلیل سے پہلے مسکین تخلص کرتے تھے ۔ ان کے پہلے مجموعۂ کلام کا نام "دیوان مسکین" اور ایک مرقع خطوط کا نام "کشکول مسکین" ہے ۔

خلیل نے اپنے خود نوشت سوانح (تکملہ ، ص ۲۱۳) میں یہ دلچسپ انکشاف کیا ہے کہ اگر وہ سندھی زبان میں کچھ کہتے تو اپنا تخلص اداسی رکھتے ۔ سندھی میں اداسی فقراء کی

---

(۱) تاریخ سندھ ، جلد ششم از غلام رسول مہر ، ص ۳۰

(۲) حاشیہ تکملہ مقالات الشعراء ، ص ۲۵۰

ایک قسم کو کہتے ھین - ان کے اس خیال سے دو باتین منکشف ہوتی ھین - ایک یہ کہ انھون نے سندھی مین شاعری نہین کی - دوسری یہ کہ وہ حقیقی معنون مین درویش منش شاعر تھے -

غلام محمد شاہ گدا خلیل کے ھمعصر تھے - خلیل گدا سے دس سال بڑے تھے - گدا بڑے مخلص آدمی تھے - ان کی صحبتون مین بڑی بڑی محفلین جمتی تھین - سندھی کے بڑے سے بڑے شعراء و ادباء ان کے جلیس و ھمنشن تھے جن مین میر عبدالحسین سانگی ، میرولی علوی حیدری میر میان جعفر شاہ ، شمس العلماء ، مرزا قلیچ بیگ ، اخوند لطف اللہ لطف حیدرآبادی ، اخوند محمد قاسم ھالائی ، سید غلام مرتضی شاہ مرتضائی ، فضل محمد ماتم ، سید غلام مجتبیٰ شاہ جیلانی ، حافظ حامد شہزائی اور محمد ھاشم مخلص وغیرہ ان کے قریبی معاصرین تھے -

خلیل بھی شاہ گدا کی شخصیت اور شاعری سے بہت متاثر تھے - ان کے اور گدا کے دوستانہ تعلقات تھے - انھین کی صحبتون مین خلیل کو اساتذہ اردو مثلاً ناسخ ، آباد ، آتش اور میر کے دواین کے مطالعہ کا موقع ملا جن سے متاثر ہوکر اردو مین شعر کہنے کا شوق پیدا ھوا اور چند غزلین کہین - اپنے خود نوشت حالات مین رقمطراز ھین :

" زبان ھندی را فقیر نداھد مگر از سبب اثر صحبت سید غلام محمد گدا تخلص کہ چار پنج روز در بلدہ (۱) بودہ و ذکرش در باب الکاف بیایند ، و دیوان ناسخ و آباد و آتش را دیدہ شدہ از ان اینقدر اثری شدہ کہ چند غزل گفتہ شد " (۲)

خلیل کے اس بیان سے ظاھر ہوتا ھے کہ سندھ کے مختلف شہرون خصوصاً حیدرآباد اور ٹھٹھ مین فارسی کے علاوہ اردو شاعری کا کافی چرچا تھا - دھلی اور لکھنو کے مشہور شعراء و اساتذہ کے دواین پڑھے جاتے تھے اور یہ کہ اس زمانے مین سندھ کا شمالی ھند سے ادبی رابطہ قائم ہوچکا تھا -

راقم کو خلیل کا اردو کلام حاصل نہ ہوسکا - پیر حسام الدین راشدی کے گرانقدر مقالہ بعنوان " سندھ کے اردو شعراء " (۳) مین مخدوم ابراھیم خلیل ٹھٹھوی کا مختصر سا تذکرہ ملتا ھے

---

(۱) گدا کا قیام ٹھٹھ مراد ھے

(۲) تکملہ ، ص ۲۱۳ (۳) مطبوعہ سہ ماھی اردو کراچی اکتوبر ۱۹۵۱ء ص ۲۰

لیکن اس میں بھی کوئی اردو شعر درج نہیں ہے ۔ شاید اس کا سبب یہ ہے کہ بقول راشدی صاحب " مخدوم ابراھیم کے کلام کا کوئی نمونہ نہیں ملا " (۱) ۔

البتہ ڈاکٹر نبی بخش خان بلوچ نے خلیل اور گدا کے دوستانہ مراسم سے متعلق ایک واقعہ تحریر فرمایا ہے اور خلیل کا ایک اردو شعر نقل کیا ہے ۔ ڈاکٹر موصوف کا ارشاد ہے

" سید غلام محمد شاہ گدا شہر ٹھٹھہ میں سید کریم بخش عزیز کے یہاں شہری تھے ۔ ابراھیم خلیل ان کے یہاں جایا کرتے تھے اور وہ بھی بلا ناغہ روزانہ ایک دو مرتبہ ان کے یہاں تشریف لے آتے تھے ۔ ایک دن نہ آسکے تو خلیل نے یہ رباعی لکھکر ان کی خدمت میں بھجوائی :

بدین قدر رنجہ آیا امیدہ ای از من   بحیر تم کہ چسان آرمیدہ ای از من
مدت مدام شب و روز آرزو مندم   تو از چہ دامن دل را کشیدہ ای از من

گدا کو جیسے ھی رقعہ ملا ، چل پڑے اور کافی فاصلہ طے کرتے ہوئے خلیل کے یہاں پہنچے اور آتے ھی فرمایا :

خلیل سے جو گدا لحظہ رمیدہ ھو
تو پھر زمانے میں کس طرح آرمیدہ ھو

عصر کو دوبارہ تشریف لائے تو خلیل نے کہا

کہاں ہے لحظہ ، دو شب ایک دن جدائی تھی
مجھے یہ صبح بھی اک شام بیخوابی تھی " (۲)

اس ایک مرثیہ شعر سے معلوم ہوتا ہے کہ خلیل اردو میں بہت صاف اور بہت عمدہ شعر کہتے تھے ۔

---

(۱) مطبوعہ سہ ماھی اردو کراچی اکتوبر ۱۹۵۱ء ، ص ۲۰

(۲) سندھ میں اردو شاعری ، ص ۱۸۰ ، ۱۸۱ ۔

مخدوم امین محمد امین هالائی

۱۲۵۴ھ / ۱۸۳۸ء — ۱۳۰۳ھ / ۱۸۸۶ء

حضرت غوث الحق مخدوم لطف اللہ سہروردی المعروف بہ مخدوم نوح سخی سرور صدیقی رحمۃ اللہ علیہ (۱) (۹۱۱ھ – ۹۹۸ھ / ۱۵۰۰ء – ۱۵۸۶ء) بن مخدوم نعمت اللہ بن شیخ محمد اسحاق برصغیر کے ان اولیائے کرام میں سے تھے جن کے دم سے وادی مہران کی فضا ضیائے علم و عرفان سے تابان و درخشان رہی ہے ۔ آپ کا سلسلہ نسب بتیسویں (۳۲) پشت پر امیرالمومنین سیدنا حضرت ابوبکر صدیق رض (۲) سے جا ملتا ھے ۔ آپکی درگاہ شریف بمقام ہالا (۳) " درگاہ سروری " کے نام سے مشہور ھے ۔

حضرت مخدوم امین محمد ثالث عرف " پکھن دھنی " (پکن ذنی) حضرت مخدوم نوح کی اولاد میں سے تھے ۔ علامہ ڈاکٹر داود پوتہ مرحوم اپنی کتاب " سرھا گل " میں رقمطراز ھیں

> " امین محمد سائیں ثالث " پکھن دھنی " اسرار ھائے الٰہی کے عارف ، الستی محبت کے بحر امواج ، فیوضیات یزدانیہ کے شارح و ترجمان اور حضرت غوث الحق صاحب فیض و الفتوح کے سلسلۂ عالیہ میں تیرھویں سجادہ نشین ھیں " (ترجمہ)

پروفیسر محبوب علی چنا نے کلیات امین (ص ۳۰۸ – ۳۰۹) میں سجادہ نشینان درگاہ شریف ہالا کی سن وار تفصیل پیش کی ہے ۔

(۱)	حضرت غوث الحق مخدوم لطف اللہ عرف مخدوم نوح	دستار اول	۹۱۱ھ – ۹۹۸ھ
(۲)	حضرت مخدوم امین محمد صاحب اول	" دوم	۹۵۲ – ۱۰۱۵ھ
(۳)	حضرت مخدوم ابوالحمید عرف ابوالخیر صاحب	" سوم	۹۸۰ – ۱۰۵۰ھ
(۴)	" مخدوم عبدالخالق	" چہارم	۱۰۳۰ – ۱۰۸۱ھ

---

(۱) حضرت مخدوم نوح کے سوانح حیات ، خدمات و کرامات کیلئے ملاحظہ ہو ماھنامہ الرحیم (سندھی) ستمبر اکتوبر ۱۹۷۶ع ، مطبوعہ شاہ ولی اللہ اکیڈیمی حیدرآباد سندھ ، تذکرہ صوفیائے سندھ مولفہ اعجاز الحق قدوسی اور تحفۃ الکرام از میر علی شیر قانع ۔

(۲) تحفۃ الکرام اردو ص ۳۶۹ – ۳۷۰ ، تصنیف میر علی شیر قانع ٹھٹھوی ۔

(۳) ہالاشمال میں حیدرآباد شہر سے ۳۵ میل کے فاصلے پر واقع ھے اسکی مشرقی جانب پانچ میل کے ایک اونچے مقام پر حضرت شاہ لطیف بھٹائی کی درگاہ مبارک ھے ۔ ضلع حیدرآباد ان دو عظیم المرتبت ھستیوں کی ابدی آرام گاھوں کی بدولت خاص اھمیت رکھتا ھے ۔

(۵)	حضرت مخدوم محمد زمان اول	دستار پنجم	۱۰۵۵ - ۱۱۱۷ ھ
(۶)	" مخدوم میر محمد اول	" ششم	۱۰۹۹ - ۱۱۳۹ ھ
(۷)	" مخدوم محمد زمان ثانی	" هفتم	۱۱۱۹ - ۱۱۸۳ ھ
(۸)	" مخدوم میر محمد ثانی	" هشتم	۱۱۵۱ - ۱۲۰۲ ھ
(۹)	" مخدوم محمد زمان ثالث	" نهم	۱۱۸۰ - ۱۲۲۲ ھ
(۱۰)	" مخدوم میرل معصوم	" دهم	۱۲۲۱ - ۱۲۲۳ ھ
(۱۱)	" مخدوم امین محمد ثانی	" یازدهم	۱۲۰۵ - ۱۲۵۲ ھ
(۱۲)	" مخدوم محمد زمان رابع	" دوازدهم	۱۲۳۳ - ۱۲۶۹ ھ
(۱۳)	" مخدوم امین محمد ثالث	" سیزدهم	۱۲۵۴ - ۱۳۰۳ ھ

حضرت مخدوم امین محمد ثالث کے اخلاف میں عصر حاضر کے موجودہ سترھویں سجادہ نشینی کا شرف محترم حضرت مخدوم محمد زمان سادس طالب المولیٰ قبلہ زید عمرہ کو حاصل ھے جسکی ترتیب یہ ھے

(۱۴)	حضرت مخدوم محمد زمان خامس	دستار چهاردهم	۱۲۷۸ - ۱۳۳۱ ھ
(۱۵)	" مخدوم ظهیر الدین عرف پریل جام	" پانزدهم	۱۲۸۰ - ۱۳۳۵ ھ
(۱۶)	" مخدوم غلام محمد عرف گلن جام	" شانزدهم	۱۳۰۳ - ۱۳۶۳ ھ
(۱۷)	" مخدوم محمد زمان سادس طالب المولیٰ زید عمرہ	" هفدهم	تولد ۹ محرم الحرام ۱۳۳۸ ھ

حضرت مخدوم امین محمد ثالث المتخلص بہ امین کے والد ماجد حضرت سائین مخدوم محمد زمان رابع درگاہ سروری کے بارھویں سجادہ نشین تھے ۔ حضرت مخدوم زمان نے عین عنفوان شباب یعنی ۳۶ سال کی عمرمیں بتاریخ ۱۹ صفر ۱۲۶۹ ھ (۱۸۵۳ ء) کو رحلت فرمائی ۔ آپکی وفات حسرت آیات کے بعد آپکے فرزند اکبر مخدوم امین محمد پندرہ سال کی عمر میں سجادہ نشینی کے مسند جلیلہ پر فائز ہوئے ۔ خانوادہ سروری کے حسب روایات انکی دستار بندی ہوئی اور اسکے بعد حضرت مخدوم امین محمد نے سندھ میں اپنی خدمات و کرامات کی بدولت طریقہ عالیہ سہروردیہ کے علم کو بلند و روشن رکھا ۔

مخدوم امین محمد کی ولادت ، باسعادت ۷ شعبان ۱۲۵۴ ھ [1] مطابق ۲۶ اکتوبر ۱۸۳۸ء

---

(۱) محترمی پروفیسر محبوب علی چنا مرحوم نے " کلیات امین " کے مقدمہ (ص ۱۷) اور مکرمی ڈاکٹر نبی بخش بلوچ نے " سندھ میں اردو شاعری " (ص ۱۵۳) میں سن ولادت ۱۲۵۴ ھ تحریر فرمایا ھے لیکن مولانا دین محمد وفائی نے تذکرہ مشاھیر سندھ (ص ۱۷۳) میں ۱۲۵۶ ھ درج فرمایا ھے جو اول الذکر دو حضرات کی تحریروں کی روشنی میں درست نہیں معلوم ہوتا ۔

کو شہر ہالا ضلع حیدرآباد سندھ میں ہوئی ۔ مخدوم امین محمد نے اپنی پندرہ سال کی عمر
تک یعنی اپنے مرد مومن باپ کی حیات تک ان کے زیر شفقت و عاطفت تربیت پائی ۔ اس زمانے میں
شہر ہالا کہنہ کے مشہور ساوئی (۱) خاندان کے ایک ممتاز مدرس اور عالم دین آخوند محمد قاسم
بن آخوند محمود ساوئی اپنے علم و فضل اور دینی خدمات کی بدولت بڑی شہرت رکھتے تھے ۔
مخدوم امین محمد نے آخوند محمد قاسم جیسے کامل بزرگ اور صاحب درس و تدریس سے عربی و فارسی
اور دیگر دینی علوم کی تعلیم حاصل کی ۔ آخوند محمد قاسم اردو اور فارسی کے اعلی درجہ کے
شاعر بھی تھے اسلئے انھوں نے اپنے شاگرد رشید کو تعلیمات اسلامیہ کے ساتھ ساتھ رموز سخن اور
نکات شاعری سے بھی آگاہ کیا ۔

شہر ہالا شروع سے علم و عرفان اور شعر و ادب کا گہوارہ رہا ہے ۔مخدوم امین اوائل عمر
میں سلوک کے بابرکت میدان میں سروری جماعت کے ایک سیلانی درویش حضرت فقیر سہیل عرف سیلو
المتوفی ۱۸ ربیع الآخر ۱۳۰۲ ھ مطابق ۱۸۸۵ ء) کی روحانیت آمیز صحبتوں سے فیضیاب ہوکر
مقامات طریقت پر گامزن ہوئے ۔ فقیر سیلو کی ابدی آرام گاہ ان کے روحانی مرشد حضرت غوث الحق
مخدوم نوح کے احاطہ درگاہ (۲) میں واقع ہے ۔ مولانا دین محمد وفائی مرحوم (۳) کا بیان ہے
کہ مخدوم امین محمد کو اپنے ایک ہمعصر ولی اللہ پیر سید شہید الدین العلم الثالث جھنڈے
والے سے بے حد عقیدت و ارادت تھی اسلئے وہ انہیں سے بیعت تھے ۔

اللہ تبارک و تعالی نے مخدوم امین محمد کو دنیا کی بیکراں رحمتوں اور دنیا کی تمام نعمتوں
سے نوازا تھا ۔ انھوں نے شان و شوکت کی زندگی گزاری لیکن خدمت خلق اور عبادت الہی سے ایک
پل کیلئے بھی کبھی غافل نہ ہوئے ۔ ان کی فیاضی ، درد مندی اور اخلاص و ایثار کی چھاؤں
میں ان کی ذات گرامی سے مریدوں ، عقیدت مندوں ، غریبوں ، عزیزوں اور سارے اپنے بیگانوں نے بقدر
استطاعت و بقدر ذوق فیض پایا ۔

---

(۱) ملاحظہ ہو مقالہ " علم و ادب میں ہالا قدیم کا حصہ " از قاضی محمد اعظم مطبوعہ
الرحیم (سندھی) مئی جون ۱۹۷۵ع ، شاہ ولی اللہ اکیڈیمی حیدرآباد ۔

(۲) فقیر اقم الحروف کو درگاہ سروری ہالا کی زیارت کا شرف حاصل ہے ۔

(۳) تذکرہ مشاہیر سندھ ، ص ۱۷۲

مخدوم امین کے مریدوں اور عقیدتمندوں کا حلقہ وسیع تھا جن میں اکثر اہل علم و ادب اور ارباب نور و بصیرت تھے ۔ مخدوم امین محمد عرف پکھن دھنی نے ۲۷ رمضان المبارک ۱۳۰۳ ھ مطابق ۲۹ جون ۱۸۸۶ ء میں وفات پائی ۔ گوشہ درگاہ سروری میں محو خواب ہیں ۔

ان کے وصال کی متعدد تاریخیں ان کے معاصر شعراء اور بعد کے ارباب فکر و فن نے کہی ہیں جن میں سے مخدوم محمد ابراہیم نقشبندی ٹھٹھوی ، قاضی عبدالمعالی ہالائی ، نقی سعداللہ نیازی ہالائی اور عبداللہ نے قطعات تاریخ طبع ہوچکے ہیں ۔ قاضی عبدالمعالی ہالائی نے اپنے دو قطعات میں دو مختلف تاریخی مادے نکالے ہیں ۔ پہلا قطعہ چھ اشعار اور دوسرا قطعہ آٹھ اشعار پر مشتمل ہے ۔

مادہ اول

سال و صلش چو جستم ازوں گفت
لیلۃ القدر روز " اربع بود "
۱۳۰۳ ھ

مادہ دوم

چو جستم سال تاریخش زہاتف
بگفت این قطب ختم الاولیا بود
۱۳۰۳ ھ

مخدوم محمد ابراہیم نقشبندی ٹھٹھی نے بھی اپنے دو تاریخی قطعات میں دو مختلف مادے نکالے ہیں پہلے قطعے کے دو شعر اور دوسرے قطعے کے دس اشعار ہیں ۔ قطعہ اول یہ ہے

دریغا شب قدر در ماہ رضان عیان شد عزائے امین محمد
خرد گفت تاریخ ترحیل اورا دجلہ است جائے امین محمد
۱۳۰۳ ھ

پروفیسر محبوب علی نے " کلیات امین " کو محنت ، مطالعہ اور تحقیق سے ایڈٹ کیا ہے ۔ اس کلیات کے ابتدائی حصے میں مخدوم امین کے حالات زندگی اور شخصیت کے بارے میں شرح و بسط سے روشنی ڈالی ہے ۔ " پیش لفظ " خانوادہ مخدوم کے مایہ ناز سپوت اور عہد حاضر کے جلیل القدر دانشور ، شاعر و ادیب حضرت مخدوم محمد زمان طالب المولی سجادہ نشین درگاہ سروری کی علمی و ادبی بصیرت کا مرقع ہے ۔ " کلیات امین " ڈیمی سائز کے ۳۸۲ صفحات پر محیط ہے جسے سندھ کے ایک اہم قومی ادارہ سندھی ادبی بورڈ حیدرآباد نے ۱۹۶۶ ع میں نفیس وظر افروز انداز میں شائع کیا ہے ۔

"کلیات امین" میں مخدوم امین محمد امین کی نگارشات منظوم چار زبانوں سندھی، فارسی، سرائیکی اور اردو میں موجود ہیں ۔ امین سندھی کے ایک باکمال شاعر تھے ۔ شاہ لطیف اور سچل سرمست کی طرح ان کی کافیاں صوری و معنوی اعتبار سے سندھی ادب کا بصیرت افروز خزینہ ہیں ۔ ان کی کافیاں و مرثیے میلاد اور مجلسوں میں عام طور پر پڑھے جاتے تھے اور یہ آج بھی عوام کے زبان زد ہیں ۔ ایک سندھی "کافی" کے یہ بول دیکھئے

"ادھی" کان نیجھ عبدی آیا
"وحدت" جا تن ورق و رایا
قرب قرابت، رمز ر بجھا ہسا
پیر پرت ڈی پابان پابان

ترجمہ

میں ایک ادھی عبادت کی طرف راغب ہوا
اور جب وحدت کے ورق الٹے
اسکی قربت اور رمز سے آشنا ہوا
پھر میرا قدم عشق کی طرف بڑھتا ہی گیا

امین کا کلام وحدت الوجود کے معنوی و دقیق خیالات اور تصوف و طریقت کے وسیع و رقیق علامات سے مملو ہے ۔ تصوف میں بابا خواجہ فرید الدین شکر اور پیرپگارا، میر علی اصغر شاہ کے پیرو تھے لیکن یہ ان کی بصیرت کا کرشمہ ہے کہ انھوں نے قادریہ، سہروردیہ، چشتیہ بزرگان دین کے فیضان کی روشنی میں سلوک کی ایک الگ راہ نکالی ہے جو جدید عصری و سائنسی تقاضوں سے ہم آہنگ ہے ۔ سچ ہے ع دین ہوتا ہے بزرگوں کی نظر سے پیدا

ان کا اسلوب موثر، طرز ادا دلکش اور روح پرور ہے ۔ یہ خصوصیات سندھی سرائیکی، فارسی اور اردو چاروں زبانوں کی شاعری میں پائی جاتی ہیں ۔ انہیں نعت گوئی سے خاص شغف تھا ۔ ان کی نعتیں مذکورہ بالا ہر زبان میں موجود ہیں ۔ ان کا کلام ان تمام صفات سے مرصع ہے جو اس عہد کے صوفی شعرائے کرام کا طرہ امتیاز سمجھی جاتی تھیں ۔ توحید و تصوف، وحدت و کثرت، اللہ اوست عشق و ہمگیریت کے نکات و رموز کو سادہ الفاظ میں بیان کردیا ہے ۔ ان کی نعتیں سرور کائنات بحسن انسانیت سے بے پناہ عقیدت اور عشق بیکراں کی آئینہ دار ہیں

ہر دم ہے امین میری شفاعت پر محمد[۲۴]
گردش میں زمانے کو لٹا کون سکے گا

مخدوم امین ھالائی کو فارسی سے بھی خاص لگاو تھا - حضرت لعل شہباز قلندر [1] سے انھین والہانہ عقیدت تھی ان کی فارسی شاعری کا رنگ مرغوب تھا اسلئے ان کے رنگ مین انھون نے اشعار کہے ھین مثلاً

ای یار ساقی داری تو شیوہ ز رندان
شہباز بر شکارم تو کہ ز اھل رندان

انھون نے خالص فارسی مین بھی غزلین لکھی ھین اور فارسی آمیز اردو مین بھی - اردو اشعار مین بھی فارسی الفاظ و تراکیب ، تشبیہات ، استعارات اور روزمرہ کو برجستگی و شگفتگی کے ساتھ اپنایا ھے - اس رعایت سے تکرار لفظی کا بھی کمال دکھایا ھے مثلاً اردو فارسی آمیزش کی یہ غزل " دست در دست بادہ نوشان نوشتہ " نذر قارئین ھے

ای امین نزد مامی آمد دوش
از من و عشق یار جوشان جوش

یارست و خراب آیا ھے — ساغر سرخ ناب لایا ھے
جو مزہ دائمی تھا پیا ھے — دست در دست بادہ نوشان خوش
من کہ مین نے مراد ھے پائی — عالم افلاک سے صدا آئی
حال بدست زلف لہرائی — بانگ بوسے کی گرم گوشان بگوش
آ ملا جسم و جان کا جانی — جان میری تھی جسکی مہمانی
دیکھ دلبر مرا ھے لا ثانی — گئے رقیبون کے حال ھوشان ھوش
لوگو محفل مین کیا کرون اظہار — مین نے دیکھا وہ دلربا دلدار
اب تو اک بات سے بھی ھوگی چار — یار کہتا ھے جو خموش خموش

مخدوم امین نے قدیم اساتذہ کے رنگ مین اچھی غزلین کہین - وہ ایک صاحب دل شاعر تھے - " دل " کے مضمون کو بڑی خوش اسلوبی سے باندھا ھے

عشق میرا ھے تمہاری عقل ھے افراسیاب — دل کے میدان مظفر رستم ان پر رھا
شعلہ دل سے میرے آسمان بھی جلتا ھے — آگ توبجھتی نہین میری چشم کے نم سے
تیرے دام سے میرے دل کو چھڑا کون سکیگا — تقدیر کے لکھے کو مٹا کون سکیگا
افسون نگری کرتے ھین خود و مردل پر — بچون سے مجھے اسکے چھڑا کون سکیگا

---

(1) حضرت لعل قلندر شہباز سندھ کے عظیم المرتبت ولی اللہ ھی نہ تھے فارسی شاعری مین بھی ان کا مقام بہت بلند تھا ملاحظہ ھو " شہباز کی شاعرانہ عظمت " از وفا راشدی مطبوعہ ماھنامہ المسیح حیدرآباد شمارہ ستمبر اکتوبر ۱۹۷۵ع

الوکل

ذیل میں مختلف خیالات و جذبات کے متعدد اشعار ان کی غزلوں سے پیش کئے جاتے ھیں جس
سے ان کے انداز تغزل اور جولانی طبع کا بخوبی اندازہ ھوسکتا ھے ۔

آہ و فریاد و فغان پر میری یہ ھنستے ھیں لوگ
کوئی کہتا ھے کہ جی اور جان سے بھی مر راھا
مارکر میرا ھے ملتا خون ھی خنجر گاہ کو
دست و پا دونوں ھیں رنگین قاتل کت ترا ھا
اے امین اس بات پر انصاف ھے اس آنگنے میں
سیکڑوں سر گم ھوئے گم راہ کا رھبر رھا

وہ لائے میرے حق میں چھری سجھے پہ میرے
اس ھاتھ حنائی کو ھٹا کون سکے گا
مژگان کے تیروں سے تو زخمی ھیں ھزاروں
گھائل کو تیرے دیکھ بچا کون سکے گا
گر آپ چلیں ھار ھوگا اے میرے پیارے
اس داغ جدائی کو مٹا کون سکے گا
ھردم ھے امین میری شفاعت پہ محمد
گردش میں زمانے کو لٹا کون سکے گا

یار کیوں ھوتے ھو خفا پھر دوبارہ ھم نہیں
آج کیوں الٹ گیا میرا ستارہ ھم سے
خنجر دست خائی کے ھزاروں کشتہ
" شبہ ھیں تیرے سجن زلف کے ھر ھر خم سے "

نواب غلام اللہ خان مسکین لغاری

(۱۲۵۴ھ / ۱۸۳۸ء ۱۳۰۳ھ / ۱۸۸۶ء)

نواب غلام اللہ خان لغاری نسباً نواب اور طبعاً فقیر تھے ۔ وہ نواب غلام اللہ خان لغاری (اول) بن غلام محمد خان نگار کے پوتے ، نواب جان محمد خان (اول) کے فرزند اور نواب الہداد خان صوفی ولد نواب ولی محمد خان ولی کے بھتیجے تھے ۔ فقیرانہ مسلک اور شاعرانہ ذوق انہیں ورثے میں ملا تھا ۔ قادریہ مشرب کے پختہ رنگ تھے ۔ اپنے قلم سے خود کو ـــــ " غلام اللہ فقیر صافی العلوی سبز پوش صوفی القادری " اور اپنے مریدوں کو " غلام اللہیان سبز پوش " لکھتے تھے ۔ نہایت حلیم الطبع منکسر المزاج اور نیک طبع انسان تھے ان کی روحانی کشش اور اخلاقی بلندی کا یہ عالم تھا کہ مسلمان تو مسلمان ہندو بھی ان کے حلقہ بیعت و ارادت میں شامل تھے ۔

اللہ تبارک و تعالی نے غلام اللہ فقیر کو دین و دنیا دونوں کی نعمتوں سے مالا مال کیا تھا ۔ تعلقہ شہدادپور " سیتاری " میں ان کی جاگیر تھی اور وہی مقام ان کا مسکن و مدفن تھا ۔ غلام اللہ خان کا سال ولادت ۱۲۵۴ ھ (۱۸۳۸ع) اور سن وفات ۱۳۰۳ ھ (۱۸۸۶ع) ہے ۔

ان کی تعلیم و تربیت خود ان کے والد ماجد نواب جان محمد خان کی خاص نگرانی میں ہوئی ۔ عربی ، فارسی ، سندھی کی ابتدائی تعلیم سے فارغ ہوکر کئی زبانوں کے ادبیات کا بطور خاص خود مطالعہ کیا اور اتنی استعداد بہم پہنچائی کہ سندھی ، سرائیکی ، ہندی میں پختگی کے ساتھ شعر کہے ۔ فارسی اور عربی میں بھی طبع آزمائی کی ان کے بعض اشعار خود ان کے قلم سے لکھے ہوئے اور ان کے دستخط کے ساتھ موجود ہیں مثلاً ان کا یہ شعر ان کے دستخط شدہ فارسی کلام کا ایک جزو ہے ۔

کاروان تجارت دوران ، پرسرش آشیان ہمای بود
چہ کمتر ازین رہایا ند ، گوش میدان ہمی ہلای بود

غلام اللہ خان کا تخلص مسکین تھا جس سے ان کے مزاج و طبع کی سادگی اور انکسار ظاہر ہے ۔ مسکین کے جملہ کلام کے مطالعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ ان کو ہندی زبان سے خاص شغف تھا ۔ اس زبان پر غیر معمولی قدرت رکھتے تھے ان کے کلام کا ایک حصہ ہندی الفاظ و تراکیب کا بہت

نواب غلام اللہ خان مسکین لغاری

(۱۲۵۴ھ / ۱۸۳۸ء — ۱۳۰۳ھ / ۱۸۸۶ء)

نواب غلام اللہ خان لغاری حسباً نواب اور طبعاً فقیر تھے ۔ وہ نواب غلام اللہ خان لغاری (اول) بن غلام محمد خان نگار کے پوتے ، نواب جان محمد خان (اول) کے فرزند اور نواب الہداد خان صوفی ولد نواب ولی محمد خان ولی کے بھتیجے تھے ۔ فقیرانہ مسلک اور شاعرانہ ذوق انھیں ورثے میں ملا تھا ۔ قادریہ مشرب کے بزرگ تھے ۔ اپنے قلم سے خود کو —— " غلام اللہ فقیر صافی العلوی سبز پوش صوفی القادری " اور اپنے مریدوں کو " غلام اللہیان سبز پوش " لکھتے تھے ۔ نہایت حلیم الطبع منکسر المزاج اور نیک طبع انسان تھے ان کی روحانی کشش اور اخلاقی بلندی کا یہ عالم تھا کہ مسلمان تو مسلمان ھندو بھی ان کے حلقۂ بیعت و ارادت میں شامل تھے ۔

اللہ تبارک و تعالی نے غلام اللہ فقیر کو دین و دنیا دونوں کی نعمتوں سے مالا مال کیا تھا ۔ تعلقہ شہدادپور " سیتاری " میں ان کی جاگیر تھی اور وھی مقام ان کا مسکن و مدفن تھا ۔ غلام اللہ خان کا سال ولادت ۱۲۵۴ھ (۱۸۳۸ع) اور سن وفات ۱۳۰۳ھ (۱۸۸۶ع) ھے ۔

ان کی تعلیم و تربیت خود ان کے والد ماجد نواب جان محمد خان کی خاص نگرانی میں ھوئی ۔ عربی ، فارسی ، سندھی کی ابتدائی تعلیم سے فارغ ھوکر کئی زبانوں کے ادبیات کا بطور خاص خود مطالعہ کیا اور اتنی استعداد بہم پہنچائی کہ سندھی ، سرائیکی ، ھندی میں پختگی کے ساتھ شعر کہے ۔ فارسی اور عربی میں بھی طبع آزمائی کی ان کے بعض اشعار خود ان کے قلم سے لکھے ھوئے اور ان کے دستخط کے ساتھ موجود ھیں مثلاً ان کا یہ شعر ان کے دستخط شدہ فارسی کلام کا ایک جزو ھے ۔

کاروان تجارت دوران ، بوسرش آشیان ہمای بود
چه کمتر ازین رهایا ند ، گوش میدان همی هلای بود

غلام اللہ خان کا تخلص مسکین تھا جس سے ان کے مزاج و طبع کی سادگی اور انکسار ظاھر ھے ۔ مسکین کے جملہ کلام کے مطالعہ سے اندازہ ھوتا ھے کہ ان کو ھندی زبان سے خاص شغف تھا ۔ اس زبان پر غیر معمولی قدرت رکھتے تھے ان کے کلام کا ایک حصہ ھندی الفاظ و تراکیب کا بہت

عمدہ نمونہ ہے ۔ ان کی ہندی آمیز شاعری سے یہ بات بھی واضح ہوتی ہے کہ وہ ہندو مسلمان اتحاد کے دل سے خواہاں تھے ان کے نزدیک سب سے بڑی اہمیت ذات پات ، رنگ و نسل کی نہیں بلکہ انسانی مساوات ، عالمی نسل انسانی کی باہمی محبت و اخوت ، فلاح و بہبود اور سلامتی و تحفظ کی تھی ۔ جہاں انھوںؒ نے اسلامی تصوف کے نکات کو اردو زبان میں واضح طور پر بیان کیا ہے وہاں ہندومت کے شبدوں ، شکولوں اور پوتھیوں کے نظریات کو بھی فراخ دلی سے عوام تک پہنچانے کی کوشش کی ہے ۔ وہ بلاشبہ اخوت اسلامی کے علمبردار اور عظمت انسانی کے پیغامبر تھے ۔ ان کا عارفانہ کلام انہیں نکتہ ہائے حیات و کائنات کا عکاس ہے ۔ نمونہ کلام یہ ہے

لاالہ ، نفی سوں مرگیا ، اس اس جنم مٹایا
الا اللہ ، کیا استھانا ، آوا گوں گنوایا

صوفی نام کہاوں ایسا جیسا نام ہمری کا
ناکو نام ٹھام اس جگکا ، ناکو ہندہ پری کا

لاگی چھاک سری سنگر کی ، شبا سکل گیان
احمد کی گھنگھور سین پایا پریم گیان

من بھرمڑا موھنا محرم من کا بھیت
کُبد ھیا ڈوبتی سا چاوں کسی پریت

تن تن لاگے پریم کا جان ہماری کان
اس شہادت عشق کی ناکو نام نشان

دم دم کا مرنا بھیا ، سکھ سین کبھو نہ جاے
ھمکہتی ہوں آپ کوں ، جلت جلت جل جاے

نیناں بادل برستا ، کرتا تن بہار
این دناں ات میگھہ ہے ، آتم دیکھو یار

سکین مارگ چالیے ، بن مارگ مت چال
جو نر مارگنا چلے ، کر میں ہوت کنگال

پیر سید حزب اللہ شاہ مسکین راشدی

۱۲۵۸ھ / ۱۸۳۹ء — ۱۳۰۸ھ / ۱۸۸۹ء

حضرت پیر محمد راشد عرف روضے دھنی سلسلہ نقشبندیہ کے یکتائے روزگار ولی اللہ اور سندھ کے باکمال شاعر حضرت سید محمد بقا رح (۱) (۱۱۳۵ھ - ۱۱۹۸ھ) کے نامور فرزند تھے - حضرت پیر محمد راشد (۲) کا شمار سندھ کے اولیائے عظام میں ہوتا ہے - آپ سندھی و فارسی کے بلند پایہ شاعر (۳) اور جلیل القدر مصنف تھے - آپ کے علم و عرفان شریعت و روحانیت کا چشمہ فیض وادی مہران کے چپے چپے میں آج تک جاری و ساری ہے (۴)

حضرت پیر سید حزب اللہ شاہ عرف تخت دھنی ولد علی گوہر شاہ اصغر ولد صبغت اللہ شاہ ولد محمد راشد اسی عالی نسب ، دینی روحانی اور ہاوقار گھرانے کے صاحب دل ، صاحب طریقت اور صاحب بصیرت شخصیت ہیں - ان کا شجرۂ نسب (۵) یہ ہے -

---

(۱) تذکرہ صوفیائے سندھ مولفہ اعجاز الحق قدوسی ، ص ۲۶۳ ، ۲۶۶ -

(۲) ماہنامہ الرحیم (سندھی) مشاہیر سندھ نمبر ۱۹۶۷ ، مطبوعہ شاہ ولی اللہ اکیڈیمی ، حیدرآباد -

(۳) پیر راشد کے انتخاب کلام سندھی کے لئے ملاحظہ ہو سہ ماہی الرحیم حیدرآباد کتابی سلسلہ نمبر ۱ - ۲ ، ۱۹۶۶ء

(۴) حضرت پیر سائیں سکندر شاہ الملقب بہ شاہ مردان ثانی جو " پیر پگارو " کے نام سے مشہور زمانہ ہیں ، سلسلہ راشدیہ کے موجودہ سجادہ نشینی کے مسند اعلیٰ پر جلوہ افروز ہیں- پیر سید علی محمد راشدی جیسے معروف دانشور و صحافی اور پیر سید حسام الدین راشدی جیسے ممتاز مورخ و محقق اس خانوادہ راشدیہ کے مایہ ناز سپوت ہیں -

(۵) پیر حسام الدین راشدی نے تذکرہ مشاہیر سندھ (حاشیہ ۲ ، ص ۱۸۶) میں اپنے بزرگوں کا جو شجرہ پیش کیا ہے زیر نظر شجرہ اسی سے ماخوذ ہے -

۲

پیر محمد راشد (روضے دھنی)
(٦ رمضان ١١٧٠ ھ - جمعہ ١ شعبان ١٢٣٣ ھ[1])

پیر صبغت اللہ شاہ (تجر دھنی)
(١١٨٣ - ٥ رمضان ١٢٣٦ ھ)

پیر علی گوہر شاہ اصغر (بنگلے دھنی)
(٢ رجب ١٢٣١ ھ - ١٨١٢ ء
١١ جمادی الاول ١٢٦٣ ھ - ١٨٤٢ء)

پیر حزب اللہ شاہ (تخت دھنی)
(١٨ شوال ١٢٥٨ ھ - ١٨٣٩ ء
٣ محرم ١٣٠٨ ھ - ١٨٨٩ ء)

دختر زوجہ پیر شاہ
والدہ پیر حامد شاہ

پیر شاہ مردان شاہ
(کوٹ دھنی) (٧
صفر ١٢٧٩ھ - ١٨٦٠ء
٧ ربیع الاول ١٣٣٠ ھ -
٨ نومبر ١٩٢١ ء

پیر صبغت اللہ شاہ شہید (١٣ صفر
١٣٢٧ھ - ٢ مارچ ١٩٤٣ء)

پیر شاہ مردان شاہ ثانی عرف
پیر پگاڑو (موجودہ گدی نشین)

پیر علی محمد شاہ (١٧ ربیع الاول
١٢٣٢ - ھ - ١٣ ربیع الاول ١٢٨٣ ھ)

پیر پیر شاہ (وفات ١٢ جنوری
١٩٣١ ء مطابق ٢٢ شعبان ١٣٤٩ ھ)

پیر حامد شاہ راشدی
(٣٠ ربیع الثانی ١٣٠١ ھ —
١٩٣٧ ء

پیر علی محمد راشدی
(ولادت ١٣٢٣ ھ / ١٩٠٥ ء)

پیرحسام الدین راشدی
(ولادت ٢٠ ستمبر
١٩١١ء مطابق
رمضان المبارک ١٣٢٩ھ)

پیر سائیں حزب اللہ شاہ (تخت والا) بتاریخ ١١ شوال ١٢٥٨ ھ مطابق ١٨٣٩ء کو اس دارالفانی سے وابستہ ہوئے - ان کے والد بزرگوار حضرت پیر سید علی گوہر شاہ اول اصغر (بنگلے دھنی) (١٢٣١ ھ ١٢٦٣ ھ / ١٨١٦ ء ١٨٤٧ ء) کا وصال [2] ہوا تو حزب اللہ شاہ کی عمر صرف

---

(١) ١٢٣٣ ھ ، ص ٢٢ الرحیم مشاہیر سندھ نمبر ١٩٦٧

(٢) الرحیم مشاہیر سندھ نمبر ص ٢٩

پانچ سال کی تھی ۔ باپ کے سایۂ عاطفت سے محرومی کے باوجود ان کے اہل خاندان نے انکی بہترین تعلیم و تربیت مین کوئی دقیقہ فروگذاشتہ نہ کیا ۔ اخوند محمد پیر گوناٹی نے قرآن شریف اور دینیات کی ابتدائی تعلیم دی ۔ عربی و فارسی کے جید عالم و محدث مولوی حاجی عیسیٰ نے فارسی و عربی علوم سے بہرہ ور کیا ۔ وسیع مطالعہ ، بے پناہ محنت اور پیہم ریاضت کی بدولت متعدد علوم و فنون مثلاً نقاشی ، کاشی سازی ، خوشخطی ، حکمت ، طب ، موسیقی سے غیر معمولی شغف رکھتے تھے ، مختلف فنی کتب و جرائد کا خصوصی دلچسپی سے مطالعہ کرتے ۔ ماہرین فنون سے نہ صرف رابطہ رکھتے بلکہ ان سے تبادلۂ خیالات بھی کرتے ۔ انھین تیر اندازی ، شہسواری اور شکار کے فن پر بھی مہارت تھی ۔

عبادت و ریاضت مین ان کی ذات گرامی اپنی نظیر آپ تھی ۔ ۳۵ سال درگاہ راشدیہ کی گدی نشینی اور طریقۂ قادریہ کے تبلیغ و ترویج نہایت امیرانہ و فقیرانہ شان سے کی ۔ مورخہ ۳ محرم ۱۳۰۸ ھ مطابق ۱۸۸۹ ء کو عالم فانی سے پردہ کیا ۔ ان کا مقام ولادت و رحلت پیر گوٹھ خیرپور ھے

مرحوم پیر سائین کے ایک استاد مکرم حضرت مولوی بہا الدین بہائی نے اپنے مندرجۂ ذیل تاریخی مرثیہ مین " مرد شوق خدا " سے تولد اور " چراغ جہان " سے سن رحلت نکالی ھے ۔ مولوی بہائی پیر سائین کی وفات کے وقت ان کے پاس موجود تھے (۱) ۔

جناب صاحب دستار پیر حزب اللہ — ولی کامل ، مرد خدا ، پیر جہان

سخی و صاحب سجادہ و سلیم القلب — وفی و وافی و واقف ، راز ھائے نہان

پئے تولد او سال مرد شوق خدا (۱۲۵۵ ھ) — بروز سہ شوال ھز دھم میخوان

بظہر چارم عاشورہ نیک روز خمیس — ازین جہان بجہان جنان کشید عنان

راوی خود چو مشرور شود جنت را — بگفت سال و صالش خرد چراغ جہان (۱۳۰۸ ھ)

حضرت پیر سائین حزب اللہ شاہ کا تخلص مسکین تھا ۔ سندھی ، فارسی اور اردو مین شاعری کرتے تھے ۔ زمانۂ مشق مین مولوی بہاء الدین بہائی اور مولوی محمد عاقل عاقلی جیسے نکتہ رس و نکتہ سنج اساتذہ کرام نے جادۂ شعر و سخن مین ان کی رھبری کی ۔ ان کے ایک مجموعۂ کلام موسوم بہ " دیوان مسکین " کے ایک قلمی نسخہ (۲) سلوکۂ جناب پیر حسام الدین راشدی کا سراغ ملتا ھے ان کے اردو اشعار کہین ریختہ کا عمدہ نمونہ ھین اور کہین فارسی آمیز بندش و ترکیب کا حسین امتزاج ھین ۔

---

(۱) تذکرہ لطفی جلد سوم ص ۱۸۳ (۲) حاشیہ تذکرہ مشاہیر سندھ ، ص ۱۸۲

فارسی غزل

ما فقیرانیم مارا باز رویٔ زیورچہ کار
ہمچو ابراھیم باسرمایۂ آذر چہ کار
چون مرا در حشر از ہنگامہ اوباک نیست
جز جان تصویر جانان دارم و دیگر چہ کار
عکس روی یار مارا جلوہ ہائے دیگر است
از مہ و خورشید فتوان یافت با اختر چہ کار
اولین روز از ادیب عشق و از عدریس او
خواندہ ام حرف محبت راو باد فتر چہ کار
از کتاب حسن ما حرف محبت خواندہ ایم
با سماع قصۂ دارا و اسکندر چہ کار
سود سودان راز دنیا و ز عقبی یافتم
گیسوئے دلبر بکفتہا شک و با عنبر چہ کار
شکر للّٰہ وفاق دلبر رہنمائے من
جان بجانان رفت مسکین را جزین دیگر چہ کار

اردو

آتا ہے چمن میں بت گلفام ہمارا
ساقی بخدا بھر دے مجھے جام ہمارا
گر میں نہ کیا اس بت طناز کو سجدہ
آئے گا کس کام یہ سلام ہمارا

اردو فارسی آمیزش

من بہ ھجرت رقیب در وصلت
ہر قبیان چمن کرم مت کر
گرچہ ما خاطئیم پر گنہیم
ہر گنہگار مکھ بھسم مت کر
بندہ ما رگاہ تستیم اے سلطان
اب تو مسکین را جدا مت کر

حسن بخش شـــاہ

(۱۲۶۲ - ۱۳۱۸ھ)

سید حسن بخش شاہ طریقۂ قادریہ کے مست ملنگ شاعر تھے - ان کا سلسلۂ نسب غوث الاعظم حضرت عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ سے جا ملتا ہے - سندھ میں حسن بخش کا خاندان جیلانی خاندان کے نام سے مشہور ہے - حسن بخش کے والد بزرگوار حضرت پیر گلزار علی شاہ قادری بھرچھاوں شاہ گوٹھ ضلع حیدرآباد کے رہنے والے تھے حسن بخش ۱۲۶۲ ھ میں تعلقہ شہداد پور کے ڈھی نامی گاؤں میں پیدا ہوئے -

حسن بخش شاہ نے اپنے نانا پیر سلیمان علی شاہ قادری کی سرپرستی میں عربی و فارسی کی تعلیم حاصل کی - مطالعہ کا ذوق والد کی صحبت میں فروغ پایا - جوانی دیوانی ہوتی ہے - جوانی میں وہ بہت زندہ دل ، عاشق مزاج اور رنگین طبع تھے - محبوب مجازی کی محبت میں سرشار رہتے تھے - یہ عالم زیادہ دیر تک قائم نہ رہا دنیا اور اہل دنیا کے ظلم و ستم سہے - پھر ایسے حادثات سے دوچار ہوئے کہ طبیعت کا رنگ ہی بدل گیا - دنیا بدل گئی - عشق مجازی نے عشق حقیقی کا رنگ اختیار کیا - ایک ایک سانس محبوب حقیقی کے گیان و دھیان کیلئے وقف ہوگیا [1] -

موسیقی اور محفل موسیقی کا شوق بچپن سے تھا - فن موسیقی سے خاص دلچسپی تھی - جب ان کی زندگی میں سنجیدگی اور ذوق علم و ادب نے انگڑائی لی تو انھوں نے خدمت علم و خدمت خلق کو مقصد زندگی قرار دیا - مطالعے کے شوق نے علوم عربی و فارسی و ہندی سے بہرہ ور کیا - عربی ، فارسی ، سندھی ، ہندی کتابوں کا خاصا ذخیرہ ان کے کتب خانہ موسوم بہ " کتبخانہ میر حسن بخش جیلانی " جمع ہوگیا تھا -

حسن بخش کا زیادہ تر وقت علماء و فضلاء ، شعراء و ادباء کی محفلوں میں گزرتا تھا - پیر صاحب پگارو حضرت سید حزب اللہ شاہ راشدی [2] عرف تخت دھنی سے بے حد ارادت رکھتے تھے - حضرت مخدوم امین محمد امین ہالائی (پکھی دھنی) اور حضرت حمل خان لغاری جیسے یکتائے روزگار

---

(۱) کلیات امین مرتبہ پروفیسر محبوب علی چنہ - ص ۲۷۶

(۲) ان کی وفات پر دردناک مرثیہ کہا جس کا پہلا شعر یہ ہے :

شاہ حزب اللہ جو ساری ملک میں ماتم تھیو ہے
مئے محبت جو پیالو کوثر بھر جام تھیو

(کلام حسن بخش - ص ۶۷)

شعرائے کرام اور اولیائے عظام سے ان کے معتقدانہ تعلقات تھے ۔

پیر سائیں حسن بخش ۷ جمادی الاول ۱۳۱۸ ھ کو اپنے مولد و مسکن " ڈنڈھی " میں وفات پائی ۔

سائیں حسن بخش فارسی ، سندھی ، سرائیکی ، ھندی اور اردو کے بلند پایہ شاعر تھے ۔ ہر زبان کے کلام میں تخلص کے بجائے حسن بخش لکھتے تھے ۔ سندھی اور سرائیکی میں ان کی کافیاں بہت مشہور ھیں ۔ گرچہ اس زمانے میں مصری شاہ ، مہدی شاہ ، خیر محمد فقیر ، ھسباثی ، سلیمان شاہ ، محسن بیکس ، محمد امین ، محمد رمضان فقیر ، میر سانگی ، صاحبد نوشاہ جیسے ممتاز شعراء کی کافیاں بے مثل ھوتی تھیں لیکن حسن بخشںشاہ کا رنگ خاص تھا (۱) سرائیکی شاعری میں انھوں نے حمل فقیر لغاری کا اتباع کیا ۔ اسکے باوجود اس کی انفرادیت مسلم تھی ۔

حسن بخش پرگو اور خوش فکر شاعر تھے بڑی روانی و برجستگی سے شعر کہتے تھے ۔ ان کی یہ خوبی ان کے اردو اشعار میں بھی نمایاں ھے ۔ وہ ایک درد مند دل رکھنے والے انسان تھے ان کے بول میں درد اور کلام میں سوز ھے ۔

حسن بخش کا مجموعہ کلام موسوم بہ " کلام حسن بخش مرتبہ عارف المولی ۱۹۵۷ ء میں سندھی ادبی بورڈ حیدرآباد کے تحت منظر عام پر آچکا ھے ۔ اس شعری مجموعے میں حسن بخش کی سندھی ، سرائیکی ، ڈوھیڑوں ، لغت ، منقبت ، مرثیہ ، بیت شامل ھیں ۔ آخری چند صفحات اردو اور ھندی کلام پر مشتمل ھیں ۔

ان کی شاعرانہ عظمت کا یہ پہلو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا کہ انہیں فارسی ، ھندی اور اردو سے اتنی ھی محبت تھی جتنی کہ سندھی اور سرائیکی سے تھی ۔ انھوں نے ہر زبان میں بڑی لگن اور بڑے ذوق و شوق سے اشعار کہے ۔ سندھی کے بعض اشعار میں فارسی ، ھندی اور اردو کے الفاظ ، فقرے ، ترکیبیں اور مصرعے اس حسن و خوبی سے سجائے ھیں کہ ایک دو لفظ کے الٹ پھیر سے یہ اشعار سندھی کے بجائے اردو کے معلوم ھوتے ھیں مثلاً

شامل شریعت شہر شکر ~~سے~~ میں ہیں
طالب طریقت فہم فکر ~~سے~~ ہیں
حال حقیقت ذوق ذکر ~~سے~~ ہیں

عشق اندر ~~سے~~ آگ سجائی   جوت جاذب ~~جیسی~~ کی جان جلائی

موت حسن بخش نور نورانی

---

(۱) ~~...~~ دیباچہ کلام حسن بخش شاہ ۔ ص ۹

قمر ے شمس شرماٹا   ملائک جن اسماٹا

حوروں ے پر ہوں حیراٹا

حسن بخش یا حبیب اللہ

شهنشاہ شاہ شریعت جو ، توکل ے طریقت جو

ہمیشہ حال حقیقت جو

سید آھی سخاوت جو ، دولھہ دریا رحمت جو

ھادی مرشد ھدایت جو

ابر بارا عنایت جو

(حمت ، روپ کمیان ، تین تال (۱))

کلام حسن بخش کی یہ خصوصیت قابل ذکر ھے کہ ان کے فکر و فن کا مرکزی نکتہ اللہ ، کلام اللہ اور رسول اللہ کی ذات ، صفات اور توحید و معرفت کی جلوہ فرمائی ھے ۔ ان کا سارا کلام سراسر عارفانہ و صوفیانہ عقائد و نظریات کا آئینہ ھے ۔ ان کا رجحان فکر قرآنی آیات ، تلمیحات و اشارات کے عکسوں سے جگمگا رہا ھے ۔ نمونہ کلام

یارسول اللہ

محبت جام پر مجھہ کو پلادے یا رسول اللہ

شراب مست مدھوشی ملادے یا رسول اللہ

شاہ علی المرتضی ھادی حسین ھر دوسرا

گل گلزار نبی کا لادے ، یا رسول اللہ

ہوں سے شوق نیت شافی نبی ھر روز ھر شب کو

نبی ھے نور تجھہ پیارا ، ملادے ، یا رسول اللہ

طمع دنیا ترک کرکے ، چھڑادے شرک شیطانی

ھوس نفس کارایا جلادے یا رسول اللہ

سید صفتی ، صفاتی ، ذاتی ھے ذکر خدا

حسن بخش کو ھر دم تو پلادے یا رسول اللہ

ذوقی ذاتی

ذاکرا پر جام زم زم ، ذوق ذاتی کوثر

پر ہوں سے آب اثر ھے حیاتی ھمسری

---

(۱) کلام حسن بخش ۔ ص ۶۲

محمد محسن بیکس

۱۲۷۵ھ — ۱۲۹۸ھ

۱۸۵۸ء — ۱۸۹۹ء

وادی مہران کے شہر روھڑی کے ایک درویش خاندان مین تین بزرگان دین گزرے ھین فقیر محمد حسن ، قادر بخش بیدل اور فقیر محمد محسن بیکس - حضرت محمد حسن جھوک شریف کے ایک عارف کامل صوفی شاہ عنایت اللہ شہید [۱] کے مرید تھے - حضرت فقیر محمد حسن رحمتہ اللہ علیہ فقیر قادر بخش بیدل کے والد ماجد اور محمد محسن بیکس کے دادا حضور تھے -

عبدالحسین شاہ موسوی (دیوان بیکس ص ۳) اور ڈاکٹر نبی بخش بلوچ (سندھ مین اردو شاعری ، ص ۱۳۳) کے حسب تحریر فقیر محمد محسن بتاریخ ۲۶ جمادالثانی ۱۲۷۵ ھ/ [۲] جو خود ایک سالک عامل اور شاعر تھے اور فن تاریخ گوئی مین ید طولی رکھتے تھے اپنے اکلوتے فرزند عزیز کی ولادت باسعادت کے مبارک موقعے پر اپنی بے پایان مسرتون کا اظہار منظوم صورت مین کیا تھا

بیست [۳] و ششم جماد ثانی زاد	محسن وطالش مبارک مباد
پنج و هفتھا ویک هزار ودوصد	بدر هجری رسول شاہ رشاد
حق تعالی بحض حسنیش	از حوادث زمان مصون داراد [۴]

---

(۱) تذکرہ شاہ عنایت اللہ کے لئے ملاحظہ ہون - تحفۃ الکرام ، مختصر تذکرہ صوفیائے سندھ

(۲) مولانا دین محمد وفائی مرحوم نے " تذکرہ مشاہیر سندھ " مین تاریخ پیدائش ۲۸ جمادی الثانی ۱۲۷۵ (۱۸۵۹ء) لکھی ھے - (ص ۲۳۰)

(۳) اس قطعہ سے بھی تصدیق ھوتی ھے کہ محسن کی تاریخ ولادت ۲۶ جمادی الثانی تھی - غلط غالباً یہ قطعہ صاحب تذکرہ مشاہیر سندھ کی نظر سے نہین گزرا ھوگا -

(۴) دیوان بیدل مرتبہ عبدالحسین شاہ موسوی ، ص ۳۳

ھ مطابق ۱۸۵۸ء کو روھڑی میں پیدا ہوئے - ان کے والد بزرگوار

فاضل باپ نے ناز و نعمت سے اپنے ہونہار فرزند کی پرورش کی لیکن ان کی تعلیم و تربیت کا خاص خیال رکھا ۔ عربی و دینی تعلیمات سے آراستہ کیا ۔ اس زمانے میں سندھ میں قرآن حکیم اور دینیات کے ساتھ ساتھ گلستان ، بوستان اور سکندر نامہ وغیرہ جیسی فارسی کی ابتدائی مگر اہم کتابوں کا پڑھنا بچوں کی بنیادی تعلیم کا لازمی جزو سمجھا جاتا تھا ۔ اس رواج کے مطابق روہڑی کے ایک مشہور مدرس آخوند سے فارسی کا درس لیا گھر کی علمی و دینی فضا نے محمد محسن کے پڑھنے لکھنے کے شوق کی تہذیب و تدوین کی ۔

رب کریم نے محمد محسن کو حسن صورت اور حسن سیرت دونوں نعمتوں سے نوازا تھا کہتے ہیں کہ انہیں بچپن سے ہی رنگین ، خوبصورت اور صاف ستھرے کپڑے پہننے کا شوق تھا ۔ وسیع القلبی اور فقر و غنا کا یہ عالم تھا کہ اگر کسی بچے کو پھٹے پرانے یا میلے کچیلے کپڑے پہنے دیکھ لیتے تو اسے اپنے کپڑے دے دیتے تھے ۔

سن ۱۲۸۹ ھ (۱۸۷۲ ء) میں جب محمد محسن کے والد مکرم حضرت قادر بخش بیدل کا وصال ہوا ان کی عمر صرف چودہ (۱۴) سال تھی ۔ اس عمر تک انہوں نے اپنے صاحب علم و فضل باپ کے زیر شفقت تربیت جو فیض حاصل کیا وہ ان کی آئندہ زندگی کی تعمیر و تشکیل کے لئے مشعل راہ ثابت ہوا ۔ بیدل سے والہانہ عقیدت و محبت کا ذکر اپنے اکثر اشعار میں کیا ہے ۔

غلام بارگہہ بیکس مدا ی باد در بابت
فقیرم شایق و عاشق بود بیدل ترا حافظ

مدایم بردرت بیدل غایت ساز بار عشق
کہ طالب درد می باشم غلام عوضدار عشق

سگ درگاہ تو بیکس ہمی نالدز ہستی خود
کشِ بیخود زخمر خود بہ‌ٖرا ورا بہ دار عشق

بہ درگاہ شہ بیدل منم از فرقتت نالان
زشامت بہ رقیب آں تو می‌خوانی ومی دانم
خدا را ساعت با بیکس مسکین مشتاقی
شراب و صلتت نوشان تو می دانی و می دانم

محمد محسن بیکس نے اپنے والد مرحوم کی وفات حسرت آیات کے بعد سلوک و معرفت اور علم و

ادب کی راہ خود متعین کی جس پر وہ آخری دم تک عزم و ہمت اور لگن و انہماک کے ساتھ گامزن رہے – علمائے دین اور صوفیائے کرام کی با فیض صحبتوں سے فیضیاب ہوئے – کتابوں کے مسلسل مطالعہ ، کائنات کے مشاہدات و مظاہرات اور پیہم فکر و عمل سے زندگی کی اعلیٰ قدروں سے ہمکنار ہوئے –

چودہ پندرہ برس کے سن میں ذوق شعری نے انگڑائی لی – اپنے والد کی وفات کے دوسرے سال جب وہ پندرہ برس کے تھے جوش و جذبہ اور ارادت و عقیدت کا ایک طوفان دل میں چھپائے شہنشاہ سیوهن حضرت لعل قلندر شہباز کی درگاہ عالیہ پر حاضری دی اور جب وہ وہاں سے واپس ہوئے تو شہباز سائیں کی فیوض و برکات کے باعث جذبات و خیالات کے ہجوم نے انہیں باقاعدہ شاعر بنادیا – انھوں نے سب سے پہلے جو غزل کہا وہ فارسی زبان میں تھی اس کا ایک ایک لفظ سوز و گداز ، راز و نیاز اور وحدت و حقیقت کے اسرار و رموز کا آئینہ دار ہے

من نعرہ انالحق ہر دم زنم سوزی — من کوس ذات مطلق دمدم زنم بسوزی
سلطان ملک عالی بیرنگ و بے نشانم — طبل خدائے اعظم دمدم زنم بسوزی
شہباز ، آشیانہ ، لاہوت لامکانم — آواز "عین خدایم" دمدم زنم بسوزی
من تحت و فوق ہستم ، موجود زیر و بالا — طنبور عشق عالم دمدم زنم بسوزی
اندر جہان بیشک کردم بہانہ بیدل — بیکس نقارہ وحدت دمدم زنم بسوزی

بیکس کی عمر نے وفا نہ کی وہ اکتالیس (۴۱) سال کی عمر میں ۵ رمضان المبارک ۱۲۹۸ ھ مطابق ۱۸۹۹ء کو جنت الفردوس کو رحلت کی – اپنی جائے تولد روہڑی میں والد مرشد حضرت فقیر بیدل کے مزار پرانوار کے قرب میں آسودہ ہیں – " پاک محمد محسن شہید شوقش " سے ان کی تاریخ رحلت نکلتی ہے

آن یار نوجوان کہ خوش بود صحبتش
رفت از جہان بماند از و داغ حسرتش
سال رحیل آن نخرد جست ، گفت آن
با وصف پاک محمد محسن شہید شوقش

۱۲۹۸ ھ

" دیوان بیکس " مولفہ عبدالحسین شاہ موسوی ۱۹۶۵ء مین سندھی ادبی بورڈ کے تحت منظر عام پر آچکا ھے ۔ ڈیمی سائز کے صفحہ ۱۲۸ کے اس مجموعہ کلام مین مرتب نے پہلے محمد محسن بیکس کی زندگی ، شخصیت اور شاعری سے متعلق خامہ فرسائی کی ھے ۔ حصہ منظومات سندھی سرائیکی ، فارسی اور اردو علی الترتیب کافی ، مناجات ، نعت ، منقبت ، غزل ، قطعہ وغیرہ جیسی اصناف شاعری پر محیط ھے ۔ اردو کلام کی دوسری زبانون کی نسبت بہت کم ھے ۔ البتہ سرائیکی اشعار مین اردو کے الفاظ بکثرت استعمال ھوئے ھین ۔ بقول ڈاکٹر نبی بخش خان بلوچ (سندھ مین اردو شاعری ، ص ۱۳۲) " فقیر محمد محسن نے سندھی ، سرائیکی اور فارسی مین شعر کہا ھے ۔ سرائیکی مین جو کافیان نظم کی ھین ان مین بعض فقرے اور مصرعے ایسے ھین کہ ان کو اردو کہا جاسکتا ھے " ۔

سندھ مین کافی ایک مشہور و مقبول صنف ھے ۔ کافیون مین دیہات مین رہنے والے عوام کی زندگی کے مختلف پہلوون کی عکاسی بہت خوبصورتی سے کی گئی ھے ۔ نظم کی یہ صنف پہلے " وائی " کہلاتی تھی جسکے موجد و بانی شاہ عبداللطیف بھٹائی تھے ۔ شاہ صاحب کا بیشتر کلام وائی کی صورت مین منظوم ھوا اس لئے اس کی جاذبیت و مقبولیت لازوال ھوگئی ۔ سچل سرمست نے وائی کی جگہ کافی کی بنا ڈالی ۔ جب سے کافی نے شعری ادب مین رواج پایا اسقسم کی شاعری عوامی شاعری کہلائی ۔ سچل کی کافیون کی ایک خصوصیت یہ بھی ھے کہ وہ علم عروض اور بحر و رموز کی پابند رھین ۔ سچل کے معاصرین اور ان کے بعد آنے والے شعراء نے زیادہتر کافیون کی صورت مین نظمین کہین ۔ عروج و کمال نے ان کے قدم چومے ۔ جن شعراء نے سچل کے بعد سب سے زیادہ کافیان منظوم کین ان مین فقیر قادر بخش بیدل اور محمد محسن بیکس کے نام بڑی اھمیت رکھتے ھین ۔ پہلے سچل کی کافیون کے یہ بول ملاحظہ کیجئے پھر دیکھئے کہ بیدل و بیکس نے کیا انداز اپنایا ھے ۔

اے یارو ، میڈا کوئی اختیار نہین — آکھا اھو عشق دا اسرار نہین
درد اھین دی ویار قیمت نہین — اھو جیھا دو مرتبہ عظمت نہین
عشق دا سودا شہر بازار نہین
عشق نہ منصور توڑ ایک کیا کیتا — تنھن کون سرسولی اھیں برھین گھتا
شوق والیان دا کوئی شمار نہین
لک ھزاران و جون کوئی عاشق ٹھیا — بے سروسامان روئی لاشک گھٹیا
ھرکنھن تے عشق دی تلوار نہین
گم تھی تون یکایک یا رچ — دل جن آون اھین اعتبار وچ
اپنون آکیا مرشد سچل انکار نہین

(سچل)

وہ بیرنگی آپ آدم بن کے آیا

روپ کا اوڑھ نقاب احد واحد سُرایا

وہ روپ سروپ ہو آیا　　　عشق و حسن کا کھیل کھلایا

دونوں و القاب ، ساجن مرد ہرایا

کہاں وہ پیچے پوش عرب کا　　　ہوئے ساقی جام طرب کا

کہاں وہ دست رباب گیت اناالحق کا

کہاں فقیر ، مشائخ ، قاضی　　　ملا مومن نیک نمازی

کہاں دوست خراب بھی رنگ لگایا

خلق الاشیا سمجھ اشارت　　　فھو عینھا محض بشارت

بیدل شوق شباب بسر صحیح سمجھایا

(بیدل)

اب فقیر بیکس کی کافی کا یہ روپ دیکھئے :

نور نیارا ظاہرہ ذاتی ، سیر کرے وچ شُتر صفاتی

عجب او ہیندی چال

یاد ہمیشہ سانوں سانوں ، باجھوں سجنے دے جیوں جنجل

سکھدے شاشم سال

ہیرو بیچاری کاہن ہوئی　　　وچ فراقیں مائل ہوئی

درس داکو دیدے سوال

عین بیرنگی رنگ میں آیا　　　تخت ہزارا جھنگ میں آیا

خوب سجن دا خیال

" لیس فی الدارین الاھو　　　بیکس بلبل گل دی گھن بو

ہیو عشق دا گیت کلاں

بیکس نے حضرت لعل قلندر شہباز سیوستانی کی عظمت کا اعتراف اور ان سے والہانہ عقیدت کا اظہار ایک " کافی روپ گجری " میں اسطرح کیا ہے -

شہنشاہ قلندر توں ہیں ہادی میرا　　　سوا تیرے صاحب نہیں اور میرا

کرسی عرش افلاک میں جو نظارا　　　بھر جا بجھ ملک تیرا نظارا

مقبول کرنا یہ ہے عرض ہمارا -　　　کر آباد عشقوں میں میرے دل کا دیرا

ولایت وحدت کا تو ھین ویر واحسی　　تو واقف دلون کا تیرا مین سوالسی

ملا یار مجکون جو ھے خود خیالسی　　بحر دل ھے جاری شہا حکم تیسرا

بیکس حسن و عشق کے شاعر تھے ـ فن موسیقی سے انھین فطری لگاو تھا ـ ایک ماھر موسیقار کی حیثیت سے بھی ان کی شہرت اچھی تھی ـ ان کی کافیان حسن کی رعنائی و رنگینی ، دلکشی و دلپھندی اور عشق کے سوز و ساز ، تاثر و گداز سے بھرپور ھوتی تھین ـ وہ خود صاحب حسن تھے اور حسن کے دیوانہ وار پرستار ـ اور بقول حافظ شیرازی

من ازان حسن روز افزون کہ یوسف داشت دانستم
کہ عشق از پردہ عصمت بیرون آرد زلیخا را

وہ خوش گلو شاعر تھے ـ اللہ نے انھین اچھی صورت کے ساتھ ساتھ ان کے گلے مین رس اور آواز مین جادو بھردیا تھا ـ ان کی خوش نوائی و خوش الحانی کی شہرت روھڑی سکھر کے چپے چپے سے گذر کر سندھ کے طول و عرض مین پہنچ چکی تھی (١) ـ جب وہ اپنی کافیان ستار پر گاتے تھے تو ان کی دلگداز و روح نواز آواز سے مسحور ھوکر مرد عورت ، بوڑھے جوان بچے سب ھی ان کے ارد گرد پروانون کی طرح جمع ھوجاتے اور موسیقی کی مدھری دھن سن کر جھوم جھوم جاتے تھے (٢) ـ

اس مین کوئی شک نہین کہ بیکس کی شاعری مین مجاز کا عنصر زیادہ اور حقیقت کا کم غالب ھے ـ انھون نے اپنی شاعری مین سندھ کے عوام کی معاشرتی و تہذیبی زندگی کی بھرپورعکاسی کی ھے ـ ان کے ھان محبت ، خلوص ، مستی ، بے خودی اور دوسرے انسانی جذبات و کیفیات کی بہت عمدہ ترجمانی ملتی ھے ـ

فقیر قادربخش بیدل جیسے صوفی شاعر کی رفاقت ، بزرگان دین کی صحبت اور روھڑی کی روحانیت آمیز فضا نے بیکس کو بنیادی طور پر سلوک و شریعت ، تصوف و طریقت کی جانب مائل کردیا تھا ـ اسلئے ان کی نگارشات لطیف مین معارف و عرفان کا رنگ بھی نمایان ھے ـ وہ صاحب دل اور صاحب حال و قال تھے ان کی کافیون مین کہین کہین مولانا روم کے افکار کی تفسیر ملتی ھے

علم رسمی سربسر قیل است و قال　　نے از و کیفیت حاصل نہ حال

ما برون را نہ نگریم و قال را　　مادرون را بنگریم و حال را

Desert Voices by T. L. Vaswani (١)

The Vision of a Village Singer by T. L. Vaswani (٢)

گرچہ بیکس کی عارفانہ شاعری کا اپنا کوئی مخصوص انداز نہیں لیکن انہوں نے فقیر بیدل کی بصیرت افروز اورعرفان خیز شاعری کا کامیاب تتبع کیا ہے۔ کہیں کہیں سچل سائیں کے طرز سخن کا پرتو بھی جھلکتا ہے یہی وجہ ہے کہ ان کے اشعار میں اناالحق ، منصور ، کلیم طور ، ~~[illegible]~~ ، وحدت الوجود ، المومن حی فی الدارین ، کے اشارات ان کی سندھی کافیوں میں ایسے بے شمار مصرعے ملینگے ۔

۱۔ دلربا دلدار یار ۔ ۲۔ عشق چا اسرار یار (کا)
۳۔ حال واقف یارھمدم ۔ ۴۔ کر نہ جدائی یار
۵۔ بیکس عشق اظہر کیا (اظہیر) ۔ ۶۔ طارق ضرب‌دار
۷۔ درد مندن جی دل م (درد مندوں کے دل میں)

ایک سندھی کافی کا یہ اردو روپ ملاحظہ ہو

پیر مغان شھوراً بیدل سدا دائم مدام ۔ صاف صافین سالک مے (میں) طارق ھادی مدام
عشقبازن جی (کی) جماعت مے (میں) سدا ہوا پیشوا ۔ معرفت جی موج مے ڈس مئی ستسو مہران عام
وجد وحدت جو سدا ی شاہ کی خمار ہو ۔ شھہ موحد حسن جو ھر رنگ ھر جا انڈھام

اردو نما سرائیکی کلام (کافیاں)

تیری تصویر مجکو یاد تا محشر سجن ھوگا
کہاں محشر رہیا اے دل مدامی بہدن ھوگا
کہاں لیلی کہاتا ہو ، کہاں مجنوں بناتا ہو
کہاں دھڑ ھیر کا بالا (نام) کہاں شیدا رانجھن ہوگا
کہاں شیریں کہاں فرہاد ، کب مشتاق کب معشوق
کبھی تم زیر لب بالا ، کبھی عرش و زمن ھوگا
کہاں بیدل مرا مرشد ، قلندر شاہ عالم کا
کہاں طالب کہاں مطلوب کہاں خارو سخن ہوگا

شملا شراب رنگ تیری ۔ دل شوں دیوانیاں
عاشقوں کے خون میں ۔ تم چھرا رنگانیاں

چوتھا دور $\frac{\text{۱۳۱۹ — ۱۳۶۶ ھ}}{\text{۱۹۰۱ — ۱۹۴۷ ء}}$

عہد برطانیہ (دور ثانی)

قطب الدین شاہ
سوبھا فقیر لغاری
سید مصری شاہ مصریوی
فقیر ولی خان لغاری (ثانی)
غلام محمد شاہ گدا
سائیں عبدالغنی قادری
فقیر نظر علی لغاری
میر عبدالحسین سانگی
مرزا قلیچ بیگ
شمس الدین بلبل

زرک خان زیرک لاشاری
میاں وڈل علی حیدری
پیر رشد اللہ شاہ
مولانا عبیداللہ سندھی
سید کلیم اللہ شاہ
پیر کمال الدین کمال
پیر جمال الدین علوی
پیر بھاون علی شاہ قادری
محمد قاسم گڑھی یٰسینی
سید فضل اللہ شاہ

قطب الدین شاہ قطب جہانیاں پوشہ

۱۳۲۸ - ۱۲۲۹ ھ
۱۹۱۰ - ۱۸۱۳ ء

قطب الدین شاہ برصغیر کے نامور صوفی حضرت مخدوم جلال الدین جہانیاں جہان گشت کی اولاد میں سے تھے ۔ قطب شاہ کے دادا کا نام حضرت ویدھل شاہ جہانیاں پوشہ اور والد کا نام فتح الدین شاہ فتح تھا ۔ سلسلہ نسب اور سلسلہ طریقت دونوں سلسلوں سے ان کا تعلق بہت معزز و معتبر گھرانے سے تھا ۔ ظاہر ہے کہ علم و عرفان کا ذوق ، عبادت و ریاضت کا شوق انھیں ورثے میں ملا تھا ۔

قطب شاہ نے ۱۲ رمضان المبارک ۱۲۲۹ ھ مطابق ۱۸۱۳ ء میں ٹنڈو جہانیاں ، حیدرآباد کی آغوش میں آنکھیں کھولیں ۔ ۱۲ ذی الحجۃ ۱۳۲۸ ھ مطابق ۲۳ دسمبر ۱۹۱۰ء کو ہمیشہ کیلئے آنکھیں بند کرلیں ۔ ٹنڈو جہانیاں میں انکا مزار مبارک مرکز روحانیت ہے ۔

قطب شاہ نے شروع سے علم و عمل اور شعر و سماع کی فضا میں پرورش پائی ۔ ماحول کے اثرات نے بچپن سےان کے دل کو نام خدا اور دماغ کو شمع عرفان سے تابندہ رکھا ۔ پیران طریقت کی صحبتوں اور ولی صفت باپ کی شفقتوں نے انھیں علم ظاہری و علم باطنی سے آگاہ کیا ۔ سندھی عربی ، فارسی اور اردو کی باقاعدہ تعلیم حاصل کی ۔

ایام کم سنی ہی سے والد ماجد کے آستانے میں ریاضت و عبادت کی عادت ڈالی ، بہت جلد زہد و تقویٰ ، شریعت و معرفت کی منزلیں طے کیں انکے والد انکے ذوق و شوق سے بہت متاثر ہوئے اور اپنے ہاتھوں پر بیعت لی ۔ خرقۂ خلافت عطا کیا ۔ والد فتح دین شاہ کی وفات کے بعد ان کے سجادہ نشین ہوئے ۔

قطب الدین شاہ نے اپنا تخلص قطب اختیار کیا ۔ سندھی ، اردو ، ہندی ، زبانوں پر قدرت رکھتے تھے ۔ تینوں زبانوں میں شعر کہتے تھے ۔ ہندی سے خاص لگاو تھا ۔ ان کی کافیاں اور دوہے ، ہندی الفاظ اور ہندی بندشوں کے خوبصورت بول میں ان کے مریدوں ، عقیدتمندوں میں ہندو مسلمان سب ہی شامل تھے ۔ ہندومت سے آگہی حاصل کی تھی ۔ اہل ہنود کے مذہبی نظریات سے متعلق بھی اپنے خیالات کا اظہار کیا ہے ۔ مثال کے طور پر شبد کا یہ بول

دیکھئے :

هندو نور اور نردی
کیون لوٹی هے دل موری

ست گرو ایسی بھگتی لائی هے ۔۔۔ جس نے تون تون نام دھیائی هے
نابھه کنول کون نام اٹھایا ۔۔۔ کنٹھه کنول مین پاسی لایا
بھنور غفا مین منزل پائی هے

قطب شاہ کا اردو کلام سراسر هندی آمیز یا هندی نما هے ۔ سندھی الفاظ بھی استعمال کرتے تھے ۔ قرآنی آیتون اور قرآنی استعارون کو جامعیت و معنویت کے ساتھ استعمال کرنے کی مہارت رکھتے تھے ۔ کافیون کے فن مین کمال رکھتے تھے جس کا اندازہ مندرجه ذیل کافیون سے هوسکتا هے

ایک «نام» سے کام نے بھائی اور کام سمجھ جھوٹا نے
بیتی بھترا مول دانه نام بھا سبھه پھوٹا نے
من لـه المولی فلـه الکل ، سخن سچے کا چھوٹا نے
قطب اپنا آپ پہچانا ، گھر هودسے کا لوٹا نے
هستی کا

بھورا من ایسو اوگن کیو ، نام صاحب کا مول نه لیو
درد روهی چت نه لائے ، اپنو آپی آپ گنوائے

وقت اجایو ویو
وقت رائگان گیا

سام بنا گئی عمر اجائی ، سمجھ تو من سرت نه لائی

در در بھٹکن پیو
در در بھٹکنا پڑا

ستگور ایسا پریم لگایا ہے

پریم لگتے اکھیاں کھلیاں ، ہر جا درسن پایا ہے
ستگور ایسی طاقی کھولی ، کھر گئی ہے بی سب بولی

دریچہ دوسری

ہو جا ہو ، ہو ، پایا ہے

ستگور ایسی کنجی پھیری ، بسر گئی ہے تیری ، میری
ہمکو نام سمایا ہے
ستگور ایسی گنجی لائی ، شام ، بنا گئی بسر سجائی
ہر جائے حق سمایا ہے

قطب گیتا لا ، جگ سارا ، باقی رہ گیا شام پیارا
اھا ستگور رمز دلائی ہے

سوبھا فقیر لغاری

۱۲۳۵ - ۱۳۲۵ ھ

۱۸۲۰ - ۱۹۰۷ ء

سوبھا فقیر لغاری کے والد احمد لغاری داود[1] والہ نامی دیہات کے رہنے والے تھے ـ سوبھا فقیر ۱۸۲۰ء مطابق ۱۲۳۵ ہجری میں اسی دیہات میں پیدا ہوئے ـ ان کی پیدائش کے کچھ عرصہ بعد ان کے والد اور خاندان کے دیگر افراد نے داو دوالہ گاوں کی رہائش ترک کردی اور ضلع سکھر کے تعلقہ میرپور ماتھیلہ کے ایک گاوں " داد لغاری " میں رہائش پذیر ہوئے ـ

عربی و فارسی کی ابتدائی تعلیم کے بعد سندھی اور سرائیکی کی کتابیں پڑھیں پہلے علوم ظاہری سے بہرہ ور ہوئے پھر علوم باطنی کی طرف رجوع ہوئے ـ اللہ والوں کی صحبتیں اختیار کیں ـ پیر محمد عارف کے ہاتھوں شرف بیعت سے مشرف ہوئے ـ پیر محمد عارف ، پیر صاحب السیر محکم الدین سیلانی جیسے ولی عصر کے سجادہ نشین تھے ـ

علم و ادب ، شعر و سخن کے ساتھ ساتھ موسیقی سے خاص شغف رکھتے تھے ـ آواز بہت اچھی پائی تھی ـ مجلس سماع کے بیحد شائق تھے ـ جب سماع کی محفلوں میں گاتے تو حاضرین پر عالم محویت طاری ہوجاتا ـ سماع کے وقت رقت آمیز لہجے میں اللہ کے حضور گریہ و ازاری کرتے اور اہل محفل کو مسحور کردیتے ـ

سوبھا فقیر ساری زندگی مجرد رہے ـ [illegible] طویل عمر پائی ـ ان کی زندگی زہد و تقویٰ ، عبادت و ریاضت اور اخلاص و خدمات کا ایک نمونہ تھی ـ ۲۱ ذیقعدہ ۱۳۲۵ ہجری (۱۹۰۷ء) کو اس جہان رنگ و بو سے ہمیشہ کیلئے رخصت ہوگئے ـ ان کی درگاہ مبارک شہر میر پور ماتھیلہ سے سولہ میل دور جنوب مشرق کی جانب گوٹھ عالمانی میں زیارت گاہ عام ہے ـ

سوبھا فقیر ، سوبھا تخلص کرتے تھے ـ سندھی ، سرائیکی اور اردو میں شعر کہنے کی کامل دستگاہ حاصل تھی ـ ان کا ایک مجموعہ کلام " دیوان درد عشق " کے نام سے شائع ہوچکا ہے ـ اس میں نظمیں بھی ہیں اور کافیاں بھی ـ سوبھا فقیر نے کافیوں میں شہرت پائی ـ سندھ کے بعض

---

(۱) داود والہ ، شہر ڈھیرکی سے (ضلع سکھر میں) پچیس میل دور شمال کی جانب واقع ہے ـ

علاقوں میں کافیاں گائے جانے کا رواج قدیم ہے ۔ راقم کو سکھر میں وہاں کے چند ایسے بزرگوں سے ملنے کا شرف حاصل ہے جنھیں سوبھا فقیر کی کافیاں آج بھی یاد ہیں ۔

سوبھا فقیر نے اردو کے مشہور عوامی شاعر نظیر اکبرآبادی کی زبان زد عام نظم

" سب ٹھاٹھ پڑا رہ جائے گا جب لاد چلے گا بنجارہ "

کو اپنی ایک کافی میں یوں تضمین کی ہے

سب ٹھاٹھ پڑا رہ جائے گا جب لاد چلے گا بنجارہ
سب رمزے چنگڑے رٹھڑے ، راجل کوں رجھاوے گا
آوت جاوت چل گئے راگت ، بیدت کوں بجھاوے گا
دھانت خیانت چل گئی امانت ، سوبھل کوں سڈاوے گا

سوبھا فقیر کی بعض کافیاں بظاہر سرائیکی زبان میں ہیں لیکن اردو کے مصرعے اور شعر جس خوبصورتی سے ان کی کافیوں میں چسپاں ہیں وہ ان کی مہارت فن کے غماز ہیں ۔ یہ مصرعے دیکھئے خالص اردو کے ہیں ان کے عقائد و خیالات کی ترجمانی بھی ہوتی ہے ۔

عارف (۱) سر سلطان آنگن میرے آیا

سوبھا عشق (۲) جنھیں سر آیا ، سمجھو ساجن پاوے گا

سدا دل یاد پنجتن ہے ، علی ہادی ہمارا ہے

---

(۱) سوبھا اپنے مرشد پیر محمد عارف کی طرف اشارہ کرتے ہیں جن سے ان کو والہانہ عقیدت ہے ۔

(۲) فلسفۂ عشق کو چند الفاظ میں عارفانہ لہجہ میں بیان کر دیا ہے ۔

سید حسن شاہ حسرپوری

۱۲۲۵ - ۱۳۳۵ ھ
۱۸۲۸ - ۱۹۰۶ ء

سید حسن شاہ حسرپوری ، حسرپور (۱) کے ایک مشہور مرد قلندر اور درویش صفت شاعر تھے - انکے والد ماجد حضرت بلند شاہ خانوادہ سادات اصغری کے ایک صاحب کمالات و کرامات بزرگ گذرے ھین -

سید حسن شاہ کی پیدائش ۱۸۲۸ عیسی مطابق ۱۲۲۵ ھجری مین بمقام حسرپور ھوئی اوائل عمر مین پدر بزرگوار کا سایہ سر سے اٹھ گیا تو ان کے برادر معظم حضرت فتح شاہ حسرپوری کے زیر نگرانی ان کی پرورش اور تعلیم و تربیت ھوئی - قاضی گل محمد گل کی درسگاہ سے عربی ، فارسی اور سندھی کی تعلیم حاصل کی - اپنی کوششون سے ھندی اور اردو مین بھی استعداد بہم پہنچائی - ان تمام زبانون پر مکمل عبور حاصل کیا - فن موسیقی کے بھی ماھر تھے - کہتے ھین کہ ستار بجانے کا زیادہ شوق تھا -

شیخ سعدی کی گلستان و بوستان بھی پڑھی اور دیوان حافظ کا بالاستیعاب مطالعہ بھی کیا لیکن مثنوی مولانا روم اور رسالہ شاہ لطیف بھٹائی سے خاص طور پر متاثر ھوئے - ان بزرگون کے افکار و آثار کا یہ فیض تھا کہ حسن شاہ کو نہ صرف اللہ اور رسول کے دین سے فطری لگاؤ پیدا ھوا بلکہ عبادت و ریاضت اور تصوف و معرفت ان کا اوڑھنا بچھونا ھوگئی - سالکین و عارفین کی صحبتیں اختیار کین - پندرہ سال فقیرون اور درویشون کے ھمراہ متحدہ ھندوستان کے مختلف مقامات مثلاً کاٹھیاوار ، لاھور ، دھلی ، آگرہ ، اجمیر وغیرہ کی سیر و سیاحت کی مشائخ دین و اولیائے عظام کے مزارات کی زیارتین کین قلب کو منور اور روح کو تازہ و بیدار کیا - اجمیر شریف مین حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری (۲) کی درگاہ مین قیام فرمایا اور روحانی و باطنی فیضان سے مستفیض ھوئے -

---

(۱) حسرپور سندھ کے قدیم شہرون مین سے ایک ھے - ٹنڈو الہیار (ضلع حیدرآباد) سے ۸ میل کے فاصلے پر واقع ھے - یہ شہر سلطان فیروز شاہ تغلق کے عہد مین "میر حسر" کی یادگار کے طور پر ۱۱۷۶ھ (۱۷۶۲ء) مین آباد کیا گیا تھا - (تاریخ تحفۃ الکرام ، ج ۳ ص ۱۵۵)

(۲) تذکرہ لطفی ، جلد سوم ، ص ۲۹۶ -

مصری شاہ نے مشہور ولی اللہ حضرت شاہ محمود (۱) کے دست مبارک پر بیعت (۲) کی درس و تدریس ، رشد و ہدایت ، خدمت خلق اور اشاعت علم و عرفان میں زندگی وار دی ۔ انکے عقید تمندوں اور مریدوں کا حلقہ بہت وسیع تھا ۔

۹۰ سال کے تھے کہ ۱۹۰۶ء مطابق ۵ صفر المظفر ۱۳۳۵ ھجری کو آغوش رحمت میں حیات ابدی پائی ۔ ان کی ابدی آرام گاہ درگاہ شاہ محمود کے احاطے میں زیارت گاہ خاص و عام ھے ۔

سید حسام الدین راشدی کا بیان ھے کہ مصری شاہ کا دیوان شائع ہوچکا ھے ۔ ھر سال عرس کے موقعے پر نصرپور میں میلہ لگتا ھے ان کے برادر مکرم پیر علی محمد راشدی نے اپنی جو یاد داشتیں تحریر فرمائی ھیں ان میں مصری شاہ کے متعلق یہ نوٹ ھے ۔ (بروایت پیر جعفر علی شاہ راشدی مرحوم) کہ وہ صوفی مشرب ، متوکل اور قلندرانہ وضع کے آدمی تھے (۳) ۔

سید مصری شاہ نصر پوری تصوف اور شاعری دونوں میں بلند مرتبہ رکھتے تھے ۔ سندھی سرائیکی ، فارسی ، ھندی اور اردو میں شعر کہتے تھے ۔ ان کی شاعری حقیقت و مجاز کا حسین و دلکش امتزاج ھے بلکہ مجاز میں حقیقت کا رنگ بھرنا ان کی شاعری کا طرہ امتیاز ھے ۔ اردو کی ایک کافی دیکھئے ۔ شراب ، ساقی ، جام ، پیمانہ ، میخانہ ، یہ سب الفاظ بطور استعارے استعمال ہوئے ھیں ۔ شاعر اصل میں عشق حقیقی کی شراب سے مدھوش و سرشار ھے ۔ حقیقت و معرفت کی بادہ نوشی سے مخمور ھے ۔ اسکی یہ خودی و خود پرستی اور کیف و مستی حقائق و معارف کی روشنی دکھاتی ھے ۔

رھا ھوں میں روز ازل سے پیاسا
زمین خاک میخانہ کی من میں آسا

۱۔ کرو جام انعام مئے ناب مستی
خودی خود پرستی مئے خام ھستی
۲۔ نفس نفس نسر بھاگ جاوے شراسا

۳۔ تصوف کی ظلمت ، نہ کچھ دور دم ھے
یہ تشریف تیری کسی پر نہ کم ھے
درد کش درویش دیو و دلاسا

---

(۱) حضرت شاہ محمود غوث الاعظم حضرت محی الدین عبدالقادر جیلانی کی اولاد میں سے تھے ۔ وہ سندھ میں سلسلہ قادریہ کے موبد و مبلغ تھے ۔ (تاریخ تحفۃ الکرام ، ج ۳ ، ص ۱۵۵)

(۲) تذکرہ لطفی ، ص ۳۹۷

(۳) حاشیہ تذکرہ مشاھیر سندھ ، ص ۲۵۱

۳- ساتا سک روشق رنگ میٹھا
قدح کیف قدرت سے بھرپور بھیٹا
عنایت کرو آب آتش لباسا

۴- ارغوان پیمان ساغر سوایا (۱)
فلک نیلگون نوع دیگر مین آیا
ہوا مخمور صری بھلا ایک ماسا

حیات و کائنات ، ارض و سما ، دنیائے رنگا رنگی کے فلسفے اور وحدت و کثرت ، فنا و بقا کے مسئلے کو حکیمانہ و صوفیانہ رنگ مین پیش کیا ھے ۔

بیرنگی بے اختیار	رنگا رنگی تو رونق ماشی
مہریں لکھ ھزار	احد اصل جی (کی) صفت سچائی
دم اھو دشوار	"کن فیکن" جی قید کہائی
کثرت قلزم معنی صری	ی وحدت مین ی و سری

صری شاہ کافی کی صنف مین ید طولی رکھتے تھے ۔ انھوں نے سندھی کی طرح ھندی اور اردو مین بھی غزلوں کے طرز پر کافیاں کہیں وہ انسان اور انسانیت کی عظمت کے علمبردار تھے۔ ان کے نزدیک ھندو مسلم سکھ عیسائی ہر مذھب و ملت کے لوگ اللہ کی مخلوق ھیں ۔ دنیا مین یکسان فلاح و بہبود ، امن و آشتی ، محبت و سلامتی کے حقدار ھیں ھندو سلمان کو بھائی بھائی کی طرح اخلاص و اخلاق کے ساتھ زندگی بسر کرنے کی تلقین کرتے ھیں ۔ انکا پیغام یہی انسانیت کیلئے ~~محبت~~ محویت و اخوت کا پیغام ھے ۔ اپنے پیغام کو عام کرنے کی غرض سے انھوں نے اس زمانے کی اکثریت کی زبان یعنی ھندی کو اپنایا ھے ۔

شبید

الکھ اگم کوئی انت نہ پاے
لاکھ لکھیا کون کون لکھے ہے

نام نرنجن کا بھشر بسا سا	جنگل جوگی کا نہ جھکے رے
سیو و ستگر سنت سدھ سے	پر کھٹیو پر بھو پاس پکھے رے
کر ناتک کو ٹھیر کالی	گھٹ وچ گنگا رام رکھیے رے
گرجر تین صری سہن اتارو	کاشی کرویت ایک کھیے رے

---

(۱) ایک پیالہ سے زیادہ

اب مصری شاہ کی ایک ھندی کافی نقل کی جاتی ھے - یہ کافی ان کی مہارت فن کی بہترین مثال ھے -

پیتم مت پردیس سدھارو رت ساون کی ساوریا

کالی گھٹا گھٹ این اندھیری　　برس ڈرا ے بادریا
بار بار پیا بجلی چمک کے　　چڑھ کر چڑھ کر چھیریا
کوئلی " مور " پپیہا بولے　　دھوم مچے وچ دھا دھریا
رھو ھمارے پاس پیر وا　　پین کیسو نیل کیسریا
مصری ساتھ مقابل بیٹھو　　من موھن نیل مندریا

فقیر ولی محمد خان لغاری (ثانی)

۱۲۵۲ - ۱۳۳۲ ھ
۱۸۳۶ - ۱۹۱۴ ء

نواب فقیر ولی محمد خان لغاری (ثانی) کے والد کا نام نواب احمد خان (متوفی ۱۸۷۰ء) تھا - ان کے جد امجد نواب ولی محمد خان لغاری (۱۱۶۵ - ۱۲۴۷ ھ) ولد غلام محمد خان نگار (شہید ۱۱۹۸ ھ) عہد تالپور کے نامور وزیر اعظم ، بہادر سپہ سالار ، علم دوست اور فارسی کے صاحب دیوان بلند پایہ شاعر تھے (۱) - یہ نواب خاندان اپنے اعلی منصب ، شان و ثروت ، جاہ و حشمت کے باوجود فقر و غنا اور علم و عرفان میں اپنی نظیر نہ رکھتا تھا - فقیر ولی محمد خان ثانی کی پیدائش ۱۲۵۲ ہجری مطابق ۱۸۳۶ ء میں بمقام ٹنڈو ولی محمد خان (۲) میں ہوئی -

۱۲۵۹ ہجری مطابق ۱۸۴۳ ء میں جب جنگ میانی میں میران تالپور کو شکست ہوئی تو انگریزوں نے آخری فرمانروائے سندھ میر محمد نصیر خان جعفری تالپور کو اقتدار سے محروم کرکے کلکتہ بھیج دیا - نواب احمد خان نے اپنے دو صاحبزادے ولی‌محمد خان اور بخش علیخان کو لیکر پنجاب کا رخ کیا - چار سال کے بعد ۱۸۴۷ء میں جب سندھ میں امن و امان قائم ہوا تو نواب احمد خان اپنے اہل وعیال کے ساتھ لوٹے اور اپنی جاگیر " مرزان پور " (موجودہ تعلقہ سکرنڈ) میں سکونت اختیار کی -

ولی محمد خان کی ابتدائی تعلیم و تربیت آخوند میاں محمد صادق اور اخوند میاں غلام محمد کے زیر نگرانی ہوئی - عربی و فارسی کی تعلیم ان ہی استادوں سے حاصل کی - یہ دونوں اساتذہ سیوھن شریف کے رہنے والے تھے -

علوم ظاہری کی تکمیل کے بعد علوم باطنی کی طرف مائل ہوئے - بچپن سے فقیروں و درویشوں کی زندگی کو ترجیح دیتے تھے - اپنے والد کی ہدایت پر حضرت صوفی ابراھیم شاہ

---

(۱) احوال وزیر اعظم نواب ولی محمد خان ولی کیلئے ملاحظہ ہو حاشیہ تذکرہ نواب الہداد خان صوفی ، تیسرا دور ، کتاب ھذا -

(۲) ٹنڈو ولی محمد خان حیدرآباد شہر کا ایک محلہ تھا جو وزیر اعظم ولی محمد خان کے نام سے موسوم تھا - یہ مقام شہر کے مغربی جانب کینٹونمنٹ کے علاقہ میں آباد تھا -

المتخلص بہ فقیر سجادہ نشین جھوک شریف (میران پور) کے حلقۂ طریقت و روحانیت سے وابستہ ہوگئے ۔ محنت و ریاضت سے خرقہ خلافت کا اعزاز حاصل کیا ۔ دل و نگاہ انوار باطنی سے منور ہوئی تو پیر و مرشد سے رخصت ہوئے ۔

۱۳۰۰ هجری (مطابق ۱۸۸۳ ء) میں اپنی آبائی ریاست و جاگیر مرزان پور کو خیرباد کہا اور تاجپور نامی گاؤں میں رہائش پذیر ہوئے ۔ وہاں اپنے زہد و تقویٰ ، درس و ہدایات اور فیضان سے بے شمار انسانوں کو حقائق و معارف کے رموز اور حیات و کائنات کے مفہوم و مطالب سے آگاہ کیا ۔ اللہ اور رسول کی خاطر صالح و بامقصد زندگی کی راہوں میں روشنیاں بکھیر دیں ۔

۱۳۳۲ هجری (مطابق ۱۹۱۴ء) کو اسی سال کی عمر میں اس دارالفنا سے دارالبقا کی راہ لی ۔ فقیر ولی محمد خان سندھی سرائیکی فارسی اور اردو میں شاعری کرتے تھے ۔ ہر زبان میں بڑے استاد اور قادرالکلامی سے شعر کہتے تھے ۔ تخلص کے بجائے " ولی محمد " لکھا کرتے تھے موسیقی سے خاص دلچسپی تھی ۔ ستار بجانے کا بہت شوق تھا ۔ غالباً یہی وجہ ہے کہ ان کی شاعری کا ایک حصہ شعر و موسیقی کا حسین امتزاج نظر آتا ہے ۔

ڈاکٹر نبی بخش خان بلوچ نے ولی محمد کا ایک مجموعۂ کلام مرتب کیا ہے جو سندھی ادبی بورڈ حیدرآباد کے تحت شائع ہوچکا ہے ۔ اس مجموعے میں چودہ اردو کافیاں اور ایک شعر شامل ہیں اس مرقع شعر کے مطالعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ ولی محمد کافی گوئی کے فن میں خاصی مہارت رکھتے تھے ۔ ان کی اردو کافیوں کی خصوصیت یہ ہے کہ وہ غزل کے طرز پر کہی گئی ہے ۔ قارئین بیک وقت کافی اور غزل دونوں اصناف کے مشترکہ سُرور سے مسرور و مسحور ہوسکتے ہیں ۔ ان کے کلام کا رنگ عموماً عارفانہ ہے ۔ ان کے اشعار میں تصوف و معرفت کا رنگ ان کی طبیعت اور مزاج سے ہم آہنگ ہے ۔ اس رنگ کے چند اشعار دیکھئے :

دیا ساقی مجھے پیالا اتر گیا وہم ہستی کا
سارا اسرار ہم دیکھا عجب صورت پرستی کا
مثل شہاب تھا روشن ، حقیقت کا کھلا گلشن
حسن کا ہوگیا درشن ہٹا شک دل شکستی کا
اسی منزل میں ہر عاشق کبھی پر جوش کبھی سالک
کبھی وہ عبد گہہ مالک ، کبھی سر بار ہستی کا

صوفی کا دین مذہب وحدت وجود ہے	جز و عقل کیا جانے جس کو کھش کٹھن
ذاتی سون مل گئی باقی رہی صفاتی	گم ہوگئی ہے مورت تصویر کے حسن مین
آدم کا پوش کرکے کرتا ہون بادشاہی	نہین کوئی مکان یکجا رہتا ہون عشق بن مین
ولی محمد طریق عشق مین بیٹی درایں منزل	کہ جز مصیر در وحدت کسے پردار کن آیے

ولی محمد اپنے مرشد حضرت صوفی ابراہیم شاہ سے والہانہ عقیدت رکھتے تھے ۔ اس کا اظہار اپنے اشعار مین جا بجا کیا ہے ۔ مثلاً

پیالہ مجھ دیا صوفی شراب بے حجابی کا
ہو یا دیدار دل اندر صنم کے ماھتابی کا

ولی محمد نہ کسی کو کہہ ، طریقت کے کفر مین رہ

صوفی کے رمز سے وہ وہ ، ہوا مطلب الستی کا

ولی محمد کو سیر و سیاحت کا شوق تھا ۔ یہ شوق انھین ایک بار رنگپور تک لے گیا ۔ وہ جذبہ حب الوطنی سے اس قدر سرشار تھے کہ وطن کی محبت کو حج اکبر کے مترادف تصور کرتے تھے اور اس جذبے نے انھین وطن کی واپسی پر بیتاب کیا ۔ ان تمام حالات و کیفیات کا انکشاف ان کے ان شعرون سے ہوتا ہے

اے دل گزر مکان مون چلنا ہے اپن دن مین
رنگپور کا سیر دیکھا اب جاون گا وطن مین
حب الوطنی کے معنی یون حج اکبر ہے
دیکھو ولی محمد تم قلب کے صحن مین

ان کا نظریہ یہ تھا کہ دنیا سے دل لگانے مین ذلت کے سوا کچھ حاصل نہین ۔ اس جہان فانی کی عارضی لذت اور عیش و عشرت مین خسارہ ہی خسارہ ہے ۔ کہتے ہین

دنیا کے دور کی لذت کہ جس کا ہے لقب ذلت
روا اس کی نہین ملت ، مکان ہے تنگدستی کا
دنیا سرائے ماتم جس کو بقا نہین ہے
عاشق مدام رہتے دیدار کے جشن مین
ولی محمد نہ رہ غافل دنیا کا عیش و عشرت کل
اسی کو چھوڑ دے بالکل خسارا ہے خرابی ہے

ولی محمد کو اردو کی طرح فارسی زبان پر بھی مکمل عبور تھا ۔ انھوں نے فارسی میں بھی شعر کہے ہیں لیکن اردو اشعار میں فارسی الفاظ و تراکیب کو جس چابکدستی اور حسن کاری کے ساتھ استعمال کیا ہے وہ ان کی مہارت فن پر دال ہے ۔ ہر شعر میں اردو ردیف "کب آوے" کو برقرار رکھتے ہوئے فارسی طرز کی یہ اردو شاعری انھیں کا ایک کامیاب تجربہ ہے اس طرز کی ایک غزل یہاں نقل کی جاتی ہے ۔ اس غزل میں جذبۂ عشق کی مناسبت سے تلمیحات و تشبیہات بھی ہیں اور گلہائے معنی و خیال کا حسین گلدستہ بھی ۔

صبا دہ مژدہ این مارا کہ آن دلدار کب آوے
وصال یار می خواہم بوی رخسار کب آوے
زوم در گلشن خوباں کشم دیدار کب آوے
چو بلبل در چمن پرسم گل گلزار کب آوے
چو یعقوبے ہجر دارم کہ آن ماہ مصر بینم
زلیخا وار می جویم کہ در بازار کب آوے
بیا ساقی بدہ ساغر کہ من مستم زعشقش او
نہ نوشم بادہ گلگوں بجز میخوار کب آوے
ولی محمد طریق عشق می بینی در این منزل
کہ جز منصور در وحدت کسے بردار کب آوے

اب ان کی اردو غزل نما کافیوں سے چند ایسے شعروں کا انتخاب پیش کیا جاتا ہے جنھیں غزل کے اشعار کہے جاسکتے ہیں ۔ یہ اشعار تغزل و حسن تغزل کی تمام کیفیتوں کے حامل ہیں ۔

عاشق وصال پیا معشوق کے ذقن میں ظلمات سے سکندر خالی نکل گیا وہ
مشتاق ہوں اسی کے بلبل مثل چمن میں دل محو ہوگیا ہے محبوب کے حسن میں

نگہ کر دیکھ یہ ساقی میرے دل کا یقین قائم
ہمیشہ جام صہبا سے دما غم پر خمارا ہے
خدا ہی حال میرے کا نہیں کہ دوسرا واقف
کہ ساری این میں مجھکو ستاروں کے شمارا ہے

سید غلام محمد شاہ گدا

۱۲۵۳ - ۱۳۲۲ ھ
۱۸۳۷ - ۱۹۰۵ ء

سید غلام محمد شاہ گدا قادری المتخلص بہ گدا نہ صرف سندھ بلکہ برصغیر پاک و ھند کے ایک جلیل القدر صوفی اور عظیم المرتبت شاعر تھے - وہ وادی مہران میں افضل الشعراء ، خاقانی سندھ اور آتش ثانی مشہور تھے -

شاہ گدا مشہدی رضوی سادات کے چشم و چراغ تھے - ان کا سلسلہ نسب (۱) حضرت امام علی بن موسیٰ رضا تک پہنچتا ھے - یہ خاندان پہلے مشہد سے قندھار منتقل ہوا پھر عباسی حکمران نور محمد کلہوڑہ کے عہد حکومت میں قندھار سے خداآباد (۲) میں آباد ہوگیا - اس زمانہ میں خداآباد سندھ کا پایہ تخت تھا - تالپوروں کے دور میں خداآباد کی رہائش ترک کرکے حیدرآباد میں مستقل سکونت اختیار کرلی -

شاہ گدا کے والد بزرگوار سید حسن علی شاہ بخاری تالپور حاکم میر نصیر خان کے دربار میں ایک اہم اور معزز عہدے پر فائز تھے - گدا کی ولادت باسعادت ۱۲۵۳ ہجری مطابق ۱۸۳۷ء میں بمقام شہر حیدرآباد سندھ میں ہوئی -

---

(۱) گدا کے ایک ہمعصر رفیق و جلیس میر مرتضائی ٹھٹھوی نے اپنی کتاب مثنوی " یوسف زلیخا " میں گدا کے نام و نسب کا حال ان الفاظ میں بیان کیا ھے :

" سیدالشعراء سید غلام محمد شاہ گدا بن سید حسن علی شاہ بن
سید سچل شاہ بن سید کرم علی شاہ ، خانوادہ این سادات اصلاً
مشہدی اند و نسب ایشان بہ حضرت امام علی بن موسیٰ رضا منتھی میشود "
(بحوالہ حاشیہ تکملہ مقالات الشعراء ، ص ۵۲۷)

(۲) خداآباد - یہ شہر کلہوڑوں کا مرکز تھا یہ مرکز والی سندھ یار محمد خان جس کا خطاب " خداآباد خان ، ثابت جنگ " تھا کے نام سے میاں غلام شاہ خان کی وفات کے بعد میاں سرفراز خان کے عہد میں قائم ہوا - یہ ہالہ سے دو میل کے فاصلے پر واقع ھے - وہاں تالپوروں کے قبے ھیں -

ہوا خوش دل و باغبان دل پذیر
خدا آباد شہر است جنت نظیر
(تاریخ سندھ جلد ششم از مولانا غلام رسول مہر ، ص ۱۰۸۸)

" مظہر حق " ۱۲۵۳ ھ سے ان کی تاریخ تولد نکلتی ھے ۔ ان کا نام سید غلام محمد شاہ رکھا گیا ۔ بعد
مین انھون نے اپنا تخلص گدا اختیار کیا ۔

تاریخی اعتبار سے ان کا زمانہ یون بھی اھمیت رکھتا ھے کہ جب گدا نے اس عالم رنگ و بو مین آنکھین کھولین امیران تالپور کا آفتاب اقبال غروب ھوچکا تھا اور اقبال برطانیہ کا سورج چار سال بیشتر طلوع ھوچکا تھا ۔ زوال تالپور کی انقلاب انگیز صورتحال کے باوجود ان کی تعلیم و تربیت ساز گار ماحول اور خوشگوار فضا مین ھوئی ۔ قرآن مجید اور سندھی کی ابتدائی تعلیم کے بعد ھالا کے مشہور آخوند خاندان کے ایک معزز و محترم معلم مولوی آخوند احمد بن عبدالعلیم ھالائی سے باضابطہ فارسی ، اردو اور علوم دینی کی تکمیل کی (۱) ۔ مولوی آخوند احمد آخوند حاجی فقیر محمد عاجز استاد (۲) محمد بخش واصف جیسے عالی مرتبت شاعر کے ھمعصر تھے ۔ گدا نے عاجز کی طرز پر عقیدتمندانہ غزل بھی کہی جسکا مقطع یہ ھے ۔

این جواب آن غزل عاجز گفت است گدا
" آہ سوزان زدل آدم کہ فرستم بہ سگ "

علوم عربی کی بنیادی تعلیم حافظ حاجی حکیم قاضی سید اسداللہ (۳) شاہ فدا ٹھٹوائی جیسے جید عالم و فاضل اور یکتائے روزگار صاحب نظم و نثر سے حاصل کی ۔ قاضی سید اسداللہ شاہ فدا حضرت خواجہ عبدالرحمن (۴) مجددی سرھندی کے مرید خاص اور متعدد عربی و فارسی کتابون کے مصنف و مولف تھے ۔ گدا نے فدا ٹھٹوائی کی ذات گرامی سے کسب فیض و کمال کا ذکر اپنے ایک

---

(۱) تکملہ مقالات الشعراء ، حاشیہ ، ص ۵۲۷

(۲) مقالہ " فخر الشعرا محمد بخش واصف مرحوم " از حافظ محمد احسن چنہ ، ماھنامہ الرحیم (سندھی) حیدرآباد ، ستمبر اکتوبر ۱۹۶۷ء ۔

(۳) علامہ اسداللہ شاہ فدا ٹھٹوائی کی حیات و خدمات کے لئے ملاحظہ ھو " تذکرہ شعرائے ٹھٹھ از اسد اللہ اسد ٹھٹوائی ۔

(۴) مونس المخلصین (فارسی) مصنفہ خواجہ عبداللہ خان شاہ آغا مجددی سرھندی ۔

شعر مین کہا ھے :

مضامین فہم ، معنی یاب ، صائب فکرت و فائق
سلامت حق‌رکھی ھر جا فدا جھڑی سخندان کی

گدا اردو فارسی اور سندھی کے باکمال شاعر تھے - نثر نگاری مین ید طولی رکھتے تھے (۱) شاہ گدا اپنے وقت کے زبردست عالم بھی تھے اور استادان سخن کے استاد بھی - عالم شباب مین میر محمد خان ولد میر غلام علی خان کرگاون مین رھائش پذیر تھے اس عرصۃ مین میر محمد خان نے ان کے علم و فضل اور شاعرانہ ادراک کی پذیرائی کی - میر صاحب کی نوازشات کا اعتراف گدا نے اس انداز مین کہا ھے -

بادشاہ ھفت کشور باد یا رب تا بحشر
صاحب جود و کـرم میر محمد خان ما

میر محمد خان کی وفات کے بعد ان کے فرزند ارجمند میر شاھنواز خان بھی ان کا بہت احترام کرتے تھے یہان تک کہ ان کے لئے وظیفہ خاص مقرر کردیا تھا - شاھی خلعت اور انعام و اکرام سے بھی نوازا تھا - میر بہرام خان ، میر اللہ بخش خان اور حاکم لسبیلہ حاجی جام میر خان (۲) بھی گدا سے دلی ارادت رکھتے تھے انھون نے بھی قدردانی مین کوئی کسر اٹھا نہ رکھی -

شہزادہ میر عبدالحسین سانگی خلف میر عباس علی خان بن میر محمد نصیر خان آخری تاجدار سندھ کی شاہ گدا کے عقیدت و ارادت کی کوئی انتہا نہ تھی - وہ نہ صرف گدا کی عالمانہ بصیرت اور استادانہ صلاحیتون سے متاثر تھے بلکہ اپنے آپ کو ان کا ایک ادنیٰ شاگرد تصور

---

(۱) " خود در شعر گفتن بزبان فارسی سندھی و اردو ید طولی دارد و در نثر نیز یکتائے عصر بخود است " میر مرتضائی ٹھٹھوی (مثنوی یوسف زلیخا ص ۴۹ - ۵۰) بحوالہ حاشیہ تکملہ مقالات الشعراء ، ص ۵۲۷

(۲)
جام صاحب میر خان سے کیون نہ ھو راضی خـدا
جس کے عدل و معدلت سے ملک " لس " آباد ھے

فتح سندھ کے بعد جب انگریزون نے جام میر خان کو نظر بند کیا اور انکی جگہ لسبیلہ مین پولیٹیکل ایجنٹ مقرر کیا تو اس المناک واقعۃ کا گدا کے دل پر بہت گہرا اثر ھوا انھون نے بارگاہ ایزدی مین جام صاحب لسبیلہ کے اختیار و وقار کی بحالی کی ان الفاظ مین دعا کی -

یا الٰھی تو پھر حکومت دے — جام صاحب غریب پرور کو
فتح و نصرت نصیب ھو دائم — اس عظیم الوقار سـرور کو

کرتے تھے ۔ سالگی نے جس فیاضی و سخاوت کے ساتھ گدا کو انعام و اکرام سے نہال کیا اور وظیفوں سے شاد کام کیا اسکا اعتراف گدا نے احسامندانہ لہجے میں کیا ہے ۔

میر عبدالحسین خان صاحب | فیض بخشی میں اشک دریا ہے
امیر ذو الکرم عبدالحسین خان | گل باغ سخا ہے قدر دان ہے
امیر زمان میر عبدالحسین | گدا کو سخا سے بھلاتا نہیں

تلاش حق اور ذوق طلب کے جنون میں شاہ گدا نے دور دراز کی سیر و سیاحت کی ۔ متحدہ ہندوستان کے علاوہ افغانستان ، عربستان ، عراق ، کربلائے معلّیٰ ، شاہ نجف ، مشہد مقدس ، کوفہ ، بغداد ، کاظمین اور دیگر مقدس مقامات کی زیارتیں کیں ۔ وہاں کے اکابر اسلام سے ملاقاتیں بھی کیں ۔ مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ کے دوران سفر حج بیت اللہ سے بھی مشرف ہوئے ۔

شاہ گدا قادریہ طریقت کے بزرگ تھے ۔ اللہ تبارک تعالیٰ اور سرور کائنات حضرت محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حضرت علی کرم اللہ وجہہ ، حضرت حسن حسین ، حضرت ابوبکر، حضرت عمر ، حضرت عثمان جیسے خلفائے راشدین اور آل نبی سے دلی عقیدت رکھتے تھے ۔
غوث الاعظم حضرت محی الدین قادری جیلانی کو اپنا روحانی مرشد مانتے تھے ۔ ان سب اکابر اسلام کی شان میں فارسی ، سندھی اور اردو تینوں زبان میں رطب اللسان نظر آتے ہیں ۔ ان برگزیدہ شخصیات کی مدح میں وقتاً فوقتاً قصائد بھی کہے ہیں ۔ یہ قصیدے نہ صرف ان کے دینی و مذہبی عقائد کے ترجمان ہیں بلکہ ان کی مہارت فن اور قدرت کلام کا مظہر بھی ۔

آل احمد کا دل و جان سے گدا ہوں اے گدا
روز ازل سے یہ اس بندہ کا اقرار ہوا

اے بنام کبریا یا غوث اعظم دستگیر | اے بحق مصطفٰے یا غوث اعظم دستگیر
تو علی المرتضیٰ شیر خدا جو جسم و جان | تو گل باغ سخا یا غوث اعظم دستگیر
واقف اسرار حق محبوب سبحانی توئی | گوہر بحر تما یا غوث اعظم دستگیر

شاہ گدا نے انتہر (۶۹) سال کی عمر میں ۳ ذوالقعد ۱۳۲۲ ھجری مطابق ۱۱ جنوری ۱۹۰۵ء (۱) کو خطہ حیدرآباد میں داعی اجل کو لبیک کہا اور اسی تاریخی شہر کے آغا قبرستان میں پیوند خاک ہوئے ۔

---

(۱) تکملہ مقالات الشعراء ، ص ۵۲۸

حاجی سید غلام محمد شاہ گدا محمد روشن حیدرآبادی (المتوفی ۱۲۵۶ ھجری مطابق ۱۸۶۹ء) کے شاگرد (۱) تھے - سندھی ، فارسی اور اردو کے قادرالکلام شاعر تھے - اپنے احباب و معاصرین میں معتبر و ممتاز تھے - ان کے علمی و ادبی مرتبہ کے پیش نظر میر عبدالحسین سانگی ان کے سب سے زیادہ معتقد اور قدردان تھے - یہانتک کہ سانگی کو گدا کی شاگردی پر ناز تھا - سانگی نے اپنے ایک شعر میں گدا کو " آتش ثانی " قرار دیا ہے -

فارسی شعر شد بفرمائش
آھی اردو میں آتش ثانی

گدا کو " افضل الشعرا " اور " خاقانی سندھ " (۲) بھی کہا جاتا ھے -

ڈاکٹر شیخ ابراہیم خلیل نے راقم کو بتایا کہ انھوں نے غلام محمد شاہ گدا کے کچھ حالات اور کلام جمع کئے تھے - رشید احمد لاشاری نے کلیات گدا مرتب کرتے وقت ڈاکٹر صاحب کے اس مسودے سے استفادہ کیا تھا - یہ کلیات ۱۹۵۷ء میں سندھی ادبی بورڈ کے زیر اہتمام منظر عام پر آچکا ھے دیوان گدا کے پانچ قلمی نسخے موجود ھیں - ھوسکتا ھے کہ ان پانچ نسخوں میں سے ایک نسخہ وہ ھے جسکا ذکر مولف تکملہ نے ان الفاظ میں کیا ھے - " در ذخیرہ راقم الحروف یک بیاض بخط سید گدا موجود است کہ در ای گدا اشعار خود و دیگر شعرا منتخب کردہ است - در بیاض مذکور غلام محمد گدائے علی - نوشتہ است" - اللہ جانے اب یہ نسخہ کس کی تحویل میں ھے -
ایک قلمی نسخہ پیر حسام الدین راشدی کے نجی کتب خانے میں محفوظ ھے اور ایک نسخہ میر علی احمد تالپور کے پاس ھے - لاشاری نے ان نسخوں سے بھی مدد لی ھے - ڈیمی سائز کے ۳۱۲ صفحات پر محیط اس شعری مرقع مرتبہ لاشاری میں گدا کے سندھی ، فارسی اور اردو کلام کو حسن سلیقہ سے ترتیب دیا گیا ھے - شروع میں سیر حاصل مقدمہ بھی شامل ھے - ابتدا کے دو صفحات میں گدا کی خوبصورت تحریروں کا دیدہ زیب عکس پیش کیا گیا ھے - حصہ اردو میں ایک نعت ، دو منقبتیں در شان علی ، ۲۸ غزلیں ، دو فرد اور دو رباعیات ھیں جن کے مطالعہ سے اردو شاعری میں گدا کا کیا مقام ھے بخوبی اندازہ ھوتا ھے - ڈاکٹر شیخ ابراہیم خلیل کا ارشاد ھے کہ اس کلیات میں گدا کا وہ اردو کلام شامل نہیں جو تلف ھوچکا ھے -

---

(۱) استاد کی وفات پر گدا نے یہ تاریخ کہی :

چون استاد روشن بجنت روان شد
بگفت ای گدا آہ شیرین سخن رفت
۱۲۸۶ ھ

(۲) مقدمہ کلیات گدا ، مرتبہ رشید احمد لاشاری -

مخدوم محمد ابراهیم خلیل ٹھٹھوی گدا کے قریبی دوست اور هم محفل تھے ۔ وہ ان سے دلی عقیدت اور روحانی رابطہ رکھتے تھے ۔ انھون نے اپنی کتاب مین ان کے درویشانہ اوصاف ، علمی و ادبی خدمات اور کمالات کی تعریف‌کی ھے ۔ ایک جگہ گدا کی نظم و نثر سے متعلق لکھتے ھین " خط مرغوب دارد ، نقش نظم و نثر خوب بنگارد ، در علم تاریخی کمال دارد ، در کلام ھندی نہایت صاحب دستگاہ است ۔ در کلام ھندی بغایت مہارت و نہایت خبرت دارد " (۱) ۔ خلیل ٹھٹھوی نے اپنی کتاب مین گدا کی یہ اردو غزل نقل‌کی ھے ۔ یہ غزل کلیات گدا مین درج نہین ھے ۔

گلے مین یار کے شب کو جو هم نے روغ کیا	دو چار جب ھوا اغیار تب دروغ کیـــا
برنگ کرمک شب تاب ھوگیا مہتـــاب	جمال عارض جانان نے جب فروغ کیـــا
شب فراق بھی منظور هم کون تھی شوکت	سیاہ غم کے لئے هم نے آہ طـوغ کیـــا
صفائی قلب کی هر لحظہ کیون نہ هو لازم	خدا نے قوت هماری جو شیر و دوغ کیـا
نہ ایک رات بھی وہ ماہ رو ھوا باھـر	گـدا کے دل نے هزار اسکے غم کا سوغ کیا (۲)

غلام محمد شاہ گـدا بھی شاعری کو عارفانہ تعلیم کا بہترین ذریعہ سمجھتے تھے ۔ خلق خدا کو تعلیمات قرآن کی روشنی مین خوف خدا ، خدمت دین ایزدی شرع اور راہ طریقت کی طرف مائل کرتے تھے ۔ ذکر خدا ، نعت نبی ، وصف علی ، الفت دنیا ، ترک جھان اور حیات و کائنات کے اهم سے اهم نکات کو نہایت صاف واضح اور سلیس الفاظ مین بیان کردیا ھے ۔ ان کی شاعری مین عارفانہ تعلیم کا یہ رجحان بدرجۂ کمال موجود ھے ۔

جو کوئی نشـہ توحید مین سرشار ھـوا	یگان هر دو جھان مین وھی سردار ھوا
ھفت افلاک و زمین مین ھے جو پنہان وعیان	کلمـہ کن سے خدا کے ھے وہ اظھـار ھوا

وقت سحر وقت مناجات ھـے	خواب سحـر مایـہ ظلمات‌ھـے
شکر خدا قاضی‌حاجات ھے	ذکر خدا منبع حسنـات ھـــے
نعت نبی صیقل زنگار دل	وصف علی دافع آفـــات ھــــے

ان کے کلام مین عشق مجازی سے زیادہ عشق حقیقی کا عنصر کار فرما ھے ۔ یہی وجہ ھے کہ ان کی

---

(۱) و (۲) تکملـہ مقالات الشعراء ، علی الترتیب ص ۵۲۳ ، ۵۲۵ ۔

نعتیں والہانہ اور بیساختہ ہیں ۔ نعت گوئی سے ان کو خاص شغف تھا ۔ اس فن پر ان کی ماہرانہ نکتہ سنجی اور استادانہ پختگی مسلم ہے ۔

یہ حضرت لعل (۱) شہباز سے دیوانہ وار شیفتگی کا نتیجہ تھا کہ گدا شاہ نے ان کی زمینوں پر نعتیں کہی ہیں اور ان کی نعتیں شہباز کے قوافی و ردیف سے مرصع ہوتی ہیں ۔ مثلاً شہباز کی غزلیں بہت مشہور ہیں ۔

۱۔ ز عشق دوست هر ساعت درون نار می رقصم
گہی برخاک می غلطم گہی برخاک می رقصم

۲۔ جام ز عشق نوشم و دنیا و دین فروشم
جز این و گر نه گوستم مست است هستم

خاقانی سندھ حضرت گدا شاہ کی ایک فارسی نعت کا یہ رنگ دیکھئے

ز عشق سید الابرار مستم — محمد الله که من هوشیار مستم
دلم قمری سر و قامت اوست — مدام از چشم آن سردار مستم
دلم سودائی زنجیر زلفش — که من از جلوه دیدار مستم
چرا حال دلم درهم بنا شد — ز شوق شربت دیدار مستم
گدا عشق مرا صد آفرین باد — که در هر کوچه و بازار مستم

اب اردو نعت کا یہ نمونہ نذر قارئین ہے ان کی یہ نعت کلیات گدا (ص ٣٣٥ - ٣٣٦) میں "مخمس در شان رسول بر تضمین قدسی" کے عنوان سے شامل ہے ۔

ختم ہے تجھ پہ نبوت اے شہ مطلبی
تیرے محتاج ہیں سب شاہ و گدا شیخ و نبی
ہے مجھے تیری ثنا سے ہی صفائے قلبی
مرحبا سید مکی مدنی العربی
دل و جان باد فدایت چہ عجب خوش لقبی

---

(۱) حضرت لعل قلندر شہباز سیوستانی برصغیر کے ایکمشہور ولی اللہ ہی نہ تھے فارسی کے عظیم شاعر بھی تھے ۔ انکی فارسی شاعری کے بارے میں ملاحظہ ہو مقالہ "حضرت لعل شہباز قلندر کی صوفیانہ شاعری" از وفا راشدی ماہنامہ ماہ نو راولپنڈی مئی جون ١٩٧٦ء

سیدا مجھ کو تری ذات مقدس کی قسم
واسطے تیرے ہے ارض و سما لوح و قلم
نور تیرے سے منور ہوئے دونوں عالم
من بیدل بجمال تو عجب حیرانم

الله الله چه جمالست بدین بوالعجبی

ذات اطہر سے شفا خواہ ہمہ ہر وبی
ہے شفاعت کی قبا جسم مطہر پہ نبی
مثل " قدسی " کے ہے کہتا یہ گدا تشنہ بسی
سیدی انت حبیبی و طبیب قلبی

آمدہ سوئے تو قدسی پئے درمان طلبی ۔ (۱)

گدا شاہ عشق رسول سے اس قدر سرشاروبیخود تھے کہ غزلیں کہتے کہتے عالم محویت میں محبوب مجازی کے تصور سے گزر کر عشق حقیقی کی دنیا میں گم ہوجاتے تھے ۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی غزلوں کے اکثر مقطعے نعتیہ کلام کا جز معلوم ہوتے ہیں ۔

میں گدا روزازل سے ہوں محمد کا غلام　　دل میں حب شاہ مردان قلعہ فولاد ہے

مجھے کیا فکر ہے روز جزا کی　　رسول اللہ شفیع عاصیان ہے
غزل مجھ غلام محمد گدا کی　　زمانے میں ہے داد پانے کے قابل
نہیں اسکے سوا کچھ فخر مجھکو ہردو عالم میں　　کہ ہوں خاک پا آل شہنشاہ مدینے کا
گدا صبح و مسا سائل ہے شاہا آپ کے در پر　　سنو اے منبع احسان سوال اپنے لیے کا لہ مکنیے

---

(۱) شاہ گدا کی یہ ایمان افروز نعت رسالہ صریر خامہ کے معرکہ آرا نعت نمبر (سلسلہ اشاعت شعبہ اردو جامعہ سندھ حیدرآباد ۱۳۹۸ ھ مطابق ۱۹۷۸ء) میں بھی شائع ہوئی ہے۔ اس نعت نمبر کو حمایت علی شاعر نے شیخ ایاز (وائس چانسلر سندھ یونیورسٹی) کے زیر نگرانی نہایت عرق ریزی اور اہتمام سے مرتب کیا ہے نعتوں کا یہ دلنواز روح پرور اور بصیرت افروز صحیفہ ہر اعتبار سے منفرد متنوع اور لائق مطالعہ ہے ۔ نعتوں اور نعتوں سے متعلق مقالات کے اس نادر مجموعے کی اشاعت سے جامعہ سندھ نے ادب و ثقافت کی ایک گران قدر خدمت انجام دی ہے ۔

غلام محمد گدا کے سندھی کلام مین اکثر غزلین ایسی ھین کہ ھر شعر کے دوچار الفاظ کی تبدیلیون سے پوری کی پوری غزل اردو کی کہی جاسکتی ھین ۔ کلیات گدا مین ایسی بے شمار مثالین موجود ھین ۔ ان کا کمال یہ ھے کہ انھون نے سندھی شاعری کو قدیم روش سے ھٹا کر فارسی کی جدید طرز شاعری سے روشناس کرایا ھے ۔ انھون نے شعری ادب مین عصری تقاضون سے متاثر ھوکر نیا رجحان نیا میلان پیدا کیا ھے ۔ وہ تشبیہ اور استعارے کے بادشاہ ھین ۔ اپنے رنگین تصورات اور حسین خیالات سے نہ صرف سندھی بلکہ اردو غزل کو بھی حسن و رنگ کا روپ دیا ھے ماہ ، مہر ، ماہ رخ ، خورشید ، حالمتاب ، خورشید رخا جیسے الفاظ سے آسمان تخیل کو اس خوبصورتی سے سجایا ھے کہ چاند اور چاندنی (۱) کی ٹھنڈک اور سورج کی روشنی مین زندگی حسن و شباب کی گود مین انگڑائی لیتی ھے ۔ یہ سب کچھ فارسی ادبیات کے وسیع و گہرے مطالعہ کا حاصل معلوم ھوتا ھے ۔ شیخ سعدی شیرازی کا شعر ھے

تواضع زیارت کند جاہ را
کہ از مہر پر تو بود ماہ را

گدا کہتے ھین :

کرے گا میرے گھر کو روشن وہ ماہ   جسے کوئی بادل چھپاتا نہین
لب بام آیا ھے شاید وہ ماہ   نکلنے کو اب چاند آتا نہین
بجز میرے ھے کون اے ماہ پیکر   تیرے قدمون پر سر جھکانے کے قابل
دیکھ کر تیرے رخ درخشان کو   داغ ھے دل مین ماہ تابان کو

تشبیہات و استعارات کے ساتھ ساتھ رعایت لفظی ، شوکت الفاظ ، تکرار الفاظ ، خیال افروزی ، مضمون آفرینی کے اعتبار سے گدا کی شاعری مین جدید رجحانات کا رخ پایا جاتا ھے ۔

اس ہنسی لاو نے کردیا بے قدر   لب و دندان سے لعل و گوھر کو
دیکھ کر قامت بلندی دوست   کیون خجالت نہ ھو صنوبر کو
لب شیرین سے اس کو کیا تشبیہ   قند کو ، انگبین کو ، شکر کو

-----

(۱) یہ رومانی فضا ، یہ رنگ شاعری عہد حاضر کے شعراء مین اختر شیرانی مرحوم اور ڈاکٹر عندلیب شادانی مرحوم کے ھان بہت نکھرا نکھرا نظر آتا ھے ۔

کل جو آیا وہ گل اندام گلستان کے قریب　　آگئی جان میں جان بلبل پیمان کے قریب
مرغ دل جاکے پھنسا زلف پریشان کے قریب　　جیسے بلبل ہو کوئی سنبل و ریحان کے قریب
آنکھیں پھرتی ہیں مری اس دل ویران کے قریب　　مست جسطرح سے آہو ہو بیابان کے قریب

کل جو اس گل کا گزر جانب گلزار ہوا　　اس کے عارض کی طرف دیکھ کے گل زار ہوا

" خاقانی سندھ " اور آتش ثانی " نے آتش لکھنوی ، ناسخ لکھنوی اور شمالی ہند کے دیگر شعرائے کرام کے دواوین کا باقاعدہ مطالعہ کیا تھا ۔ وہ اساتذہ قدیم کے افکار و آثار سے کچھ اسطرح متاثر ہوئے کہ خود ان کے فکر و فن میں ان کے اثرات مترشح ہیں ۔ یہی نہیں بلکہ گدا کی شاعری میں ان کے عہد کے ماحول اور عصری تہذیب و تمدن کے نقوش ملتے ہیں ۔ زمانے کی خود غرضی و بے وفائی اپنوں کی بے اعتنائی و طوطا چشمی ، زندگی کی حقیقتوں ، نشیب و فراز ، دکھ سکھ ، حزن وملال اور لیل و نہار کے اثرات کو انھوں نے لطفِ زبان اور اسلوب بیان کے ساتھ پیش کیا ہے ۔ نازک خیالی ، پرواز تخیل ، مضمون آفرین ، قافیہ پیمائی ، فصاحت و بلاغت اور صنائع و بدائع وغیرہ ان کے کلام کی خصوصیات ہیں ۔

جس کا میں بلبل ہوں وہ اشک چمن ملتا نہیں　　x　　جسکا میں کمخواب ہوں وہ اشک چمن ملتا نہیں
کوہکن سا کوہکن ہوں مثل مجنوں دشت دار　　x　　پھر بھی اشک لیلیٰ شیریں سخن ملتا نہیں
بادشاہت جن کی تھی وہ آج ہیں مثل گدا　　x　　آدمی کو داغنا عیش زمن ملتا نہیں
روضہ اشک گلبدن پر جنکو ہر دم ناز تھا　　x　　ہائے انکے واسطے گور و کفن ملتا نہیں
اے گدا مہر خموشی اپنے منہ پر تو لگا　　x　　آہ و زاری سے کبھی غنچہ دھن ملتا نہیں

سائین عبدالغنی قادری

۱۲۷۰ — ۱۳۵۷ ھ
۱۸۴۰ — ۱۹۳۸ ء

صوفی محمد عبدالغنی قریشی قادری عرف سائین غنی اپنے وقت کے مقتدر عالم باعمل ، شاعر بے بدل ، مبلغ اسلام اور ولی کامل تھے ۔ وہ ایک ایسے اعلیٰ علمی گھرانے سے تعلق رکھتے تھے جن کا مسلک فقر و درویش اور ذریعہ معاش زمینداری تھا ۔ سائین عبدالغنی کے جد امجد ۱۸۵۷ ء کی جنگ آزادی کے بعد داناپور (بھارت) سے هجرت کرکے پہلے چھ سال احمد نگر (دکن) مین قیام پذیر ہوئے پھر کراچی مین مستقل سکونت اختیار کی ۔

سائین عبدالغنی کی ولادت ۱۲۷۰ ہجری مین کراچی (سندھ) مین ہوئی ۔ انھون نے ابتدائی تعلیم اپنے بھتیجے حافظ علیم الدین قادری کے زیر نگرانی حاصل کی ۔ علوم باطنی کی تربیت اپنے والد بزرگوار مولانا شاہ محمد بشیر قریشی کے زیر عاطفت پائی ۔ تیرہ سال کی عمر مین سلوک و صفا کی راہ اختیار کی ۔ تلاش حق اور سکون قلب کی جستجو مین سختی سے سخت ریاضتین کین ۔ اجمیر شریف ، احمد نگر (گجرات) اور دیگر مقامات کی خاک چھانی ۔ ترسند عارفان کامل اور بزرگان دین کی صحبتون سے فیضیاب ہوئے (۱) ۔ پہلے اپنے والد ماجد کے پیرو مرشد پیر پگارا سید محمد بقا متغل شاہ قادری کے ھاتھون بیعت ہوئے بعد مین حضرت شاہ گل حسن قلندر قادری کے حلقہ طریقت سے وابستہ ہوکر اکتساب کمال کیا ۔ سائین عبدالغنی کے فرزند ارجمند صوفی شاہ عبدالرشید نے اپنے ایک مضمون مین اپنے والد مکرم کا جو شجرہ پیش کیا ھے اس مین ان کے سلسلہ طریقت سے متعلق جو اشعار درج ھین ان مین سے دو یہ ھین :

گل حسن شاہ قلندر صاحب تجرید اور × حضرت سائین غنی ذی الّقا کے واسطے
بعد ازان حافظ غلام رسول صاحب قادری × بو الرجا شیخ طریقتکی دعا کے واسطے (۲)

سائین غنی ۲۱ ربیع الاول ۱۳۵۷ ھ (۲۲ مئی ۱۹۳۸ء) یوم سجدے کی حالت مین اپنے رب حقیقی سے جا ملے ۔ تاریخ وفات یہ ھے ۔

قطب هند آہ سائین غنی
۱۳۵۷ ھ

---

(۱) حریت میگزین ، ۲۰ جون ۱۹۷۵ء
(۲) رسالہ مرغوب موحدان مطبوعہ ۱۳۵۸ ھ ، ص ۱۳ - ۱۵

سائیں غنی متعدد زبانوں عربی ، فارسی ، سندھی ، سرائیکی اور بھاشا سے بخوبی واقف تھے - عربی کو چھوڑ کر ان سب زبانوں میں ان کی تصانیف نظم و نثر میں موجود ہیں - اردو میں ان کے ملفوظات زیور طباعت سے آراستہ ہوکر منظر عام پر آچکے ہیں - ان کی چند کتابوں کے نام یہ ہیں :

(١) ہدایت توحید حق
(٢) ہدایت خود شناسی
(٣) آئینہ قلندری
(٤) دعائے حلقہ شریف
(٥) دعائے میت و ایصال ثواب
(٦) حزب الصلوٰۃ و اسلام
(٧) ذخیرہ ہدایت خزینہ فراست
(٨) دلائل الخیرات
(٩) پستک پریم گیان اپدیش

اردو شاعری میں سائیں غنی کا پایہ بہت بلند تھا ان کے دو مجموعہ منظومات شائع ہوچکے ہیں -

(١) مثنوی عالم فیض - یہ کتاب پہلی بار ١٩١٧ء میں اور دوسری بار ١٩٦٥ء میں طبع ہوئی - دو حصوں پر مشتمل ہے - پہلے حصے میں ریاضت و مجاہدات کی تشریح کی گئی ہے - دوسرے حصے میں ہندو تصوف اور اسلامی تصوف کا موازنہ ہے اور اس میں اس نکتہ کی صراحت بھی کی گئی ہے کہ اسلام ہی وہ سچا ، مکمل و منظم مذہب ہے جو انسان کو شعور زندگی سے آشنا کرتا ہے -

(٢) دوسرا مجموعہ کلام ہے جو " عرفان غنی " کے نام سے موسوم ہے عالم روحانی کیفیتوں کا کیف آور مرقع اور علم و بصیرت کا گوہر گرانمایہ ہے - ان کی شاعری کا مقصد اللہ و رسول کے احکامات و تعلیمات کا فروغ ، انسانی عظمت کا پرچار اور روحانی و اخلاقی اقدار کا تحفظ تھا - وہ اپنی شاعری کو ماحول و معاشرہ کی اصلاح و تطہیر ، ترقی و ترویج کا بہترین نمونہ سمجھتے تھے - انھوں نے اپنے خیالات و نظریات کو بڑی خوش اسلوبی سے پیش کیا ہے - ان کے کلام میں معنویت کے ساتھ ساتھ مضمون آفرینی بھی ہے اور شعری حسن بھی - وہ بلاشبہ برصغیر کے صف اول کے شعراء میں سے تھے -

خالق و مخلوق ، کائنات و موجودات ، حقائق و معارف اور عشق و عاشقی کے اسرار و رموز کو نہایت سادگی و پرکاری سے اشعار کے قالب میں ڈھال دیا ہے - سچا عشق وہ ہے جو اپنے پروردگار کی ذات بابرکات سے ہو - ان کے نزدیک عمر جاودانی عشق کے راز نہانی میں مضمر ہے -

جز عشق خدا سائین فنی گوشت ہے بے جان
خواہ پیر زمانہ ہو یا کوئی عالی نسب ہو

معشوق سے نہین ہے عشق کی زندگانی
پر عشق ہی سے حاصل ہو عمر جاودانی
پروانہ شمع سے گر واصل ہو جل ہی جائے
ہر جسم عشق اس کا ہوجائے غیر فانی
خود شمع سا ہے روشن اس عشق کی بدولت
عاشق کو عشق ہی سے حاصل ہو زندگانی
گر دل مین عشق پیدا ہو دوستو خدا کا
یہ بھی ہے فضل اسکا بندہ توئی ہے فانی
گر عشق دل مین پیدا مت وصل کی طرف جا
دنیا و دین دونوں کا لطف لے اے جانی
معمولی بات تو یہ سائین فنی نہین ہے
ہر شخص جس کو سمجھے یہ راز ہے نہانی

اپنی ایک غزل مین پہلے موت کی تین قسمیں بتائی ہین پھر زندگی او موت کی اصلیت و ماہیت اسطرح بیان کی ہے -

موت کی تین ہے قسم یارو
اس سے واقف ہین لوگ کم یارو
ایک ہے نیند بھی یہ مثل موت
دوم تن سے جو جائے دم یارو
سوم جو موت اختیاری ہو
ہے خوشی جسمین اور نہ غم یارو
موت جب زندگی کے ساتھ ہی ہو
پھر وجود اور کیا عدم یارو
جسم میرا ہے جگ مین اسکی جان
اور میرا ہے وطن عدم یارو
جون فنی موت سے مرد پہلے
پاوگے ہستی عدم یارو

ہستی و عدم ، موت و زیست ، حقیقت و معرفت ، خود آگہی ، خود شناسی و خدا شناسی کی تعلیم دلنشین و دلکش الفاظ مین دی ہے -

آگاہ اپنی ہستی سے ہر بشر نہین ہے
دنیا سے باخبر ہے خود کی خبر نہین ہے
مشغول سیر مین ہے ہر اک بشر جہان کے
جان کر عجیب چیزوں پر کچھ نظر نہین ہے
ہر ایک غیر شے کی ہستی کا ہے یہ شاہد
اپنی گواہی اس کے مدنظر نہین ہے
خود کیا ہون اور کتنی اشیا سے ہون مرکب
دنیا مین کیا ہون جس کا مجھ مین اثر نہین ہے
صورت مین مثل قطرہ معنی مین شکل دریا
شر خدا سے خالی کوئی بھی شر نہین ہے
گر جیتے جس نہ پایا پس مرگ پائے گا کیا
گر کچھ ادھر نہین ہے توکچھ ادھر نہین ہے

اسلام کی تبلیغ و اشاعت سائین غنی کی زندگی کا نصب العین تھا ۔ ان کی تمنا تھی کہ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو اسلام کی تمام نعمتوں اور برکتوں سے نوازے ۔ ساتھ ھی مسلمانوں کو اللہ کے ارشادات ، رسول اللہ کے اسوۂ حسنہ اور اولیائے کرام کی صالح زندگی کی روشنی مین عمل نیک کی ھدایت کرتے ھین ۔

مسلمانو تمہین اسلام کی نعمت مبارک ہو — سعادت اور ھدایت شان اور شوکت مبارک ہو
رسول اللہ کے ارشاد کو دل سے بجا لاؤ — خدا کے حکم کی تعمیل کی ھمت مبارک ھو
نبی کے اسوۂ حسنہ پہ دل سے بھی عمل کیجئے — کہ تا درگاہ حق سے برکت و رحمت مبارک ھو
شریعت پاک کی تعظیم کی توفیق بخشے حق — معاصی اور شرک کفر سے نفرت مبارک ھو
خدا کی اور نبی کی اور جملہ اولیا کی — عقیدت ھو مبارک جذب اور الفت مبارک ھو
غنی کی التجا ھے بارگاہ حق تعالی مین — مسلمانوں کو ھرمیدان مین نصرت مبارک ھو

سائین عبدالغنی ایک ایسے ولی اللہ تھے جو دنیا والون مین رہ کر اھل دنیا کے حالات و کوائف سے بہت باخبر تھے ۔ دنیا کے آلام و مصائب کو قہر خدا سمجھتے تھے ۔ بداعمالی کے سبب لوگ کے ایک دوسرے کی ایذا رسانی کے درپے ھین ۔ مذھب سے دوری کی بناء پر آنکھوں مین شرم اور دل مین خدا کا خوف باقی نہ رہا ۔ کہتے ھین

کہین کس کومظلوم اور کسی کو ظالم — کہ اک دوسرے کو یہان کھا رہا ھے
یہ ھے شامت نجس اعمال انسان — کہ قہر خدا خلق پر چھا رہا ھے
زمین پر ھے بھونچال یا زلزلہ اب — فلک ناز آفات برسا رھا ھے
تہ آب سیلاب سے کھیتیان ھین — کہ خورشید جون برف پگھلا رہا ھے
کہ جھوٹ اور فریب آج کل مصلحت ھے — جو سچا ھے خون جگر کھا رہا ھے
ھے بازار گرم آج لہو و لعب کا — جسے دیکھو اینٹھا ھوا جارھا ھے
نہ آنکھوں مین شرم اور نہ دل مین ھے ایمان — ھر اک دین مذھب سے کترا رہا ھے
مطلب کے سوا کوئی نہ پوچھے ھے کسی کو — سید ھو کوئی پیر ھو یا عالی نسب ھو
حاضر ھون خدا کے لئے ایسے ھین بہت کم — موجود ھو ھر کوئی جہان اکل و شرب ھو
ھون جس کی تمنا مین فرشتے بھی ھراسان — انسان کو میسر ھو وہ کامل جو طلب ھو

فقیر مظہر علی خان لغاری

۱۲۶۰ — ۱۳۳۰ ھ
۱۸۴۰ — ۱۹۱۰ ء

نواب مظہر علی خان لغاری عہد تالپور کے اس معزز و محترم گھرانے سے تعلق رکھتے تھے جس نے ہمیشہ امیری پر فقیری کو ترجیح دی ۔ اس امیر و کبیر خاندان میں کئی بلند پایہ ادباء و شعراء پیدا ہوئے ۔ سب کے سب درویش صفت لوگ تھے ۔ صوفیانہ زندگی بسر کرتے تھے ۔ اس صوفی خاندان (۱) نے اردو (۲) اور فارسی زبان و ادب کی ترقی و ترویج میں جو گران قدر حصہ لیا اسے تاریخ ادب اردو کبھی فراموش نہیں کرسکتی ۔

نواب مظہر علی خان لغاری جو اپنے خاندان کے دیگر افراد کی طرح خود کو نواب کے بجائے فقیر کہلوانا اور لکھنا پسند کرتے تھے ، وزیر اعظم نواب ولی محمد خان لغاری کے برادر زادہ نواب غلام محمد خان کے چھوٹے صاحبزادے تھے ۔ غلام محمد خان المتخلص بہ غلام (۱۲۰۳ - ۱۲۷۱ھ) ابن نواب علی محمد خان علی (۱۱۶۲ - ۱۲۵۰ ھ) فارسی کے صاحب دیوان شاعر تھے ۔ والی سندھ نور محمد خان تالپور (۱۲۳۹ - ۱۲۵۶ ھ) کے امیر دربار (۳) تھے ۔ ان کا فارسی دیوان موسوم بہ " دیوان غلام " مرتبہ ڈاکٹر نبی بخش خان بلوچ سندھی ادبی بورڈ کے زیر اہتمام منظر عام پر آچکا ہے ۔

مظہر علیخان کی عربی و فارسی و اردو تعلیم علمی و اخلاقی ماحول میں ہوئی ۔ یہ وہ زمانہ تھا جب سندھ پر برطانیہ کی حکومت قائم ہوچکی تھی ۔ انگریزوں کے زیر اقتدار محکمہ آبپاشی میں ملازمت اختیار کی ۔ اس عرصہ میں ان کا قیام قصبہ بدین میں تھا ۔ درگاہ لواری شریف کے بزرگان دین کی صحبتوں سے فیضیاب ہوئے ۔ اللہ والوں سے عقیدت ، طبیعت کی سادگی و مسکینی کی بناء پر ملازمت جاری نہ رکھ سکے ۔ استعفا دیکر اپنے وطن تاجپور آگئے ۔

---

(۱) ملاحظہ ہو نسب نامہ بسلسلہ تذکرہ نواب الہداد خان صوفی ، تیسرا دور کتاب ہذا ۔

(۲) اس علمی و صوفی خاندان کے فارسی شعراء کے تذکرے مقالات الشعراء اور تکملہ مقالات الشعراء میں موجود ہیں ۔ بعض کے کلیات اور دواوین بھی شائع ہوچکے ہیں ۔ ان میں سے چند کی اردو خدمات کا ذکر دور بہ دور زیر نظر کتاب میں کیا گیا ہے ۔

(۳) تکملہ ، ص ۳۵۵ ۔

حصول علم نے انھیں بے چین رکھا جسکی پیاس بجھانے کی خاطر دور دور کا سفر کیا ۔ پہلے راولپنڈی گئے، رنگون میں قیام کیا وہاں دینی تعلیم کی تکمیل کی ، عبداللہ کے نام سے مشہور ہوئے ۔ ظاہری لوازمات پر باطنی کیفیات کو اہمیت دی ۔ علمی و روحانی زندگی کو اپنایا ۔ حلقۂ ارادت میں اضافہ ہوا ۔ رسم دستار بندی کے بعد عازم حج ہوئے ۔ حج بیت اللہ سے مشرف ہونے کے بعد رنگون واپس ہوئے ۔ کچھ عرصہ کے بعد دوبار حرمین شریفین تشریف لے گئے ۔ دوسری بار گئے تو وہیں مستقل سکونت اختیار کرلی ۔ ۱۳۳۰ ھجری میں دیار حبیب کے زیر رحمت خاک مدینہ سے پیوست ہوئے ۔

فقیر نظر علی صاف اور سلیس اردو لکھتے تھے ۔ اکثر خط و کتابت اردو میں کیا کرتے تھے مدینہ منورۃ میں سکونت کے دوران انھوں نے اپنے عزیزوں اور عقیدتمندوں کو خطوط فارسی یا اردو میں لکھے ۔ اردو میں ایک مکتوب میں لکھتے ھیں

" میں اب پیر سن ہوگیا ھوں اور میری سکونت مدینۃ شریف میں ھے " ۔

فقیر نظر علی سندھی فارسی اور اردو میں شعر کہتے تھے ۔ ان زبانوں میں ان کا کلام موجود ھے اردو نثر میں خط لکھنے کے علاوہ اردو میں منظوم خطوط بھی لکھا کرتے تھے ۔ ان کے کلام کا بڑا حصہ تلف ہوچکا ھے ۔ ان کے ایکمکتوب منظوم سے یہ چند اشعار نقل کئے جاتے ھیں ۔

فتح خیبر کیا ناریب جس نے
پہلوان وہ علی حیدر دکھا دے
دکھا ھمشیرہ زادہ تینوں مجھکو
اور انکی آبرو بہتر دکھا دے (۱)

---

(۱) نواب نظر علیخان کی کہانی ان کے بھتیجے نواب عرض محمد خان (ولادت ۱۳۱۰ ھ) کی زبانی بروایت ڈاکٹر نبی بخش خان بلوچ ۔

میر عبدالحسین سانگی

۱۲۶۷ - ۱۳۴۳ ھ
۱۸۵۱ - ۱۹۲۵ ء

خانوادہ حکمران تالپور کے آخری شاعر و ادیب میر عبدالحسین خان سانگی سندھ کی آزاد حکومت کے آخری فرمانروا میر محمد نصیر خان (۱) جعفری کے پوتے اور میر عباس علی خان کے صاحبزادے تھے - یہ خاندان برطانیہ کے ابتدائی عہد حکومت میں عرصے تک کلکتہ میں نظر بند رہا - اس زمانے میں یعنی ۱۸۵۱ ء مطابق ۱۲۶۷ ھ میں بمقام کلکتہ (مغربی بنگال) سانگی کی ولادت ہوئی - ان کی والدہ ایک انگریز خاتون تھیں (۲) - ۱۸۶۲ ء میں جب سانگی کی عمر بارہ سال کی تھی اپنے چچا ہز ہائنس میر حسین علیخان اور دیگر اہل خانہ کے ہمراہ رہا ہوکر اپنے دیس حیدرآباد سندھ واپس آئے (۳) - اس کلکتے کو وہ کبھی نہ بھول سکے جس کو اکبر (۴) ، داغ (۵) اور غالب (۶) ہمیشہ یاد کرتے تھے - غالب کا تعلق کلکتے سے اس قدر تھا کہ جب کلکتہ یاد آتا بے اختیار تڑپ اٹھتے

کلکتے کا جو ذکر کیا تونے ہم نشیں
اک تیر میرے سینے میں مارا کہ ہائے ہائے

اور سانگی کے دل کا یہ حال تھا

پیا رچ پرت جو پیالو الایا الھا الساقی
~~ایلیسٹو~~ اسا نکھو ملک بنگالـو الایا الھا الساقی

سانگی کی بقیہ زندگی وادی مہران کے تاریخی شہر حیدرآباد میں گزری - اوائل عمر میں سانگی کے والد کا انتقال ہوگیا تو ان کے چچا میر حسن علیخان کے زیر نگرانی ان کی پرورش اور تعلیم و تربیت ہوئی - کلکتہ میں ابتدائی تعلیم سید میرزا حسن علی المعروف بہ میرزا بزرگ وفا بن سید میر علی المعروف بہ " موس قلم " سے حاصل کی - حیدرآباد میں آخوند احمد بن آخوند عبدالعلیم ہالائی کے پاس تکمیل کی - پھر اعلیٰ تعلیم سے آراستہ ہوئے کے بعد فرسٹ کلاس اسپیشل مجسٹریٹ کے عہدہ جلیلہ پر فائز رہے - ریٹائر ہونے کے بعد سرکار برطانیہ سے بارہ سو روپئے ماہوار بطور وظیفہ ملتے تھے -

میر سانگی نے ۱۹۲۴ء بمطابق ۱۳۴۳ ھ میں اس دار فانی سے رحلت کی ۔ روضہ حضرت شاہ عبداللطیف بھٹائی کے جوار میں ان کی ابدی آرام گاہ ہے (۷) ۔

سانگی اردو اور فارسی شعر میں اپنا نام عبدالحسین اور سندھی شعر میں اپنا تخلص سانگی لکھتے تھے ۔ اردو اور فارسی میں مولانا ابوالحسن بن مولانا مہدی حسن لکھنوی سے مشورہ سخن کیا ۔ سندھی میں سید غلام محمد شاہ گدا سے استفادہ کیا ۔ گدا سے اردو کلام پر بھی اصلاحیں لیں ہیں ۔ گدا کی ہمہ جہت شخصیت اور انکی استادانہ حیثیت کےبہت معترف و مداح تھے ۔ گدا سے بے انتہا عقیدت رکھتے تھے اور انکی بے پناہ عزت و احترام کرتے تھے ۔ انھیں گدا کے ہم محفل و ہم نشین اور شاگرد ہونے پر فخر تھا ۔

رہ گیا ہوگا جو مضمون کوئی مجھ سے مخفی   برملا اس کو یقین شاہ گدا کردے گا

استاد سخن آہی گدا شاعر یکتا   بے مثل جو آہی اقلیم سخن جو شہسوار

سانگی کو علم موسیقی سے بھی شغف تھا ۔ شاہ لطیفکی طرح ان کے اکثر اشعار موسیقی و شعریت کا حسین امتزاج ہیں ۔ شاہ لطیف کی زندگی اور فیضان کو انھوں نے اپنے لئے مشعل راہ بنائی اور ان کے افکار عالیہ سے متاثر ہوکر شعر کہے ۔ شاہ صاحب کو میر صاحب اپنا روحانی مرشد تصور کرتے تھے ۔ اپنی والہانہ عقیدت کا اظہار اس انداز میں کیا ہے ۔

لطف لطیف شامل حالم اگر نہ ہو   تو شاہراہ عشق میں میرا گزر نہ ہو

سانگی امیر زادے تھے ان کے رہن سہن اور رکھ رکھاو سے بیشک امیرانہ وضعداری عیاں تھی لیکن اخلاق و کردار ، اخلاص و مسرت اور سادگی و بلند نفسی کے لحاظ سے ایک درویش صفت انسان تھے مزاج میں فقیری اور طبیعت میں انکساری ان کی شخصیت کی نمایاں خصوصیت تھی ۔ درویشوں اور فقیروں کی صحبتوں میں بہت خوش رہتے ۔ ذہنی طور پر متوسط طبقے اور غریب عوام سے بہت قریب تھے ۔ ان کی شاعری کا ایک حصہعوامی زندگی کا عکاس ہے ۔ مناظر قدرت اور دلفریبی کائنات کی نقاشی بھی کی ۔ حالات و سماج کے کوائف کا جائزہ بھی لیا ۔ غم جاناں کے ساتھ ساتھ غم دوراں کی تصویریں بھی پیش کیں ۔ غرض کہ ان کے افکار جمیل حیات انسانی اور ذہنی ارتقاء کے بہت سے اہم پہلووں پر محیط ہیں ۔ چند اشعار ملاحظہ ہوں ۔

جو دل کے آئینے کو بے غبار رکھتے ہیں ۔۔۔ وہ ساری خلق خدا سے بھی پیار رکھتے ہیں
جہاں میں اہل جہاں بے شمار رہتے ہیں ۔۔۔ مگر وہ کم ہیں جو یاروں کے پیار رکھتے ہیں
غریب ملک عدم کو اگر ہیں جلنا تو کیا ۔۔۔ ہمیشہ دہر میں کب مال دار رہتے ہیں

سندھی زبان تو سانگی کے آباد و اجداد کی زبان تھی ۔ انھیں عربی فارسی اور اردو زبانوں میں کامل دستگاہ تھی ۔ انگریزی زبان سے بھی بخوبی واقف تھے ۔ سانگی کے ایک فاضل ہمعصر تذکرہ نگار مخدوم محمد ابراہیم خلیل ٹھٹھوی نے تکملہ مقالات الشعراء میں ان کی یہ اردو غزل نقل کی ہے جسے سانگی نے انھیں خود پیش کی تھی ۔ (" فقیررا ایک غزل ہندی از ایشان بدست رسید سپو[؟]یسم (٨)) ۔

جو شب کو آنے کا دلبر نے مجھ سے روغ کیا
میں سمجھا سچ ہے مگر اس نے تو دروغ کیا
کیا جو اس بت کافر نے جلوہ بوسر حسام
سراج خانۂ طارم کو بیفروغ کیا
جلایا شعلۂ رخسار گل نے دامن سرو
خیال قامت جاناں نے اس کو طوغ کیا
جو زہر ہاتھ سے دلبر کے مل گیا مجھ کو
پیا جو اس کو تو معلوم مثل دوغ کیا
چمک میں اس کے تو اندھا بھی دیکھ سکتا ہے
زیادہ مہر سے بے مہر نے فروغ کیا
فقیر سلسلہ اپنا رہا ہے عبد حسین
کبھی نہ خواہش جاہ و نشان وطوغ کیا

میر سانگی سندھ کے وہ باکمال سخنور ہیں جنھوں نے سندھی ادب کو قدیم رجحانات ، پرانے خیالات اور فرسودہ مضامین کے بجائے جدید رجحانات ، اچھوتے خیالات نئے نئے موضوعات عطا کئے ۔ بات کا ایک انداز پیدا کیا ۔ فارسی عروض کے اصول پر بحر و وزن کی پابندی کے ساتھ اردو نظمیں اور غزلیں

کہیں ۔ انھوں نے قدیم اساتذہ سخن سے بھی استفادہ کیا ۔ روایات کو برقرار رکھتے ہوئے جدت طرازی سے بھی کام لیا اور پیر حسام الدین راشدی کے الفاظ میں " سندھی غزل میں ان سے بہتر کوئی شاعر نہیں گزرا " (۹) ۔ بالخصوص سندھی ادب کو نہ صرف اردو فارسی بلکہ انگریزی کے بھی لاتعداد الفاظ دیئے ۔ انگریزی کے عام اور ہلکے پھلکے الفاظ کو جس خوبی سے اپنے کلام میں استعمال کیا وہ ان کی غیر معمولی ذہانت ، فطری صلاحیت اور افتاد طبع کی دلیل ہے ۔ ان کے کلام میں موج سخن ، فصل گل ، لطف گل ، سرخ رخسار ، داغ لالہ ، زلف سنبل وغیرہ جیسے الفاظ کثرت سے استعمال ہوئے ہیں ۔ علاوہ بریں فارسی تراکیب ، اصطلاحات ، استعارات ، تشبیہات ، محاورات کے تجربے سندھی و اردو اشعار میں بھی اس بے ساختگی کے ساتھ کئے گئے ہیں کہ ان میں قند پارسی کا لطف پیدا ہوگیا ہے اور یہ ایک سندھی شاعر کا بڑا کارنامہ ہے ۔ غرض کہ ان کا دامن فکر گلہائے رنگا رنگ سے گلستان سدا بہار بنا ہوا ہے ۔ سانگی نے حیدرآباد میں سندھی شاعروں کا سلسلہ جاری کیا اور اسطرح ان کا زمانہ سندھی اور اردو دونوں ~~کی~~ زبانوں کے شعر و ادب کے لئے بڑا مبارک زمانہ ثابت ہوا ۔

سانگی کا دیوان ایسے اشعار سے بھرا پڑا ہے جسمیں حسن و عشق کے گہرے نقوش ثبت ہیں رنگ تغزل کے حسین و رنگین اشعار بھی ہیں ۔ کلام میں پختگی ، برجستگی اور صفائی ہے ۔

دندان و لب کی یاد میں رویا ہوں عمر بھر ۔۔۔ کیوں اشک میری چشم کا لعل و گہر نہ ہو

پروانہ وار جلنے کی پروا نہیں مجھے ۔۔۔ پروانہ و شمع روکو مری جب خبر نہ ہو

گر تجھے قدر نہیں؟ لیکن زمانے میں یقیں ۔۔۔ یاد رہ جاوے مری مہر و وفا میرے بعد

" سیف ابرو " انھوں کی ہے جو کمال ۔۔۔ تیر مژگاں نہیں کشا رہے ہیں

یہ لطف پیر مغاں سے پوست کامل نہیں ۔۔۔ پری کو شیشے میں یکدم اتار رکھتے ہیں

ان کی بعض غزلیں سہل ممتنع کا عمدہ نمونہ ہیں

صرعہ غیر ہوگیا دلچسپ ۔۔۔ حسن تیرا عجب سہانہ ہے

ہے جہاں ساقی ولے و مطرب ۔۔۔ اپنا زاہد وہاں ٹھکانہ ہے

~~ہے جہاں ساقی ہے~~

عمر گزری ہے میری یار عبث ۔۔۔ غم ہجراں میں بے قرار عبث

گل بدن سے ہوا نہ اپنا وصال ۔۔۔ رہ گیا دل میں خار خار عبث

اب هین چالیس دو برس گزرے | شب جوانی کا انتظار عبث
ہون مین عبدالحسین اے زاهد | مجھے دیتا هے خوف نار عبث

اس مین کوئی شک نہین کہ عبدالحسین کا اردو کلام اس پائے کا نہین جس پائے کا سندھی کلام هے سارا کلام فنی عیوب سے پاک نہین هے - متروک الفاظ کثرت سے مستعمل هین - بعض مقامات پر سندھی لہجہ کی کارفرمائی هے - شاعری مین اغراق ، غلو اور تجاهل عارفانہ جیسی صفات فن عروض کے محاسن مین سے هین لیکن ابتذال ، الہام ، اسقام وغیرہ محاسن شعری کی ضد هین - ان کی اردو غزلون مین ، جو کہ سیف ابرو اٹھون کی ، جیسے الفاظ سے شعری ذوق کو ٹھیس پہنچتی هے - اگر ایسے اشعار ان کے دیوان مین شامل نہ ہوتے تو کوئی مضائقہ نہ تھا - یہ بہرحال لائق ستائش هے کہ ان کی زبان صاف اور اسلوب سادہ هے کہین کہین الفاظ کی بندش ، بیان کی برجستگی و بے تکلفی اور انداز خیال قابل داد هے اور یہ ایک سندھی نژاد شاعر کیلئے بہت بڑی بات هے - اب " دیوان سانگی " سے کلام سانگی کا ایک اجمالی انتخاب نذر قارئین هے -

عشق بازون کا ہوا خاتمہ بالخیر ابھی | عالم الغیب سے آئے گی ندا میرے بعد
عبدالحسین تیغ زبان بر سر عدو | اک وار ایسا مار جو پھر باخبر نہ ہو
اشک سے جس کے ہوشیے آب گلاب | یان مرے گل کا وہ بچھنا هے
کٹ رنگین یار نازک هے | نہین مشروع مے کا پینا هے
ہر مژگان کے لطف و عنایات دیکھ کر | مسجد سے اٹھکر ساکن بتخانہ بن گئے
دو کالے سانپ یار کے لب زہر دار هین | شانہ کچھ سنبھال کے زلفین سنوار ہئے
اب هے عبدالحسین وقت نشاط | کوئے جانان مین آج جانا هے
مشہور اپنا نام تو مستانہ ہوگیا | اپنے جنون کا خلق مین اضافہ ہوگیا
لے کے عبدالحسین کا کل یار | اپنی گردن مین آپ ڈالا سانپ
شمع کے نور سے پگھلتے هین | اپنی آتش مین آپ جلتے هین
مل کہین جا مین کوئی صاحب دل | اسی امید پر هی چلتے هین

حسن روزافزون کو تیرے دیکھ کر اے مہ لقا
هے خیال یار مین آئینہ حیران آجکل
دهر مین عبدالحسین ہر طرح کے کھیلے هین شکار
اب نہ کچھ باقی رہا هے دل مین ارمان آجکل

میر عبدالحسین سانگی کی کافیاں مجموعی شکل میں " سوز سانگی " کے نام سے منظر عام پر آچکی ہے ۔ ان کا پہلا دیوان دو حصوں میں ۱۹۰۳ء میں اشاعت پذیر ہوا جو کافیوں ، غزلوں اور قصیدوں پر حاوی ہے ۔ ۱۹۵۲ء میں مسلم ادبی پریس حیدرآباد (سندھ) نے ان کا دوسرا دیوان دو جلدوں میں شائع کیا جو " دیوان سانگی " (۱۰) کے نام سے موسوم ہے ۔ اس دیوان میں بھی سندھی کے علاوہ فارسی اور اردو کلام شامل ہے ۔ یہ سارا کلام مختلف اصناف سخن پر مشتمل ہے ۔ دیوان کے پہلے حصے میں ایک مبسوط دیباچہ سندھی زبان میں شامل ہے ۔ اس دیباچے کے شروع میں سانگی کے مختصر حالات زندگی درج ہیں پھر ان کی سندھی شاعری کے مختلف پہلوؤں پر بالتفصیل بحث کی گئی ہے لیکن ان کی اردو شاعری کو کوئی اہمیت نہیں دی گئی ۔ اس دیوان میں فارسی زبان میں بھی ان کا خاصہ کلام ملتا ہے ۔ اردو اور فارسی کلام کافی جاندار اور زوردار ہے ۔ اس کی افادیت کو کسی طرح نظر انداز نہیں کیا جاسکتا ۔ سانگی کے فارسی دیوان کا ایک مخطوطہ ان کے ایک عزیز کی ذاتی لائبریری میں راقم کی نظر سے گزرا ہے ۔ ڈاکٹر نبی بخش بلوچ نے سانگی کی کلیات مرتب کی ہے اور اسے سندھی ادبی بورڈ حیدرآباد کے تحت شائع فرماکر سندھی اور اردو کی بڑی گرانقدر خدمت انجام دی ہے ۔

علاوہ ازیں کلام سانگی کے دیگرمجموعے یہ ہیں

(۱) بیک جنگ ۔ فارسی اردو سندھی کلام پر مشتمل ہے ۔

(۲) مثنوی فارسی

(۳) دیوان مراثی خطی (فارسی)

(۴) قصہ گل رنگ و گل اندام (سندھی) مطبوعہ ۱۹۰۳ء

(۵) لطائف لطیفی (مطبوعہ ۱۹۶۷ء) ۔ سانگی کی فارسی نثر نگاری کا اعلی نمونہ ہے ۔ حضرت شاہ عبداللطیف بھٹائی کی زندگی ، شخصیت ، فن ، شاعری سے متعلق پہلی جامع و مستند کتاب ہے یہ کتاب شاہ پر کام کرنے والوں کے لئے بنیادی مآخذ کی حیثیت رکھتی ہے ۔

حاشیــــه

(۱) میر محمد نصیر خان جعفری (۱۲۱۹ - ۱۲۶۱ ھ) بن میر مراد علی خان والی سندھ ۱۸۴۳ء میں انگریزوں کے سندھ پر تسلط کے بعد ۱۷ فروری ۱۸۴۳ء میں گرفتار (۱) کئے گئے - پہلے بمبئی پونہ اور ساسور میں مقید رہے اور آخر میں کلکتہ میں محبوس رہے جہاں ۷ ربیع الثانی ۱۲۶۱ ھ میں قید حیات سے نجات پائی - قید فرنگ کے آلام و مصائب کا حال اپنے سفر نامہ منظوم میں رقم کیا ھے -

ز ساسور اول بہ پونہ شدیم	دو روز و دو شب نیز آنجا بدیم
سہ روزہ دگر بود آنجا مقام	گرفتار از غم بہر صبح و شــام
دو ھفتہ چو کشتی بہ پیمودہ را	بیاسـد شتابان بـوقت چـگاہ
درون کلکتـہ شہر آمـد ز راہ	نمود شد لنگر دران جائـگاہ

میر صاحب فارسی اور اردو میں شعر کہتے تھے اور جعفری تخلص کرتے تھے - بقول ڈاکٹر نبی بخش بلوچ " جعفری علم و ادب کے مربی اور شعر و سخن کے بڑے قدردان تھے " (۲) تکملہ مقالات الشعراء ~~...~~ میں انکا تذکرہ اور نمونہ کلام شامل ھیں - حسب ذیل تصانیف (۳) ان کی علمی و ادبی خدمات کی مظہر ھیں - (۱) دیوان فارسی (۱۲۳۳ھ) (۲) سفر نامہ جعفری (۱۲۶۰ھ) (۳) مثنوی احوال سفر حیدرآباد تا بمبئی (۴) مثنوی احوال سفر کلکتہ (۵) مثنوی مرزا و صاحبان (۶) مثنوی مختار نامہ (۱۲۳۱ھ) (۷) مکاتیب جعفری مرتبہ میر حسن علیخان حسن بن جعفری (۸) دیوان جعفری اردو (۱۲۶۱ھ) -

(۱- تذکرہ لطفی جلد دوم ص ۵۵ ۲- سندھ میں اردو شاعری ، ص ۸۳
۳- تکملہ مقالات الشعراء تذکرہ جعفری) -

(۲) حاشیہ تکملہ مقالات الشعراء ، ص ۳۸۳

(۳) مضمون " میر عبدالحسین سانگی " از اللہ بخش عقامانی ، ماھنامہ نئی زندگی (سندھی) جنوری ، ۱۹۶۵ء -

(۴) مقالہ " اکبر الہ آبادی اور کلکتہ " از وفا راشدی ، مطبوعہ ماہنامہ نگار کراچی ، اکبر الہ آبادی نمبر ، ۱۹۶۹ء ۔

(۵) ملاحظہ ہو مثنوی فریاد داغ ، مرتبہ تمکین کاظمی ۔ مقالہ " داغ اور کلکتہ " از وفا راشدی مطبوعہ ماہنامہ قومی زبان کراچی ، ۱۹۷۹ء ۔

(۶) مقالہ " غالب اور کلکتہ " از وفا راشدی ، مطبوعہ سہ ماہی اردو نامہ ، کراچی اکتوبر ، ۱۹۷۲ء ۔

(۷) راقم کو حضرت شاہ لطیف اور میر سانگی کے مزارات پر انوار کی زیارت کا شرف حاصل ہے ۔

(۸) شعلہ ، ص ۳۸۳

(۹) سندھی ادب ، ص ۹۵

(۱۰) دیوان سانگی کا ایک نسخہ راقم الحروف کے نجی کتب خانہ میں موجود ہے ۔

مرزا قلیچ بیگ قلیچ

۱۲۷۰ - ۱۳۴۸ ھ
۱۸۵۳ - ۱۹۲۹ ء

شمس العلماء مرزا قلیچ بیگ سندھ کے نامور عالم ، ادیب ، شاعر ، مصنف ، مورخ ، نقاد ، محقق ، افسانہ نگار اور ڈرامہ نویس تھے ۔ وہ مرزا فریدون بیگ کے فرزند ارجمند تھے جو فرمانروائے تالپور میر کرم علی خان کے عہد حکومت میں گرجستان سے ہجرت کرکے سرزمین سندھ میں آباد ہو گئے تھے (۱) ۔

۱۸۴۳ء میں جنگ میانی میں انگریزوں کے ہاتھوں شکست کے بعد خاندان تالپور کے افراد کو گرفتار کرکے بمبئی اور کلکتے میں نظربند کردیا گیا ۔ انھیں پرآشوب ایام میں مرزا فریدون بیگ نے شاہی محل سے نکلکر حیدرآباد کی ایکنواحی بستی " ٹنڈو ٹھورو " میں (۲) سکونتاختیار کرلی ۔ مرزا قلیچ بیگ نے ۳ اکتوبر ۱۸۵۳ء (۱۲۷۰ھ) میں اسی پھلیلی کی وادی میں اپنے خورشید حیات کی پہلی کرنیں دیکھیں ۔

مرزا قلیچ بیگ اوائل عمر سے طباع ، ذہین و ذکی تھے ۔ قرآن مجید اور دینیات کی ابتدائی تعلیم محلے کے مدرسے میں مولوی آخوند شفیع محمد سے حاصل کی ۔ قاضی حاجی احمد مثار بن متعلوی نے عربی و فارسی کی تعلیم دی ۔ اینگلو ورینکولر اسکول میں پرائمری تعلیم کے بعد گورنمنٹ ھائی اسکول حیدرآباد سے میٹرک فرسٹ ڈیویژن میں پاس کیا ۔ اسی اسکول سے ان کو میرٹ کی بنیاد پر " ایلس پرائز " ملا ۔ بمبئی کی مشہور درسگاہ الفنسٹن کالج سے بی اے کیا ۔ مسٹر لکشمن وشنو موھو اور مخدوم مکی جیسے لائق اساتذہ نے قلیچ بیگ کی تعلیم و تربیت میں دلچسپی لی ۔ پروفیسر مرزا حیرت نے اس لڑکے کو جوھر قابل دیکھکر ان کے کیریر پر خاص توجہ دی ۔ انھیں کی سفارش پر قلیچ کو " فیلو شپ " کا اعزاز بھی عطا ہوا (۳) ۔

---

(۱) مضمون " حالات مرزا قلیچ " از مولانا عبدالواحد سندھی ، ماھنامہ ماہ نو کراچی ، فروری ۱۹۵۱ء

(۲) ٹنڈو ٹھورو حیدرآباد شہر کی شرقی جانب پھلیلی نامی پر فضا علاقے میں واقع ھے ۔

(۳) مقالہ مرزا قلیچ بیگ از محمد ابراھیم جویو ، ماھنامہ نئی زندگی (سندھی) کراچی ، ستمبر ۱۹۶۳ء ۔

میٹرک میں تھے کہ والد مکرم کا سایہ سر سے اٹھ گیا ۔ بی اے کی طالب علمی کے دوران ۱۸۷۶ء میں والدہ ماجدہ کی ممتا سے محروم ہوگئے ۔ فکر معاش نے متفکر کیا ، تحصیلداری کے امتحان میں امتیازی کامیابی حاصل کرنے کے بعد شکار پور (۱) کے تحصیلدار مقرر ہوئے ۔ دیانت داری ، حسن کارکردگی اور بھرپور انتظامی صلاحیتوں کی بدولت ترقی کرکے ڈپٹی کلکٹر کے اعلیٰ عہدے پر فائز ہوئے۔ تیس برس کی ملازمت کے بعد ۱۹۰۹ء میں ۵۵ سال کی عمر میں پنشن لی ۔

حکومت برطانیہ نے مرزا صاحب کی علمی و ادبی خدمات کے اعتراف میں انھیں ۱۹۲۳ء میں " شمس العلماء " کا خطاب تفویض کیا ۔ فرمانروائے ہند کی جانب سے " قیصر ہند " کا طلائی تمغہ عطا ہوا ۔ اہل سندھ نے " محسن زبان سندھ " اور وفات کے بعد اخبارات و رسائل نے " سعدی سندھ " بابائے سندھ " کے القابات سے نوازا ۔

مرزا صاحب نے دو شادیاں کیں ۔ پہلی شادی ۱۸۸۸ء میں سردار بہادر شیخ محمد اسماعیل کی دختر نیک اختر سے ہوئی جو ۱۹۰۲ء میں جنت الفردوس کو سدھاریں ۔ مرزا صاحب نے یہ تاریخ وفات کہی ۔

از سال وفات او نمودم چو سوال
ہاتف بجواب گفت ، ذی عصمت بود
۱۳۲۲ ھ

دوسری شادی مرزا قزلباش بیگ کی صاحبزادی سے ہوئی ۱۹۰۸ء میں وہ بھی داغ مفارقت دے گئیں۔ رفقائے حیات کے پیہم صدمات سے مرزا صاحب کی صحت روز بروز گرتی گئی ۔ کامیاب زندگی گزارنے کے باوجود زندگی سے مایوس ہوگئے ۔ یہانتک کہ بیس سال پیشتر اپنی قبر اور کفن کا انتظام کرلیا تھا ۔ اپنی تاریخ وفات بھی کہہ ڈالی تھی ۔

عمرم بہ ہمین سال چوہفتا شد و ہفت — آمد ملک الموت ز درگاہ حق آخر
از فرط مسرت زدم آہے و بمردم — در عالم ارواح رسیدم دم دیگر
تاریخ وفا تم چون دلم خواستہ از غیب — ہاتف ز کرم کرد عدالت موقر
۱۳۴۸ ھ

سفر حیات کی ۷۶ ویں منزل پر پہنچکر ۳ جولائی ۱۹۲۹ء کو اپنے ان گنت پرستاروں کو ہمیشہ کیلئے

---

(۱) ان دنوں صوبہ سندھ کراچی حیدرآباد اور شکارپور تین ضلعوں پر مشتمل تھا ۔

چھوڑ کر اپنے معبود حقیقی سے جا ملے ۔ مرحوم کے ایک عزیز دوست نے ھجری میں یہ تاریخ وفات نکالی ۔

دشت از ذھن و ذکا و اخر ھیب
سال رحلتش بگو شاغل ادیب
۱۳۴۸ ھ

اور سن عیسوی میں یہ مصرعہ

ھم دگر گوشد ابد شمس غروب
۱۹۲۹ء

مرزا صاحب کے نجی کتب خانہ میں مختلف موضوعات سے متعلق قدیم و جدید کتب کا خاصہ ذخیرہ موجود ھے ۔ متعدد علوم و فنون کے نوادرات بھی ھیں ۔ خود مرزا صاحب کے قلم سے لکھے ھوئے کئی سو مسودات محفوظ ھیں ۔ ان مخطوطات کو انھوں نے " ابکار الافکار " کے تحت ترتیب دیا تھا جن میں غالب ، ظفر ، ذوق ، داغ ، میر ، مومن ، آتش اور دیگر اساتذہ سخن و شعرائے اردو کے شعری انتخابات شامل ھیں ۔ شعبہ انگریزی کو " جیمس " کا نام دیا گیا ھے ۔ مرزا صاحب کے بڑے صاحبزادے مرزا اجمل بیگ اور منجھلے فرزند مرزا اسد بیگ اس اھم لائبریری کے مہتمم و ~~ہیں~~ نگران ھیں (۱) ۔

ڈاکٹر نبی بخش خان بلوچ مرزا قلیچ بیگکی تصنیفات و تالیفات سے متعلق رقمطراز ھیں :

" قلیچ بیگ تین سو سے زائد کتابوں کے مصنف ، مترجم اور مولف ھیں ۔
ڈراما ، ناول ، مقالات ، تاریخ منعت فلسفہ تعلیم سائنس طب ، تصوف ، سوانح فرھنگ ھر موضوع پر قلم اٹھایا اور اکثر علوم پر کتابیں مرتب کرکے تعلیمی ضرورت کو پورا کیا " (۲) ۔

---

(۱) راقم کو برادر ڈاکٹر شیخ محمد اسماعیل ~~خلف~~ خلفِ اکبر تاج الشعراء ڈاکٹر شیخ محمد ابراھیم کی معیت میں کتب خانہء قلیچ ، بمقام ٹنڈو ٹھورو ، حیدرآباد سے استفادہ کا شرف حاصل ھے ۔

(۲) سندھ میں اردو شاعری ، ص ۲۵۵ - ۲۵۶

ڈاکٹر پروفیسر میمن عبدالمجید سندھی تحریر فرماتے ھیں

" مختلف علوم و فنون پر آپ نے چار سو سے زیادہ کتابیں تصنیف و تالیف کیں ۔ تاریخ اخلاق ، نباتات ، حرف و نحو ، علم عروض ، علم صنائع و بدائع ، علم قوافی ، فلسفہ ، تصوف ، مذھب ، ادب ، ناول قصہ ، مثنوی ، رباعی ، ناٹک ، فلسفہ اللسان ، تعلیم نسواں غرض ھر علمی اور سماجی ضرورت پر مرزا صاحب کی تصنیف یا تالیف موجود ھے " (۱)

کتب خانہ قلیچ سے استفادہ اور ان کے فرزندوں سے رابطے کے بعد راقم السطور نے مرزا صاحب کی مطبوعہ و غیر مطبوعہ تصنیفات و تالیفات کے بارے میں جو معلومات حاصل کی ھیں ان کی روشنی میں جملہ کتب کی تعداد چار سو ستاون ھے جسکی تفصیل حسب ذیل ھے ۔ مرزا صاحب مندرجہ ذیل زبانوں کے علاوہ ترکی اور پشتو سے بھی واقف تھے لیکن ان زبانوں میں ان کی کوئی تحریر دستیاب نہیں ۔

(۱)	سندھی کتابیں	۳۸۵
(۲)	انگریزی	۴۱
(۳)	فارسی	۲۲
(۴)	عربی	۳
(۵)	بلوچی	۱
(۶)	اردو	۵
	کل تعداد	۴۵۷

رشید فرزانہ پور ڈائرکٹر فرھنگ ایران لاھور نے اپنے ایک فارسی مقالے (۲) میں مرزا صاحب کی کتابوں سے متعلق بھی تفصیلات درج کی ھیں ۔

---

(۱) تاریخ ادبیات مسلمانان پاکستان و ھند ، تیرھویں جلد ، ص ۶۰۹ - ۶۱۰

(۲) اس مقالہ کا سندھی ترجمہ ماھنامہ نئی زندگی ، کراچی ، مئی ۱۹۷۵ء میں راقم کی نظر سے گزر چکا ھے ۔

ارباب [۱] ریاست خیرپور نے مرزا قلیچ بیگ کے شایان شان قدر افزائی کی [۲] - انکی فرمائش پر مرزا صاحب نے متعدد کتابیں اخلاقیات اور تعلیم کے موضوع پر اردو اور سندھی میں لکھیں اور ریاست خیرپور کے نصاب میں شامل ہوئیں - چند کے نام یہ ہیں -

(۱) جواہر الاخلاق ۱۹۱۵ء (۲) اخلاق القرآن و حدیث ۱۹۱۵ء

(۳) فرائض انسانی ۱۹۱۵ء (۴) خمان الفردوس ۱۹۱۵ء

(۵) حقائق الارواح ۱۹۱۷ء (۶) ریاست خیر پور ۱۹۲۳ء

(مقالہ ارباب خیرپور کی علمی و ادبی خدمات از وفا راشدی ماہنامہ پیغام کراچی ، جون ۱۹۷۶ء ، میں ان کتابوں کی تفصیلات درج ہیں) -

تاریخ اردو ادب مرزا صاحب کی ان اردو تصانیف کے تذکرے کے بغیر مکمل نہیں ہوسکتی

(۱) مخزن القوافی المعروف بہ تحفۃ الشعراء - فارسی و عربی الفاظ پر مشتمل ردیف و قوافی - مطبوعہ پیسہ اخبار لاہور ، ۱۸۹۸ء -

(۲) سودائے خام - حصہ اول فارسی اور سندھی کلام کا مجموعہ ہے - مطبوعہ ۱۹۱۲ء

(۳) حصہ دوم - اردو فارسی و سندھی کلام کا مرقع - غیر مطبوعہ -

(۴) خصائص القرآن - اللہ اور قرآن کی باتیں - سن تالیف ۱۹۲۱ء

(۵) ابکار الافکار - شعرائے متقدمین ، متوسطین و متاخرین کے کلام کا دلآویز انتخاب - غیر مطبوعہ

---

(۱) مضمون مرزا قلیچ بیگ اور ریاست خیرپور مخدوم علی حداد مطبوعہ ماہنامہ نئی زندگی کراچی ، جولائی ۱۹۷۲ء -

(۲) ۱۹۰۷ء میں آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کا اکیسواں اجلاس سندھ مدرسۃ الاسلام کراچی میں منعقد ہوا - تیرہ سو کے قریب مہمان سردار محمد یعقوب وزیر ریاست خیرپور کی دعوت پر آئے جنمیں علاوہ تمام صوبوں کے حیدرآباد دکن ، میسور ، رنگون ، اور برما تک کے نمائندے شامل تھے آنریبل شیخ صادق علی نے کانفرنس کے فنڈ میں پانچ ہزار روپئے دینے کا اعلان کیا - تین ہزار ہزہائنس میر خیرپور کی جانب سے اور دو ہزار روپئے زمینداران سندھ کی جانب سے عطا کئے گئے تھے مولانا الطاف حسین حالی نے صدارت فرمائی اور دو بڑی ہی ولولہ انگیز نظمیں پڑھیں - مرزا قلیچ بیگ نے بھی ارباب خیرپور کی جانب سے اکیس اشعار کا ایک استقبالیہ فارسی قصیدہ پڑھا جسکے چند اشعار یہ ہیں :

مرحبا اے صاحبان ہند ذوالعز و وقار　　مرحبا اے اہل علم و عقل و حکم و اختیار

شد ز تشریف شما ہم سندھ را حاصل شرف　　شد ز تشریف شما سندیان را افتخار

ماندہ در علم و ہنر پس تر ز دیگر ملکہا　　آمدہ در سیم و زر مفلس ترین از ہر دیار

طاقت خدمت گزاری کاش اگر می داشتیم　　برشما بے شک ہما کردیم گوہر ہا نثار

بیش ازاین لازم نباشد فرض احوال اے قلیچ　　سامعان ہم دین و ہمدرد عدو غمگین غم گسار

(علیگڑھ تحریک اورقومی نظمیں مولفہ الطاف علی بریلوی ، ص ۲۵۸ تا ۲۶۹)

مرزا قلیچ بیگ نے انگریزی ، عربی ، فارسی ، سرائیکی ، پنجابی ، بروھی ، سندھی اور اردو میں شاعری کی لیکن وہ بنیادی طور پر سندھی اور اردو کے شاعر تھے ۔ ان کی تحریر و تقریر میں دین اور ایمان اور عرفان و بصیرت کا عنصر غالب ہے ۔ تصوف سے انھیں خاص لگاو تھا دین حق اور عشق رسول کی پیروی و تبلیغ ، آدمیت ، خدمت ، صداقت ، اخوت و اتحاد انکی زندگی کا نصب العین تھا ۔ ان کا اپنا ارشاد ہے ۔

ہیں ہم صوفی سب کو بلاتے رہیں گے ۔۔۔ اور ایک دوسرے سے ملاتے رہیں گے
اخوت دکھائیں گے اور آدمیت ۔۔۔ صفت صلح کل کی بھی گاتے رہیں گے
رہیں گے جس قوم و ملت میں اس میں ۔۔۔ صداقت کا ڈنکا بجاتے رہیں گے
کبھی بتکدے میں کبھی میکدے میں ۔۔۔ مغو کو کھلاتے پلاتے رہیں گے
نہ پائیں گے دیر و مسجد میں جاتی ۔۔۔ توہم در کا حلقہ ہلاتے رہیں گے
سنا کر سبھوں کو فسانہ عجائب ۔۔۔ یہ نوبت ہنساتے رلاتے رہیں گے
قلیچ ایسے ہمدم ملیں گر تو ان کو ۔۔۔ تصوف کے نکتے سناتے رہیں گے

رنگ تصوف کے چند اشعار دیکھئے :

تری عشق کو میں سدا چاہتا ہوں ۔۔۔ محبت تری جابجا چاہتا ہوں
نہ شاہی وزیری سے مطلب ہے میرا ۔۔۔ تیرے در پہ ہونا گدا چاہتا ہوں
قلیچ اس جہان میں غرض ہے نہ کسی سے ۔۔۔ خدا چاہتا ہوں خدا چاہتا ہوں
فکر نا خوف ماضی کے گناہوں کا قلیچ اتنا ۔۔۔ قیامت میں شفاعت کو محمد مصطفے آوے

کلیم اور رب کلیم کا رشتہ کلیمانہ ، اسکے راز و نیاز ، اسرار و رموز کوہ طور کی تجلیوں سے منکشف ہوئے ۔ کلیم ، طور ، موسیٰ ، برق ، تجلی جیسے الفاظ نے غزل کے دامن کو وسعت بخشی ہے ۔ یہ الفاظ کہیں تلمیحات ، کہیں تشبیہات اور کہیں استعارات کی صورتوں میں استعمال ہوئے ہیں ۔ اس قسم کے الفاظ نے صوفیانہ شاعری کو بھی چار چاند لگائے اور رنگ تغزل کو بھی نکھارا ۔ غالب سے لیکر مرزا قلیچ تک کے ہر دور کے شعراء کے کلام میں یہ الفاظ نگینے کی طرح جڑے ہوئے نظر آتے ہیں

کیا فرض ہے کہ سب کو ملے ایک سا جواب × آو نہ ہم بھی سیر کریں کوہ طور کی (غالب)
کہاں کہاں دل مشتاق دید نے یہ کہا × وہ چمکی برق تجلی وہ کوہ طور آیا (داغ)
گری گی طور پھر اک اور بجلی × چمکتا ہے رخ روشن کسی کا (داغ)
خستگی کلیم نے نکتہ عجب سمجھا دیا × ورنہ حریف میں بھی تھا اس مژہ دراز کا (وحشت کلکتی)

جلوہ طور کی آرزو اور دیدار یار کی حدت کی دلکش و دلنواز تصویر سندھ کے مرزا صاحب نے کچھ اس طرح بنائی ھسے -

لحظہ اک دیدار سے فارغ کبھی رہتے نہیں
چشم موسیٰ کو تو حسرت رہ گئی دیدار کی
(مرزا قلیچ)

مرزا غالب نے اردو نثر اور اردو شاعری میں جن ترقی پسند میلانات کی داغ بیل ڈالی تھی - سندھ میں مرزا قلیچ بیگ نے اس تحریک کو آگے بڑھایا - سندھ کے مرزا صاحب دھلی کے مرزا ثانی داغ کے علاوہ امیر و جلال کے جوان سوال ھمعصر تھے - انھوں نے اپنے معاصرین کی خصوصیات شاعری کو پیش نظر رکھا - یہی وجہ ہے کہ ان کی مختلف غزلوں میں مختلف اساتذہ کے رنگ و آھنگ نمایاں ھیں - مرزا صاحب شگفتہ مزاج اور زندہ دل شاعر تھے - ان کے کلام میں بھی ان کی شوخی ، بانکپن اور شگفتگی بڑی برجستگی اور رفتگی کے ساتھ نمایاں ہے -

نالہ رخا سمن برا سرو قدا تو کون ہے — سنگدلا ستمگرا ماہ و شا تو کون ھسے
دیکھتے ھی تجھے میرے عقل و حواس اڑ گئے — صبر و قرار دین و دل جملہ گیا تو کون ھے
تیغ نگہہ سے اسے سجن تونے کیا جہان کو قتل
حور ، پری ہے یا ملک ، سچ تو بتا تو کون ہے

جاتی نہیں ہے ذہن سے بو شراب کی — وہ وہ شراب ، اشک ہے کوثر کے آب کی
بل کھاکے زلف نے لیا اک دل بعد کمند — کہہ کیا سکوں حکایتیں اس پیچ و تاب کی
روئے منیر دیکھ کے حالت بدل گئی — شمع طرب کی ماہ کی اور آفتاب کی
دل ایسا محو ھوگیا محبت میں یار کے — طاقت رہی نہ مجھکو سوال و جواب کی
عالم تھا بیخودی کا عجب کیا کروں بیان — مطلق میان سے اٹھ گئی حاجت حجاب کی
جل جل گیا رقیب حسد سے اے دوستو — دیکھو تو شکل اس خیر ، خانہ خراب کی
مت خوف کر عتاب قیامت سے اے قلیچ — لی ہے پناہ میں نے شہ بو تراب کی

مرزا صاحب نے غالب کی جدت طبع ، جودت فکر ، داغ کی روزمرہ محاورات ، لطف زبان ، امیر مینائی کی رعایت لفظی اور جلال لکھنوی کی جذبات آمیزی سے بطور خاص استفادہ کیا ھے - ان کے شعری مجموعے کا نام ، " سودائے خام " ہے جو آپ کے صاحب دل اور سودائی عشق کی غمازی کرتا ھسے -
(۱)

داغ کا رنگ انھیں زیادہ پسند تھا ۔ اس رنگ کے چند اشعار ملاحظہ ہوں ۔

دیدۂ مست اٹھایا نہ کرو ، فتنۂ خفتہ جگایا نہ کرو
گالیاں دیتے ہوں کیوں اے ظالم ، بے دلوں کو تو ستایا نہ کرو
خون ہوتا ہے جگر عاشق کا ، لب کو لالی تو لگایا نہ کرو
خنجر و تیر چلایا جاتا ہے ، آنکھ سے آنکھ لڑایا نہ کرو
غیرت آتی ہے مجھے بے غایت ، سر دم عام میں جایا نہ کرو

مرزا قلیچ نے رباعی ، قطعہ ، تاریخ ، مرثیہ ، قصیدہ ، مثنوی اور غزل غرضکہ اردو کی ہر صنف سخن پر طبع آزمائی کی ہے ۔ غزل ان کی مخصوص صنف تھی ۔ انھوں نے سندھی غزل کو جدید اسلوب ، نئے خیالات ، نئی زندگی اور نیا حسن عطا کیا ۔ اسی طرح سندھ میں سب سے پہلے انھوں نے اردو غزل کو بھی جدت و ندرت ، صفائی و روانی زبان و بیان کے جواہر سے آراستہ کرکے اردو غزل کو بھی ایک نیا روپ دیا ۔ ان کا نام اور کام بہت نمایاں ہے ۔ ان کی غزل میں حسن و شباب کی رعنائیاں و رنگینیاں بھی ہیں اور عشق و سرمستی کو توانیاں بھی ۔ انھوں نے اردو غزل کی روایات کو خوش اسلوبی سے زندہ رکھا ۔ رشک و بدگمانی رفاقت و شکوہ ، جور و جفا ، مہر و وفا ، ہجر و وصل ، زلف و رخسار ، قتل و ستم ، گل و عارض جیسے لوازمات شعری اور واردات قلبی سے غزل کے سراپا کو فکر وفن کے آئینے میں سنوارا اور نکھارا ۔ غزل وہ واحد صنف ہے جو اپنی وسعت و ہمہ گیری اور وسیع الدامانی کی بناء پر کبھی انحطاط پذیر نہیں رہی ۔ بلانک ورس یروز پوئم (نثری نظم) اور نظم آزاد کے دعویداروں نے اس پری پیکر کو رسوائے سربازار کرنے کیلئے کیا کیا جتن نہ کئے لیکن غزل اتنی سخت جان نکلی کہ ہر دور میں اپنا جادو جگا کر رہی اور آج بھی اس کا جادو سر چڑھکر بول رہا ہے ۔ اس گفتگو کا حاصل یہ ہے کہ سندھ کے شعرائے اردو بھی غزل کی ماہیت و اہمیت سے بے خبر نہ رہے انھوں نے بھی سرزمین سندھ میں غزل کی آبیاری کی اس ضمن میں مرزا قلیچ کی خدمت بڑی اہم ہے ۔ دور حاضر کے جوان فکر شعراء میں شیخ ایاز کی اردو غزل اسکی بہترین مثال ہے ۔

اب مرزا صاحب کا رنگ تغزل دیکھئے ۔

تیرے ہجر میں عمر گزری ہے ساری ، ترا ساتھ تیری ملا چاہتا ہوں

سارے عالم میں ہوا اندھیرا   شمع عارض (۱) کو چھپایا نہ کرو
خال پر زلف (۲) بنا رکھتے ہو   طائر دل کو پھنسایا نہ کرو
قلیچ جورو جفا سے نہ ڈر رقیبوں کے   خراب ان کو کریگا خدا دیکھ تو سہی
جب دیکھتا ہو عارض روشن ترا جانی   یاد آتا ہے ایک پل میں مجھے شمس و قمر سے
یکرنگ تیری عشق میں ہردم ہوں اگرچہ   رگ رگ مری ہلتی ہے تری ظلم و قہر سے
قتل کو عاشقوں کے ایک مژہ کا تیر کافی ہے   دل دیوانہ کو ایک زلف کی زنجیر کافی ہے
میں تیری وصل کی امید قطع کے مطلق   یقیں بوسہ (۳) نہ دوگے بھلا دیکھو تو سہی
میں نے کی عرض جب اسے بوسہ (۴) دو قلیچ کام ہوں   ناز و ادا سے ہنس کے وہ کہنے لگا تو کون ہے

مقطعوں یا شعروں میں تعلی و شیخی سخنوران اردو کا شیوا رہا ہے ۔ مرزا قلیچ بیگ بھی خود ستائی و خود ستائشی کے اس نفسیاتی اثر سے نہ بچ سکے ۔ شاید اسلئے کہ بقول علامہ جمیل مظہری

بقدر پیمانۂ تخیل سرور ہر دل میں ہے خودی کا
اگر نہ ہو یہ فریب پیہم تو دم نکل جائے آدمی کا
(نقشِ جمیل)

میر شاعر بھی اور کوئی تھا   دیکھتے ہو نکات کا اسلوب (میر)
بندش الفاظ جڑنے سے نگوں کے کم نہیں   شاعری بھی کام ہے آتش مرصع ساز کا (آتش)
ادائے خاص سے غالب ہوا ہے نکتہ سرا   صلائے عام ہے یاران نکتہ دان کیلئے (غالب)
داغ سا بھی کوئی شاعر ہے بھلا سچ کہنا   جسکے ہر شعر میں ترکیب نئی بات نئی (داغ)
صناع مثل آتش ہیں مرزا اثر بھی   دیکھو تو جڑ رہے ہیں الفاظ کے نگین (اثر لکھنوی)

دلی اور لکھنو کے مرزا صاحبان کے بعد اب سندھ کے مرزا صاحب کو سنئیے :

کیا عجب شعر لکھا شاعر شیریں گفتار   جس کے ہر لفظ سے آتا ہے سواد گل قند
راضی ہے صنم میرا قلیچ ایسی غزل پر   کمتر نہیں قیمت میں کبھی در و گہر سے

مرزا قلیچ فارسی ترکیبوں اور تشبیہوں کے دلدادہ تھے ۔ ان کے ہاں فارسی و اردو الفاظ کا حسین امتزاج بھی ملتا ہے ۔ بعض غزلیں فارسی ردیف و قوافی کے ساتھ کہی ہیں ۔ ~~اسلوب میں~~

---

(۱) الہی آتش رخسار جاناں ہی بھڑک اٹھے × الہی آگ لگ جائے اسے جو پردہ حائل ہے (داغ)
(۲) ذرا ڈالدو ابھی زلفوں کا سایہ × مقدر بہت نا رسا ہے کسی کا (داغ)
(۳) غنچہ شگفتہ کو دور سے مت دکھا کے یوں × بوسہ کو پوچھتا ہوں میں منہ سے مجھے بتا کہ یوں (غالب)
(۴) بوسہ بازی سے مری ہوتی ہے ایذا انکو × منہ چھپاتے ہیں جو ہوتے ہیں حیا سے پیدا (داغ)

شمس الدین بلبل

۱۲۷۴ - ۱۳۳۷ ھ
۱۸۵۷ - ۱۹۱۹ ء

ملک الشعراء بلبل سندھ ، شمس الدین بلبل سندھ کے نامور عالم ، مفکر ، شاعر ، ادیب ، صحافی اور مزاح نگار تھے ۔ شمس الدین خان بلبل کے والد مکرم بہادر خان ولد کمال خان میہڑ کے زمیندار تھے لیکن علم و تصوف سے شغف رکھتے تھے ۔ بلبل کے ماموں آخوند نہال خان میہڑ ضلع دادو کے مشہور عالم دین گذرے ھیں (۱) ۔

دین اسلام کا یہ شمس سن اٹھارہ سو ستاون عیسوی (۱۸۵۷ء) میں سندھ کے ایک شہر میہڑ میں طلوع ھوا ۔ باسٹھ سال تک اس سرزمین کو اپنی فکر و دانش کی روشنی سے تابان و درخشان رکھنے کے بعد سن انیس سو انیس عیسوی کے ماہ ستمبر میں ھمیشہ کیلئے غروب ھوگیا ۔

بلبل خوش نوا کی دائمی مفارقت کے رنج و غم کا اظہار ان کے ھمعصر و ھم محفل احباب نے مرثیے اور قطعات کی صورت میں کیا ۔ مرحوم کے رفقائے خاص میر عبدالحسین خان سانگی اور مرزا قلیچ بیگ کے قطعات تاریخ وفات حسب ذیل ھیں :

عبدالحسین سانگی

افسوس زین گلستان شد بلبل خوش الحان — اندر عزائی او گشت توام گل و گلستان
گل از فراق رویش در سینہ داغ دبہاد — و از یاد غم فرد رنجت رنگ و طراوت آن
در بینہ عدد گیر فانی تو واو تشبیہہ — تا سال رحلت او گرد و عیان بہروزان
گفتا بگوش ھوشم پیر خرد کہ گردید — گل از فراق بلبل پژمردہ و پریشان

۱۳۳۷ ھ

مرزا قلیچ بیگ

شاعر ملک سندھ شمس الدین — کہ از و بود عالمی بہ شگفت
بلبل بود او کہ با منقار — در معنی عجیب ای صفت
بود او شمس بر سپہر سخن — کرد آخر غروب و روی نہفت
سال فوتش بفکری جستم — زود ھاتف چراغ مجلس گفت

۱۳۳۷ ھ

---

(۱) کتاب " بلبل سندھ " مولفہ ڈاکٹر شیخ محمد ابراھیم خلیل ، ص ۲۰۱

شمس الدین کی تعلیم و تربیت ان کے والد بہادر خان کے زیر نگرانی ہوئی ۔ اس زمانے کے رواج کے مطابق عربی ، فارسی ، سندھی اور اردو کی تعلیم حاصل کی ۔ ذاتی مطالعہ اور محنت سے مختلف علوم اور ادبیات پر حاوی ہوگئے ۔

۱۸۷۲ء مین تعلیم سے فارغ ہونے کے بعد اسی سال داروغہ [1] کے عہدے پر فائز ہوئے سرکاری ملازمت ان کی طرز فکر آزادی طبع اور علمی مزاج کے خلاف تھی اسلئے زیادہ عرصے ملازمت نہ کرسکے اور ملازمت ترک کردی ۔

شمس الدین بلبل فطری طور پر ایک ذہین ، طباع ، عالی ظرف ، عالی دماغ اور روشن ضمیر شخص تھے ۔ ان کا زمانہ متحدہ ہندوستان مین انگریزون کے خلاف حصول آزادی کی جدوجہد کا زمانہ تھا ۔ سرسید احمد خان کی علیگڑھ تحریک نے برصغیر کے تمام صوبون کے مسلمانون مین بیداری کی روح پھونک دی تھی ۔ سرسید کی تعلیمی تحریک کے زیر اثر جس بیدار مغز اور دانشمند رہنما نے سندھ کے مسلمانون کو جدید تعلیم اور انگریزی تعلیم کی طرف راغب کیا وہ خان بہادر حسن علی آفندی [2] ۲ء میں حسن علی نے علیگڑھ مین سرسید اور ان کے رفقاء سے تبادلہ خیال کیا ۔ دارالعلوم علیگڑھ کو دیکھا اور اسکی روشنی مین اپنی اسکیم مرتب کی [3] انھون نے قومی مقصد کے تحت ۱۸۸۵ء مین سندھ مدرسۃ الاسلام [4] کراچی کی بنیاد رکھی اور سرسید سندھ کے لقب سے زندہ جاوید ہوگئے ۔ سرسید احمد خان کے رفقائے کار مولانا الطاف حسین حالی ، علامہ شبلی نعمانی ، نواب وقارالملک ، نواب محسن الملک کی طرح سندھ کے سرسید ، حسن علی آفندی کے مشن کو کامیاب و کامران بنانے کی خاطر سندھ کے جن ارباب علم و دانش نے مسلسل محنت و کاوش اور پیہم جدوجہد کی ان مین اللہ بخش ابو جھو [5] مخدوم الشعراء الحاج محمود

---

(۱) بلبل سندھ ، ص ۶

(۲) تذکرہ لطفی جلد سوم ، ص ۳۶۱

(۳) علیگڑھ تحریک کا شاہکار ، سندھ مدرسۃ الاسلام از الطاف علی بریلوی ، ص ۱۰

(۴) تذکرہ لطفی جلد سوم ص ۳۶۲ ۔ علیگڑھ تحریک کا شاہکار سندھ مدرسۃ الاسلام کراچی از سید الطاف علی بریلوی ، ۱۹۵۴ء ۔

(۵) اللہ بخش ابو جھو کے حالات و خدمات کیلئے ملاحظہ ہو مقالہ از مخدوم امیر احمد مرحوم ، نئی زندگی ، کراچی ، مارچ ۱۹۶۲ء ۔

خادم لاڑکانوی (۱) ، مرزا قلیچ بیگ ، میر عبدالحسین سانگی اور شمس الدین بلبل کے اسمائے گرامی ہماری قومی تاریخ میں روشن میناروں کی سی حیثیت رکھتے ہیں ۔

شمس الدین بلبل نے تحریک آزادی میں جو گران قدر خدمات انجام دی ہیں ان کے بعض پہلوؤں کا سرسری ذکر زیر نظر مقالے میں ناگزیر ہے ۔ شمس الدین بلبل حسن علی آفندی کے دست راست اور مشیر خاص تھے بلکہ بقول مولانا غلام محمد گرامی " وہ آفندی کے دست و بازو تھے " (۲) سرسید احمد خان نے آل انڈیا ایجوکیشنل کانفرنس قائم کی ۔ حسن علی آفندی نے سندھ محمڈن ایسوسی ایشن کی داغ بیل ڈالی ۔ سرسید نے رسالہ " تہذیب الاخلاق " جاری کیا ۔ حسن علی نے ۱۸۸۹ء میں ہفتہ روزہ اخبار " معاون " (۳) ۔ کراچی کا اجرا کیا اور اسکی ادارت کے فرائض بلبل کے سپرد کئے ۔ بلبل نے بحیثیت ایڈیٹر معاون جو ادارئیے اور مضامین نظم و نثر لکھے وہ نہ صرف ان کے ایک بیباک اور حقیقت پسند صحافی ہونے کے شاہد ہیں بلکہ حسن علی کی سیاسی ، علمی و تعلیمی تحریک کے لئے بیحد موثر و مفید ثابت ہوئے ۔

بلبل ہی معاون کے علاوہ مختلف اخبارات " کراچی گزٹ " " خیر خواہ لاڑکانہ " مسافر حیدرآباد " الحق اور آفتاب سکھر کے بھی ایڈیٹر رہے ۔ ان اخبارات نے جدوجہد آزادی جاری رکھنے اور سندھی مسلمانوں میں سیاسی شعور ، علمی و تعلیمی رجحانات پیدا کرنے میں خاص حصہ لیا ہے۔ انہیں اخبارات کی بدولت ہی یہاں کے عوام میں اسلامی مساوات و قومی وحدت کے جذبات اور آزادی وطن کی تڑپ کے ساتھ ساتھ خود اعتمادی ، خود شناسی اور ترقی و عروج کے احساسات پیدا ہوئے ۔ ۱۹۰۲ء میں انہوں نے میہڑ میں مدرسۃالاسلام (۴) قائم کیا ۔ بعد میں وہ مدرسہ ہائی اسکول بن گیا اور رہتی دنیا تک بلبل کی زندہ جاوید تعلیمی یادگار رہیگا ۔ بلبل جتنا اچھا لکھتے تھے اتنی اچھی تقریر بھی کرتے تھے ۔ ۱۹۰۷ء میں آل انڈیا ایجوکیشنل کانفرنس کا ایک اجلاس (۵) زیر صدارت مولانا الطاف حسین حالی منعقد ہوا جس میں برصغیر کے اکابر قوم نے شرکت کی ۔ سرسید احمد خان کے رفیق خاص نواب وقار الملک ہی بھی شریک تھے اس اجلاس میں شمس الدین بلبل نے جو تقریر کی وہ اردو میں تھی اور معرکہ آرا تھی ۔

---

(۱) مقالہ شمس الدین بلبل مطبوعہ نئی زندگی کراچی اکتوبر ۱۹۶۵ء ـ مقالہ از مخدوم امیر

(۲) تذکرہ مشاہیر سندھ از مولانا دین محمد وفائی ، ص ۱۹۲ ۔

(۳) معاون نے سندھ کے مسلمانوں کی تعلیمی و سیاسی بیداری میں نہایت اہم کردار ادا کیا ۔

(۴) تذکرہ مشاہیر سندھ ، ص ۱۹۸

(۵) تفصیلات کیلئے ملاحظہ ہو رپورٹ " ایجوکیشنل کانفرنس اور سندھ " از حافظ محمد رحیم دہلوی مطبوعہ آل پاکستان ایجوکیشنل کانفرنس ۱۹۵۲ء ۔

سر سید احمد خان نے امام غزالی کی کتاب حجۃ الاسلام پر اپنی ایک کتاب مین کچھ اعتراضات لکھے تھے ۔ بلبل نے اردو مین ان اعتراضات کے مدلل و عالمانہ جوابات لکھے وہ مضامین مختلف اخبارات و رسائل مین شائع ہوئے (۱) ۔

شمس الدین بلبل عربی فارسی سندھی اور اردو سے بخوبی واقف تھے ۔ عربی کے سوا دیگر تینون زبانون مین نظم و نثر بڑی روانی و برجستگی اور ~~بےتکلفی~~ شگفتگی سے لکھتے تھے ۔ تصوف ، تفسیر ، حدیث ، فقہ ، سیرت ، مناظرہ ، فلسفہ ، شعر و عروض ، نعت ، معانی ، سیاست اور تاریخ سے متعلق ان کی تصنیفات و تالیفات موجود ہین ان کی کتابین نظم مین کم اور نثر مین زیادہ ہین ۔

<u>نثر کی کتابین</u>

(۱)	قلندری میلہ	(حضرت لعل شہباز قلندر کے عرس اور میلہ کا دلچسپ حال)	ہری سنگھ پبلیشرز ، سیوک پریس لاہور ۔	
(۲)	تین چہار (تیرہ برس)	(مزاحیہ رنگ مین اصلاحی مضامین کا مجموعہ)	اسلامی پریس ، لاہور	
(۳)	بہار عشق	(عاشقانہ خطوط)	ہری سنگھ پریس سکھر	
(۴)	آئینہ تجارت مایہ ظرافت	(طنز و مزاح)	اسلامی پریس ، لاہور	
(۵)	جھٹ سوال پٹ جواب	" "	وکٹوریہ پریس سکھر	
(۶)	حل تجربات یعنی شمس اللغات	(ظریفانہ رنگ مین الفاظ کے معنی و مطالب)	البرٹ پریس سکھر	۱۹۰۵ء
(۷)	ظریف الدولہ	(ظریفانہ رنگ مین لفظون کی تشریح)	" "	"
(۸)	گلزار لطائف	(مجموعہ لطائف)	" "	"
(۹)	عقل اور تہذیب	(اخلاقی و معلوماتی)	" "	۱۹۱۳ء
(۱۰)	قرض کا مرض اور اسکا علاج	(اصلاحی و تبلیغی)	" "	"
(۱۱)	صد پند سود مند	(اصلاحی)	" "	"

---

(۱) بلبلِ سندھ ، ص ۵۲

(۱۲) مسلمانان سندھ کی تعلیم اور سرکار) (اصلاحی) البرٹ پریس سکھر ۱۹۱۳ء

(۱۳) انگریز اور مسلمان (سیاسی و اصلاحی) " " "

(۱۴) مسلمان اور تعلیم (سیاسی و اصلاحی) " " "

(۱۵) حرز البیان شرح قانون وقف علی الاولاد " " "

(۱۶) جامجم (مسلمانان سندھ کے سیاسی مسائل) " " "

(۱۷) گنجینۂ معرفت (تصوف و معرفت)

(۱۸) بحث بازی

(۱۹) کاروبیشن کپ

(۲۰) شمس المکاتیب فارسی - یہ کتاب بلبل کی فارسی انشاء پردازی کی عمدہ نمونہ ہے -

نظم کی کتابیں

(۱) دیوان بلبل (سندھی) مفید عام پریس ، لاھور

(۲) دیوان بلبل (فارسی)

(۳) بہارستان بلبل (فارسی سندھی اور اردو کلام کا مجموعہ)

(۴) مداح سرور (فارسی ، سندھی اور اردو نعتیہ تخلیقات کا مرقع)

(۵) کریما نیچرل (سندھی) البرٹ پریس سکھر

(۶) رحیما (سندھی) (یہ طویل نظم شیخ سعدی کی کریما کے طرز پر ظریفانہ رنگ میں لکھی گئی) مطبع روشن کراچی

(۷) احسن التواریخ یا عمدت التواریخ (۱)

---

(۱) بلبل کی کتب نظم و نثر کی یہ فہرست ڈاکٹر شیخ ابراھیم خلیل کی کتاب موسوم بہ " بلبل سندھ " سے ماخوذ ہے - راقم نے اپنے مشفق و بزرگ کرمفرما ڈاکٹر صاحب قبلہ سے مذکورہ تالیف کے علاوہ بلبل کے حالات ، کمالات و خدمات کے بارے میں براہ راست معلومات حاصل کی ھیں -

شمس الدین بلبل نے سندھی ادب میں مزاح نگاری کی بنا ڈالی ۔ وہ سندھ کے پہلے شاعر ہیں جنھوں نے اردو کے مشہور مزاح نگار اکبر الہ آبادی کی ظرافت کو اپنایا ۔ انھوں نے اکبر کے رنگ اور اپنے مخصوص انداز میں مغربی تہذیب کی خامیوں اور برطانوی حکومت کی چالوں سے عوام کو آگاہ و باخبر کیا ۔ مولانا غلام محمد گرامی مرحوم نے درست لکھا ہے کہ " بلبل کا طنزیہ اسلوب نہایت تعمیری اور افادی ہے " (۱)

حقیقت یہ ہے کہ بلبل نے نہ صرف خود انگریزی پڑھی بلکہ زوردار الفاظ میں عوام کو بھی انگریزی پڑھنے کی تلقین کی ۔ انھیں کا یہ مصرعہ ہے

" پڑھو انگلش انگلش انگلش "

ڈاکٹر شیخ ابراھیم خلیل اپنے ایک مقالے (۲) میں رقمطراز ہیں " شمس الدین بلبل نے تقاضائے وقت کے مطابق اکبر الہ آبادی کے طرز پر طنزیہ شاعری کی ۔ ان کی شاعری میں ماحول و معاشرے کا صحیح عکس پایا جاتا ہے ۔ انھوں نے مسلمان نوجوانوں کی بے راہ روی اور ھندوؤں کی اسلام دشمنی پربھی سخت تنقید کی " ۔

حقیقت یہ ہے کہ سندھ کے ایک قومی شاعر کی حیثیت سے انکی بے مثل خدمت فراموش نہیں کی جاسکتی اور رشید احمد لاشاری مرحوم کے الفاظ میں " اس باب الاسلام سندھ میں سب سے پہلے جس شاعر نے صحیح معنوں میں قومی شاعری کو اپنایا اور اسکے ساتھ پاکستان کا تصور پیش کیا وہ بلبل سندھ شمس الدین بلبل تھے " (۳) ۔

بلبل کی دو مثنویاں رحیما اور کریما ان کی قومی شاعری کا عمدہ و لاجواب نمونہ ہیں ۔

شمس الدین بلبل ایک صاحب دین عالم ، مفکر اسلام اور شاعر عوام تھے ۔ ان کی علم و دانش ، تحریر و تقریر ، علم قوم اور بھی انسانیت کی اصلاح و فلاح ، رفاہ و بہبود کیلئے وقت تھی وہ دنیا دار بھی تھے اور دیندار بھی ۔ تصوف سے انھیں فطری لگاؤ تھا ۔ انکے صوفیانہ مزاج اور درویشانہ زندگی ان کی عظمت کی مظہر تھی ۔ وہ طریقہ نقشبندیہ کے مبلغ تھے ۔ سلسلہ نقشبندیہ

---

(۱) نئی زندگی شمارہ اکتوبر ۱۹۶۵ء

(۲) سندھ میں قومی شاعری مشمولہ صریر خامہ قومی شاعری نمبر مرتبہ وفا راشدی ، مطبوعہ جامعہ سندھ ، ۱۹۶۶ء ۔

(۳) مضمون " نظریہ پاکستان اور سندھ کے مسلم شعراء " روزنامہ جنگ پاکستان ایڈیشن ، ۱۹۶۳ء

کے ایک بزرگ مخدوم نظام الدین صدیقی کے مرید تھے (۱) ۔ اللہ اور اسکے رسول کے دین کو فروغ دینے کی خاطر انھوں نے میہڑ کی ایک مسجد کی امامت (۲) کی ۔ خطبات اور درس قرآن کا سلسلہ جاری کیا ۔ قرآن کی تفسیر لکھی ، سیرت ، فقہ اور حدیث سے متعلق سلسلہ وار مضامین لکھے ۔

ان کا کمال یہ ہے کہ انھوں نے نہ صرف مزاح نگاری میں ایک منفرد و بلند مقام حاصل کیا بلکہ تصوف و معرفت کے خشک مضامین کو اپنی شاعری میں سمو کر ایک صوفی شاعر کا مرتبہ بھی حاصل کیا ۔ ان کے کلام کا خاصا حصہ ایسا ہے جس میں وحدت وجودی و شہودی کے اشارات و اصطلاحات شدت سے پائی جاتی ہیں ۔ گنجینۂ معرفت اور مداح سرورکے نام سے ان کی دو کتابیں شائع ہوچکی ہیں جن میں سندھی فارسی اور اردو میں نعتیہ و عارفانہ کلام شامل ہے ۔ اسکے مطالعے سے بلبل کے فلسفۂ تصوف ، اسلامی و دینی عقائد وضاحت و صراحت کے ساتھ ہمارے سامنے آتے ہیں ۔

مجموعی اعتبار سے بلبل ایک عظیم المرتبت شاعر تھے ۔ تمام اصناف سخن پر گہرائی و گیرائی اور وسعت و رفعت کے ساتھ شعر کہنے کی بلاکی صلاحیت رکھتے تھے ۔ مثنوی اور قصیدے کے فن میں ید طولی رکھتے تھے ۔ وہ دربار ریاست خیرپور سے بھی وابستہ رہے ۔ ارباب خیرپور ان کی بیحد قدر کرتے تھے (۳) ۔ انھیں ملک الشعراء کے خطاب سے نوازا ۔ اس دور میں متعدد علمی و سیاسی تقریبات اور قومی و ملی تحریکات کے موقعوں پر معرکہ آرا قصائد کہے ۔ اسکی مثال سندھی شعراء میں شاذ و نادر ہی ملیگی ۔ فارسی اور سندھی قصائد سے قطع نظر ذیل میں ان کے دو اردو قصیدے (۴) بطور نمونہ نقل کئے جاتے ہیں جن کے مطالعہ سے انکی اردو میں شعر گوئی کا بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے ۔

سردار محمد یعقوب وزیر خیرپور کی شان میں قصیدہ

ساقی وہ جام مئے جوش فزا دے جو دل سے مرے پردۂ غفلت کو ہٹا دے
ہاں خم کے خم کے حوض دریا آتش کے بہا دے
سب باطل و اوہام کو آتشدم میں جلا دے
اس بزم حریفاں میں عجب رنگ جما دے
جو شیخ بھی آئے تو یہاں سر کو جھکا دے

---

(۱) تذکرہ مشاہیر سندھ ، ص ۱۹۸ (۲) بلبل سندھ ، ص ۳
(۳) تذکرہ مشاہیر سندھ ، ص ۱۹۸
(۴) ڈاکٹر شیخ ابراہیم خلیل کی عنایت سے راقم کو بلبل کے ایسے مخطوطات دیکھنے کا شرف حاصل ہوا ہے جنمیں خود بلبل کے قلم سے لکھے ہوئے فارسی اور اردو قصائد شامل ہیں ۔

بلبل کو سر مدح کہ ہربار ہوا ہے
دیکھا تو یہ سرادار سزوار ثنا ہے
جو کام ہے انکا وہ بجز روش رہا ہے
جتنی میں کہوں ان کی مدح اتنی روا ہے
یاں خوبی و اوصاف کی کچھ حد نہیں ہے
وہ فرد ہیں ایسے کہ کوئی رد نہیں ہے

دعائیہ

بلبل یہ سخن اب بہ دعائے خیر ختم کر
بہر حاضر مجلس سر تعظیم کو خم کر
با تیغ قلم دشمن کے سر کو قلم کر
پڑھ نعت علی ، حاسد کا ناک میں دم کر
احباب کو ہر آن مبارک ہو مبارک ہو
سردار کو فرمان مبارک ہو مبارک ہو

دعائیہ قصیدہ در مدح خان بہادر محمد ابراہیم وزیر خیر پور

سزا ہے حمد بذات جناب رب جلیل
روا ہے نعت بحضرت نبی کریم و جمیل
بجا ہے گر میں دعا و ثنا کروں ان کی
کہ اک ریاست اسلامیہ کے ہیں جو کفیل
وزیر دانشور بے نظیر خوش تدبیر
بلند ہمت و عالی نظر امین و تحمیل
...... خان بہادر محمد ابراہیم
خلیل احمد و سردار صاحب تفصیل

زرک خان زیرک لاشاری

۱۲۷۷ - ۱۳۵۲ ھ
۱۸۵۷ - ۱۹۳۲ ء

زرک خان لاشاری بلوچستان کے ایک پٹھان قبیلہ لاشاری سے تعلق رکھتے تھے ۔ ان کا سلسلہ نسب بلوچستان کے مشہور لاشاری سردار میر گہرام خان سے جا ملتا ھے ۔

زرک خان کے والد دھنی بخش خان لاشاری بلوچستان کی سکونت ترک کرکے جیکب آباد سندھ میں آباد ہوگئے تھے جہاں تحریک آزادی کے تاریخی سال ۱۸۵۷ء میں زرک خان کی پیدائش ہوئی ۔ زرک خان نے اسکول یا کالج سے کوئی سند یا ڈگری حاصل نہیں کی ۔ ان کی تعلیم و تربیت اس زمانے کے رسم و رواج کے مطابق مسجد اور مکتب میں خالص اسلامی ماحول میں ہوئی ۔ قرآن مجید اور دینیات کی تعلیم سے فارغ ہوئے تو ایک جید عالم عبدالحمید خان کی آغوش رحمت میں پشتو اور فارسی پڑھی ۔ آخوند اللہ ورایا خان نے سندھی پڑھائی ۔ زرک خان کے والد کے ایک دوست منشی عبدالعزیز جو ڈیرہ غازی خان کے رہنے والے تھے سے اردو سیکھی اور انھیں کی صحبتوں میں ان کے علمی و ادبی ذوق نے نشو و نما پائی ۔

زرک خان فورٹ سنڈیمن اور موسیٰ خیل بلوچستان میں صوبیدار کے عہدے پر فائز رہے ۔ ۱۹۰۰ء میں پنشن لی ۔ ملازمت کے سلسلے میں زرک خان کی زندگی کا زیادہ حصہ فورٹ سنڈیمن میں گزرا لیکن پنجاب ، سرحد اور افغانستان میں بھی ان کا قیام رہا ۔ مستقل سکونت سندھ میں تھی ۔

زرک خان صوم و صلواۃ کے سخت پابند تھے ۔ اکثر راتیں عبادت و ریاضت اور ذکر و فکر میں گزار دیتے تھے ۔ حسب معمول ۱۲ مارچ ۱۹۳۲ء کی رات کو نماز نفل کے بعد ذکر الٰہی میں محو تھے کہ اسی محویت کے عالم میں اللہ سے جا ملے ۔ جیکب آباد کے خاندانی قبرستان میں مدفون ہوئے ۔

زرک خان نے اپنے پیچھے ایک بیٹی اور پانچ بیٹے گل محمد ، الٰہی بخش ، رشید احمد [(۱)]

---

(۱) زرک خان کی اولاد میں رشید احمد لاشاری نے علم و صحافت شعر و ادب میں نام پیدا کیا ۔ رشید نے اپنے والد کی تربیت و صحبت سے فیض حاصل کیا اردو سندھی اور فارسی کے ممتاز شاعر اور ادیب تھے شروع میں پیشہ معلمی تھا اور بعد میں کئی رسائل و اخبارات سے منسلک رہے وفات سے چند سال پیشتر ماہنامہ نئی زندگی (سندھی) کراچی کے نائب مدیر رہے ۔ اردو اور سندھی میں کئی علمی ادبی و درسی کتابیں پاکستانی اردو قاعدہ ، پاکستانی اردو ریڈر ، خواجہ غلام فرید کی کافیاں ، بلھا شاہ جو کافیوں ، سلطان باھو جا بیت وغیرہ انکی زندہ جاوید یادگار ھیں انھیں سچل سرمست کے متعلق انکی اردو تصنیف خاصی اھمیت کی حامل ھے نہایت منکسرالمزاج ، بردبار دوست نواز اور مخلص انسان تھے راقم کے دوستوں میں تھے افسوس کہ انکی عمر نے وفا نہ کی اور ۲۰ ستمبر ۱۹۷۰ء کو اللہ کو پیارے ہوگئے پنجابی مصنفین کی ڈائرکٹری مطبوعہ نیشنل بک کونسل آف پاکستان لاھور کے مطابق انکا سن پیدائش ۱۹۲۲ء ھے

محمد بخش اور قادر بخش چھوڑے ۔ زرک خان کی رحلت کے بعد یہ خاندان کوٹ دین محمد خان کوسی تعلقہ تھل ضلع جیکب آباد کو چھوڑ کر حیدرآباد سندھ میں منتقل ہوگیا (۱) ۔

زرک خان شاعر بھی تھے اور موسیقار بھی ۔ رباب بہت عمدہ بجاتے تھے ۔ انکی رہائش گاہ پر اکثر راگ رنگ کی محفلیں جمتی تھیں ۔ بلوچی فارسی ، پشتو اور اردو کے گیت اور نغمات جب رباب پر چھیڑتے تھے تو سامعین و حاضرین پرعجب رقت و محویت طاری ہوجاتی تھی ۔ ان کی ہم محفلوں میں ڈیرہ غازی خان کے مشہور موسیقار اور گیت نگار رسول بخش میراثی کے علاوہ مولوی عبدالحمید خان کھاکھڑ ، منشی عبدالعزیز ڈیرہ خانی ، رشید احمد کلاچوی ، شربت خان پٹھان ، مولوی قادر بخش ، شیر علیخان اور علامہ عبدالغفور ہمایونی جیسے علماء و فضلاء ، ادباء و شعراء شامل تھے ۔

زرک خان کو داستان گوئی سے بھی دلچسپی تھی ۔ داستان امیر حمزہ کو اردو سے بلوچی میں منظوم ترجمہ کیا ۔ ان کی یہ ادبی خدمت فراموش نہیں کی جاسکتی ۔

سندھیں سچل سرمست کے بعد اگر کسی شاعر کو شاعر ہفت زبان ہونے کا شرف حاصل ہوا تو وہ زرک خان لاشاری تھے ۔ وہ اردو ، سندھی ، پنجابی ، سرائیکی ، پشتو ، بلوچی اور فارسی زبان پر پوری طرح قادر تھے ۔ ہر زبان میں زیرک تخلص کرتے تھے ۔ بدیہہ گوئی میں بھی یدطولی رکھتے تھے ۔ ان کا تمام سندھی کلام تقریباً شائع ہوچکا ہے ۔ کچھ اردو کلام مختلف رسائل کی زینت بن چکا ہے ۔ انکا ایک اردو دیوان (قلمی نسخہ) انکے صاحبزادے رشید احمد لاشاری مرحوم کے پاس محفوظ تھا ۔

زرک خان زیرک لاشاری سچل کو اپنا روحانی مرشد مانتے تھے ۔ سچل کے تصوف اور شاعری سے خاص طور پر متاثر تھے ۔ اکثر کافیاں اور غزلیں سچل کے تتبع میں کہی ہیں ۔ ذیل کی اردو کافی اسکی ایک مثال ہے ۔

ہم سے تم نہیں آئے ، اری نادان پردیسی
ٹوٹی ہے آم کی ڈالی ، روتا ہے باغ کا مالی
باغیچہ ہوگیا خالی ، اری نادان پردیسی
سچل کے بال ہیں کالے ، پلاو دودھ کے پیالے
اللہ سائیں خاک میں ڈالے ، اری نادان پردیسی

---

(۱) زرک خان کی کہانی خود انکے فرزند رشید احمد لاشاری مرحوم کی زبانی ۔

زرک خان خوش مزاج ، خوش طبع ، خوش دل او خوش گفتار شاعر تھے ۔ ساری زندگی درویشون کی صحبتون اور عقیدتون مین درویشانہ وار گزار دی ۔ تصوف سے انہین گہرا لگاو تھا ۔ اللہ کی اطاعت ، رسول اور آل رسول کی محبت انکی زندگی کا نصب العین تھی ۔ ان کے کلام کا بیشتر حصہ ان کے دینی عقائد اور صوفیانہ خیالات کا مظہر ہے ۔ اس قسم کے دو اشعار بطور مثال پیش کئے جاتے ہین ۔

اردو = زبان اپنی سے ہر لمحہ خدا کا نام لیتا رہ
کبھی لب پر تیرے زیرک نہ کچھ ذکر روزگار آئے

فارسی = نہ بہر عیش در دنیا گل و گلزار می خواہم
الہی از تو عشق سید الابرار می خواہم

زرک خان زیرک لاشاری اردو کے بہت اچھے شاعر تھے ۔ ان کی غزلون مین حسن بھی ہے ، زندگی بھی ، حسن کلام بھی ہے ، حسن خیال بھی ۔ بطور مشتے نمونہ از خروارے ایک اردو غزل نذر قارئین ہے ۔

مرے اس گلشن امید مین یارب بہار آئے
مرے دل کو قرار آئے اگر وہ گلعذار آئے

نہ چھوٹے ہاتھ سے میرے جہان مین صبر کا دامن
مصیبت زندگی مین سر پہ گو لیل و نہار آئے

گئے سب ہاتھ خالی دوست دنیا کی نعمت سے
ہزارون مرد کار آئے ، ہزارون نابکار آئے

مرا سایہ بھی جب مجھ سے ہوا فرار جاتا ہے
بھلا وہ کون سی ہے چیز جسپر اعتبار آئے

زبان اپنی سے ہر لمحہ خدا کا نام لیتا رہ
کبھی لب پر ترے زیرک نہ ذکر روزگار آئے

میاں وڈل علوی حیدری

۱۲۷۸ - ۱۳۳۸ ھ
۱۸۵۸ - ۱۹۱۸ ء

نام ۔ میاں محمد یوسف ، عرفیت ۔ میوں وڈل ، تخلص حیدری ، نسباً علوی ، مشرباً قادری ۔ اپنے قلم سے " علوی القادری سعید پوری المتخلص بہ حیدری لکھا کرتے تھے ۔

میاں محمد یوسف علوی کے والد محترم کا اسم گرامی میاں یعقوب علوی تھا ۔ ان کے بزرگوں میں محمد یوسف یوسفائی تصوف و معرفت کی دنیا میں بلند مرتبہ رکھتے تھے ۔ ان کا سلسلہ نسب حضرت ابو ریحان سلطان غیاث الدین المعروف بہ شیخ ریحان جیسے عارف کامل سے جا ملتا ہے ۔

میاں یوسف علوی کی ولادت باسعادت ۱۲۷۸ ھ میں قصبہ سعید پور میں ہوئی ۔ ۱۳۳۸ھ میں رحلت فرمائی ۔ شیخ ریحان کے آبائی قبرستان میں آسودہ ہیں ۔

یوسف علوی اپنے پدر بزرگوار میاں یعقوب علی کے زیر شفقت و عاطفت عربی فارسی سندھی کی تعلیم سے آراستہ ہوئے بطور خاص علم طب و حکمت پر عبور حاصل کیا ۔ حکیم حاذق مشہور ہوئے ۔

غلام محمد شاہ گدا اور میر عبدالحسین سانگی میاں وڈل حیدری کے بزرگ ہمعصر تھے اور ان کے خاص رفقاء [1] میں سے تھے ۔ شاہ گدا اپنے دور کے سب سے ممتاز سخن سنج اور استاد زمان تھے ۔ ان کے اس شعر سے ظاہر ہے کہ وہ حیدری کے بہت مداح تھے ۔

زمانہ میں کوئی بجز حیدری
کسی اور کے گیت گاتا نہیں

میر عبدالحسین سانگی سے بھی حیدری کے خاص تعلقات تھے ۔ سانگی نے اپنی ایک کتاب موسوم بہ " لطائف لطیفی " وڈل حیدری کی نذر کی تو اس میں یہ لکھا

> " امروز تاریخ دہم ماہ اگست ۱۸۹۱ء مطابق تاریخ چہارم ماہ محرم الحرام سنہ ۱۳۰۸ھ .... این نسخہ تصنیف خودم لطائف لطیفی بہ عالیشان رہنمائے سالکان گزیدہ درگاہ عز و جل میاں وڈل علوی القادری سعید پوری المتخلص بہ حیدری بہ یادگیری دادم " (۲)

---

(۱) ملاحظہ ہو مقدمہ کلیات گدا مرتبہ رشید احمد لاشاری

(۲) یہ عبارت سندھ میں اردو شاعری ص ۲۳۲ سے ماخوذ ہے ۔

حیدری نے اپنے اکثر اشعار میں سانگی کے الطاف و اکرام کا اعتراف کیا ہے ۔

خدمت اقدس و اعلی میں رہوں گا دائم　　در دولت سے نہ اللہ جدا کردے گا

میر ما عبدالحسین خان تیرے الطاف یقین　　جیتے جس حیدری ہرگز نہ بھلا کردیگا

میاں وڈل حیدری طب ، تصوف اور شعر و ادب کے ہر میدان میں ممتاز مقام رکھتے تھے ۔ فارسی سندھی اور اردو میں عمدہ نظم و نثر لکھتے تھے ۔ ایک صوفی شاعر کی حیثیت سے انہوں نے جابجا نظریہ وحدت کی تبلیغکی ہے ۔

یقین وہ منکر وحدت ہے جو قائل ہے کثرت کا
جو زاہد رکھتا ہے تسبیح کے سودائے رہ رہ کر

حیدری نے اپنے اردو اشعار میں نہ صرف فارسی الفاظ کثرت سے استعمال کئے ہیں بلکہ کہیں کہیں اردو کے ساتھ فارسی مصرعے بھی جڑ دیئے ہیں ۔

دوش فرمود مرا پیر خرابات بہ لطف
مئے کشوں میں جو تو مشہور ہوا خوب ہوا

میاں وڈل حیدری کے اردو کلام سے اندازہ ہوتا ہے کہ ایک بلند پایہ غزل گو شاعر تھے ۔ ان کی غزلیات حسن تغزل کی آئینہ دار ہیں ۔ ان کی غزلوں میں روایت کے ساتھ ساتھ جدت و ندرت ہے ۔ زبان و بیان کی خوبیاں بھی ہیں ۔ تشبیہات و استعارات کی دلکش بھی

رخ دلبر نہیں ہے چاند جو ہو ابر سے مخفی
نقاب اس پر رقیب روسیہ رکھتا ہے تہہ تہہ کر
رموز عشق بازی غیر پر کیوں کر عیاں ہوں گے
وہ خود سیمیں تنوں سے ملنے کا خواہاں ہے رہ رہ کر

تیغ ابرو سے اگر عاشق نظر بچ جائے
خون دل سے اس کا یقین دست حنا کردے گا

ساقی کے سوا مئے کا بھی پینا نہین اچھا × بے یار کے جگ مین کبھی جینا نہین اچھا

اے غنچہ دھن شوخ سخن بر میرے دلبــــو × کیا عطــر سے تیرا ھے پینا نہین اچھــا

قسمت مین نہ جسکو ھو کبھی دوست کا دیدار × اس طرح کا تو دیدہ بینا نہیــن اچھــا

انــدوہ غم و یاس و الم اسمین ھین مــوجــود × تو کیا دل عاشق کا خــزینا نہــین اچھــا

دل مین نہ رکھ اے حیدری تو خواھش دنیــا × نیکــون کی تو صحبت مین کینــا نہین اچھا

انکی غزلین صاف روان ، دلکش و دلآویز ھین ـ ذیل کی غزلین دیکھئے اردو کی معیاری غزلون مین شمار ھوسکتی ھین ـ

دلــربا کوچے سے تیرے ھم تو فرقت لے چلــے × ھان در دولت سے تیرے اب یہ ذلت لے چلــے

کوھکن سے وامق و فرھاد دومجنون سے بھلا × وادی الفت مین ھم ان سب سے سبقت لے چلے

عشق تیرا اے صنم اتنا ستاتا ھے کہ ھــــم × کفر اور اسلام کے بدلے مین وحشت لــے چلــے

کیا عجب اپنا ھے یارو کوچــہ دلدار سـے × دولت دیدار کے بدلے مین حســرت لے چلــے

یار آیا یــار کا ناخن حنائی در چمـــن × لالہ سا ھم اپنے دل پر داغ حسرت لے چلــے

حیدری روز ازل ســے آج تک با درد وغم × شکر ایزد عشق دلبــر کا سلامت لــے چلـــے

صنــم میرا مسیحائــے زمان ھـــے × دوائــے درد دل و جان ھــــے

قدم سر کا نہین سکتا ھون یارو × بہت بوجھ جدائی کا گــران ھـــے

سراغ اس کا نہین پایا کسی جا × نشاں اس کا تو مطلق ھے نشان ھـــے

نہین خواھش ھے دل کو بوستان کی × میرا سینــہ تو اشک گلستــان ھـــے

نـہ تھا معلوم اول عاشقــی مین × ابھی کا نفع آخر مین زیــان ھـــــے

نہین لیتــا کوئی دل عاشقون کا × مگر درد جدا تو درد جــان ھـــــے

کـدھر بھولے سجن کا نام مجھ سے × سدا جو حیدری ورد زبان ھــــــے

پیر رشد اللہ شاہ

۱۲۸۰ / ۱۸۶۰ ~~المتوفی~~ ۱۳۴۰ھ / ۱۹۲۲ء

سندھ کا راشدی خاندان عدیم المثال اسلامی خدمات ، روحانی فیضان اور علمی و ادبی کارنامون کے باعث ھمیشہ سے مشہور و ممتاز رھا ھے ۔ اس خاندان مین ھر دور مین بڑے بڑے اولیائے کرام ، علمائے دین ، مجاھدین اسلام اور ادبائے شہیر گزرے ھین ۔ خانوادہ راشدی کے موسس اعلیٰ حضرت پیر محمد راشد (۱) المعروف بہ روضۂ دھنی (۱۱۷۰ - ۱۲۳۳ھ / ۱۷۵۷ - ۱۸۱۸ء) ولد پیر سید محمد بقا شہید رحمت اللہ علیہ کا سلسلہ نسب حضرت ابو تراب علی حیدر کرم اللہ وجہہ بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے جا ملتا ھے ۔

حضرت پیر محمد راشد رحمتہ اللہ علیہ کی رحلت کے بعد ان کے فرزند اول حضرت پیر سید صبغت اللہ شاہ راشدی (۲) پیر پگارا اول مشہور بہ تجر دھنی (۱۱۸۳ - ۱۲۳۶ھ / ۱۷۶۹ - ۱۸۲۱ء) نے شمشیر اور قلم سے علم دین شریعت اسلام اور ملک و ملت کی جو گرانقدر خدمات انجام دی ھین وہ ھماری قومی و اسلامی تاریخ کا ایک سنہرا باب ھے ۔ وہ علم باطنی کے امام اور اسلامی فوج کے سربراہ تھے انھون نے حر جیسے مجاھدین اسلام عسکری کی تنظیم کی ۔ سندھ مین ان کے لاکھون مرید تھے جو ان کے ایک اشارے پر اسلام کی خاطر جان و مال نثار کرنے پر آمادہ رھتے تھے ۔

پیر صبغت اللہ شاہ ، سید احمد شہید بریلوی کے ھم مسلک اور رفیق خاص تھے ۔ انھون نے سید احمد کی تحریک جہاد مین بھرپور حصہ لینے کی غرض سے اپنے مریدون کا ایک بھاری لشکر منظم کیا تھا ۔ سید صاحب اپنی ھندوستان گیر تحریک کے سلسلے مین ۱۷ ذوالقعدہ ۱۲۳۶ھ (۲۳ جون ۱۸۲۶ء) مین پیر گوٹھ مین مہمان رھے ۔ اسکے بعد صبغت اللہ شاہ اور سید احمد شہید کے درمیان ان کے مشن کے سلسلے مین خط و کتابت بھی ھوئی (۳) ۔ (سوانح سید احمد شہید صفحہ ۳۰)

پیر صبغت اللہ اور ان کی اولاد کے بے مثال علمی و ادبی ، دینی و روحانی کمالات اور بے نظیر خدمات و کرامات تاریخی نوعیت کی حامل ھین ۔ پیر صبغت اللہ اپنے والد ماجد حضرت پیر محمد راشد کی وفات کے بعد سجادہ نشین ھوئے ۔ والد گرامی کی وصیت کے مطابق پگھڑ یعنی پگڑی اپنے پاس رکھی اور پیر پگارا اول (پیر پگڑی والے) کہلائے ۔ جھنڈو یعنی جھنڈا اپنے بھائی پیر محمد یسٰین شاہ کے سپرد کیا جو پیر جھنڈو اول (پیر جھنڈے والے) کے نام سے موسوم ھوئے ۔ شاہ افغانستان

تیمور شاہ کے بیٹے زمان شاہ نے یہ علم سندھ میں اشاعت شریعت و تبلیغ اسلام کی خاطر پیر محمد راشد کی خدمت میں از راہ عقیدت پیش کیا تھا (۴) ۔

پیر سید ابو تراب سید رشد اللہ شاہ ، پیر جھنڈو اول پیر سید محمد یسٰین کے پوتے اور پیر جھنڈو دوم سید رشید الدین شاہ کے فرزند ارجمند تھے ۔ اسطرح رشد اللہ شاہ پیر جھنڈو سوم ہوئے ۔ مولانا غلام مصطفی قاسمی اپنے ایک گرانقدر مقالے میں تحریر فرماتے ہیں :

" شروع شروع میں ۱۲۸۷ھ میں پیر رشید الدین بیعت والا جو راشدی خاندان کے موسس اعلی پیر محمد راشد روضۃ دھنی کے پوتے ہیں پیر جھنڈو کی مسند خلافت پربیٹھے اور آپ نے وہاں تحفظ القرآن کا ایک مدرسۃ بھی قائم کیا ۔ آپ کی مجلس عالمانہ ہوتی تھی کئی علماء ہر وقت آپ کی مجلس میں شریک ہوتے تھے ۔ ان مجالس میں مولانا عبیداللہ سندھی مرحوم بھی کبھی کبھی امروٹ ضلع سکھر سے آکر شریک ہوتے تھے ۔ ۱۳۱۷ھ میں پیر رشید الدین نے وفات فرمائی اور ان کے مسند پر ان کے صاحبزادے مولانا پیر رشد اللہ صاحب العلم رونق افروز ہوئے " ۔

(مقالہ " پیر جھنڈو کا کتب خانہ " ماہنامہ الولی حیدرآباد سندھ ، شمارہ اپریل مئی ۱۹۷۵ء ، ص ۳۵)

مولانا عبیداللہ سندھی کو بزرگان راشدیہ (۵) سے خاص عقیدت و قربت تھی ۔ انھوں نے اکثر اپنی تحریر و تقریر میں انکی با فیض صحبتوں کا ذکر کیا ہے ۔ مولانا اپنے خود نوشت سوانح حیات میں لکھتے ہیں :

" گوٹھ پیر جھنڈا (۶) ضلع حیدرآباد میں راشدی طریقے کے پیر صاحب العلم کے پاس علوم دینیۃ کا بے نظیر کتب خانہ (۷) تھا میں دوران مطالعۃ وہاں جاتا رہا اور کتابیں مستعار بھی لاتا رہا ۔ میری تکمیل مطالعۃ میں کتب خانے کے فیض کو بڑا دخل ہے ۔

اس کے علاوہ حضرت مولانا رشید الدین صاحب العلم ثالث کی صحبت سے مستفید ہوا میں نے انکی کرامتیں دیکھیں ، ذکر اسماء الحسنی میں نے انھیں سے سیکھا ۔ وہ دعوت توحید و جہاد کے ایک مجدد تھے ۔

حضرت مولانا ابو تراب رشد اللہ صاحب العلم الربع سے علمی صحبتیں رہیں وہ علم حدیث کے بڑے جید عالم اور صاحب تصنیف تھے "

(کابل میں سات سال از مولانا عبیداللہ سندھی ، ص ۱۰۰ مطبوعہ سندھ ساگر اکیڈیمی لاہور ، ۱۹۵۵ء)

رشد اللہ شاہ اپنے آبائی گاؤں " پیر جھنڈو " میں پیدا ہوئے

وفات ۱۳۴۰ھ مطابق ۲۳ اپریل ۱۹۲۲ء ہے -

ان کی ابتدائی تعلیم و تربیت خاندانی روایت کے مطابق گھر کی علمی و دینی فضا میں ہوئی - شیخ حسین بن محسن یمانی جیسے مقتدر معلم کے زیر نگرانی متعدد علوم و فنون کی تحصیل و تکمیل کی -

رشد اللہ شاہ صاحب سیف بھی تھے صاحب قلم بھی - انھوں نے تحریک خلافت میں بڑی سرگرمی و سرفروشی سے حصہ لیا - قید فرنگ کی صعوبتیں بھی جھیلیں ، انگریزوں نے انھیں اس تحریک سے علیحدگی اختیار کرنے کیلئے طرح طرح کے لالچ دیئے ، مختلف ہتھکنڈے استعمال کئے لیکن اس مرد خدا کے عزم و استقلال میں کبھی جنبش نہ ہوئی ، اپنے موقف و مشن پر مضبوط چٹان کی طرح ڈٹے رہے (۸) -

پیر رشد اللہ شاہ صاحب العلم کی زندگی کا سب سے بڑا کارنامہ پیر جھنڈو میں دینی مدرسہ عالیہ ـــ دارالرشاد ـــ اور عظیم کتب خانہ کا قیام ہے - مدرسہ اور کتب خانے کے تمام اخراجات خود رشد اللہ پورے کرتے تھے - برصغیر پاک و ہند کے ہر گوشے میں ان دونوں تعلیمی و علمی اداروں کے تربیت و فیض یافتگان موجود ہیں - پیر صاحب مکتبۂ فکر دیو بند سے متستفیض تھے شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندی سے خاص تعلق رکھتے تھے - اس بارے میں مولانا عبیداللہ سندھی ارشاد فرماتے ہیں

> " لوگوں کو شاید یہ بھی معلوم نہ ہو کہ مولانا شیخ الہند کا سندھ میں کس قدر اثر تھا - میرے مرشدوں کے سلسلے میں مولانا تاج محمود امروٹی حضرت پیر صاحب العلم الرابع رشداللہ کراچی کے مدرسہ مظہر العلوم اور گوٹھ پیر جھنڈو کے مدرسہ دارالرشاد کے متعلق علما کی جماعتیں سب دیوبندی اسکول سے تعلق رکھتے تھے " - (برصغیر پاک وہند کے علمی ادبی اور تعلیمی ادارے ص ۵۳)

مولانا پیر رشد الله نے مولانا عبیدالله سندھی کو امروٹ (ضلع سکھر) سے بلوایا اور انکی معیت مین مدرسه دارالرشاد (۹) کا سنگ بنیاد رکھا ۔ مولانا سندھی اس مدرسه کے اول معتمد اور صدر مدرس مقرر ہوئے ۔ مولانا سندھی تحریر فرماتے ھین

" مولانا رشد الله صاحب العلم الرابع نے ۱۳۱۹ھ مین میری تجویز کے موافق مدرسه بنانے کا اراده کیا یه نام بھی میری تجویز سے مقرر ہوا ۔ مین اس مین شریک ہوا سات سال تک علمی اور انتظامی کامل اختیارات کے ساتھ کام کرتا رہا " (۱۰)

مولانا عبیدالله سندھی کے شاگرد ارشد مولانا غلام مصطفے قاسمی کے ایک بیان کے مطابق " یه مدرسه آگے چلکر سندھ مین دینی علوم کی عظیم درس گاه ثابت ہوا جھان برصغیر کے نامور علماء مولانا انور شاه کشمیری ، مولانا اشرف علی تھانوی ، محدث یمنی ، حضرت شیخ الھند اور دوسرے اکابر آتے رھے ۔

مولانا پیر رشد الله شاه زبردست عالم دین اور اپنے وقت کے بہت بڑے محدث اور مفسر تھے ۔ انھون نے " رجال طحاوی " پر عربی مین ایک عالمانه کتاب لکھی جس کو علماء دیوبند نے دیوبند سے شائع کیا ۔ یه بڑے پائے کی کتاب مانی جاتی ھے ۔

مولانا رشد الله صاحب کا کتابون سے لگاو کے متعلق یه عالم تھا که ایک مرتبه آپ نے جده کے کتب خانے مین علامه خطیب بغدادی کی " تاریخ بغداد " کا ایک قلمی نسخه دیکھا ۔ اس وقت تک یه کتاب اشاعت پذیر نه ہوئی تھی آپ نے اس دور مین زر کثیر خرچ کرکے اس کتاب کی فوٹو نکلوائی اور اس کو اپنے کتب خانے مین رکھوایا ۔ جب مصر والون کو اس کا علم ہوا که اس کتاب کے ایسے بھی شائق ھین تو انھون نے اس کو چھاپنا شروع کیا اور چھاپنے کے بعد جده والون سے پیر صاحب کا صحیح پته معلوم کرکے ان کی طرف " تاریخ بغداد " کا مطبوعه نسخه بطور ھدیه اور تحفه مفت بھجوا دیا ۔ مین نے اس کتاب کی فوٹو بھی پیر جھنڈو لائبریری مین دیکھی ھے ۔

جسطرح حیدرآباد دکن والون نے پیر جھنڈو کی علمی لائبریری سے چند نادر کتابون کی نقلین لین اسی طرح مولانا پیر رشد الله نے اپنے خاص مقربین سندھی علماء کو حیدرآباد دکن بھجوا کر دائرة المعارف کے علمی کتب خانه سے چند نادر کتابون کی نقلین کروائین انمین علامه شبلی کی نادر روزگار کتاب " الاحکام الکبریٰ " خاص طور پر ذکر کے قابل ھے ۔ یه کتاب دو جلدون پر مشتمل ھے اور خط متوسط ھے " (۱۱) ۔

پیر رشد اللہ شاہ عربی کے علاوہ فارسی اور اردو پر بھی کامل عبور رکھتے تھے ۔ ان کے گھر میں فارسی اور اردو بولنے اور لکھنے کا رواج عام تھا ۔ انھوں نے اردو میں بھی کتابیں لکھی ہیں ۔ اردو میں ان کی دو تصانیف کا پتہ چلتا ہے جنمیں ایک مطبوعہ اور دوسری غیر مطبوعہ ۔

(۱) الفارقۃ بین اھل اللہ و بین المارقۃ (مطبوعہ)
(پیر اور مرید کے لئے ھدایت کرنے والا)

تیرہ صفحات کا یہ مختصر سا رسالہ ۱۳۳۱ ھ میں حکیم محمد حنیف ھاشمی کے زیر اھتمام شائع ھوا ۔ یہ کتاب مریدوں کیلئے رشد و ھدایات کا بصیرت افروز مرقع ھے ۔ اسکا ایک نسخہ کتب خانہ درگاہ شریف سعید آباد میں موجود ھے ۔ اس کتاب کی چھ سطریں بطور نمونہ نثر نقل کی جاتی ھیں ۔

" کامل ولی کے بیٹے کو بھی اسکے باپ کی طرح ولایت اور مرشدی کے لائق جاننا جھلا کی سمجھ اور صاف گمراھی میں ڈالنے والی فاش غلطی ھے ۔ کامل ولی کا بیٹا ھونے کی وجہ سے آدمی کامل ولی نہیں ھوسکتا کیونکہ ولایت بھی نبوت کی طرح ورثہ کے طور پر نہیں ملتی .... جسکے اپنے باپ کی طرح اچھے عمل نہ ھوں گے وہ ولی نہیں بلکہ اسکا باپ بھی اس سے بیزار سمجھنا چاھئے ۔ دیکھو تو اس بات کو سمجھانے کیلئے خدائے تعالی نے سورۃ ھود میں حضرت نوح علیہ السلام کا قصہ بیان کیا تاکہ ھم لوگ جو سادات اور پیروں اور مشائخ کی اولاد میں سے ھیں اس سے عبرت حاصل کریں ۔ حضرت نوح علیہ السلام نے اپنے بیٹے کنعان کے حق میں طوفان میں غرق ھونے سے بچنے کے لئے دعا کی اور فرمایا ۔ رب ان ابنی من اھلی یعنی اے میرے پروردگار میرا بیٹا میرے اھل و عیال میں سے ھے اسکو بچا ۔ اللہ تعالی نے ان کے بیٹے کے حق میں دعا قبول تو نہ کی بلکہ عتاب کے طور پر فرمایا

" یا نوح انہ لیس من اھلک انہ ، عمل غیر صالح فلا تسئلن ما لیس لک بہ علم انی اعظک ان تکون من الجاھلین " ۔

یعنی اے نوح تیرا بیٹا تیری اھل و عیال میں سے نہیں ھے کیونکہ تیرا بیٹا اچھے کام کرنے والا نہیں تو مجھ سے ایسے کام کا سوال نہ کر جسکی تجھے خبر نہیں اور میں تجھے نصیحت کرتا ھوں کہ تو جاھلوں میں سے نہ ھو ۔
حضرت نوح نے یہ بے پرواھی کا جواب سنکر اپنے بیٹے کی نجات کا سوال تو چھوڑ دیا بلکہ الٹا اپنے قصور کی بھی معافی مانگی ۔ (ص ۷۶)

(۲) عین الشهادۃ فی تحقیق تکرار الجماعۃ

یہ کتاب غیر مطبوعہ ہے ۔ اس پر تکمیل کتابت کی تاریخ ۱۹ ذی الحجۃ ۱۳۲۰ ھ درج ہے ۔ یہ مخطوطہ کتب خانہ پیر جھنڈو میں موجود ہے ۔ مصنف نے اس کتاب میں قرآن کریم کی آیات اور احادیث نبوی کی روشنی میں با جماعت نماز کے بعض متنازعہ مسائل پر نہایت علمیت کے ساتھ بحث کی ہے ۔ اس مذہبی کتاب کو اردو میں لکھنے کی ضرورت کیوں محسوس ہوئی اس کی وضاحت مصنف نے شروع میں ان الفاظ میں کی ہے ۔

" ان ایام یعنی سنہ تیرہ سو ہجری میں " الشمس اللامعۃ فی کراھۃ الجماعۃ الثانیۃ " نظر سے گزری کہ جس میں بالوجہ وجیہہ اور بغیر کسی دلیل صحیح کے جماعت ثانیۃ کو مکروہ ٹھہرایا ہے اور جماعت اول کے بعد خواہ جس قدر نمازی جمع ہو جاویں سب کی نسبت الگ الگ پڑھنے کا حکم لگادیا ۔ عوام بیچارے دھوکے میں پڑگئے ۔ بلکہ بعض تو شدت تعصب سے حد سے متجاوز ہوگئے لہذا مناسب معلوم ہوا کہ ناواقفوں کی تنبیہہ اور تفہیم کیلئے اس مسئلے کے متعلق تحقیق لکھی جاوے تاکہ ان بیچاروں کو اصلی مسئلے سے واقفیت ہوجاوے اسی وجہ سے اردو میں لکھنا بہتر معلوم ہوا "۔ (ص ۱)

اب اس کتاب کے اصل متن کا ایک اقتباس حسب ذیل ہے ۔

" کراھت تحریم تکرار جماعت معہ اذان و اقامت پر اتفاق مسلم نہیں اور مطلق کراھت سے تحریم کے ہونے کا حال تو پہلے ہی معلوم ہوچکا پس امام یوسف کی روایت جسکو شارح نے صحیح قرار دیا یہ معنی کرنا کہ نفی صرف تحریمۃ کی ہے نہ مطلقہ کی صحیح نہیں اور یہ جو کہا کہ مطلق کی نفی سے لازم آے گا کہ تکرار معہ اذان اور اقامت بھی بہ ترک محراب مکروہ نہ ٹھہرے حالانکہ یہ ظاھرالبطلان ہے کیونکہ یہ صورت بہ اتفاق مکروہ تحریمی ہے لہذا تحریمۃ ہی کی نفی مراد رکھنا چاہئے تو جواب اسکا یہ ہے کہ اس صورت کا مکروہ ہونا تو حسب روایت اولی کے ہے اور یہ روایت دوسری ہے پس اس روایت کے مضمون کو تو پہلی روایت کے مخالف ہونا چاہئے والا دو روایت ٹھہرانا باطل ٹھہریگا ۔ پس اس میں مطلق کراھت کے نفی سے جو مقتضی ظاھر لفظ کا ہے کوئی خرابی لازم نہیں آتی اور جس نے اسکو صحیح اور راجح قرار دیا اسکے نزدیک ظاھر روایت صحیح و مقبول تھی " ۔ (ص ۵۹)

حاشیئے

(پیر رشد اللہ شاہ)

(۱) تذکرہ پیر محمد راشد کے لئے ملاحظہ ہو " تذکرہ صوفیائے سندھ از اعجاز الحق قدوسی ۔

(۲) تذکرہ پیر صبغت اللہ شاہ راشدی کیلئے ملاحظہ ہو الرحیم مشاہیر نمبر ۱۹۶۷ء ۔ مرتبہ
مولانا غلام مصطفی قاسمی مطبوعہ شاہ ولی اللہ اکیڈیمی حیدرآباد سندھ ۔

(۳) مکتوب سید حمیدالدین بحوالہ سیرت احمد شہید اول ، ص ۳۲ ، مطبوعہ کتاب منزل لاہور ،
ملفوظات سید صبغت اللہ شاہ مخطوطہ سندھی ادبی بورڈ حیدرآباد ۔

(۴) راقم الحروف پیر رشد اللہ شاہ کے پوتے حضرت پیر وہاب اللہ شاہ قبلہ کا ممنون احسان ہے کہ
انھوں نے از راہ شفقت اپنے عظیم و برگزیدہ بزرگوں سے متعلق ان تاریخی کوائف و حقائق
سے آگاہ فرمایا ۔ راقم پیر وہاب اللہ شاہ کے صاحبزادے برادر عزیز پیر عباد اللہ شاہ کا بھی
دلی ممنون ہے کہ انکی خاص توجہ اور تعاون سے راقم کو کتب خانہ پیر جھنڈو سے استفادے
کا شرف حاصل ہوا ۔ یہ محترم حضرات جس اخلاص و محبت اور فراخ دلی سے علمی و
دینی کاموں میں مدد فرماتے ہیں وہ انکی شاندار خاندانی روایات کی یاد دلاتی ہے ۔
انکے اس طرز کرم سے دلوں میں مردان خدا کی عظمت ماضی و حال کی شمع فروزاں ہوجاتی
ہے ۔

(۵) مولانا عبیداللہ سندھی قادری راشدی طریقہ کے سیدالعارفین حضرت حافظ محمد صدیق
(بھر چونڈے والے) کے ہاتھوں مشرف بہ اسلام ہوئے اور انھیں سے بیعت کی تھی ۔
(خطبات عبیداللہ ، ص ۲۰) ۔

(۶) گوٹھ پیر جھنڈو تحصیل ہالا ضلع حیدرآباد سندھ کا ایک چھوٹا سا گاؤں ہے جو بھٹ شاہ
(مشرقی جانب) شہر ہالا (مغربی جانب) سے آگے سعید آباد کے قریب حیدرآباد اور
سکھر کی شاہی رہ پر واقع ہے ۔ یہ گاؤں خانوادہ راشدیہ کے نامور علمائے دین ، اکابر ملت
مجاہدین اسلام اور مشاہیر ادب کا مسکن رہا ہے ۔ یہاں مدت سے برصغیر کا ایک مشہور
مدرسہ دارالرشاد اور ایک عظیم کتب خانہ قائم ہے جسکی بنا پر یہ خطہ راشدیہ ہمیشہ سے
اسلامی تہذیب و ثقافت ، علوم و فیوض اور برکات و کرامات کا گہوارہ رہا ہے ۔

(۷) ۱۳۱۹ھ میں پیر رشداللہ شاہ نے جب مدرسہ دارالرشاد کی داغ بیل ڈالی اسکے اساتذہ اور
طلباء کے مطالعہ کیلئے ایک علمی کتبخانہ بھی قائم کیا یہ کتبخانہ نہ صرف سندھ بلکہ پورے
برصغیر پاک و ہند میں علوم و فنون کا ایک اہم مرکز ثابت ہوا ۔ اس علمی لائبریری سے
سندھ اور بیرون سندھ یہاں تک کہ اسلامی ممالک کے بڑے بڑے علمائے کرام نے استفادہ کیا
جن میں خاص طور پر علمائے دیوبند بھی شامل ہیں اس زمانے میں اسلامی علوم و فنون کی
کتابوں کی تعداد پچیس ہزار تک پہنچ چکی تھی جو کتبخانہ پیر جھنڈو کی ملکیت تھی ۔

کتبخانہ پیر جھنڈو کی خصوصیت و اہمیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ اکثر قلمی اور خطی نسخے جو دنیا کے کتبخانون مین نایاب ہین اس کتبخانے مین موجود ہین ۔ پیر رشد اللہ شاہ اور انکے صاحبین و مقربین نے اس کتبخانے کیلئے نادر و نایاب کتابین دنیا کے مختلف کتبخانون اور علمی درسگاہون سے لاکر یا نقل کرواکر جمع کی تھین اس سلسلے مین کتب خانہ مخدوم محمد ہاشم ٹھٹھوی ، ٹھٹھہ دائرالمعارف حیدرآباد ، کتب خانہ جدہ ، مصر وغیرہ قابل ذکر ہین ۔ علاوہ ازین سندھی علماء مجتہدین و محدثین کی فارسی و عربی تصنیفات و تالیفات کے خطی و قلمی نسخون کا جتنا نادر و قیمتی ذخیرہ کتبخانہ پیر جھنڈو مین محفوظ ہے وہ سندھ کی کسی لائبریری مین نہین ہے (راقم نے اس نوٹ کے سلسلے مین اپنی نجی معلومات ~~کعلاوہ~~ علاوہ مولانا غلام مصطفی قاسمی کی اطلاعات سے بھی استفادہ کیا ہے ۔)

(۸) رشداللہ شاہ نے تحریک خلافت مین جو اہم کردار ادا کیا تھا اسکی تفصیلات انکے پوتے حضرت پیرصاحب اللہ شاہ ساکن پیر جھنڈو کی زبانی معلوم ہوئین ۔ اگر یہ تمام تفصیلات لکھی جائین تو سندھ مین تحریک خلافت اور تحریک آزادی سے متعلق ایک ضخیم کتاب منظر شہود پر آسکتی ہے ۔ اہل سندھ نے تحریک آزادی مین کیا حصہ لیا تھا اس کے بارے مین تاریخی حقائق سے بھی آگہی ہوسکتی ہے ۔

(۹) مدرسہ دارالرشاد پیر جھنڈو کا قیام ماہ رجب ۱۳۱۹ ھ (۱۹۰۱ء) مین عمل مین آیا اسکے بانی اور سرپرست پیررشد اللہ شاہ صاحب العلم اور اول معاون ، معتمد ، منتظم اور صدر مدرس مولانا عبید اللہ سندھی تھے ۔ اس مدرسے کو عالم وجود مین لانے کا اصل مقصد دینی علوم و معارف کی تعلیم و تبلیغ اور شاہ ولی اللہ کے افکار و خیالات کا تعارف اور نشر و اشاعت تھا ۔ اس مدرسے مین کل ہند سطح پر بیشمار علماء و طلباء کو سیاسی ، سماجی ، تہذیبی ، ثقافتی زندگی مین قرآنی انقلاب لانے کی غرض سے ذہنی و فکری تربیت دی گئی ۔ ان اغراض و مقاصد کی تحصیل و تکمیل کے لئے ایک عظیم کتب خانہ کے علاوہ شعبہ تصنیف و تالیف بھی قائم کیا گیا ۔ المطالعے کے نام سے ایک مطبع " ہدایت الاخوان " کے نام سے ایک رسالہ جاری کیا گیا ۔ مدرسے مین " السواد الاعظم " کے نام سے ایک مجلس افتا بھی قائم تھی جسے مدرسہ مظہرالعلوم کراچی کے اساتذہ کرام کا تعاون حاصل تھا ۔

حافظ محمد یعقوب خاندان راشدیہ کی عدیم المثال خدمات سے متعلق رقمطراز ہین : " مدرسہ دارالرشاد سے ہزارون عالم باعمل پیدا ہوئے جنھون نے ملک کے مختلف علاقون مین دینی علوم کی تعلیم و تدریس کی مسندین آراستہ کین اور اسلام کی تبلیغ و اشاعت کے سلسلے مین قائم کئے ۔ یہ تعلیمی مدارس اور تبلیغ کے سلسلے نہ صرف سندھ بلکہ بلوچستان مکران کچھ اور پنجاب تک پھیلے ہوئے ہین انکا فیضان آج تک جاری ہے " ۔ (برصغیر پاک و ہند کے علمی ادبی تعلیمی ادارے ص ۵۷)

مدرسہ دارالرشاد کی غیر معمولی اہمیت اور اس کے اساتذہ و تلامذہ کی ملک گیر خدمات کا اندازہ مولانا عبیداللہ سندھی کے ان الفاظ سے بھی لگایا جاسکتا ہے

" لوگوں کو یہ معلوم کرکے حیرت ہوگی کہ نانا کو آپریشن کی تحریک جو خلافت کے زمانے میں کانگریس نے قبول کی ہے وہ مدرسہ دارالرشاد کے ایک دیو بندی استاد مولانا نورالحق کی تجویز تھی " –
(ایضاً ، ص ۵۸)

(علم و آگہی مجلہ گورنمنٹ نیشنل کالج کراچی ، خصوصی شمارہ ۷۵-۱۹۷۴ء مرتبہ پروفیسر ابو سلمان شاہجہانپوری ، ماخوذ از معلومات مولانا غلام مصطفےٰ قاسمی) –

(۱۰) میری زندگی ، مشمولہ خطبات عبیداللہ ، ص ۶۷ –

(۱۱) مقالہ " پیر جھنڈو کا کتب خانہ " ، ازمولانا غلام مصطفےٰ قاسمی الولی حیدرآباد اپریل مئی ۱۹۷۵ء ، ص ۲۷ –

حسب نامہ سید رشد اللہ شاہ
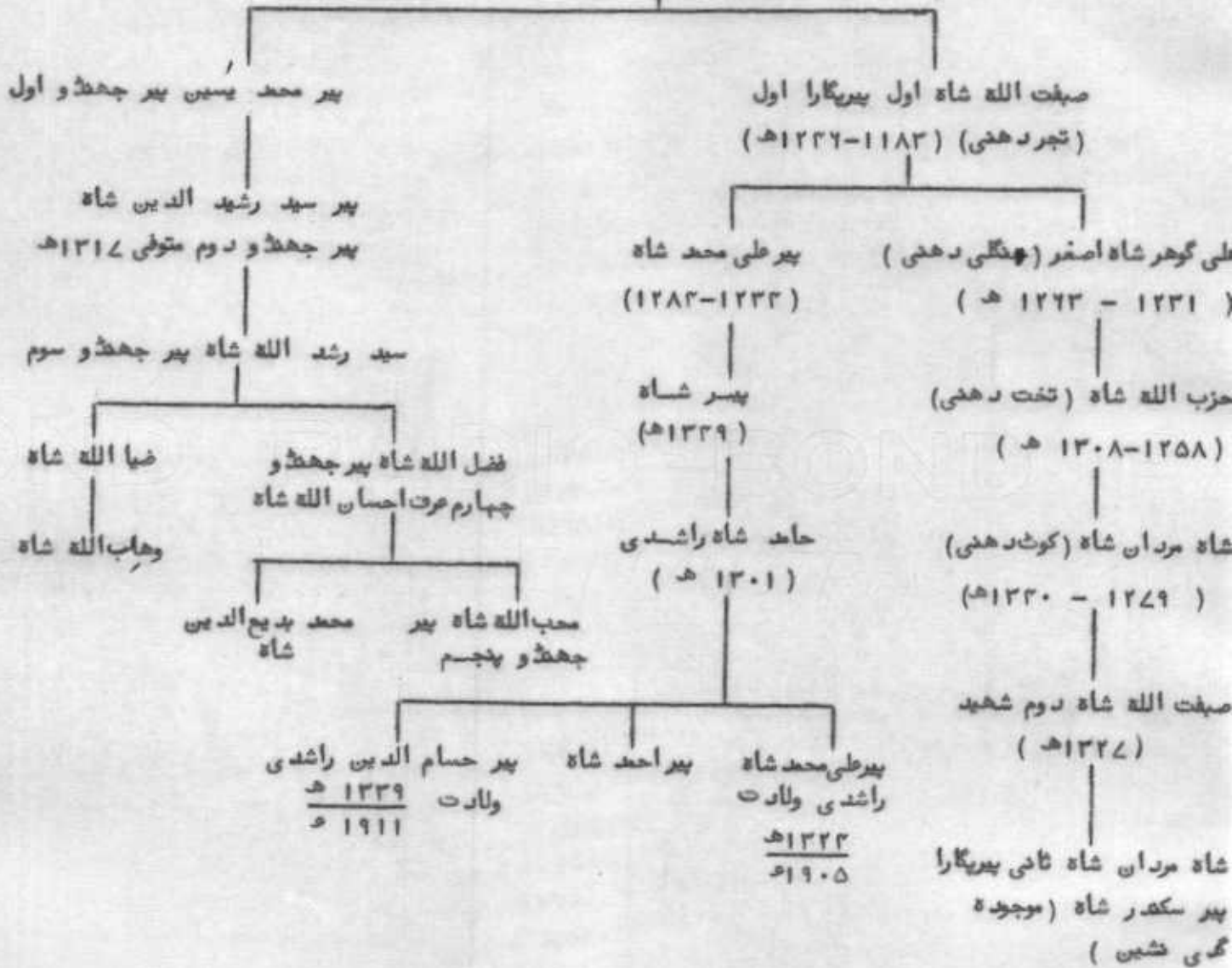
(یہ حسب نامہ مشفق و محترم حضرت پیر سید وہاب اللہ شاہ ساکن گوٹھ پیر جھنڈو
کے تعاون سے تیار ہوا)

مولانا عبید الله سندھی مع ظفر الحسن (استنبول ۴ جون ۱۹۳۶ء)

مولانا عبیداللہ سندھی

۱۲۸۹ - ۱۳۶۳ ھ
۱۸۷۲ - ۱۹۴۴ ء

امام انقلاب مولانا عبیداللہ سندھی دیوبندی (۱) ایک عظیم المرتبت عالم دین ، مفسر قرآن ، مفکر اسلام اور مجاہد قوم تھے ۔ انکی انقلاب آفرین شخصیت اور درویشانہ زندگی کا ایک ایک لمحہ عالم اسلام کی آزادی و بقا ، ملک و ملت کی اصلاح و فلاح ، قرآنی انقلاب کی تبلیغ اور امام شاہ ولی اللہ کے علوم و افکار کے تعارف اور اشاعت کیلئے وقف تھا ۔ بقول حضرت احسان دانش

" میری خیال میں پیغمبر کےبعد ایسے علماء کی ضرورت تھی جو بندگان خدا کو عقائد اور اعمال صالح سے خبردار رکھتے " (۲) ۔

مولانا عبیداللہ سندھی نے ایک سکھ خاندان میں جنم لیا لیکن عین نوجوانی میں ان کے دل میں چراغ توحید ایسا روشن ہوا کہ وہ ایک درخشندہ ستارہ بن کر دنیائے اسلام میں نمودار ہوئے اور لاکھوں دلوں کو انوار توحید و رسالت سے منورکیا ۔

مولانا اپنے خاندان ، ولادت ، ابتدائی تعلیم ، قبول اسلام اور اسلامی نام کے بارے میں اپنے خود نوشت حالات (۳) زندگیمیں تحریر فرماتے ہیں

" میں ضلع سیالکوٹ کےایک گاوں (چانوالی) میں (ص ۵۷) بشب جمعۃ قبل صبح ۱۲ محرم ۱۲۸۹ ھ ۱۰ مارچ ۱۸۷۲ میںپیدا ہوا ۔ میرے باپ دادا کا پورا نام رام سنگھ ولد جسپت رائے ولد گلاب رائے ہے ۔ کہتے ہیں کشمیری دادا سکھ حکومت میں اپنے گاوں کے کاردار تھے ۔

میری تعلیم ۱۸۷۸ء سے جام پور کے اردو مڈل اسکول میں شروع ہوئی ۱۸۸۷ء میں مڈل کی تیسری جماعت میں پڑھتا تھا کہ اظہار اسلام کیلئے گھر چھوڑ دیا ۔

۱۸۸۴ء میں مجھے اسکول کے ایک آریہ سماجی لڑکے کے ہاتھ سے (ص ۵۸) تحفۃ الہند ملی ۔ میں اسکے مسلسل مطالعۃ میں معروف رہا اور بالتدریج اسلام کی صداقت پر یقین پڑھتا گیا ۔ ہمارے قریب کے پرائمری اسکول

(کوٹلہ مغلان) سے چند دوست بھی مل گئے جو میری طرح تحفۃالھند
کے گرویدہ تھے انھیں کے توسط سے مجھے مولانا اسمعیل شہید کی
" تقویت الایمان " ملی ۔ اسکے مطالعہ پر اسلامی توحید اور " پرانک "
شرک اچھی طرح سمجھ میں آگیا ۔ اسکے بعد مولوی محمد صاحب لکھوی
کی کتاب " احوال الآخرت " کا بار بار مطالعہ کیا ۔ اب میں نے نماز
سیکھ لی اور اپنا نام تحفۃالھند کے مصنف کے نام پر عبیداللہ خود تجویز کیا۔

۱۵ اگست ۱۸۸۷ء کو تو کلاً علی اللہ نکل کھڑا ہوا ۔ میرے ساتھ
کوٹلہ مغلان کا ایک رفیق عبدالقادر تھا ہم دونوں عربی مدرسہ کے ایک طالب
علم کے ساتھ کوٹلہ رحم شاہ ضلع مظفر شاہ میں پہنچے ۔ میرے اعزہ تعاقب
کرنےلگے تو میں سندھ کی طرف روانہ ہوگیا ۔ عربی صرف کی کتابیں میں نے
اسی طالبعلم سے پڑھنا شروع کردی تھیں " ۔ (خود نوشت ، ص ۵۸-۵۹)

مولانا عبیداللہ سندھکے ایک قصبہ چونڈی ضلع سکھر میںپہنچکر سید العارفین حضرت حافظ محمد صدیق
کے ھاتھوں مشرف بہاسلام ہوئے اور سلسلہ راشدیہ قادریہ میں انھیں سے بیعت کی ۔ چند ماہ
سید العارفین کی صحبت میں رہ کر اسلامی شریعت اور باطنی کیفیت کی روشنی لیکر چونڈی سے رخصت
ہوئے ۔ حق و معرفت کی جستجو اور طلب علم و عرفان کا جنون دل میں لئے پہلے ریاست بھاولپور کی
ایک مسجد میں ابتدائی عربی کتابیں پڑھیں ۔ پھر دین پور (ریاست بھاولپور) میں اپنے مرشد
سید العارفین کے خلیفہ اول مولانا ابوالسراج غلام محمد ، مولانا عبدالقادر اور مولوی خدا بخش سے
ابتدائی دینی کتابیں پڑھیں ۔

۱۳۰۶ ھ میں دارالعلوم دیوبند میں داخلہ لیا ۔ حکمت و منطق شرح جامی کی کتابیں
مولانا حکیم محمد حسن اور دیگر اساتذہ سے پڑھیں ۔ کتب حکمت و منطق کی تکمیل کیلئے مولانا احمد
حسن کانپوری کے مدرسے میں چلے گئے پھر چند ماہ مدرسۃ عالیہ رامپور میں مولوی ناظرالدین سے درس
لینے کے بعد ۱۳۰۶ ھ میں دوبارہ دیوبند واپس آگئے ۔

دیوبند میں شیخ الھند حضرت محمود حسن ، مولانا حافظ احمد ، مولانا سید احمد دھلوی
وغیرہ جیسے علمائے عظام و مستند اساتذہ کرام کی شاگردی میں دارالعلوم سے دستار فضیلت حاصل کی ۔
گنگوہ میں مولانا رشید احمد گنگوھی سے بھی فیضیاب ہوئے ۔ پھر دھلی چلے گئے جہاں مولوی عبدالکریم پنجابی

دیوبندی اور حضرت مولانا سید نذیر حسین جیسے اہل تحقیق و اہل معارف سے علوم حدیث کی تکمیل کی ۔

مولانا عبیداللہ نے ۲ جماد الثانیہ ۱۳۰۸ ھ (۳۱ جنوری ۱۸۹۱ء) کو پھر سندھ کا رخ کیا ۔ اپنے مربی و مرشد حافظ محمد صدیق کی زیارت کیلئے چونڈی (سکھر) پہنچے لیکن دس دن پہلے وہ دنیا سے رخصت ہوچکے تھے ۔ اسلئے مولانا اپنے پیر کے دوسرے خلیفہ مولانا ابوالحسن تاج محمود کے پاس امروٹ ضلع سکھر چلے گئے ۔ مولانا ابوالحسن کے زیر شفقت و ہدایت ۱۳۱۵ ھ تک ان کی صحبت میں رہے اور ان کے کتب خانہ سے مستفید ہوئے ۔

مولاناعبیداللہ ۱۳۱۵ ھ (۱۸۹۷ء) میں دیوبند میں شیخ الہند کی خدمت میں پہنچے اور انکے حسب ہدایت امروٹ جاکر اپنی علمی زندگی کا آغاز کیا ۔ امروٹ میں ایک مطبع قائم کیا جسکے تحت عربی و سندھی کی نایاب و نادر کتابیں شائع کیں ۔ " ہدایت الاخوان " کے نام سے ایک ماہوار رسالہ بھی جاری کیا چونکہ مولانا کی طبیعت کا میلان فطری طور پر تعلیم و تبلیغ اور درس و تدریس کی طرف نسبتاً زیادہ تھا اسلئے پریس اور رسالہ کے کام ختم ہوگئے ۔

۱۳۱۹ ھ (۱۹۰۱ء) میں مولانا پیر رشد اللہ شاہ کی سرپرستی میں مولانا عبیداللہ سندھی کے بھرپور تعاون سے پیر جھنڈو میں مدرسہ دارالرشاد کا قیام عمل میں آیا تو ناظم اعلیٰ اور صدر معلمین کے عہدے مولانا سندھی کو تفویض ہوئے ۔ یہ مشاغل ان کی طبیعت اور مزاج کے عین مطابق تھے بڑی محنت اور لگن سے کام پکرتے رہے بے شمار طلباء انکے دامن فیض سے مستفیض ہوئے ۔

مولاناعبیداللہ سندھی شروع سےاکابر راشدیہ کے بیحد معتقد تھے ۔ ایام طالب علمی میں وہ پیر جھنڈو جاتے رہے وہاں پیر رشید الدین بیعت والا کی علمی و روحانی صحبتوں سے فیضیاب ہوتے رہے ان کے کتب خانے سے استفادہ بھی کیا (۴) ۔ مدرسہ دارالرشاد سے منسلک ہوئے تو پیر رشیدالدین کے صاحبزادے حضرت پیر رشد اللہ شاہ سے خصوصی وابستگی و شیفتگی رہی ۔ مولانا عبیداللہ نے علوم و معارف اور سلوک و صفا کی راہ میں طریقہ قادریہ (۵) راشدیہ ہی کو مشعل راہ بنایا ۔

حضرت شیخ الہند کے طلب کرنے پر ۱۳۲۷ ھ میں پھر دیوبند گئے ۔ حضرت شیخ کے حسب حکم جمعیت الانصار دیوبند سے وابستہ ہوگئے اور سندھ سے بھی تعلق رہا ۔ مولانا عبیداللہ لکھتے ہیں " چار سال تک جمعیت الانصار میں کام کرتا رہا پھر حضرت شیخ الہند کے ارشاد سے میرا کام دیوبند سے دہلی منتقل ہوا ۔ ۱۳۳۱ ھ (۱۹۱۳ء) میں نظارۃ المعارف قائم ہوئی اسکی سرپرستی میں حضرت شیخ الہند کےساتھ حکیم اجمل خان اور نواب وقارالملک ایک ہی طرح شریک تھے " (۶)

پروفیسر محمد سرور (سابق استاد جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی) لکھتے ہین ـــ "دیوبند سے مولانا عبیداللہ دہلی آگئے اور پہلے کے بنے ہوئے اسلامی سماج کے خلاف قرآن کے بتائے ہوئے اصولون پر اسلامی سماج بنانے کی طرح ڈالی ـ نظارۃ المعارف دہلی کے مدرسے کی تاسیس کا مقصد یہی تھا (۷)

۱۳۳۲ ھ (۱۹۱۳ء) مین پہلی عالمگیر جنگ عظیم (جو ۱۹۱۸ء تک جاری رہی) چھڑ جانے کے باعث نظارۃ المعارف کا کام ملتوی ہوگیا اور مولانا عبیداللہ اپنے مرشد و استاد حضرت شیخ الہند کے حکم پر کابل (افغانستان) روانہ ہوگئے ـ اس زمانے مین امیر حبیب اللہ خان افغانستان کے سربراہ مملکت تھے ـ اس تاریخی سفر کا مقصد اتحاد عالم اسلام اور ہندوستان کو انگریزون کی آمریت سے نجات دلانا تھا (۸) ـ

۱۹۲۲ء مین افغانستان سے ماسکو (روس) پہنچے ـ روس کے عرصۂ قیام مین مولانا نے سوشلزم کا مطالعہ کیا جسکا نتیجہ یہ برآمد ہوا بقول مولانا کے "مین اپنی مذہبی تحریک کو جو امام ولی اللہ کے فلسفہ کی ایک شاخ ہے اس زمانے کے لادینی حملے سے محفوظ کرنے کی تدابیر سوچنے مین کامیاب ہوا" (خطبات ص ۶۹) ـ

۱۹۲۳ء مین مولانا عبیداللہ انقرہ (ترکی) چلے گئے ـ مصطفی کمال اتاترک کا طوطی بول رہا تھا ـ ترکی مین ایک نئے انقلابی دور کا آغاز تھا جس نے ترک قوم کی زندگی کو نئے طرز تہذیب عطا کی ـ استنبول مین مولانا نے قرآنی آئین کی بنیاد پر اسلامی نظام کا ایک پروگرام اردو مین مرتب کیا جسکا انگریزی ترجمہ ظفر حسن ایبک نے ـــ دی کانسٹی ٹیوشن آف دی فیڈریلیٹڈ آف انڈیا (The Constitution of the Federated of India) کے نام سے کیا اور حکومت ترکی کی منظوری سے قدرے ترمیم کے بعد استنبول مین شائع ہوا ـ

مولانا عبیداللہ ۱۳۴۵ ھ مین ترکی سے روانہ ہوئے ـ یورپ کے مختلف ممالک اٹلی اور سوئٹزرلینڈ وغیرہ کی سیاحت کرتے ہوئے سرزمین حجاز مین پہنچے ـ وہان ابن سعود کی اصل اسلامی حکومت کا نقشہ اپنی آنکھون سے دیکھا ـ

مکہ معظمہ کے دوران قیام مولانا سے کئی عرب اور ہندی خاندانون سے علمی تعلقات قائم ہوئے علمائے حجاز اور انکے کتب خانون سے استفادہ کیا ـ سارا وقت مطالعہ اور تدریس و عبادت مین گزرتا ـ اردو کی نئی مطبوعات اور نئے رسائل و جرائد بھی زیر مطالعہ رہتے ـ شاہ ولی اللہ اور ان کے

خانوادہ علم کی کتابیں و صحیفے خصوصی مطالعہ میں رہتے ۔ (حالات تعلیمات افکار مولانا عبیداللہ از سرور ، ص ۳۶ ۔)

چوبیس برس کی سفر و سیاحت ، جدوجہد ، مطالعہ و فکر ، مشاہدات و تجربات اور درس و تدریس کے بعد مولانا کا محور فکر ایک نکتہ یعنی " قرآنی انقلاب اور حکمت ولی اللہی " کے گرد اپنا نقش جما چکا تھا ۔ " اگر مجھے موقعہ دیا جائے کہ میں امام ولی اللہ دہلوی کو حکمت کا مجتہد مستقل فرض کرلوں اور امام عبدالعزیز دہلوی اور مولانا رفیع الدین دہلوی کو اس حکمت کا منتسب مولانا اسمعیل شہید اور مولانا محمد قاسم کو مجتہد فی المذہب کے رتبہ پر تسلیم کرلوں تو میں اس حکمت کا ایک ایسا اسکول قائم کرسکتا ہوں جسمیں قرآن عظیم ، سنت رسول و سنت الخلفا الراشدین ، تاریخ اسلام کی پوری عقلی تشریح ممکن ہو ۔ اسکے بعد تمام مذاہب عالم اور انکی کتب مقدسہ کی تحقیق و تطبیق اسی اصول پر آسان ہوجائیگی ..... میرا محبوب مشغلہ فلسفہ امام ولی اللہ کی تعلیم و اشاعت ہوگا " ۔ (خطبات ، ص ۴۳ - ۴۲)

چنانچہ مولانا نے اپنے اسی نقطہ نگاہ و مطمع نظر کے حصول اور قرآن حکیم کی بنیاد پر ذہنی و فکری انقلاب لانے کی سعی و جہد میں عمر عزیز کا باقی حصہ وار دیا ۔ ۱۹۳۹ء میں حج بیت اللہ سے مشرف ہوکر حجاز سے کراچی (۹) پہنچے اسکے بعد دہلی چلے گئے ۔ دہلی میں کچھ عرصہ قیام کیا اور وہاں تفسیر قرآن اور علوم عربیہ کی تدریس جاری رکھی پھر وہاں سے پنجاب (۱۰) تشریف لےگئے۔

مولانا نے جمعا نربدا سندھ ساگر پارٹی کے اراکین کے تعاون سے ۱۳۵۸ ھ میں دارالرشاد پیر جھنڈو اور مظہر العلوم کراچی میں جمعیت العلمائے سندھ کا ایک مستقل شعبہ قائم کیا ۔ پھر ۱۳۵۹ ھ میں جامعہ ملیہ دہلی میں مرکزی بیت الحکمت (۱۱) کی داغ بیل ڈالی ۔ مولانا کا منصوبہ یہ تھا کہ مستقبل قریب میں بیت الحکمت کے زیر اہتمام مزید دو اداروں کی بنیاد رکھی جائیگی (۱۲) ایک کا نام " یادگار شیخ الہند " اور دوسرے کا نام شاہ ولی اللہ اکیڈیمی " ہوگا ۔ (خطبات ص ۲۱۰)

مولانا عبیداللہ سندھی نے ۲ رمضان المبارک ۱۳۶۳ ھ بروز شنبہ مطابق ۱۱ اگست ۱۹۴۴ء میں بمقام دین پور ریاست بہاولپور (اس وقت بہاولپور صوبہ پنجاب کا حصہ نہ تھا) میں سفر آخرت اختیار کیا ۔

حکیم حضرت پیر شاہ اکرام حسین سیکری نے یہ تاریخ سال رحلت کہی

سال رحلت مفتاح العلوم مولانا عبیداللہ صاحب سندھی

۱۹ ء ۴۴

مولانا عبیداللہ سندھی کے اساتذہ کرام اور انکے بزرگان علم ودانش کا حال اوپر آچکا ہے ۔ اب آئندہ صفحات میں انکے چند فیض یافتگان ، تلامذہ اور رفقائے کار کا اجمالی تذکرہ کیا جاتا ہے ۔ ان حضرات کا شمار دور حاضر کے مستند اساتذہ اور مشاہیر علم وادب میں ہوتا ہے ۔ انمیں سے کوئی بھی محتاج تعارف نہیں ۔ پھر بھی مولانا عبیداللہ سندھی کے تعلق سے ان کا ذکر ناگزیر ہے ۔

(۱) مولانا غلام مصطفیٰ قاسمی ، ڈائرکٹر شاہ ولی اللہ اکیڈیمی ، حیدرآباد سندھ
ایڈیٹر ماہنامہ الرحیم (سندھی) ماہنامہ الولی (اردو) حیدرآباد

مولانا عبیداللہ کے تلامذہ ارشد اور رفقائے کار میں سے ہیں ۔ مولانا قاسمی اپنے استاد محترم المقام سے اپنے شرف تلمذ اور تعلق کا اظہار فخر سے کرتے ہیں ۔ سندھ کے اکثر تحریکوں اور منصوبوں میں اپنے استاد مکرم کے ہمراہ و ہم مجلس رہے ۔ مولانا عبیداللہ نے اپنے آخری خطبہ مورخہ ۱۲ شعبان ۱۳۶۳ھ میں جمعیت الطلباء سندھ سے خطاب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا تھا ۔۔ " محمد قاسم ولی اللہ تھیالوجیکل اسکول شہداد نگر (ضلع لاڑکانہ) میں مولانا غلام مصطفیٰ اور اسکے رفیق قاضی عزیز اللہ کی ہمت سے کھولا جاتا ہے " ۔ (خطبات ص ۱۷۴)

مولانا غلام مصطفیٰ قاسمی کے حالات اور ان کی خدمات سے متعلق ایک علیحدہ مضمون زیر نظر کتاب کے پانچواں حصہ میں ملاحظہ فرمائے ۔

(۲) پروفیسر محمد سرور سابق استاد جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی

مولانا عبیداللہ سندھی کے حالات ، تعلیمات ، سیاسی افکار اور افادات و ملفوظات سے متعلق سب سے زیادہ بنیادی ، تفصیلی و تحقیقی کام کرنے کا سہرا پروفیسر محمد سرور کے سر ہے ۔ مولانا عبیداللہ جس زمانے میں مکہ معظمہ میں تشریف فرما تھے اس زمانے میں محمد سرور جامعہ ملیہ دہلی میں استاد تھے ۔ ۱۹۳۸ء میں مولانا نے انہیں شیخ الجامعہ کے توسط سے مکہ میں درس و تدریس کیلئے طلب کیا اور انھوں نے مولانا کی خدمت میں رہ کر علوم و معارف سے آگاہی حاصل کی ان کے افادات و ملفوظات قلمبند کئے ۔ اس بارے میں محمد سرور رقمطراز ہیں ۔۔ " مولانا عبیداللہ صاحب سندھی دیار حرم میں تشریف فرما تھے ۔ خاکسار مصنف انکی خدمت میں پہنچا [illegible] ۔ یہاں ایک عرصے تک مصنف کو مولانا کی خدمت میں بیٹھنے اور ان سے استفادہ کرنے کا شرف حاصل ہوا ۔
(مولانا عبیداللہ سندھی ، حالات وتعلیمات و افکار) ۔

(۳) مولانا سعید احمد اکبر آبادی ، ایڈیٹر ماہنامہ برہان دہلی

مولانا عبیداللہ سندھی ۱۹۳۹ء میں جلا وطنی کے بعد کراچی پہنچے تو انکے استقبال کرنے والوں میں مولانا سعید احمد اکبرآبادی (سابق پرنسپل مدرسہ عالیہ کلکتہ) بھی شریک تھے ۔ مولانا کے دہلی میں قیام کے دوران انکی علمی مجلسوں میں شرکت کی اور درس لیا ۔ مولانا سعید احمد لکھتے ہیں " انکی (مولانا کی) بڑی تمنا تھی کہ کسی طرح ان سے سبقاً سبقاً حجت البالغہ پڑھ لوں اور پھر انکے ارشادات کی روشنی میں حجت البالغہ کی شرح اپنے الفاظ میں لکھ ڈالوں اس اہم کام کیلئے مجھ ایسے ہیچمدان کو مولانا کی نظر میں انتخاب میری سب سے بڑی خوش قسمتی تھی (مقالہ مولانا عبیداللہ سندھی ، چند مشاہدات مطبوعہ ماہنامہ الرحیم حیدرآباد اگست ۱۹۶۷ء) ۔

مولانا مسعود عالم ندوی مرحوم نے محمد سرور کی کتاب " مولانا عبیداللہ سندھی ، حالات زندگی تعلیمات ، سیاسی افکار " کے خلاف ایک سخت تنقیدی مقالہ لکھا جو ماہنامہ معارف اعظم گڑھ شمارہ ستمبر ۱۹۴۲ء میں شائع ہوا تھا ۔ مولانا سعید احمد اکبرآبادی نے اس مضمون کے جواب میں تفصیلی مقالہ لکھا جو پہلے ماہنامہ برہان میں بالاقساط شائع ہوا اور بعد میں مولانا عبیداللہ سندھی اور انکے ناقد کے نام سے سندھ ساگر اکیڈیمی لاہور سے ۱۹۴۶ء میں کتابی شکل میں شائع ہوا ۔

(۴) ظفر حسن ایبک

مولانا عبیداللہ کے معتمد خاص اور دست راست تھے ۔ کابل سے ترکی تک کے سفر و قیام میں مولانا کے ساتھ رہے ۔ مولانا کے آرام اور خوشی کیلئے ہر تکلیف برداشت کی اور اس خدمت پر ظفر حسن کو فخر ہے ۔ انھوں نے مولانا سے کابل میں علوم دینیہ بھی پڑھے ۔

مولانا نے ترکی میں جو سیاسی منشور بنایا تھا اسکا انگریزی ترجمہ ظفر حسن نے کیا تھا اور وہ ۱۹۳۶ء میں استنبول میں چھپا (۱۳) ۔

مولانا عبیداللہ ظفر حسن کی خدمت و رفاقت سے کس قدر متاثر تھے اور ان پر کس درجہ شفقت فرماتے تھے اسکا اندازہ خود مولانا کی ایک تصویر جس میں ظفر حسن انکے ساتھ ہیں ، پر ان کی مندرجہ ذیل تحریر سے لگایا جاسکتا ہے ۔ یہ تحریر اردو اور انگریزی دونوں میں ہے جس سے اس امر کا بھی انکشاف ہوتا ہے کہ مولانا انگریزی زبان سے اچھی طرح واقف تھے اور انگریزی خوش خط لکھتے تھے ۔ اس تصویر کا عکس اس مضمون کے شروع میں شامل ہے ۔

" چھوٹے بیٹوں جیسا پیارا دس سال مسلسل ہر قسم کی خدمات جانفروشی سے کرنے والا ظفر حسن آج سے اپنے خاص اختیارات تفویض کرنے کی یادگار میں اس عکس پر دستخط کرتا ہوں ۔

استنبول ۳ جون ۱۹۳۶ء عبیداللہ دستخط

(۵) مولانا علی محمد کاکے پوتا

پنجاب یونیورسٹی سے مولوی فاضل کے امتحان مین اول آئے ـ اورینٹل کالج لاھور کے زمانہ طالب علمی مین مولوی محمد شفیع مرحوم کے توسط سے علامہ اقبال کی خدمت مین پہنچے اور رویت کے مسئلے مین مسلمانون کے قدیم فلسفے سے متعلق کچھ معلومات جمع کرکے علامہ کو پیش کیا جس کا اعتراف انھون نے اپنے ایک مکتوب مین کیا تھا ـ مولانا عبیداللہ ھجرت کے بعد وطن واپس آئے تو مدرسہ ارالرشاد پیر جھنڈو مین درس دینا شروع کیا ـ مولانا کاکے پوتا نے بھی ان سے چند کتابین پڑھین (ماخوذ از شذرات ، مولانا غلام مصطفی قاسمی ، الرحیم ، اپریل ۱۹۶۷ء)

(۶) مولانا عبداللہ لغاری

مولانا عبیداللہ کے قریبی شاگرد تھے ـ کابل اور مکہ معظمہ مین ان کے رفیق کار رھے ـ انھون نے ایک یہ کارنامہ انجام دیا کہ مولانا عبیداللہ کے ساتھ جھان جھان رھے اکثرعلمی تعلیمی سیاسی مشاغل اور سرگرمیون سے متعلق ذاتی ڈائری لکھتے رھے بعد مین اسے کتابی شکل دی ـ اب وہ " ذاتی ڈائری " عنقریب منظر عام پر آجائیگی ـ

(۷) مولانا بشیر احمد لدھیانوی ـ استاد دارالرشاد پیر جھنڈو

انھون نے اپنی ایک کتاب " قرآنی دستور انقلاب " (۱۲) (یعنی سورۂ مزمل اور سورۂ مدثر کی حکیمانہ شرح) ضخامت ۲۲۳ صفحات مطبوعہ بیت الحکمت لاھور ۱۳۶۶ ھ (۱۹۴۶ء) کو اپنے استاد محترم کی خدمت مین خراج عقیدت پیش کرتے ھوئے ان الفاظ مین معنون کیا ھے ـ

> " مین ان اوراق کو اپنے کہن سال جوان فکر استاد معظم مجاھد فی سبیل اللہ حضرت مولانا عبیداللہ سندھی کے نام نامی معنون کرنے کی سعادت حاصل کرتا ھون جنکے فیض سے یہ مطالب ھوئے ھین اور جنھون نے مسلمانان ھند کو قرآنی انقلاب اور فلسفۂ ولی اللھی سے روشناس کرایا اور جنھون نے خدائے تعالی کے قانون کو دنیا مین سربلند کرنے کی کوشش مین اپنا جان و مال اپنے عزیز و اقارب اور ملک و وطن سب کچھ ہیچ سمجھا اور ایک بلند نظر صاحب عزیمت انقلاب کی طرح زندگی بسر کی " ـ

مولانا عبیداللہ کا پیش لفظ " لمحات طیبات " کے عنوان سے اس کتاب کے شروع میں شامل ہے ۔ مولانا اپنے عزیز شاگرد مولانا بشیر احمد کے بارے میں تحریر فرماتے ہیں

" مولوی بشیر احمد صاحب بی اے لودھیانوی ہم سے قرآن شریف سمجھنے کے لئے مسلسل ملتے رہے ۔ وہ ہمارے افکار لکھتے بھی رہتے تھے ۔ اس طرح انھوں نے کئی سو صفحے تیار کرلئے .... وہ ہمارے طرز تفکر کا انقلابی نقطہ تدریجاً سمجھنے کے قابل ہوگئے اب انکی خواہش ہے کہ لوگوں کو پڑھائیں یا پریس کے ذریعے سے پھیلائیں ۔ ہمیں .... ایسے ہی استاد کی ضرورت تھی ۔ ہم نے انھیں اپنے ابتدائی تجارب میں شریک بنا لیا ہے " ۔

مولانا عبیداللہ سندھی سراپا انقلاب تھے ۔ ~~اسلام~~ راسخ الایمان ، عدیم المثال دل و دماغ کے حامل ، ان کی انقلاب انگیز زندگی پیہم جدوجہد ، مسلسل مطالعہ و فکر ، بے پایاں مشاہدہ وتجربہ اور بے پناہ عزم و اخلاص ، ایثار و استقلال سے عبارت تھی ۔ انھوں نے قوم و ملت کی فلاح و بہبود اور شوکت و عظمت کی خاطر منصوبے اور لائحہ عمل تیار کئے ۔ اپنے منصوبوں اور مقاصد کی تحصیل و تکمیل کے لئے شب و روز کام کیا ۔ اپنے علم و عمل کی روشنی میں دوسروں کو فکر و عمل کی ترغیب دی ۔ انھوں نے اپنے افکار و خیالات کی تبلیغ اور شاہ ولی اللہ کی نگارشات و پیغامات کی تعلیم و اشاعت کیلئے نہ صرف ملک کے گوشے گوشے میں سیاسی علمی اور تعلیمی انجمنیں ، ادارے قائم کئے بلکہ جہاں بھی گئے وہاں کے اجتماع سے خطابات بھی کئے ۔

حقیقت یہ ہے کہ اسلامی علوم و معارف ، دینی تعلیمات اور امور سیاست پر جیسی بلند نگاہ اور وسیع نظر مولانا عبیداللہ سندھی کی تھی ان کے معاصرین میں ایسی چند حضرات کی تھی ۔ مولانا عربی فارسی سندھی اردو ادبیات کے ماہر تھے ۔ ان تمام زبانوں پر ماہرانہ قدرت رکھتے تھے ۔ انگریزی سے بھی خوب واقف تھے ۔ مولانا شعلہ بیان مقرر نہ تھے (یہ بات راقم کو مولانا سعید احمد اکبرآبادی کی زبانی معلوم ہوئی) لیکن وہ اپنی تقریروں اور خطبات میں اس قدر موثر و دلچسپ پیرایہ بیان اختیار کرتے تھے کہ ان کی باتیں دلوں میں اتر جاتی تھیں ۔ ان کی گفتگو کی زبان سادہ اور صاف ہوتی تھی مگر اپنے موقف و نظریہ کو منوانے کی بلاکی طاقت رکھتے تھے ۔ البتہ علمی موضوع اور مباحث میں عالمانہ زبان و بیان کو لازمی قرار دیتے تھے ۔

مولانا نے بیشمار کتابوں کے تعارف ، پیش لفظ ، مقدمات اور تقاریظ لکھیں جو فکر و نظر اور

علم و بصیرت سے معمور ہیں ۔ اگر ان سب کو یکجا جمع کرکے کتابی شکل میں شائع کرادیا جائے تو " معارف عبیداللہی " کی کئی مفید جلدیں مرتب ہوسکتی ہیں ۔ طبقات کا اردو ترجمہ بھی مولانا عبیداللہ نے کیا تھا جو بالاقساط ماہنامہ الولی حیدرآباد (قسط اول اکتوبر نومبر ۱۹۷۲ء) میں شائع ہوچکا ہے ۔

زیر نظر مقالے کی طوالت کے خیال سے مولانا عبیداللہ سندھی کی عربی کتابوں کا ذکر کئے بغیر ان کی صرف اردو تصنیفات و تالیفات ، خطبات و مقالات اور ملفوظات کا ایک اجمالی جائزہ پیش کیاجاتاہے۔

(۱) اردو کے دو رسالے

یہ رسالے راقم کی نظر سے نہیں گزرے لیکن مولانا غلام مصطفی قاسمی صاحب کا ارشاد ہے کہ دونوں رسالے اردو میں ہیں ان کے بارے میں خود مولانا عبیداللہ رقمطراز ہیں — " ۱۳۱۵ھ میں دیوبند پہنچا ، اپنے مطالعہ کا نمونہ دو رسالے لکھکر ساتھ لے گیا ۔ ایک علم حدیث میں دوسرا فقہ حنفی میں ۔ حضرت مولانا (شیخ الہند) نے دونوں رسالے پسند فرمائے " ۔ (خطبات ، ص ۲۶)

(۲) افادات و ملفوظات مولانا عبیداللہ سندھی

مرتبہ پروفیسر محمد سرور مطبوعہ سندھ ساگر اکیڈیمی لاہور ۔ ضخامت ۵۱۲ صفحات ۔

اس کتاب کا آخری باب مولانا عبیداللہ کے ملفوظات پر مشتمل ہے جنھیں محمد سرور نے مولانا کی صحبتوں میں رہکر قلمبند کئے تھے ۔ ان ملفوظات کے مطالعہ سے مولانا کے سیاسی و علمی تحریکات و اجتماعات ، دینی و فکری عقائد و احکام اور تاریخ و سیاسیات سے متعلق مسائل و مباحث کے متعدد پہلو اجاگر ہوتےہیں

(۳) کابل میں سات سال

مطبوعہ سندھ ساگر اکیڈیمی ، لاہور ۱۹۵۵ء ۔ سن تحریر جمادی الثانی ۱۳۵۲ ھ (اکتوبر ۱۹۳۲ء)، دوران قیام مکہ معظمہ ۔

ایک سو بارہ صفحات کی اس مختصر سی کتاب میں مولانا نے افغانستان (۱۵ اکتوبر ۱۹۱۵ء) سے روس (۱۵ اکتوبر ۱۹۲۲ء) تک کی یادداشتوں پر مشتمل وہ حالات و واقعات ، مشاہدات و تجربات ، مشاغل و مصروفیات قلمبند کی ہیں جو انھیں ان تاریخی سفر اور قیام کے زمانے میں پیش آئیں ۔ مولانا کی یہ تاریخی یادداشتیں پہلے ۱۹۳۶ء میں لاہور سے چھپیں ۔ اس کتاب کے آغاز میں شیخ الاسلام حضرت سید حسین احمد مدنی کا ایک اختلافی مقالہ شامل ہے ۔ کابل میں سات سال

کے شروع میں محمد سرور کا ایک دلچسپ اور فکر انگیز مقدمہ بھی زینت کتاب ھے جس سے مولانا کے کابل کے سفر کا تاریخی پسمنظر سامنے آتا ھے ۔

اس کتاب میں مولانا عبیداللہ کی خود نوشت سوانح حیات بھی شامل ھے جسکی بناء پر کتاب کی افادیت میں اضافہ ھوگیا ھے ۔ اسطرح یہ کتاب مولانا کے حالات زندگی اور ان کےخیالات و نظریات کو سمجھنے کیلئے بنیادی مآخذ کی حیثیت رکھتی ھے ۔ ان کے حالات زندگی کا یہ حصہ پہلے ۲۷ فروری ۱۹۳۹ء کے روزنامہ انقلاب لاھور (ایڈیٹر عبدالمجید سالک مرحوم) میں شائع ھوا تھا ۔

(۴) خود نوشت سوانح عمری (غیر مطبوعہ)

دستور انقلاب مطبوعہ مکتبہ بیت الحکمت لاھور کے آخری گردپوش پر مندرجہ ذیل اشتہار درج ھے جس سے اندازہ ھوتا ھے کہ اس زمانے میں مولانا کی یہ کتاب زیر طبع تھی ۔ غالباً اب تک شائع نہ ھوسکی

"مولانا عبیداللہ سندھی کی خود نوشت سوانح عمری مع دیگر
حالات جو مختلف معتبر مآخذوں سے لئے گئے ھیں " ۔

(۵) استنبول کا پروگرام

موسوم بہ فیشنل کانگریس میں تحریک آزادی کا دوسرا دور یعنی کانگریس کمیٹی کابل کا سوراج پروگرام اور مہا بھارت سردار جیہ پارٹی پروگرام ۔

یہ کتابچہ دراصل مولانا عبیداللہ کا وہ تاریخی و سیاسی پروگرام ھے جسے انھوں نے استنبول (ترکی) میں بیٹھکر مرتب کیا تھا ۔ پہلے اردو میں ۱۹۲۴ء میں کتابی صورت میں چھپا ۔ اس کا انگریزی ترجمہ مولانا کے سکریٹری اور ساتھی ظفر حسن ایبک نے " دی کانسٹی ٹیوشن آف دی فیڈریشن آف انڈیا (The Constitution of the Federation of India) کے نام سے کیا جو استنبول ھی سے ۱۹۲۶ء میں طبع ھوا ۔

استنبول کا پروگرام یا تاریخی و سیاسی منشور جسے " سردار جی نظام " بھی کہا جاتا ھے انگریزی اور اردو دونوں زبانوں کے کتابچے کو ھندوستان میں ضبط کرلیا گیا اور اس کے سرکولیشن (Circulation) پر پابندی عائد کردی گئی ۔

اس منشور میں مولانا نے ھندوستان کی آزادی سے متعلق اپنی تجاویز اور دستور العمل کی وضاحت کی ھے اس کے آخری صفحے پر مولانا عبیداللہ سندھی اور ظفر حسن کے کانگریس سردار جیہ کمیٹی کابل کے

صدر اور سکریٹری کے دستخط ہین ۔ اسطرح یہ منشور اپنی اہمیت کے اعتبار سے ایک تاریخی دستاویز ہے ۔ اس دستاویز کی افادیت کا اندازہ محمد سرور کے ان الفاظ سے لگایا جاسکتا ہے ۔

" اس کی بعض بنیادی باتین آج بھی اتنی انقلابی اور قبل از وقت معلوم ہوتی ہیں کہ انہین عوام کے سامنے پیش کرنیکی ہم سے شاید ہی کسی کو ہمت ہو " (۱۵)

(۶) ذاتی ڈائری

مرتبہ مولانا عبداللہ لغاری ۔ تصحیح و نظر ثانی ڈاکٹر غلام مصطفی خان سابق صدر شعبہ اردو جامعہ سندھ ۔ ناشر شعبہ سندھیالوجی جامعہ سندھ ۔

یہ مولانا عبیداللہ سندھی کی ذاتی ڈائری ہے جو مولانا کے افغانستان ، روس ، ترکی ، حجاز کے زمانہ قیام مین مطالعہ ، شاہدات و تجربات اور غور و فکر پر محیط ہے ۔ مولانا لغاری نے اسے بڑی محنت اور انہماک سے ترتیب دی ہے ۔ یہ ڈائری مولانا کی سیاسی و علمی زندگی سے متعلق نہایت اہم اساس و ماخذ کی حیثیت رکھتی ہے ۔ اسکے بارے مین ڈاکٹر غلام مصطفی خان صاحب کی یہ گرانقدر رائے بڑی افادیت کی حامل ہے جسے انہون نے اپنے ایک مکتوب گرامی مورخہ ۱۰ ستمبر ۱۹۷۲ء مین پروفیسر ابو سلمان شاہجہانپوری کے نام تحریر فرمائی ہے ۔ وہ رائے یہ ہے

" خدا کرے مولانا عبیداللہ کی ذاتی ڈائری .... جلد از جلد منصۂ شہود پر آجائے تاکہ انکی سیاسی تحریک کے بہت سے گوشے بے نقاب ہوسکین "

(۷) خطبات مولانا عبیداللہ سندھی

ناشر مکتبہ بیت الحکمت لاہور ۔ ناشر کے ان الفاظ سے اس کتاب کے موضوع اور متن کے بارے مین کچھ آگاہی ہوسکتی ہے ۔

" .... جن مین حضرت مولانا نے ہندوستانی نوجوانون کے سامنے فکر و عمل کی نئی راہین کھول دی ہین اور امید و انقلاب کا وہ پیغام دیا ہے جو جمود کو توڑ کر دلون مین ہلچل ڈال دیتا ہے " ۔

(۸) خطبات (۱۲) و مقالات مولانا عبیداللہ سندھی

ضخامت ۳۲۴ صفحات ۔ مطبع گیلانی الیکٹرک پریس لاہور ۔ ناشر سندھ ساگر اکیڈیمی چوک روڈ لاہور ۔ یہ پہلا ایڈیشن ہے جو راقم السطور کے پیش نظر ہے ۔ یہ کتاب قبل از پاکستان شائع

ہوئی تھی اس میں کہیں سن اشاعت و طباعت درج نہیں ۔

خطبات و مقالات کے اس مجموعے کو محمد سرور نے مرتب کیا ہے ۔ اس کتاب کے پہلے حصے میں مولانا عبیداللہ کے پانچ خطبات (کلکتہ ، ٹھٹھہ ، مدراس ، حیدرآباد اور شہداد کوٹ) ہیں ۔ شہداد کوٹ ضلع لاڑکانہ سندھ کا خطبہ انکا آخری خطبہ تھا ۔ عرض مرتب ، سے کتاب آغاز ہوتا ہے ۔ اس کے بعد مرتب کا نہایت مفید و پرمغز مقدمہ ہے دوسرے حصے میں چھ مقالات ہیں جن کے عنوانات یہ ہیں :

جمنا نربدا سندھ ساگر پارٹی کا قیام ، جمعیت خدام الحکمت ، قومی اجتماع ہند میشنل ہے یا انٹر میشنل ؟ ، ہم کیا چاہتے ہیں ؟ ، جامعہ ملیہ دہلی میں یادگار شیخ الہند کا افتتاح اور آخری مقالہ ہے بیت الحکمت (حکمت الامام ولی اللہ دہلوی) جسکے اختتام پر " ۱۰ فروری ۱۹۲۲ء ہجری ، بیت الحکمت قاسم العلم لاہور " رقم ہے ۔

اس کتاب میں مقدمہ کے بعد اور خطبات سے پہلے " میری زندگی " کے زیر عنوان مولانا عبیداللہ کے خود نوشت حالات ہیں جو ۲۷ فروری ۱۹۳۹ء کے روزنامہ انقلاب لاہور میں شائع ہوچکے تھے ۔ بعد میں " کابل میں سات سال " نامی کتاب میں بھی شامل کئے گئے ۔ مولانا کی خودنوشت سوانح حیات سے نہ صرف انکی زندگی اور شخصیت کے بہت سے اہم گوشے اجاگر ہوئے بلکہ مولانا سے متعلق بعض اختلافات اور غلط فہمیوں کا بھی ازالہ ہوا ۔

خطبات و مقالات پر مشتمل یہ کتاب مولانا کے افکار اور رجحانات ، خیالات و تعلیمات کے سلسلے میں اس درجہ اہم ہے کہ مولانا کے بارے میں کوئی تحقیقی کام اس کتاب کے حوالے کے بغیر مکمل نہیں ہوسکتا۔ آغاز کتاب میں پروفیسر محمد سرور رقمطرازہیں

" مولانا مرحوم کے خطبات و واقعات کا یہ مجموعہ اہل ملک کی خدمت میں پیش کیا جارہا ہے ۔ اسے مولانا کے افکار و خیالات کی ایک تمہید سمجھنی چاہئے جو خود حضرتنے اپنے قلم سے مرتب کی ہے " ۔

حقیقت یہ ہے کہ ان خطباتومقالات کے مطالعے سے مولانا کی سیاسی و قومی تحریکات ، علمی و تعلیمی جدوجہد ، ملی و اسلامی رجحانات ، ولی اللہی نظریات ، اقوام عالم کی تاریخ ، تہذیب و ثقافت کے منظر اور پسمنظر کو سمجھنے میں مدد ملتی ہے ۔

ان خطبات و مقالات کی زبان نہایت صاف سلیس اور شستہ ہے ۔ انداز بیان موثر و دلپذیر ان کے برہان و دلائل ، حوالے اور ماخذ مدلل ، عالمانہ و محققانہ ہے سب سے بڑی بات یہ ہے کہ ہر

خطبه اور هر مقاله کے کسی نه کسی پہلو سے مولانا کے مطمع نظر اور نکته نگاه کی وضاحت و صراحت هوتی هے ۔ زبان مین کوئی الجهاو نهین کوئی پیچیدگی نهین ۔ جو بیان هے واضح ، جو بات هے صاف صاف اور جو الفاظ هین موزون و برمحل ۔

اب هم مولانا کی اردو نثر کے نمونے کے طور پر ان کے خطبات و مقالات کے چند اقتباسات پیش کرتے هین ۔ یه عبارات اردو نثر مین انکی خاص طرز ادا ، اسلوب انشاء اور مخصوص نگارش کی آئینه دار هیے ۔

خطبات ــــ یه مولانا کا وه خطبه صدارت هے جسے انهون نے علمائے صوبه بنگال (بمقام کلکته) کے ایک اجلاس منعقده ۳ جون ۱۹۳۹ء مین پڑھا ۔

" حضرات ، مین ایسے زمانے مین هند سے باهر رها هون جسے دور انقلاب کهنا چاهئے ۔ بڑی بڑی سلطنتین فنا کے گھاٹ اتاری جارهی تهین انکی جگه پر قوم کے بہادرون کا جو دسته عمر بهر مصیبتون مین مبتلا رها اب پارٹی کا پالیٹکس کے اصول پر اپنی مختصر جماعت کے زور پر نئی حکومتین بنا رها تھا ۔ ایسے زمانے مین نئے اور پرانے چوٹی کے سیاست دانون سے استفاده کا موقع ملتا رها جسکا نتیجه یه هوا که هم اس عالمگیر انقلاب کی حقیقت اور اسکے اساسی اسرار سمجھنے کے قابل هوگئے " ۔ (خطبات ، ص ۸۳)

" هماری هندوستانی تهذیب کا عهد قدیم جو هند تهذیب کهلاتا هے اور عهد جدید جسے اسلامی تهذیب سمجھا جاتا هے دونون مذهبی اسکول هین اور آجکل کا یورپیئن اسکول مذهب سے قطعاً نابلد هےاسکا مدار فقط سائنس اور فلسفه پر هے اسی لئے همارے وطن مین اگر اس انقلاب کے سمجھنے کی استعداد پیدا نهین هوئی تو سر بسر نقصان هی نقصان همارے حصے مین آئے گا" ۔ (خطبات ، ص ۸۵)

" اردو مین قرآن عظیم کی تفسیر حدیث و فقه و تاریخ و تصوف کے اعلیٰ مضامین مسلمانان هند کو مشترک طریقه سے سکھلائے جائین اور مین ان دینی خادمون کی تعریف کرنے پر مجبور هون جنهون نے قرآن کا پہلے اردو ترجمه کیا ۔ مشکواة مشتاق الانوار در مختار اور احیا العلوم جیسی کتابون کا گزشته صدی مین ترجمه کردیا "۔ (خطبات ، ص ۹۱)

" مین سفارش کرتا هون که تفسیر مین فتح الرحمٰن اگرچه فارسی ترجمه هے ضرور پڑھا جائے وه اس قدر فوائد پر مشتمل هے که کوئی تفسیر اس کا بدل نهین هوسکتی ۔

دوسی عالموں نے جسطرح عربی گرامر کو بیجا استعمال کرکے قرآن کو سمجھنے میں تشکیک پیدا کردی ہے فتح الرحمن اس سے نجات دلاتا ہے جیسا کہ میں پہلے عرض کرچکا ۔ اردو کی حفاظت کیلئے فارسی کی ضرورت ہے ۔ یہ ترجمہ اگر داخل درس رہا تو وہ مطلب بھی پورا ہوجائے گا ۔

اصول التفسیر میں فوز الکبیر اور علم حدیث کی اصولی و فروعی شرح کرنے میں حجت البالغہ بے نظیر کتابیں ہیں ۔ ایسا ہی اہل السنت کی فقہ مجتہدانہ سمجھنے میں مدد ملتی ہے اور اس اصول کی تشریح میں بے نظیر کتاب ہے کیونکہ فطرت انسانیہ ادیان الہیہ کا معیار بنائی گئی ۔ الخیرالکثیر (۱۷) فلسفہ الہیات کو کتاب و سنت کی شرح میں استعمال کرنے کے قابل بناتا ہے ۔ میں سفارش کرتا ہوں کہ یہ سب کتابیں دارالعلوم دیوبند جیسے مرکزی مدارس میں داخل درس کردی جائیں ۔ (خطبات ، ص ۹۳) ۔

مقالات ـــ اب ہم مولانا عبیداللہ سندھی کے حصہ مقالات سے ایک مقالے کے اقتباسات نذر قارئین کرتے ہیں ۔ اس مقالے کا عنوان ہے " یادگار شیخ الہند کا افتتاح ، جامعہ ملیہ دہلی میں " اور اسکے آخر میں یہ تاریخ درج ہے ۔ ۲۲ نومبر ۱۹۴۰ء ہندی بیت الحکمت جامعہ نگر دہلی ۔

" میں بعض دوستوں کے مشورے سے جن میں محترم خواجہ عبدالحئی صاحب کا نام لے سکتا ہوں رمضان ۱۳۵۹ ھجری کے آخر ہفتہ میں دہلی پہنچا ۔ آج ۱۲ شوال ۱۳۵۹ ھجری (۱۷ نومبر ۱۹۴۰ء) شخصی سے جس قدر مستعدین اپنا خرچ خود برداشت کرسکتے ہیں فقط انہیں کی رفاقت میں جامعہ ملیہ کا بیت الحکمت شروع کردیتا ہوں ۔ جسے آگے چلکر " یادگار شیخ الہند " اور ولی اللہ اکادمی (Waliullah Academy) کے نام سے پکارا جائے گا " ۔ (مقالات ، ص ۲۱۰)

یاد رہے کہ ہم اسے کسی عارضی تحریک یا وقتی جوش سے متاثر ہوکر شروع کرنا نہیں چاہتے بلکہ ہم اپنے علم اور تجربہ کا عملی نمونہ قائم کرتے ہیں ۔ شاہ ولی اللہ کے فلسفہ سے ہمارا تعلق پچاس برس سے دیا جاتی ہے ۔ اس وقت ہم اپنی تحقیقات کا نچوڑ آئندہ نسل کے سامنے لانا چاہتے ہیں ۔

ہم چاہتے ہیں کہ ہندوستانی قوم فکر میں ایک معقول خیال کا اضافہ کریں جس سے ایک مسلمان بھی اپنے ہندوستانی ہونے پر اسی قدر فخر کرسکتے ہیں جسطرح دنیا کے عظیم محبان وطن اپنے وطن کی عزت پر ناز کرتے ہیں ۔ وہ خیال دنیا کے ایک غیر معروف لیکن بہت بڑے فلاسفر امام ولی اللہ دہلوی کا فلسفہ ہے ۔ یہ حکمت جسطرح مسلمانوں کے دو معروف فلاسفروں شیخ اکبر ابن عربی

اور امام مجدد سرہندی کے تبعین کو مطمئن کرسکتی ہے اس سے زیادہ ہندو فلاسفی کے مختلف اسکولوں کے نظریات کو گیتا کے اسلوب پر جمع کررہی ہے جس قدر اہل علم ولی اللہ فلاسفی میں تبحر حاصل کرینگے وہ اپنے ہر خیال ہندوستانیوں پر ہندو ہوں یا مسلمان یکساں اعتماد کرینگے ۔

اس فلاسفی کی تعلیم سے ہمیں ایک اور فائدہ بھی حاصل کرنا مقصود ہے ہم اپنی اس نئی جماعت کو سرکاری یامذہبی خدمات کیلئے تیار نہیں کر رہے اس لئے انہیں ہم خدمت خلق کا پروگرام ہی دے سکتے ہیں ۔ ولی اللہ فلاسفی چونکہ تمام ادیان کا مرجع انسانیت اور اسکی تکمیل کو قرار دیتی ہے ہم یقین رکھتے ہیں کہ جس قدر یہ فکر ذہن میں راسخ ہوگا اسی قدر وہ خلق اللہ کا اچھا خادم ہوگا ۔ (مقالات ، ص ۲۱۱ - ۲۱۲)

یاد رکھنا چاہئے کہ امام ولی اللہ دہلوی کے حلقہ مسترشدین میں سندھ کے نامور علماء داخل تھے مثلاً مخدوم معین الدین تتوی جو شاہ عبدالطیف صاحب رسالہ توحید کے رفیق اور مخدوم محمد ہاشم کے مشائخ میں ہیں ۔ وہ شاہ ولی اللہ کو اپنا امام مانتے ہیں ۔ جب امام عبدالعزیز کی جماعت مجاہدین سندھ سے گزری تو راشد مشائخ میں شیخ شیخنا مولانا سید محمد حسن جیلانی اور مولانا سید صبغت اللہ لکیاری اس حلقہ میں شامل ہوگئے ۔ آخر میں میرے مرشد حافظ محمد صدیق (بھرچونڈی) کے دونوں بڑے خلیفہ مولانا غلام محمد (دین پور) اور مولانا تاج محمد (امروٹ) اور سید صبغت اللہ کے خاندان سے مولانا راشد اللہ صاحب العلم حضرت مولانا شیخ الہند سے ملحق ہوگئے ۔ مولانا شیخ الہند کی یادگار سے جسطرح دیوبند اور دہلی کے سلسلے کی یاد تازہ رہے گی دہلوی دیوبندی رفقاء اور راشدی اخوان طریقہ سے میری پرزور استدعا ہے کہ وہ یادگار شیخ الہند کو ہی اپنے مشائخ کی یادگار سمجھیں ۔ جامعہ ملیہ دہلی میں اس مرکز کو مضبوط بنائیں اور اس کے فروغ اپنے ہاں قائم کرنے کی کوشش کریں " ۔ (مقالات ، ص ۲۱۶ - ۲۱۷)

(۹) شاہ ولی اللہ اور ان کا فلسفہ

مولانا عبیداللہ سندھی کی یہ معرکہ آرا کتاب پہلی بار مولانا کی زندگی میں ۱۹۴۴ء میں اشاعت پذیر ہوئی تھی ۔ اس وقت راقم کے سامنے جو کتاب ہے وہ اس کا چوتھا ایڈیشن (۱۹۷۰ء) ہے اور یہ استقلال پریس لاہور سے طبع ہوکر سندھ ساگر اکیڈیمی سے شائع ہوا ۔ کتاب کے شروع میں پروفیسر محمد سرور کا نہایت مدلل و موثر پیش لفظ ، مقدمہ اور کتاب کے آخری حصہ میں مولانا نورالحق علوی (۱۸) کے حواشی شامل ہیں ۔ مولانا نورالحق نے ان علماء و مصنفین کی فکری و عملی

خدمات اور حوالہ جات کی تشریح و وضاحت بھی کی ہے جن کا تعارف یا ذکر اس کتاب کے متن مین آیا ہے ۔

اس کتاب کا اصل متن مولانا عبیداللہ کا وہ مقدمہ ہے جو اس کتاب " شاہ ولی اللہ اور ان کا فلسفہ " کی اشاعت سے پہلے ماہنامہ الفرقان بریلی (حال مقام اشاعت لکھنو) کے نایاب و نادر شاہ ولی اللہ نمبر (۱۹) مین شائع ہوا تھا ۔ بعد مین یہ مقالہ " امام ولی اللہ دھلوی اور ان کی حکمت کا اجمالی تعارف " (جسکے پہلے صفحے پر کتاب کے نام کے نیچے لکھا ہے از حضرت مولنا عبیداللہ سندھی مدظلہ ــــ الفرقان کے ولی اللہ نمبر ھی کیلئے لکھا گیا) کتب خانہ الفرقان لکھنو سے کتابی شکل مین مولانا کے حاشیون کے ساتھ منظر عام پر آیا اور یہی نسخہ (۲۰) اس وقت راقم کے پیش نظر ہے ۔

اس کتاب (مقالہ) کے آغاز مین " تقریب کے زیر عنوان مولانا محمد منظور نعمانی مدیر الفرقان بریلی (ذیعقدہ ۱۳۵۹ ھ) نے جو کچھ تحریر فرمایا ہے وہ کسی طرح افادیت سے خالی نہین ۔ وہ لکھتے ھین :

" یہ ایک عمیق علمی مقالہ ہے .... حوالجات اور وفیات کی تفتیش و تحقیق مین بہت وقت لگا ۔ ایک ایک حوالہ کیلئے بسا اوقات پوری کتاب پڑھنی پڑی ۔ وفایات کی تلاش مین بھی کافی محنت صرف ھوئی لیکن یہ ضروری تھا کیونکہ وفیات کے تعین سے ھر تحریک کا دور معین ھوجاتا ہے " ۔

محمد سرور نے " شاہ ولی اللہ اور ان کا فلسفہ " کے پیش لفظ مین تحریر فرمایا تھا

" اس سے کوئی شخص انکارنہین کرسکتا کہ ولی اللھی حکمت کے معارف کو سمجھنے سمجھانے مین جو شغف حضرت مولانا کو رھا ہے اور اس ضمن مین جس قدر تحقیق و کاوش آپ نےفرمائی اور اپنی عمر کا ایک طویل زمانہ اس کام مین صرف کیا اسکی ھندوستان مین کوئی نظیر نہین مل سکتی " ۔

اور زیر تبصرہ مقالے سے متعلق حضرت مولانا سلیمان ندوی جیسے مقتدر و ممتاز عالم دین اور مفکر اسلام کی رائے گرامی سند آخرکا حکم رکھتی ہے ۔

" مولانا سندھی کے مضمون کومین نے بغور پڑھا اور اس یقین کے ساتھ ختم کیا کہ بیشک مولانا کی نظر حضرت شاہ صاحب کے فلسفے اور نظریات پر نہایت وسیع اورعمیق ہے " ۔

یہ حقیقت ہے کہ معارف و حکمت ولی اللہی پر جتنی عمیق و گہری نظر اور قرآن و حدیث فقہ و تاریخ کا جتنا وسیع مطالعہ مولانا عبیداللہ سندھی کا تھا وہ انہیں کا حصہ تھا ۔ ان اکابر و مشاہیر کی گران قدر آرا کے بعد مزید کسی تنقید و تبصرہ کی گنجائش باقی نہیں رہتی ۔ زیر تبصرہ مقالہ کے پانچ ابواب ہیں جن میں پہلے ملکات اور بعض اہم پہلوؤں کی تشریح کی گئی ہے ۔ پھر قرآن حکیم ، علم حدیث ، قرآن کا بین الاقوامی انقلاب ، فقہ و تصوف ، حکمت و فلسفہ وغیرہ جیسے موضوعات پر بحث کی گئی ہے ۔ مولانا عبیداللہ نے اس مقالے میں امام شاہ ولی اللہ دہلوی کے افکار و نظریات پر قرآن و حدیث کی روشنی میں جس کمال و دلائل کے ساتھ روشنی ڈالی ہے وہ ان کی دقت نظر اور فکری بصیرت پر دال ہے ۔ یہی نہیں بلکہ علوم ولی اللہی کے حوالے سے تاریخ و سیاست کی ایسی راہیں دکھائی ہیں جن پر گامزن ہوکر ملک و قوم عظمت و سربلندی کی معراج سے ہمکنار ہوسکتی ہے ۔

اب مقالہ " امام ولی اللہ دہلوی کی حکمت کا اجمالی تعارف " سے اقتباسات اگلے صفحات پر ملاحظہ فرمائیے ۔ مولانا کی یہ عبارتیں ، یہ سطریں اردو میں ان کی نہایت عمدہ مخصوص طرز نثر نویسی کی بہترین مثالیں ہیں ۔

جو شاہ صاحب کی حکمت میں متعین ہوئے۔ ایک ایک سورت کو ایک خاص موضوع اور معین مضمون کے لیے مقرر کرکے تسلسل قائم کرنے پر کامیاب ہوا مجھے کسی دوسرے حکیم کا قرار دادہ مضمون سلسلہ کلام الٰہی سے استنباط کرنے کی ضرورت نہیں ہوئی میں معانی کو شاہ صاحب کی حکمت سے باہر جانے نہیں دیتا۔ عام مفسرین سے جہاں کہیں اختلاف کرونگا وہ شاہ صاحب کے اصول سے تشبث کے تحت میں ہوگا۔ بعض ایسے مواقع بھی ملیں گے کہ میری سند مولانا شاہ عبدالعزیز اور شاہ رفیع الدین اور مولانا محمد اسمٰعیل شہید اور مولانا محمد قاسم کے کلام میں ملیگی شاذ و نادر باتیں ایسی ہونگی۔ جو خود میرے فکر کا نتیجہ ہیں۔ میں ایسے موقع پر صراحۃً بتادیا کرتا ہوں۔ کہ یہ میری سوچی ہوئی بات ہے اس کا رد و قبول ہر وقت سامع کے اختیار میں ہے۔ مگر جن چیزوں میں ائمہ اور اساتذہ کی سند موجود ہے میرا جی چاہتا ہے کہ اہل علم متناسب آیات میں توجہ کریں۔ اور انکی تقلید سے اباء نہ کریں۔

فصل (۱۲)

عام اہل علم قرآن شریف کے ساتھ سنت اور اجماع کو ادلہ شرعیہ میں شمار کرتے ہیں شاہ ولی اللہ صاحب سنت کو قرآن سے مستنبط چیز مانتے ہیں۔ لیکن اس استنباط کا طریقہ وہ نہیں ہے جو ائمہ فقہا میں مروج ہے۔ بلکہ حکمت کے اصول پر استنباط کرنے کے طریقے اور ان کے اصول شاہ صاحب کے یہاں علیحدہ مقرر ہیں۔ خیر کثیر میں اس مسئلہ کی انھوں نے تفصیل لکھدی ہے۔ اس طرح پر اگر سنت کو مانا جائے تو قرآن کے استقلال پر کوئی زد نہیں پڑے گی۔

فصل (۱۳)

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے عہد سے خلافت راشدہ کے آخری وقت تک یعنی شہادت عثمان

متسقۃ المعانی منتظمۃ المبانی علم عظیم لم یتعرض لہ الا عالم واحد عمل فیہ سورۃ البقرۃ، ثم فتح اللہ لنا فیہ فلما لم نجد لہ حملۃ ورأینا الخلق باوصاف البطلۃ ختمنا علیہ وجعلناہ بیننا وبین اللہ ورددناہ الیہ وقال غیرہ اول من اظہر علم المناسبۃ الشیخ ابوبکر النیشاپوری وکان یزری علی علماء بغداد لعدم علمہم بالمناسبۃ۔ وقال الشیخ ولی الدین الملوی قد وہم من قال لا یطلب للآی الکریمۃ مناسبۃ لانہا علی حسب الوقائع المتفرقۃ وفصل الخطاب انہا علی حسب الوقائع تنزیلا وعلی حسب الحکمۃ ترتیبا وتاصیلا فالمصحف علی وفق ما فی اللوح المحفوظ مرتبۃ سورہ کلہا وآیاتہ بالتوقیف کما انزل جملۃ الی بیت العزۃ ومن المعجز البین اسلوبہ ونظمہ الباہر والذی ینبغی فی کل آیۃ ان یبحث اول کل شیء عن کونہا مکملۃ لما قبلہا او مستقلۃ ثم المستقلۃ ما وجہ مناسبتہا لما قبلہا ففی ذلک علم جم وہکذا فی السور یطلب وجہ اتصالہا بما قبلہا وما سیقت لہ قال الامام الرازی فی سورۃ البقرۃ ومن تامل فی لطائف نظم ہذہ السورۃ وفی بدائع ترتیبہا علم ان القرآن کما انہ معجز بحسب فصاحۃ الفاظہ وشرف معانیہ فہو ایضا معجز بسبب ترتیبہ ونظم آیاتہ الا انی رأیت جمہور المفسرین معرضین عن ہذہ اللطائف والاسرار۔ اتقان ج۲

لہ [illegible]

دشتہ ہٰ تک شاہ صاحب کی تحقیق میں مسلمانوں میں کبھی اختلاف نہیں ہوا۔ اس دور کو وہ دورِ اجماع کہتے ہیں اس کی تفصیل ازالۃ الخفا میں مذکور ہے شہادت عثمان کے بعد اختلاف شروع ہوا۔ اب اجماع وہی مستند ہو گا جو مذکورہ دورِ اول کے تتبع میں منعقد ہو۔ شاہ صاحب اس دور کو خیر القرون قرار دیتے ہیں۔ اس کی پوری تفصیل "ازالۃ الخفا" میں موجود ہے۔ اسے ساری دنیا جانتی ہے کہ اس زمانے میں مسلمانوں کا مستند سوائے قرآن عظیم کے کوئی اور لکھی ہوئی چیز نہیں تھی اس پر یہ جماعت اپنے پارٹی پالیٹکس کے نظام کو ملحوظ رکھتے ہوئے عمل کرتی تھی۔ اس پارٹی کی سنٹرل کمیٹی کی طرف اشارہ ہے قرآن حکیم کی ذیل کی آیت میں "السابقون الاولون من المہاجرین والانصار والذین اتبعوھم باحسان اولئک الذین رضی اللّٰہ عنھم و رضوا عنہ" رسول اللّٰہ صلے اللّٰہ علیہ وسلم کی صحبت اور تعلیم سے جو جماعت قرآن پر عمل کرنے کیلئے تیار ہوئی۔ اس کا وہ مرکزی حصہ جس کا ہر قول و فعل خدا تعالےٰ کے ہاں پسندیدہ ہے۔ وہ مہاجرین اور انصار کا پہلا طبقہ تھا۔ اس کی اتباع قرآن پر عمل کرنے کے لیئے قیامت تک مسلمانوں کے لیئے ضروری ہے۔ جو چیز اس زمانہ میں متعین ہو گئی۔ اس کو اسی شکل میں اور اسی معنے میں قایم رکھنا اتباع بالاحسان ہے۔ زمانے کے تغیرات سے جو نئی چیز قابل بحث پیش آئے وہاں اس جماعتِ متبعین بالاحسان کا فیصلہ ماننا ضروری ہو گا یہ اس دور کے مابعد کے اجماع کا حاصل ہے۔ اس طرح اجماع قرآن کی حکومت قایم کرنے والی جماعت کے متفقہ فیصلے۔ یا اغلبیت کے فیصلوں کا نام ہوگا۔ لہٰذا اجماع قرآن سے علٰحدہ کوئی نئی چیز نہیں ہے۔ بلکہ اجماعیات قرآنی اصول کے تشریحی یا ذیلی ذیول ہوں گے۔ اس سے کوئی ترقی کن جماعت، جو زمانہ کے طویل عرصہ میں کام کرے۔ خالی نہیں ہو سکتی۔ اس طرح اجماع بھی قرآن کے مقابل ایک مستقل اصل نہ بنا۔ بلکہ قرآن کی حکومت قایم کرنے والی جماعت کے اتفاق کا نام ہوا۔ اس طور سے مسلمانوں میں قرآن کے مستقل درجہ کا تعارف کرانے والی شخصیت امام ولی اللّٰہ دہلوی ہیں۔ ؎

؎ تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو ازالۃ الخفا مقصد اول ص ۱۲۱ و دیگر مواضع ۱۲

؎ حضرت مولانا الشیخ دام فیضہم نے ۔ اگست ۱۹۳۹ء کو تفسیر سورۂ والنجم میں مجھ سے ارشاد فرمایا "علماء اصول فقہ لکھتے ہیں کہ اصول دین چار ہیں کتاب و سنت و اجماع و قیاس۔ درحقیقت یہ تعبیر صحیح نہیں۔ کیونکہ قیاس تو وہی معتبر ہے جو اصول ثلاثہ سے مستنبط ہو۔ باقی رہے تین اصول سو جس بڑی محنت کے بعد معلوم ہوا کہ ساری سنت قرآن سے مستنبط ہے خیر کثیر میں اس کی تصریح موجود ہے۔ پھر آنحضرت صلی اللّٰہ علیہ وسلم اور خلفاء ثلاثہ کے متفقہ فیصلے کے بغیر کوئی عمل مستند نہیں ہے۔ کیونکہ حضرت علی کے عہد میں خیر الامم سے مشورہ کا جوہر کھو گیا تھا لہٰذا اجماع کا مدار بھی کتاب و سنت پر ہوا۔ بنا بریں اصل چیز فقط کتاب اللّٰہ "ما ینطق عن الھویٰ ان ھو الا وحی یوحیٰ" بالقرآن عن الھوی۔ ہمارا اصول دین کے معاملہ میں کوئی ذاتی بات نہیں کہنا۔ ذاتی خواہش کو اس میں کچھ دخل نہیں اور دین قرآن میں منحصر ہے اور قرآن ہی دین کا قانون اساسی ہے۔" بیان منقول

باب سوم ۔ علم حدیث

شاہ ولی اللہ سنت کے تمام ابواب کو قرآن عظیم سے مستنبط مانتے ہیں۔ مگر انبیاء کے اصولِ استنباط کو ائمہ فقہا کے

(بسلسلہ صفحہ سابق) مطلق نطق مراد رکھ کر وحی متلو اور غیر متلو کو ملا دیا گیا ہے ہمارے یہاں یہ پسندیدہ نہیں بلکہ مطلق نطق بالقرآن مراد ہے۔

واضح رہے کہ جب اساسی قانون پر عملدرآمد شروع ہوتا ہے تو مخاطبین کی حالت کے مطابق چند تمہیدی قوانین بنائے جاتے ہیں۔ فرق یہ ہوتا ہے کہ قانون اساسی غیر متبدل ہوتا ہے اور تمہیدی قوانین ضرورت کے وقت بدل سکتے ہیں۔ ہم سُنت ان تمہیدی قوانین کو کہتے ہیں جو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اور آپ کے بعد خلفاء ثلٰثہ نے مسلمانوں کی مرکزی جماعت کے مشورے سے تجویز کیے۔ خلافت عثمانیہ کے بعد یہ نظام ٹوٹ گیا کہ تمام کام مشورے سے کیے جائیں۔

[تنبیہ] واضح رہے کہ ارشاد "وشاورهم في الامر" میں صیغہ امر وجوب کے لیے ہے جن لوگوں نے امر استحبابی بنایا ہے۔ اُن کی تغلیط امام ابوبکر جصاص رازی (متوفی ۳۷۰ھ) کی تفسیر "احکام القرآن" میں مفصلاً موجود ہے۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جو جماعت اس قرآن پر عمل کرنے کیلئے اولیں بار پیدا ہوئی جس کو "السابقون الاولون من المهاجرين والانصار" کہا جاتا ہے ان کے مشورے سے قانون تمہیدی بنانا یہ سُنت ہے۔ سنت کو ہمارے فقہاء حنفیہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اور خلفاء راشدین میں مشترک مانتے ہیں اور یہی ہماری رائے ہے اور یہ سنت ترکی ہی سے پیدا ہوگی۔ آج کل کی اصطلاح میں اس کو بائیلاز کہا جاتا ہے۔ جیسے تعزیرات ہند ہوا اور ضابطہ فوجداری بائیلاز۔ اول قانون ہے اور دوسرا اس کی تفصیل ہے (اجماع) مشورہ سے کثرت رائے سے بحث کر جو فیصلہ ہو وہ اجماع ہے [فائدہ] سنت کا اصل مدعا یہ ہے کہ حضور نے کچھ ارشاد فرمایا یا کیا اور سب نے اس کو تسلیم کر لیا۔

(قیاس) اپنے زمانے کی ضرورتوں کے پیش نظر بائیلاز تیار کر لینا یہ قیاس کہلاتا ہے۔ حضرت عثمان کے بعد بائیلاز تیار کرنے والے حضرات کو "والذين اتبعوهم باحسان" کہا جاتا ہے۔ اصل قانون اساسی متعین ہے بائیلاز اس وقت اور تھے اس وقت اور ہوں گے جیسے زمانہ کے انقلابات کے مطابق فروعی تبدیلیاں ہونگی نئی نئی پیش آمدہ صورتوں کے متعلق تفصیلی احکام مستخرج ہونگے اور اس کا نام فقہ ہے۔ ان هو الا وحي يوحى، ان هو اي القرآن مع فتح الرحمان۔ بعض حضرات "هو" کی ضمیر آنحضرت کے مطلق نطق کی طرف راجع کرتے ہیں تاکہ حدیث شریف بھی اس میں داخل ہو جائے۔ بے شک احادیث صحیحہ وحی غیر متلو ہیں۔ مگر اس حصہ کو آیت کے مفہوم میں داخل کرنے سے بعض خرابیاں پیدا ہوتی ہیں۔ استنباط حضور کا بالوحی ہے۔ اس کو وحی باطنی کہا جاتا ہے۔ یہی وحی باطنی صوفیہ میں بطور الہام موجود ہے۔ اور یہ وحی باطنی اقامت قرآن کے لیے کام آتی ہے۔

ت یہ تصریح مجھے نہیں ملی۔

محمد نور الحق غفرلہ العلوی

اصول فقہ سے علیحدہ قرار دیتے ہیں چنانچہ خیر کثیر[5] میں فرماتے ہیں "میں کتاب الصلوٰۃ کے متعلق تمام صحیح حدیثوں
کو قرآن سے استنباط کرنے پر قادر ہو گیا ہوں۔ میرا جی چاہتا ہے کہ اس کے متعلق ایک مستقل رسالہ لکھ دوں"۔
رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے قرآن عظیم سے خود سمجھ کر (جیسے شاہ صاحب فرماتے ہیں) یا مستقل وحی کے
ذریعہ (جیسے عام اہل علم کہتے ہیں) قرآن پر عمل کرنے کا مفصل پروگرام دیا ہے جسے علماء حدیث نے
بڑی محنتوں سے دو سو برس کے عرصہ میں جمع کیا اس طرح انبیاء کی سیرتوں کو جمع کرنا پہلے زمانے میں بھی رائج
رہا ہے۔ سطعات[6] میں شاہ صاحب تصریح کرتے ہیں کہ قرآن عظیم کی طرح ایسی وحی جس کے معانی اور الفاظ

---

[5] خیر کثیر کی عبارت حسب ذیل ہے: ومن علوم الحدیث تفسیر القرآن والاستنباط منہ۔ وھو اعظم العلوم و
سنزید علیہ شیئا منہ کفافا۔ امر اللہ سبحانہ باشیاء مطلقۃ کالصلوٰۃ والزکوٰۃ۔ وکقولہ سبح اسم ربک
الاعلی۔ وسبح بحمد ربک۔ وغیر ذلک۔ فوقتها رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم باوقات معینۃ۔
وامر بامور کقوموا، وکبروا، واتل ما اوحی الیک، وارکعوا واسجدوا۔ فبین رسول اللہ صلے
اللہ علیہ وسلم انها ارکان الصلوٰۃ۔
واقسم بامور کالفجر، والضحی، واللیل اذا سجی، والشفق، ولیال عشر۔ فاستنبط منها رسول
اللہ صلے اللہ علیہ وسلم انها اوقات الصلوٰۃ علی تفصیل ذکر فی کتب الاحادیث۔
وسبح نفسہ فی اوقات وحمد نفسہ فی اوقات فذکر ان المراد الصلوٰۃ السریۃ والجہریۃ
وبالجملۃ فھذا طریق استنباطہ صلے اللہ علیہ وسلم۔ ونحن قد تتبعنا جمیع ما وصل الینا من الاحادیث
الواردۃ فی کتاب الصلوٰۃ، فوضح لنا انها مستنبطۃ کلها من کتاب اللہ استنباطا حکمیا۔ وعسی ان
نخط فی رسالۃ منفردۃ۔ خیر کثیر ص [illegible] ۱۲

[6] قال الامام ولی اللہ: در نفس پیغمبر برکات الٰہی از دو میزاب میریزد۔ میزاب اول، از دریائے تشریع، چنانکہ
حقیقت او را در اقسام ہفت گانہ بیان کردیم [دیکھو ص [illegible] جلد [illegible] نوٹ] میزاب دوم از دریائے ستر کلام و تعیین معنی
وآں منزل بر قلب پیغمبر قرآن باشد۔ اگر میزاب اول پیش دستی کرد و میزاب ثانی تخلف نماید آں حدیث قدسی
باشد و اگر میزاب کلام پیش دستی نماید و میزاب تشریع تخلف کند محتمل غیر واقع است۔ وکتب الٰہی پیش از قرآن ہمہ بروش
حدیث قدسی بودہ اند۔ الا ما شاء اللہ۔ لہذا آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم فرمودہ اند۔ انما کان ینزل علی النبی ما مثلہ آمن علیہ
البشر الحدیث۔ وہمچنیں لازم کتاب الٰہی است کہ برکات ملکوت و اشخاص ملاء اعلیٰ و رضائے ایشاں از ہر کہ آں کتاب را خواند و ترویج
آں کوشد۔ ودیگر بقائے آں کتاب علی ممر الدہور والاعصار۔ و توفیق یافتن امت حفظ آں را۔ اگر ایں دو معنی متخلف شود آں کتاب الٰہی نخواہد بود
بلکہ صحیفہ فردے از افراد بشر کہ بہ ارادہ خود جمع علم پیغمبر کردہ است۔ مانند جمع بخاری و صحیح مسلم [illegible] سطعات طبع جدید ص [illegible] ۱۲

محمد نور الحق غفرلہ العلوی   شب ہفتم اپریل ۲۳ء

مقرر ہو کر نازل ہوں اور پھر قطعی طور پر محفوظ رہیں۔ چند گروہوں کے ماسوا کسی مذہب کی کتاب الٰہی میں یہ طریقہ نہیں برتا گیا۔ عام طور پر ائمہ دین کتابیں اپنے اجتہاد سے جمع کرتے ہیں، جو اس نبی کی سیرت اور اس کے اقوال کو جمع کر دیتی ہیں یعنی ان ہی کتابوں میں وہ چیز بھی آ جاتی ہے جو براہ راست لفظاً اور معنیً مقرر ہو کر نازل ہوئی (جیسے تورات کے احکام عشرہ یا انجیل کے بعض خطابات) نیز وہ چیز بھی آ جاتی ہے جو نبی اپنے اجتہاد سے تعلیم دیتا ہے (یہ فیصل شدہ امر ہے کہ اگر نبی کے اجتہاد پر منجانب اللہ گرفت نہ ہو تو وہ حکماً وحی سمجھی جاتی ہے) ہماری اُمت میں کتب مقدسہ کی اس قسم کی مثال میں شاہ صاحب صحیح بخاری و صحیح مسلم کو پیش کرتے ہیں[1]

اس بظاہر سادہ تحقیق میں ایک بہت بڑے اشکال کا حل موجود ہے جو کتب مقدسہ کے متعلق ہمارے اہل علم کے اذہان پر مستولی ہے۔ ہمارے علما عموماً یہ سمجھتے ہیں کہ اصلی توراۃ اور انجیل غائب ہو چکی ہے۔ چونکہ وہ کوئی کتاب قرآن شریف کی طرح محفوظ نہیں دیکھتے، اور ان کی ذہنیت میں یہ چیز راسخ ہے کہ سابقہ کتب الٰہی بھی قرآن کی طرح نازل ہوئی تھیں، اس لئے وہ ان کتابوں کو مقدس ماننے کے لئے کسی طرح تیار نہیں ہیں۔ اس نظریہ سے یہ بُرا نتیجہ پیدا ہوا کہ قرآن حکیم نے جہاں اہل کتاب کو اپنی کتابوں پر عمل کرنے کی دعوت دی، اور عمل نہ کرنے کا الزام دیا اس کی صحیح تفسیر کرنے سے ہمارے علما عاجز آ گئے۔ محض اسرائیلی یا خرافاتی روایات لکھنے پر اکتفا کرتے ہیں۔ اگر کتب مقدسہ کو کتب حدیث کی طرح مان لیا جائے تو یہ اشکال من اصلہٖ رفع ہو جاتا ہے۔

سورۂ والنجم کی آیت "ان ھو الا وحی یوحی" کی دو طرح تفسیر کی جاتی ہے :۔

(۱) شاہ صاحب کے طریقِ تحقیق یہ ہے کہ ضمیر "ھو" قرآن کی طرف راجع ہے۔ اور "ما ینطق عن الھوی" میں بھی نقل قرآنی کے متعلق بحث ہے۔

(۲) مگر اہل علم کی دوسری جماعت اس آیت کو قرآن سے مخصوص نہیں مانتی، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام تر اقوال کو ایک طرح کی وحی ثابت کرنے پر زور دیتی ہے اُن کے نزدیک "وما ینطق عن الھوی" قرآنی نقل سے مقید نہیں ہے۔ بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہر قول "وما ینطق عن الھوے"

---

[1] الخیر الکثیر۔ غالباً شاہ صاحب کی یہ تمثیل صرف ذو حیثیت تنزیل اور طریقۂ جمع و تالیف کے لحاظ سے ہے اور حقیقتاً اگر صحیح بھی ہو، جس شخص نے بائبل بالخصوص عہد جدید کو بغور دیکھا ہے اور اوراق کتب مقدسہ کی تاریخ پر جس کی نظر ہے اُس کے نزدیک ان کی روایتی حیثیت صحیحین کیا معنی معاجم طبرانی جیسی کتابوں کا مرتبہ بھی مشکل ہی سے ہو سکتی ہے لیکن اس کے باوجود شاہ صاحب کی اس تحقیق سے وہ مشکل حل ہو جاتی ہے جس کا ذکر مولانا نے آئندہ سطور میں کیا ہے۔ کما لا یخفیٰ علی المتبصر المتیقظ ۱۲

میں داخل ہے۔ اور اسی کو "ان ھو الا وحی یوحی" میں وحی سے تعبیر کیا گیا ہے۔

(۱) ان حضرات کے نزدیک حدیث کی اصل بھی وحی ہی سے ثابت ہے۔ فقط الفاظ کا فرق ہے۔ قرآنی الفاظ وحی سے متعین ہوئے۔ اور حدیث کے الفاظ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے اپنے طبعی ملکہ سے صادر ہوتے ہیں۔ مگر معانی سب کے سب وحی ہیں۔

(۲) پھر اُن کے نزدیک یہ فرق بھی موجود ہے۔ کہ قرآن خود رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے سامنے ایک مصحف میں کتابتہً محفوظ کر دیا گیا۔ اور اس کی روایت بالتواتر قایم رہی۔ لیکن حدیث میں جو وحی آئی اُنکے نزدیک بھی، نہ تو حضور کے زمانے میں اس کی کتابت ہوئی اور نہ اس کے لیے تواتر ضروری ہے۔

ان لوگوں کی اصطلاح پر اگر کتب مقدسہ سابقہ کو کتب حدیث کا درجہ دیا جاتا ہے تو بطریق اولٰے اس کو مستبعد نہیں سمجھنا چاہیئے۔ اگر یہ لوگ اس بات کو تسلیم کرلیں تو تمام اشکال حل ہو جائیں گے۔

(۱) ہمارے کتب حدیث میں بالاتفاق غیر صحیح روایات بھی موجود ہیں (۲) نیز ان کتب حدیث میں ایک واقعہ کو مختلف طریقوں سے بھی روایت کیا گیا ہے (۳) ہماری بہت سی کتب حدیث میں بھی کاتبوں سے غلطیاں ہوتی رہتی ہیں جن کو محققین علما درست کرتے رہتے ہیں اس کے بعد اگر اناجیل اربعہ کو ہماری صحاح اربعہ (صحیحین، ابوداؤد و ترمذی) کے درجہ پر رکھ دیا جائے تو ذرہ بھر اختلاف نظر نہیں آئے گا۔[1]

میں نے انجیل کی شرح (مسٹر ہنری اسکاٹ) کی اردو میں مطالعہ کی اس میں اناجیل اربعہ کے اختلافات کو اسی طرح جمع کرنے، اور ترجیح دینے کی سعی کی گئی ہے جیسے ہم کتب حدیث میں کرتے ہیں۔ اُس دن سے میرے دماغ میں ایک نیا فکر پیدا ہوا جس سے کتب مقدسہ کی تحریف کا الزام جس طرح عموماً ہم اہل کتاب پر عائد کرتے ہیں اور مولانا رحمت اللہ مہاجر مکی نے "اظہار الحق" میں اس کو بڑی شدومد سے ثابت کیا ہے۔ کمزور ہونے لگا۔ اور جو محقق عالم تورات میں تحریف کا انکار کرتے ہیں جیسے امام بخاری، شیخ الاسلام ابن تیمیہ اور امام ولی اللہ دہلوی، اُن کی تحقیق کا مطلب سمجھ میں آنے لگا مگر یہ فکر کبھی مکمل نہیں ہو سکتا جب تک ہم

---

[1] "الفرقان" اناجیل اربعہ کو صحاح اربعہ کے درجہ میں رکھنے کا اگر یہ مطلب ہو کہ انکی جمع و تالیف اس انداز سے ہوئی ہے جس طرح کہ صحاح اربعہ کی، تو بے شک قابل قبول ہے۔ لیکن اگر روحانی استناد میں مساوات مراد ہو تو اس کے لیے بہت سے ناقابل انکار حقائق و واقعات سے چشم پوشی کرنا پڑے گی۔ ہاں تورات کا حال بہ نسبت اناجیل کے ضرور کچھ غنیمت ہے لیکن صحاح اربعہ کے درجہ میں تو اس کو بھی نہیں رکھا جا سکتا۔

حاشیے

(مولانا عبیداللہ سندھی)

(۱) مولانا عبیداللہ سندھی سیالکوٹ مین پیدا ہوئے تھے جب وطن چھوڑا تو سب سے پہلے سندھ کا رخ کیا ۔ وہ اپنے نام کے ساتھ فخریہ " سندھی "کیون لکھتے تھے اور آج تک سندھی کیون کہلاتے ھین نیز دیوبند سے تعلق پر بھی انھین ناز تھا ۔ اسکی وجہ تسمیہ خود مولانا کی زبانی سنئے

> " مین اسے واضح کرنا چاھتا ھون کہ میری زندگی کا سندھ اور دیوبند سے خصوصی تعلق ھے ۔ مین نے دارالعلوم دیوبند مین تعلیم پائی اور میری علمی و سیاسی تربیت مین حضرت مولانا شیخ الھند خصوصی مربی تھے ۔ جن سے میرا رابطہ ۸۹۹ ھجری سے شروع ھوکر ان کی وفات کے سال ۹۱۹ ھجری تک مسلسل رھا ۔ اسکے بعد ارشاد طریقہ اور تربیت صحبت اور عملی زندگی سندھ کے راشدی مرشدون کے ظل عاطفت مین شروع ھوئی اور بفضلہ تعالی میرا یہ تعلق آج تک قائم ھے " ۔ (مقالات عبیداللہ ، ص ۲۱۲)

(۲) جہان دانش جلد دوم (قلمی نسخہ) ۔ حضرت احسان دانش راقم الحروف کے دیرینہ بزرگ محترم اور مشفق کرمفرما ھین ۔ ۱۹۷۶ء مین لاھور مین انکے رحمت کدے مین ملاقات کے دوران جہان دانش کا یہ دوسرا حصہ (قلمی) دیکھنے کا شرف حاصل ھوا ۔ جہان دانش کا پہلا حصہ اس قدر جلد فروخت ھوگیا کہایسی مقبولیت دوسرے مصنفون کی بہت کم کتابون کو حاصل ھوئی ھے ۔ احسان دانش کی شاعرانہ عظمت سے سب ھی واقف ھین لیکن بحیثیت نثر نگار بھی ان کا بہت بلند مقام ھے یہ حقیقت " جہان دانش "کی اشاعت اول سے منکشف ھوئی ۔

(۳) میری زندگی ۔ مشمولہ خطبات عبیداللہ سندھی بار اول مطبوعہ سندھ ساگر اکیڈیمی لاھور ، قبل از پاکستان ۔

(۴) ملاحظہ ھو خطبات عبیداللہ ، ص ۲۴

(۵) مولانا سندھی اپنے خودنوشت حالات زندگی (خطبات ص ۲۵) مین رقمطراز ھین ـــ " طریقہ قادریہ اور نقشبندیہ مجددیہ کے اشغال و افکار بھی حسب الا ستطاعت حضرت سید العارفین کے خلیفہ اعظم مولانا ابوالسراج دین پوری سے سیکھتا رھا ۔ اگر میری کوئی دنیاوی ضرورت امروٹ مین پوری نہ ھوتی تو دین پوری سے حاصل کرلیتا اسطرح مجھے اپنے مرشد کی جماعت سے باھر جانے کی ضرورت نہین ھوئی "

(۶) مولانا سندھی کی کہانی خود اپنی زبانی ۔ حیات عثمانی غیر مطبوعہ کے چند اوراق از پروفیسر انوارالحسن شیرکوٹی ص ۲۹۳ ۔ ۲۹۲ بحوالہ ماھنامہ الرشید لاھور ~~لاھور~~ دارالعلوم دیو بند نمبر ، فروری مارچ ۱۹۷۶ء

(۷) حالات ، تعلیمات اور سیاسی افکار مولانا عبیداللہ سندھی از محمد سرور ص ۲۸ سندھ ساگر اکیڈیمی لاھور ۔

(۸) تفصیلات کیلئے ملاحظہ ھو مقالہ " چند تاریخی حقائق " از صاحبزادہ ظہیر الحق ماھنامہ الولی حیدرآباد سندھ ، جون جولائی ، ۱۹۷۵ء ۔

(۹) مولانا کے استقبال کیلئے جو حضرت کراچی پہنچے تھے ان مین مولانا سعید احمد اکبر آبادی ایڈیٹر ماھنامہ برھان دھلی بھی شامل تھے ۔ کراچی سے دھلی کا سفر اور قیام تک سعید صاحب مولانا کے ساتھ رھےاور ان کی درس و صحبت سے مستفیض ھوئے ۔ مولانا سعید احمد نے اس بارے مین دلچسپ احوال تحریر فرمایا ھے جو ماھنامہ الرحیم حیدرآباد (مطبوعہ شاہ ولی اللہ اکیڈیمی) کسے شمارہ اگست ۱۹۶۷ء مین شائع ھوچکا ھے ۔ یہ راقم کی خوش قسمتی ھے کہ ۱۹۵۲ء مین جب مولانا سعید احمد مدرسہ عالیہ کلکتہ کے پرنسپل تھے ان سے راقم کی ملاقات اور گفتگو ھوئی تھی اور مولانا عبیداللہ سے اپنے تعلقات کے بارے مین اظہار خیال فرمایا تھا ۔ اس زمانے مین خاکسار راقم الحروف کی ایک کتاب پیام نو (مکتبہ اشاعت اردو کلکتہ) شائع ھوئی تھی جسکا ایک نسخہ مولانا سعید صاحب کی خدمت مین پیش کرنے کا شرف بھی حاصل ھوا تھا ۔ اس امر کا ذکر بھی غیر ضروری نہ ھوگا کہ خاکسار مدرسہ عالیہ کلکتہ ھی سے فارغ التحصیل ھے ۔

(۱۰) حضرت احسان دانش اپنی زیر طبع کتاب جہان دانش جلد دوم تذکرہ عبیداللہ سندھی زیر عنوان اکابر دیوبند مین لکھتے ھین — "....... واپس آئے تو مولانا جوھر (محمد علی جوھر مرحوم) کے ایما پر کشمیر بلڈنگ مین اخبار کے دفتر مین تقریباً دو سو معززین کو مولانا کے اعزاز مین چائے دی گئی اور وھین علامہ اقبال پر دو مقالے بھی پڑھے گئے ۔ مولانا عبیداللہ سندھی نے تقریر بھی کی لیکن آج تک وہ تقریر کسی اخبار یا رسالے مین نہین چھپی یا مقررین و سامعین مین سے کسی نے نہین دھرائی ۔ مجھے اتنایاد ھے کہ علامہ اقبال کی دو نظمون کے متعلق انھون نے کہا تھا جن مین ایک تو " اٹھو مری دنیا کے غریبون کو جگا دو " اور ایک اسی قسم کی دوسری تھی " ۔

(١١) بیت الحکمت = ١٦ شوال ١٣٥٩ ھ (١٧ نومبر ١٩٤٠ء) میں دھلی میں بیت الحکمت کا افتتاح ھوا ۔ اس موقع پر مولانا سندھی کے علاوہ جامعہ ملیہ دھلی کے اساتذہ و طلباء اور ملک کے اکابر و زعما موجود تھے جن میں شیخ الجامعہ ڈاکٹر ذاکر حسین بھی شامل تھے ۔ (مقالات عبیداللہ ص ٢١٠) ۔ مولانا کے ایک لائق شاگرد مولانا نور محمد مکی اسکے پہلے سکریٹری مقرر ھوئے ۔ مرکز کا دفتر جامعہ ملیہ اسلامیہ جامعہ نگر دھلی کو بنایا گیا ۔ مرکزی بیت الحکمت دھلی کی یہ علمی و تعلیمی تحریک کل ھند سطح پر ملکی و قومی تحریک تھی ۔ دیکھتے ھی دیکھتے ملک کے مختلف مقامات میں اسکی متعدد شاخیں پھیل گئیں ۔

بیت الحکمت لاھور ــ صدر مولوی خدا بخش اور سکریٹری بشیر احمد لدھیانوی ۔ لاھور میں آج کی طرح اس زمانے میں بھی نشر و اشاعت کی سب سے زیادہ سہولتیں موجود تھیں اسلئے اکثر و بیشتر کتابیں اور رسالے لاھور شاخ کے زیر اھتمام چھپے ۔ چند کے نام یہ ھیں ۔

امام ولی اللہ دھلوی اور ان کا فلسفہ ، عمرانیات ، معاشیات ، رسالہ محمودیہ ، جنگ انقلاب (سورۃ محمد) ۔ عنوان انقلاب (تفسیر سورۃ فتح) ۔ اصول انقلاب (تفسیر سورۃ والعصر) قرآنی دستور انقلاب (سورۃ مزمل و سورۃ مدثر کی حکیمانہ تشریح) اور درجۃ نو آبادیات از مولانا بشیر احمد مقدمہ مولانا عبیداللہ وغیرہ ۔

بیت الحکمت کراچی کی شاخ مدرسۃ مظہر العلوم محلہ کھڈہ میں قائم ھوئی ۔ صدر شیخ الحدیث مولانا حافظ محمد صادق ، سکریٹری حافظ فضل احمد ، ان کے بعد مولانا دین محمد وفائی (مصنف تذکرۂ مشاھیر سندھ) مولانا غلام مصطفیٰ قاسمی (حال ڈائریکٹر شاہ ولی اللہ اکیڈیمی ، مدیر اعلیٰ ماھنامہ الرحیم سندھی) ماھنامہ الولی (اردو) علی الترتیب سکریٹری اور اراکین مجلس عبدالحمید سندھی مرحوم ، دین محمد (علیگ) مولوی عزیز اللہ وغیرہ رھے ۔ کراچی شاخ کے تحت شائع ھونے والی کتابوں میں سے چند کے نام یہ ھیں ۔

١۔ سطعات از شاہ ولی اللہ طابع و ناشر مولانا عبیداللہ سندھی

٢۔ عربی تفسیر الہام الرحمن جلد اول پارہ آسم از مولانا عبیداللہ سندھی ترتیب تحقیق مقدمہ از مولانا غلام مصطفیٰ قاسمی ۔

گوٹھ پیر جھنڈو میں بیت الحکمت کی شاخ ٢٢ دسمبر ١٩٣٩ء میں مدرسۃ دارالرشاد میں قائم ھوئی ۔

مدرسۃ دارالسعادت موضع گوٹھ بھوڑ تحصیل شکارپور ضلع سکھر کے زیر اھتمام اس کی شاخ کا قیام عمل میں آیا ۔ مولانا غلام مصطفیٰ قاسمی اس مدرسے کے صدر مدرس ، مولوی عزیز اللہ جروار اور

مولوی عبدالله و اللهی اس کے شاخ کے رهنما اساتذه تھے -

انهین دونون مذکوره حضرات کی کوششون سے شهداد کوٹ ضلع لاڑکانه کی ایک شاخ ۴ اگست ۱۹۴۴ء مین محمد بن قاسم ولی الله تھیولوجیکل کالج مین اور بعد مین لاڑکانه ضلع کے گوٹھ پیر بخش بھٹو مین دوسری شاخ قائم هوئی - تمدن عرب (سوره سبا) مصنفه مولانا سندھی مرتبه مولانا قاسمی گوٹھ پیر بخش بھٹو شاخ کے تحت منظر عام پر آئی -

بیت الحکمت کی ایک شاخ بهاولپور مین بھی تھی جسکا افتتاح دین پور مین ۲۲ اکتوبر ۱۹۳۸ء کو هوا تھا (برصغیر پاک و هند کے علمی ادبی اور تعلیمی ادارے جلد دوم ۷۵-۱۹۷۴ء ، مرتبه ابو سلمان شاهجهانپوری مطبوعه گورنمنٹ نیشنل کالج کراچی سے ماخوذ) -

(۱۲) الحمدالله مولانا عبیدالله سندھی کے تلمیذ ارشد اور رفیق خاص اور سندھ کے ممتاز مفکر و عالم دین مولانا مصطفٰے قاسمی کی سربراهی مین شاه ولی الله اکیڈیمی نے پاکستان مین معارف و تعلیمات ولی اللهی اور افکار عبیداللهی کے تعارف اور اشاعت کے سلسلے مین موثر و مفید خدمات انجام دی هین -

(۱۳) ملاحظه هو تلخیص و ترجمه مولانا سندھی کے ساتھی ظفر حسن کی آپبیتی کا دوسرا حصه ماهنامه الرحیم حیدرآباد اپریل ۱۹۶۷ء -

(۱۴) انقلاب ملوکه خانه خاص انجمن ترقی اردو کراچی نگران محترم افسر صدیقی امروهی جن کی علم دوستی اور خصوصی توجه کی وجه سے راقم کو اس کتاب کے مطالعه کی سعادت حاصل هوئی -

(۱۵) افاداتو ملفوظات مولانا عبیدالله سندھی مرتب پروفیسر محمد سرور ناشر سندھ ساگر اکیڈیمی لاهور ، ۱۹۷۲ء -

(۱۶) خطبات و مقالات مولانا عبیدالله سندھی کا زیر نظر نسخه شاه ولی الله اکیڈیمی حیدرآباد کی ملکیت هے جسے راقم کرمفرمان مکرم حضرت مولانا غلام مصطفٰے قاسمی ڈائریکٹر شاه ولی الله اکیڈیمی سے مستعار لے آیا تھا -

(۱۷) الخیر الکثیر شاه ولی الله محدث دهلوی کی تالیف هے - مولینا عبیدالله نے اس کا اردو ترجمه کیا - مولانا غلام مصطفٰے قاسمی نے اس کتاب کو اپنی تحقیق اور سیر حاصل مقدمه کے ساتھ شاه ولی الله اکیڈیمی کے تحت ۱۹۷۷ء مین شائع کرایا هے اس کا ایک نسخه راقم کے ذاتی کتب خانے مین موجود هے -

(۱۸) مولانا نورالحق علوی مولانا عبیداللہ سندھی کے تلمیذ ارشد اور فیض یافتگان میں سے ھیں اورنٹیل کالج لاھور کے پروفیسر رہ چکے ھیں ۔ انہوں نے اس کتاب کے حاشیئے بڑی محنت ، دیدہ وری اور فکر و نظر سے لکھے ھیں ۔

(۱۹) الفرقان کے شاہ ولی اللہ نمبر کا دوسرا ایڈیشن جس میں یہ مقالہ شامل ہے (مطبوعہ ۱۳۶۰ھ (۱۹۴۱ء) محترمی مولانا غلام مصطفے قاسمی کی عنایت و نوازش سے شاہ ولی اللہ اکیڈیمی حیدرآباد کے کتب خانے میں راقم کی نظر سے گزر چکا ہے ۔

(۲۰) مقالہ " امام ولی اللہ دھلوی کی حکمت کا اجمالی تعارف " کا یہ نسخہ محترمی ڈاکٹر نجم الاسلام صاحب صدر شعبہ اردو سندھ یونیورسٹی کی ذاتی ملکیت ہے ۔ راقم الحروف ان کا ممنون احسان ھے کہ ان کی علم نوازی اور پر خلوص اعانت و کرم کی بدولت یہ نسخہ اور اسکے علاوہ ان کے نجی کتب خانے میں کئی دیگر کتابوں سے استفادے کا شرف حاصل ہوا ۔

سید کلیم اللہ شاہ

۱۲۹۳ھ —
۱۸۷۶ء

سید کلیم اللہ شاہ خانوادہ شاہانی سادات کے چشم و چراغ تھے ان کے دادا کا نام محمد عطا شاہ اور والد کا نام محمد ارشد شاہ تھا ۔ ان کے جد اعلیٰ پیرطی مرتضیٰ شاہ سندھ کے عظیم المرتبت ولی اللہ اور حضرت پیر صاحب پگارا کے مورث اعلیٰ حضرت محمد راشد عرف روضہ دھنی کے برادر خورد تھے ۔ اسطرح کلیم اللہ شاہ نہایت ممتاز و مقتدر صوفی و علمی گھرانے سے تعلق رکھتے تھے ۔

کلیم اللہ شاہ کی ولادت ۱۲۹۳ھ (۱۸۷۶ء) کو ضلع لاڑکانہ کے " شاہ گوٹھ " نامی گاون مین ہوئی ۔ علمی و دینی فضا مین پرورش پائی ، تعلیم و تربیت کیلئے پاکیزہ ماحول ملا ۔ عربی فارسی سندھی اور اردو کی ضروری تعلیم حاصل کی ۔ علم طب سے شغف تھا ۔ بلا معاوضہ علاج کرتے تھے اس فن کو وہ مخلوق کی خدمت کا ایک بہترین ذریعہ تصور کرتے تھے ۔

فن موسیقی کے ماہر تھے ۔ گانے کا بہت شوق تھا ۔ ان کے ہان راگ رنگ کی محفلین جما کرتی تھین جن مین موسیقار دور دور سے شریک ہوتے تھے ۔

سیر و سیاحت کے بھی شائق تھے ۔ ایام طفلی مین اپنے والد کے ہمراہ بلوچستان اور سبی وغیرہ مین قیام کیا ۔ تنہا بھی بعض مقامات کی سیر و سیاحت کی ۔ مشاہدات و تجربات سے علم باطنی کو جلا بخشی ۔

کلیم اللہ شاہ کلیم تخلص کرتے تھے ۔ سندھی ، فارسی ، سرائیکی اور اردو کے پر گو شاعر تھے اردو اور فارسی مین ان کی غزلیات اور سندھی مین کافیان موجود ہین ۔ ان کی اردو غزلین دکنی زبان مین بھی ہین ، صاف شستہ سلیس زبان مین بھی ۔ ایک رنگ تو یہ ہے

غیر از خدا نہ آیے درکار ہیچ کس
ہے خواب سے نہ ۔ فارغبدار ہیچ کس

بلبل کون ہے چمن مین اس گل کی امید
مجکون ہے اپنے یار کی محفل کی امید

پر پریون کی هے تجھ کون امامت   امامت هے امامت هے امامت

جدائی دن کھون جس قیامت   قیامت هے قیامت هے قیامت

کلیم اللہ جون در گوش بستہ   غلامت هے غلامت هے غلامت

گر یار خدا آج ملاوے تو کیا عجب   شربت بھی اسی هاتھ پلاوے تو کیا عجب

هم چاک دلم چاک همارا هے بدن چاک   یا وصل کی سوزن سے ملاوے تو کیا عجب

اور دوسرا رنگ یہ

داغ جدائی مشکل ، مشکل نهین اے لوگو   جان فدائی مشکل ، مشکل نهین اے لوگو

دلبر کے کوچہ جانا یہ عشق هے نہ ذلت   هر در گدائی مشکل ، مشکل نهین اے لوگو

دل مین آیا کہ چل مین آون آج   تیری شفقت کا سر پہ لاون تاج

کچھ نهین مانگتا خدا سے مگر   اک رقیبون کے مرگ کا هی علاج

پیر کمال الدین کمال

۱۲۹۳ - ۱۳۲۸ ھ
۱۸۷۷ - ۱۹۱۰ ء

پیر کمال الدین کمال سندھ کے ان اولیائے کرام میں سے تھے جن کے دم سے نواب شاہ کے علاقے میں علم و ادب اور معرفت و روحانیت کا چراغ روشن ہوا ۔

کمال الدین کی ولادت ۱۸۷۷ء مطابق ۱۲۹۳ ھجری میں ضلع نواب شاہ کے ایک شہر نوشہرہ فیروز میں ہوئی ۔

مولانا فضل محمد نوشہرہ فیروز کے ایک ممتاز عالم دین اور مدرس تھے ۔ کمال الدین نے ان سے قرآن ، حدیث اور فقہ کے درس لئے ۔ ایک مقامی مدرسے میں انگریزی ، فارسی ، سندھی اور اردو کی تعلیم بھی حاصل کی ۔ اپنے ذاتی مطالعہ اور محنت سے متعدد علوم سے بہرہ ور ہوئے ۔

کمال الدین سندھ کے شہرہ آفاق ولی اللہ حضرت مخدوم نوح ہالائی رحمۃ اللہ علیہ کی عظمت کے بیحد قائل تھے ان کے صوفیانہ اخلاق سے بھی ارادت و عقیدت تھی جسکی بناء پر اس سلسلے کے ایک بزرگ کے ہاتھوں بیعت کی ۔ درگاہ مقدس حضرت مخدوم نوح کی زیارتیں بھی کیں ۔ اپنے حلقہ ارادت میں حضرت نوح کے نظریات و تعلیمات کی اشاعت کی ۔

محفل سماع سے خاص ذوق تھا ۔ غالباً اسی ذوق کے باعث موسیقی سے دلچسپی پیدا ہوئی اور اس فن میں مہارت حاصل کی ۔ ان کے آستانے میں اکثر سماع کی محفلیں منعقد ہوتیں جن کا مخصوص انداز تھا ۔ ڈھولک اور ایک تارہ پر کافیاں گائی جاتی تھیں ۔ پیر کمال اپنی کافیاں خود بھی گاتے تھے ۔

جون ۱۹۱۰ء مطابق ۱۳۲۸ ھجری کو ان کا وصال ہوا ۔ نوشہرہ فیروز جو کبھی ان کا مولد و مسکن تھا اب ان کا مدفن ہے ۔

کمال الدین ان کا نام تھا ، کمال تخلص کرتے تھے ۔ پیر کمال مشہور تھے ۔ پیر کمال کا وہ مجموعہ کلام جس کا ایک قلمی نسخہ ان کا اپنا نسخہ تھا ڈاکٹر نبی بخش خان بلوچ کے پاس موجود ہے ۔ ان کا کلام فارسی ابیات سرائیکی سندھی اردو سی حرفیوں اور کافیوں پر مشتمل ہے ۔ انکا

کمال یہ ہے کہ انہوں نے اردو میں معیاری کافیاں کہی ہیں ۔ یہ کافیاں ان کے عقائد و خیالات کی آئینہ دار ہیں ۔ نمونہ ملاحظہ ہو :

ایک مصرعہ

کمال کرکے سر قربانی ، عشق اڈی پر آوے گا

دو شعر

جب تک اپنا آپ نہ جانے   بازی ہیرہ ہارے کیوں
واہ واہ سخن تیری چالی   خوش خیال عجائب عالی

دو کافیاں

روز و شب مجکو تمہاری یاد گیری اے صنم
نام تیرا ہے وظیفہ ورد شیرین اے صنم
کچھ مجھے پروا نہیں لیکن تیری دیدار کی
جمال میرا عشق تیرے میں زہیری اے صنم
نیم بسمل ہوکے کھاتے ہوں بُلاشی(۱) در بدر
عشق کشتہ کی کرو تم دستگیری اے صنم
ہے خدا تیرا ثنا گو و الضحٰی و اللیل میں
یٰسین میں تعریف تیری دلپذیری اے صنم

واہ واہ تماشا لائیا ، آدم بنا کے دم کا
بیرنگ میں رنگ چھپائیا ، کرکے اولا(۲) اسم کا
احدوں (۳) بنا کے احمد ، پھر میم بن محمد
لولاک چھتر چھلائیا(۴) مالک عرب عجم کا
ایسا کمال کرنا ، مرنے سے آگے مرنا
پیر مغاں پلائیا ، وحدت سے جام جم کا

---

(۱) بُلاشی = چکر
(۲) اولا = پردہ
(۳) احدوں = احد میں سے
(۴) لولاک چھتر چھلائیا = لولاک لما خلقتالا فلاک کا تاج پہنایا ۔

پیر جمال الدین علوی

۱۲۹۶ - ۱۳۵۵ ھ

۱۸۷۶ - ۱۹۳۶ ء

پیر جمال الدین علوی صاحب سیف و قلم تھے ۔ ان کا شمار وادی مہران کے ان مجاہدان اسلام مین ہوتا ہے جنھون نے حکومت برطانیہ کے خلاف علم جہاد بلند کیا اور برصغیر کی تحریک آزادی مین نمایان حصہ لیا ۔

جمال الدین علوی کے والد بزرگوار حضرت پیر محمد ہاشم علوی قریہ شاہ ابراہیم دادانی تحصیل حیدرآباد کی ایک برگزیدہ شخصیت کے حامل تھے ۔ ان کا سلسلہ نسب حضرت شیخ ابو ریحان سلطان غیاث الدین المعروف بہ شیخ ایمان سے جا ملتا ہے ۔

جمال الدین کی ولادت بتاریخ ۲۷ رجب المرجب ۱۲۹۶ ہجری کو اپنے آبائی گاون مین ہوئی مورخہ ۱۲ شوال ۱۳۵۵ ہجری (۲۷ دسمبر ۱۹۳۶ء) مین وفات پائی ۔ قبرستان شیخ ایمان مین مدفون ہین ۔

عربی فارسی سندھی اور اردو کے عالم تھے ۔ انگریزی ، ترکی ، گجراتی اور پشتو سے بھی واقف تھے پیر جمال نے دین کے ساتھ ساتھ دنیا کی بھی خدمت کی ۔ سندھ کی سرزمین سے ابھرنے والی قومی تحریکات مین شریک رہے ۔ تحریک خلافت کے ایک سرگرم کارکن تھے ۔ مسلمانان سندھ کو انگریزون کی غلامی سے آزاد کرانے کی خاطر حکومت برطانیہ کی کھلم کھلا مخالفت کی ۔ عوام کو اپنی پر زور و موثر تحریرو تقریر سے بیدار کیا ۔ انگریزون نے انھین اس قسم کی تحریک سے باز رہنے کا حکم دیا ۔ طرح طرح کی دھمکیان دین لیکن وہ مرد مومن اپنے موقف پر ڈٹے رہے یہان تک کہ بلاخوف و خطر اعلان کردیا ۔

تمہاری ہتھکڑی بیڑی نہین کافی ڈرانے کسو
رکھا جب ہتھیلی پر تو کیا پرواہ زندان کسی

اعلان جہاد اور حق گوئی کی پاداش مین انھین قید و بند کی صعوبتین جھیلنی پڑین ۔ قید فرنگ مین بھی وہ اسلام کی تبلیغ کرتے رہے ۔ جیل خانے کے سربراہ نے انھین انتباہ کیا انھون

نے جواب میں کہا

اذان دین کے بلند اعلان سنے سارا تمام عالم
حکم حق نے دیا ہم کو کہا احمد نبیؐ اکمل

اعلان حق پر ان کی سزا اور سخت کردی گئی ـ انھیں سندھ کے زندان سے تھانہ جیل نواح بمبئی میں منتقل کردیا گیا تھانہ جیل میں تحریک خلافت کے چند دیگر سیاسی قیدی بھی مقید تھے جن میں محمد شعیب قریشی اور مولوی نثار احمد مفتی کانپوری بھی تھے ـ شعیب قریشی پیر جمال کی عزم و ہمت اور جوش و جرات سے بہت متاثر ہوئے ـ مولوی نثار احمد مفتی کہا کرتے "اسے جیل نہ سمجھو بلکہ مدرسہ ہی سمجھو" ـ

پیر جمال الدین علی کو سندھی اور اردو نظم و نثر پر قدرت حاصل تھی ـ ان زبانوں میں ان کے علمی و سیاسی مضامین اور اخلاقی و ترغیبی نظمیں عوام کی توجہ کا مرکز تھیں ـ وہ ایک شعلہ نوا مقرر ، پرجوش نثر نگار اور بدیہہ گو شاعر تھے ـ ان کی صاف ستھری اور بامقصد سیاست بلاشبہ آج کے دور میں مشعل راہ کی حیثیت رکھتی ہے ـ صوفیانہ زندگی اور علمی و ادبی مشاغل کے باوجود سیاست کے میدان میں جس شان اور جس انداز سے اپنا کردار ادا کیا وہ یقیناً اپنی مثال آپ ہے ـ ان کے مضامین اور منظومات کا کوئی باقاعدہ مجموعہ دستیاب نہیں ان کی نگارشات اخبارات و رسائل میں محفوظ ہیں ـ تھانہ جیل میں قیدیوں کی مرہٹی زبان سن کر حیرت سے کہتے ہیں

عجب تیری قدرت دیکھی یا الہٰی کہ قسمت وطن سے اٹھا ہم کو لائی
وہاں آکے پہنچے کہ سندھی نہ سمجھیں نہ اکڑی نہ تگڑی نہ کہتے نہ بھائی

پیر بھاون علی شاہ ساقی قادری

۱۳۰۵ — ۱۳۳۷ ھ
۱۸۸۶ — ۱۹۱۸ ء

بدین ضلع حیدرآباد میں جس برگزیدہ ہستی نے علم اور دین کا چراغ روشن کیا وہ حضرت درگاہ شاہ قادری تھے - پیر بھاون علی شاہ قادری اسی بزرگ ہستی کے چشم و چراغ تھے - بھاون علی شاہ کی ولادت ۱۸۸۶ ء (۱۳۰۵ ھ) میں بدین میں ہوئی -

تعلیم و تربیت کی پہلی منزل اپنے عارف و عالم باپ کی شفقت و اخلاص کے سایہ میں طے کی چودہ سال کے تھے کہ یہ سایہ ان کے سر سے اٹھ گیا لیکن انھوں نے اپنی تعلیم کو منقطع ہونے نہ دیا اپنے ذوق و شوق کی رہنمائی میں عربی، فارسی ، سندھی اور اردو کے علاوہ انگریزی اور گجراتی زبانوں پر قدرت حاصل کی - دوران تعلیم ۱۹۰۰ء میں جب ان کے والد حضرت درگاہ شاہ قادری کا وصال ہوا تو سجادہ نشینی کے فرائض ان کے سپرد ہوئے -

حصول علم کا شوق اور شاعری کا ذوق فطری تھا - اکثر اوقات مطالعہ کتب میں صرف کرتے - ان کے کتب خانے میں مطبوعہ کتب و رسائل کے علاوہ قلمی نسخوں کی تعداد بھی کافی تھی - اکتوبر ۱۹۱۸ء (۱۳۳۷ ھ) میں جب انکی عمر صرف ۳۲ سال تھی اللہ کو پیارے ہوگئے - ان کا مزار پر انوار ان کے خاندانی قبرستان قادریہ میں واقع ہے -

پیر بھاون علی شاہ قادری اپنے وقت کے ایک بلند پایہ شاعر اور انشاء پرداز تھے - اگر ان کی عمر نے وفا کی ہوتی تو وہ اپنی نگارشات و تخلیقات کا وافر ذخیرہ چھوڑ جاتے - ان کا تخلص ساقی تھا - فارسی ، سندھی اور اردو تینوں زبانوں میں بہت اچھا شعر کہنے کی غیر معمولی صلاحیتوں کے مالک تھے - اپنے بزرگوں کے قلمی نسخوں کی روشنی میں ایک بیاض مرتب کی جو فارسی زبان میں ہے - اردو میں نثر نگاری کا ثبوت ڈاکٹر نبی بخش بلوچ کے اس بیان سے ملتا ہے کہ انھوں نے "اپنے خاندان کے حالات اردو میں لکھے" (۱) شیخ محمد سومار ساکن بدین نے ساقی کے کلام کو "ساقی جا سخن" کے نام سے مرتب کیا ہے -

---

(۱) سندھ میں اردو شاعری ، ص ۲۳۲

ساقی نے اردو میں غزلیں بھی کہی ہیں اور نعتیں بھی - ان کی زبان صاف ، بیان لطیف اور اسلوب دلآویز ہے - پہلے ایک نعت کا یہ شعر دیکھئے :

حضور[۴] ! داور محشر اکیلا جا کھڑا ہوں گا
بجز تیرے نہ ہوے گا سہارا یا رسول اللہ

پھر یہ اشعار ملاحظہ فرمائیے - کلام کی پختگی و برجستگی قابل داد ہے -

جمال یار جمال قمر نہ یکساں ہے
ہمارے دیدہ گریاں ابر نہ یکساں ہے
بت پرستی میں ہیں داخل گو عاشق اکثر
خانہ دل و خانہ کفر نہ یکساں ہے
نہ طلب کرتا ہوں تجھ سے ساقی کوثر
شربت لب و شکر نہ یکساں ہے

بتا اے مرغ دل تونے کہاں اپنا وطن چھوڑا
نہ رستہ دشت میں پایا کہاں اپنا چمن چھوڑا
کہاں وہ باغ فردوسی کہاں وہ جنت السماوی
کہاں وہ قصر ملکوتی کہاں ملک عدن چھوڑا
کہاں وہ نرگس شہلا کہاں مشک ختن چھوڑا

محمد قاسم نقشبندی گڑھی یسینی

۱۳۰۵ — ۱۳۴۹ ھ

۱۸۸۶ — ۱۹۲۹ ء

مولانا محمد قاسم نقشبندی گڑھی یسینی سندھ کے ان ممتاز صوفی مشرب علمائے کرام میں سے تھے جن کے دم سے علم و دانش اور نیکی و روحانیت کی روشنی دور دور تک پھیلی ۔ ان کے والد بزرگوار حضرت محمد ھاشم (۱) گڑھی یسینی اپنے وقت کی برگزیدہ علمی و دینی شخصیتوں میں شمار کئے جاتے تھے ۔

محمد قاسم کی ولادت ماہ ربیع الثانی ۱۳۰۵ ھ (۱۸۸۶ء) میں بمقام / "صدر اعظم" سے ان کی تاریخ ولادت نکلتی ہے ۔

میاں گل عبدالودود تحصیل شکار پور میں ہوئی

بر مشق از میلاد او کردم سروش
صدر اعظم گفت تاریخش بگوش
۱۳۰۵ ھ

تعلیم و تربیت اپنے والد ماجد کے زیر شفقت و عاطفت حاصل کی ۔ درس نظامیہ کی کتب بھی اپنے والد سے پڑھیں ۔ ۱۳۲۹ ھ میں ان کے والد کی رحلت کے بعد ۱۳۲۳ ھ تک مولانا عبدالغفور مفتون ھمایونی (۲) جیسے استاد کامل اور عارف عامل کی صحبتوں میں رہ کر علوم ظاھری و باطنی سے مستفیض ہوئے ۔

مولانا محمد قاسم ۱۳۲۲ ھ میں اپنے والد کی مشہور درسگاہ مدرسۃ ھاشمیۃ گڑھی یسین کے نگران مقرر ہوئے ۔یہ وہ اہم مدرسۃ ہے جسمیں طالبان علم نہ صرف سندھ کے طول و عرض سے بلکہ افغانستان ، بلوچستان ، پنجاب ، مکران وغیرہ سے آتے تھے اور علوم عربیۃ کی اعلیٰ تعلیم سے آراستہ ہوکر معاشرے میں اعلیٰ مقام حاصل کرتے تھے ۔ اس مدرسے سے بڑے بڑے علماء اور خطیب پیدا ہوئے اور انھوں نے ایک عالم میں علم و عمل کی روح پھونک دی (۳) ۔

مولانا محمد قاسم نقشبندی بہت بلند پایۂ مدرس ، عالم ، فقیہ ، مفتی ، خطیب اور ولی کامل تھے ۔ نقشبندی طریقت کے معتقد تھے ۔ سلطان الاولیاء حضرت خواجہ عبدالرحمن مجددی سرھندی سے بیعت (۳) تھے ۔

علمی بصیرت اور شرعی نکات کے اعتبار سے مولانا قاسم کی شخصیت مستند و معتبر سمجھی جاتی تھی ۔لوگ ان کے پاس فتویٰ دریافت کرنے کے لئے نہ صرف سندھ کے مختلف گوشوں سے بلکہ بیرون سندھ کے دور دراز کے علاقوں سے آتے تھے اور ان کے فتویٰ (۵) نامے ان کے دستخط سے حاصل کرنا باعث اطمینان تصور کرتے تھے ۔ یہاں تک کہ حاکم بلوچستان نے بھی کئی موقعوں پر ان کے فتاویٰ کی بنیاد پر معاملات کے فیصلے کئے (۶) ۔

مولانا قاسم ۴۴ سال کی عمر میں ۱۸ ذی القعدہ ۱۳۳۹ ھ کو اپنے معبود حقیقی سے جا ملے ان کے شاگردوں ، عزیزوں ، دوستوں اور عقیدتمندوں کی بہت بڑی تعداد نے نماز جنازہ میں شرکت کی ۔ ان کے نوحے اور مرثیے لکھنے والوں میں سید عبدالفتاح رضوانی شیخ الدلائل فی المسجد نبوی مدینہ منورہ ، مولانا صاحب داد مفتی اعظم پاکستان اور محمد اسمٰعیل جان روشن سرھندی جیسے نامور و مقتدر حضرات شامل تھے ، مرثیئے اور تاریخیں عربی ، فارسی ، سندھی اور اردو میں کہی گئیں ۔ یہاں حکیم مطیع الرحمن مطیع کا ایک اردو قطعہ تاریخ وفات نقل کیا جاتا ہے ۔

جو محمد قاسم اھل فیض تھے	عالم بے مثل یکتائے جہان
دے کے داغ غم بہ ذیقعد میں	چل بسے وہ جانب باغ جناں
سال رحلت تم سناو اے مطیع	واصل رب ھوگیا فخر زمان
	۱۳۳۹ ھ

مولانا قاسم کی ابدی آرام گاہ گڑھی یٰسین کے اس قبرستان میں زیارت گاہ خلق اللہ ہے جہاں ان کے والد حضرت محمد ہاشم آسودہ ہیں ۔

مولانا قاسم کی مادری زبان سندھی تھی ۔ عربی ، فارسی اور اردو پر مکمل عبور تھا ۔ عربی زبان اس فصاحت و بلاغت سے بولتے اور لکھتے تھے کہ اھل عرب نے ان کی تعریف کی ۔ اردو اور فارسی میں اعلیٰ درجے کا شعر کہتے تھے ۔ قاسم تخلص کرتے تھے ۔ ان کے فارسی اشعار کا ذخیرہ کافی ہے جو غزلیات ، تواریخ ، قطعات ، منظومات ، مناجات اور قصائد وغیرہ پر محیط ہے ۔

مولانا قاسم صاحب تصنیف بھی تھے ۔ ان کی تصانیف میں "فتاویٰ قاسمیہ" کی ایک جلد اور "اختیار الکتبار" شائع ہوچکی ہیں ۔ ان کی غیر مطبوعہ تصانیف کے نام یہ ہیں :

(۱) رسالہ دربارہ تقلید (۲) الفاظ القرآن با معنی (فارسی)

(۳) مجموعہ اشعار فارسی و اردو ۔

مولانا محمد قاسم نقشبندی کو اردو سے محبت تھی ۔ خطبات اور تقاریر عموماً اردو میں فرماتے تھے ۔ فتوے بھی اکثر اردو ہی میں لکھتے تھے ۔ ان کے اردو مجموعہ فتاویٰ قاسمیہ کا قلمی نسخہ مولانا محمد نجم الدین صدر مدرسین و مفتی مدرسہ ہاشمیہ گڑھی یسینی کے پاس محفوظ و موجود ہے ۔

نمونہ نثر کے طور پر ان کے مذکورہ بالا مخطوطہ کے صفحہ ۱۲۳ سے ایک فتویٰ کا اقتباس پیش کیا جاتا ہے ۔ زبان سادہ اور عام فہم ہے ۔ عربی و فارسی الفاظ کا غیر ضروری استعمال نہیں کیا گیا البتہ دلائل و اسناد کے طور پر کہیں کہیں عربی محاورات یا کتابی فقرے استعمال کئے گئے ہیں ۔ یہ فتوی مولانا قاسم نے اس وقت صادر فرمایا تھا جب میر فخرالدین جیلانی نے ان سے دریافت کیا تھا :

" جنگلات سرکار برطانیہ کے قبضے میں ہوں اور وہ کسی کی ملکیت نہ ہوں اس صورت میں اگر کوئی شخص لکڑی کاٹتا ہے تو کیا وہ اللہ کے سامنے جواب دہ ہوگا یا وہ حکومت کا قانونی مجرم قرار دیا جائے گا ؟ " ۔

اس کے جواب میں مولانا قاسم کا فتویٰ یہ تھا :

" یہ جنگل ملکیت سرکار نہیں کہا جاوے گا زیرا کہ حربی نصرانیوں کا زمینات پر قبضہ مفید ملکیت کا نہیں ہوسکتا ہے بلکہ جس چیز کو وہ احراز دارالحرب میں لے جاتے ہیں یا اپنی چیز کے ساتھ اس چیز کو اسطرح خلط کرتے ہیں جس سے استہلاک کے معنی پیدا ہوسکتے ہیں جیسا کہ اپنے روپیوں سے یا اپنے غلہ گیہوں سے اہل اسلام کے روپیوں یا غلہ گیہوں کو لے کر خلط کریں کہ اس قسم کے خلط ہونے کے بعد تمیز کے معنی جاتے رہتے ہیں تو تب وہ مالک ہوسکتے ہیں اور یہ ظاہر ہے کہ زمینات اور اشجار ہندوستان کو وہ اپنی دارالحرب میں نہیں لے گئے ہیں اور نہ خلط استہلاکی کرچکے ہیں لہذا یہ جنگل ملکیت سرکار نصاریٰ کی نہیں ہوگی ....

جبکہ مذکورہ بات ثابت ہوچکی تب یہ بھی جاننا چاہئے کہ جنگل کی لکڑیوں اور گھاس کا بیع کرنا شرعاً باطل ہے اسلئے کہ یہ اشیاء مباحہ سے ہیں اور کسی کی ملکیت میں داخل نہیں ہیں اور اشیاء مباحہ کا بیع کرنا غیر مشروع اور ناروا ہے ، کتاب درالمنتقی شرح الملتقی کے

باب البیع الفاسد میں لکھا ہے :

" ولا یجوز بیع المباحات الحطب الصحرا و حشیشة انتہی "

جبکہ بیلا کے جنگل میں خدائی سیلاب ، دریا کا پانی آجاتا ہے اور اس کے درخت خود روہیں اور اہل کار فقط درختوں کی نگرانی کرتے ہیں جیسا کہ مستفتی کے استفسار سے ظاہر ہے تو ایسی صورت میں سرکاری ممانعت محض ظلم ہے اور لکڑیوں کے کاٹنے والے پر خدائی مواخذہ نہیں ہے واللہ اعلم بالصواب " ۔

حررہ فقیر محمد قاسم الیاسی محفی اللہ عنہ

۲۳ ذی الحجہ ۱۳۳۲ ھ

حاشیے

(۱) مولانا محمد ہاشم گڑھی یسینی ۱۲۵۹ ھ کو شہر شہداد کوٹ ضلع لاڑکانہ میں پیدا ہوئے استاد العلماء مولانا نور محمد کے مدرسے سے فارغ التحصیل ہوئے ۔

مولانا ہاشم درس و تدریس ، فقہ اور فتوٰی نویسی کے ماہر کی حیثیت سے خاص شہرت کے حامل تھے ۔ پہلے شہداد کوٹ کے نواحی گاؤں میں دینی مدرسہ قائم کیا ۔ پھر قلات بلوچستان کے مدرسے کے استاد مقرر ہوئے ۔ ایک مقتدر عالم و معلم کی حیثیت سے وہاں ان کی بے حد قدر افزائی ہوئی ۔ ان کے مرید نواب اسداللہ رئیسانی نے انہیں قلات میں اپنی جاگیر کے قاضی کے عہدے سے نوازا ۔

امیر گڑھی یسین خان صاحب اللہ بخش خان درانی بارکزئی کی استدعا پر وہ گڑھی یسین چلے آئے وہاں کی مسجد و عیدگاہ کے متولی کے فرائض انجام دیئے بعد میں اپنے " مدرسۃ ہاشمیہ " کی بنیاد رکھی ۔

مولانا ہاشم کے شاگردوں کی تعداد کا کوئی شمار نہیں اکثر نے علمی مرتبہ حاصل کیا جن میں ان کے نامور فرزند مولانا محمد قاسم بھی شامل تھے ۔ ان کے چھوٹے صاحبزادے مولانا محمد ابراہیم نے

بھی ایک جید عالم قاضی اور شاعر کی حیثیت سے خاص شہرت حاصل کی ۔ ۳

۴ میاں جی عبداللہ سرھندی شہداد کوٹی نے یہ تاریخ وفات کہی

جست ھندی چو سال رحلت او

گفت ہاتف " شد اندرون بہشت "

۱۳۲۹ ھ

(مہران سوانح نمبر ص ۱۱۸ تا ۱۲۰ ، تذکرہ مشاہیر سندھ ص ۲۷۴ ۔ ۲۷۵ ۔کلیات امین مرتبہ محبوب علی چنہ ص ۲۸۶)

(۲) مولانا عبدالغفور ھمایونی المتخلص بہ مفتون (۱۲۶۱ - ۱۳۳۶ ھ / ۱۸۴۷ - ۱۹۱۸ ء) قصبہ ھمایوں ضلع سکھر کے رہنے والے تھے ۔ پیر سید ابو محمد صالح شاہ راشدی پیر جو کے مرید تھے ۔ طب ، تاریخ ، تصوف پر مہارت رکھتے تھے ۔ عالم با عمل ، عارف باللہ اور استاد با کمال تھے ان کے شاگردوں کی فہرست میں بڑے سے بڑے علماء و فضلاء کے نام درج ھیں ۔ محفل سماع کے شائق تھے ۔ ان کی آواز میں سوز و گداز تھا ۔ فارسی اور سندھی میں شاعری کرتے تھے ۔ ان کی تصانیف میں فتاوٰی ھمایونی ، دیوان مفتون ، فرھنگ ھمایونی (طبی لغت) شائع ھوچکی ھیں ۔

(تذکرہ مشاہیر سندھ ، ص ۲۲۹ تا ۲۳۳ ، کلیات امین ، ص ۲۲۵)

(۳) مہران ، ص ۱۱۸

(۴) تذکرہ مشاہیر سندھ ، ۲۸۵

(۵) مولانا قاسم کے فتووں کا ایک مجموعہ فتاوٰی (جلد اول) کے نام سے پہلی بار لاھور میں اور دوسری بار افغانستان میں شائع ھوچکا ھے ۔

(۶) مہران ، ص ۱۲۰

۷ مولانا ہاشم حضرت مولانا میاں تاج محمد پیر کشمور شریف کے مرید تھے۔ سندھی اور اردو میں مضامین لکھتے تھے۔ فارسی اور سندھی میں شعر کہتے تھے۔ فارسی تاریخ گوئی میں مہارت رکھتے تھے۔ ان کی کوئی تصنیف یا تالیف محفوظ نہیں ہے۔

مولانا ہاشم ۷ شعبان ۱۳۲۹ھ میں اس جہان فانی سے رخصت ہوگئے۔ قصبہ مستانہ ولایت شریف میں ان کا مزار مبارک زیارت گاہ خاص و عام ہے۔

سید فضل اللہ شاہ

۱۳۱۳ - ۱۳۵۷ ھ
۱۸۹۳ - ۱۹۳۷ ء

پیر سید فضل اللہ شاہ المعروف بہ سید احسان شاہ ، تیسرے پیر جھنڈو حضرت پیر سید رشد اللہ شاہ کے خلف اکبر تھے (۱) ۔ اپنے والد مکرم کی وفات کے بعد درگاہ شریف سعید آباد کے مسند سجادہ نشینی پر متمکن ہوئے اور " پیر جھنڈو چہارم " کے لقب سے ملقب ہوئے ۔

سید فضل اللہ شاہ کی تاریخ ولادت ۲۷ رمضان المبارک ۱۳۱۳ ھجری اور سال رحلت ۱۳۵۷ ھجری ہے ۔ ان کی جائے پیدائش ، جائے رہائش اور جائے آسودگی درگاہ شریف سعیدآباد (۲) (ضلع حیدرآباد) ہے ۔

مدرسہ دارالرشاد سعید آباد مین مولانا عبیداللہ سندھی ، مولانا احمد علی لاہوری اور مولانا محمد صاحب سندھی جیسے یگانہ روزگار اساتذہ اور نامور علمی شخصیتون کے زیر نگرانی و زیر تربیت قرآن حکیم ، تفسیر قرآن ، علوم احادیث اور فقہ کی تحصیل کی ۔

خاندانی روایات کے مطابق فقر و سادگی ، رشد و ہدایت اور ریاضت و تقویٰ کی زندگی کو اپنایا ۔ اپنی تعلیمات و ہدایات کی روشنی سے بے شمار دلون کو پرنور کیا ۔

فضل اللہ شاہ سندھی ، فارسی ، عربی اور اردو زبانون سے بخوبی واقف تھے ۔ ان کی شاعری کا سراغ نہین ملتا لیکن سخن سنجی کے بجائے سخن فہمی کا اچھا درک رکھتے تھے ۔ دینی و دنیاوی مصروفیات سے فرصت ملتی تو باقی وقت لکھنے پڑھنے مین گزارتے ۔ تقریر کرنے کی بہت اچھی صلاحیت رکھتے تھے ۔ اکثر مذہبی جلسون مین ان کے اردو خطبات بڑے شوق سے سنے جاتے تھے ۔ اگر ان کے تمام خطبات جمع کئے جاتے تو ضخیم کتاب مرتب ہوسکتی تھی ۔ ان کے لائق فرزند پیر بدیع الدین شاہ جو خود ایک جید عالم اور ممتاز مقرر و خطیب ہین نے ان کے کچھ مخطوطات محفوظ کر رکھے ہین جو کتب خانہ سعید آباد مین موجود ہین ان ذخائر مین سید فضل اللہ کی دو

---

(۱) ملاحظہ ہو برائے سلسلہ نسب تذکرہ سید رشد اللہ شاہ

(۲) سعیدآباد کے جنوب مین ہالا ۲ میل پر اور شمال مین پیر جھنڈو ایک میل کے فاصلے پر واقع ہے ۔

اردو تصانیف کا سراغ بھی ملتا ہے ۔

ان تصانیف کے مطالعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ ان کی اردو نثر سادہ اور سلیس زبان میں ہے ۔ دینی و مذہبی موضوعات سے متعلق قرآن و احادیث کی روشنی میں نہایت پر مغز و عالمانہ بحث کرتے ہیں ۔ جس موقع و محل قرآنی آیات ، عربی و فارسی الفاظ و محاورات کو جس خوبی سے استعمال کیا ہے اس سے ان کی عمدہ نثر نگاری کی شہادت ملتی ہے ۔

المقالۃ المحبوبہ فی الدعاء بعد الصلوٰۃ المکتوبۃ (قلمی)

یہ پچاس صفحات کا ایک دینی رسالہ ہے جس میں نماز اور دعا کے فضائل و مسائل بیان کئے گئے ہیں ۔ اس رسالہ پر سنہ تصنیف ۱۳۲۷ ھ درج ہے ۔ اس رسالے سے چند سطور بطور نمونہ نقل کی جاتی ہیں :

" دعا بعد صلواۃ مکتوبہ با جماعت ہاتھ اٹھا کر مانگنے کے جواز میں کوئی شبہ نہیں بلکہ مسنون ہے .... کیونکہ دعا طلب کرنا ہے حاجت کا تضرع سے ان کے قاضی سے القاضی المطلق ہواللہ الواحد الصمد لم یلد ولم یولد تو اب بندہ کو جب اپنی حاجت کے قضا کیلئے طلب کرنا ہے تو بلا خدشہ و خطرہ .... اپنے قاضی مطلق و شافی برحق میں یقین بالا جابتہ کرکے طلب کرے تو مرتبہ اجابت پاوے ۔

ان شاء اللہ تعالیٰ اگرچہ دعا بعد صلوٰۃ مکتوبہ بغیر رفع الیدین کے مسنونیت بھی ثابت ہے لیکن ہاتھ اٹھانا داعی کا اولیٰ و ارفع ہے ۔ کیونکہ داعی کے لئے مستحسن یہ ہے کہ بعض آداب کی دعا کے لیے مراعتہ کرے ۔

پس دعا کے آداب کثرت سے وارد ہیں لیکن جو مسئلے مبحوث فیہا سے مناسبت رکھتے ہیں وہ صرف تین ہیں ۔ الاول رفع الیدین فی الدعا ۔ کیونکہ ہاتھ اٹھانا دعا میں تضرع و تواضع ہے ۔ والثانی الدعا مع الجماعۃ کیونکہ اس میں کوئی شک نہیں کہ دعا با جماعت مانگنا تفرد سے زیادہ مستحسن اجابت و اثابت ہے ۔

الثالث تقدیم عمل صالح لیکون ذالک و سیلۃ الاجابۃ کیونکہ یہ بات مسلم اور مرئی ہے کہ جب خادم کوئی ایسا عمل کرے جو عند مالک محبوب ہو اور اس کے بعد کوئی سوال کرے تو اس وقت میں سوال اجابت بلاشک ہوجاتی ہے " ۔ (ص ۲ - ۳)

البلاغ الحقیق بالتحقیق العمیق (قلمی)

الشان فضل الله شان نے ۱۳۳۹ ھ میں خانپور (پنجاب) کے ایک عظیم مذہبی جلسے کی صدارت کی تھی ۔ اس جلسے کے لیے انہوں نے جو خطبہ صدارت ایک طویل مقالہ کی صورت میں لکھا تھا وہ ۳۵ صفحات پرمحیط ہے ۔ اس مقالے میں انہوں نے قرآن حکیم کی روشنی میں روحانی و جسمانی امراض اور ان کے علاج کے بارے اپنے مفید خیالات کا اظہار کیا ہے ۔ یہ عبارت اس رسالہ سے پیش کی جاتی ہے ۔

" قرآن شریف میں روحانی و جسمانی اصلاح کے لیے تمام معالج موجود ہیں اور جمیع امراض روحانی و جسمانی کے لیے عجیب و غریب نسخے موجود ہیں اور ہماری دینی و دنیوی منافع حاصل کرنے کے لیے بھی قرآن کریم میں عمدہ عمدہ طرائق بیان کئے گئے ہیں ۔ یہ طور نمونہ یہاں دو نسخے ایک مرض روحانی کے لیے مثلاً قساوت قلب دوسرا مرض جسمانی کے لیے مثلاً تنگی رزق ذکر کیے جاتے ہیں روحانی امراض کے دفع ان سے صحت پانے کے لیے ذریا ذکر الله عزوجل کا ہے جیسا کہ الله تعالی فرماتا ہے :

الا بذکر الله تطمئن القلوب

یعنی خبردار تمہارے قلوب تندرست الله کے ذکر سے ہوتے ہیں " ۔

(ص ۲)

پانچواں دور ۱۳۶۶ — ۱۴۰۰ ھ / ۱۹۴۷ — ۱۹۸۰ ء

عہد پاکستان

محمد صادق رانیپوری
خلیفہ غلام اللہ
عبداللہ جان شاہ آغا سرہندی
شاہ غلام رسول قادری
محمد ابراہیم ناظم گڑھی یسینی
مولانا عبدالشکور نظامی
قاضی غلام اکبر درانی
مولانا دین محمد ادیب
تاج محمد افغان مشتاق
پیر مصطفیٰ صبغت اللہ شاہ ایرانی
مخدوم امیر احمد
ہاشم جان سرہندی
پیر علی محمد راشدی
سائیں عبدالرشید قادری
سلیم جان سرہندی
مراد خان جاڈیو

سید زوار حسین شاہ
پیر حسام الدین راشدی
ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خان
پیر اسحاق جان سرہندی
پروفیسر علی نواز جتوئی
پیر غلام محی الدین سرہندی
شاہ اکرام حسین سیکری
مرزا محمد افضل بیگ
مخدوم محمد زمان طالب المولیٰ
پیر محب اللہ شاہ
شاہ بشیرالدین مخفی قادری
علیم الدین علمی قادری
مولانا غلام مصطفیٰ قاسمی
پیر بدیع الدین شاہ
پروفیسر حضور احمد سلیم
مخدوم غلام احمد

محمد صادق رانیپوری

مولوی صادق علی عرف حکیم محمد صادق بن مولوی اللہ بخش بن صادق علی عرف ملا صادق کا سلسلہ نسب حضرت عباس عم النبی صلے اللہ علیہ وسلم سے جا ملتا ھے (۱) ۔ محمد صادق کے جد امجد ملا صادق ایک بڑے عالم اور حکیم تھے ۔ خواجہ فخرالدین عرف فخر جہان اوحدی کے مرید تھے ۔

محمد صادق ۱۸۸۲ء میں چاچڑاں شریف کے پرائمری اسکول میں داخل ہوئے ۔ عربی و فارسی علوم کی تحصیل کئی نامور اساتذہ کرام سے کی جن میں میاں اللہ بخش عباسی کھڑوی ، مولانا عبدالغفور مفتون ھمایونی ، مولوی عبدالرووف اور استاد العلما مولانا الحاج محمد لغاری سانگھڑوی کے اسمائے گرامی ھمیشہ زندہ رھینگے ۔

محمد صادق رانیپوری کے والد محمد صادق المعروف بہ مولوی اللہ بخش حضرت خواجہ غلام فرید (۲) کے خلیفہ تھے ۔

---

(۱) صادق رانیپوری کے حالات زندگی ان کی خود نوشت سوانح عمری مہران حیدرآباد (سندھ) شمارہ نمبر ۳ ، ۴ ۱۹۵۷ء سے ماخوذ ھیں ۔

(۲) حضرت خواجہ غلام فرید (۱۲۵۱ - ۱۳۱۹ ھ) سندھ اور بہاولپور کے معروف درویش تھے ۔ ان کے جدا اعلی مالکی یحیٰی فاتح سندھ محمد بن قاسم کے زمانے میں سندھ میں آئے ۔ ان کے والد خواجہ خدا بخش اوحدی طریقہ چشتیہ کے ایک بڑے بزرگ اور فارسی کے صاحب دیوان شاعر تھے ۔

چاچڑاں شریف خواجہ غلام فرید کا مولد و مسکن تھا ۔ شاہ عبداللطیف کے کلام و پیغام سے متاثر تھے ۔ سچل سرمست کی کافیوں کا تتبع کیا ۔ سندھی سرائیکی ملتانی میں ان کا کلام موجود ھے ۔ بقول محمد عزیز الرحمن بہاولپور ــــ " ریاستی زبان کی شاعری میں ان کا ایک خاص مرتبہ ھے " ۔ کہتے ھیں کہ ان کی بیشتر ملتانی کافیاں ملتان کے فرید بابا کے کلام میں شامل ھوگئی ھیں ۔

(کلیات امین ، ص ۲۶۶)

محمد صادق فن طب پر کامل دستگاہ رکھتے تھے ۔ ان کی حکیمانہ خدمات کے صلے میں نواب صاحب جوناگڑھ نے ۱۹۳۵ء میں ایک سو روپیہ ماہوار وظیفہ مقرر کیا ۔

۱۹۲۳ء میں صادق نے پیر سید ابو محمد صالح شاہ اور علامہ دین محمد وفائی کے ساتھ آریہ سماج اور قادیانیت کے خلاف سخت محاذ قائم کیا ۔ اس سلسلے میں انھوں نے اردو اور سندھی میں موثر و مفید مضامین اردو اور سندھی میں لکھے جو اخبارات و رسائل میں شائع ہوئے ۔ ان کی تحریک کامیاب ثابت ہوئی (۱) ۔

والی ریاست خیرپور میر علی‌نواز خان ، میر غلام فیضان تالپور ، صادق کی علمی فضیلت ، طبی مہارت اور شرافت و صلواۃ کے بہت مداح تھے ۔ والی خیرپور کی جانب سے انھیں تا حیات ایک سو روپیہ ماہوار وظیفہ ملتا رہا ۔

فرمانروائے خیرپور خود ایک صاحب علم اور صاحب ذوق سربراہ مملکت تھے ۔ علم و ادب کی سرپرستی میں اپنی مثال آپ تھے ۔ علمائے کرام اور اولیائے عظام سے بیحد عقیدت رکھتے تھے اور ہر طرح ان کی خدمتکیلئے کوشاں رہتے تھے ۔

میر علی نواز کی تحریک پر صادق نے " دعوۃ الاعتصام بدین اللہ الاسلام " کے نام سے اردو میں ایک رسالہ لکھا ۔ اس کتابچہ میں عام مسلمانوں کو " دین اللہ " قائم کرنے ،فرقہ وارانہ روش سے اجتناب کرنے اور توحید پرستی و دین حقیقی کی طرح راغب ہونے کی تلقین کی ۔ " دین اللہ " کا انگریزی ترجمہ God's Religion کے نام سے بھی ہوا ۔

انھوں نےایک اور کتاب اردو میں " احسن الهادی فی السلام گاندھی " کے نام سے لکھی اس کتاب میں پیغمبر اسلام سے متعلق ہندو دانشوروں کے خیالات و تبصرے کے ساتھ شامل ہیں ۔ اس سلسلے میں صادق کی خط و کتابت مہاتما گاندھی سے بھی ہوئی تھی ۔ کتاب مذکور میں گاندھی کے خطوط بھی پیش کئے گئے ہیں ۔

محمد صادق رانیپوری اردو فارسی اور سندھی میں شاعری کرتے تھے ۔ صادق تخلص کرتے تھے ۔ اپنی سوانح عمری میں ایک جگہ لکھتے ہیں :

---

(۱) تفصیلات کے لئے ملاحظہ ہو تذکرہ مولانا دین محمد وفائی ، مطبوعہ مہران سوانح نمبر

" عاجز راقم کو شاعری سے فطری شوق ہے مگر غفلت شعاری کے سبب
کلام کا بیشتر حصہ ضائع ہوگیا " (۱)

صادق اردو زبان کے والا و شیدا تھے ۔ انھیں مشاہیر اردو سے ارادت تھی ۔ اساتذہ اردو کی یاد میں کہتے ہیں

ہے بزم سخن کا اب رنگ پھیکا
گئے آہ اسیر(۲) و آزاد(۳) وحالی(۴)

اللہ اور رسولؐ کے دین کی ترویج کے علاوہ قوم و ملک کی خدمت اور علم و ادب کا فروغ ان کی زندگی کا مطمح النظر تھا ۔ ان کی کوئی تحریر خواہ نظم میں ہو یا نثر میں ، سندھی زبان میں ہو یا اردو زبان میں مقصد سے خالی نہ ہوتی تھی ۔ شاعرانہ محویت کے عالم میں بھی انھیں قوم کا خیال آجاتا ہے

ہے شوق سخن صادق کچھ قوم کے حق میں لکھ
بیہودہ تغزل کی یہ مستی و سر جوشی

جب غزل کہتے تو ڈوب کر کہتے تھے ۔ ان کی غزل کا خاص رنگ تھا ۔ شوخی ، سرمستی و سرجوشی کی کیفیت ان کی غزل کا طرہ امتیاز ہے ۔

عرض کی غیر سے ہو بزم خالی
تو دلوادی مجھے فوراً اسکالی
بہت ہیں نازنین دل لینے والے
و لیکن ہے ادا اس کی نرالی
سجن برسات کی رت ہے نہ جانو
کہاں پھر ایسے ایام و سیالی
کہاں جاتا ہے تو اب یہ پتا کر
ادھر تو دیکھ میں بھی ہوں سوالی
دلائے یاد جھوٹے وعدے ان کو
تو بولے "تم ہوا کے پاگل خیالی"
دیوانہ کرکے الفت میں ہمارا
ستانا چاہتا ہے وہ دیوالی
کمر باریک تیری پر ہوں قربان
اسی سے سیکھ لی نازک خیالی

---

(۱) مہران شمارہ ۳ ، ۴ ص ۲۱۲
(۲) سید منظور علی خان اسیر
(۳) محمد حسین آزاد
(۴) مولانا الطاف حسین حالی

ہے عرش حسن پر پرواز اس کو — یہ شاہ نازکی ہے تیز بالی

ریاست حسن پر ہے ناز کا حکم — اکیلے آپ کچھ تھوڑے ہیں والی

ہے بزم سخن کا اب رنگ پھیکا — گئے آٹھ اسیر ، آزاد و حالی

نکلتی ہے رہ محروم ، رحمت کی خطا پوشی — آزردہ نہ ہو میکش ، جاری رہے مے نوشی

کھل جاو ذرا ہم سے ، ہنگام بہر مستی — اس حال میں عاشق سے کیسی یہ حیا کوشی

تمہید پریشانی یہ گل کا تبسم ہے — اک راز ہے سر بستہ غنچہ کی یہ خاموشی

پیغام پریشانی لے آئی ہے کیسی یہ — کرتی ہے شمیم آکر پھولوں سے جو سرگوشی

رہ جاتی ہو باقی مینا ہے اگر خالی — الماس پہیں اعداز گو ترک ہے مے نوشی

تاوان محبت تھا یا قرض ہوا خواہی — جان دے کے ہوا حاصل مقصود سبک دوشی

آئے مری تربت پر وہ لے کے رقیبوں کو — کچھ کم نہ ہوئی اب تک قاتل کی جفا کوشی

آنکھوں سے مرے کرتے ہیں لعل وگہر پیہم — کانوں میں اسے کہدو کوشی کرتے یہ سرگوشی

ہے شوق سخن صادق کچھ قوم کے حق میں لکھ — بیہودہ تغزل کی یہ محنت و سر جوشی

غزل کے علاوہ دیگر اصناف سخن مثلاً قصیدہ ، قطعہ رباعی وغیرہ پر بھی طبع آزمائی کی ہے - صاحبزادہ فیض محمد کے ولی عہد تسلیم کئے جانے پر یہ قصیدہ لکھا -

ہم محو ذکر حق بوقت سحر رہے — جوش دعا تھی دل میں بپا ہے اظہر رہے

مری زبان یہ جاری تھا وہ کلام پاک — سن سن کے تھے فرشتے زمین پر اتر رہے

سلطان، علی نواز سے اخلاص تھا قدیم — یوں تھے مری ذہن میں مقامی گزر رہے

یا رب ہو میر فیض محمد مراد مند — حامی ہمیشہ سید خیرالبشر رہے

ان کی رباعی کا ایک انداز یہ ہے -

نااہل سے کب داد وفا لیتا ہوں — سراف سے قدر و قیمت پا لیتا ہوں

وہ دوست کہاں جن سے تھا دل کا پیوند — اب دشمنوں سے سن کے دشنام دعا لیتا ہوں

خلیفہ غلام اللہ

وفات ۱۳۷۶ھ / ۱۹۵۶ء

خلیفہ غلام اللہ کلہوڑہ گوٹھ چوہڑو شریف تعلقہ وارا کے رہنے والے تھے - ان کی تاریخ پیدائش معلوم نہ ہوسکی - ۱۹۵۶ء (۱۳۷۶ھ) میں وفات پائی جبکہ انکی عمر سوسال سے زائد تھی-

خلیفہ غلام اللہ متقی پرہیزگار اور سیدھے سادھے انسان تھے - لکھنا پڑھنا نماز روزے اور دین کی خدمت ان کا اوڑھنا بچھونا تھی -

خلیفہ صاحب سندھی فارسی اوراردو میں دستگاہ رکھتے تھے - ایک سنجیدہ شاعر تھے کئی کتابوں کے مصنف تھے - انکی دو منظوم کتابیں نقش سلیمانی اور یوسف زلیخا لیتھو پریس لاڑکانہ سے شائع ہوچکی ہیں - قصیدہ اور نعت کے فن میں شہرت رکھتے تھے - مرزا قلیچ بیگ کے ہمعصر تھے اور ان کے بہت معتقد تھے - خلیفہ صاحب نے مرزا صاحب کی شان میں ایک لاجواب قصیدہ بعنوان "دعا نامہ در شان مرزا قلیچ بیگ" (۱) ۱۹۳۱ء میں کہا تھا - اس قصیدے کی خصوصیت یہ ہے کہ یہ بیک وقت تین زبانوں سندھی فارسی اور اردو کے سولہ اشعار پر مشتمل ہے - زبان و بیان اور فصاحت و بلاغت سے ظاہر ہوتا ہے کہ خلیفہ صاحب قصیدہ کے فن میں ملکہ رکھتے تھے -

خلیفہ صاحب بنیادی طور پر صوفی آدمی تھے - ان کا فطری رجحان تصوف کی طرف تھا - ذکر اللہ اور مدح رسول ان کی زندگی کا نصب العین تھا - ان کے افکار کا دائرہ ضیائے نعت سے چمک دمک رہا ہے - اس نعت میں ان کا خاص رنگ نمایاں ہے -

نعت

احمد عرب عزیز اللہ ، وارث ویر ولی اللہ ، لا الہ الا اللہ
اول نور نبی اللہ ، حضرت میر حبیب اللہ ، لا الہ الا اللہ
سرور و سید صفی اللہ ، کامل قرب کلیم اللہ ، لا الہ الا اللہ
رحمت رب رسول اللہ ، اعلیٰ اتم امین اللہ ، لا الہ الا اللہ
احسن نکوش عظیم اللہ ، نائب نور نبی اللہ ، لا الہ الا اللہ
الف صلوٰۃ سلام اللہ ، طعنہ غلام اللہ ، لا الہ الا اللہ

---

(۱) یہ مکمل قصیدہ مہران سوانح نمبر (ص ۵۱۹ ، ۵۲۰) میں شائع ہوچکا ہے -

عبدالله جان شاہ آغا سرہندی نقشبندی ۔

۱۳۹۲ھ -- ۱۳۰۵
۱۹۷۳ء -- ۱۸۸۵

اصل نام عبداللہ جان ، عرفیت شاہ آغا ، سجادہ نشین درگاہ مجددیہ ٹنڈو سائیں داد ۔ حضرت حاجی خواجہ عبدالرحمٰن قندھاری (۱) سرہندی کے پوتے اور حافظ خواجہ محمد حسن (۲) جان مجددی فاروقی کے بڑے صاحبزادے تھے ۔ عبداللہ جان نے اپنے آبا و اجداد کی طرح علم و ادب تصوف و معرفت میں اعلیٰ مقام حاصل کیا ۔

عبداللہ جان عرف شاہ آغا ۸ جمادی الاول ۱۳۰۵ھ (۱۸۸۵ء) کو قریۂ ٹکھڑ میں پیدا ہوئے ۔ انکے والد کے ایک مرید حضرت سیف الدین کشمیری نے تقریب ولادت کے موقعے پر ایک طویل قصیدہ کہا جسکے ایک مصرعہ کے اس ٹکڑے سے

نجم برج فضل و کمال (۳)
۱۳۰۵ھ

مادۂ تاریخ نکالا ہے ۔

عبداللہ جان کی تعلیم و تربیت علمی و دینی ماحول میں ان کے جد امجد خواجہ عبدالرحمٰن قندھاری اور والد ماجد حافظ خواجہ محمد حسن جان سرہندی کی خاص نگرانی میں ہوئی ۔ عبداللہ جان مونس المخلص کے باب چہارم میں اپنی خودنوشت سوانح عمری میں ایک جگہ (ص ۲۳۷) لکھتے ہیں

"در ابتدا تعلیم و تربیت من توجہ خاص فرمودند ۔ تعلیم قرآن شریف و درسیات فارسی اکثر خود مرا سبق میدادند ۔ الا چند روزی قرآن شریف پیش حافظ اسمعیل نقرچ و چند سبق فارسی نزد مرحوم شیخ نور محمد ٹکھڑائی خواندہ ام ۔ یک بار سبق زدن حضرت ایشان مرا یاد است کتاب بوستان در مجد نزد حضرت ایشان میخواندم ۔ سبق پختہ نکردہ بودم و خواندہ نمی توانستم پس یک کلاہ افغانی کہ بوسر من بود گرفتہ بر سرمن زدند ۔ دیگر بار نماز مغرب ناخواندہ با اطفال بازی میکردم حضرت ایشان از مسجد بر آمدہ مرا با اطفال بازی کنان دیدند پس از دست گرفتہ دوسہ سیلی بوسر وردی من زدند" ۔

(مونس المخلصین ، ص ۲۳۷) ۔

ان کے والد دستعلقین خوشخط کی مشق تختی پر بڑی توجہ سے کراتے تھے ۔ "عطائی نامہ" بترتیب حروف تہجی کی تمام منظومات کو شرح و تفصیل سے پڑھایا ۔ دس سال کی عمر مین فارسی کی ابتدائی تعلیم سے فارغ ہوئے تو عربی تعلیم کا آغاز ہوا ۔ اسی زمانے مین ان کے والد حج بیت اللہ کی غرض سے روانہ ہونے سے پہلے اپنے ایک مرید حضرت حاجی عبدالقیوم بختیارؒ کو عربی کا اتالیق مقرر کیا ۔ قرآن مجید کے علاوہ مشکواۃ شریف اور بخاری شریف بھی اپنے والد سے سبقاً سبقاً پڑھا ۔ علوم ظاہری و علوم باطنی کی تکمیل اپنے والد محترم کے سایۂ عاطفت و صحبت مین کی ۔ عبداللہ جان نے اپنے والد کے علاوہ سندھی ، عربی ، فارسی اور اردو کی اعلٰی تعلیم سندھ کے ممتاز علمائے دین اور اساتذۂ کرام سے بھی حاصل کی جن مین الحاج الحافظ مولوی لعل محمد متعلوی مٹیاروی ، مخدوم حاجی حسن اللہ پاٹائی اور مولوی خیر محمد مگسی وغیرہ کے نام ناقابل فراموش ہین (۴) ۔

عبداللہ جان ۸۸ سال کی عمر مین ۱۳۹۳ ھ (۱۹۷۳ء) کو فوت ہوئے (۵) ۔
ان کا مزار مقدس ان کے آبائی قبرستان "مقبرہ شریف" مین (جو ٹھٹھڑ اور کنھر کے درمیان واقع ہے) ان کی عظمت رفتہ کی نشاندھی کرتا ہے ۔

طب کا پیشہ اختیار نہین کیا لیکن حکمت و طب سے خاص شغف رکھتے تھے ۔ خدمت خلق کے پیش نظر بلامعاوضہ علاج کرتے تھے ۔ طب پر ان کی ایک کتاب بھی موجود ہے ۔ خواجہ عبداللہ جان معروف بہ شاہ آغا مجددی نقشبندی فاروقی سرھندی کی مادری زبان پشتو تھی ۔ سندھی بولتے تھے اردو سے محبت کرتے تھے ۔ اپنے حلقۂ تلامذہ ، مریدین و معتقدین کو اردو کی ترویج و اشاعت اور اردو مین تصنیف و تالیف کی تاکید کرتے تھے ۔ اردو مین گاھے گاھے شعر بھی کہتے تھے ۔ ان کے اشعار محفوظ نہین رھے ۔ اردو کے اساتذۂ متقدمین و متوسطین کے دواوین ان کے زیر مطالعہ رہتے تھے ۔ شعری ذوق بہت پاکیزہ اور بلند تھا ۔ انتخاب شعر کا بیحد شوق تھا ۔ ان کی بیاض ان کے شعری شعور اور ذوق آگہی کی آئینہ دار ہے ۔

شاہ آغا نے عربی ، فارسی ، پشتو اور اردو کے منتخب اشعار مرتب کرکے "گلدستۂ ابیات" (حصہ اول) کے نام سے شائع کرایا تھا ۔ اس کا ایک نسخہ راقم کے پاس موجود ہے ۔ یہ گلدستہ $\frac{18 \times 22}{8}$ سائز کے ۳۲ صفحات پر محیط ہے ۔ اردو کے مستند شعرائے کرام کے چیدہ چیدہ شعروں کا انتخاب حسب ذیل عنوان کے تحت پیش کیا گیا ہے جسکے مطالعہ سے آغا صاحب کے حسن ذوق ، حسن نظر ، حسن انتخاب اور کیفیت دل کا اندازہ کیا جاسکتا ہے ۔

"کاپی لکھنے کے بعد یہ چند ابیات متفرقہ اور بھی اس گلدستہ مین شامل کئے جاتے ہین"

یہ چند اشعار بطور نمونہ نقل کئے جاتے ہیں :

آتا ہے داغ حسرت دل کا شمار یاد — مجھ سے مرے گنہ کا حساب اے خدا نہ لے
جفا جو عشق میں ہوتی ہے وہ جفا ہی نہیں — ستم نہ ہو تو محبت میں کچھ مزا ہی نہیں
گزری سیاہ کاری میں یا رب تمام عمر — آدھی شباب میں کٹی آدھی خضاب میں
ظاہر میں مرے اصول کو سرسبز نہ دیکھو — باطن میں جگر خون ہے مانند حنا کے

کھلا ہے باب اجابت بڑھی ہے موج کرم
روا ہے ایسے میں دست دعا اٹھا دینا

(گلدستہ ابیات ، ص ۲۹، ۳۰ ، ۳۱)

شاہ آغا سرہندی نے سندھی ، عربی ، فارسی اور اردو میں متعدد کتابیں (۲) لکھیں ۔ فارسی اور اردو میں بے شمار مضامین لکھے ان کی تحریر و تقریر کا بنیادی مقصد اسلام کی خدمت ، اللہ اور رسول کے پیغامات کی اشاعت اور علم و دین کی تبلیغ تھی ۔ ان کی چند مطبوعہ کتابوں کے نام یہ ہیں :

<u>عربی</u> ۔ اہتمام حزب البحر — سائز $\frac{18 \times 23}{8}$
زیر اہتمام اقبال محمد خان ، بمبئی جوب پریس دہلی ۔

<u>فارسی</u> ۔

(۱) مونس المخلصین ملقب آسوۂ حسنہ
مطبوعہ لیتھو آرٹ پریس کراچی ۔ ۱۳۶۶ ھ ۔ بانگ درا سائز ۔ صفحات ۲۶۰
اس کتاب میں مصنف نے اپنے آبا و اجداد کا شجرہ ، دادا خواجہ عبدالرحمن سرہندی کی سوانح عمری ، والد خواجہ محمد حسن کے سوانح زندگی ، ان کی اولاد اور دیگر حالات کے علاوہ ان کی کرامات ، علمی و ادبی خدمات کا تفصیلی جائزہ پیش کیا ہے ۔ ان بزرگوں کے مریدین و معاصرین کے تذکرے بھی ہیں ۔

(۲) انتخاب مکتوبات امام ربانی

(۳) برگ سبز معروف بفوائد درخت نیم (طبی) $\frac{18 \times 23}{8}$ ۔ صفحات ۸۲
مطبوعہ الیکٹرک لیتھو پرنٹنگ پریس کراچی ، ۱۳۵۰ ھ (۱۹۳۲ء)

سندھی - رسالہ مساوات اسلامی - $\frac{20 \times 30}{16}$ صفحات ۲۲ -
مقام اشاعت ٹنڈو سائیں داد ، ۱۳۸۹ ھجری

عربی اردو - اربعین مجاھدین چہل حدیث - تقطیع $\frac{18 \times 23}{8}$
صفحات ۲۲ - مطبوعہ باھتمام مولوی صاحبداد سلطان کوشی معلم الفقہ سندھ
مدرسۃ الاسلام کراچی ، مطبع عباسی کراچی- ۱۳۲۶ ھ (۱۹۲۷ء)

چہل حدیث شاہ آغا مجددی کی ایمان افروز اور بصیرت آفرین کتاب ھے - اس اھم کتاب کی افادیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ھے کہ اس میں پہلے قرآن حکیم کی چار آیتیں ھیں اس کے بعد چالیس حدیثوں کے عربی عبارتوں کے بالمقابل ان کے اردو ترجمے ھیں - یہ تراجم صاف سلیس اور دلکش اردو میں ھیں - کتاب کی ابتدا اس تمہید سے ھوتی ھے جس سے مولف و مترجم کا نکتہ نظر واضح ھوتا ھے :

" بعد از حمد و ثنا و درود مصطفے صلی اللہ تعالی علیہ و آلہ وسلم ، فقیر عبداللہ عرض گزار ھے کہ یہ چالیس حدیثیں ھیں - دربارہ فضیلت و اھمیت جہاد اور ھروقت اس کے واسطے تہیہ کرنے اور طیار رھنے کی تاکید میں جو موجب اقتضائے وقت و حال میں نے مشکوٰۃ المصابیح اور کتاب ترغیب و ترھیب امام منذری سے جمع کی ھیں اور پہلے چار آیتیں قرآن شریف سے باترجمہ ذکر کرتا ھوں برائے یاد دھانی خواھشمندوں کے اور جو کوئی کان لگا کر دل و جان سے سنے " -

اب اربعین مجاھدین چہل حدیث کے آخری دو صفحات ۲۹ ، ۳۰ کا عکس شامل کیا جاتا ھے - ان صفحات میں آپ الحدیث الاربعون یعنی چالیسویں حدیث کا اصل عربی متن اور اس کا اردو ترجمہ ملاحظہ فرمائیں گے - اختتام کتاب پر اس کی تاریخ تکمیل ، تحریر اور ترجم و مولف کا خود نوشت نام بھی ھے -

سَأَلَ الشَّهَادَةَ بِصِدْقٍ بَلَّغَهُ اللّٰهُ مَنَازِلَ الشُّهَدَاءِ وَإِنْ مَاتَ عَلٰى فِرَاشِهِ رَوَاهُ مُسْلِمٌ وَابُودَاوُد وَالتِّرْمِذِی وَالنَّسَائِی وَابْنُ مَاجَه

تعالیٰ سے سچے دل سے شہادت فی سبیل اللہ مانگیگا تو اللہ تعالیٰ اس کو شہادت کا ثواب و درجہ عطا فرمائے گا۔ اگرچہ وہ اپنے بستر پر مرے گا۔
روایت کیا اسکو مسلم و ابو داؤد و ترمذی و نسائی و ابن ماجہ نے

اَلْحَدِیث اَلْاَرْبَعُوْن

چالیسویں حدیث

وَعَنْ اَبِیْ مُوْسٰی قَالَ جَاءَ رَجُلٌ اِلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اَلرَّجُلُ یُقَاتِلُ لِلْمَغْنَمِ وَالرَّجُلُ یُقَاتِلُ لِلذِّکْرِ وَالرَّجُلُ یُقَاتِلُ لِیُرٰی مَکَانُهٗ فَمَنْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ قَالَ مَنْ قَاتَلَ لِتَکُوْنَ کَلِمَةُ اللّٰهِ هِیَ الْعُلْیَا فَهُوَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ متفق علیه

حضرت ابو موسیٰ سے روایت ہے کہ ایک شخص حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی دربار میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ یا حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کوئی آدمی اس لئے لڑتا ہے کہ میں مال غنیمت حاصل کروں کوئی اس لئے لڑتا ہے کہ میری شہوری ہو جائے۔ کوئی اس لئے کہ میری بہادری معلوم ہو جائے تو مجاہد فی سبیل اللہ کون ہے آپ نے فرمایا کہ جو شخص اسلئے لڑے کہ خدا تعالیٰ کا دین سربلند ہو جائے فی الحقیقۃ مجاہد فی سبیل اللہ وہی ہے
روایت کیا اس کو بخاری و مسلم نے

عکس : اربعین مجاہدین و چہل حدیث
مولف و مترجم : عبداللہ جان شاہ آغا سرہندی
(تذکرہ شاہ آغا ، پانچواں دور ، عہد پاکستان)

وَاعْلَمْ
اَنَّ الْجِهَادَ لِاِعْلَاءِ
كَلِمَةِ اللّٰهِ تَعَالٰى
وَقَهْرِ اَعْدَائِهٖ
لَا لِقَتْلِ النُّفُوْسِ
وَاِرْهَاقِ الدِّمَاءِ
وَاِلَّا فَلَا تُلْقُوْا
بِاَيْدِيْكُمْ اِلَى
التَّهْلُكَةِ
وَالْمَدَارُ عَلَى الْاِخْلَاصِ
وَالنِّيَّةِ فَاِنَّمَا
الْاَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ
وَلِكُلِّ امْرِئٍ
مَا نَوٰى
وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى
عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ
وَّاٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ
وَسَلَّمَ تَسْلِيْمًا كَثِيْرًا
كَثِيْرًا

اور جاننا چاہیے کہ جہاد سے غرض
خدا تعالے کے دین کی سربلندی اور اعدار
دین کی پائمالی ہے۔ یہ مقصود نہیں کہ بغیر
اجازت شرعی دنیاوی غرض کے لئے تم تلوار
لیکر بے فائدہ خود کو یا کسی اور کو قتل کرو
یا خواہ مخواہ دنگا فساد کرکے اپنے کو
مصیبت میں ڈالو۔ اور سب کاموں کا
دارومدار نیت صالح اور اخلاص عمل پر
ہے۔ کیونکہ سب اعمال کا دارومدار نیت
پر ہے اور ہر ایک شخص کو وہی معاوضہ
ملے گا۔ جو اس نے نیت رکھی ہوگی۔
وصلے اللہ تعالے علے سیدنا محمد وآلہ وصحبہ
وسلم

تاریخ ۲۳ ربیع الاول ۱۳۹۷ھ / ۱۹۷۷ء

فقیر عبد اللہ از تحریر آں فراغت
یافت

پرنٹر آدم علی غلام حسین۔ عباسی لیتھو آرٹ پریس نزد برنس روڈ کراچی میں چھپی

عبدالمجید خان سرہندی

۱۷۱/۳

حاشیے

(۱) خواجہ عبدالرحمٰن بن خواجہ شاہ عبدالقیوم کا خاندان چار پشتوں سے قندھار میں آباد تھا ۔ (تذکرہ اولیاء ۔ انیس المریدین) ، خواجہ عبدالرحمن المعروف بہ " قندھاری صاحب " ۱۲۲۲ ھ میں قندھار (افغانستان) میں پیدا ہوئے ۔ ۱۲۹۷ ھ کو مع اہل و عیال افغانستان سے ہجرت کی ۔ قلات ، بھاگنا ڈھی ، گڑھی یاسین اور مٹیاری میں قیام فرمانے کے بعد جنوبی سندھ کے قریہ لکھڑ میں سکونت اختیار کی ۔ (مونس المخلصین ، ص ۲۰) ۔ یہ وہ پر آشوب زمانہ تھا جب امیر کابل اور سرداران محمد زئی کی خانہ جنگی کے سبب امیر عبدالرحمن نے امیر ایوب خان کو شکست دیکر خراسان پر اپنا تسلط جمالیا تھا ۔ (مونس المخلصین ، ص ۹-۱۰) ۔ ۱۲۹۵ ھ میں افغانستان میں انقلاب آیا ۔ غیور افغان نے اسلام کا علم بلند رکھنے کی خاطر انگریزوں کے خلاف جہاد کیا جس میں خواجہ صاحب خود بھی شریک تھے ۔ ہجرت کے وقت ان کے مریدین اور اہل و عیال شامل تھے ۔ قلات وغیرہ کے قیام کے بعد لکھڑ تشریف لائے جہاں سید میران محمد شاہ اول (۱۲۲۵ - ۱۳۰۹ ھ) نے ان کا استقبال کیا ۔ (فاتح فردوسی ص ۷ - ۸) ۔

بقول مولانا غلام مصطفے قاسمی -- " خواجہ عبدالرحمٰن یہاں کے فیض باطنی کے پیاسوں کو سیراب فرماتے تھے ۔ بیسوں خلفاء آپ کی تربیت سے پیدا ہوئے ۔ شمالی ہند میں مولانا عبدالرحمٰن سکھر والے آپ کے خاص خلفاء میں سے تھے ۔ خواجہ عبدالرحمن کے جنوبی سندھ میں لکھڑ کے سادات خاص طور پر معتقد تھے جن کے اصرار پر خواجہ صاحب نے ترک وطن کرکے لکھڑ میں سکونت اختیار کی " ۔ (شذرات ماہنامہ الولی حیدرآباد ، اگست ۱۹۷۵ء)

۱۳۱۲ ھ میں لکھڑ میں زبردست سیلاب آیا ۔ میر غلام علی خان تالپور رئیس شہر ٹنڈو غلام علی جو حضرت خواجہ عبدالرحمن کے صادق العقیدہ مرید تھے آپ کو اپنے ہمراہ ٹنڈو سائیں داد لے آئے ۔ آپ کے لئے وہاں مکان تعمیر کرایا ۔ آپ نے ۱۳۱۵ ھ میں ٹنڈو سائیں داد میں وصال فرمایا ۔

جسد اطہر کو لکھڑ لایا گیا جسے ہزاروں اشکبار مریدوں اور عقیدتمندوں نے وادی کوہ گنجہ (لکھڑ) میں سپرد لحد کیا (مونس المخلصین ، ص ۵ ، ۷ ، ۱۵)

علامہ سید اسداللہ شاہ فدا نے تاریخ وفات کہی

آہ بے سرما عداز ترحیل ان قیوم دین

ملک و دین علم وعمل جود وکرم فیض و ہدیٰ

۱۳۱۵ ھ

مولانا محمد ہاشم گڑھی یاسینی نے یہ قطعہ تاریخ کہا

شد فلک زاسدوہ در خون شفق	شد ملک ز افسوس بجہان در شفق
بود خاص فطرت رب الفلک	فرلـہ تاریخ اوگشـتـہ ملک

۱۳۱۵ ھ

(کلیات امین ، ص ۲۸۲)

خواجہ عبدالرحمٰن کے پیر بزرگوار حاجی خواجہ شاہ عبدالقیوم مجددی فاروقی (۱۲۲۰ - ۱۲۷۱ ھ) ابن ولی کامل حضرت حاجی خواجہ فضل اللہ قدس سرہ بڑے پائے کے عالم و درویش تھے ۔ آپ کا مولد مسکن مدفن قندھار تھا ۔ آپ کا سلسلہ نسب حضرت مجدد کے واسطے سے حضرت ابوبکر صدیق رض سے جا ملتا ہے ۔

آخوند امیر علی سندھی ھالائی نے حضرت شاہ عبدالقیوم کی سوانح عمری ، ملفوظات اور کرامات سے متعلق ایک کتاب لکھی تھی ۔ آخوند امید علی ولد حاجی عبداللہ ولد حافظ نور محمد قریشی عقیلی قریہ ھالہ کندی ضلع حیدرآباد کے رہنے والے تھے ۔ سندھ کے ایک قبیلہ ساہولی سے تعلق رکھتے تھے ۔ نہایت خوشخط ، شاعر خوش خیال و شیریں مقال بزرگ تھے ۔ خواجہ عبدالرحمٰن کے مرید خاص ان کے کتب خانے میں آخوند امید علی کی کتابوں کے نسخے ، مکتوبات ، مجددین مکتوبات معصمی ، عمدۃ المقامات اور دیگر مخطوطات موجود تھے ۔ آخوند نے شیخ سعدی کے اس مشہور مصرعہ سے شاہ عبدالقیم کی تاریخ وصال نکالی

بلغ العلیٰ بکمالہ

۱۲۷۱ ھ

" عمدۃ المقامات " میں پہلی بار خانوادہ حضرات مجددی کے حالات و واقعات قلمبند ہوئے ہیں ۔ خواجہ محمد حسن سرہندی نے اسے ۱۳۵۵ ھ میں اپنے خرچ سے لاہور سے طبع کراکر شائع کیا ۔

(مونس المخلصین ، ص ۲۳ ، ۲۵ ، ۱۱۰)

(۲) <u>خواجہ محمد حسن جان سرہندی مجددی فاروقی</u> (۱۲۷۸ - ۱۳۶۵ ھ) خواجہ عبدالرحمٰن قندھاری کے سب سے بڑے فرزند تھے ۔ ان کا سلسلہ نسب حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی کے واسطے سے سیدنا حضرت عمر فاروق سے جا ملتا ہے ۔ والد کی وفات کے بعد درگاہ مجددیہ سائیں داد کی مسند پر فائز ہوئے اور علم و عرفان ، رشد و ھدایت سے ہزاروں دلوں کو منور کیا ۔ کتنے ہی غیر مسلم بھی ان کے ہاتھ پر مشرف بہ اسلام ہوئے ۔

حاجی حافظ خواجہ محمد حسن جان سرہندی نے پانچ مرتبہ حج بیت اللہ کا شرف حاصل کیا ۔ سندھ سے عرب تک کی سیر و سیاحت کی ۔ انھوں نے فارسی میں دو سفر نامے موسوم بہ " پنج گنج " اور " سفر نامہ مشرق اوسطیٰ " تحریر فرمائے جن میں ذاتی مشاہدات ، تاثرات و تجربات قلمبند کئے ہیں ۔ سندھ کے مختلف علاقوں میں اپنی نگرانی میں سات مسجدیں تعمیر کرائیں " مدرسۂ مجددیہ " کے نام سے ٹنڈو سائیں داد ، لاڑکانہ ، میہڑ ، گوٹھ عمر ضلع حیدرآباد تھرپارکر میں چار مدرسے قائم کئے ان مدرسوں کے اکثر طلباء نے علم و فضل میں ناموری حاصل کی جن میں محمد حسن کے چار فرزند عبداللہ جان شاہ آغا ، حاجی عبدالستار ، حافظ ہاشم جان اور محمد حنیف جان کی علمی و ادبی خدمات فراموش نہیں کی جاسکتیں ۔

خواجہ محمد حسن جان نے اپنے کتب خانے میں عربی فارسی اردو کی قدیم و جدید کتابوں کا بہت قیمتی ذخیرہ چھوڑا ۔ مختلف علوم و فنون کے ان ذخائر میں نادر و نایاب کتب اور مخطوطات شامل ہیں ۔

خواجہ حسن فارسی کے باکمال شاعر تھے ۔ انکی عربی و فارسی تصانیف و تالیفات کی تعداد پچیس ہے ۔ جن میں عربی میں طریق النجات مع اردو ترجمہ ، العقائد الحجۃ مع اردو ترجمہ ، الاصول الاربعۃ فی تردید الوہابیہ ، شفاء الامراض ، لغات القرآن ، رسالہ در قواعد تجوید ، رسالہ عالم برزخ ، سرور المحزون اور فارسی میں انیس المریدین ، انساب الانجاب ، رسالہ تہلیلیہ ، تذکرۃ العلماء ، رسالہ در علم قرات ، شرح حکم ، عجائب المقدورات ، بیان اوقات ، انتخاب رباعیات عمر خیام اور انتخاب دیوان مرزا صائب اصفہانی وغیرہ قابل ذکر ہیں ۔

(تلخیص مقالہ " خواجہ محمد حسن جان سرہندی ، از وفا راشدی ، مطبوعہ ماہنامہ المعارف لاہور جنوری ، ۱۹۷۹ء)

(۳) خود نوشت سوانح عمری مونس المخلصین ، ص ۲۳۶

(۴) حاجی حافظ مولوی لعل محمد متعلوی (ولادت ۲۹ شوال ۱۲۷۳ ھ بمقام مٹیاری ضلع حیدرآباد) اپنی قاضی رحمت اللہ کی تمام عمر درس و تدریس ، مسائل فقہیہ اور شرعی فیصلوں میں گزری ۔ انھیں فارسی کے شعرائے کرام کے بیشمار اشعار ازبر تھے ۔ کلام جامی و حافظ کی شرح و تفسیر فصاحت و بلاغت کے ساتھ فرماتے تھے ۔ ان کے شاگردوں میں کئی نامور اصحاب علم و فقہ گزرے ہیں ۔ علمائے کرام دور دور سے الفاظ و عبارات دینی کی تصدیق و تحقیق کے لئے ان کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے ۔ تیس سال شہر ٹنڈو غلام علی کے مدرسۂ میر صاحبان میں باکمال عزت و ناداری

درس و تدریس کے فرائض انجام دیئے ۔ ۱۳۰۰ ھ میں زیارت حرمین شریفین سے مشرف ہوئے ۔
(تذکرہ علمائے حال مولفہ مولوی محمد ادریس لکھنؤئی قلمی نسخہ مملوکہ
پروفیسر محمد ایوب قادری ، حاشیہ مونس المخلصین ، ص ۲۰ – ۲۱)

(۵) راقم نے یہ سن وفات شاہ آغا کے بھانجے حکیم پیر غلام محی الدین سرہندی کی ذاتی ڈائری سے نوٹ کیا ہے ۔

(۲) پیر غلام محی الدین سرہندی (فاضل طب و جراحت دہلی) سرہندی کلینک ٹنڈو محمد خان کی خصوصی توجہ سے اور مولوی اللہ بچائیو پیش امام و خطیب درگاہ مجددیہ و مہتمم کتب خانہ شاہ آغا سرہندی کی رہنمائی میں راقم کو شاہ آغا کے کتب خانے سے استفادے کا شرف حاصل ہوا ۔ ان حضرات نے شاہ آغا کی بعض تصانیف کے نسخے بھی عنایت فرمائے راقم ان دونوں محترم حضرات کی نوازشات کے لئے سراپا سپاس ہے ۔

شاہ غلام رسول قادری

۱۳۰۶ -- ۱۳۹۱ ھ
۱۸۸۶ -- ۱۹۷۱ ء

شاہ محمد غلام رسول قادری سندھ کے سب سے بڑے شہر کراچی کے ان ممتاز علمائے دین اور صوفیائے کرام میں سے تھے جن کے دم سے نہ صرف کراچی بلکہ بیرون کراچی میں علم و فضل ، رشد و ہدایت اور وحدت و اخوت کی شمعیں روشن ہوئیں ۔ ان کے والد ماجد حافظ قاری حضرت شاہ علم الدین قادری (المتوفی ۱۳۲۵ ھ) بھی اپنے وقت کے بلند پایہ عالم ، قاری اور صوفی تھے ۔ وہ مسجد قصابان صدر کراچی کے مشہور امام اور خطیب تھے ۔ اس مسجد سے متصل مدرسۃ العلمیہ قادریہ کے بانی تھے جہاں سے ہزاروں طلباء علوم عربیہ اور فنون فقہ و تجوید سے آراستہ ہوکر اللہ اور رسول کی تعلیمات کا چراغ روشن کرتے رہے ہیں ۔

شاہ محمد غلام رسول قادری کا لقب " شمس الفقراء " اور عرفیت حاجی غلام رسول تھی ۔ وہ حافظ بھی تھے ، قاری بھی اور خطیب بھی ۔ حفظ وقرات کے فن میں یکتا تھے ۔ ایک شعلہ بیان خطیب و مقرر کی حیثیت سے خاص شہرت کے مالک تھے ۔ حج بیت اللہ کی سعادت بھی حاصل کی ۔

حاجی غلام رسول ۱۳۰۶ ھ (۱۸۸۶ ء) میں اپنے والد کے رحمت کدہ واقع کراچی میں تولد ہوئے ۔ اپنے والد کے مدرسۃ العلمیہ قادریہ سے فارغ التحصیل ہوئے ۔ عالم و خدا پرست باپ کی خاص نگرانی اور خصوصی تربیت نے ان کے دل و ذہن کو انوار علم و معرفت سے روشن کیا ۔ سائیں عبدالغنی قدس اللہ سرہ ایک روشن ضمیر ولی اللہ تھے ۔ شاہ غلام رسول سائیں غنی کے بھانجے اور داماد ہوتے تھے ۔ سائیں غنی کی خانقاہ میں طالبان حق کا جو اجتماع ہوتا اس اجتماع میں سائیں غنی کی رشد و ہدایات کی جو شمعیں روشن ہوتیں ان کا غلام رسول کے دل پر گہرا اثر ہوتا ۔ اپنے ماموں سائیں غنی کے ہاتھوں بیعت ہوئے ۔ اسلام کی خدمت کے لئے خود کو وقف کردیا ۔ خانقاہ سائیں غنی کی سجادہ نشینی کے فرائض بھی انجام دیئے ۔

شاہ غلام رسول کا قائم کردہ مدرسہ علمیہ قادریہ متصل قادری مسجد سولجر بازار کراچی ان کی قومی و ملی خدمت کی ایک زندہ جاوید یادگار ہے ۔ تادم حیات اس مدرسے میں درس و تدریس کی لو سے جہل و گمراہی کی تاریکی دور کرتے رہے ۔

غلام رسول کو شریعت و طریقت اور فقر و درویش سے بچپن سے دلی لگاو تھا ۔ انھوں نے اپنے علم اور فقر کو وسیع تر کرنے کی غرض سے مختلف ممالک کا سفر کیا ۔ جہاں کہیں گئے اکابر اسلام کے مزارات کی زیارتیں کیں ۔ ہر مقام پر نہ صرف کتب اسلامیہ کا مطالعہ کیا اور علمی و دینی اداروں کا معائنہ کیا بلکہ وہاں کے ممتاز علمائے کرام اور اولیائے عظام سے ملاقاتیں بھی کیں ۔ ان کے خیالات اور صحبتوں سے فیضیاب ہوئے جن میں مولانا شاہ عبداللطیف قادری مدنی (مدینہ) شاہ عبدالحق الہ آبادی مہاجر مکی (مکہ شریف) اور فاضل بریلوی (بھارت) قابل ذکر ہیں ۔ مکہ معظمہ ، مدینہ منورہ بغداد شریف اور بلاد اسلامیہ کے دیگر مقامات پر تھوڑے تھوڑے عرصے قیام بھی کیا ۔ ہر جگہ اپنی موثر و شعلہ انگیز خطبات و تقاریر سے مقبولیت حاصل کی ۔ بغداد میں حضرت سید شرف الدین احمد کلید بردار آستانہ حضرت غوث الاعظم سے دوستانہ تعلقات رہے ۔

غلام رسول نے ۱۹ جمادی الاول ۱۳۹۱ ھ (۱۳ جولائی ۱۹۷۱ء) کو وفات پائی ۔ ان کے صاحبزادے محمد علم الدین علمی قادری ان کے جانشین مقرر ہوئے ۔

شاہ غلام رسول نے سلسلہ قادریہ کی تعلیمات کو عام کرنے کی غرض سے بڑی لگن سے کام کیا ۔ خصوصاً سلسلہ غنیہ قادریہ کرپہ پانچ رہنما اصول جنھیں حضرت سائیں غنی نے متعارف کرائے تھے شاہ غلام رسول نے نہ صرف خود پابندی سے ان اصولوں پر عمل کیا بلکہ اپنے شاگردوں اور مریدوں کو ان پر عمل کرنے اور بطور نصاب ان کو جاری رکھنے کی تلقین کی ۔ وہ پانچ اصول یہ ہیں :

(۱) ذکر وجود (۲) ذوق سجود (۳) شوق درود (۴) آئین وجود
(۵) نور شہود ۔

طریقہ غنیہ قادریہ کے مسلک میں " آئین وجود " کی رو سے جود و سخاوت ، خیرات و زکواۃ و صدقات ایک بڑی عبادت ہے ۔ غلام قادری نے ایک شعر میں یہ پیغام اس انداز میں دیا ہے

خیر اور خیرات کو ہرگز نہ چھوڑ
خیر ہے ساری عبادت کا نچوڑ

شاہ غلام رسول قادری عربی ، فارسی اور اردو پر عبور رکھتے تھے ۔ ہر زبان میں جس روانی کے ساتھ لکھتے تھے اسی روانی کے ساتھ بولتے بھی تھے ۔ فارسی اور اردو میں شعر کہتے تھے ۔ تخلص غلام تھا ۔ اکثر نظم و نثر کی تحریروں میں غلام قادری رقم فرماتے تھے ۔

غلام قادری کا ورد جان ہے
رسول اللہ کے جادی کے صدقے
اس غلام قادری کو بخش دو
نعمت عرفان سنگھو پیر شاہ

نظم و نثر میں غلام قادری کی تصنیفات و تالیفات کی تعداد تقریباً تیس ۳۰ ہے ۔ ان میں بعض مطبوعہ ہیں اور بعض غیر مطبوعہ ۔ چند کے نام یہ ہیں :

(۱) حقیقت صراط مستقیم (۲) اجلال محمدی (۳) مجموعہ فسادہ قسوم
(۴) تحفہ رجبی شریف (۵) چمنستان حسینی (۶) شذر حسینی
(۷) تحفہ عید الضحی (۸) تحفہ زیارت و ہدیہ ملاقات
(۹) بہار بے خزاں (۱۰) افضال سرمدی (۱۱) گل بازدہ صد برگ

غلام قادری کے ملفوظات کا ایک مجموعہ " ارشادات غلام رسول قادری " مرتبہ سید عبدالرسول باب الاسلام پریس کراچی سے شائع ہوچکا ہے ۔ ذیل کی سطر میں بطور نمونہ نثر اسی کتاب سے نقل کی جاتی ہیں :

" علم شریعت ظاہری علم ہے جسکی پابندی کیلئے ہر ابن آدم مکلف ہے ۔ اس لئے وہ سب پر اللہ حجت ہے ۔ مگر علم طریقت جو عمل سے تعلق رکھتا ہے حصول پر مکلف نہیں مگر بڑا فائدہ اور اعلیٰ نفع اسی سے حاصل ہوتا ہے ہمارے ملک میں علم باطن یا علم سلوک و طریقت سے منکر زیادہ تر وہی ہیں جو ترک تقلید کی بلا میں جس قدر برے نتائج ہیں ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ فیوض باطنیہ کا اسکے ساتھ اجتماع نہیں ہوسکتا یعنی عبادات و مجاہدات سے جو روحانی لطائف پیدا ہوسکتے ہیں تارک تقلید ہرگز ان سے بہرہ ورنہیں ہوسکتا یا یوں کہو کوئی غیر مقلد صوفی نہیں ہوسکتا ۔ وجہ یہ ہے کہ اول تو یہ لوگ عموماً سیر و سلوک کے قائل ہی نہیں اور جب اسکے قائل نہ ہوں تو اس سے مستفیض کیونکر ہوسکتے ہیں " ۔

غلام قادری نے محض تسکین ذوق کی خاطر شاعری نہیں کی بلکہ اس علم کو تبلیغ دین کا ذریعہ بنایا انہوں نے نہایت قادرالکلامی سے انسانی زندگی کی اہمیت ، اس کے مقاصد ، حقائق و معارف کے اسرار و رموز کو شعری پیکر میں ڈھال دیا ۔ انہوں نے مختلف اصناف سخن پر طبع آزمائی کی ۔ صنف مثنوی میں ید طولیٰ رکھتے تھے ۔ فارسی میں ان کی دو مثنویاں :

(۱) مثنوی قادری
(۲) فانوس عشق

ایک طرف ان کی فارسی شعر گوئی میں کمال کی شاہد ہیں تو دوسری جانب مثنوی جیسی صبر آزما اور کٹھن صنف میں کامل دستگاہ کی مظہر ہیں ۔ غلام قادری صاحب دیوان شاعر ہیں ۔ گرچہ ان کا " کلیات قادری المعروف بہ چمنستان قادری " اب تک منتظر اشاعت ہے ۔ " ارمغان قادری " بھی ان کی نگارشات لطیف کا نظر افروز مرقع ہے ۔ ان کے کلام کا بیشتر حصہ حمد ، نعت اور منقبت پر پھیلا ہوا ہے ۔ ان کے کلام کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ قرآنی الفاظ ، قرآنی آیات اور عربی تراکیب و محاورات کو شعر میں بڑی خوش اسلوبی سے استعمال کرتے ہیں ۔ ساتھ ہی معانی و مطالب بھی ۔ مثلاً ایک حمد میں کچھ ایسے اشعار موجود ہیں :

اے خدا آپ رب البریات ہیں
آپ کے لطف بے حد و غایات ہیں

آپ ہیں وحدہٗ لا شریک لہٗ
اے خدا آپ وحدانی الذات ہیں

سب سراپا نیاز آپ ہی کیلئے
آپ ہی قبلۂ التحیات ہیں

آپ معبود ہیں آپ مسجود ہیں
آپ ہی کے لئے سب عبادات ہیں

شمس ہو یا قمر یا نجوم فلک
آپ کے نور کے سب یہ ذرات ہیں

آپ ہی نورالنفس آفاق ہیں
آپ علام غیب و شہودات ہیں

آپ کی کنت کنزا کا اعلان ہیں
آپ ہی گنج رمز و رموزات ہیں

لا الہ میں ہے نفی ہر ماسوا
آپ ہی حرف الا میں اثبات ہیں

جس طرف دیکھئے آپ ہی آپ ہیں
آپ ہی معدن حمد برکات ہیں

آپ ہی کے لئے سب ہے حمد وثنا
آپ الحمداللہ بالذات ہیں

حامد وحمد و محمود سب آپ ہیں
آپ ہی روح معنی و آیات ہیں

ما عبدنا حق عبادتک
جس نے سمجھا بلند اسکے درجات ہیں

ما عرفناک حق معرفتک
اس کے قائل نبی البشریات ہیں

اولاً آخراً ظاہراً باطناً
آپ ہی اصل کل ظہریات ہیں

اس غلام فقیر و دل افگار کے
آپ ہی غافر کل خطیات ہیں

بارگاہ الٰہی میں نہایت عجز و انکسار ، سادگی و سپردگی کے ساتھ دست بہ دعا ہیں ۔ ہر لحظہ اس رب کریم کی رحمتوں اور نعمتوں کے طلبگار ہیں ۔

الٰہی تو رحمت کا اظہار کردے
نگاہ کرم ہم پہ اک بار کردے

تری اک نگاہ کرم ہی ہے ایسی
کہ بیڑا گنہگار کا پار کردے

۵

بس عادتوں سے بچالے ہمیں تو   نکو سیرت و نیک کردار کردے

نہ غافل تری یاد سے ہم ہوں یارب   ہمیں خواب غفلت سے بیدار کردے

الانسان سِرّی انا سرّہٗ کا   الٰہی تو جو ہاشے اسرار کردے

طفیل جناب شفیعؐ دو عالم   ہمیں اپنی بخشش کا حق دار کردے

غلام در قادری کو الٰہی   فدائے رہ غوث الابرار کردے

پیران پیر دستگیر غوث الاعظم محبوب سبحانی حضرت محی الدین عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ سے شاہ غلام رسول قادری والہانہ عقیدت رکھتے تھے ۔ رب عظیم اور محبوب ربانی کے بعد محبوب سبحانی کے مرتبہ و درجہ کو سب سے بلند و فائق جانتے تھے ۔ انہوں نے غوث الاعظم کی شان میں متعدد بصیرت افروز قصائد و مناقب لکھے ۔ حضرت غوث الاعظم سے متعلق ان کی دو تصانیف " گلدستۂ غوثیہ " اور " فیضان غوث اعظم " نہایت قابل قدر ہیں ۔ ایک منقبت میں غلام قادری کے یہ افکار عالیہ ملاحظہ ہوں :

یہ دل محبوب سبحانی کے صدقے   محی الدین جیلانی کے صدقے

جناب پیر پیران میر میران   زہے ولیوں کے سلطانی کے صدقے

ہوئے غوثوں میں غوث الاعظم کل   نشان اعظم الشانی کے صدقے

جو پیدا ہوتے کسی عاشق ہوئے ہیں   یہ دل معشوق یزدانی کے صدقے

مریدی لاتخف فرمان ہوا ہے   ہم اس لطف فراوانی کے صدقے

ہوئے شیخ الطائف الانس و الجن   دل ایسے شیخ ربانی کے صدقے

مریدوں کی مدد اب بھی ہیں کرتے   ہم ہوں اس فیض روحانی کے صدقے

غلام قادری کا وِردِ جاں ہے   رسول اللہؐ کے جانی کے صدقے

محمد ابراہیم ناظم گڑھی یٰسینی

۱۳۰۷ - ۱۳۸۳ ھ
۱۸۸۹ - ۱۹۶۳ ء

مولانا محمد ابراہیم ، گڑھی یٰسین (ضلع شکارپور) کے ممتاز عالم ، معلم اور مفتی مولانا محمد ہاشم (بانی مدرسہ نظامیہ ہاشمیہ) کے صاحبزادے اور مولانا محمد قاسم گڑھی یٰسینی کے چھوٹے بھائی تھے ۔ علم و فضیلت ، زہد و تقوی ، درس و فتوٰی کے اعتبار سے یہ خاندان نہ صرف سندھ بلکہ بلوچستان میں بھی قدر و منزلت کی نگاہوں سے دیکھا جاتا تھا ۔

محمد ابراہیم ۱۳۰۷ ھ مطابق ۱۸۸۹ ءمیں اپنے آبائی وطن گڑھی یٰسین میں تولد ہوئے ۔ پندرہ برس کی عمر تک اپنے والد مکرم کی آغوش رحمت و برکت میں پروان چڑھے پہلے حفظ قرآن کی سعادت حاصل کی ۔ ۱۳۲۲ ھ (۱۹۰۳ء) میں والد کی رحلت کے بعد اپنے برادر معظم مولانا محمد قاسم کے زیر نگرانی ان کے مدرسہ نظامیہ ہاشمیہ میں عربی فارسی ، سندھی اوراردو کی تعلیم حاصل کی ۔ ۱۳۳۳ ھ (۱۹۱۵ء) میں ہمایون تشریف لے گئے اور وہاں علامہ عبدالغفور ہمایونی اور مولانا عبدالباقی کی با فیض صحبتوں میں رہ کر علوم ظاہری و باطنی کی دولت سے مال مال ہوئے(۱)

ہمایوں کے روحانی و پاکیزہ ماحول اور اہل علم و اہل اللہ کی پر انوار و پر اخلاص صحبتوں نے انہیں رموزو تصوف و معرفت سے آشنا کیا ۔ اپنی ایمان افروز زندگی کو تبلیغ علم و دین اور خدمت خلق و ملت کیلئے وقف کردیا ۔

مولانا محمد ابراہیم ۱۳۳۸ ھ (۱۹۱۹ء) میں مدرسہ ہاشمیہ کے عہدہ معلمی پر فائز ہوئے ۔ ۱۳۳۹ ھ میں مولانا قاسم کی وفات کے بعد ان کی جگہ صدر مدرس کی ذمہ داریاں سنبھالیں ایام مدرسی میں ان کے درس و تدریس ، علم و دانائی اور فتوٰی نویسی کی شہرت سندھ سے بلوچستان تک پھیل گئی ۔

۱۳۶۳ھ میں میر احمد یار خان شہریار بلوچستان نے محمد ابراہیم کو بلوچستان آنے کی پیشکش کی اور وہاں انہیں قاضی القضاۃ کے منصب جلیلہ پر مامور کیا ۔ مولانا دو برس کے بعد مستعفی ہوکر گڑھی یٰسین واپس آئے ۔ اپنے سابق عہدہ صدر معلمی اور دارالفتا شرعی کے فرائض تا حیات انجام دیئے ۔

---

(۱) مہران سوانح نمبر ۱۹۵۷ء ، ص ۲۲۰

حافظ مولانا محمد ابراهیم ۷ شعبان المعظم ۱۳۸۲ ھ (۱۹۶۲ء) کو اس جہان فانی سے رخصت ہوئے ۔ گڑھی یٰسین جو ان کی زندگی میں ان کا مولد و مسکن تھا اب مدفن ہے ۔

حافظ مولانا محمد ابراهیم گڑھی یٰسینی عربی فارسی سندھی اور اردو زبانوں پر مکمل عبور رکھتے تھے ۔ صوفی مشرب شاعر تھے ۔ اردو اور فارسی میں طبع آزمائی کرتے تھے ۔ ناظم ان کا تخلص تھا ۔ ان کے کلام کا زیادہ حصہ فارسی اور کم حصہ اردو اشعار پر مشتمل ہے ۔ فارسی کے مندرجہ ذیل شعری مجموعے موجود ہیں ۔

(۱) تواریخ منظومہ ناظم (۲) دیوان نظم ناظم (۳) کلیات ناظم
(۴) یا مریدان منظوم (۵) آداب رسول اللہ

فارسی نثر میں ان کے رسالوں کے نام یہ ہیں ۔

(۱) رسالہ ازالۃ الارتیاب (۲) رسالہ جماعت ثانیہ

عربی میں ہدایۃ العباد فیما یتعلق بالضاد (فتویٰ متعلق ضاد بتصدیق قاری مدنی) اور رسالہ حکم فوٹوگراف ان کی عربی دانی کا مظہر ہے (۱)

سندھی کتب

(۱) قرآن حکیم کے بعض پاروں کا ترجمہ اور تفسیر
(۲) مشکوٰۃ شریف ربع اول
(۳) قوت ایمانی
(۴) المقول الصواب
(۵) مناسک حج
(۶) لباس النبی
(۷) تعلیم المسلمین

اردو میں ان کے فتووں کا ایک مجموعہ موسوم بہ "فتاوی ناظمی" انکی یادگار میں سے ہے ۔ سندھ کے معمر و ممتاز بزرگ شاعر ، نقاد و ادیب ڈاکٹر شیخ ابراهیم خلیل نے راقم کو بتایا کہ مولانا محمد ابراهیم ناظم کو اردو زبان سے عشق تھا ۔ وہ روزمرہ کی بول چال اور تحریر و تقریر میں

---

(۱) مولانا محمد ابراهیم کی مطبوعہ و غیر مطبوعہ تصنیفات و تالیفات کے قلمی نسخے انکے ذاتی کتب کتب خانہ واقع گڑھی یسین میں محفوظ ہیں ۔ مولانا نجم الدین گڑھی یسینی اس کتب خانہ کے موجودہ نگران ہیں ۔

اردو کو ترجیح دیتے تھے ۔ ان کا قول تھا کہ متعدد علوم و فنون اور اسلامی ادب و ثقافت کے جتنے ذخائر اردو میں ملتے ہیں پاکستان کی کسی اور زبان میں نہیں ملتے ۔

ناظم گڑھی یسیدی فارسی کے علاوہ اردو کے بہت اچھے شاعر تھے ۔ وہ سچے عاشق رسول ، آشنائے عبد و معبود اور آگاہ عرفان تھے ۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے اشعار حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے والہانہ عقیدت ، محبت ، خالق و مخلوق اور حیات و کائنات کی حقیقتوں کے آئینہ دار ہیں ۔ ایک نعت کے دو شعر سنئے

سرور عالم حبیب کبریا پیدا ہوئے　　　پیشوائے مرسلاں و انبیاء پیدا ہوئے
ناظمی کیوں کر گل امید پژمردہ ہے　　　جو بہاری موجب نشو و نما پیدا ہوئے (۱)

مولانا ابراہیم جس روانی و صفائی سے اردو بولتے تھے اسی روانی و صفائی سے لکھتے بھی تھے ۔ وہ نہ صرف اعلیٰ پایہ کے معلم تھے بلکہ روشن دماغ ، روشن ضمیر قاضی ، خطیب اور مفتی بھی تھے ۔ ان کے اردو خطبات اور اردو فتاوی سے ثابت ہے کہ انہیں اردو پر حیرت انگیز حد تک قدرت حاصل تھی ۔ وہ اردو کے ایک جلیل القدر نثر نگار بھی تھے ۔ ان کے اردو فتاوی کا مجموعہ " فتاویٰ ناظمی " (قلمی) میں سے ایک فتویٰ نقل کیا جاتا ہے جس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ وہ کس قدر اعتماد اور استدلال کے ساتھ فتویٰ صادر فرماتے تھے ۔ ان کی عبارت سادہ ، عام فہم اور دلپذیر ہوتی تھی ۔

حبیب نامی ایک شخص جو " رستم " کا رہنے والا تھا ، نے مولانا کو مندرجہ ذیل احوال لکھا اور اس کے بارے میں انہیں فتوی صادر کرنے کی درخواست کی ۔

سوال : " غلام حیدر نامی ایک شخص اپنی بیوی فاطمہ ، لڑکی نجی اور ایک بہن جنت کو وارث چھوڑ کر مرگیا ۔ غلام حیدر کے اوپر کچھ قرض بھی ہے ۔ اس کا مال متروکہ شرط مذکورہ ورثا میں کس طرح تقسیم ہوگا ۔

---

(۱) یہ اشعار ڈاکٹر شیخ ابراہیم خلیل کی قلمی بیاض " بیاض خلیل " سے منقول ہیں ۔

مولانا نے اس سوال کے جواب میں جو فتوی تحریر فرمایا اس کے الفاظ یہ ہیں :

" از روئے قانون شرع انور پہلے اس کے مال متروکہ سے اس کے کفن دفن کا خرچ ادا کیا جائے ۔ اس کے بعد جو اس کا مال ، ملکیت ، زر، زیور ، زمین اثاث البیت کو ایک روپیہ مقرر کرکے حسب ذیل وارثوں میں تقسیم کیا جائے

یعنی قرضہ ادا کرنے کے بعد باقی مال متروکہ کو ایک روپیہ مقرر کرکے دو آنے اس کی بیوی مسماۃ فاطمہ کو اور آٹھ آنے اس کی بیٹی دری کو اور چھ آنے اس کی بہن مسماۃ جنت کو دیئے جائیں ۔ شریعت کا یہ حکم ہے " ۔

مولانا عبدالشکور نظامی

۱۳۱۱ -- ۱۳۹۵ ھ
۱۸۹۱ -- ۱۹۷۵ ء

پرنور چہرہ ، پرکشش روشن آنکھیں ، گردن تک سفید اور چمکدار ریشم جیسی زلفیں اور خوبصورت ریش والے درویش صورت ، ولی سیرت صاحب حسن و جمال کا نام نامی اسم گرامی مولانا سید محمد عبدالشکور نظامی ہے ۔ عرفیت بابا کمبل پوش ۔ ۱۳۱۱ ھ میں یوم دو شنبہ بوقت صبح صادق محلہ کٹرہ ریشم تاجگنج اکبرآباد (آگرہ ، بھارت) میں پیدا ہوئے ۔

اپنے حقیقی نانا حاجی سید محبوب علی عطار سے عربی و فارسی کی تعلیم حاصل کی ۔ انہیں کے سایہ عاطفت و شفقت میں تربیت پائی ۔ بچپن سے مشاہیر علمائے کرام اور اولیاء اللہ کی فیض و صحبت میں حقائق و معارف سے آگہی حاصل کی ۔

حضرت سید اسعد علی عرف میاں سید جمال شاہ بابا کمبل پوش سجادہ نشین حضرت سلطان المشائخ خواجہ نظام الدین اولیا محبوب الٰہی دہلوی کی نظر عنایت نے حق و باطن کے رموز سے انہیں آشنا کیا ۔ اپنا مرید بنایا اور خرقہ خلافت سے سرفراز فرمایا ۔

مولانا عبدالشکور نے پیری مریدی کو ذریعہ معاش نہیں بنایا بلکہ محرری اور کھاتہ نویسی کے کاموں سے اپنی روزی کمائی ۔ ۸۳ سال کی عمر میں ۹ مئی ۱۹۷۵ء (۱۳۹۵ ھ) کو حیدرآباد سندھ میں اپنے معبود حقیقی سے جاملے ۔ ان کے ایک قریبی رفیق محترم حکیم سید شاہ اکرام حسین سیکری نے حسب ذیل عبارت سے مادہ تاریخ وفات نکالا ۔

سال وصال نازک انداز عہد جدید
صوفی عبدالشکور کمبل پوش اکبر آبادی (۱)
۱۹۷۵ء

مولانا عبدالشکور نظامی کمبل پوش درویشانہ زندگی میں شعر و ادب کی خدمت بھی کرتے رہے اوائل عمر سے شاعری کا ذوق تھا ۔ آگرہ میں نواب محمد خادم حسن زبیری اجمیری کے آگے زانوئے تلمذ تہہ کیا کراچی (پاکستان) میں حضرت مولانا ضیاء القادری سے بھی مشورہ سخن کیا ۔ اکبرآباد میں علامہ سیماب اکبرآبادی ، سید نظام الدین شاہ دیگر اکبرآبادی ، مولانا سید محمد علی میکش اکبرآبادی

---

(۱) ماہنامہ اولیٰ حیدرآباد ، اکتوبر نومبر ۱۹۷۸ء

جیسے مشاہیر شعرائے کرام اور مستند اساتذۂ سخن کے ہم جلیس و ہم مجلس رہے ۔ پاکستان میں حضرت پیر صبغت اللہ ایرانی اور شاہ اکبر/حسین سبکری جیسے اہل اللہ اور اہل کمال سے ان کے دوستانہ تعلقات رہے ۔ مولانا عبدالشکور راقم الحروف پر بیحد شفقت فرماتے تھے ۔ دوستانہ طریقے سے ملتے تھے ۔ کبھی کبھی غریب خانے پر بھی تشریف لاکر اپنے الطاف و اکرام سے سرفراز فرماتے تھے ۔ اکثر علمی و ادبی نشستوں میں راقم کو مولانا سے فیضیاب ہونے کا شرف حاصل رہا (۱) ۔

مولانا عبدالشکور ان صوفیائے کرام میں سے تھے جن کی زندگی عبادت و ریاضت اللہ اور رسول کے ذکر و فکر اور انسانوں سے محبت کے لئے وقف تھی ۔ ان کے کلام کا تمام تر حصہ انہیں افکار و خیالات ، جذبات و احساسات پر محیط ہے ۔ ان کی اصناف سخن حمد ، نعت اور منقبت تک محدود ہیں ۔ تصوف ان کی زندگی اور اشاعتِ تصوف ان کی زندگی کا نصب العین تھا انہوں نے اپنے نظریۂ تصوف کو اکثر نظموں میں انتہائی عقیدت و بصیرت سے پیش کیا ہے ۔ مثال کے طور پر انکی چودہ اشعار پر مشتمل ایک نظم بعنوان " تصوف " (۲) کے چند اشعار ملاحظہ فرمائیے ۔

بتاؤں تمہیں کیا کہ کیا مل گیا جو میں گم ہوا تو خدا مل گیا
علی مل گئے تو محمدؐ ملے محمدؐ ملے تو خدا مل گیا
فریب جہاں اب کہیں ہے کھلا خودی جب گئی تو خدا مل گیا
رہیں ذوق سجدہ میں رکھ دی جبیں جہاں بھی ترا نقش پا مل گیا
تیری دین کا کچھ ٹھکانہ نہیں جو مانگا تھا اس سے سوا مل گیا
شکورِ حزیں اور کیا چاہئے سب ہی کچھ ملا جب خدا مل گیا

شکور نظامی نے جو غزل بھی کہی ہے عارفانہ کہی ہے ۔ ذیل کے اشعار سے عارفانہ محویت و کیفیت آشکارا ہے :

وظیفہ نہ پوچھو شکور حزیں کا بس اک نام کی رٹ لگائے ہوئے ہے
جہاں دیکھو ذکر محمدؐ محمدؐ عبادت نہیں ہے تو پھر اور کیا ہے

---

(۱) یہ راقم السطور کی خوش قسمتی ہے کہ مولانا عبدالشکور نظامی مرحوم نے اس کی فرمائش پر اپنی زندگی میں (مورخہ ۱۰ اپریل ۱۹۶۳ء) اپنے خودنوشت حالات زندگی مع انتخاب کلام عنایت فرمائے تھے ۔ زیر نظر مقالہ اسی قلمی نسخہ کی مدد سے تیار ہوا ۔

(۲) یہ مکمل نظم ماہنامہ المصطفیٰ حیدرآباد شمارہ دسمبر ۱۹۵۷ء میں شائع ہوچکی ہے ۔

چھپا کے رکھی ہے تصویر یار دل مین شکور / حرم کو خوب بنایا ہے تونے بتخانه
رحمت سرور عالم کے تصدق مین شکور / جذب دل مین هے مری آنکھون پھرکی پھڑک

انسان اور انسانی زندگی کے بعض اهم پہلوون سے متعلق کتنے فکر انگیز اشعار کہے هین ۔ زبان و بیان سادہ و دلکش مگر خودی و آگہی کی روشنی سے معمور ۔ یه اشعار راہ حیات کیلئے مشعل راہ هین ۔

اپنے هر اک نفس کی جسے آگہی نہین / میری نظر مین آدمی وہ آدمی نہین
داغ جگر کے ساتھ تھی کیا یادگار دوست / بزم خیال مین مری وہ روشنی نہین
موسیٰ کی طرح طالب دیدار هو کوئی / جلوون مین ان کے آج بھی کوئی کمی نہین
دل کو بنائے گنجینه رنج و الم نه کر / زندہ دلی کہان هے یه زندہ دلی نہین
پتلے مین خاک کے یه غرور اور یه گھمنڈ / بندہ کی شکل مین هے مگر عاجزی نہین
کیسے مین اوسکو مومن کامل کہون شکور / جس کو غم رسول سے دل بستگی نہین

شکور نظامی نعت گوئی مین ملکه رکھتے تھے ۔ اس صنف مین ان کا خاص رنگ ، خاص انداز هے ۔ ذیل کی عارفانه غزل مین نعت کا یه رنگ دیکھئے :

ساقی تیری طرف هین یه چشم و دماغ و گوش / ایسی پلا شراب کہ آئے کبھی نه هوش
دریائے معرفت مین اٹھے پھر کبھی وہ جوش / هر موج کی صدا مین هو اک شور نا و نوش
جلوے هین بے حجاب سنبھل کر نظر ملا / موسی کی طرح تیرے کہین اڑ نه جائین هوش
شاید جنون عشق ترقی پذیر هے / شوریدگی کے هاتھ سے سر هے وبال دوش
آتی هے تیری یاد بھی رنگینیون کے ساتھ / با هوش هون کبھی کبھی رہتا نہین هے هوش
تجھ پر هین خاص لطف و کرم اے شکور مست / صد شکر تو هے ساقیِ کوثر کا بادہ نوش

مولانا عبدالشکور نظامی کمبل پوش کی بیشتر نعتیں اور نظمین حضرت پیر صبغت الله ایرانی کے دینی رسالہ ماهنامه المصطفی ، حیدرآباد (سنه ھ) کے اکثر شمارون مین شائع هوکر بے شمار دلون کو نور و هدایت سے منور و مسحور کرچکی هین ۔

ان کا دیوان موسوم بہ " ذوق تصوف " نعت ، غزلیات اور مناقب پر حاوی ہے - ۱۹۶۳ ء (۱۳۸۲ ھ) میں طبع ہوچکا ہے - جناب صادق دہلوی نے تدوین " ذوق تصوف " کے بارے میں قطعہ تاریخ کہا - یہ قطعہ چھ اشعار پر مشتمل ہے - یہاں چار اشعار نقل کئے جاتے ہیں -

عرفان حق ہے " ذوق تصوف " کے ساتھ ساتھ — دیوان کیا ہے مولوی عبدالشکور کا

کرتا ہے روح عشق کو صورت شناس حسن — ہر دل کو درس دیتا ہے عقل و شعور کا

توحید کا بیان بھی ہے حسن طلب بھی ہے — گلدستہ بھی ہے مدحت و نعت حضور کا

تاریخ کا خیال ہے صادق تو لکھئے آپ

ہمراز عاشق ہے یہ دیوان شکور کا (۱)

۱۳۸۲ ھ

---

(۱) وجدان صادق (ص ۲۶۸) مجموعہ کلام افصح الشعراء سید محمد صادق دہلوی مرتبہ بسمل آغائی ، ۱۹۷۸ء -

قاضی غلام اکبر درازی

ولادت ۱۳۱۵ھ / ۱۸۹۵ء

الحاج قاضی علی غلام اکبر درازی ولد قاضی علی محمد سرزمین سندھ کے ان معمر ارباب نظم و نثر میں سے ہیں جن کا قلم بیک وقت سندھی اور اردو دونوں زبانوں کی خدمت کیلئے وقف ہے۔
سندھ کے اس سربرآوردہ خاندان سے تعلق رکھتے ہیں جس کے مورث اعلیٰ شیخ خیرالدین (۱) تھے ۔ یہ خاندان انگریزوں کے ابتدائی عہد سے روہڑی میں رہائش پذیر ہے اور اپنی علمی و دینی خدمات کے سبب بہت معزز رہا ہے ۔

قاضی علی اکبر نے پرائمری اور ہائی اسکول کی تعلیم روہڑی اور سکھر میں حاصل کی ۔ ۱۹۱۶ء میں میٹرک پاس کرنے کے بعد ملازمت کی ۔ ریٹائرڈ ہونے کے بعد اپنی زندگی مطالعہ کتب ، تصنیف و تالیف اور بندگان خدا کی فلاح و بہبود کیلئے وقف کردی ۔ قاضی صاحب اپنے ذاتی مطالعہ اور اہل علم و تصوف کی صحبتوں سے ایک ممتاز مقام تک پہنچے ۔

قاضی اکبر درازی سندھی اور اردو کے خوش فکر شاعر ہیں ۔ تخلص اور قلمی نام غلام اکبر ہے ۔ ان کے سندھی اردو اور سرائیکی کلام کا مجموعہ " دیوان غلام اکبر " کے نام سے شائع ہوچکا ہے سندھی اردو اور انگریزی پر عبور رکھتے ہیں ۔ خصوصاً سندھی زبان کی ترویج و اشاعت کے سلسلے میں ان کی قابل قدر خدمات کبھی فراموش نہیں کی جاسکتیں ۔ سندھی میں ان کی نظمیں اور مضامین سندھی ادب کے بیش قیمت جواہر پارے ہیں ۔ سندھی میں ان کی نظم و نثر کی کتابوں کی فہرست حسب ذیل ہے ۔ بعض مطبوعہ ہیں اور بعض غیر مطبوعہ :

مثنوی عشق نامہ ، راز نامہ ، دیوان خدائی ، درد نامہ ، رہبر نامہ ، تار نامہ ، گدا نامہ ، عشق حبیب ، بیعت رضوان ، قرۃ العین رسول ، سرتاج الشعراء ، شہنشاہ عشق ،

---

(۱) شیخ خیرالدین شیخ محمد کے صاحبزادے تھے ۔ شہنشاہ مغلیہ غازی محمد شاہ کے عہد میں قاضی القضاۃ کے منصب جلیلہ پر مامور تھے ۔ شیخ خیرالدین قاضی کے عہدے سے سبکدوشی کے بعد پہلے بھکر میں اقامت پذیر ہوئے پھر ملتان میں قیام کیا ۔ جب انگریزوں نے تالپوروں کو شکست دے کر سندھ پر تسلط جمایا تو روہڑی میں مستقل سکونت اختیار کرلی ۔

درد جو داستان ، داتا درازی ، دولھا درازی ، سخی سرتاج حصہ اول ، سخی سرتاج حصہ دوم ، سوانح حیات سردار بہادر محمد بخش ، فاتح سندھ اور سفر نامہ ایران و ایراق ۔

اکبر درازی کے متعدد مضامین و مقالات اردو کے مختلف رسائل و جرائد میں طبع ہوچکے ہیں جن میں سے چند کے عنوانات یہ ہیں :

سرتاج الشعراء ، سچل ، شاعر اعظم و مفکر ، شاعر هفت زبان ، مختصر سوانح حیات سچل سرمست وغیرہ ۔

قاضی غلام اکبر درازی کو حضرت سچل سرمست رحمۃ اللہ علیہ اور ان کی ابدی آرام گاہ درازہ (ریاست خیرپور) کے سلسلہ طریقت سے والہانہ عشق اور عقیدت ہے ۔ یہی وجہ ہے کہ انھوں نے اپنے آپ کو طریقہ سچل سے وابستہ کیا ہے ۔ درازہ کی نسبت سے اپنے نام کے ساتھ درازی لکھنے اور کہلوانے پر فخر محسوس کرتے ہیں ۔ انھوں نے سچل کے افکار اور تعلیمات کے تعارف اور تبلیغ و اشاعت کو اپنی زندگی کا نصب العین بنایا ہے ۔ اس راہ صدق و صفا ، سلوک و تصوف میں جو روشنی انھیں ملی اسے دور دور تک پھیلانے میں کوشاں رہتے ہیں ۔ ان کے کلام کا زیادہ تر حصہ سچل سرمست کے منقبت اور قصیدوں پر مشتمل ہے ۔ نثر میں بھی ان کے اکثر و بیشتر مضامین سچل سرمست کی زندگی شخصیت ، سوانح ، فن اور پیغام کے کسی نہ کسی پہلو پر محیط ہیں ۔

قاضی علی اکبر درازی کی اردو میں حسب ذیل کتابیں شائع ہوچکی ہیں ۔

(۱) سچل سرمست [۱] مطبوعہ سچل سرمست کو آپریٹو اکیڈیمی خیرپور ، ۱۹۶۲ء

یہ کتاب ۱۱۲ صفحات پر مشتمل ہے ۔ سچل کے سوانح ، شخصیت ، شاعری کے مختلف پہلوؤں پر روشنی ڈالی گئی ہے ۔ فارسی اور اردو اشعار کا انتخاب بھی شامل ہے ۔ حصہ نثر کی ترتیب یہ ہے :

سوانح حیات ، شرع کی پابندی ، حالات بیخودی ، ریاست کے حکام کے ساتھ تعلقات ، سچل سرمست منصور ثانی ، سچل الیاس حقیقی ، سچل صنعت اعظم ، سچل معلم اعظم ، سچل فیلسوف اعظم ، سچل عالمی شاعر ، سچل بین الاقوامی رہبر ، سچل صاحب حال و خیال ، سچل کلام الہی الہام ، سچل تاج الشعراء ، تلقین اور اردو ترجمہ ، مناجات ، وفات حسرت آیات ، اردو کلام ، اردو معنی ۔

---

(۱) سچل سرمست کے مفصل حالات اور انکے اردو کلام کے بارے میں زیر نظر کتاب کے دوسرے باب میں لکھا جاچکا ہے ۔

(۲) وصلت نامہ ۔ مطبوعہ سچل سرمست کوآپریٹو اکیڈیمی ، خیر پور ، ۱۹۶۵ء

اس کتاب کی ضخامت ۱۳۲ صفحات ہے ۔ سچل سرمست کی فارسی مثنوی "وصلت نامہ" کا اردو ترجمہ ہے ۔

(۳) مثنوی وحدت نامہ ۔ یہ کتاب بھی سچل سرمست کوآپریٹو اکیڈیمی لمیٹڈ خیرپور کے تحت ۱۹۶۷ء میں شائع ہوئی ۔ وحدت نامہ سچل کی فارسی مثنوی ہے جسے علی اکبر درازی نے بڑی ذہانت اور اعلیٰ ذوق کے ساتھ مرتب کی ہے ۔

اردو میں قاضی غلام اکبر درازی کی نثر کی زبان سلیس اور رواں ہے ۔ طرز انشاء خوبصورت اور دلفریب ہے ۔ سچل سرمست کی شخصیت کے بارے میں ایک مقالہ بہت اچھا ہے ۔ اس کا اقتباس درج ذیل ہے:

" سچل سرمست کا کلام سراپا الہام ، محبت و سوز ، درد و گداز ، کیف و حال ، جذب و جلال ، موج و مستی کے فلسفے کا ایک بھرپور گنجینہ ہے جو بیخودی و سرمستی کے عالم میں کہا گیا ہے ....

اور شعر میں جو نازک خیالی دکھائی گئی ہے وہ قابل قدر ہے ۔ ان ہی حالات کے تحت آپ کو شہنشاہ عشق اور منصور ثانی کہا جاتا ہے ۔ سرمست نے جب منصوری نعرہ بلند کیا تو علماء نے ان کو تعزیر دینے کا ارادہ کیا ۔ حضرت سرمست نے کہا کہ جس وقت میری زبان سے "انا الحق" کا نعرہ سنیں اس وقت مجھے قتل کردیں ۔ اس اثناء میں ایسی حال آگیا اور ان کی زبان سے "انا الحق" نکلنے لگا ۔ علماء نے ان پر تلوار کے کتنے وار کئے لیکن ان پر کوئی اثر نہ ہوا ۔ جب حال کی کیفیت باقی نہ رہی تو علماء نے ان کو تمام حقیقت سے آگاہ کیا ۔ سرمست نے کہا یہ نعرہ میں نہیں لگاتا بلکہ ذات باری لگاتی ہے چنانچہ ایک اور جگہ اپنے فارسی کلام میں فرمایا

من نمی گویم یار می گوید بگو"

مولانا دین محمد ادیب

۱۳۱۴ —
۱۸۹۷ —

فیروز شاہ تعلقہ میہڑ ضلع دادو شروع سے مردم خیز خطہ رہا ہے ۔ وہاں کئی باکمال و بافیض بزرگان دین ، علمائے کرام ، اساتذہ اور اہل قلم پیدا ہوئے ۔ سعدی سندھ حضرت مولانا دین محمد ادیب کا تعلق بھی اسی مردم خیز سرزمین سے تھا ۔

دین محمد ادیب کے والد بادھی جد حضرت مخدوم بیروچ (۱) عبداللہؒ آچ والے کی اولاد میں سے تھے ۔ حضرت مخدوم عبداللہ عرف بیروچ آچ والے حضرت غوث بہاء الدین زکریا ملتانی کے خلیفہ اور عارف زمانہ تھے ۔ حضرت مخدوم عبداللہ بیروچ کے تین صاحبزادے تھے ۔ مخدوم محمد ابراھیم ، مخدوم (۲) احمد اور مخدوم اسحاق ۔ حضرت مخدوم بیروچ نے ایک سو چھبیس سال کی عمر میں وصال کیا ۔ ان کا مزار پرانوار آچ میں مرجع انام خاص و عام ہے ۔ دین محمد ادیب کا نسبی تعلق اسی اعلیٰ و ارفع علمی و روحانی خاندان سے تھا ۔

تاریخی نام منظور حسن ، اصل نام دین محمد ، تخلص ادیب تاریخ پیدائش شب جمعہ ۱۵ شوال ۱۳۱۴ ھ مطابق ۲۱ مارچ ۱۸۹۷ء ۔ مولانا اشرف علی تھانوی نے اس مصرعہ سے ان کی تاریخ ولادت نکالی ۔

مشرف یافت دین ز دین محمد [۳]

دین محمد صرف چار سال کے سن میں استاد العلماء علامہ دوران حضرت عطا اللہ (۳) فیروز شاھی کے مدرسے میں داخل ہوئے ۔ قرآن کریم اور فارسی کی ابتدائی تعلیم ان کی آغوش شفقت میں حاصل کی لیکن فارسی کی تعلیم ابھی ناتکمل تھی کہ علامہ عطا اللہ دنیائے فانی سے ھمیشہ کے لئے رخصت ہوگئے ۔ فارسی کی مزید کتابیں مدرسہ عطا اللہ کے مدرس مولانا عبدالرحمٰن سے پڑھیں جن میں پند نامہ ، تحفہ نصائح وغیرہ شامل ہیں ۔

فارسی کی تکمیل استاد کامل حضرت مولانا الٰہی بخش (۴) (ساکن وتحصیل گوٹھ بادھولا کھیر تحصیل میہڑ ضلع دادو) کے سایہ عاطفت میں کی ۔ مولانا الٰہی بخش اپنے وقت کے مانے ہوئے معلم ، عالم ، متشرع اور فقیہہ تھے ۔ فارسی اور سندھی کے بلند پایہ شاعر اور ادیب بھی تھے ۔ مولانا ادیب نے پہلے مولانا الٰہی بخش سے گلستان ، بوستان ، تحفۃ الاحرار جامی ، انشاء ابو الفضل پڑھنے کے بعد عربی اسباق بھی پڑھے ۔ ۱۳۳۴ ھ میں نصاب نظامی ختم کیا ۔

۳ مولانا ادیب اپنے استاد معظم کی شفقت ، کمالات علمی ، فیضان باطنی سے مستفیض ہوئے ۔ ادیب صالح ، ذہین اور تیز طبع تھے فارسی کی بنیادی اور اہم کتب وغیرہ مطالب و معنی ، بدیع و بلاغت اور شرح و بسط کے ساتھ پڑھیں ۔ فارسی ادبیات ، فارسی نکات شعری پر عبور ، عربی علوم پر مہارت ، تحریر و تقریر پر قدرت ، یہ سب کچھ مولانا الہٰی بخش کی بافیض صحبتوں کا نتیجہ تھا ۔ ۱۳۳۴ ھ میں دستار فضیلت کا اعزاز بھی حاصل کیا ۔

حضرت علامہ مخدوم محمد صدیق عربی علوم کے ماہراستاد تھے مولانا دین محمد نے ان سے عربی کی تکمیل کی ۔

علوم عربیہ ، قرآن ، حدیث ، فقہ اور تواریخ و اسلامیات کی تحصیل و تکمیل کے بعد درس و تدریس ، مشاغل علمی ، مطالعہ کتب ، تصنیف و تالیف ، صوم و صلوٰۃ ، عبادت و ریاضت ، روحانی اتصال ، امامت ، خطابت ، خدمت خلق کے علاوہ عالموں اور صوفیوں کی صحبتوں میں زندگی وار دی ۔ دور محمد هاشمی اسکول حیدرآباد میں عربی کے معلم اور اسی درس گاہ کے هاسٹل کی مسجد کے پیش امام کے فرائض بھی انجام دیئے

باراں کہ در لطافت طبعش خلاف نیست
در باغ لالہ روید و در بوم شور خس

مولانا دین محمد عہد طفلی سے صوفی طبع ، نیک سیرت ، مرد صالح اور عاشق رسول تھے ۔ انھوں نے ماحول و معاشرے کی اصلاح و تطہیر کی غرض سے اپنی تحریر و تقریر ، خطبات تصنیفات و تالیفات کے ذریعہ جدید علوم کی روشنی میں مغربی تہذیب کی مذمت اور اسلامی تہذیب و معاشرت کو اپنانے کی تلقین کی ہے ۔

حکیم الامت ، مجدد الملت مولانا شاہد محمد اشرف علی فاروقی تھانوی(۵) قدس اللہ تعالیٰ سرہ العزیز عصر حاضر کے اکابر اسلام اور اولیائے عظام میں سے تھے ۔ مولانا ادیب نے زمانہ طالب علمی میں مولانا اشرف علی تھانوی کی بصیرت افروز و فکر انگیز کتب و رسائل کا مطالعہ کیا تھا اس لئے وہ شروع سے مولانا تھانوی کے معتقد اور متاثر ہوگئے تھے ۔ جب تصوف و معرفت کی منزل پر پہنچے تو تکمیل روحانی کیلئے مولانا تھانوی سے بیعت و خلافت کا درجہ حاصل کیا ۔ اسکے بعد زیادہ سے زیادہ وقت ان کی خدمت و صحبت میں گزارا ۔ اور ان کے سرچشمہ فیوض و کرامات سے فیضیاب ہوئے ۔ انھیں اپنے پیر و مرشد (۶) سے بے انتہا محبت و عقیدت تھی ۔ ان کے مرشد بھی ان سے بیحد شفقت و عنایت فرماتے تھے ۔ انھیں اپنے استاد روحانی سے اس قدر قربت و ارادت حاصل تھی کہ ان کی زندگی ہی میں ان کی متعدد کتابوں کے تراجم ، تفسیریں اور شرحیں لکھیں ۔

مولانا دین محمد ادیب عربی فارسی سندھی اور اردو زبانوں پر نہ صرف کامل عبور رکھتے تھے بلکہ ان چاروں زبانوں کے ادبیات پر ناقدانہ و عالمانہ نظر رکھتے تھے ۔ ان سب زبانوں میں ان کی تحریرین ، تصنیفیں اور ترجمے موجود ھیں ۔ نثر میں ان کی اپنی تصانیف کی تعداد کم ھے ۔ عربی فارسی اور اردو کتابوں کی ترجمہ شدہ کتابوں کی تعداد کافی ھے جن سے یہ بات واضح ھے کہ مولانا کا علم اور مطالعہ کس قدر وسیع و لامحدود تھا ۔ انھوں نے اکابر اسلام کی معیاری و معلوماتی کتابوں کو سندھی زبان میں منتقل کرکے دین اسلام اور سندھی عوام کی بہت بڑی خدمت انجام دی ھے انھوں نے ترجمے کے فن سے اپنی دلچسپی و شیفتگی کا اظہار کیا ھے بلکہ انھوں نے اس فن میں تخلیقی شان اور تصنیفی و تالیفی انداز پیدا کیا ھے ۔ ایسی چند کتابوں کے نام یہ ھیں :

(۱) سندھی ترجمہ منظوم ۔ اشرف العلوم ، مثنوی مولانا روم ۔ چھ دفتر مکمل (مطبوعہ)

ادیب شہیر پروفیسر سعید نفیسی ایرانی اس کتاب کے بارے میں اپنے ایک مضمون بعنوان " مولوی در پاکستان " میں لکھتے ھیں

" در حیدرآباد سند پیر مرد خمیدہ ، خوش سیما ، باریش سفید و چہرۂ گیرا ، مولوی دین محمد ادیب فیروز شاھی ، یک دورۂ ترجمۂ منظوم شش دفتر مثنوی مولانا را کہ بہمان بحر اصل بزبان سندی منظوم کردہ است باکمال خضوع و مہربانی بمن یادگار داد "

(رسالہ ھلال ص ۲۷، ۲۸ شمارہ نومبر ۱۹۵٦ء)

(۲) چہرہ کشائی ۔ سندھی ترجمہ منظوم رونمائی مثنوی (مطبوعہ بار دوم)

(۳) اخلاق النبی ۔ ترجمہ آداب النبی مولفہ مولانا مفتی محمد شفیع (پانچ ایڈیشن)

(۴) علم الاخلاق عرف اسلامی اخلاق (آخری تین فصل) از امام غزالی (دو ایڈیشن)

(۵) کشف المحجوب ۔ سندھی ترجمہ

(۶) معلم الاسلام ۔ چار حصوں میں ۔ (پانچ ایڈیشن)

(۷) اصلاح الاحوال ۔ سندھی ترجمہ ۔ جزو الاعمال ۔ تالیف مولانا اشرف علی تھانوی

(۸) بہشتی کوثر ۔ سندھی ترجمہ (حصہ اول) بہشتی زیور تالیف مولانا اشرف علی تھانوی

(۹) علاج القحط و الوباء ۔ سندھی ترجمہ ۔ رسالہ " " "

(۱۰) ترجمہ وعظ حقوق البیت و ترجمہ روض الریاحین (یہ مولانا ادیب کا آخری علمی کام ھے)

(۱۱) کلید بہشت ۔

فارسی ضمیمت

(۱) منع الانام عن وضع الایدی علی الاقدام

اس کتاب میں مولانا ادیب نے ان اهل علم ، اهل قلم ، امرا ، پیران طریقت کے عادات و اطوار کا حال لکھا ھے جن سے ان کی ملاقاتیں ھوئیں اور جن کو قریب سے دیکھنے کا موقع ملا ۔

فارسی ۔ اردو

(۱) زاد الادیب ترجمہ زاد السعید مولفہ مولانا اشرف علی تھانوی

(۲) اسلامی زندگی ترجمہ حیات المسلمین مولفہ " " "

(۳) خدا شناسی ترجمہ معرفت الالہی مولفہ مولانا شاہ عبدالغنی پھولپوری

(۴) ترجمہ محبت الہی " " " "

(۵) دین قوم ترجمہ صراط مستقیم " " " "

(۶) نور علی نور ترجمہ سیرت خاتم الانبیاء مع چہل حدیث (پانچ ایڈیشن)

(۷) مکتوبات ربانی (دفتر اول) حضرت مجدد الف ثانی کے دوسو بیس مکاتیبکا ترجمہ

(۸) بہشت کی کنجی

(۹) ترقی و تنزل کا راز

(۱۰) خلفائے راشدین

(۱۱) چالیس دعائیں

(۱۲) تذکرہ علما و فضلا

(۱۳) کفر و ایمان ، قرآن و حدیث کی روشنی میں ۔

منظومات

(۱) کلیات ادیب (فارسی اردو) مطبوعہ حیدرآباد سندھ ١٣٨٣ ھ / ١٩٦٣ ء

(۲) کلیات ادیب (سندھی اردو) غیر مطبوعہ

(۳) مجموعہ اشعار فارسی ۔ آٹھ سو بیت پر مشتمل ۔ غیر مطبوعہ

(۴) سندھی ترجمہ اختتام مثنوی از مولانا الہی بخش کاندھلوی ۔ غیر مطبوعہ

مولانا دین محمد ادیب نے عربی فارسی سندھی اور اردو میں کمال کی شاعری کی ھے ۔ ھر زبان کے کلام میں ان کی پرگوئی ، قادر الکلامی اور پختہ خیالی عیاں ھے ۔ ١٣٣٠ ھ میں جبکہ وہ ایک سترہ سالہ ذھین و فطین طالب علم تھے ۔ فارسی اور سندھی میں شعر کہنا شروع کیا ۔ فارسی کے یہ اشعار ان کے دور طالب علمی کی یادگار ھیں ۔

ای یار دلارام ! بیا شرد من امروز --- بی لجان ز فراق تو شده جسم و تن امروز
این وقت بہار آمدہ بین بلبل و قمری --- گر دید نوا سنج بہ باغ و چمن امروز
چون در صحت گلزار کند حسن تجلی --- گردد بہ عرق غرق ز خجلت سمن امروز
گر دیدہ چو نرگس بکشائی بہ سوی باغ --- بے تاب خود نرگس و ہم نسترن امروز

(کلیات ادیب)

مولانا ادیب نے حمد ، نعت ، غزل ، مثنوی ، تاریخ ، قطعہ ، مسدس ترجیع بند اور مرثیہ جیسی اصناف سخن پر جدت و ندرت ، فصاحت و بلاغت کے ساتھ طبع آزمائی کی ہے لیکن تاریخ گوئی ان کی شاعری کا طرہ امتیاز ہے ۔ فن تاریخ گوئی پر وہ بلا کی مہارت رکھتے ہیں ۔ اس حقیقت کے آئینہ دار ان کے وہ تمام قطعات اور منظومات ہیں جو ان کے کلیات میں موجود ہیں ۔ انہوں نے خوشی و غم ، موت و حیات ، پیدائش و فرمائش اور مختلف موقعوں پر جو قطعات اور منظومات کہی ہیں ان سے ایک طرف ان کے کمال شاعری کا اظہار ہوتا ہے تو دوسری جانب ان کی پہلو دار و وضعدار شخصیت کا یہ دلنواز پہلو ابھر کر سامنے آتا ہے ۔ مولانا ادیب جس سے محبت کرتے تھے روح کی گہرائی سے کرتے تھے ۔ جس سے ان کا رابطہ رہتا دل سے قائم رہتا ۔ ان کے تعلقات اور مراسم کا دائرہ صرف سندھ تک محدود نہ تھا بلکہ برصغیر پاک و ہند کے اکثر علماء و فضلاء ، ادباء و شعراء اور ارباب فکر و دانش تک وسیع تر تھا ۔ ان کی یہ نظمیں یہ قطعات دلچسپ بھی ہیں ، دلگداز بھی ، پرسوز بھی ہیں پر اثر بھی ، دل و روح کو مسرور و مسحور بھی کرتے ہیں اور قلب و ذہن کو سکون بھی بخشتے ہیں ۔ ان کے قطعات اور نظمیں ان کے اپنے عصر کی وہ نظر افروز دلکش و روح پرور تصویریں ہیں جنہیں دیکھکر ان کرزمانے کے اخلاص و ایثار ، محبت و شیفتگی بے اختیار یاد آتی ہیں ۔ مولانا ادیب نے شہنشاہ تغزل حضرت جگر مرادآبادی کی وفات پر ایک قطعہ فارسی میں اور ایک اردو میں کہا ـــ

لالہ سان گشت داغدار ادیب --- رخت بر بست چون عدیم مثال
داغ قلب و جگر از و آمد --- حال و صلش بہ ایزد فعال

۱۳۸۰ ھ

تھے غزل میں بلند پایہ جگر --- داد دیتے ہیں ان کو اہل کمال
اے ادیب حزین جگر کی موت --- ہے فنا سے فنون نظم مقال

۱۳۸۰ ھ

مولانا ادیب اردو غزل میں بھی یدطولیٰ رکھتے ہیں ۔ زبان میں شگفتگی و سادگی ، بیان میں سلاست و روانی ، خیال میں جدت و ندرت ان کے کلام میں بدرجۂ کمال پائی جاتی ہے ۔ بطور نمونہ ایک ایسی غزل نقل کی جاتی ہے جس میں ان کا خاص رنگ جھلکتا ہے ۔

مل جائے دو گھڑی کو جو تیری نظر مجھے
فانی رہوں ، رہے نہ کسی کی خبر مجھے

ہر بات میں خدا کا اگر میں رہوں مطیع
مانیں گے بے تامل بحر و بر مجھے

عرش بریں کا زینہ ہے احمد کی پیروی
اس پر سکھا عروج کا یا رب شہپر مجھے

ہے اتباع پیر کا اکسیر بے نظیر
اکسیر اشرفی سے بنا خاص زر مجھے

زنجیر پا ہے زلف بتان راہ یار سے
ہے رہبر حقیقت شاخ و شجر مجھے

اللہ کے ہو نہ نفس کے غلام
کرو دعا کہ اس کا ہو حاصل اثر مجھے

ظالم کبھی تو بھولے سے مجھکو بھی یاد کر
تو دل میں یاد آتا ہے شام و سحر مجھے

سن ! نقش پائے یار کو کرتا ہوں میں تلاش
کرنا نثار اس پر ہے جان و جگر مجھے

لیجائے یار تک یہ مری کوشش روشداد
اللہ سے دعا ہے ملے نامہ بر مجھے

کرتا رہے گا کب تک یہ لن ترانیاں
گر رشک طور ، ہو کسے ذرا جلوہ گر مجھے

گو جانفزا ہے حیدرآباد کی ہوا
عریاں اسی کا حسن ہے قاتل مگر مجھے

کرتی ہے نونہالوں کو تعلیم تو خراب
دن رات اس کا تجربہ ہے خوب تر مجھے

اردو ادب کا آج ہوا ہوں میں بے ادب
ہے صر میں پہلی خطا ، عفو کر مجھے

یا رب کلام میرا حقیقت نما بنے
خاصوں کے سینے سے ملے نور نظر مجھے

دیدار کوئی دوست حبیب ادیب ہو
للہ کر زیادہ نہ اب در بدر مجھے

(حواشی اگلے صفحہ پر)

(۱) مقدمہ از مولانا غلام مصطفیٰ قاسمی ، کلیات ادیب ص و

(۲) حضرت مخدوم عبداللہ پیروچ کے دوسرے صاحبزادے مخدوم احمد اپنے وقت کے ایک بڑے درویش اور عالم باعمل تھے ۔ مخدوم محمد عثمان دربیلی والے سے فارغ التحصیل تھے ۔ ان کی اولاد میں بڑے بڑے علماء اور صوفیا گزرے ہیں ۔ چند کے نام یہ ہیں :

مخدوم عبدالمجید ، مخدوم محمد عثمان شہید مستعلوی ، مخدوم میان خیر محمد بن عبدالمجید وغیرہ ۔

(مہران سوانح نمبر ۱۹۵۷ء ، ص ۲۲۲)

(۳) علامہ حضرت عطا اللہ فیروزشاہی = منبع علوم دینی و عقلی و مرجع انام تھے ۔ ان کے استادون مین مولانا عبدالروف میرانی ، مولانا نور محمد اور گل محمد شہداد کوٹی قابل ذکر ہیں ۔

مولانا عطا اللہ فیروز شاہی متعدد علوم و فنون کے مستند عالم تھے ۔ قرآن حدیث و فقہ مین ان کی سند کو آخری سند مانی جاتی تھی ۔ انکے تلامذہ مین کئی نامور علماء و اساتذہ شامل ہین جن مین مولانا دین محمد ادیب اور مولانا حاجی حامد اللہ میمن نے (ساکن بھیلی ، تعلقہ سجاول) علم و تدریس کی دنیا مین بڑی عزت حاصل کی ۔

مولانا ادیب نے اپنے استاد معظم علامہ عطا اللہ فیروز شاہی کی وفات (۱۶ رجب المرجب ۱۳۲۵ ھ) پر ساٹھ اشعار پر مشتمل قطعہ تاریخ کہا جسکا پہلا اور ۵۵وان شعر یہ ہین

اوستاد اوستادان بیاد دار	آنکہ گردش حق فرید روزگار
بود چون مشغول ذکر و تذکرہ	بہر و صلش تذکرہ دان یادگار

۱۳۲۵ ھ

(کلیات ادیب ، ص ۵۹ ، ۶۲)

(۴) حضرت مولانا حاجی الٰہی بخش = مولانا شفیع محمد مسجدی کے تلامذہ ارشد مین سے تھے استاد مولانا مسجدی شاعر ہفت زبان تھے یعنی عربی فارسی اور سندھی کے بےمثل سخن سنج تھے ۔

مولانا الٰہی بخش کے شاگردون مین یگانہ صر علماء اصفیا ، محقق اور فقیہ شامل ہین ۔ سید علی اکبر شاہ بانی جامعہ عربیہ حیدرآباد جیسےمقبول سیاست دان ، ابو لبان فصیح اللسان ادیب و مقرر اور مذہبی پیشوا بھی مولانا الٰہی بخش سے مستفیض تھے ۔

مولانا ادیب نے اپنے استاد مکرم کے وصال پر جو قطعہ تاریخ کہا اسکی تعداد چالیس ہے ۔ علی الترتیب ساتوان ، سینتیسوان اور چالیسوان اشعار کے حسب ذیل مصرعون سے تاریخہائے وفات نکالی ہین ۔

بہ الف و سہ صد و درسی و ہشتم — ز دنیا سوئے عقبیٰ شد روانہ

۱۳۳۸ھ

سر پایہ فضیلت تو حق کند بلند — یعنی ز فضل آنچہ ندیدہ خلال تو

۱۳۳۸ ھ

چون بپر سیدم زهاتف سال او — مورد رضوان بیحد یاد گفت

۱۳۳۸ ھ

اس قطعہ تاریخ جو ان کے استاد کا مرثیہ بھی ہے کا آغاز اس شعر سے ہوتا ہے

الہٰی بخش فیاض زمانہ
بہ ہر فن ماہر وفرد و یگانہ

(کلیات ادیب ، ص ۶۳ تا ۶۷)

(۵) مولانا اشرف علی تھانوی = دارالعلوم دیوبند کے ایک برگزیدہ بزرگ ، مفسر قرآن اور عالم دین تھے انکی تصنیفات میں تفسیر ، حدیث ، فقہ ، فلسفہ حکمت تصوف کی بلند پایہ و معرکہ آرا کتابیں اہل دین و اہل ایمان کے لیے مشعل راہ کی حیثیت رکھتی ہیں ۔ انکے معتقدین و متوسلین میں مولانا ظفر احمد عثمانی ، عبدالماجد دریاآبادی ، مولانا مفتی محمد حسن لاہوری ، علامہ سید سلیمان ندوی ، قاری محمد خطیب دیوبندی ، مولانا حاجی شیر محمد گھوٹکی ، مولانا عبدالہادی ندوی ، مولانا عبدالرحمن کیملپوری اور مفتی محمد شفیع بانی دارالعلوم کراچی وغیرہ جیسے اکابر اسلام کے اسمائے گرامی شامل ہیں ۔

مولانا دین محمد ادیب نے اپنے مرشد روحانی اور علم باطنی مولانا تھانوی کی وفات (۱۶ رجب المرجب ۱۳۶۲ھ مطابق ۱۹ جولائی ۱۹۴۳ء شب سہ شنبہ بعد از نماز عشا) سے متاثر و دلگیر ہوکر جو قطعہ تاریخ کہا وہ ۶۳ اشعار پر محیط ہے ۔ ان میں سے چار شعروں کے ایک ایک مصرعہ سے تاریخی مادے نکلتے ہیں ۔ ایسے دو اشعار یہ ہیں

سال حق ز سر ادب بگفتم — مگو بلباس خاص خلت

۱۹۴۲ + ۱ = ۱۹۴۳ء

موضوع براۓ یاد رہے — ہجری ست ادیب سال و صلت

۱۳۶۲ ھ

(کلیات ادیب ، ص ۷۳)

(٦) محترمی مولانا اکرام حسین سیکری اپنے ایک مقالہ میں مولانا دین محمد ادیب سے اپنی ملاقات اور گفتگو کے بارے میں رقمطراز ہیں :

" مجھے یہ معلوم ہوکر بڑی حیرت اور تعجب ہوا کہ آپ نے تن تنہا مثنوی مولانا روم جیسی بڑی کتاب کا مکمل طور پر سندھی میں منظوم ترجمہ کردیا ہے "

ان کے (مولانا ادیب کے) چہرے پر مسرت کے آثار پیدا ہوگئے انھوں نے والہانہ محبت اور خلوص کے ساتھ کہا :

" یہ سب کچھ میرے پیر طریقت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی کی دعاؤں کی برکت ہے " ۔

پھر انھوں نے اپنے پیر صاحب کے بارے میں بڑی محبت بھرے انداز میں ذکر کیا ۔ ان کو اپنے شیخ سے بیحد محبت تھی ۔

(الولی دسمبر ٧٦ء ، جنوری ٧٧ء ، ص ٢٥-٢٦)

تاج محمد افغان مشتاق

۱۲۱۹ - ۱۳۷۳ ھ
۱۸۹۹ - ۱۹۵۳ ء

حکیم مولانا تاج محمد افغان ولد حاجی خمیسو کے بزرگوں میں کئی علمائے کرام اور مشائخ دین گزرے ہیں جن میں سید سلیمان شاہ بخاری ، شیخ عمر اور کنودانی وغیرہ کے نام نامی اسمائے گرامی فراموش نہیں کئے جاسکتے ۔

تاج محمد افغان کا سال ولادت ۱۲۱۹ ھ (۱۸۹۹ ء) بمقام شہر بدین ہے ۔
پیر بھاون علی شاہ ساقی جیلانی قادری کے مرید اور ہمعصر تھے ۔

مولانا تاج محمد ماہر طب حکیم تھے ۔ گرچہ کسی طبیہ کالج کی کوئی سند ان کے پاس نہ تھی لیکن طب و حکمت سے فطری لگاو اور خداداد ذہانت کے سبب اس فن میں کامل دستگاہ رکھتے تھے ۔ بڑے نیک دل ، خدا ترس اور اللہ والے شخص تھے ۔ دنیاوی طمع ، نام و نمود سے بے نیاز تھے ۔ اکثر غریبوں کا مفت علاج کیا کرتے تھے بلکہ غرباء و مساکین کی دستگیری بھی فرماتے تھے ۔ ہمدردی نیک دلی فیاضی اور علاج کے سبب مریضوں اور عام لوگوں کی ایک بڑی تعداد ان سے عقیدت رکھتی تھی ۔

پیر بھاون علی شاہ جس زمانے میں حیات تھے تاج محمد کا قیام شہر راجی خانانی میں تھا ۔ انہیں دنوں ایک مخیر اور نیک دل انسان محمد قاسم نے راجو خانانی میں قاسم دواخانہ کے نام سے ایک اسپتال قائم کیا ۔ حکیم تاج محمد بحیثیت منیجر اس اسپتال کے انچارج مقرر ہوئے اس اسپتال کے زیر اہتمام ماہوار طبی رسالہ " پیام شفا " کا اجرا ہوا تو اسکی ادارت کے فرائض تاج محمد کے سپرد ہوئے ۔ قاسم دواخانہ کا اپنا پریس بھی تھا ۔ " پیام شفا " اسی پریس سے چھپتا تھا ۔ حکیم تاج محمد کی ذاتی کوششوں اور مساعی جمیلہ سے اس رسالہ میں بڑے بڑے حکمائے صادق کے نسخہ جات ، مجربات اور طبی معلومات سے متعلق بڑے مفید مضامین شائع ہوتے تھے ۔
" پیام شفا " صوری اور معنوی دونوں اعتبار سے معیاری اور جاذب نظر تھا ۔ اس لئے بہت جلد مقبول ہوگیا تھا ۔ حکیم صاحب کی وفات کے بعد " پیام شفا " کی اشاعت ہمیشہ کے لئے ملتوی ہوگئی حکیم صاحب طبی کالج ٹنڈو محمد خان کے طبی بورڈ کے ممبر بھی رہے ۔

حکیم تاج محمد افغان مشتاق نے ۵۵ سال کی عمر میں ۱۳۷۳ ھ (۱۹۵۳ء) میں داعی اجل کو لبیک کہا ۔

حکیم صاحب عربی کے عالم تھے ۔ جامع مسجد راجی خاناش کے پیش امام بھی رہے ۔ عربی فارسی سندھی انگریزی سے بخوبی واقف تھے ۔ انھون نے اپنے نجی کتب خانے میں مختلف علوم و فنون کا خاصا ذخیرہ چھوڑا ۔

ان کی تصانیف حسب ذیل ہین :

۱) کتاب الحمیات
۲) شرح قانونچہ
۳) قرابا دین مشتاقی المعروف بہ طب ساغر ساقی ۔

عربی اور فارسی مین بھی کئی کتابین لکھین لیکن وہ چھپ نہ سکین اور ضائع ہوگئین ۔ ان کی ایک قلمی بیاض ان کے ایک صاحبزادے غلام علی کے پاس موجود ہسے ۔

حکیم صاحب سندھی فارسی اور اردو مین شاعری بھی کرتے تھے ۔ مشتاق ان کا تخلص تھا ۔ عمر کے آخری دور مین بحثیت شاعر ان کی حیثیت ایک استاد کی سی تھی ۔ میر احسان علی خان تالپور ساکن راجوناش ان کے مشہور شاگردون مین تھے ۔ سید احمد شاہ خاکی ان کے خاص دوستون مین تھے ۔ سندھی اور فارسی مین اچھا شعر کہتے تھے لیکن اردو کلام پست ہے ۔ ایک اردو غزل درج ذیل ہسے ۔

اے دوستو دنیا مین اسی عشق نے ہمکو ، مردانہ بنایا
اک بوسہ کے لینے سے خفا ہوگئے مجھ پر جرمانہ بنایا
کیا پیش نقد دل کو تیرے آگے جو ہم نے شکرانہ بنایا
قدرت نے بناشے تیرے دندان جوہر ایک ، دردانہ بنایا
اس نالہ شبگیر کے سنتے ہی تو ہم کو ، مستانہ بنایا
روز ازل مین میرے اسی کاسہ سر کا ، پیمانہ بنایا
فرقت نے تیرے درد کو برسون سے ہمارا ، ہمخانہ بنایا
دنیا نے تیرے نالون کو سن سن کے اے مشتاق افسانہ بنایا

پیر مصطفیٰ صبغت اللہ شاہ ایرانی

ولادت ۱۳۱۸ ھ / ۱۹۰۰ ء

اعلیٰ حضرت معلیٰ مرتبت ، فیوض المنزلت ، پیر روشن ضمیر الحاج خواجہ مصطفیٰ صبغت اللہ شاہ ایرانی ظل سبحانی ادام اللہ ظلال افضالہم ، سرزمین سندھ کے ان زندہ و تابندہ علمی و روحانی بزرگان دین اور اکابر علم و ادب میں سے ہیں جنھوں نے خلق خدا کو خانقاہ کی مرمریں دیواروں میں اسیر رہنے کے بجائے میدان علم و عمل میں ظفر و کامرانی سے ہمکنار ہونے کا پیغام دیا ۔ حقیقت و معرفت کے شراب و ساغر سے مسرور و سرشار کیا ہے ۔

پورا نام خواجہ مصطفیٰ صبغت اللہ شاہ ہے ۔ حضرت پیر ایرانی کے نام سے ہر خاص و عام میں مشہور ہیں ۔

صبغت اللہ شاہ کے آبا و اجداد پشت ہا پشت سے دربار شاہی کے اعلیٰ عہدوں پر فائز رہے ۔ ان کے والد مکرم حاجی علی آقا سرہنگ (متوفی ۱۳۳۳ ھ) پہلے شاہی فوج کے منصب اعلیٰ پر فائز رہے ۔ اپنی خدمت و دیانت کے صلے میں خاندان قاچاریہ کے بادشاہ ناصر الدین شاہ شہید کے دربار میں وزیر خزانہ رہے ۔ پھر آذربائیجان کے تین صوبوں کے گورنر مقرر ہوئے ۔ علی آقا سرہنگ نے اپنی حکمت عملی ، دانشمندی اور انتظامی صلاحیتوں سے وہاں کی سرکش ، جنگجو اور سخت مزاج رعایا کو اس طرح مانوس کرلیا کہ وہ انھیں اپنا پیشوا اور بزرگ ماننے لگی ۔ بادشاہ ناصر الدین شاہ کی شہادت کے بعد وہ شاہی ملازمت سے مستعفی ہوگئے ۔ زندگی کا باقی حصہ خدمت خلق اور عبادت خالق دوجہاں کے لئے وقف کردی (۱)

پیر صبغت اللہ کے خاندان میں کئی پشتوں سے مفتی قاضی القضاۃ اور ارباب علم و کمال ہوتے چلے آئے ہیں ۔ ان میں اکثر اہل تصانیف اور بلند مرتبت علماء و مشائخ بھی گزرے ہیں (۲)

صبغت اللہ شاہ کی بڑی ہمشیرہ محترمہ حضرت امام الفقرا ارشاد فرماتی ہیں کہ " ماہ ربیع الاول بروز جمعہ ۱۳۱۸ ھ مطابق ۱۹۰۰ء کو بوقت سحر صبغت اللہ کی پیدائش ہوئی ۔ اس وقت جتنی خواتین حاضر تھیں میں نے دیکھا کہ آپ کے وجود مسعود سے سارا گھر روشن ہے " ۔ صبغت اللہ شاہ کے گیارہ بھائی اور بارہ بہنیں تھیں ۔ بھائیوں میں سب سے چھوٹے تھے ۔ ان کے والد ان کی پیدائش سے بےحد مسرور و شادان تھے ۔ خاندان کے ہر فرد کو بشارت دیتے تھے

" یہ بچہ عمر دراز پائے گا اور میرا جانشین ہوکر خاندان کا ایسا نام روشن کریگا کہ سب چھوٹے بڑے اس پر فخر کرینگے ۔ مطلع کیسا

گیا کہ یہی آخری پسر مخلوق کا ہادی ، گمراہوں کا رہنما
اور بے کسوں مجبوروں کا مددگار ہوگا " (حیات ، ص ۱۵)

پانچ سال کی عمر میں والد گرامی حضرت حاجی علی آقا سرھنگ قدس سرہ العزیز کا وصال ہوا تو ان کی بڑی ہمشیرہ (وفات ۱۳۷۶ ھ مطابق ۱۹۵۸ء) نے ان کی پرورش کی ۔ ان کی یہ بہن علم و فضل ، سلوک و معرفت ، زھد و تقویٰ اور صبر و قناعت میں اپنی مثال آپ تھیں ۔ ان کے ماموں انتظام الحما نے اپنی اولاد کی طرح ان کی نگھداشت کی اور انتہائی شفقت و محبت سے ان کی تعلیم و تربیت کے فرائض انجام دیئے ۔ صبغت اللہ نے سات سال کی عمر میں قرآن حکیم ختم کیا ۔ پھر ادبیات ، تفاسیر قرآن ، حدیث ، علم آداب اور علوم شرعیہ پر عبور حاصل کیا ۔ غیر معمولی ذھانت ، جودت طبع ، فراست ذھنی اور علم ریاضی پر مہارت سے اعزا و اقارب ، اساتذہ و علماء سب ھی حیران رہتے تھے ۔

صبغت اللہ اپنے ماموں انتظام الحکماء (سال وفات ۱۳۳۷ ھ) کی مجلسوں اور صحبتوں میں رہ کر نہ صرف آداب مجلس سے بہرہ ور ہوئے بلکہ دنیاوی امور ، امور سلطنت ، اسرار سیاست ، تھذیب و تمدن اور ثقافت و معاشرت میں تجربات حاصل کئے ۔ ماموں کے عہد گورنری میں صوبہ استرآباد (ایران) کے دوران قیام ان کی نگرانی میں نہ صرف علوم ظاھری سے آراستہ ہوئے بلکہ تصوف و روحانیت کی لازوال نعمتوں سے بھی مالا مال ہوئے ۔ اسی زمانے میں اپنی عمر عزیز کے تمام تر لمحات خداشے ذو الجلال کے اسرار و رموز سے آشنائی و آگہی کیلئے وقف کردیئے ۔

صبغت اللہ شاہ سلطنت قاجاریہ پر رضا شاہ پہلوی [۳] کے تسلط کے بعد سلطنت پہلوی میں ۱۳۳۸ ھ (۱۹۱۹ء) میں پہلے فوج کے شعبہ محاسبات کے نائب اول اور بعد میں فوج حملہ کے اعلیٰ افسر کے عہدے پر فائز ہوئے لیکن دربار شاھی اور دنیاوی جاہ و حشمت سے طبیعت اچاٹ ہوگئی اور دربار الٰہی سے شرف باریابی کیلئے بیتاب ہوئے ۔

۱۳۵۲ ھ (۱۹۳۳-۳۴ء) میں تہران کے عارف باللہ حضرت آقا شمس العرفاء سے شرف بیعت حاصل کیا ۔ایک سال کی مشق وریاضت کے بعد پیر طریقت نے ھدایت فرمائی

" محمد مصطفیٰ ! تمہارے لئے ترک وطن کرکے ھندوستان کا سفر کرنا ناگزیر ھے ۔ تمہاری قسمت کا خزانہ اور حصے کی دولت وھاں رکھی گئی ھے ۔ تم ھندوستان جاو اور وہ خزانہ اور دولت حاصل کرو "

صبغت اللہ شاہ نے اللہ اور اسکے دین کی خاطر شاھی شان و شوکت اور آرام و آسائش سب کچھ ترک

کرکے اپنا وطن چھوڑا ۔ دور دراز کا سفر کیا ۔ صعوبتیں جھیلیں ۔ ھندوستان پہنچکر موھڑہ شریف (کوہ مری کے دامن میں کشمیر پوائنٹ کے نشیبی علاقے میں واقع ھے) کے سجادہ نشین حضرت خواجہ محمد قاسم کیانی موھڑوی کے دامن فیض سے وابستہ ھوئے ۔ وھاں چار سال کے قیام کے بعد دو سلسلے نقشبندیہ اور سہروردیہ کی تکمیل کی ۔ اپنے پیر و مرشد کے حکم سے ایران واپس تشریف لے گئے ۔ وھاں سے اپنی چھوٹی ھمشیرہ کے ھمراہ دوبارہ موھڑہ شریف واپس آئے ۔ اس مرتبہ ساڑھے تین سال قیام کیا ۔ حقیقت و معرفت ، شریعت و طریقت کے اسرار و رموز سے آگہی حاصل کی ۔ پیر طریقت نے صبغت اللہ شاہ کو اپنا خلیفہ اعظم اور جانشینی کی مسند جلیلہ پر فائز کیا اور ارشاد فرمایا :

" میرے عزیز ! پہلے تم کو سلسلہ نقشبندیہ اور سہروردیہ میں اجازت دی تھی ۔ اب سلسلہ چشتیہ اور قادریہ میں بھی تم مقامات طے کرکے حد کمال کو پہنچے ھو ۔ ان دونوں سلسلوں میں بھی تم کو اجازت دیتا ھوں ۔ میں صوبہ سندھ کی ولایت تمہارے سپرد کرتا ھوں ۔ سندھ کا ایک متوسط شہر تمہارا مرکز ھوگا اپنی مسند رشد و ھدایت پر قائم ھوجاو ۔ اچھی زندگی بسر کروگے ۔ بے شمار مخلوق فیض یاب ھوگی ۔ سندھ کے عوام سادہ لوح اور کم آمیز ھیں " ۔
(حیات ، ص ۲۹)

موھڑہ شریف سے خلافت و اجازت حاصل کرنے کے بعد جہلم کے راستے ۱۹۳۹ء میں روھڑی میں وارد ھوئے سکھر میں ایک سال قیام پذیر رھے پھرحیدرآباد میں مستقل سکونت اختیار کی ۔ پیر صبغت اللہ ایرانی ایران سے سندھ تک جہاں بھی تشریف لے جاتے وھاں کی مسجدوں میں پابندی سے نمازیں ادا کرتے جمعہ کے روز خطبات دیتے ۔ درس و تدریس ، وعظ و ھدایات سے خاص و عام کے دلوں کو روح ایمانی اور شمع نورانی سے بھر دیتے ۔ ان کی زبان میں اتنی تاثیر ، الفاظ میں ایسا اثر ، آواز میں ایسا جادو اور شخصیت میں ایسی کشش و دلآویزی ھے کہ ھر شخص ان کا شیدا و گرویدہ ھوجاتا ھے ۔ آج ھندوستان و پاکستان کے طول و عرض میں ان کے ھزاروں مرید ، عقیدتمند اور فیض یافتگان جادہ سلوک و معرفت اور راہ حقیقت و صداقت پر گامزن ھیں ۔

صبغت اللہ شاہ کی رشد و ھدایت کا شروع سے ایک خاص معمول رھا ھے ۔ وہ ان کے خلیفہ حکیم ذوقی مصطفائی الہ آبادی کی زبانی سنئے :

" ھمارے اعلیٰ حضرت کا عرصہ دراز سے دستور ھے کہ بعد نماز مغرب اپنے مریدین و معتقدین کو نورانی حلقہ میں لیکر مراقبہ فرماتے ھیں اور بعد مراقبہ ان کے درجات و مقامات کے موافق علوم و عرفان کی وہ موشگافیاں

کرتے اور جذب و سلوک پر اسطرح روشنی ڈالتے ہیں کہ باتوں ہی
باتوں میں منازل قرب طے ہوتے ہوئے نظر آتے ہیں اور ایک
سالک ساختہٌ اپنے آپ کو بڑھتا ہوا محسوس کرتا ہے" ۔

(ضیائے مصطفائی، ص ۱-۲)

صبغت اللہ شاہ کی یہ تمام تقاریر مواعظ اور ملفوظات میخانۂ مصطفائی دور اول و دوم اور میکدۂ مصطفائی میں محفوظ و موجود ہے ۔

صبغت اللہ شاہ کی زندگی عبادت ، خدمت اور عمل سے عبارت ہے ۔ کئی مسجدیں تعمیر کروائیں ۔ کئی مدارس قائم کئے اور آج تک یہ سرچشمۂ علوم و معارف جاری ہے ۔ اعزاز و افتخار کے ساتھ ریاضات و مجاہدات اور محفل مراقبات میں یکساں جمعیت کے ساتھ منہمک رہتے ہیں ۔ اہل و عیال کی تعلیم اور دوسروں کی پرورش و نگہداشت ودستگیری کے فرائض بھی بحسن و خوبی انجام دیتے رہے ہیں ۔

پیر ایرانی کے درس و تدریس ، رشد و ہدایات ، تقاریر و خطبات کا اندازہ اس قدر دلچسپ ، دلآویز اور مسحور کن ہے کہ ہزاروں انسان کفر و الحاد گمراہی و تاریکی کے بجائے نیکی و سچائی ، اخلاص و محبت ، توحید و رسالت کی منزل پر گامزن ہوگئے ۔ کتنے ہی انسان ایسے ہیں جنھوں نے کفر و شرک کی زندگی کو خیرباد کہکر مشرف بہ اسلام ہوئے ۔ ان میں کچھ خواتین بھی ہیں ۔ ان خواتین میں مسز نوروزی (۳) (آنریری مجسٹریٹ) نامی ایک پارسی خاتون بھی ہیں جنھوں نے پیر صاحب کی ہدایت پر ان کے دست مبارک پر قبول اسلام کا شرف حاصل کیا ۔

پیر صبغت اللہ شاہ ایرانی اپنی تمام مصروفیات کے باوجود ادب پروری و شعر خوانی کے لئے کچھ نہ کچھ وقت نکال ہی لیتے ہیں ۔ عربی و فارسی علوم و ادبیات کا وسیع مطالعہ ہے ۔ فارسی ان کی مادری زبان ہے ۔ جب تلاش حق اور جستجو سے معرفت میں ترک وطن کرکے پاکستان تشریف لائے تو اردو سے قطعی نابلد تھے ۔ یہ اللہ کی شان اور ان کی کرامت ہے کہ ساڑھے سات سال موہڑہ شریف اور ایک سال سکھر میں رہ کر پنجابی اور اردو سے اچھی طرح واقف ہوگئے ۔ بعد میں ذاتی مطالعہ اور کوششوں سے اتنی استعداد حاصل کرلی کہ نہ صرف سلیس اور صاف ستھری اردو میں گفتگو کرنے لگے بلکہ اس زبان میں شعر کہنے لگے اور مضامین لکھنے ۔

اگرچہ شاعری کے لئے ولایت لازمی نہیں لیکن ولایت کے لئے شاعری لازم ہے اس لئے شاعری کو جزو پیغمبری بھی کہا گیا ہے ۔ اکثر و بیشتر اولیائے کرام مشائخ دین نے شاعری کو اپنی تعلیمات و پیغامات کا ذریعۂ اظہار بنایا ہے ۔ اسی خیال کے پیش نظر مصطفےٰ ایرانی نے بھی اشعار کے ذریعے پیغام دیا ہے ۔

ان کی بے پناہ علمی و ادبی خدمات کا یہ اہم پہلو ہے کہ انھوں نے خدمت شعر و ادب کے ایسے نقوش ثبت کئے ھین کہ ان نقوش و خطوط سے ان کی علم دوستی ادب پروری اور شعر نوازی کی بہت سی خوبصورت اور دلنواز تصویرین بنائی جاسکتی ھین ۔ ان کی سرپرستی مین " ادارۂ المصطفیٰ " (گنج بخش پیر حیدرآباد) عالم وجود مین آیا ۔ اس ادارے کی نشر و اشاعت کے تمام اخراجات صبغت اللہ شاہ خود اپنی جیب سے برداشت کرتے ھین ۔ اس ادارے کے تحت ماھنامہ " المصطفیٰ " جاری ہوا جو چھ سال تک شائع ہوتا رہا ۔ یہ جریدہ ادبی اخلاقی و روحانی اقدار کا حامل تھا ۔ حکیم ذوقی مصطفائی الہ آبادی مرحوم اسکے مدیر مسئول اور منشی صلاح الدین مصطفائی مدیر منتظم تھے ۔المصطفیٰ کا اجراء بلاشبہ اس کفر و الحاد کے دور مین اذان دینے کے مترادف تھا ۔ " ادارۂ المصطفیٰ " کے زیر اھتمام شعبۂ تصنیف و تالیف بھی قائم ہے جسکی جانب سے کئی علمی و دینی کتابین مثلاً " حیات صبغت اللہ " میخانۂ مصطفائی (حصہ اول و دوم) مرتبہ حکیم ذوقی اور میکدۂ مصطفائی جلد اول مرتبہ پروفیسر علی نواز جتوئی شائع ہوچکی ھین ۔ ادارۂ المصطفیٰ کے زیر اھتمام مصطفیٰ لائبریری کے نام سےایک کتب خانہ بھی موجود ہے ۔ مولانا عبدالجبار صدیقی اس کے اعزازی مہتمم ھین ۔

ذوق شعر و شاعری کا یہ عالم ہے کہ صبغت اللہ شاہ کے رحمت کدے پر مدتون ماھانہ مشاعرے منعقد ہوتے رہے ۔ بعض وجوہ کی بناء پر اب یہ سلسلہ منقطع ہے ۔ اب سال مین تین مرتبہ علمی و ادبی نشستین اور محفلین منعقد ہوتی ھین جن مین مخصوص شعرائے کرام اور ارباب علم و فکر شرکت کرتے ھین ۔ اس طرح شعر و ادب کی خاموش خدمت بھی جاری ہے ۔

صبغت اللہ شاہ المتخلص بہ مصطفیٰ کو شاعری سے فطری لگاؤ رہا ہے ۔ فارسی مین شروع سے شعر کہتے ھین اور خوب کہتے ھین ۔ ان کا کچھ فارسی کلام " حیات صبغت " کے آخری حصہ مین شامل ھے ۔

فارسی کلام کی طرح ان کا اردو کلام بھی حسن و عشق کے حقیقی کیف و تاثر کا آئینہ دار ہے ۔ ان کے شعرون مین حقیقت و معرفت اور علوم و معارف کا کسی نہ کسی پہلو سے پیغام ملتا ہے بطور مشت نمونہ از خروارے مختصر سا انتخاب درج ذیل ہے جس سے ان کی ژرف نگاھی ، حسن کلام ، حسن خیال اور معنی آفرینی کا بخوبی اندازہ کیا جاسکتا ھے :

کعبے سے گئے مسجدِ اقصیٰ شب معراج
ہر شے تھی نظر گاہ تمنا شب معراج

مستغنی احساس رہا عشق وھان سے
ٹھہری تھی جھان عقل خجستہ شب معراج

اب عہدہ بر آخواھش دیرینہ سے ہوجائین
دین روح الامین تلوون کو بوسہ شب معراج

جس دو جھان ڈوب گئی تھی شب اسریٰ
ابواب سماوات ہوئے وا شب معراج

اے مصطفیٰ پہنچا ھے نظر حسن یقین تک
ایمان محبت ہوا تازہ شب معراج

طور جس کے حریم خانے میں | دل وہ منزل ہے اس زمانے میں
قلب مرد خدا وہ گوہر ہے | جس کا ثانی نہیں خزانے میں
میں تو کرتا ہوں طوف خانۂ دوست | اور دل ہے درون خانے میں
عالم قلب مصطفیٰ کیا ہے ؟ | کیا بیان اس کا ہو فسانے میں

اشک آنکھوں سے نکل کر بہ گئے جانے کہاں
آج بکھرے ہیں مری تسبیح کے دانے کہاں
جن کے قدموں میں خرد تھی جنکی نظروں میں جنوں
اب وہ دیوانے کہاں ہیں اب وہ فرزانے کہاں
اے جمال خاص تو ہے منتہائے آرزو
شمع محفل چھوڑ کر جائیں گے پروانے کہاں
ہم نے شاخ برق پر اپنے بنائے آشیاں
یہ نہ ہوتی تو بناتے اپنے کاشانے کہاں
مصطفیٰ اب بھی ہے تشنہ ساقی دانائے راز
جب کہ مینا میں ہے مئے جائیں گے مستانے کہاں

صبغت اللہ شاہ ایرانی نہ صرف عربی زبان اور عربی ادب سے واقف ہیں بلکہ اس زبان و ادب پر باقاعدہ نظر رکھتے ہیں ۔ انھوں نے بیشتر عربی ادبیات و شہ پاروں کے اردو میں ترجمے کئے ہیں ۔ شیخ عارف حضرت ابو الفضل تاج الدین احمد سکندری کی عربی کتاب " کتاب الحکم " (جو علم توحید اور عبد و معبود کے معاملے کے بیان میں ہے) کا اردو میں نہایت صاف اور سلیس ترجمہ کیا ہے ۔ یہ ترجمہ ۷۸-۱۹۷۷ء کے " المصطفیٰ " میں بالاقساط شائع ہوچکا ہے ۔ بعض مقامات پر عربی الفاظ و محاورات کی اردو میں تشریح و توضیح بھی کی گئی ہے ۔ اس ترجمے سے حضرت پیر ایرانی کے ذوق تشعیر، عربی دانی، عربی فہمی اور اردو زبان میں فن ترجمہ پر دسترس کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے ۔

پیر صبغت اللہ ایرانی کی کوئی مستقل تصنیف اردو میں نہیں ہے ۔ اس کا سبب یہ ہے کہ عبادت و ریاضت ، درس و تدریس اور دیگر ملی علمی و قومی مشاغل سے اتنی مہلت نہیں ملتی کہ باقاعدہ تصنیف و تالیف کا کام کرسکیں ۔ البتہ مسجدوں میں ان کے خطبات ، دینی و دینی مجالس میں ان کی تقاریر ، ارشادات و ملفوظات ، نکات ، معرفت ، فلسفہ تصوف اور حقائق و معارف کے مختلف اہم پہلوؤں پر حاوی ہوتے ہیں ۔ ان کا ایک ایک خطبہ اور ایک ایک تقریر علمی و دینی اعتبار سے

گنجینہ گراں مایہ ہے ۔ ان کی کچھ تقریریں اور مواعظ ٹیپ ریکارڈ کے ذریعے محفوظ کئے گئے ہیں جن کو حکیم ذوقی مرحوم نے کتابی صورت میں مباحث مصطفائی (دور اول ، دور دوم) دو جلدوں میں مرتب کیا ہے ۔ مباحث مصطفائی ۱۹۶۰ء میں ادارہ المصطفیٰ کی جانب سے شائع ہوچکی ہے ۔

دوسری کتاب " میکدہ مصطفائی " (مطبوعہ ادارہ المصطفیٰ ، حیدرآباد ۱۹۶۵ء) میں پیر ایرانی کی وہ تقاریر ہیں جنہیں پروفیسر علی نواز جتوئی (سابق صدر شعبۂ سندھی جامعۂ سندھ) نے مراقبہ کے بعد نوٹ کیا اور بعد میں کتابی شکل دی ۔

تیسری کتاب " صبغت اللہ یعنی رنگ ربانی ہے ۔ غیر مطبوعہ ہے اسے بھی پروفیسر جتوئی نے ترتیب دی ہے ۔ اسکے بارے میں جتوئی لکھتے ہیں :

> " اس خاکسار کے پاس خوش کی دو تین کاپیاں اور بھی ہیں اور اس اعلیٰ تعلیمات کے چند جواہر سینے کے صندوقچے میں بھی محفوظ ہیں جن کو جب بھی میں نے کسی کے سامنے پیش کیا وہ حضور پرنور پر فریفتہ ہوگیا اگر اللہ نے چاہا تو ان جواہرات کو ترتیب دیکر کتابی صورت میں شائع کیا جائے گا " ۔ (دیباچہ میکدہ مصطفائی ص ۷)

پیر ایرانی کی تمام کتابوں کے مندرجات فکر و تخیل کو اپنی بصیرت اور وسعت عطا کرتے ہیں جو اب تک دیگر کتب تصوف میں اس تفصیل و تشریح کے ساتھ نظر نہیں آتے ۔ بلاشبہ یہ کتابیں راہ سلوک و تصوف میں مشعل ہدایت کی حیثیت رکھتی ہیں ۔

پیر ایرانی وقتاً فوقتاً اصلاحی نقطۂ نگاہ سے اردو میں مقالات و مضامین لکھتے رہے ہیں جو ماہنامہ المصطفیٰ حیدرآباد میں شائع ہوچکے ہیں ۔ ان مقالات سے انکی اردو نثر نگاری کا اندازہ کیا جاسکتا ہے ان کا اسلوب سادہ اور معنویت سے پر ہے ۔ ایک ایک نکتہ کو وضاحت سے بیان کرتے ہیں ۔ طرز نگارش موثر اور دلچسپ ہے ۔ بطور نمونۂ نثر ان کا ایک مقالہ بعنوان " ادب و شعر " کا اقتباس پیش کیا جاتا ہے جسکے مطالعہ سے واضح ہوگا کہ پیر ایرانی کا نظریۂ شعر و ادب کیا ہے ۔ ان کے نزدیک ادباء و شعراء ، جرنلسٹ اور دیگر اہل قلم کا قومی تعمیر میں کیا کردار ہونا چاہئے ۔

ادب و شعر

جب ایک قوم کے جذبات و احساسات ارتقا کی طرف مائل ہوتے اور اس کے ادباء و شعراء کا کلام ان جذبات و احساسات کا صحیح مظہر بنتا ہے تو قوم کے ادبیات میں حیات کے آثار ظاہر ہونے لگتے ہیں وہ قوم ترقی و عروج ، آزادی و خوشحالی ، تعمیر و تعاون ، صلح کوشی اور امن پسندی کی طرف

گامزن ہوتی ہے اور علم و عمل کے میدان میں چھلانگ لگا کر حیات جاوید حاصل کرنے کے لئے تیزی سے آگے بڑھتی ہے ۔ صاحبان شعور اور قوم کے نبض شناس ادباء و شعراء (اہل قلم اور صحافت نگار حضرات) اپنے آتش بار قلم سے قوم کے افراد کو حصول ارتقاء کیلئے زیر پا بناتے اور ان کو منزل مقصود تک پہنچاکر ہی دم لیتے ہیں ۔ یہ سلسلہ اس وقت تک جاری رہتا ہے جب تک قومی نظریات صورت کاملہ میں تبدیل نہیں ہوجاتے اس سے ہم آسانی کے ساتھ یہ نتیجہ نکال سکتے ہیں کہ ادباء و شعراء ارتعاش قلم میں ارتقائے قومی کی خلاقیت مضمر ہے لیکن اگر یہی ادباء و شعراء عیش و بزم ، طاؤس و رباب ، ہزل و لغو ، ساغر و مینا اور ناکام عاشقوں کی خودکشی اور آہو زاری کو شیوۂ تحریر بناتے ہیں تو وہ قوم بام عروج پر قصر مذلت اور تخت محمود سے کلبۂ احزان میں پہنچ جاتی ہے ۔

ہم دیکھتے ہیں کہ موجودہ ماحول میں ہمارے اہل قلم حضرات کا وہ رخ نہیں جس پر علامہ اقبال ، سرسید احمد اور مولانا ظفر علیخان وغیرہ کی نگاہ پڑتی تھی ۔ اس کا لازمی اثر یہ ہے کہ ہمارے نوجوان انہی بے منزل و مقصد اہل قلم کی اتباع میں قومی تعمیر کے راستے پر گامزن نہیں ہیں بلکہ عیش خانوں ، تفریح گاہوں اور کھلی شاہراہوں پر آوارہ پھرنے اور کوئی نہ کوئی فرضی لیلیٰ ڈھونڈ نکالنے کی مجنونا مشق کر رہے ہیں ۔ شہری دفاع ، سپاہیانہ نشاۃ ثانیہ ، کسرت و ورزش ، تعلیم و صنعت اور نئی دنیا کی ایجادات جدیدہ کی طرف توجہ کرنے کے باب میں اگرچہ نوجوانوں کی معمولی تعداد سے یہ قوم محروم نہیں لیکن وہ ہمہ گیر میلانات جو قوم کی اکثریت کو تربیت ذہنی اور حیات تازہ کی طرف رہنمائی کریں مفقود سی نظر آتی ہے ۔ کیا اس کی تمام تر ذمہ داری اہل قلم ادباء و شعراء اور صحافی حضرات پرنہیں ہے ؟

آہ ! جب تک وہ روشن خیال اور میزان کردار و اخلاق نہ بن جائیں قوم کے لئے باعث رحمت نہیں بن سکتے ۔ ان سے قوم کی اجتماعی اقدار کو نقصان پہنچنے کے سوا اور کوئی فائدہ متصور نہیں کیا جاسکتا ۔ ہم وثوق کے ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ جب اسلام انفرادیت کا نام نہیں اور جب تک قوم کے اجتماعی اقدار امن و سلامتی کی راہ پر گامزن نہ ہوں اسلام کا اطلاق نہیں کیا جاسکتا تو ہمارے ادباء و شعراء بھی اجتماعی مفاد سے دور رہ کر امن و سلامتی کی راہ نہیں پاسکتے "

(ماہنامہ المصطفیٰ حیدرآباد ۔ شمارہ جمادی الاول ١٣٧٧ ھ
دسمبر ١٩٥٧ء ، ص ١٥ ، ١٦)

حاشیے (پیر صبغت اللہ شاہ ایرانی)

(۱) حیات صبغت اللہ (ص ۱۰ ، ۱۳) اردو ترجمہ حکیم ذوقی ناشر ادارہ المصطفیٰ حیدرآباد ۱۹۶۹ء

اس حقیر و فقیر رقم الحروف کی خوش قسمتی ہے کہ حضرت پیر ایرانی سے شرف نیاز حاصل رہا ہے ۔ آپ کے بارے میں کچھ حالات آپ سے ملاقاتوں کے دوران قلمبند کئے گئے ہیں اور کچھ مواد آپ کی سوانح عمری " حیات صبغت اللہ " سے اخذ کیا گیا ہے ۔ یہ امر فخر و مسرت کے ساتھ قابل ذکر ہے کہ جب اس کمترین نے آپکی خدمت میں اپنے مقالے کی تیاری کے سلسلے میں اپنا مدعا بیان کیا تو آپ نے ہر طرح حوصلہ افزائی فرمائی اور کامیابی کے لئے دعا بھی ۔ نہ صرف یہ بلکہ از راہ شفقت و کرم اپنی کتابوں کا ایک سیٹ اور المصطفیٰ کے کچھ خاص شمارے بھی عنایت فرمائے ۔ " حیات صبغت اللہ " کا جو آخری نسخہ آپ کے پاس محفوظ رہ گیا تھا وہ بھی عنایت فرمایا اور یہ ارشاد فرمایا :

> " وفا صاحب ! آپکا علمی جذبہ دیکھکر مجھے بہت خوشی ہوئی ۔ حیات صبغت اللہ کا ایک نسخہ میرے پاس بچ گیا تھا وہ بھی میں آپ کی خدمت میں خوشی سے پیش کر رہا ہوں "

پھر آپ نے اس کتاب کے پہلے صفحے پر — " عزیزم وفا راشدی کسے لئے " تحریر فرماکر دستخط فرمائے ۔

> " صبغت اللہ ایرانی ، حیدرآباد ، ۲۸-۳-۷۱ "

(۲) پیر صبغت اللہ کے نانا نوری خاندان کے ایک عظیم المرتبت فرد تھے ۔ جن کی فارسی تصانیف ارباب سلطنت اور حلقۂ سلوک کے لئے مشعل راہ کی حیثیت رکھتی ہیں ۔

حاجی ملک الواعظین اور حاجی سلطان الواعظین اس خاندان کے برگزیدہ افراد میں سے تھے جن کی تقاریر اور مواعظ ایران و تہران کے عالی مرتبہ افسران اور علمائے عظام کے لئے سرچشمۂ علم و ہدایت اور علم و حکمت کا خزانہ ہیں ۔

صبغت اللہ کے ایک ماموں حضرت امام رضا کے دربار مشہد میں مسند نیابت و تولیت پر فائز تھے ۔ بڑے پایہ کے عالم اور بزرگ تھے ۔ " وثوق الدولئیہ " (بمعنی صاحب ولایت معتبر) کے خطاب سے سرفراز کئے گئے تھے ۔

دوسرے ماموں آقا انتظام الحکماء سلطنت قاچاریہ کے شاہی طبیب تھے ۔ ایران کی شرطیت یعنی پارلیمانی حکومت کے رکن اعلیٰ تھے ۔ آخر وقت میں شمالی ایران کے بڑے صوبہ استرآباد کے گورنر بھی رہے ان کے حسن تدبر و حسن خدمات کے اعتراف میں حکومت ایران نے انہیں انتظام الملک کا خطاب تفویض کیا تھا ۔ (حیات صبغت اللہ ، ص ۱۹ ، ۲۰)

(۳) ۱۳۹۹ ھ (۱۹۷۹ء) کے آغاز میں پہلوی خاندان کا بھی خاتمہ ہوگیا ۔ شہنشاہ وقت رضا شاہ جلا وطن ہوگئے ۔ ایران کے ممتاز مذہبی رہنما و پیشوا حضرت آیت اللہ خمینی نے ۱۵ سال کی جلا وطنی کے بعد پہلوی حکومت کا تختہ الٹ دیا ۔ اب حضرت خمینی کی سربراہی وزیر ہدایت ایران نے ایک نئے اسلامی دور کا آغاز کیا ہے ۔ بین الاقوامی سیاست کے نقطۂ نگاہ سے ایران میں امریکہ کا زور ٹوٹا اور روس کا اثر قائم ہوا ۔

(۴) حضرت پیرا ایرانی کی ھمشیرہ کا محترمہ حضرت ام الفقرا دام ظلہا اپنی کتاب میں بیان فرماتی ہیں :

" مسز نوروزی جو خواتین کے لئے آنریری مجسٹریٹ تھیں بڑے اعتقاد کے ساتھ حضور کی خدمت میں حاضر ہوتی تھیں ۔ پہلی مرتبہ جب وہ آئیں تو حضور نے ان کے حسن ظاہری کی تعریف میں ارشاد فرمایا ___ " کاش آپ کا باطن یعنی قلب و روح بھی ایسے ہی حسین و نورانی ہوتے " انھوں نے اس بات کی مزید وضاحت چاہی تو فرمایا ___ " آپ کے دل میں صفائی اور روح میں کوئی روشنی نہیں ہے " ۔ انھوں نے کہا میں کیا کروں کہ صفائی اور روشنی پیدا ہوجائے ۔ آپ نے فرمایا ___ " کلمہ پڑھو اور برابر پڑھتی رہو ۔ یہ دونوں چیزیں بھی تم کو حاصل ہوجائیںگی " وہ کلمہ پڑھکر مسلمان ہوگئیں تو حضور نے فرمایا " اس حسین صورت اور نازک جسم کو دوزخ میں نہیں جلنا چاہئے تھا ۔ اللہ نے اسے آگ سے بچا لیا " ۔

(حیات صبغت اللہ ، ص ۱۰۶)

مخـدوم امیـــر احمـــد

(۱۳۲۱ - ۱۳۹۱ھ / ۱۹۰۱ - ۱۹۷۱ء)

استاد العلماء الحاج حافظ مخدوم امیر احمد قریشی ھاشمی مطلبی کا شمار سرزمین سندھ کے چوٹی کے علمائے دین اور اساتذہ کرام میں ھوتا ھے - ان کا تعلق کھوڑا (کھھڑا) تعلقہ گمبٹ ریاست خیرپور میرس کے اس عالی نسب و عالی مرتبت مخدوم (۱) خاندان سے ھے جس نے وادی مہران میں اسلام کی سربلندی اور توحید و رسالت کی تبلیغ و اشاعت میں مثالی خدمات انجام دی ھیں -

حضرت سید ابراھیم شہید اس خانوادہ مخدوم کے مورث اعلی تھے - وہ ۲۲۸ ھ میں بغرض اشاعت اسلام بغداد سے سندھ تشریف لائے اور مضافات حیدرآباد (جو اس زمانہ میں نیرون کوٹ کے نام سے موسوم تھا) میں بود و باش اختیار کی - حضرت سید ابراھیم شہید کی اولاد میں سے ایک بزرگ سیدنا محمد بن سیدنا یحیٰی کو " مخـدوم الملک " کے اعلیٰ لقب سے ملقب کیا گیا تھا - اس وقت سے اس خاندان کے افراد " شہید " کے بجائے " مخدوم " کہلانے لگے -

ان مخدوموں کے ایک دوسرے بزرگ مخدوم اسداللہ نیرون کوٹ (موجودہ حیدرآباد) سے ۹۰۱ ھجری میں نقل مکانی کرکے ضلع خیرپور کے ایک نواحی قریہ " بھری " میں اقامت پذیر ھوئے - پھر مخدوم اسداللہ کے پر پوتے مخدوم عبدالخالق نے " بھری " سے بیس میل مغرب کی جانب کھوڑا (۲) نامی قصبہ میں سکونت اختیار کی -

مخدوم امیر احمد کا سلسلہ نسب حضرت مخدوم عبدالرحمنؒ شہید کے واسطے سے حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم تک اسطرح پہنچتا ھے :

مخدوم امیر احمد بن مخدوم احمدی بن مخدوم عظمت اللہ بن مخدوم احمدی بن مخدوم محمد عاقل بن مخدوم احمدی بن مخدوم عبدالرحمنؒ شہید .... حضرت عبداللہ بن عباس عم النبی علیہ الصلوٰۃ والسلام حضرت محمد صلی اللـہ علیـہ وسلم - (سوانح مخدوم عبدالرحمن شہید بحوالہ مہران سوانح نمبر ، ص ۲۲۳)

مخدوم امیر احمد ۱۳۲۱ ھ (۱۹۰۱ء) قصبہ کھوڑا تعلقہ گمبٹ ضلع خیرپور میں تولد ھوئے -

مخدوم امیر احمد کی ابتدائی تربیت ان کے صاحب علم و کمال ماموں مخدوم اللہ بخش عاصی (۳) کے سایۂ عاطفت میں ہوئی ۔ مخدوم صاحب بارہ برس کے سن میں تھے ان کے ماموں جوار رحمت میں جا پہنچے ۔

مخدوم امیر احمد نے ۱۹۱۲ء سے ۱۹۱۶ء تک مقامی اسکول میں سندھی اور انگریزی کی تعلیم حاصل کی لیکن فرنگیوں کی زبان انگریزی کو اپنانے کیلئے ان کی طبیعت مائل نہیں تھی اسلئے انہوں نے انگریزی پڑھنا ترک کردیا لیکن بعد میں جب عملی زندگی کے دوران انگریزی سے واقفیت لازمی محسوس ہوئی تو انہوں نے اپنے طور پر انگریزی پڑھنے لکھنے کی اتنی استعداد حاصل کرلی کہ انگریزی میں بہترین خط و کتابت اور ڈرافٹنگ کرسکتے تھے ۔

مخدوم صاحب بچپن سے نہایت ذہین ذکی طبع اور نیک واقع ہوئے تھے ۔ ایام تعلیم ہمیشہ پوزیشن حاصل کرتے جسکے باعث انہیں ریاست خیرپور کی جانب سے تعلیم کے اخراجات کے لیئے وظیفے ملتے تھے ۔

۱۹۱۶ء میں سردار محمد ابراھیم شیخ کے ناز ھائی اسکول خیرپور میں داخل ہوئے لیکن تھوڑے ھی دنوں میں والدین نے انہیں اسکول سے اٹھا لیا اور حافظ محمد سلیمان کے حوالے کردیا جن سے مخدوم صاحب نے قرآن پڑھا ۔ اسکے بعد مولوی بخش علی شھبازی کے زیر نگرانی فارسی کے کچھ اسباق پڑھے ۔ مولوی بخش علی ضلع دادون کے رھنے والے تھے قدیم مدرسۂ مخدومیہ میں معلم تھے اور کھوڑا میں رھتے تھے ۔ ان کی وفات کے بعد مخدوم صاحب نے حافظ سلیمان کے پاس مزید فارسی پڑھی لیکن فارسی اور عربی علوم و ادبیات کی تکمیل مولانا محمد ھاشم (۴) انصاری کی شاگردی میں ہوئی ۔ مولانا محمد ھاشم انصاری ایک متبحر عالم اور چوٹی کے استاد تھے ۔

(مہران سوانح نمبر ، ۱۹۵۷ء ، ص ۲۲۳-۲۲۵)

مخدوم امیر احمد کے پھوپھی زاد بھائی اور کھوڑا کے سجادہ نشین مخدوم شفیع محمد نے ذاتی اختلافات کی بناء پر مولانا محمد ھاشم انصاری کو ریاست بدر کرادیا ۔ مخدوم امیر احمد نے اپنے استاد مولانا ھاشم کے ساتھ ساتھ کھوڑا کی رہائش کو خیرباد کہا اور ان کے ھمراہ نوشہرہ فیروز ضلع نواب شاہ میں قیام پذیر ہوئے ۔ مخدوم صاحب نے نوشہرو فیروز کے عرصۂ قیام میں قرآن کریم حفظ کیا ۔ اٹھارہ سال کی عمر میں دستار فضیلت کا اعزاز بھی حاصل کیا ۔

حافظ مخدوم امیر احمد نے اپنے سلسلۂ درس و تدریس کا آغاز ۱۹۳۲ء میں گورنمنٹ ھائی اسکول نوشہرہ فیروز میں عربی کے استاد کی حیثیت سے کیا ۔ ھندوؤں کی ناانصافیوں اور مسلم دشمن سرگرمیوں کے مدنظر مسلمانوں کے دینی و اسلامی تعلیم و تربیت کی غرض سے ۱۹۳۸ء میں

مسلم هاشمی اسکول نواب شاہ کے زیر اهتمام ڈسٹرکٹ لوکل بورڈ کا قیام عمل مین آیا تو شعبہ عربی کے
صدر مدرس کا عهدہ مخدوم صاحب کو تفویض هوا ۔

سندھ کے مشهور ماهر تعلیم اور عربی کے ممتاز اسکالر شمس العلماء ڈاکٹر عمر بن محمد
داود پوتہ (جو اس وقت ڈائریکٹر تعلیمات سندھ تھے) اور سید علی اکبر شاہ (مهیڑ والے)
جیسے صف اول کے عالم و مفکر کی کوششون سے ۱۹۲۳ء مین جامعہ عربیہ سندھ (Sind Arabic University)
کی داغ بیل ڈالی گئی تو ۱۹۲۵ء مین مولانا مخدوم امیر احمد کو جوهر
قابل دیکھکر عربی کا سربراہ مقرر کیا گیا ۔ ۱۹۳۶ء مین جامعہ عربیہ سندھ کے پرنسپل بنادیئے گئے
۱۹۵۳ء تک اس عهدہ جلیلہ پر فائز تھے ۔ نامساعد حالات کے باعث جامعہ عربیہ کا منصوبہ پایہء
تکمیل کو نہ پهنچ سکا ۔ ڈاکٹر داود پوتہ کے انتقال کے بعد جامعہ عربیہ کا تعلیمی معیار جو کالج
کے معیار تک پهنچا تھا گھٹ کر هاشمی اسکول تک رہ گیا ۔ آج بھی یہ ادارہ هاشمی اسکول کی
شکل مین موجود هے ۔

مخدوم صاحب نے ۱۹۵۳ء مین حرمین شریفین کی زیارت کا شرف حاصل کیا ۔

بین الاقوامی شهرت کے حامل سندھ کے یکتائے عصر مفکر و دانشور علامہ آئی آئی قاضی
جو اس زمانہ مین سندھ یونیورسٹی کے وائس چانسلر تھے نے پنجاب الہ آباد اور ناگپور یونیورسٹیون
کے نهج پر سندھ یونیورسٹی سے ملحق ایک علوم شرقیہ کالج کی بنا ڈالی تو ان کی نظر انتخاب
مخدوم امیر احمد جیسی مجموعہ کمالات شخصیت پر پڑی ۔ علامہ قاضی نے انهین نہ صرف سندھ
اورینٹل کالج کے قیام و دوام کی ذمہ داریان سونپین بلکہ اس کالج کا پہلا سربراہ بھی مقرر کیا ۔
مخدوم صاحب نے انتهائی کوششون ، توجہ اور صلاحیت و انهماک سے اورینٹل کالج کو ایک مثالی کالج
بنا دیا ۔ اورینٹل کالج حیدرآباد کیلئے بے شمار طلباء و اساتذہ نے علم و ادب کی دنیا مین
قابل قدر خدمات انجام دی هین ۔ مخدوم امیر احمد تاحیات یعنی ۱۹۷۱ء تک اورینٹل کالج کے
پرنسپل رهے ۔ مخدوم صاحب کی وفات کے بعد یہ کالج ختم هوگیا ۔ اب اورینٹل کالج کی جگہ
اسلامیہ ماڈرن هاشمی اسکول کا وجود باقی هے ۔ مخدوم صاحب کے لائق فرزند مخدوم غلام احمد ،
ایم اے ، بی ٹی ، ایل ایل بی مدرسہ مذکور کے سربراہ هین ۔

مخدوم صاحب سندھ یونیورسٹی کے شعبہ عربی مین بی اے (آنرز) اور ایم اے (عربی)
کے ممتحن اور اعزازی استاد بھی رهے ۔

مخدوم صاحب کی هر دلعزیز شخصیت اساتذہ قدیم اور اکابر اسلام کی ایک نادر نمونہ
تھی ۔ ان کی همہ جهت و بافیض شخصیت کی بناء پر وہ سندھ کے بڑے سے بڑے علمی ، ثقافتی و

ادبی اداروں کے بانی ، صدر اور رکن رہے ۔ مخدوم صاحب مسلم گرلس کالج (قیام ۱۹۵۳ء) اسلامیہ ماڈرن ہائی اسکول (۱۹۵۵ء) اور حمایت الاسلام ہائی اسکول جیسی اہم تعلیمی درسگاہوں کے بانی اور سکریٹری تھے ۔ شاہ ولی اللہ اکیڈیمی کے ڈائریکٹر ، سندھ طبیہ کالج کی مجلس مشاورت کے رکن ہونے کے علاوہ سندھ یونیورسٹی سینیٹ اور سندھی ادبی بورڈ (قیام ۱۹۲۷ء) کی رکنیت کا اعزاز بھی انہیں حاصل تھا ۔

مخدوم امیر احمد بزرگان سلف کی یادگار تھے ۔ ان کی شخصیت بڑی دلآویز اور مسحور کن تھی ۔ ان کی باتوں میں گلوں کی خوشبو ، لبوں پر پھولوں جیسی مسکراہٹ ہوتی تھی ۔ یہ راقم (وفا راشدی) کی خوش نصیبی ہے کہ اسے مخدوم صاحب جیسے جامع الصفات بزرگ سے شرف نیاز مندی حاصل رہا ۔ راقم کی ایک کتاب " بنگال میں اردو " (مطبوعہ مکتبۂ اشاعت اردو حیدرآباد ۱۹۵۵ء) مخدوم صاحب اور ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خان صاحب کی تجویز و سفارش سے سندھ یونیورسٹی کے نصاب میں شامل کی گئی تھی ۔

مخدوم صاحب کی توجہ اور کوششوں سے لاتعداد ایسے شاگرد پیدا ہوئے جو آج آسمان علم و ادب کے درخشندہ ستارے ہیں ۔ ان میں ڈاکٹر نبی بخش خان (۵) بلوچ سابق وائس چانسلر سندھ یونیورسٹی جیسے ماہر تعلیم ، ممتاز دانشور ، مصنف و محقق خصوصیت کے ساتھ قابل ذکر ہیں

مخدوم امیر احمد نے یکم محرم الحرام ۱۳۹۱ھجری مطابق ۲۶ فروری ۱۹۷۱عیسوی کو حیدرآباد (سندھ) میں وفات پائی ۔ خاندان مخادیم کہوڑا کے قدیم قبرستان " مخدوم شہیدوں " (واقع کہوڑا تعلقہ گمبٹ (خیرپور میرس) کے عین مقبرہ کے اندر مدفون ہوئے ۔ مخدوم امیر احمد کے بزرگان جو اولیائے کرام میں سے تھے کے مقابر کی اول صف میں قدرتی طور پر مخدوم صاحب کے لئے ان کے پردادا کی قبر کے اندر ان کی تدفین کیلئے ایسی گنجائش نکل آئی کہ اسے اللہ کی شان اور بزرگان دین کی کرامت اور کرشمہ ہی کہا جاسکتا ہے (۶) ۔

مخدوم امیر احمد کے لخت جگر مخدوم غلام احمد نے قطعۂ تاریخ وفات کہا جو مخدوم مرحوم کے لوح مزار پر کندہ ہے ۔ وہ قطعۂ تاریخ یہ ہے

وائے افسوس مخدوم عالی مقام	شد ز دنیا امیر احمد نیک نام
خادم دین حق عاشق مصطفیٰ	حافظ و حاجی و مفتی و مقتدی
بو حنیفہ ز فکرش بعہد سرور	شد ز ہنرم جہان نکتہ دان حضور
نیک دل نائب خاتم المرسلین	کار او بود تجدید و احیائے دین

آن زبان دان جبریل مردِ خدا | رفت زین دہر فانی بسدر البقی[1]
عالم با عمل زیبِ چرخ کبود | بود پابند صوم و رکوع و سجود
لیل اَول ز ماہ محرم حرام | بست رخت سفر با ھمہ اھتمام
سال و صلش چون جستم ندائی آمدہ | گفت ہاتف بخوان " یغفراللہ لہ " ۱۳۹۱ھ
یا الٰہی بحق شہیدان دین | بہرہؑ و رکن ز فیض شہ مرسلین[2]

مخدوم امیر احمد عربی فارسی سندھی اور اردو کے استاد کامل تھے ۔ ان سب زبانوں مین ان کے ارشادات مستند اور قابل عمل مانے جاتے تھے ۔ ان کی زبانون میں ان کی تصنیفات و تالیفات نہ صرف تلامذہ و طلباء کے لئے بلکہ اساتذہ کے لئے بھی مشعل راہ کی حیثیت رکھتی ھیں ۔ سندھ کی قدیم تاریخ و تہذیب سے جیسی واقفیت مخدوم صاحب کو تھی ویسی بہت کم لوگون کو ھے ۔ سندھی ادبی بورڈ کے پہلے اجلاس منعقدہ ۶ اکتوبر ۱۹۵۱ء مین عربی و فارسی زبان مین سندھ کی تواریخ اور ادبیات پر قدیم ذخیرہ کتب کو سندھی اور اردو مین محفوظ کرنے کا پروگرام مرتب ھوا تو یہ اہم کام مخدوم امیر احمد کے سپرد کیا گیا (پیش لفظ تحفتہ الکرام از ڈاکٹر نبی بخش بلوچ) انھون نے نہایت عالمانہ انداز مین کامیابی کے ساتھ حسب ذیل عربی و فارسی کتابون کو سندھی مین منتقل کیا اور یہ کتابین سندھی ادبی بورڈ سے شائع ھوئین ۔

سندھی

(۱) تاریخ معصومی (فارسی) مصنفہ میر معصوم بکھری مطبوعہ ۱۹۵۳ء
(۲) فتح نامہ سندھ عرف چچ نامہ (فارسی) مطبوعہ ۱۹۵۴ء
(۳) تحفتہ الکرام (فارسی) مصنفہ میر علی شیر قانع ٹھٹوی ، مطبوعہ ۱۹۵۷ء

عربی

(۱) بذل القوۃ فی حوادث سنی النبوۃ مطبوعہ سندھی ادبی بورڈ ۱۹۶۶ء
اس کتاب کی تصنیف پر مخدوم صاحب کو سندھ یونیورسٹی کی جانب سے ڈاکٹریٹ (پی ایچ ڈی) کی اعزازی ڈگری دینے کا فیصلہ کیا گیا تھا لیکن ان کی وفات (۱۹۷۱ء) کی وجہ سے اس فیصلہ پر عمل نہ ھوسکا ۔

(۲) حسواء القاری فی شرح البخاری (مخطوطہ) مصنفہ مولانا محمد ھاشم ٹھٹھوی
مخدوم صاحب نے ۱۹۵۲ء مین اس قدیم مخطوطہ کو مقدمہ تصحیح و حواشی کے ساتھ عربی مین ایڈٹ کیا ۔ یہ ھنوز غیر مطبوعہ ھے ۔

اردو

اردو

(۱) مخدوم صاحب نے رسالہ شاہ عبداللطیف بھٹائی کا مکمل منظوم ترجمہ سندھ یونیورسٹی کی فرمائش پر کیا تھا ۔ یہ ترجمہ سلیس اردو نثر میں ہے ساتھ ہی کلام لطیف کا شرح بھی اردو میں شامل ہے ۔ کلام لطیف کا یہ اردو صحیفہ اب تک شائع نہ ہوسکا ۔ اس ترجمہ کا اصل قلمی نسخہ مخدوم صاحب کے فرزند مولانا مخدوم غلام احمد صاحب کے پاس محفوظ ہے ۔

(۲) الـدین الکامل
یہ کتاب ہائی اسکولوں اور کالجوں کے نصاب میں شامل ہے ۔

(۳) سیرت طیبہ

(۴) سرزمین سندھ میں علم حدیث ۔

حافظ مولانا مخدوم امیر احمد کو اردو زبان سے عشق تھا ۔ اردو میں خود گفتگو فرماتے تھے اپنے طلباء اور متعلقین کو اردو میں لکھنے پڑھنے کی تلقین فرماتے تھے ۔ ان کے گھر میں بھی اردو زبان کا رواج ایسا ہی ہے جیسے ہر فرد کی مادری زبان اردو ہو ۔ سندھ اورینٹل کالج میں مخدوم صاحب نے اردو زبان و ادب کی توسیع و اشاعت کیلئے اچھی خاصی فضا پیدا کردی تھی جس تعلیمی و علمی اداروں سے بھی وابستہ رہے وہاں سندھی اور اردو کی ادبی نشستیں اور مشاعرے انھی کی نگرانی و سرپرستی میں منعقد ہوتے اور رسائل و جرائد بھی شائع ہوتے رہتے ۔ خود شاعر نہ تھے لیکن اچھے شاعروں کی بہت قدر کرتے تھے ۔

اورینٹل کالج کے کتب خانے میں مختلف علوم و فنون اور قدیم و جدید کتب کا بہت عمدہ ذخیرہ جمع ہوگیا تھا ۔ اس کتب خانے میں اردو کی پرانی سے پرانی اور نئی سے نئی کتابیں مخدوم صاحب کی سرپرستی میں شامل کی گئی تھیں ۔ راقم کو مخدوم صاحب کی زندگی میں اس کتب خانے سے استفادہ کا شرف حاصل ہے ۔ ان کی یہ خدمات سندھ میں اردو کا عظیم سرمایہ ہیں ۔

مخدوم صاحب نے مختلف کانفرنسوں اور دینی و علمی جلسوں میں جو تقریریں کی مخدوم صاحب کی وہ اردو تقریر بھی نہایت بصیرت افروز اور روح نواز تھی جو انھوں نے بحیثیت صدر یوم غوث الاعظم (منعقدہ ۲۲ اگست ۱۹۶۲ء بمقام کوٹری سندھ زیر اہتمام اردو مجلس) کے موقع پر فرمائی تھی ۔ اس یادگار اجتماع کے جلیل القدر مقررین میں ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خان صدر شعبہ اردو جامعہ سندھ اور مولانا علی اکبر شاہ پرنسپل جامعہ عربیہ بھی شامل تھے ۔ راقم الحروف (معتمد مجلس مذکورہ) نے اسٹیج سکریٹری کے فرائض انجام دیئے تھے ۔ ان کے اکثر مضامین و مقالات اردو کے بعض رسائل مثلاً

چراغ راہ ، لاهور ، المعارف لاهور ، ماہ نو کراچی اور الرحیم حیدرآباد وغیرہ مین شائع هوچکے هین ۔

" سرزمین سندھ مین علم حدیث " اردو مین مولانا مخدوم امیر احمد کی تحقیقی و تاریخی تصنیف هے ۔ مخدوم صاحب نے اس تصنیف کا ایک حصہ مقالہ کی صورت مین کل پاکستان تعلیمات کانفرنس حیدرآباد سندھ منعقدہ جنوری ۱۹۶۳ء مین پڑھا تھا ۔ موصوف اس وقت پرنسپل سندھ اورینٹل کالج کے علاوہ شاہ ولی اللہ اکیڈیمی کے ڈائریکٹر بھی تھے ۔ ابھی یہ تصنیف کتابی شکل مین شائع نہین ہوئی البتہ اس طویل مقالہ کی دو طویل قسطین ماهنامہ الرحیم حیدرآباد (مطبوعہ شاہ ولی اللہ اکیڈیمی) بابت جولائی اور اگست ۱۹۶۳ء کے دو شمارون مین اشاعت پذیر هوچکے هین۔

سرزمین سندھ مین علم حدیث ـــ کے مطالعہ سے اندازہ هوتا هے کہ مولانا مخدوم امیر احمد نہ صرف سندھ کی تاریخ و ثقافت کے موضوع پر بلکہ علم حدیث اور تاریخ اسلام پر اتھارٹی تھے ۔ انھین تذکرہ نویسی کے فن پر کمال تھا ۔ عربی علوم و ادبیات پر عالمانہ بصیرت اور ناقدانہ نظر کے حامل تھے ۔ سرزمین سندھ سے تعلق رکھنے اور مادری زبان سندھی هونے کے باوجود جس طرح سلیس اور صاف اردو مین گفتگو فرماتے تھے اسی طرح لکھتے بھی تھے ۔ ان کا یہ انداز یہ رنگ ان کے زیر بحث مقالہ مین بڑی طرح نمایان هے ۔ عربی الفاظ و محاورات ، قرآنی آیات و تلمیحات کا استعمال اس خوش اسلوبی سے کیا هے کہ زبان و بیان کی روانی و شگفتگی مین کوئی فرق نہین آیا ۔ اسلوب سادہ اور عام فہم هونے کے باوصف علمیت و افادیت کی خوشبو سے قارئین کی روح و طبع مسرور و معطر هوجاتی هے ۔

مخدوم صاحب کی اردو نثر کے نمونہ کے طور پر " سرزمین سندھ مین علم حدیث " کسے کچھ اقتباسات پیش کئے جاتے هین :

" سردست هماری بحث صرف علم حدیث سے هے ۔ عام طور پر یہی کہا جاتا هے کہ هندوستان مین علم حدیث کی اشاعت شیخ عبدالحق محدث دهلوی کے سر هے اور ان کے بعد شاہ ولی اللہ دهلوی کے سر هے لیکن حقیقت اسکے خلاف هے ۔ سندھی علماء ان دونون بزرگون سسے پہلے اور بہت پہلے علم حدیث کی طرف متوجہ هوچکے تھے اور وہ اسؔ کی تعلیم و تربیت کا سلسلہ شروع کرچکے تھے ۔

تاریخی حقائق کو سامنے رکھتے ہوئے هم سندھی محدثین کے چار درجے مقرر کرسکتے هین

(۱) وہ محدثین جو نسلاً سندھی تھے لیکن ان کی ولادت ان کی نشو و نما اور ان کی تعلیم و تربیت عرب مین هوئی وہ عرب مین رهے اور عرب مین فوت هوئے ۔

(۲) وہ جو نسلاً عرب تھے ان کی ولادت ، نشو و نما ، تعلیم و تربیت سب عرب میں ہوئی لیکن وہ ہجرت کرکے سندھ میں آئے اور سندھ کے ہو رہے ۔

(۳) وہ جو سندھ میں پیدا ہوئے اور سندھ میں تعلیم پاکر بعد میں دیار عرب کو ہجرت کرگئے اور وہاں وفات پائی ۔

(۴) وہ جو سندھ میں پیدا ہوئے ان کی تعلیم و تربیت سندھ میں ہوئی اور سندھ میں فوت ہوئے ....

اب ان بزرگوں کا ذکر کیا جاتا ہے جو سندھ میں پیدا ہوئے اور اس ملک میں ان کی تعلیم و تربیت ہوئی بعد میں وہ عرب یا دوسرے اسلامی ملکوں کی طرف ہجرت کرگئے ۔ اس سلسلے میں سب سے اول دیبل اور منصورہ کے مندرجہ ذیل علماء قابل ذکر ہیں ۔

(۱) خلف بن محمد موازنی دیبلی سندھی

دیبل میں پیدا ہوئے اور وہیں کے مشہور عالم علی بن موسیٰ دیبلی سے تعلیم پائی ۔ پھر بغداد چلے گئے اور وہاں سکونت اختیار کی ۔ حدیث کی روایت اپنے استاد علی بن موسیٰ سے کرتے تھے ۔ خطیب بغدادی نے ان کی ایک حدیث " کلام اہل السموات لاحول ولاقوۃ الاباللہ " تاریخ بغداد میں روایت کی ہے (۱) ۔

(۲) ابو جعفر محمد بن ابراہیم بن عبداللہ دیبلی سندھی

آپ عراق میں رہتے تھے ۔ ابو عبیداللہ سعید بن عبدالرحمٰن مخزومی سے ابن عیینہ کی کتاب التفسیر اور ابو عبداللہ حسین بن الحسین سے ابن مبارک کی کتاب البر و الصلہ روایت کرتے تھے ۔ عبدالحمید بن صبیح ، ابو الحسن احمد بن ابراہیم بن خراس مکی ، ابو بکر محمد بن ابراہیم بن علی بن المقری ان کے شاگردوں میں سے تھے (۲) ۔

(۳) ابو العباس احمد بن عبداللہ بن سعید دیبلی سندھی

آپ بڑے عابد و زاہد تھے علم حاصل کرنے کیلئے کافی سفر کیا تھا ۔ بصرہ میں قاضی ابو خلیفہ ، بغداد میں جعفر بن محمد الفریابی ، مکہ شریف میں فضل بن محمد جندی اور محمد بن ابراہیم دیبلی ، مصر میں علی بن عبدالرحمن و محمد بن سنان ، دمشق میں ابوالحسن احمد بن صیفہ ، بیروت میں ابو عبدالرحمن مکحول ، عسکری میں مکرم عبدان بن احمد اطافقاور ، نیشاپور میں ابوبکر محمد اسحاق بن خزیمہ سے حدیث سنی تھی ، حاکم ان سے حدیث روایت کرتے تھے ۔ ان کی وفات نیشاپور میں رجب ۳۴۳ ھ میں ہوئی

---

(۱) تاریخ بغداد الخطیب ، ج ۸ ، ص ۳۳۳ کتاب الانساب للسمانی ورق ۲۳۲ ۔
(۲) کتاب الانساب للسمانی ورق ۲۳۲ ۔

(۴) احمد بن محمد قاضی منصوری سندھی

عراق اور فارس میں سکونت رکھتے تھے ابو العباس کہتے تھے ۔ فارس میں ابوالعباس اشرم اور بصرہ میں ابو روق ھروی اور ان کے طبقے کے لوگوں سے حدیث سنی تھی ۔ حاکم ان کے شاگرد تھے ان کا کہنا ہے کہ ان سے زیادہ خوش طبع میں نے کوئی عالم نہیں دیکھا ۔

(۵) قاضی عبداللہ بن قاضی ابراہیم دیبلی سندھی

یہ ایک بڑے عالم اور متقی بزرگ تھے ۔ انھوں نے مخدوم عبدالعزیز ابہری ھروی سے فضل و کمال حاصل کیا تھا ۔ ان کا مزاج تند تھا ۔ ابتدا میں اپنے پرانے وطن دربیلہ (ضلع نواب شاہ) میں رہتے تھے لیکن جب شاہ بیگ نے سندھ فتح کرلیا تو کچھ عرصہ وہ باغبان اور روات میں بھی جاکر رہے تھے ۔ ۹۳۲ھ میں وہ سندھ سے گجرات چلے گئے پھر وہاں سے مدینہ منورہ جاکر رہنے لگے اور وہیں انتقال کرگئے ۔ تاریخ وفات کی تحقیق نہ ہوسکی (۱) ۔

(۶) شیخ رحمت اللہ بن قاضی عبداللہ دربیلوی ثم مدنی سندھی

شیخ رحمت اللہ بن قاضی اپنے زمانے میں محدث بے مثل اور فقہ میں یگانہ تھے ۔ احکام حج پر انھوں نے تین رسالے لکھے جن میں سے " منسک المتوسط " ترکستان میں آج تک رائج ہے اور ملا علی قاری جیسے علامۂ وقت نے اس کی شرح لکھی ہے (۲) ۔

آپ بھی اپنے والد کی تقلید کرکے مدینہ شریف ھجرت کرگئے اور آخر عمر تک وہیں رہے ۔ ۱۲ محرم ۹۹۲ھ کو مکہ شریف میں واصل بحق ہوگئے تاریخ وفات "رحمتہ اللہ قد نال مرادہ" سے نکالی گئی روایت ہے کہ جب لوگ آپکی تدفین سے فارغ ہوئے اس وقت بارش ہوئی ۔

شیخ عبداللطیف مکی معروف بہ مخدومزادہ نے شیخ رحمتہ اللہ کی وفات پر ایک مرثیہ لکھا جسکے ایک بیت میں اس واقعہ کی طرف اشارہ کیا ہے چنانچہ فرمایا ہے

رحمتہ اللہ باکیا و الغماء　　رحمتہ اللہ لاتفاوق مشوی (۳)

حضرت مجدد الف ثانی فرماتے ہیں کہ آپ کو "شیخ الحرمین" کے لقب سے یاد کیا جاتا تھا ۔ (۴) (سرزمین سندھ میں علم حدیث ، قلمی ص ۱ ، ۲ ، ۶ ، ۷ ، ۸ مولانا مخدوم امیر احمد نے اپنی اس تصنیف کا ایک قلمی نسخہ اپنے دست مبارک سے راقم الحروف کو اگست ۱۹۶۳ء میں عطا فرمایا تھا)

---

(۱) تاریخ معصومی اردو ترجمہ ص ۲۲۸ ، ۲۷۹

(۲) ایضاً ، ص ۲۷۹

(۳) ایضاً ، ص ۸۰ ، ۲۸۱

(۴) انوار السافر ، ص ۳۵۷

حاشیے
(مخدوم امیر احمد)

(۱) خانوادہ مخدوم

مخدوم ذات نہیں ، لقب ہے ۔ یہ لفظ دراصل " مخدوم الملک " کا مخفف ہے ۔ خانوادہ مخدوم کے لوگ سندھ کے متعدد مقامات مثلاً ہالہ ، پاٹ ، سیوہن ، روہڑی ، بوبک ، محمد پور ، ٹھٹھ اور کھوڑا وغیرہ میں سکونت پذیر ہیں اور یہ لوگ مختلف ذاتوں میں بٹے ہوئے ہیں ۔ مخدوم عبدالروف ہالہ قدیم کے ذات کے بھٹی ، مخدوم عبدالرحیم گرھوڑی ذات کے منگریہ ، مخدوم بلاول (بوبک والے) ذات کے سمہ ، ہالہ (جدید) اور پاٹ کے مخدوم صاحبان ذات کے صدیق ہیں ۔ کھوڑا کے مخدوم ہاشمی و مطلبی ہیں اور مخدوم محمد ہاشم ٹھٹھوی ذات کے پتوھر تھے ۔

کسی زمانہ میں ٹھٹھ کے یہ چار مخدوم خاندان علم و عرفان اور تصوف و شریعت میں امتیازی حیثیت رکھتے تھے ۔

۱۔ مخدوم ابوالقاسم نقشبندی کا خاندان جو نقشبندی طریقت کا مبلغ تھا ۔

۲۔ علامہ مخدوم محمد ہاشم ٹھٹھوی جن کی ذات بابرکات پورے سندھ کیلئے مرجع خلائق تھی ۔

۳۔ میر احسن اللہ اور میر نظر علی نے رشد و ہدایت سے ایک خلق کی خدمت کی ۔

۴۔ مخدوم ابراھیم خلیل نقشبندی کا خاندان علوم معقول و منقول اور تصوف و طریقت میں یگانہ تھا۔

خاندانِ مخادیم کے تذکرے حسب ذیل تذکروں میں موجود ہیں

۱۔ تاریخ تحفۃ الکرام　۲۔ بذل القوۃ فی حوادث سنی النبوۃ "

مولفہ علامہ مخدوم محمد ہاشم ٹھٹھوی (عربی)

۳۔ پیغام شاہ از جی ایم سید

۴۔ تاریخ سندھ (حصۂ ششم عہد کلہوڑہ) از مولانا غلام رسول مہر

۵۔ تذکرہ مخادیم کھوڑا (قلمی) مولفہ مخدوم اللہ بخش عاصی کھوڑوی

مملوکہ سندھ یونیورسٹی لائبریری ۔

(۲) کھوڑا

(کھوڑا) تعلقہ گمبٹ ریاست خیر پور میرس کا ایک قصبہ ہے ۔ کھوڑا اس قبیلہ کا نام ہے جس نے اس قصبہ کو پہلے پہل گاوں کی شکل میں بسایا اور خود بھی اس میں آباد ہوا ۔ اس قبیلہ کی مناسبت سے اس گاوں کا نام کھوڑا پڑگیا ۔ تحریک پاکستان کے مشہور رہنما قائد اعظم کے رفیق کار سندھ کے عظیم سیاست دان محمد ایوب کھوڑو بھی اسی قبیلے اور اسی قصبے سے تعلق رکھتے تھے ۔

(۳) مخدوم اللہ بخش عاصی

مخدوم عطا محمد معروف بہ مخدوم اللہ بخش عاصی کھہڑی (المتوفی ۲ رجب ۱۳۳۵ ھ) کھوڑا (ریاست خیرپور) کے مشہور ولی اللہ مخدوم عبدالرحمن[1] شہید کی اولاد میں سے تھے ۔ اس خاندان کا علمی و روحانی فیضان پورے سندھ میں آج تک جاری و ساری ہے ۔ مخدوم اللہ بخش کے والد ماجد مخدوم محمد عاقل کئی علمی و دینی کتابوں کے مصنف تھے جن میں تاریخ عالم موسوم بہ "آئینہ جہاں نما" ریاض محفل ، تفسیر پارہ عم اور مسائل فقہ حنفی وغیرہ قابل ذکر ہیں ۔

مخدوم اللہ بخش عاصی ریاست خیر پور میرس کے نامور عالم تھے ۔ علمی ادبی و قانونی اعتبار سے ایک خاص مرتبہ کے حامل تھے ۔ وہ ایک باکمال انشاء پرداز ، بلند پایہ مقرر و خطیب بھی تھے ۔ مسجدوں اور علمی مجلسوں میں ان کی تقاریر اور خطبات پُر تاثیر اور مسحورکن ہوتے تھے ۔

عربی فارسی انگریزی سندھی اور اردو زبانوں پر پورا پورا عبور رکھتے تھے ۔ ان سب زبانوں میں ان کی تحریریں ملتی ہیں ۔ تفسیر ، حدیث ، فقہ اور دیگر علمی و دینی مباحث پر ان کی متعدد تصنیفات و تالیفات موجود ہیں ۔ چند کے نام یہ ہیں ۔

۱۔ تفسیر تسہیل القرآن (سندھی)
۲۔ رسول اللہ کا علم غیب (سندھی)
۳۔ ایسا غوجی ، منطق (فارسی)
۴۔ تذکرہ مخادیم کھوڑا (فارسی)

مخدوم عربی فارسی سندھی اور اردو کے قادر الکلام شاعر اور ادیب تھے ۔ عاصی تخلص کرتے تھے نعت اور غزل میں کمال رکھتے تھے ۔ مخدوم عاصی کی ایک معرکہ آرا نعت اس خصوصیت کی بناء پر مشہور ہے کہ یہ بیک وقت چار زبانوں میں کہی گئی ہے ۔ چار مصرعوں کا پہلا مصرعہ فارسی میں دوسرا سندھی تیسرا اردو اور چوتھا عربی میں ہے ۔ نعت گوئی کا یہ منفرد انداز عاصی کی شاعرانہ عظمت کا ایک نمونہ ہے ۔ چند بند نذر قارئین ہیں ۔

۱۔ تو براوج فلک چو گذشتی شہا
سب چوں ملائک خلِ علی
کیا خوب چلے ہیں محبوب خدا
من مک الی الملاء الاعلی

۲۔ ز صفائی جبین خورشید خجل
رخ روشن تاں قربان قمر
تیری زلف سیہ کا بیان ہے مگر
و اللّیل اذا یغشی اکملہ / سلطانی

۳۔ تو ناز و ادا ہوی دلہا
کیا ملکِ فلک توتی شیدا
اے شاہ رسل ، سالار جہاں
لِمَ لا تنطق یا اسفا

۵- بکشائی ز چہرہ حجاب بہا — ای صبح سحاب محض بہکا
یہ جہان ہے تیرا مشتاقِ لقا — قد قام علی الباب العظمیٰ

۶- بہ شفاعت امت لب کشا — اب خاص رکھی آہی تشفعی رضا
میں ہوں سائل عاصی در کا گدا — متوسل سیدنا تک العلیا

مخدوم اللہ بخش عاصی کی کہانی ان کے بھانجے مخدوم امیر احمد کی زبانی جسے عاصی کے نواسے مخدوم غلام احمد نے روایت کی)

(۳) مولانا محمد ہاشم اصاری

مولانا محمد حسن جوہی (تلمیذ مولانا عبدالرحمنؒ ڈہراھی تلمیذ مولانا دلر محمد کے شاگرد تھے - (مہران سوانح نمبر ص ۲۳۵)

مولانا محمد ہاشم اصاری کے اعلیٰ استاد انہ مقام کی شہرت دور دور تک تھی - ان کے شاگردوں میں سندھ کے سیکڑوں علماء و اساتذہ شامل ہیں جن میں اس وقت صرف مولانا عبداللہ اصاری ہم سبق و ہم جماعت مخدوم امیر احمد مقیم ماتلی ضلع حیدرآباد بقید حیات ہیں -

مولانا محمد ہاشم اصاری اپنے لائق شاگرد مخدوم امیر احمد سے بیحد شفقت فرماتے تھے مخدوم صاحب نے بھی اپنے استاد کی بافیض صحبت اور ان کی خدمت میں اپنے آپ کو فنا کردیا -

تحریک خلافت کا دور تھا - مخدوم امیر احمد کے دوران تعلیم ایک المناک واقعہ پیش آیا کہ ذاتی اختلافات کی وجہ سے مخادیم کھوڑا کے سجادہ نشین مخدوم شفیع محمد نے اپنے اثر و رسوخ سے مولانا محمد ہاشم اصاری کو ریاست بدر کرادیا لیکن مولانا ہاشمؒ اپنے پیارے شاگرد کو اپنے ساتھ ساتھ رکھا اور مصائب و آلام کے زمانے میں بھی انہیں فارغ التحصیل کراکے چھوڑا - مخدوم شفیع محمد ، مخدوم امیر احمد کے پھوپھی زاد بھائی تھے لیکن اسکے باوجود ان کو مولانا ہاشم اصاری سے مخدوم صاحب کی رفاقت اور ان سے تحصیل علم انہیں پسند نہ تھی اسلئے انہوں نے ایسے حالات پیدا کردیئے کہ مخدوم صاحب کو اپنے استاد مولانا ہاشم اصاری کے ریاست بدر ہونے کے ساتھ ساتھ انہیں بھی اپنا آبائی وطن کھوڑا کو چھوڑنا پڑا اور نوشہرہ فیروز (ضلع نواب شاہ) میں رہائش اختیار کرنی پڑی -

(سوانح مخدوم امیر احمد (قلمی) از مخدوم غلام احمد)

(۵) ڈاکٹر نبی بخش خان بلوچ

سندھ کے نامور اسکالر اور دانشور ھیں ۔ ان کا بیان ھے " یہ ھماری خوش قسمتی ھے کہ مخدوم امیر احمد جیسے استاد سے ھمیں فیض حاصل کرنے کا موقع ملا ۔ انھوں نے ھم طالب علموں میں عربی پڑھنے لکھنے کا خاص ذوق پیدا کیا ۔ یہ انھیں کا فیض تھا کہ راقم نے ایم ۔ اے تک عربی تعلیم میں خاص دلچسپی لی " ۔ (مہران سوانح نمبر ، ص ۲۲۵)

(۶) مخدوم امیر احمد کی تدفین

انکی تدفین کی داستان کا تعلق بزرگان دین کے کرشمہ و کرامت سے ھے جس کی تفصیل کا یہ موقع نہیں ۔ مخدوم امیر احمد کے صاحبزادے مخدوم غلام احمد نے مخدوم صاحب کے جو سوانح حیات لکھے ھیں ان میں مخدوم صاحب کی تدفین کی تفصیلات شامل ھیں ۔ مخدوم غلام احمد صاحب کی عنایت سے " سوانح مخدوم امیر احمد " کا ایک قلمی نسخہ راقم کے کتب خانہ میں محفوظ ھے ۔

حافظ محمد هاشم جان سرهندی

۱۳۲۲ — ۱۳۹۵ ھ
۱۹۰۲ — ۱۹۷۵ ء

الحاج حکیم مولانا حافظ محمد هاشم جان مجددی سرهندی نقشبندی سندھ کے مشهور عالم دین ، خطیب ، مقرر ، حکیم حاذق اور صوفی صادق تھے ۔ وادی مهران کے شهرۂ آفاق علمی و روحانی سرهندی خاندان سے تعلق رکھتے تھے ۔ حضرت خواجة صفی الله (۱) کابلی مخدوم ابراهیم قدس سرہ (المتوفی ۱۲۱۲ ھ ۔ مونس المخلصین ص ۱۱) ان کے اسلاف میں پهلے بزرگ تھے جن سے مخدوم عبدالواحد سیوستانی صاحب البیاض ، مخدوم ابراهیم ٹھٹھی اور مخدوم محمد هاشم کے پوتے نے روحانی فیض اور خرقہ و خلافت حاصل کیا ۔

محمد هاشم جان افغانستان کے دوسرے عارف کامل خواجه عبدالرحمٰن افغان کے پوتے اور حضرت خواجة حافظ محمد حسن جان سرهندی فاروقی (۲) کے تیسرے صاحبزادے تھے ۔

هاشم جان کی پیدائش ان کے آبائی قصبه ٹنڈو سائیں داد (ضلع حیدرآباد) میں ۱۳۲۲ ھ میں هوئی ۔ ان کے عامل و کامل باپ نے اپنی دیگر اولاد کی طرح هاشم جان کی تعلیم و تربیت پر خاص توجه دی ۔ عربی و فارسی کی ابتدائی تعلیم کے بعد حفظ قرآن شریف کے لئے حافظ احمد مادھیجی قاری کو مقرر کیا ۔ تیرہ سال کی عمر میں حفظ قرآن حکیم کی سعادت حاصل کی ۔ بقول حکیم عبدالعزیز سرهندی اسدالله شاہ ٹکھڑائی نے " حافظ هاشم " (۳) سے حفظ قرآن کا مادہ تاریخ نکالا ۔
۱۳۲۵ھ

---

(۱) مولانا غلام مصطفی قاسمی ایک جگه تحریر فرماتے هیں :
" میاں عبدالغنی کلهوڑا کی خواجة صفی الله صاحب نے تیمور شاہ کے دربار افغانستان میں سفارش کی تھی اور تالپور حکمرانوں کے خلاف مهم شروع هونے والی تھی که مرحوم قیصر خان نظامانی میر صاحبان کی طرف سے وفد لیکر کابل پهنچے اور خواجه صاحب کو راضی کردیا جس سے یه حمله دفع هوگیا ۔ خواجة صفی الله صاحب اپنے مخلص مریدوں کے ساتھ سندھ تشریف لائے اور مرحوم قیصر خان نظامانی نے آپکے سفر حج کیلئے بڑی رقم نذر کی اور خواجه صاحب عازم حرمین هوئے لیکن راسته میں هی حدید بندر میں آپکا انتقال هوگیا" (شذرات الولی اگست ۷۵ء ، ص ۳)

(۲) خواجه حسن جان کے چار فرزند هیں = (۱) عبدالله جان شاہ آغا (جن کا تذکرہ زیر نظر باب کے گذشته صفحات میں آچکا هے) (۲) حاجی عبدالستار جان (۳) حافظ هاشم جان (۴) محمد حمید جان ۔ ان چاروں بھائیوں نے اپنے نامور صاحب فضل و کمال والد کے زیر نگرانی تعلیم و تربیت پائی اور علم و ادب و طریقت کی دنیا میں مقام حاصل کیا ۔

(۳) فائق هلیا فردوس میں (سندھی) از حکیم عبدالعزیز سرهندی ، ص ۲۸

حافظ قرآن ہونے کے بعد عربی و فارسی کی مزید تعلیم مدرسہ ٹنڈو سائیں داد میں حاصل کی لیکن ان علوم کی تکمیل کیلئے ان کے والد نے انہیں اجمیر شریف (بھارت) بھیجدیا جہاں ہاشم جان نے مولانا معین الدین اجمیری (۱) کے مدرسہ معینیہ سے درس نظامی کی تحصیل اور سند حاصل کی - پھر مولانا معین الدین کے بھائی شفاء الملک حکیم نظام الدین سے فن طب و طریق علاج میں سند لی (۲) - جب سند یافتہ ہوکر ٹنڈو سائیں داد واپس آئے تو تقریب دستار بندی بڑے اہتمام سے منائی گئی جس میں ہندوستان کے متعدد علماء و مشائخ نے شرکت کی -

مولانا محمد ہاشم جان کتابوں کے رسیا تھے - مختلف علوم و فنون پر کتب کا جمع کرنا اور ان کا مطالعہ کرنا ، ان کا سب سے دلچسپ مشغلہ تھا - ان کے کتب خانے میں نوادرات و مخطوطات کا عمدہ ذخیرہ موجود تھا - ٹنڈو سائیں داد کے علاوہ کوئٹہ اور کراچی میں بھی ان کا قیام رہتا تھا ان تینوں مقامات میں ان کے کتب خانے تھے لیکن آخر وقت میں کراچی میں سکونت اختیار کی اور وہیں ان کا انتقال ہوا - سرہندیوں کے خاندانی قبرستان میں مدفون ہوئے جو گنجو اسٹیشن سے متصل ٹھٹھ (ضلع حیدرآباد) سے دو میل کے فاصلے پر واقع ہے -

حیدرآباد کے معروف شیخ طریقت اور ماہر تاریخ گو حکیم مولانا سید شاہ اکرام حسین سیکری نے مختلف انداز سے سال وفات کی تاریخیں کہی ہیں :

سندھ کے مشہور روحانی پیشوا حضرت پیر ہاشم جان سرہندی مجددی

تاریخ وصال - ۲۱ رمضان المبارک ۱۳۹۵ ھ مطابق ۲۸ ستمبر ۱۹۷۵ء

سال وصال صاحب کل جناب پیر ہاشم جان سرہندی

۱۳ ھ ۹۵

سال وفات فقیر نواز پیر ہاشم جان سرہندی

۱۹ ء ۷۵

---

(۱) مولانا معین الدین برصغیر کے بہت بڑے متبحر عالم تھے - انکا مدرسہ معینیہ ہندوستان کے چند بڑے مدارس میں سے ایک تھا جو درس نظامیہ اور علوم عربیہ کے مراکز سمجھے جاتے تھے - مولانا نے ہند کی تحریک آزادی میں علمائے دیوبند اور دھلی کے دوش بدوش کام کیا - کئی بار اسیر فرنگ بھی رہے لیکن ان کی استقامت میں کبھی فرق نہ آیا - مولانا ہاشم جان کی ذہانت و طبیعت کی تعریف کیا کرتے تھے - زندان فرنگ سے بھی انہیں خط لکھا کرتے تھے - (روایت مولانا قاسم)

(۲) مونس المخلصین (فارسی) مولانا عبداللہ جان شاہ آغا سرہندی ، ص ۲۳۲-۲۳۳

۳

مولانا حافظ محمد ہاشم جان سرہندی کے خطبات اور تقاریر بڑی عالمانہ و فاضلانہ ہوتی تھی اگر ان سب کو یکجا جمع کیا جائے تو علم و ادب میں قابل قدر اضافہ ہوسکتا ہے ۔ افسوس ہے کہ یہ چیزیں محفوظ نہ ہوسکیں ۔

مولانا ہاشم جان کی شخصیت پر کشش و پروقار تھی ۔ ان کی گفتگو دلنواز اور تقریر روح پرور ہوتی تھی ۔ طبیعت میں حلیم و سادگی تھی تحریر و تقریر میں فصاحت و بلاغت کے ساتھ ساتھ روانی و برجستگی تھی ۔ اردو میں ان کی کوئی مستقل تصنیف نہیں ملتی ۔ البتہ ان کی تالیف ، تراجم ، تقاریظ ، مقدمات اور دیباچوں کا سراغ مختلف کتابوں سے ملتا ہے ۔ چند کی صراحت حسب ذیل ہے ۔

(۱) تالیف ــــ معین المنطق (مطبوعہ)

ہاشم جان کے استاذی معظم مولانا معین الدین اجمیری نے اپنی اسیری کے زمانے میں قطبی پر اردو میں شرح لکھی تھی ۔ اسکے کچھ اسباق مولانا نے اپنے شاگرد رشید ہاشم جان کو قید فرنگ سے لکھکر بھیجے تھے ۔ یہ شرح تصورات کا حصہ ہے جسے ہاشم جان نے کراچی سے "معین المنطق" (۱) کے نام سے مرتب کرکے شائع کرایا تھا اور مولانا نے اسے پسند فرمایا تھا ۔

(۲) ترجمہ ــــ رسالہ فقہ العقائد الصحیحۃ فی تردید الوہابیۃ النجدیۃ

مطبوعہ الفقیہ پرنٹنگ پریس امرتسر زیر اہتمام حکیم معراج الدین احمد نقشبندی مدیر اخبار الفقیہ ۔ ۱۳۴۰ ھ (۱۹۲۱ء)

مولانا ہاشم جان کے پدر بزرگوار حضرت حافظ خواجہ محمد حسن جان سرہندی نہ صرف ایک عظیم المرتبت روحانی بزرگ تھے بلکہ عربی کے بھی بہت بڑے عالم تھے ۔ ان کی عربی و فارسی میں کئی کتابیں بڑے پائے کی ہیں ۔ ان میں سے دو کتابیں العقائد الصحیحہ اور طریق النجات ایسی تصانیف ہیں جن کے اردو ترجمے مولانا ہاشم نے کئے ہیں ۔

العقائد الصحیحۃ کے سرورق پر ناشر نے جو الفاظ لکھے ہیں ان سے مصنف باپ اور مترجم بیٹے کے علمی و مذہبی مرتبہ اور کتاب کے موضوع کی اہمیت و افادیت کا بخوبی اندازہ کیا جاسکتا ہے :

> " حضرت مولانا مرشدنا خواجہ حاجی حافظ محمد حسن صاحب مجددی نے العقائد الصحیحۃ مع اردو ترجمہ تصنیف فرماکر امت محمدیہ پر کمال احسان کیا ہے تاکہ اہل ایمان اس کو اول سے آخر تک کمال تدبر و تفکر سے سمجھکر یا کسی سے سن کر اپنے عقائد اسلامیہ کو صحیح اور سلامت رکھ سکیں " ۔

---

(۱) راقم نے معین المنطق کا ایک نسخہ حیدرآباد کے ایک معمر صاحب علم و صاحب ذوق اور ماہر تاریخ گو حکیم مرزا عزیز الرحمن صاحب کے پاس دیکھا ہے ۔

اس کتاب میں قرآن و حدیث کی روشنی میں مضبوط دلائل و شواہد کے حوالے سے یہ ثابت کیا گیا ہے کہ اہل سنت و الجماعت کے عقائد وہابی عقائد کی ضد ہیں ۔ ہر مسلمان کو وہابیوں کی بدعت اور گمراہ کن اعتقاد سے بچنا چاہئے۔ اصل کتاب عربی میں ہے اسکا اردو ترجمہ ہر صفحے کے اصل متن کے بالمقابل ہے۔

(۳) ترجمہ — طریق النجات — ڈیمی سائز ۔ ضخامت ۲۵۳ صفحات

طریق النجات (۱) مع اردو ترجمہ پہلی بار ۱۹۷۸ء میں استنبول ترکی میں حسین حلمی بن سعید استنبولی کے زیر اہتمام طبع ہوکر شائع ہوئی ۔

یہ کتاب بھی خواجہ محمد حسن جان کی معرکۃ آرا تصنیف ہے جسکا اردو ترجمہ انکے لائق فرزند ہاشم جان سرہندی نے کیا ہے ۔ یہ کتاب بھی العقائد الصحیحۃ کی طرح مسلمانوں کی اصلاح اور فلاح و بہبود کی غرض سے تصنیف کی گئی ہے ۔ قرآن حکیم اور حدیث نبوی کی فلسفہ و حکمت کے علاوہ انبیائے کرام کی عملی زندگی اور خصائص و حقائق کو بیان کیا ہے ۔ ساتھ ہی ان امور و عوامل پر بھی بحث کی ہے جو مسلم قوم کے تنزل کے اسباب بنے ۔ پھر اسلام و اسلاف کی ان عظمتوں کا ذکر بھی کیا ہے جن کو از سر نو اپنایا جائے تو مسلمانوں کو پستی و زوال کی لعنتوں سے نجات مل سکتی ہے ۔

طریق النجات کا اردو ترجمہ اور اس کتاب کا مقدمہ بعنوان " عرض مترجم " بہت زوردار اور جاندار ہے ۔ اس مقدمہ سے تصنیف و ترجمہ کے مقصد و ماہیت پر بھی روشنی پڑتی ہے ۔ نہ صرف یہ بلکہ اردو میں فاضل مترجم مولانا ہاشم جان کے قومی و ملی جذبات و خیالات ، علمی و دینی رجحانات کی عکاسی بھی ہوتی ہے یہ مقدمہ بجائے خود ایک مستقل پر مغز مقالہ کی حیثیت رکھتا ہے جو بصیرت افروز بھی ہے فکر انگیز بھی ۔ مولانا کی یہ تحریر ان کی اردو میں نثر نگاری کی ایک بہترین مثال ہے اس سے انکی طرز تحریر کا بھی اندازہ ہوتا ہے۔ انداز بیان حکیمانہ، خطیبانہ اور عالمانہ ہے زبان فصیح و بلیغ ہوتے ہوئے بھی سلیس اور شستہ ہے ۔ اسلوب میں سادگی بھی ہے اور اثر پذیری بھی ۔ بطور نمونہ تحریر " عرض مترجم " کا ایک اقتباس نذر قارئین ہے :

> " ناظرین محترم ! مسلمانوں پر ادبار اور پستی کا جو ہلاکت آفرین دور آجکل گزررہا ہے اس کی تباہی و بربادی کا حوصلہ شکن احساس کچھ اہل نظر حضرات ہی بہتر کرسکتے ہیں بلحاظ تعداد افراد چاہے مسلمانوں کی کچھ ترقی ہورہی ہو لیکن اس واضح حقیقت سے کوئی انکار نہیں کرسکتا کہ بحیثیت قوم و ملت مسلمان تنزل کے تاریک گڑھے میں گرے جارہے ہیں معاش اور معاد کے جتنے صیغے اور سلسلے ہیں سب میں وہ اوج کمال سے حضیض زوال کی طرف اپنی ہی بدکرداری اور بد دماغی کیوجہسے حرکت کرتے ہوئے دیکھے جاتے ہیں۔ ایک صاحب بصیرت تنزل کی اس زہریلی ہوا کو پھیلتے ہوئے دیکھکر پیشگوئی کرسکتا ہے کہ اگر حفاظت الٰہی کا تریاق نہ ہوتا تو یقیناً

---

(۱) العقائد الصحیحہ اور طریق النجات، کے وہ نسخے جو ترکی میں شائع ہوئے برادرم احمد شیخ ناشر نہب ادبی مرکز حیدرآباد (سندھ) کی کوششوں سے مولانا کے توسط سے راقم کو حاصل ہوسکے ہیں جن کے لئے راقم ان دونوں علم دوست دوستوں کا دلی شکر گزار ہے ۔

مسلمان آج سے بہت پہلے عرصۂ حیات کو طے کئے ہوئے دیکھے جاتے ...

....

تجربہ کار نباضوں نے جن کی معاملہ فہم نظر مرض کی تہہ تک پہونچگئی ہے معاملہ کی نزاکت کو ملحوظ رکھتے ہوئے تہیہ کرلیا اور فیصلہ فرما دیا کہ اس حالت میں کیوں پھر اس اکسیری نسخے کو نہ آزمایا جائے جس نے صاحب فراش مریض عرب کو ایک آن میں اس قدر طاقتور جوانمرد بنادیا تھا کہ سارے عالم کے رستموں کو اس نے گرد کردیا - وہ نسخہ کوئی صدری اور پوشیدہ نسخہ نہیں - وہ نسخہ وہی ہے جسکو طبیب کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے صفحۂ دھر پر دنیا کے سب سے زیادہ مقبول نسخے (قرآن) کی صورت میں چھوڑا ہے - اس نسخے کے اسرار سمجھانے والے بھی دنیا میں اپنے اپنے مذاق اور استعداد کے موافق مختلف پیدا ہوئے یعنی بعض نے اسکو فلسفیانہ رنگ میں پیش کیا اور بعض نے اسکو مادیات کی ایک کتاب جانا اور بعض نے اسکو محض روحانیت ہی کا معلم سمجھا - لیکن افسوس کہ یہتیر بہدف نسخہ ان سب صورتوں میں نہ کچھ ایسا زیادہ موثر اور نہ ایسا کایا پلٹ ثابت ہوا جیسا کہ پہلے پہل اسکے بنانیوالے کالی کملیا والے حکیم صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک ہاتھ پر اکسیر بنا تھا -

اب جبکہ مریض قوم کی حالت قریب الموت تھی تو حق سبحانہ و تعالی نے اپنے عہد کو پورا کرنے کیلئے اسی نسخۂ حیات بخش و جانفزا کی ترکیب و ترتیب کیلئے اپنے بندوں میں سے (حضرت) مصنف کتاب " طریق النجات " کا شرح صدر فرمایا - جنھوں نے اسکے اسرار و رموز کو نہایت سہل طریقہ پر اسی زبان میں کھول دیا اور مسلمانوں کے سامنے وہ نسخہ اصل صورت میں لاکر ایسا روشن لائحۂ عمل پیش کیا ہے جسکو دستور العمل بنانے کے بعد معاش اور معاد کے سب شعبے ایسے ہی مکمل اور اعلیٰ ہوسکتے ہیں جیسے کہ اسکو پہلی بار آزمانے کےزمانے (خیر القرون) میں شاندار اور بلند پایہ ہوئے تھے -

مجھ جیسے بے مایہ کو انھیں کا ارشاد ہوا کہ اسکا ترجمہ سلیس اردو میں ہوجائے - چنانچہ میں نے ارشاد کی تعمیل کو سعادت دارین سمجھکر اپنی بساط کے موافق اسکام کو ختم کیا ہے اور جو کچھ مجھ سے

بن پڑا ہے ناظرین کے سامنے ہے ۔ اس سہل و ممتنع کام کی الجھنون اور دشواریون کا کچھ وہی حضرات بخوبی اندازہ کرسکتے ہین جن کو کبھی عربی سے اردو ترجمہ کرنے کا اتفاق ہوا ہوگا ۔ وجہ یہ ہے کہ عربی کی طرز تحریر جملون کی ترکیب محاورہ کی نوعیت غرضیکہ ہر ایک چیز اردو سے بالکل مختلف اور جداگانہ واقع ہوئی ہے ۔ اب اگر تحت اللفظ ترجمہ کیا جائے تو شاید کتابی اردو کی طرح ایک عجیب مضحکہ خیز صورت اختیار کرلے اور اگر متن سے قطع نظر کی جائے تو ترجمے کی شان باقی نہین رہتی اور بہت ممکن ہے کہ اصل و ترجمے کے مابین مغائرت کی عمیق خلیج حائل ہوجائے چنانچہ انہی مجبوریون سے مین نے جہان تک ہوسکا ہے اپنی کوشش اس مین صرف کی ہے کہ ترجمہ متن کے قریب قریب ہونیکے باوجود بامحاورہ بھی ہو اور اصل مطلب بھی فوت نہ ہونے پائے ۔ اسی لئے بعض جگہ کچھ جملے بڑھا دیئے اور حدیثون کے ترجمہ دستور عام کے مطابق اکثر تحت اللفظ ہی لکھدیئے گئے ہین

امید ہے کہ معزز ناظرین صفت خطا پوشی سے متصف ہوکر مجھے دعائے خیر سے یاد فرمائین گے ۔ کیا عجب کہ ذرہ نواز سرکار اس ناچیز خدمت کے صلہ مین اس اکسیر کے ایک ذرے سے میرے مس قلب کو کندن بنادے

دلسرت کیمیا است گر نگسری
کہ مس قلب من چو زر گردد

فقط و السلام
حافظ محمد ہاشم مجددی
۲۵ جون ۱۹۳۱ء

ٹنڈو سائین داد ضلع حیدرآباد
سندھ

لقوله عليه الصلوٰة والسلام لا
تجتمع امتي على الضلالة و
من القياس استنباط المجتهدين
من الكتاب والسنة واجماع
الصحابة او اكثرهم او اقواهم
دليلا وهم الائمة الاربعة ارباب
المذاهب الاربعة المشهورة
رضي الله عنهم ودليل الانحصار
في الاربعة وتخصيص الائمة
المعروفين بالاجتهاد المطلق
مذكور في المطولات ليس هذا
محل بسطه فقوم انكروا الجميع
وبنوا مذهبهم على اصلاح
الطبيعة ورعايتها في اي
امر كان مشروعا او غير مشروع
فان اقتضت الطبيعة الصلوٰة
يصلونها وان اقتضت شرب
الخمر يشربونه وهكذا وانكروا
الاله والملئكة والجن وزعموا
ازلية العالم وابديته وانكروا
الحشر والنشر والحساب والميزان والصراط
والجحيم والجنان وهؤلاء يسمون الدهرية
اولا لانهم قالوا وما يهلكنا الا
الدهر ونيچرية حالا وابتلي بهذه

کہ حضورؐ نے فرمایا ہے کہ "میری اُمت گمراہی پر مجتمع نہ ہوگی"۔

اور قیاس سے " مجتہدین کا کتاب سنت اور اکثر یا کل صحابہ کے اجماع سے یا ان صحابہ سے جنکا دلیل زیادہ قوی ہو، استنباط اور اخذ مراد ہے۔

اور مجتہدین چار امام ہیں جن کے چار مذہب مشہور ہیں (رضی اللہ عنہم) اور اس بات کی دلیل کہ مذہب چار میں کیوں منحصر ہیں اور ان مشہور ائمہ پر اجتہاد مطلق کی کیونکر تخصیص ہے۔ یہ سارے دلائل بڑی کتابوں میں مذکور ہیں۔ یہ جگہ ان کی تفصیل کی نہیں۔

ایک قوم ایسی ہے کہ انہوں نے ان سب دلیلوں کا انکار کیا ہے اور انہوں نے اپنا مذہب طبیعت کی اصلاح اور رعایت پر بنایا ہے۔ چاہے وہ امور شرعیہ میں ہو یا غیر شرعیہ میں۔ اگر طبیعت نماز کی خواہش کریگی تو نماز پڑھینگے اور اگر شراب نوشی کی آرزو کریگی تو شراب پئیں گے۔ وغیرہ وغیرہ۔
وہ خداوند تعالیٰ اور ملائکہ اور جنوں کا انکار کرتے ہیں اور جہان کے ازلی و ابدی ہونے پر یقین رکھتے ہیں۔ اور حشر و نشر، حساب، میزان، صراط، جنت اور دوزخ کے منکر ہیں۔ ابتدا میں انہیں دہریہ کہا جاتا تھا۔ اس لئے کہ وہ کہتے تھے کہ ہمیں دہر (زمانہ) ہی ہلاک کرتا ہے نہ کوئی اور۔ اور اب انہیں نیچریہ کہا جاتا ہے۔ اس مصیبت میں آجکل بہت

طریق النجات ۶۲-۶۳ حجۃ آل و اصحاب

عربی (نسخہ ترکی) اردو

طریق النجات سن تصنیف و ترجمہ ۱۹۳۱ء

مصنف اردو ترجمہ

حافظ خواجہ محمد حسن جان سرهندی حافظ محمد هاشم جان سرهندی

المصيبة كثير من الاحيان الذين يدعون الاسلام في هذا الزمان من الامراء والعقلاء والحكام فانا لله وانا اليه راجعون ولا حول ولا قوة الا بالله العلي العظيم وقوم اقروا بالقرآن انه كلام الله الملك العلام وانكروا الاحاديث والاجماع والقياس وسموا انفسهم اهل القرآن الذين ظهروا في هذا الزمان بنواحي الهند خذلهم الله تعالى و اغلال اعناقهم الى الاذقان لم يعلموا ان الشريعة الاسلامية مجملها في القرآن ومفصلها في احاديث النبي الكريم صلى الله عليه وسلم ولا تتم الشريعة الا بالتفصيل مثلا امر الله تعالى في القرآن العظيم باقامة الصلوة وايتاء الزكوة ولم يبين كيف يصلي الصلوة وكم عدد ركعاتها في كل وقت ولم يبين كيف يؤتي الزكوة وكم نصابها في النقود والماشية وكم مقدارها وهي في احاديث النبي

سے سمجھدار، امیر، حکام، اور معززین باوصف اسلام کے دعوی کے مبتلا ہیں۔

انا للہ وانا الیہ راجعون۔ ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔ اور ایک قوم نے قرآن کا تو اقرار کر لیا کہ یہ کلام الٰہی ہے لیکن احادیث، اجماع اور قیاس کے منکر ہیں جنہوں نے اپنا نام اہل قرآن رکھا ہے۔ جو آجکل اطراف ہند میں پیدا ہوئے ہیں۔ اللہ ان کو رسوا کرے اور ان کی گردنوں میں ٹھوڑیوں تک طوق (طوق ملامت) ڈالدے۔

یہ لوگ اتنا نہیں جانتے کہ شریعت اسلامیہ کا قرآن مجید اجمال ہے اور احادیث نبی کریمؐ اس کی تفصیل ہیں اور شریعت بغیر تفصیل کے تمام نہیں ہو سکتی۔ مثلاً اللہ تعالیٰ نے کلام مجید میں نماز پڑھنے اور زکوٰۃ دینے کا امر فرمایا ہے لیکن یہ بیان نہ فرمایا کہ نماز کس طرح اور کتنی رکعتیں ہر وقت میں پڑھی جائیں۔

اور یہ بھی نہیں فرمایا کہ زکوٰۃ کس طرح اور کس قدر ادا کی جائے اور نقود اور چوپایوں کا کیا نصاب ہے۔ یہ ساری باتیں احادیث نبی اکرمؐ نے تفصیل سے بیان فرما دی ہیں جن کو ہم قرآن پاک سے نہ جان سکتے تھے۔

اگر یہ احادیث نہ ہوتیں تو البتہ لوگ سخت پریشانی و مصیبت میں پڑ جاتے۔

پیر علی محمد راشدی

ولادت ۱۳۲۳ھ / ۱۹۰۵ء

سندھ کے عالی مرتبت خاندان راشدیہ (۱) کے راشدی برادران پیر سید علی محمد راشدی اور پیر سید حسام الدین راشدی بین الاقوامی شہرت کے مالک ہیں ـ ان راشدی برادران نے نہ صرف اپنے اسلاف کی علمی و تاریخی روایات کو زندہ و پائندہ رکھا ہے بلکہ سندھ کی تاریخ و ثقافت سیاست و صحافت اور زبان و ادب کی بے پناہ و بے مثال خدمات بھی انجام دی ہیں ـ

پیر علی محمد راشدی ، پیر حامد شاہ راشدی (وفات ۳۰ ربیع الاول ۱۳۰۱ھ (۲) ، مطابق ۲۱ مارچ ۱۹۳۷ء) کے فرزند اکبر اور برصغیر کے ممتاز دانشور محقق اور مورخ پیر حسام الدین راشدی (ولادت ۱۳۲۹ھ ـ ۱۹۱۱ء) کے برادر معظم ہیں ـ

پیر علی محمد راشدی بروز جمعہ بتاریخ ۱۲ جمادی الثانی ۱۳۲۳ھ (۵ اگست ۱۹۰۵ء) کو بہمن گوٹھ میں پیدا ہوئے ـ حسب روایت علمی و روحانی فضا میں پرورش پائی ـ ابتدائی تعلیم و تربیت والد ماجد کی نگرانی میں ہوئی ـ عربی و فارسی کی تعلیم مولوی محمد سومر اور مولوی محمد صدیق (ساکن میر پور خاص) سے حاصل کی(۳) انگریزی تعلیم کا آغاز گھر سے ہوا ـ حیرت ہے کہ کسی اسکول یا کالج کی صورت نہیں دیکھی لیکن گھر کے علمی ماحول ، اساتذہ اور بزرگوں کی

---

(۱) غلام رسول مہر نے اپنی کتاب " سید احمد شہید بریلوی (سوانح حیات ، تحریک ، احیاء دین) سلسلہ" میں راشدی خاندان کا ایک شجرہ ۳۰۸ پر اور کچھ حالات ص ۳۰۹ ، ۳۱۰ پر شامل کئے ہیں ـ

(۲) حاشیہ تذکرہ مشاہیر سندھ از مولانا دین محمد وفائی مقدمہ و حاشیہ پیر حسام الدین راشدی ص ۱۸۲ (تذکرہ پیر حزب اللہ شاہ راشدی)

(۳) پیر علی محمد راشدی اپنی ابتدائی تعلیم کے بارے میں ایک جگہ رقمطراز ہیں " اس زمانے میں ہمارے گاؤں میں کوئی مدرسہ یا اسکول نہ تھا ـ ہمارا مکتب گاؤں کی مسجد میں ہوا کرتا تھا ـ اس زمانے میں دینی زبان عربی اور علمی و ثقافتی زبان فارسی تھی ـ مجھے فارسی میں جو ابتدائی سبق ملے تھے ان میں مولانا جامی کی ایک نظم یوسف و زلیخا بھی تھی جس کا ایک شعر یہ تھا

الٰہی غنچۂ امید بکشا + گل از روضۂ جاوید بنما

پھر یکے بعد دیگرے گلستان بوستان، بہار دانش ، پند نامہ ، محمود نامہ ، سکندر نامہ وغیرہ کے تمام اسباق معنی و شرح کے ساتھ پڑھ ڈالے (پیش حرف ، تحریر کردہ بمقام ہانگ کانگ ، یکم نومبر ۱۹۶۳ء ، مطبوعہ کلیات ادیب فارسی ۱۳۸۳ھ (۱۹۶۳ء)

صحبتوں ، خداداد ذہانت اور ذاتی محنت و کوشش سے تعلیم کے ایسے مدارج طے کئے کہ ایک وقت
انگریزی اور سندھی کے بہت بڑے اسکالر ہوگئے ۔ آج ان کا شمار نہ صرف برصغیر پاک و ہند بلکہ
دنیا کی صف اول کے صحافیوں میں ہوتا ہے ۔ ان کی ذہانت و صلاحیت کا ایک زمانہ مداح ،
ایک عالم معترف ہے ۔

پیر علی راشدی کی شخصیت دنیائے صحافت و سیاست میں بہت کامیاب بہت نمایاں رہی
ہے ۔ انہوں نے ۱۹۲۶ء میں شکارپور سندھ سے سب سے پہلے جس سندھی اخبار کا اجرا کیا اس
کا نام " الحرب " تھا ۔ اسی زمانے میں " اخبار الامین " سکھر بھی ایڈٹ کرتے رہے ۔ ۱۹۲۹ء
میں اخبار " سندھ زمیندار " کی ادارت کے فرائض انجام دیئے ۔ ۱۹۳۴ء میں اپنا ذاتی اخبار
" ستارہ سندھ " سکھر سے نکالا ۔ یہ اخبار ۱۹۳۷ء تک جاری رہا ۔ اس اخبار نے سندھی عوام
میں قومی بیداری ، سیاسی شعور اور ذوق ادب و صحافت کی نشو و نما کی ۔ اس اخبار کی ایک
خصوصیت یہ بھی تھی کہ اس میں ادب ، ثقافت و سیاست کے بارے میں بہت معلوماتی اور دلچسپ
مضامین بھی شائع ہوتے تھے ۔ یہی سبب ہے کہ اس اخبار کو عوام میں بہت مقبولیت حاصل تھی ۔

پیر علی محمد راشدی نے انگریزی اخبارات کی ادارت بھی بڑی شان سے کی ۔ ۱۹۳۰ء
میں روزنامہ " مسلم وائس " (Muslim Voice) ۔ ۱۹۳۶ء تک اس کے مینجنگ ڈائرکٹر
اور ایڈیٹر رہے ۔ ۱۹۴۷ء میں پاکستان بن گیا ۔ ۱۹۴۸ء میں " سندھ آبزرور " (Sind Observer
) کا اجرا کیا ۔ ۱۹۵۲ء میں ویکلی اسٹیٹسمین (۱) (Weekly Statesman)
کا اجرا کیا ۔

اسی زمانے میں پاکستان نیوز سروس ایسوسی ایشن کے صدر کی حیثیت سے مختلف ممالک
مثلاً ہندوستان ، انگلستان اور مشرق وسطیٰ کا دورہ کیا ۔ پاکستان کے صحافیوں کا جو وفد ملک
سے باہر جاتا راشدی صاحب ہی اس کے سربراہ ہوتے ۔ آل پاکستان ایڈیٹرز کانفرنس کے علاوہ لیاقت
نہرو معاہدہ کے بعد پاک بھارت ایڈیٹرز کمیٹی کی صدارت (۲) کا اعزاز بھی انہیں حاصل رہا ۔

پیر علی محمد راشدی کا تعلق صحافت کے ساتھ ساتھ سیاست سے بھی بہت گہرا رہا
سیاست و صحافت ساتھ ساتھ ہو تو بڑا سے بڑا معرکہ سر ہوجاتا ہے ۔ راشدی صاحب کی سیاست

---

(۱) یہاں یہ ذکر کردینا نامناسب نہ ہوگا کہ کہ ڈیلی اسٹیٹسمین کے نام سے ایک اخبار عہد برطانیہ سے کلکتہ (مغربی بنگال) سے اب تک شائع ہورہا ہے ۔ یہ اخبار پورے ہندوستان میں چوٹی کا اخبار رہا ہے ۔ آجکل اسپر بھارت کا قبضہ ہے ۔

(۲) پیر علی محمد راشدی سے انٹرویو از خالد مطبوعہ ہفت روزہ اخبار جہاں ، کراچی ، شمارہ ۲۱ فروری ۱۹۶۸ء ۔

بھی کمال عروج کو پہنچی جس کا آغاز ۱۹۳۳ء میں سر شاہ نواز بھٹو (ساکن لاڑکانہ والد ماجد ذوالفقار علی بھٹو مرحوم ، سابق وزیر اعظم پاکستان) کی سیاسی پارٹی میں شرکت سے ہوا تھا -

راشدی صاحب نے تحریک پاکستان میں پوری سرگرمی سے حصہ لیا - مسلم لیگ کے سرگرم رکن اور سیٹھ عبداللہ ھارون کے رفیق کار رہے - مسلم لیگ کے امور خارجہ کے سکریٹری کے فرائض بھی انجام دیئے - انھوں نے مسلم لیگ کی قرارداد لاھور ۱۹۴۰ء کی روشنی میں تقسیم ھند کی ایک اسکیم (۱) بھی تیار کی تھی -

پیر علی راشدی کو اللہ نے وزارت و سفارت کے اعلیٰ مرتبوں سے بھی نوازا - ۱۹۵۳ء میں سندھ اسمبلی کے رکن منتخب ھوئے - ۱۹۵۳ء سے ۱۹۵۵ء تک پیرزادہ عبدالستار مرحوم اور محمد ایوب کھوڑو کی وزارت اعلیٰ کے دور میں سندھ کے وزیر مال ، وزیر صحت اور وزیر اطلاعات کے عہدوں پر فائز رہے - چودھری محمد علی وزیر اعظم پاکستان کے عہد میں منصب وزیر اطلاعات پر مامور رہے - وزارت کے علاوہ سفارت کا تاج بھی ان کے سر رہا - چھ ماہ مشرقِ وسطیٰ میں ، پانچ سال فلپائن میں اور ڈیڑھ سال چین میں سفیر رہے (۲) -

پیر علی محمد راشدی صحافت و سیاست جیسے خشک و کٹھن میدان کے شہسوار ھونے کے باوجود فطری طور پر بہت شگفتہ مزاج اور بہت زندہ دل انسان ھیں - کسی زمانے میں شعر کہتے تھے - شاعری سے انھیں فطری لگاو تھا لیکن انھوں نے کسی ناخوشگوار واقعہ سے متاثر ھوکر شاعری ھمیشہ کے لئے ترک کردی -

جس شخص نے صحافت اور سیاست کی چوٹیاں سر کرلی ھوں اس کی ذھانت و فطانت اور زور قلم کا اندازہ مشکل ھے - انگریزی سندھی اور اردو لکھنے کی بے پناہ صلاحیت کے مالک ھیں - اس حقیقت کی شہادتیں ان تمام انگریزی اور سندھی اخبارات سے ملتی ھیں جن کے صفحات ان کی شعلہ انگیز و سنسنی خیز تحریروں سے پر ھیں - اردو لکھنے پر کس درجہ قادر ھیں اس کی گواھی ان کے وہ مضامین دیتے ھیں جو روزنامہ جنگ کراچی اور اخبار جہان میں " مشرق و مغرب " کے مستقل عنوان کے تحت بین الاقوامی حالات سے متعلق مسلسل کئی برس تک چھپتے رہے

---

(۱) کتاب " سید احمد شہید " از مولانا غلام رسول مہر ، ص ۳۱۰ ، ضمیمہ راشدی خاندان کے حالات -

(۲) یہ احوال خود ان کے ایک بیان سے ماخوذ ھے جو اخبار جہان شمارہ ۲۱ فروری ۱۹۶۵ء میں شائع ھوچکا ھے -

اردو لکھنے کے بارے میں پیر علی محمد راشدی خود کہتے ہیں

" روزنامہ جنگ میں لکھنے کا مشورہ مجھے میر خلیل الرحمن (۱) نے دیا ۔ اس موقع پر میرا خیال تھا کہ میں اردو نہیں لکھ سکونگا لیکن میر صاحب نے اصرار کیا اور میں نے ان کی بات مان لی ۔ حالانکہ اردو میری مادری زبان تھی نہ میں نے اردو میں تعلیم حاصل کی اور نہ اس کے استعمال میں اپنے آپ کو پوری طرح قادر پاتا ہوں اس وقت تک میں صرف سندھی اور انگریزی میں لکھتا تھا " ۔

(ہفت روزہ اخبار جہان ۲۱ فروری ۱۹۶۸ء)

راشدی صاحب کا حال یہ ہے کہ سندھی ان کی مادری زبان ہے انگریزی اور سندھی لکھنے کے عادی ہیں ۔ اردو نہ ان کی مادری زبان ہے نہ اس میں انہوں نے تعلیم حاصل کی لیکن جب میر خلیل الرحمٰن کے مشورے پر لکھنا شروع کیا تو اردو کے بڑے بڑوں کو حیرت میں ڈال دیا بلکہ اردو کے نام نہاد صحافیوں اور مضمون نگاروں کو پیچھے چھوڑ دیا ۔ ان کے خاندان میں اردو کے بڑے بڑے علماء و فضلاء اور شعراء و ادباء گزرے ہیں ۔ ان کے چھوٹے بھائی پیر حسام الدین راشدی اردو کے بہت بڑے محقق اور مورخ ہیں ۔ پھر علی محمد راشدی کا جوہر اردو زبان میں کیوں کر پنہاں رہ سکتا تھا ۔ آخر نمایاں ہوکر رہا ۔ راشدی صاحب نے " مشرق و مغرب " کے عنوان سے جتنے مضامین لکھے ہیں وہ ان کے تجربۂ علمی حکمت سیاسی اور اردو و فارسی سے شیفتگی کی غمازی کرتے ہیں ۔ اردو دانی کے ساتھ ساتھ فارسی دانی کے بھی شاہد ہیں ۔ ان کی انشاء پردازی کا اپنا ایک اسلوب ہے ، اپنا ایک طرز ہے جس میں زبان و ادب کی چاشنی بھی ہے اور سیاست و صحافت کی وسعت بھی ۔ ان کی اردو نثر میں بلا کی روانی و سلاست اور غضب کی فصاحت و بلاغت ہے ۔ اردو نثر میں ان کا اپنا ایک مخصوص اسٹائل ہے جو دلچسپ بھی ہے اور دلکش بھی ۔ موقع محل کے مطابق اردو فارسی اشعار کا مناسب استعمال بڑی خوش اسلوبی سے کرتے ہیں ۔ تحریروں میں بیک وقت صحافت ، سیاست ، ثقافت اور تاریخ کا خوبصورت امتزاج پیدا کرنا ان کی انشاء پردازی کا حسن ہے اور یہی فن انکے اسلوب خاص کا مظہر ہے ۔

پیر علی محمد راشدی نے سندھ کے بزرگ ماہر تعلیم ، عظیم دانشور و مفکر اور نامور بیرسٹر علامہ امداد علی قاضی سابق وائس چانسلر سندھ یونیورسٹی کی وفات (۱۲ محرم الحرام

---

(۱) میر خلیل الرحمٰن روزنامہ جنگ کراچی کے بانی ، منیجنگ ڈائرکٹر اور ایڈیٹر ہیں یہ روزنامہ پاکستان میں شائع ہونے والے اخبارات میں سب سے کثیر الاشاعت اخبار ہے ۔

۱۳۸۸ ھ مطابق ۱۳ اپریل ۱۹۶۸ء[1]) پر ایک تعزیتی مضمون لکھا تھا ۔ اس مضمون میں انھوں نے علامہ آئی آئی قاضی کی ہمہ جہت و ہمہ گیر شخصیت کا بہت دلفریب و دلکش خاکہ پیش کیا ہے ۔ اس مضمون کی خصوصیت یہ ہے کہ یہ خالص ادبی نوعیت کی ہے ۔ اس مضمون سے راشدی صاحب کی مہارت زبان ، کمال انشاء پردازی اور لطیف اسلوب بیان کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے ۔ یہ مضمون اس اعتبار سے بھی دلچسپی سے خالی نہیں کہ سندھ کے ایک نامور صاحب قلم نے سندھ کے ایک دوسرے عظیم مفکر و دانشور کے بارے میں اظہار خیال کیا ہے ۔ راشدی صاحب لکھتے ہیں :

" علامہ امداد علی قاضی ایک مانے ہوئے انسان تھے ۔ قدرت کی فیاضیوں کا ایک نادر نمونہ تھے ۔ انسانی اوصاف کا حسین مجموعہ تھے ۔ ذہنی اور روحانی کمال کا مجسمہ تھے ۔ اسلامی دنیا کے فی زمانہ مفکر و منفرد تھے ۔ وادی سندھ کے مرغ خوش الحان تھے ۔ گلستان لطیف کے بلبل ہزار داستان تھے ۔ ارض پاکستان کے لئے باعث عز و شان تھے ۔ پاکستانی قوم کے لئے موجب امتیاز و سربلندی تھے ۔ یہ لفاظی نہیں حقیقت ہے ۔ اعتبار نہ آئے تو ان کی زندگی کا مطالعہ کیجئے ۔ ان کے چھوڑے ہوئے اوراق کو چھانئیے ۔ جن خوش نصیبوں نے ان کو دیکھا ہے یا سنا ہے ان سے پوچھئے

زروایت آستین بردار و گوہر را تماشا کن

تاریخ عالم کے سب سے زیادہ خونی دور میں زندگی گزاری ۔ دو عالمی لڑائیاں اپنی آنکھوں سے دیکھیں ۔ امن اور انسانی اقدار کو پامال ہوتے دیکھا اور یہ بھی دیکھا کہ انسان پر کس قدر بد ظنی سوار ہوچکی ہے کہ وہ حق اور انسانیت کی بات ہرگز نہیں سنتا مگر اسکے باوجود یہ شخص امن اور انسانیت کا سندیسہ سناتا رہا ۔ انسان دوستی اور خدا ترسی کی تلقین کرتا رہا جن لوگوں نے حیات کی حقیقت سمجھ لی ہے وہ موت سے کبھی نہیں ڈرتے ۔ قاضی صاحب مرحوم کو شاہ عبداللطیف کا " بعد الموت جسد یوصل الحبیب الی الحبیب " کی طرف اشارہ معلوم ہوتا ان کے دوسرے ارشادات بھی ان کے علم میں تھے مثلاً جو لوگ مرنے سے پہلے مرجاتے ہیں انکے لئے ایک مشاہدہ کی مانند ہے یا مرنے سے پہلے جو مرگئے وہ مرکر مٹ نہیں سکیں گے ۔ سقراط ، پیٹرونیس (Patronius) کب موت سے ڈرے ۔ ایک نے مزنے لیکر زہر کا پیالہ پیا اور دم توڑدیا دوسرے نے بڑے مزے لیکر خون بہایا اور ابدی نیند سوگیا بقول علامہ اقبال

نشان مرد مومن باتو گویم + چو مرگ اید تبسم بہ لب اوست

(اقتباس از مضمون " علامہ امداد علی قاضی " زیر عنوان " مشرق و مغرب " از پیر علی محمد راشدی مطبوعہ روزنامہ جنگ کراچی ، مورخہ ۲۷ اپریل ۱۹۶۸ء)

---

(۱) یہ تاریخ وفات راقم نے خود علامہ آئی آئی قاضی کے لوح مزار سے نقل کی ہے ۔

سائین عبدالرشید قادری

۱۳۲۶ -- ۱۳۹۲ ھ
۱۹۰۷ -- ۱۹۷۲ ء

سائین عبدالرشید قادری سلسلہ قادریہ کے مشہور عالم دین اور عارف باللہ حضرت سائین عبدالغنی قادری (۱) (۱۲۶۰ - ۱۳۵۷ ھ) کے فرزند ارجمند تھے - اپنے ایک سلام کے مقطعے مین اپنی ولدیت کا ذکر ان الفاظ مین کرتے ھین :

رشید ابن غنی سائین یہ فقیر حقیر
اور حلقے والے یہ سارے سلام کرتے ھین

اس خاندان عالی وقار کا سرچشمہ علم و فیض کراچی اور نواح کراچی مین کوئی ایک صدی سے جاری و ساری ھے -

سائین عبدالرشید کی ولادت باسعادت ۱۳۲۶ ھ (۱۹۰۷ء) مین کراچی مین ھوئی - چند سال اسکول مین تعلیم پائی - عربی اور دینیات کی تعلیم اپنے صوفی منش باپ کے زیر نگرانی و زیر عاطفت حاصل کی - اپنے روشن ضمیر ولی اللہ والد کی تربیت و صحبت مین علوم ظاہری و علوم باطنی سے بہرہ ور ھوئے - ۱۳۵۷ ھ (۱۹۳۸ ء) مین جب ان کے والد سائین عبدالغنی کا انتقال ھوا تو مسند سجادہ نشینی پر فائز ھوئے -

شروع مین کچھ کاروبار کیا لیکن کاروباری ذھن نہ رکھنے کے باعث اس پیشے مین ناکامی ھوئی تو درس و تدریس کا پیشہ اختیار کیا - ساتھ ھی خدمت خلق اور خدمت دین کے لئے اپنے آپ کو وقف کردیا - ھزارون بندگان خدا نے ان کی رھنمائی مین علم و عرفان اور حقیقت و معرفت کی روشنی حاصل کی -

سائین عبدالرشید قادری ۱۳۹۲ ھ (۱۹۷۲ء) مین اس دار فانی سے عالم جاودانی کو سدھارے -

---

(۱) سائین عبدالغنی قادری کا تذکرہ کتاب ھذا کے باب " چوتھا دور - عہد برطانیہ " مین شامل ھے -

عبدالرشید قادری کو شعر و ادب سے فطری لگاؤ تھا ۔ اردو میں مضامین بھی لکھتے تھے ، شعر بھی کہتے تھے ۔ رشید تخلص کرتے تھے ۔ اپنی تحریروں میں عموماً رشید قادری لکھا کرتے تھے ۔

رشید قادری رکھا ہوا ہے کیا یہاں پر اب
مدینے میں پہنچ کر تو اگر مرجائے بہتر ہے

رشید قادری کی شاعری بہت معیاری نہیں لیکن دلنواز اور روح پرور ضرور ہے ۔ حمد ، نعت ، منقبت اور سلام زیادہ کہتے تھے ۔ سادہ اور عام فہم الفاظ میں شعر کہتے تھے ۔ انداز بیان بہت موثر اور دلپذیر ہے ۔ ہر شعر سے ذوق جمال اور نور نظر عیاں ہے ۔ سرور کائنات کی مدح میں ہر نعت ہر سلام والہانہ عقیدت اور دیوانہ وار جذبات کا آئینہ دار ہے ۔ ذیل میں رشید قادری کا ایک سلام اور ایک نعت پیش خدمت ہیں ۔

۴

سلام خیرالانام

۳

رسول پاک ہمارے ، سلام کرتے ہیں
بصد نام لیوا تمہارے ، سلام کرتے ہیں

ادب سے ہاتھ کو باندھے بصر جھکائے ہوئے
خدا کے نور پیارے ، سلام کرتے ہیں

یہ حور اور ملک اور شمس و قمر
اور آسمان کے تارے ، سلام کرتے ہیں

محمد عربی سیدالرسل آقا
غلام اب یہ تمہارے ، سلام کرتے ہیں

رشید ابن غنی سائیں یہ فقیر حقیر
اور حلقے والے یہ سارے، سلام کرتے ہیں

نعت

جمال روئے انور گر نظر آجائے تو بہتر ہے
مدینے میں اگر آقا مجھے بلوائے تو بہتر ہے

نبی کی اک نظر عفو کرم ہوجائے بہتر ہے
مری بخشش کا کچھ ساماں نکل جائے بہتر ہے

رسول اللہ کے اس روضہ انور کی جالی پر
جبین نیاز اس عاصی کی گر جھک جائے بہتر ہے

کرم سے اس شہ بطحیٰ کے دل میرا منور ہو
اور اس میں سرِّ حق علم لدنّی کھل جائے بہتر ہے

میں پلکوں سے در اقدس کو جھاڑوں یہ مقدر ہے
زہے قسمت غلامی کا شرف مل جائے بہتر ہے

یہ عاصی پرخطا کو خوف محشر کا نہ ہوگا پھر
وہاں سرکار کی مجھ پر نظر ہوجائے تو بہتر ہے

رشید قادری رکھا ہوا ہے کیا یہاں پر اب
مدینے میں پہنچ کر تو اگر مرجائے تو بہتر ہے

رشید قادری نثر نویسی میں بھی ید طولیٰ رکھتے تھے انکی نثر سادہ و پرمعنی الفاظ ، دلکش اور حقیقت و معرفت کے اسرار و رموز سے آراستہ ہوتی تھی ۔ انکے متعدد مضامین رسائل میں شائع ہوچکے ہیں خاص طور پر انکا وہ مقالہ یادگار ہے جو انکے والد محترم سائیں عبدالغنی قادری کے سوانح حیات اور انکی خدمات و کرامات پر مشتمل ہے ۔ یہ مقالہ رسالہ مرغوب موحدان میں ۱۳۵۸ ھ کی اشاعت میں محفوظ ہے ۔ نثر میں انکی کوئی مستقل تصنیف نہیں ہے ۔ نہ ہی انکا کوئی دیوان ہے البتہ انکی بعض طویل تحریریں کتابچے کی صورت میں شائع ہوچکی ہیں ۔ صوفی سائیں عبدالغنی کے ایک عرس کے موقعے پر " جذبات عقیدت " کے نام سے رشید قادری کا ایک کتابچہ ڈیسنٹ پریس کراچی سے چھپا تھا ۔ اس کتابچہ سے ذیل کی عبارت نقل کی جاتی ہے ۔ ان سطور سے رشید قادری کی طرز انشاء پردازی اور پاکیزہ خیالات و نظریات کا اندازہ کیا جاسکتا ہے ۔

" اولیائے امتِ محمدیہ علیہ الف الف تحیۃ سلام طیبات ہمارے لئے مشعل نور ہدایت ہیں ۔ وارثان نبیؐ امی طبقہ صوفیائے کرام ، اولیائے عظام میں پیدا ہوئے ۔ ان بزرگوں میں روحانی قوت اخلاق ، جذب و کشش اسلئے موجود تھی کہ وہ فنا فی الذات کے مرتبے پر فائز ہوچکے تھے ۔ ہمہ اوست ، ہمہ از اوست بلکہ اوست از اوست کا مشاہدہ کرتے تھے ۔ جو کچھ کہتے تھے زبان حق سے کہتے تھے ۔ وہ دیکھتے تھے چشم حق سے دیکھتے تھے ، ان کا قلب صافی شہود گنجینہ تھا ۔ ان بزرگوں کے اخلاق تخلقوا باخلاق اللہ کی تفسیر ، انکی ذات قدسیہ اطیعواللہ و اطیعوالرسول کی تصویر تھی ۔ وہ فنافی الرسول فنافی اللہ تھے ۔ جب فنافی اللہ تھے سب کچھ تھے ۔ اولیائے عظام نے دلوں کی اقلیم پر حکمرانی فرمائی ۔ دنیا سے تشریف لے جانے کے بعد ان کی مقبولیت اسی طرح باقی رہی دن دونی رات چوگنی بڑھتی گئی ۔ ان کی نعمتوں سے نعمتیں تقسیم ہوتی ہیں ۔ ان کی روحانی قوتیں درماندگوں کی دستگیریاں کرتی ہیں ۔ صفحۂ کائنات پر ان کا نام ان کے تذکرے نے دوام ثبات کا نقش ثبت کردیا ۔ ان کی روحانی طاقتیں کارفرما ہیں .... اے میرے پیشوا تم پر لاکھوں سلام ۔ اے میرے رہنما تم پہ لاکھوں سلام " ۔

محمد سلیم جان مجددی سرھندی

ولادت ۱۳۲۷ ھ / ۱۹۰۷ ء

حکیم محمد سلیم جان مجددی سرھندی ، حضرت خواجہ محمد حسن جان مجددی سرھندی کے نواسے ھیں ۔ انکی پیدائش ۱۳۲۷ ھ (۱۹۰۷ ء) میں ان کے آبائی قصبہ ٹنڈو سائین داد (ضلع حیدرآباد) میں ھوئی ۔

اوائل عمر میں سایۂ پدری سے محروم ھوگئے تو ان کے نانا جان حضرت محمد حسن جان نے ان کی پرورش اور تربیت کی ۔ عربی و فارسی کی ابتدائی تعلیم بھی انھیں کی نگرانی میں ھوئی ۔ حضرت محمد حسن نے اپنے ایک صاحبزادے محمد ھاشم جان سرھندی کو اعلیٰ تعلیم کے لئے اجمیر شریف بھیجا تو ان کے ھمراہ سلیم جان کو بھی بھیجا ۔ سلیم جان نے وھاں اپنے ماموں ھاشم جان کے ساتھ حضرت معین الدین اجمیری کے مدرسے سے دستار فضیلت حاصل کی ۔ پانچ سال کے بعد ٹنڈو سائین داد واپس لوٹے ۔ چند سال کے بعد دوبارہ اجمیر شریف گئے اور وھاں سے طب میں سند حاصل کی ۔

ماتلی میں " سرھندی دواخانہ " قائم کیا اس وقت سے اب تک وھیں قیام پذیر ھے ، پریکٹس بھی کرتے ھیں ۔ ماتلی اور نواح ماتلی کے لوگ ان کی حکمت اور علم و ادب کی بناء پر ان سے دلی عقیدت رکھتے ھیں ۔

سلیم جان سرھندی نے علم و عرفان اور شعر و ادب کی فضا میں پرورش پائی ۔ ان کے نانا حضرت خواجہ محمد حسن جان ایک عظیم المرتبت صاحب کمال و جلال تھے ۔ ان کے تین ماموں عبداللہ جان شاہ آغا سرھندی ، حاجی عبدالستار (۱) جان سرھندی ، حافظ حافظ جان سرھندی علم و ادب اور دین و معرفت کی گرانقدر خدمات انجام دی ھیں ۔ ان حضرات کی صحبتوں میں بہت کچھ حاصل کیا ۔ شعر و شاعری کا ذوق دامنگیر ھوا تو ان کے ایک ماموں عبدالستار جان نے ان کی حوصلہ افزائی کی ۔ سلیم جان نے ان سے مشورہ سخن کیا ۔ مشق و ریاضت کی بدولت شاعری میں نام پیدا کیا ۔ سندھی فارسی اردو میں بہت پختہ شعر کہتے ھیں ۔ فارسی میں شیخ سعدی کا نہایت کامیاب تتبع کیا ھے ۔ مرثیہ نگاری میں بھی کمال رکھتے ھیں ۔ " نوحۂ فراق فارسی (۲)

---

(۱) عبدالستار جان کی حیات اور کلام کیلئے ملاحظہ ھو تذکرۂ شعرائے ٹھٹھ ، ص ۱۶۷ - ۱۷۲

(۲) سلیم جان کا کچھ فارسی کلام " فائق ھذیا فردوس میں " مولفہ حکیم عبدالعزیز جان سرھندی میں شائع ھوچکا ھے

بوفات خواجہ محمد حسن ان کی فارسی دانی اور خاص رنگ کا آئینہ دار ھے ۔

فارسی اور سندھی کے علاوہ اردو میں بھی بہت عمدہ شعر کہتے ھیں ۔ راقم کی درخواست پر انھوں نے ایک اردو غزل اپنی تحریر سے ارسال فرمائی ھے جو یہاں نقل کی جاتی ھے ۔

وہ جسکو ہم کبھی بھولے سے یاد آ نہ سکے
اسی بلائے دل و جان کو ہم بھلا نہ سکے

چھپے گلوں میں کبھی چمکے چاند تاروں میں
وہ میرے ھاتھ سے دامن مگر چھڑا نہ سکے

ہزار ضبط کیا لاکھ دل کو سمجھایا
حضور یار ہم آنسو مگر چھپا نہ سکے

یہ ناز حسن کی مجبوریاں معاذ اللہ
کہ ہم تو رو بھی لئے اور وہ مسکرا نہ سکے

طرح طرح کے دیئے دل کو عقل نے دھوکے
فریب پر تیرے دیوانے کوئی کھا نہ سکے

یہی شکستہ میرا دل ، ٹھکانہ ھے ان کا
جو جلوے وسعت کون و مکاں میں سما نہ سکے

دل و نگاہ میں جو گفتگو ہوئی تھی سلیم
وہ سب نے سن لی مگر ان کو ہم سنا نہ سکے

راقم نے حکیم سلیم جان سرھندی کے نام اپنے ایک مکتوب میں ان سے درخواست کی کہ اپنے حالات زندگی اور نمونہ نظم و نثر اردو مرحمت فرمائیں تو بڑا کرم ہوگا ۔ مکتوب الیہ نے بستر فراش ہونے کے باوجود میری گزارش پر فوری توجہ دی اور اپنی ایک اردو غزل تفصیلی جواب کے ساتھ بھیجکر ممنون احسان کیا جس خلوص اور محبت سے انھوں نے مکتوب گرامی تحریر فرمایا ھے وہ ان کے اعلیٰ اخلاق روایتی وضعداری اور علمی کاموں سے دلچسپی کا زندہ ثبوت ھے ۔ ان کے اس مکتوب کی خصوصیت یہ ھے کہ یہ نہ صرف مکتوب ھے بلکہ یہ ایک مضمون بھی ھے ۔ ایک ایسا دلچسپ مضمون جو ان کی شخصیت اور علمی و ادبی زندگی کے بعض اہم گوشوں پر محیط ھے ۔ گویا اسکی حیثیت ایک مختصر خودنوشت سرگزشت کی سی ھے اس سرگزشت میں مکتوب نگاری کا حسن بھی ھے اور انشاء پردازی کا جادو بھی ۔ ان کی زبان سلیس شستہ ، شگفتہ اور برجستہ ھے ۔ اس سے ان کی اردو نثر کے اسلوب کا بھی اندازہ کیا جاسکتا ھے ۔ ان کا وہ گرامی نامہ من و عن بطور نمونہ نثر پیش کیا جاتا ھے ۔

ماتلی ۲۱ ستمبر ۱۹۷۸ء

محترمی جناب وفا صاحب السلام علیم و رحمتہ اللہ و برکاتہ

نامہ گرامی موصول ہوکر باعث مسرت و عزت افزائی ہوا ۔ اس عنایت اور مجھ بے بضاعت و بے مایہ کے متعلق حسن ظن کیلئے آپکا بیحد ممنون ہوں ۔ ورنہ میں آدم کہ من دانم ۔ البتہ در ایام جوانی چنانکہ

ابتدا میں سندھی اور فارسی میں شاعری کی ، مانگ ٹوٹی تھی اردو میں بھی چند نظمیں اور غزلیں کہی تھیں مگر اب یہ سب باتیں زیب طاق نسیاں بنکر قصہ ھائے پارینہ بن چکی ھیں اور میں ان کا خمیازہ اب تک بھگت رہا ھوں -

اس وقت صورتحال یہ ھے کہ عرصہ دراز سے گوناں گوں امراض میں مبتلا صاحب فراش ھوں - رخش عمر اکہتر بہتر کی حوصلہ فرسا اور صبر آزما منزلیں طے کر رہا ھے - " نے ھاتھ باگ پر ھے نہ پا ھے رکاب میں " قوی مضمحل ھوچکے ھیں اور عناصر میں اعتدال باقی نہیں رہا ھے - ان ناگفتہ بہ حالات میں چند سطریں لکھنا بھی میرے لئے جوئے شیر لانے سےکم نہیں ھیں - آپ کو کمال ندامت سے صرف معذرت اور عفو طلبی پر ھی خوش کرسکتا ھوں - براہ کرم میری معذرت قبول فرمائیے اور مجھ نحیف و نزار بیمار کے حق میں دعائے حسن خاتمہ فرمائیے - اللہ آپکا بھلا کرے اور میرا بھی - اگر زندگی باقی رہی اور صحت نے بھی یاوری فرمائی تو انشاء اللہ فقیر کی جھولی میں رطب و یابس جو کچھ بھی ھے خدمت والا میں پیش کردوں گا -

میرے خود نوشت حالات زندگی محمد بن قاسم سندھی ادبی سوسائٹی لطیف آباد حیدرآباد سندھ کی " مانک موتی لال " نامی کتاب میں شائع ھوچکے ھیں - آپ یہ کتاب مطالعہ فرمائیں اس میں سندھ کے ممتاز ادیبوں اور شاعروں کے حالات زندگی مع نمونہ کلام درج ھیں - اپنے بارے میں صرف اتنا عرض کرسکتا ھوں کہ

نہ شگوفہ نہ برگے نہ ثمر نہ بار دارم
ھمہ حیرتم کہ دھقاں بچہ کار کشت مارا

خدا کی مصلحتیں خدا ھی جانے - ایک المیہ میرے ساتھ یہ بھی ھوا ھے کہ میرا مجموعہ کلام جس میں سندھی اور فارسی کے علاوہ کچھ اردو کلام بھی تھا کسی بد ذوق شخص نے غائب کرکے اپنے نامہ اعمال میں سیہ کاری کا مزید اضافہ فرمایا ھے اور اب میں شعر کے معاملے میں تقریباً قلاش ھوگیا ھوں نامعلوم چور کو خدا جزائے خیر عطا فرمائے جس نے میرا بڑا بوجھ ھلکا کردیا ھے -

آپ کی فرمائش پر بڑی تلاش کے بعد اردو کی صرف ایک غزل دستیاب ھوسکی ھے جو اس خط کے ساتھ پیش کر رہا ھوں چونکہ اب زیادہ لکھا نہیں جاتا اسلئے خط کو دعائے خیر پر ختم کرتا ھوں - خداوند کریم آپکو خوش سلامت رکھے اور علمی و ادبی خدمات کیلئے تا دیر زندہ و تندرست بھی - والسلام -

دعا گو - محمد سلیم مجددی سرھندی

مـراد خان چانڈیـو

۱۳۲۸ - ۱۳۷۳ ھ
۱۹۰۸ - ۱۹۵۳ ء

الحاج مراد خان چانڈیو خانوادہ بھائی خاندان کے صوفی منش سپوت تھے - ۱۳۲۸ ھ مطابق ۱۹۰۸ء میں گوٹھ احمد خان چانڈی نامی گاوں (متصل کندی شہر) میں تولد ہوئے - بچپن میں ان کے والد کا سایہ سر سے اٹھ گیا اسلئے ان کی اوائل عمر حسرت میں گذری - انکی پرورش والد ماجدہ کی آغوش جنت میں ہوئی - والدہ نے اپنے ہونہار بیٹے کو لائق بنانے کی خاطر صعوبتیں جھیلیں - اپنے لخت جگر کی تعلیم و تربیت کا خاص خیال رکھا - مراد خان نے لندن شہر کے پرائمری اسکول میں ابتدائی تعلیم پائی - ماسٹر عبداللہ خان مین کی خصوصی توجہ سے ان کی بنیادی تعلیم بہت اچھی ہوئی - ہر امتحان میں اول آئے - عربی و فارسی کے دینی علوم سے آراستہ ہوئے - ان کے استادوں میں مولوی عبدالرحمن نے انھیں عربی و فارسی کے درس دیئے -

مراد خان چانڈیو کو تحصیل علم کا بہت شوق تھا - ذاتی مطالعہ اور محنت سے اعلیٰ استعداد حاصل کی - ایام طفلی سے نیک صفت اور حلیم الطبع تھے - نماز روزے سے کبھی غافل نہیں ہوئے - شروع سے دینی مجالس اور علمی محفلوں میں شریک ہوتے تھے - ذوق طلب اور تلاش و جستجو میں دور دراز کا سفر کیا - مختلف ممالک اور مقامات کی سیر و سیاحت کی - اپنے علم، معلومات اور مشاہدات کے موتیوں کو تحریروں کے دامن میں سمیٹ لیا -

ایک بار پیدل حج کرنے کی سعادت حاصل کی - دوسری بار ۱۳۷۳ ھ (۱۹۵۳ء) کو حج کی تیاری میں مصروف تھے کہ سفر آخرت اختیار کرنا پڑا - ان کا مزار پرانوار شہر ٹھٹا کی ایک مسجد کے صحن میں مرجع خلائق ہے -

حاجی مراد خان چانڈیو عالم با عمل عارف باللہ تھے - عربی زبان بڑی روانی سے لکھتے اور بولتے تھے - ان کا عربی تلفظ اور لہجہ اتنا درست تھا کہ اہل عرب انگشت بدندان ہوکر کہتے

" آپ سندھی معلوم نہیں ہوتے - آپکے لہجے میں اور ایک عرب کے لہجہ میں کوئی فرق نہیں " (۱)

---

(۱) مہران سوانح نمبر، ص ۲۸۳

مراد خان جاڈیو سندھی فارسی اور اردو کے قادرالکلام شاعر تھے ان کی قومی و ملی نظمیں حب الوطنی کے جذبے سے معمور انسانی عظمتوں کی لازوال کیفیتوں سے بھرپور ہیں ۔ غزل کافی ، ڈوہیڑھا ، قصیدہ ، گیت جیسی اصناف پر بھی خوب خوب طبع آزمائی کی ہے ۔ لیکن ان کے فکر و تخیل کا محور عشق رسول[٣] ہے ۔ ان کا دل رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بے پناہ محبت سے سرشار تھا ۔ اسلئے وہ مدح رسول[٤] میں جو کچھ کہتے نہایت والہانہ انداز میں کہتے ۔

مراد خان کا ایک " سلام بارگاہ خیرالانام صلعم میں " اس اعتبار سے لاجواب ہے کہ یہ بیک وقت عربی فارسی سندھی اور اردو بیتوں اور ترکیبوں کے امتزاج سے معرض وجود میں آیا ہے جس سے ان کی پختہ کلامی اور مہارت فن ظاہر ہے ۔ اکثر بند بظاہر عربی کے معلوم ہوتے ہیں لیکن یہ تمام الفاظ اردو میں رائج ہیں اس لئے ایسے شعروں کو اردو نعتیہ شاعری کا جزو قرار دیا جاسکتا ہے ۔ یہ سلام مخمس میں ہے اسکے چند بند ملاحظہ ہوں ۔

الصلوٰۃ اے صاحب خلق عظیم
الصلوٰۃ اے مخزن لطف عمیم
السلام اے صاحب شق القمر
الصلوٰۃ اے بادشاہ بحر و بر
والسلام اے یا مزمل مدثر

الصلوٰۃ اے صاحب ام الکتاب
الصلوٰۃ اے ہو وحی تعجیل جواب
الصلوٰۃ اے شافع یوم الحساب
الصلوٰۃ اے سرور عالیجناب
السلام اے " انا اعطینٰک الکوثر "

الصلوٰۃ اے منبع جود و سخا
الصلوٰۃ اے مخزن فضل و عطا
الصلوٰۃ اے پیشوائے انبیاء
الصلوٰۃ اے مقتدائے اولیا
السلام اے " فصل لربک و انحر "

الصلواۃ اے نور حق فضل خدا
الصلواۃ اے چشمہ آب بقا
الصلواۃ اے گمرهن جا رهنما
الصلواۃ اے زیب بستان هدی
السلام اے " ان شانئک هوالابتر "

الصلواۃ اے واہ توحیدی لذت
الصلواۃ اے ذکر توهر سوسمت
الصلواۃ اے فیض و احسان بردرت
الصلواۃ اے تاج عزت برسر ت
السلام اے صاحب علم و صبر

۲۷ل ۱

سید زوار حسین شـــاہ

ولادت ۱۳۲۹ ھ / ۱۹۰۹ ء — ۱۴۰۰ ھ / ۱۹۸۰ ء

حضرت مولانا الحاج سید زوار حسین شاہ نقشبندی مجددی سعیدی ، ان اولیائے کرام اور علمائے عظام میں سے ہیں جن کے دم سے دیار کراچی علم و فیض کا مرکز اور شریعت و روحانیت کا گہوارہ رہا ہے ۔ سید زوار حسین شاہ برصغیر کے مشہور ولی اللہ اور مبلغ اسلام حضرت خواجہ محمد سعید ہاشمی کے خلیفۂ خاص اور الحاج پروفیسر ڈاکٹر مولانا غلام مصطفیٰ خان (سابق صدر شعبۂ اردو ، جامعہ سندھ) جیسے مجموعۂ کمالات و جامع الصفات عارف و عالم کے پیر و مرشد ہیں ۔

مولانا سید زوار حسین شاہ کی ولادت ۱۳۲۹ ھ مطابق ۱۹۰۹ء میں بمقام گوہلہ ضلع کرنال مشرقی پنجاب میں ہوئی ۔ ۲۲ ربیع رمضان المبارک ۱۴۰۱ھ مطابق ۵ / اگست ۱۹۸۱ء کو کراچی میں وفات پائی ۔ [handwritten]

پنجاب یونیورسٹی سے مولوی فاضل کی سند یافتہ ہیں ۔ عربی فارسی اردو تعلیم کی تحصیل و تکمیل کے بعد پیشہ درس و تدریس اختیار کیا ۔ پندرہ سال دہلی اسکول میں عربی کے استاد رہے ۔

قیام پاکستان کے بعد خیرپور میوالی ضلع بہاولپور میں اقامت اختیار کی ۔ ۱۹۶۷ء سے کراچی میں سکونت پذیر ہیں ۔

شاہ صاحب بچپن سے عارفانہ مزاج اور فقیرانہ طبیعت کے مالک ہیں ۔ قدرت نے شروع سے ان کی فطرت میں علم و فضل ، ذکر و فکر ، محبت و معرفت کے اوصاف عطا کیئے ہیں ۔ رضائے الہٰی کیلئے دست بدعا رہتے ہیں :

" الہٰی مقصود ما توئی و رضائے تو ، مارا محبت و معرفت خود
بدہ ، الہٰی مارا آن بندہ کہ بدوستان خودداری ، الہٰی از تو
کرامی خواہم کہ احب الصالحین و لست منہم
لعل اللہ یرزقنی صلاحا " (۲)

رضائے الہٰی اور اسکی معرفت و محبت کی تلاش نے شاہ صاحب کو پیر کامل کے دامن فیض سے وابستہ کیا ۔ ~~[struck out]~~ قدوۃ السالکین ، زبدۃ العارفین حضرت مولانا خواجہ شاہ محمد قریش ہاشمی نقشبندی مجددی فضل احمد پوری قدس سرہ الشریف ، (ولادت ۱۳۱۷ ھ مطابق

---

(۲) حیات سعیدیہ مصنفہ سید زوار حسین شاہ ، ص ۲۳۵ مطبوعہ ادارہ مجددیہ کراچی ۔

حاشیہ: یہ تذکرہ شائع ہو چکا تھا کہ مولانا زوار حسین شاہ کے انتقال پر ملال کی خبر روزنامہ جنگ کراچی مورخہ ۷ / اگست ۱۹۸۱ء میں راقم الحروف کی نظر سے گزری۔

۱۸۹۹ء بمقام احمد پور شرقیہ ریاست بہاولپور ، وفات ۱۹ ربیع الثانی ۱۳۶۳ ھ مطابق ۱۲ اپریل ۱۹۴۴ء بمقام پانی پت[۱]) سے بالمشافہ اپریل ۱۹۳۲ء میں بیعت[۲] ہوئے ۔

شاہ صاحب کو اپنے پیر و مرشد حضرت خواجہ محمد سعید ہاشمی سے بہت محبت و قربت تھی ۔ ان کے مرشد بھی اپنے چہیتے مرید پر بیحد شفقت فرماتے تھے ۔ شاہ صاحب نے اسلام کی ترویج و اشاعت کی غرض سے اپنے مرشد کے ہمراہ دور دراز علاقوں مثلاً دہلی ، کرنال ، پانی پت ، کیتھل تھانیسر گوہانہ وغیرہ کا دورہ کیا ۔ بہت سے کفر و شرک سے معمور دلوں کو تجلی توحید اور انوار محمدی سے منور کیا ۔ شاہ صاحب نے اپنی بے پناہ خدمت ، محبت ، ریاضت و عبادت سے اپنے شیخ کی زندگی میں وہ مقام حاصل کرلیا تھا جو " فنافی الشیخ "[۳] کا مقام ہوتا ہے ۔

مولانا سید زوار حسین شاہ کے تلامذہ ، مریدین ، ارادت مند پاکستان سے ہندوستان تک کے ہر گوشہ میں پھیلے ہوئے ہیں ۔ یہ حضرات اپنے علم و فکر سے خدمت دین میں مصروف ہیں ۔ شاہ صاحب نے اپنے جن خلفائے کرام[۴] کو خرقہ خلافت سے سرفراز فرمایا ہے ان کے اسمائے گرامی یہ ہیں :

۱) ڈاکٹر غلام مصطفےٰ خان (سندھ) (۲) حضرت حاجی محمد اعلیٰ (کراچی)
۳) ڈاکٹر ظہور احمد (کوٹ موسیٰ سرگودھا) (۴) ماسٹر عبدالکریم
۵) ڈاکٹر عبدالرحیم گاندھی (۶) صوفی محمد احمد مرحوم

مولانا سید زوار حسین ایک عالم با عمل اور بزرگ بافیض ہیں ۔ خطابت ، تقریر ، تصنیف و تالیف میں عالمانہ و فاضلانہ صلاحیتوں کے حامل ہیں ۔ مسجدوں ، مدرسوں اور علمی و روحانی و ادبی محفلوں میں نمایاں نظر آتے ہیں ۔ مجسمہ اخلاص و ایثار اور سراپا عجز و فقر ہیں ۔

شاعری بھی کرتے ہیں ۔ زوار ان کا تخلص ہے ۔ عربی فارسی اور اردو میں نہایت پاکیزہ اعلیٰ شعر کہتے ہیں ۔ شاعری کو تبلیغ دین اور تطہیر ملت کا ایک موثر ذریعہ سمجھتے ہیں ۔ صرف نظمیں کہتے ہیں ۔ ان کی نظمیں کہیں مولانا محمد حسین آزاد اور کہیں مولانا الطاف حسین حالی کی یاد دلاتی ہیں ۔ حقیقت کی عکاسی ، فطرت کی نقاشی اور جذبات و تاثرات کی ترجمانی میں جو طرز اپناتے ہیں اس میں اپنی بزرگوں کی پیروی معلوم ہوتی ہے ۔ زوار شاہ صاحب کی عربی فارسی

---

(۱) و (۲) حیات سعیدیہ ، ص ۹ ، ۲۲۹ ، ۲۳۳ ، ۲۳۵
(۳) تفصیلات کیلئے ملاحظہ ہو حیات سعیدیہ ، ص ۱۳۱
(۴) ماخوذ از معلومات حضرت محمد اعلیٰ ساکن کراچی ۔

اور اردو منظوم مناجات کا ایک مجموعہ " گلدستۂ مناجات " کے نام سے ۱۹۵۰ء میں ادارۂ مجددیہ کراچی کی جانب سے شائع ہوچکا ہے -

۲۹ اشعار پر مشتمل ایک طویل نظم " یادگار خواجہ محمد سعید ہاشمی " کی نشست الفاظ ، چشتی بندش ، روانی اور زور بیان دیکھئے -

وہ شمس معرفت شیخ طریقت عارف کامل
وہ دانائے شریعت ، رہبر حق ، واقف منزل

مری مولا مرے مرشد ، سعید ہاشمی قریشی
وہ حنفی نقشبندی سہروردی قادری چشتی

مجاز خواجہ فضل علیشاہ غوث صمدانی
مجدد الف ثانی کی محبت میں جو تھے فانی

کروں توصیف مرشد یہ کہاں تاب و توان میری
تخیل میرا ناقص ناممکل ہے زبان میری

جمیل و صائب الرائے حسینِ سیرت حسین صورت
وہ زاہد متقی ، صاحب نظر ، صاحبِ دل والفت

توکل صبر و تسلیم و رضا ، و شکرِ ربانی
تواضع بندگی بندہ نوازی خندہ پیشانی

تبسم ہی تبسم تھی سراسر گفتگو انکی
محمد کی غلامی تھی ہمیشہ آرزو ان کی

لطافت میں نظافت میں وہ تقوی اور طہارت میں
وہ عفت میں شرافت میں سخاوت میں شجاعت میں

چلن میں سادگی میں وضع میں الطاف و رحمت میں
عمل میں حلم میں عفووکرم میں اور طاعت میں

وہ اخلاقِ محمد ؐ کا سراپا ایک نمونہ تھا
کہ آغوش شریعت میں اسے فطرت نے پالا تھا

نگاہ فیض پڑ جاتی تھی جس پر میرے مرشد کی
محبت اس میں گھر کرتی تھی اللہ کی محمد ؐ کی

اس قسم کی نظمیں جب تک پوری کی پوری نہ پڑھی جائیں افادیت کا اندازہ نہیں لگایا جاسکتا - یہاں جامعیت کے مدنظر مکمل نظم نقل کرنا ممکن نہیں - بہرکیف اس نظم کے آخری چار اشعار پیش کئے جاتے ہیں جن میں نظم نگار نے بارگاہ الٰہی میں تابع سنت محبت شریعت اوصاف عرفانی اور نور ایمانی عطا کرنے کی یوں دعا کی ہے -

تمنا ہے تری زوّار کی ، مولانا عطا کردے
مری قلب و جگر کو حُبِ مرشد میں فنا کردے

ہمیں سنت کا تابع کر ، شریعت کی محبت دے
اور اس پر تا دم آخر خدایا استقامت دے

عطا کردے مری مولا ہمیں اوصاف عرفانی
دلوں میں سب مسلمانوں کے بھر دے نور ایمانی

ہمارا خاتمہ بالخیر ہو ایمان کامل پر
بحق مصطفٰے ؐ آل نبی اصحاب پیغمبر

مولانا زوار حسین شاہ پرگو شاعر ہیں - ان کے پیر و مرشد کے وصال (۱۹۳۳ء) کے بعد مسجد سالار گنج بادی پت میں سالانہ اجتماع ہوا - اس جلسے میں شرکت کے لئے شاہ صاحب دہلی سے

---

(۱) مکمل نظم کے لئے ملاحظہ ہو حیات سعیدیہ ، ص ۲۳۶-۲۳۷

تشریف لائے ۔ راستہ میں ایک نظم بعنوان " یاد مرشد " کی تخلیق ہوئی ۔ یہ نظم ۲۲ اشعار پر حاوی ہے ۔ یہ نظم جس والہانہ کیفیت میں کہی گئی ہے ۔ جس وارفتگی و بیساختگی سے ایک ایک شعر کو جذبات و تاثرات کے سانچے میں ڈھالا گیا ہے وہ اپنی مثال آپ ہے ۔ اس نظم کا تیسرا حصہ دیکھئے

مبارک تجھ کو اے زوار پھر روز سعید آیا
تجھے پھر یاد مرشد نے ہے اس محفل میں بلوایا

خدا کی راہ میں مٹ جا خدا کے نام پر بک جا
یہی ایسی تجارت ہے کہ جسکو بے خطر پایا

مٹاکر اپنی ہستی کو جب ہو اللہ سے واصل
تجھے ہر چیز میں اللہ کا جلوہ نظر آیا

شریعت کے یہ خادم ہیں طریقت بھی حقیقت بھی
مجدد الف ثانی نے ہے یہ ارشاد فرمایا

محمد کی غلامی سے سرمو ہو نہ تو باہر
یہی تعلیم دیتے تھے ہمارے مرشد و رہبر (۱)

اب ہم مولانا سید زوار حسین شاہ صاحب کی تصنیفات مؤلفات اور تراجم کا ایک مختصر جائزہ پیش کرتے ہیں ۔ شاہ صاحب نے عربی اور فارسی کی بعض اہم اور نادر کتابوں کا شگفتہ اور آسان زبان میں ترجمہ کیا ہے تاکہ اردو کے اہل علم کے ساتھ ساتھ عام قارئین بھی ان سے مستفید ہوسکیں ۔ شاہ صاحب کی تقریباً تمام کتابیں ادارہ مجددیہ ۳/۵ ناظم آباد نمبر ۲ ، کراچی نمبر ۱۸ سے زیر اہتمام الحاج محمد اعلیٰ صاحب (۲) شائع ہوچکی ہیں ۔

تراجم

(۱) مبدا و معاد (فارسی) ۔ مطبوعہ ۱۹۶۸ء

حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ کا یہ گرانقدر رسالہ کئی بار منظر عام پر آچکا ہے لیکن شاہ صاحب نے قلمی اور مطبوعہ پانچ نسخوں کو سامنے رکھکر پہلے تصحیح فرمائی پھر ترجمہ کیا ۔ فارسی اشعار کا ترجمہ اردو اشعار میں کیا ۔ اس میں ضروری حواشی کا بھی اضافہ کیا ۔ شروع میں مسلسل اصل فارسی رسالہ ہے بعد میں اردو ترجمہ ۔

(۲) معارف لدنیہ (فارسی) مطبوعہ ۱۹۶۸ء

یہ بھی حضرت الف ثانی کا فارسی رسالہ ہے ۔ اس کتاب میں پہلے فارسی کا اصل رسالہ شامل ہے بعد میں اس کا اردو ترجمہ ۔ اشعار کا ترجمہ اشعار میں ہے ۔ اس رسالہ کی تصحیح کے

---

(۱) ۲۲ اشعار کی یہ نظم " حیات سعید " (ص ۲۲۸-۲۲۹) میں درج ہے ۔

(۲) راقم حاجی محمد اعلیٰ صاحب مرید حضرت شاہ صاحب اور مہتمم ادارہ مجددیہ کا ممنون ہے اسلئے کہ انکے توسط و تعاون سے شاہ صاحب کی مطبوعات اور قلمی نسخوں سے استفادے کی سعادت حاصل ہوئی ۔

وقت قلمی اور مطبوعہ چار نسخے پیش نظر رھے ۔ حواشی بھی شامل ھین ۔

(۳) مکتوبات معصومیہ (عربی و فارسی) ۔ مطبوعہ ۱۹۷۸ء

حضرت عروۃ الوثقی خواجہ محمد معصوم کے مکتوبات تین دفترون مین ھین ۔ ھر دفتر مختلف دور مین مختلف مطابع سے شائع ھوچکا ھے ۔ شاہ صاحب نے مطبوعہ اور قلمی نسخون کو پیش نظر رکھکر تصحیح فرمائی ۔ اردو مین مکتوبات معصومیہ کے اس ترجمے کو نہ صرف اولیت بلکہ اولولیت حاصل ھے ۔

<u>تصنیفات و تالیفات</u>

(۱) عمدۃ السلوک ۔ ڈیمی سائز ۔ صفحات ۳۲۸ ۔ سن تصنیف ۱۹۳۲ء

یہ شاہ صاحب کی پہلی تصنیف ھے جو اب چوتھی بار شائع ھوئی ھے ۔ کتاب دو حصون پر مشتمل ھے ۔ پہلے حصہ مین فضائل ذکر ثبوت بیعت ، استخارہ کا طریقہ ، مخصوص دعائین درستی اخلاق وغیرہ کے اھم مسائل پر سیر حاصل بحث کی گئی ھے ۔ دوسرے حصہ مین علم کی فضیلت ، شریعت ، طریقت ، حقیقت ، معرفت ، علم الیقین ، عین الیقین ، حق الیقین ، فنا اور بقا کی تشریح ، عالم خالق عالم امر عالم مثال عالم کبیر و صغیر جسم مثالی حقیقت نفس ، توحید وجودی و شہودی ، توحید ذاتی و صفاتی و افعالی ، تشریح اصطلاحات نقشبندیہ ، آداب و رعایت برائے مرشدین ، اعتقادات برائے کاملین ، نماز کی فضیلت اور اسکے مدارج ، سالک اپنے دن اور رات کسطرح گذارے ، طریقہ بیعت ، طریقہ تعلیم و تشریح اسباق سلسلہ نقشبندیہ مراقبات مشارب ، خلاصہ اسباق سلوک طریقہ توجہ ، مختصر حالات حضرات نقشبندیہ ، آخر مین تعویذات اور ختم خواجگان بھی درج ھین ۔

(۲) عمدۃ الفقہ ۔ مطبوعہ ۱۹۶۵ء

یہ کتاب حسب ذیل چار جلدون پر محیط ھے ۔

(۱) کتاب الایمان و کتاب الطہارۃ (۲) کتاب الصلوٰۃ
(۳) کتاب الزکوٰۃ و کتاب الصوم (۴) کتاب الحج

شاہ صاحب نے ان چارون جلدون مین مسائل فقہیہ کو نہایت تحقیق اور مطالعہ کے بعد احتیاط اور ژرف نگاھی کے ساتھ بیان فرمایا ھے ۔ چھوٹی سے چھوٹی جزئیات تک کی وضاحت کی ھے ۔

(۳) زبدۃ الفقہ (زیر طبع)

اس کتاب کی تین جلدین ھین جن مین شاہ صاحب نے عمدۃ الفقہ کی تفصیلات کے پیش نظر مسائل فقہ اور جزئیات پر جامعیت کے ساتھ روشنی ڈالی ھے ۔

(۴) حضرت مجدد الف ثانی - دوسرا ایڈیشن - ۱۹۷۸ء

اس کتاب میں شاہ صاحب نے حضرت الف ثانی کی زندگی کے حالات ، معمولات ، نظریات و ارشادات سے متعلق تفصیل سے روشنی ڈالی ہے - چند مندرجات یہ ہیں :

سلسلہ نسب ، سلسلہ طریقت ، حیات مبارکہ ، وفات ، معمولات ، کشف و کرامات ، ملفوظات دعوت و تجدید ، مجددیت ، تجدیدی کارنامے ، شواہد تجدید ، معترضین اور ان کی تردید ، تعلیمات ، تصانیف ، اولاد امجاد ، خلفاء عظام ، مکتوب الیہم ، کتابیات وغیرہ - یہ کتاب بلاشبہ شاہ صاحب کی ایک معرکۃ الآرا تالیف ہے اور افادیت کے اعتبار سے منفرد ہے -

(۵) انوار معصومیہ - مطبوعہ ۱۹۷۵ء

حضرت خواجہ محمد معصوم خلیفہ جانشین و فرزند سوم حضرت مجدد الف ثانی کی جامع اور مبسوط سوانح حیات ، مکتوبات معصومیہ کی روشنی میں مدلل طور پر ثابت کیا گیا ہے کہ تعلیمات مجددی کے اصل شارح حضرت محمد معصوم ہی ہیں اور عہد حاضر کے علماء حق بالواسطہ یا بلاواسطہ آپ ہی کے خوشہ چین ہیں - شاہ صاحب کی مذکورہ بالا کتاب " حضرت مجدد الف ثانی ، اور ان کے اسلاف و اجداد کے حالات پیش کرتی ہے تو انوار معصومیہ آپ کی اولاد و احفاد کے کوائف سے آگاہ کرتی ہے - پہلی کتاب ضرورت و اسباب تجدید کا خاکہ اور تجدیدی کارناموں کی مظہر ہے اور دوسری کتاب تجدید کے دور اس عواقب و نتائج کا آئینہ ہے اسطرح انوار معصومیہ دراصل تکملہ " حضرت الف ثانی " ہے -

(۶) طریقہ حج اور دعائیں - مطبوعہ ۱۹۷۶ء

اس کتاب میں فضائل و طریقہ حج کے ساتھ ساتھ حج اور زیارات کی جامع و مبسوط دعائیں شامل ہیں - ہر دعا کے آخر میں اردو ترجمہ بھی ہے -

(۷) گلدستہ مناجات - مطبوعہ ۱۹۵۰ء

عربی فارسی اور اردو منظوم مناجات کا روح پرور مجموعہ

(۸) مقامات فضلیہ (زیر طبع)

اس کتاب میں شاہ صاحب نے اپنے شیخ طریقت خواجہ محمد سعید قریش ہاشمی کے شیخ حضرت خواجہ فضل علی (متوفی ۱۹۳۵ء) ساکن مسکین پور ضلع بھاولپور کے حالات و واقعات قلمبند کیئے ہیں -

(۹) حیات سعیدیہ ۔ مطبوعہ ستمبر ۱۹۷۰ء (۱۳۹۰ ھ)

اس کتاب میں شاہ صاحب نے اپنے شیخ حضرت خواجہ محمد سعید قریشی ہاشمی احمد پوری کی زندگی ، شخصیت ، معمولات ، عادات ، مصروفیات ، رشد و ہدایات اور کشف و کرامات کا شرح و بسط سے عالمانہ جائزہ لیا ہے ۔ یہ کتاب صحیح معنوں میں شاہ صاحب اور ان کے حلقہ طریقت و شریعت سے متعلق ایک ڈائرکٹری کی حیثیت رکھتی ہے ۔

مولانا سید زوار حسین شاہ کی تمام تر نگارشات احیاء دین ، شریعت مطہرہ ، رموز طریقت اور اسرار توحید و رسالت پر محیط ہیں ۔ ان کی تصنیف و تالیف ، ترجمہ ، تحریر و تقریر کا اصل مقصد احکامات الہٰی ، ارشادات نبوی ، تعلیمات انبیاء ، پیغامات اولیاء کی روشنی میں عوام الناس کے دلوں کو نور ایمانی و تجلیات سبحانی سے بھر دینا اور معاشرے کو شر کے اثرات سے پاک کرنا ہے ۔ انہوں نے اپنے نصب العین کی تکمیل کیلئے نہایت آسان اور عام فہم زبان کو اپنایا ہے ۔ طرز تحریر شگفتہ اور دلنشین اسلوب سادہ اور پرکشش ہے ۔ قرآن اور حدیث کے حوالوں سے ان کی تحریریں زیادہ جاندار اور بصیرت و روحانیت سے معمور ہوتی ہیں ۔

نمونہ نثر یہ ہے :

"تقویٰ" (پرہیزگاری)

اب یہ عاجز تقوی کی مختصر تعریف کے بعد اسکی مزید تشریح کیلئے حضرت خواجہ خواجگان پیر پیران مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے مکتوب (۷۲) جلد اول کا وہ حصہ جو ورع و تقویٰ کے متعلق ہے درج کرتا ہے تاکہ مضمون ھذا کو تقویت و برکت حاصل ہو ۔ اس کے بعد صاحب سوانح قدس سرہ العزیز کے حالات متعلق بہ تقویٰ درج کیئے جائیں گے ۔

"اللہ تعالی نے فرمایا ہے مَا آتٰکُمُ الرسول فَخُذُوہُ وَمَا نھٰکُمْ عنْہُ فَانْتَھُوا ، یعنی ہمارا رسول جو چیز تمھیں دے اسکو لے لو اور جس چیز سے منع کرے اس سے ہٹ جاو ۔ نجات کا مدار دو چیزوں پر ہے اوامر کا بجا لانا اور نواھی سے رک جانا ۔ ان دونوں چیزوں میں سے بزرگتر جزو آخری ہے جو ورع و تقویٰ سے تعبیر کیا گیا ہے ۔ ذُکِرَ (۱) رَجُلٌ عِنْدَ رسول اللہ صل اللہ علیہ وسلم بعبادۃٍ و اجتھا دٍ وَّ آخر برعَۃٍ فقالَ النبی صل اللہ علیہ والہ وسلم لاتعدِلْ بالرِّعَۃِ شیًٔ یعنی اَلْوَرِعَ ۔ (ترجمہ) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں ایک شخص کا

---

(۱) المشکوٰۃ عن جابر رضی اللہ عنہ

ذکر عبادت اور اجتہاد سے متعلق کیا گیا ہے اور دوسرے کا ذکر ورع کے ساتھ تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ورع (پرہیزگاری) کے برابر کوئی چیز نہیں " ۔ اور نیز نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا " مِلَاکُ دِیْنِکُمْ اَلْوَرَعُ " تمہارے دین کی اصل پرہیزگاری ہے اور انسان کی فضیلت فرشتوں پر اسی جزو سے ثابت ہے اور قرب کے درجوں پر ترقی بھی اسی جزو سے ثابت ہوتی ہے کیونکہ فرشتے پہلے جزو میں شریک ہیں اور ترقی ان میں مفقود ہے پس ورع و تقویٰ کے جزو مد نظر رکھنا اسلام کے اصلی مقصدوں اور بڑی ضروریات میں سے ہے ۔ یہ جزو کہ جس کا مدار محرکات سے بچنے پر ہے کامل طور پر اس وقت حاصل ہوتا ہے ۔ جبکہ فضول مباحات سے پرہیز کیا جائے اور بقدر ضرورت مباحات پر کیلفت کفایت کیا جائے کیونکہ مباحات کے اختیار کرنے میں باگ کا ڈھیلا چھوڑنا مشتبہ امور تک پہنچا دیتا ہے اور مشتبہ حرام کے نزدیک ہے ۔ مَنْ حَامَ حَوْلَ الْحِمٰی یُوْشِکُ اَنْ یَّقَعَ فِیْہِ (جو جانور چراگاہ کے گرد پھرا قریب ہے کہ اس میں جا پڑے) پس کمالِ تقویٰ کے حاصل ہونے کیلئے بقدر ضرورت مباحات پرکفایت کرنا ضروری ہے اور وہ بھی اس شرط پر کہ اس میں وظائف بندگی کے ادا کرنے کی نیت ہو ورنہ اس قدر بھی وبال ہے اور اسکا قلیل بھی کثیر کا حکم رکھتا ہے اور جب فضول مباحات سے پوری طور پر بچنا تمام اوقات میں اور خاص کر اسوقت (آجکل) بہت ہی دشوار ہے اس واسطے محرکات سے بچکر حتی المقدر فضول مباحات کے اختیار کرنے کا دائرہ بہت تنگ کرنا چاہئے اور اس ارتکاب میں ہمیشہ پشیمان ہونا چاہئے اور توبہ و بخشش طلب کرنی چاہئے اور اسکو محرمات میں داخل ہونے کا دروازہ جان کر ہمیشہ حق تعالیٰ کی جناب میں التجا اور گریہ و زاری کرنی چاہئے شاید کہ ندامت اور استغفار اور التجا و تضرع فضول مباحات سے بچنے کا کام کرجائے اور اس کی آفت سے محفوظ کردے ۔ ایک بزرگ نے فرمایا " اِنْکِسَارُ الْعَاصِیْنَ اَحَبُّ مِنْ صَوْلَۃِ الْمُطِیْعِیْنَ (گناہگاروں کی عاجزی فرنبرداروں کے دبدبہ سے بہتر ہے) اور محرمات سے بچنا بھی دو قسم پر ہے ایک وہ قسم ہے جو اللہ کے حقوق سے تعلق رکھتی ہے اور دوسری وہ ہے جو بندوں کے حقوق سے متعلق ہے اور دوسری کی رعایت نہایت ضروری ہے ۔ حق تعالیٰ غنی مطلق اور بڑا رحم کرنے والا ہے اور بندے فقرا اور محتاج اور بالذات بخیل اور کنجوس ہیں " ۔

(حیات سعیدیہ ، ص ۱۰۲ تا ۱۰۵)

پیر حسام الدین راشدی

ولادت ۱۳۲۹ھ / ۱۹۱۱ء

پیر سید حسام الدین راشدی برصغیر پاک و ہند کے ایک ممتاز دانشور ، محقق اور تاریخ دان ہیں ۔ خاندان راشدیہ کے مقتدر عارف ، عالم ، شاعر اور طبیب حضرت پیر سید حامد شاہ راشدی کے فرزند دوم اور سندھ کے مشہور صحافی ، سیاست دان پیر سید علی محمد راشدی کے چھوٹے بھائی ہیں ۔ حسام الدین راشدی نے اپنے خاندان کی علمی و تاریخی روایت کو نہ صرف پوری آب و تاب کے ساتھ زندہ رکھا ہے بلکہ سندھ کی تاریخ ، ثقافت ، ادب اور خصوصاً اردو زبان کی ترویج و ترقی اور توسیع و اشاعت کے سلسلے میں ناقابل فراموش خدمات انجام دی ہیں ۔

حسام الدین راشدی کی ولادت ۱۳۲۹ ھ مطابق ۲۰ ستمبر ۱۹۱۱ء کو " بہمن گوٹھ " نامی گاوں میں ہوئی ۔ ابتدائی تعلیم و تربیت والد ماجد پیر سید حامد شاہ راشدی کی نگرانی میں ہوئی عربی فارسی سندھی کے ابتدائی اسباق اپنے والد کے پاس پڑھے ۔ مولانا محمد الیاس سے ان زبانوں میں مزید تعلیم حاصل کی ۔ کالج یا یونیورسٹی کی کوئی سند نہیں رکھتے لیکن خداداد ذہانت ، ذاتی محنت و مطالعہ سے ایسی غیر معمولی استعداد حاصل کرلی کہ بڑے بڑے ڈگری یافتہ لوگ ان سے مستفیض ہوتے رہتے ہیں ۔

راشدی صاحب سندھ یونیورسٹی سنڈیکیٹ کے ممبر ، سندھی ادبی بورڈ کے بانی و نگران ، انجمن ترقی اردو کی مجلس عاملہ کے رکن ، ترقی اردو بورڈ کراچی کی مجلس عاملہ کے رکن اور دیگر علمی و ثقافتی اداروں کے نگران و صدر رہ چکے ہیں (۱) ۔

۱۹۶۳ء میں حکومت ایران نے تاریخی علمی و ادبی خدمات کے اعتراف میں " نشان سپاس " اور حکومت پاکستان نے ۱۹۶۳ء میں " ستارۂ امتیاز " کے اعزازات سے نوازا ۔

راشدی صاحب کا نجی کتب خانہ مختلف علوم و فنون کی کئی ہزار کتابوں پر مشتمل ہے ان میں تین سو سے زائد قدیم مخطوطات کا قیمتی ذخیرہ بھی ہے ۔

سندھی ان کی مادری زبان ہے لیکن ان کے خاندان میں اردو بولنے اور لکھنے پڑھنے کا بہت قدیم اور عام رواج ہے ۔ سترہ سال کی عمر میں انھوں نے لکھنا پڑھنا شروع کیا تو اس کی ابتدا اردو

---

(۱) حسام الدین راشدی کے بعض حالات کے سلسلے میں مخدومی جناب افسر صدیقی امروہی (کتب خانہ خاص انجمن ترقی اردو کراچی) کی معلومات سے استفادہ کیا گیا ہے ۔ افسر صدیقی صاحب راشدی صاحب کے دیرینہ رفیق اور ہم محفل ہیں ۔

سے ھی ھوئی ۔ بیک وقت اردو اور سندھی دونوں میں لکھنے لگے ۔ مختصر کہانیاں سندھی میں لکھتے تو ان کے ترجمے اردو میں کر ڈالتے اسی طرح اردو کے مشہور شعراء مثلاً سیماب اکبرآبادی ، اختر شیرانی وغیرہ کا کلام سندھی میں ترجمہ کرتے اور وہ سندھی روزنامہ " ستارہ سندھ " (۱) سکھر کے ھفتہ وار ایڈیشن میں شائع ھوتا تھا۔

راشدی صاحب نہ صرف سندھی اور فارسی ادب کے بہت بڑے اسکالر ھیں بلکہ اردو ادب میں بھی ایک خاص مقام رکھتے ھیں ۔ اردو میں ان کے مضامین برصغیر پاک و ھند کے اکثر اخبارات و رسائل میں طبع ھوچکے ھیں جن میں روزنامہ سیاست ، زمیندار لاھور ، سہ ماہی اردو ، ماھنامہ قومی زبان کراچی اور ماھنامہ معارف اعظم گڑھ وغیرہ قابل ذکر ھیں ۔

پیر حسام الدین راشدی کی تمام تحریر و تصانیف تاریخ ، ادب اور ثقافت سے متعلق ھیں ۔ انھوں نے بعض بڑی اھم تاریخی و ادبی کتابوں کو نہایت عرق ریزی و دیدہ وری سے ایڈٹ بھی کیا ھے حسب ذیل کتابیں ان کے مقدمے اور حواشی کے ساتھ شائع ھوئی ھیں ۔

سندھی

ان کی سندھی کتابوں میں یہ کتاب اپنے موضوع کے اعتبار سے خاص اھمیت کی حامل ھے ۔
تذکرہ مشاھیر سندھ ۔ تالیف مولانا دین محمد وفائی مرحوم
مطبوعہ سندھی ادبی بورڈ حیدرآباد ۱۹۷۲ء

فارسی

۱) مقالات الشعراء — تالیف میر علی شیر قانع ٹھٹھوی
۲) تحفۃ الکرام — " " "

تحفۃ الکرام کا اردو ترجمہ اختر رضوی نے کیا ھے جو مخدوم امیر احمد (سابق پرنسپل اورینٹل کالج حیدرآباد) کے مقدمۃ ، تصحیح و حواشی کے ساتھ ۱۹۵۹ء میں سندھی ادبی بورڈ کراچی کے تحت شائع ھوا ھے ۔

۳) تکملہ مقالات الشعراء ۔ تالیف محمد ابراھیم خلیل ٹھٹھوی ان کے علاوہ فارسی کے حسب ذیل کتابیں

---

(۱) حسام الدین راشدی کے بڑے بھائی پیر علی محمد راشدی اخبار ستارہ سندھ کے ایڈیٹر اور ناشر تھے۔ یہ اخبار ۱۹۳۲ء میں سکھر سے جاری ھوا اور ۱۹۳۷ء میں بند ھوگیا ۔ اس اخبار میں ادب و سیاست کے بارے میں اچھے مضامین شائع ھوتے تھے اس اخبار نے سندھی عوام میں قومی بیداری، سیاسی شعور اور ادبی ذوق کی نشوونما میں بہت نمایاں کردار ادا کیا ھے ۔

هین ۔ یہ تمام کتابیں سندھی ادبی بورڈ نے شائع کی ھین ۔

۳) روضۃ السلاطین، الجواھر العجائب ۵) مثنوی جدیسر نامـہ

۶) مثنویات قاصائد قانع ۷) مثنوی مظہر الآثار

۸) مکلی نامـہ ۹) تاریخ مظہر شاھجہانی

۱۰) ترخان نامـہ ۱۱) ھشت بہشت

۱۲) منشور الوصیت

<u>اردو</u> راشدی صاحب کی اردو تصانیف اور مضامین ان کی اردو سے بے پناہ محبت اور ان کے تاریخی و تحقیقی کارناموں کے شاھد ھین ۔ ان کی مندرجہ ذیل کتابیں بڑی افادیت کی حامل ھین ۔

۱) دود چراغ محفل ۔ یہ کتاب عہد غالب اور تلامذہ غالب سے متعلق ھـے ۔

۲) مرزا غازی خان ترخان اور اسکی بزم ادب ۔ مطبوعہ انجمن ترقی اردو پاکستان، کراچی ۱۹۷۰ء

اس کتاب کے آغاز مین اختر حسین صدر انجمن ترقی اردو کی یہ رائے بڑی اھمیت رکھتی ھے اور اس سے " مرزا غازی خان ترخان اور اسکی بزم ادب " کی افادیت کا اندازہ کیاجاسکتا ھـے ۔

" راشدی صاحب نے غازی بیگ کے حالات زندگی اور اسکے دربار سے متعلق شعراء کے بارے مین یہ مفصل کتاب لکھکر کئی جہتون مین رھنمائی کی ھے ۔ اس کتابکے ذریعہ برصغیر ھند و پاکستان کی فارسی شاعری کے ایک خاص گوشے پر روشنی پڑتی ھـے .... زیر نظر کتاب کے مطالعے کی روشنی مین ھم یہ کہہ سکتے ھین کہ سندھ کا فارسی ادب برصغیر کے ادبیات مین ایک دقیع اضافہ کی حیثیت رکھتا ھے ۔

اس کتاب کی تیسری خصوصیت یہ ھے کہ راشدی صاحب نے سندھ کے فارسی شعراء کے بارے مین یہ کتاب اردو زبان مین لکھی ھے وہ اگر چاھتے تو اسے سندھی یا فارسی مین بھی لکھ سکتے تھے لیکن انھون نے اس گرانقدر کتاب کے ذریعے اردو کے سنجیدہ ادب مین اضافہ کرکے اردو سے اپنی قدیم اور لازوال محبت کا ثبوت دیا ھـے " ۔

(ص ۱۱ – ۱۲)

۳) سندھی ادب ۔ ادارۂ مطبوعات پاکستان کراچی ۱۹۵۵ء ۔

یہ $\frac{۲۰ \times ۳۰}{۱۲}$ سائز کے ایک سو بارہ صفحات کی مختصر کتاب ھے لیکن مندرجات اور مواد کے لحاظ سے سندھی ادب کی تاریخ اور زبان کے سلسلے مین ایک اھم دستاویز ھے ۔ عربی عہد سے لے کر عہد پاکستان تک کا محققانہ انداز مین بڑی جامعیت کے ساتھ احاطہ کیا ھـے ۔

پیر حسام الدین راشدی صاحب اردو زبان پر اہل زبان جیسے قادر ہیں ۔ ان کی طرز تحریر سادہ سلیس ، شگفتہ اور دلچسپ ہے ۔ جو لکھتے ہیں تحقیق اور استدلال کے ساتھ لکھتے ہیں ان کی نثر کی سب سے بڑی خوبی تاریخ اور ادب کا لطیف امتزاج ہے ۔

موضوع تحریر

تاریخی اعتبار سے صوبہ سندھ نہایت قدیم ثقافتی ورثہ کا مالک ہے ۔ موہن جو ڈارو کے آثار قدیمہ جو اس سرزمین میں پائے جاتے ہیں وہ محققین کے نزدیک آج سے تقریباً چار ہزار برس پہلے کے ہیں اور سمیری تمدن اور مصر کے قدیم ترین عہد کے تمدن کے ہم عصر سمجھے جاتے ہیں ۔ تقریباً ایک ہزار قبل مسیح میں آرین قوموں کے قبیلے اور گروہ وسط ایشیا یا کسی اور مقام سے نکلکر وادی سندھ میں آباد ہوگئے تھے ۔ اسکے بعد ہخامنشی بادشاہ دارا نے اسے فتح کرلیا اور ایک مدت تک یہ صوبہ ہخامنشی فرمان رواں کے زیر حکومت رہا ۔ جب ۳۲۹ ق ۔ م میں سکندر اعظم فتح ایران کے بعد یہاں داخل ہوا تو سکندر کی واپسی کے بعد یہ صوبہ موریا خاندان کی سلطنت کا جزو بن گیا اور بعد میں باختر کے یونانیوں کا یہاں تسلط رہا ۔ پہلی صدی سے ساتویں صدی قبل مسیح تک وسط ایشیا کے مختلف فاتحین کے گروہ اور قبائل یہاں آتے رہے ۔ یہاں تک کہ بنی امیہ کے عہد میں محمد بن قاسم نے ۷۱۲ء میں سندھ کے ساحلی شہر دیبل کو فتح کرلیا اور ملتان تک فتح کرکے یہاں اسلامی حکومت کی بنیاد ڈالی ۔ اس وقت سے ۱۲۰۰سال تک سندھ مختلف سلطان خاندانوں کے زیر حکومت رہا ۔ ۱۸۴۳ء میں انگریزوں نے اس پر قابض ہوکر اسے ایک صوبہ کی حیثیت سے برطانوی ہند کی قلمرو میں شامل کرلیا اب یہ پاکستان کا ایک صوبہ ہے ۔

اس برصغیر کی زبانوں کی داستان بھی اسکی تاریخ کے ساتھ ساتھ چلتی ہے ۔ آریا پہلے پہل پنجاب اور سندھ میں آباد ہوئے تھے اور یہاں سے انبالہ کے راستے مرکزی ہند میں پہنچے تھے جہاں سے وہ برصغیر کے مختلف حصوں میں پھیل گئے ۔ سندھ میں ان کی زبان نے مقامی اثرات قبول کئے جوں جوں وہ سندھ سے آگے بڑھتے گئے ان پر کول اور دراوڑی زبانوں کا اثر بڑھتا گیا ۔ مغربی ہند میں پنجابی ، سندھی ، گجراتی اور راجستھانی اسی پراکرت کی مختلف صورتیں ہیں ۔

جہاں تک سندھ کا تعلق ہے یہاں کی عام بول چال کی زبان کا نام ورچڈا بتایا جاتا ہے اس سے چار سندھی بولیاں پیدا ہوئیں جو علاقائی لحاظ سے چار شاخوں میں منقسم ہیں ۔

(۱) وچولی ، جو وسط سندھ میں بولی جاتی ہے

(۲) سرائیکی یا سریلی جو سندھ کے مشرقی حصہ میں بولی جاتی ہے ۔ جس میں بہاولپور کا علاقہ بھی گنا جاتا ہے ۔

(۳) تھریلی ۔ جو تھرپارکر کے علاقوں میں بولی جاتی ہے ۔

(۴) کچھی ۔ جو کاٹھیاواڑ کے علاقہ میں رائج ہے ۔

خاص سندھ میں جو زبان بولی جاتی ہے وہ یہی موجودہ سندھی ہے ۔

(سندھی ادب ۔ پہلا باب سندھی زبان کی تاریخ)
ص ۷ تا ۹

ڈاکٹر غلام مصطفےٰ خان

ولادت ۱۳۳۰ھ
۱۹۱۲ء

الحاج پروفیسر ڈاکٹر غلام مصطفےٰ خان وہ یگانہ روزگار اور عظیم المرتبت ہستی ہیں جن کے اعلیٰ مشن ، قلندرانہ ارشادات ، علم و عرفان اور فیوض و الطاف کی بدولت بے شمار انسان ترقی و کمال ، اخلاص و محبت اور نیکی و فلاح کی راہ پر گامزن ہیں (۱) ۔

ڈاکٹر غلام مصطفےٰ خان یوسف زئی کے پر دادا امیر مولی خان اور انکے تین بھائی پہلے سیوہی کے ایک قصبہ چھپارا (سی پی ، بھارت) میں آباد تھے ۔ یہ خاندان بہادری و شجاعت کے ساتھ ساتھ شرافت ، اخلاق اور دین داری کے سبب نہایت معتبر و محترم سمجھا جاتا تھا ۔ ۱۸۲۵ء میں اس خاندان نے ستم روزگار کے ہاتھوں مجبور ہوکر چھپارا سے منتقل ہوکر پٹھان محلہ قصبہ پناگر (متصل جبل پور) میں سکونت اختیار کی (۲) ۔

غلام مصطفےٰ خان کے دادا کا نام وزیر خان اور والد کا نام گلاب خان تھا ۔ ان کی ولادت باسعادت ۱۰ شوال المکرم ۱۳۳۰ ھ مطابق ۲۳ ستمبر ۱۹۱۲ء (۳) بوقت اذان فجر بمقام جبل پور ہوئی ۔

والد کی مسلسل علالت کی وجہ سے ڈاکٹر صاحب کا بچپن بڑی عسرت اور صبر آزما حالت میں گذری ۔ ان کے بڑے بھائی نذیر احمد خان نے تعلیم ترک کرکے ڈاکٹر صاحب کی پرورش اور تعلیم کی طرف بھی توجہ دی (۳)

---

(۱) یہ راقم کی خوش نصیبی ہے کہ اسے حضرت قبلہ مولانا غلام مصطفےٰ خان مدظلہ العالی جیسے جامع الصفات و مجموعہ کمالات " مرد مومن " کے دامن فیض سے وابستگی کا شرف حاصل رہا ہے اسی تعلق خاص کی بنا پر راقم نے اپنی نئی تصنیف خالد ایک نیا آہنگ (مطبوعہ فانوس لاہور دسمبر ۱۹۷۷ء) کو ڈاکٹر صاحب قبلہ کے نام نامی اسم گرامی معنون کرنے کی سعادت حاصل کی ہے ۔

(۲) تفصیلات کے لئے ملاحظہ ہو ۔ تاریخ اسلاف از ڈاکٹر غلام مصطفےٰ خان ۔

(۳) اِقْرَاْ وَ رَبُّکَ الْاَکْرَمُ ۙ الَّذِیْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ۙ
ان آیتوں کے اعداد ۱۹۱۲ سے میرا سال پیدائش ظاہر ہے ۔
(غلام مصطفےٰ خان ۔ علمی نقوش ، ص ۳)

بھی بوری توجہ دی (۱) ۔ والد کے انتقال کے بعد ان کی والدہ ماجدہ نے صبر و شکر، عز و قناعت حمیت و خود داری کے ساتھ ان کی دیکھ بھال کی ۔ یہ والدہ اور بھائی کی نگرانی و تربیت کا نتیجہ تھا کہ ڈاکٹر صاحب ایام طفلی سے ہی حوصلہ مند، محنتی، بردبار، قانع اور صابر و شاکر ہیں ۔ ان کے خاندان کے ہر فرد میں اسلامی تعلیم اور دینی رجحان موجود تھا ۔ یہ اسی ماحول کا اثر تھا کہ ڈاکٹر صاحب شروع سے ولی صفت، نیک طینت اور پابند صوم و صلوٰۃ ہیں ۔

ڈاکٹر صاحب بچپن سے ہی بلا کے ذہین، طبع اور ذکی و فہیم ہیں ۔ انھوں نے قرآن کریم کا صرف پہلا پارہ اپنے بڑے بھائی سے پڑھا باقی ۲۹ پارے خود اپنی کوششوں سے پڑھ ڈالے ۔ بعد میں قرآن مجید کے علم و فن پر اتنا عبور حاصل کیا کہ جید عالموں میں ان کا شمار ہوتا ہے ۔

۱۹۳۳ء میں اول پوزیشن کے ساتھ پانچویں جماعت کا امتحان پاس کیا ۔ ۱۹۳۸ء میں جبل پور سے نویں جماعت پاس کرنے کے بعد علیگڑھ چلے گئے ۔ وہاں میٹریک سے ایم اے ایل ایل بی تک کی اسناد امتیازی شان کے ساتھ حاصل کیں ۔ ۱۹۳۵ء میں ایم اے (فارسی) ۱۹۳۶ء میں ایم اے (اردو) اور اسی عرصہ میں ایل ایل بی بھی کیا ۔ ۱۹۳۲ء میں فارسی کے مشہور شاعر سید حسن غزنوی سے متعلق معرکہ آرا مقالہ پر پی ایچ ڈی کی ڈگری ملی ۔ انکی علمی و ادبی خدمات کے صلے میں ناگپور یونیورسٹی سے ڈی لٹ کی ڈگری بھی مل چکی ہے ۔

---

(۱) یہ بات راقم کے علم میں ہے کہ دونوں بھائیوں میں بیحد شفقت و محبت تھی ۔ ان کے برادر معظم نذیر احمد خاں ۳۲۸ پیر الٰہی بخش کالونی کراچی میں قیام پذیر تھے ۔ جن دنوں وہ بیمار تھے راقم کو ڈاکٹر صاحب کے ہمراہ ان کے معالج کے پاس جانے کا اتفاق ہوا ۔ ۱۹۵۷ء میں بعمر ۶۰ سال دو شنبہ یوم الحج ۱۳۷۶ ھ مطابق ۸ جولائی ۱۹۵۷ء کو جب ان کا انتقال ہوا تو ڈاکٹر صاحب نے نہایت پر سوز و پر درد قطعہ تاریخ وفات کہا

بیادگار اکرام برادر معظم

۱۹۵۷ء

علیہ الرحمۃ التعالیٰ	حاجی گرامی نذیر احمد خان
۱۳۷۶ ھ	۱۹۵۷ء
پارسا متقی شاد روان	عالی منصب نذیر احمد خان
۷۶ ۱۳ ھ	۵۷ ۱۹ ء
بے نظیر آمدہ شبہ بزم زمان	در خصوص محبت و الفت
۷۶ ۱۳ ھ	۵۷ ۱۹ ء
آنکہ بخشد پناہ ہر عدوان	پنج بار او مشرف حج ساخت
۷۶ ۱۳ ھ	۵۷ ۱۹ ء

(ادبی جائزہ صفحہ ۳)

علیگڑھ کے زمانہ طالب علمی میں قاری ضیاء الدین احمد سے علم عربی اور فن تجوید کے درس لئے ۔ عربی کی مزید تعلیم مولانا ابوبکر مشیت جونپوری (۱) اور مولانا سید سلیمان اشرف سے حاصل کی جن اساتذہ کرام سے فارسی علوم میں فیض پایا ان میں مولانا ضیاء احمد بدایونی (۲) ، ڈاکٹر ہادی حسن، حاجی حمیداللہ خاں اور محمد حاذق قابل ذکر ہیں ۔ مولانا احسن مارہروی (۳) ،

---

(۱) مولانا ابوبکر محمد مشیت جونپوری اگرچہ عربی کا درس دیتے تھے مگر مسلم لاء بھی بہت اچھا پڑھاتے تھے یہاں تک کہ بڑے بڑے بیرسٹر ایسا نہیں پڑھا سکتے تھے ۔ مولانا فی سبیل اللہ طلباء کو قانون کی تعلیم دیتے تھے ۔ (ارشاد ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں)

(۲) پروفیسر مولانا ضیاء احمد بدایونی (المتوفی ۸ جولائی ۱۹۷۳ء) اگرچہ فارسی کے استاد تھے مگر عربی کے بھی عالم تھے ۔ وہ ڈاکٹر نہ تھے مگر ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاںصاحب کے پی ایچ ڈی کے مقالے کے گائیڈ رہے ۔ ڈاکٹر صاحب نے اپنے استاد مکرم و الاکرام پروفیسر ضیاء احمد کے بارے میں ایک طویل مقالہ (مطبوعہ ماہنامہ فاران کراچی بابت نومبر دسمبر ۱۹۷۳ء) لکھکر مرحوم کی خدمت میں خراج عقیدت پیش کیا ہے ۔ مولانا ضیاء احمد مرحوم اپنے ایک مکتوب گرامی میں راقم الحروف کے نام تحریر فرماتے ہیں :

۷۸۶

" علی گڑھ مسلم یونیورسٹی
۲۸ - ۸ - ۵۷ ء
کرمفرمائے من ۔ تسلیم ۔

ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں صاحب مجھ سے مخلصانہ محبت رکھتے ہیں ۔ یہ تو معلوم تھا ۔ یہ معلوم نہ تھا کہ یہ چیز متعدی ہے ۔ یعنی انہوں نے آپکو بھی اپنا ہم نوا بنا لیا ۔ بہرحال میں آپ دونوں صاحبوں کے الطاف کا تہ دل سے ممنون ہوں ۔

کتاب بنگال میں اردو (صحفہ وفا راشدی) موصول ہوئی ۔ مزید شکریہ ۔ انشاء اللہ پڑھکر اپنی رائے سے مطلع کرونگا ۔ البتہ مفصل رائے کے لئے آپکو انتظار کی زحمت اٹھانا ہوگی ۔ امید ہے کہ آپ کا مزاج مع الخیر ہوگا ۔ والسلام ۔ ڈاکٹر صاحب موصوف کو سلام مسنون ۔

نیـــاز آگین
ضیاء احمد "

(بنام وفا راشدی کوٹری ۔ سندھ)

(۳) ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں صاحب اپنے ایک گراں قدر مقالہ بعنوان " ذکر احسن " کے اختتام پر رقمطراز ہیں ـــــ " اے میرے بزرگ اور مشفق استاد آپ کی علمی و ادبی خدمات نے اگر علامہ شبلی ، اکبر الہ آبادی ، شرر لکھنوی ، جلال لکھنوی ، محسن کاکوروی جیسے بزرگوں کے دلوں میں گھر کر لیا تھا تو اب بھی یقین ہے کہ احسان کا خون نہ ہوگا اور بے شک اردو کی رہتی دنیا تک آپ کو فراموش نہ کیا جائے گا " ۔

(ادبی جائزے ص ۳۲)

نواب صدر یار جنگ اور مولانا حبیب الرحمن خان شیروانی جیسے یکتائے عصر اساتذہ سے بھی بہت کچھ سیکھا ۔ علم قانون کے اساتذہ میں بیرسٹر خواجہ اسحاق ، بیرسٹر حسن اسحاق اور مولانا عبدالخالق جیسے ماہرین قانون کے نام ناقابل فراموش ہیں ۔

ڈاکٹر صاحب کا ارشاد ہے کہ " اساتذہ سے ان کا رشتہ باپ بیٹے کا سا تھا ۔ وہ لوگ علم اور خلوص و تقویٰ میں بے مثال تھے " ۔ ہائے ! وہ بھی کیا دور تھا استادوں کا احترام شاگردوں کے لئے باعث فخر و مسرت اور شاگردوں سے شفقت استادوں کے لئے موجب شادمانی ہوتی تھی ۔ ڈاکٹر صاحب اپنے اساتذہ کرام کے فضل و کمال اور فیض و عظمت کا ذکر بے حد احترام سے فرماتے ہیں ۔ انھوں نے وقتاً فوقتاً اپنے مشفق استادوں کے بارے میں مقالات لکھکر نہ صرف ان کی خدمت میں خراج عقیدت پیش کیا ہے بلکہ حق شاگردی بھی ادا کیا ہے ۔

ڈاکٹر صاحب کے پیشہ درس و تدریس کا آغاز ۱۹۳۷ء میں کنگ ایڈورڈ کالج امراوتی کے لکچرار کی حیثیت سے ہوا ۔ دو سال ناگپور یونیورسٹی میں صدر شعبہ اردو کے فرائض انجام دیئے ۔ اس عرصے میں ناگپور یونیورسٹی کورٹ اور علی گڑھ یونیورسٹی کورٹ کے ممبر بھی رہے ۔

۱۹۴۷ء میں قیام پاکستان کے بعد ڈاکٹر صاحب کے برادر معظم حاجی نذیر احمد مرحوم نے مع اہل و عیال جبل پور سے پاکستان میں ہجرت کی ۔ ڈاکٹر صاحب بھی ۱۹۴۸ء میں گیارہ سالہ گزیٹیڈ سروس کو خیرباد کہکر اپنے بچوں سمیت پاکستان تشریف لے آئے ۔ ان کی والدہ محترمہ بھی ان کے ہمراہ تھیں ۔

کراچی میں پہلے ان کا تقرر اردو کالج میں بحیثیت استاد شعبہ اردو ہوا ۔ پھر ایک سال کراچی یونیورسٹی میں صدر شعبہ اردو کی خدمات انجام دیں ۔ سندھ یونیورسٹی حیدرآباد کے عالم وجود میں آنے کے فوراً بعد ۱۹۵۶ء میں صدر شعبہ اردو کے عہدہ جلیلہ پر فائز ہوئے ۔ بیس سال تک نہایت نیک نامی اور مستعدی سے جامعہ سندھ میں درس و تدریس اور تعلیم و تربیت کے فرائض انجام دینے کے بعد ۱۹۷۶ء میں ریٹائر ہوئے ۔

جامعہ سندھ میں ڈاکٹر صاحب کی موجودگی اللہ تبارک و تعالیٰ کی بڑی رحمت ثابت ہوئی ۔ ان کے زیر نگرانی ہزاروں طالبان علم و ادب نہ صرف اعلیٰ تعلیم اور صالح تربیت سے آراستہ و پیراستہ ہوئے بلکہ علوم و فنون کی بے پناہ برکتوں کے ساتھ ساتھ روحانی قدروں ، اخلاقی جواہر ، نیکی و شرافت ، تہذیب و شائستگی ، سادگی و بردباری ، اخلاص و محبت ، عبادت و ریاضت ، تحقیق و جستجو، عزم و استقلال ، ذوق مطالعہ اور شوق علم کے لازوال خزانوں سے مالا مال ہوئے ۔ جس محبت و شفقت سے وہ اپنے طلباء و طالبات کی رہنمائی و اعانت فرماتے تھے اسکی مثال اس دور میں مشکل سے ملے گی ۔

ڈاکٹر صاحب اپنی ذات میں ایک انجمن ، صفات میں اساتذہ قدیم کے نقش آخر ، سلوک و معرفت میں اسلاف گنجینہ گران مایہ کی نقیدال مثال یادگار ھیں ۔ ان کے شاگردوں میں لاتعداد ایسے لوگ موجود ھیں جنھوں نے زندگی کے مختلف شعبوں میں اعلیٰ مقام حاصل کیا ھے ۔ اس خاکسار (وفا راشدی) کو بھی ڈاکٹر صاحب کا ایک ادنیٰ شاگرد اور خاک پا ھونے کا شرف حاصل ھے ۔ اس کم مایہ و کم سواد کی بہت سی مشکلات آپ کی توجہ اور دعاؤں سے آسان ھوتی ھیں ۔

ڈاکٹر صاحب کی اولاد میں ان کے بڑے صاحبزادے ڈاکٹر سراج احمد خان ایم اے پی ایچ ڈی ایک صالح صاحب علم اور صاحب تصنیف ھیں ۔ ان کی ایک کتاب " مکتوبات امام ربانی کی دینی اور معاشرتی اھمیت " (مقام اشاعت ۳۲۸ پیر الہی بخش کالونی کراچی) سے متعلق ۱۹۷۷ء میں شائع ھوچکی ھے یہ کتاب اپنی افادیت کے اعتبار سے حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی کی شخصیت اور افکار کے سلسلے میں ایک قابل قدر اضافہ ھے ۔

پروفیسر ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خان ایم اے ایل ایل بی ، پی ایچ ڈی ، ڈی لٹ ، تعلیم کے انتہائی عروج پر فائز ھونے کے باوجود سادہ مزاج ، سادہ گفتار ، سادہ کردار صوفی منش عارف کامل ھیں ۔

ڈاکٹر صاحب برصغیر کے ایک برگزیدہ صاحب علم و صاحب شریعت بزرگ حضرت مولانا سید زوار حسین شاہ [1] (سابق ساکن گوھلہ ضلع کرنال ، حال مقیم کراچی) کے مرید اور خلیفہ ھیں ۔

ڈاکٹر صاحب کی ھدایت میں اعلیٰ تاثیر ھے کہ شاگردوں اور مریدوں کی کمزور عادتیں بدل کر رکھ دیتے ھیں ۔ سچ ھے

نگاہ مرد مومن سے بدل جاتی ھیں تقدیریں

حلقۂ بیعت میں ارباب علم و ادب بھی ھیں ، اعلیٰ عہدے دار بھی ، غربا اور مساکین بھی ھیں کسان اور مزدور بھی ۔ آپ کے آستانۂ رحمت سے سب کو یکساں باریابی و فیضیابی حاصل ھوتی ھے ۔ بے شک مرد خدا ، مرد خود شناس و خدا شناس بزرگ ھیں ۔ جس پر بھی آپ کی نظر پر انوار پڑ جائے اسے ذرہ سے آفتاب بنا دیتے ھیں

خاک کے ڈھیر کو اکسیر بنا دیتی ھے
یہ اثر رکھتی ھے خاکستر پروانۂ دل

---

(۱) حضرت زوار حسین شاہ کا تذکرہ زیر نظر باب میں شامل ھے ۔

علمیت اور روحانیت سے بھرپور ڈاکٹر صاحب جیسی شخصیت زندگی میں میں نے کم دیکھی ہے صاحب کشف [1] و کرامات بھی ہیں ۔

ڈاکٹر غلام مصطفےٰ خان کی ادبی خدمات کا یہ گوشہ عام نظروں سے اوجھل ہے کہ وہ شعر و سخن سے بھی فطری شغف رکھتے ہیں ۔ چپکے چپکے شاعری کرتے ہیں مگر انہیں شاعر کی حیثیت سے صرف وہی لوگ جانتے ہیں جو ان سے بہت قریب ہیں ۔ اللہ نے ان کی طبیعت میں بلاکی موزونیت عطا کی ہے ۔ ان کی قادرالکلامی میں کوئی کلام نہیں ۔ انکی شاعری کا میدان نہ غزل ہے نہ نظم (نظم کسی خاص موقع پر کبھی کبھار کہہ لیتے ہیں) بلکہ ایک خاص صنف ہے اور وہ ہے تاریخ گوئی تاریخ گوئی ایک ایسا فن ہے جس پر عبور حاصل کرنا ہر سخن سنج کی بس کی بات نہیں ۔ شاعری بے شک ایک بڑی سعادت ہے لیکن تاریخ گو سخنور کا مرتبہ بہت بلند ہے ۔ ڈاکٹر صاحب کو تاریخ گوئی کے فن میں نہ صرف کامل دسترس ہے بلکہ انہیں اس فن پر استادانہ کمال حاصل ہے ۔

---

(۱) ڈاکٹر صاحب کے ایک کشف کا حال سنئیے :

پروفیسر علی نواز جتوئی (سابق صدر شعبہ سندھی ، سندھ یونیورسٹی) کا بیان ہے کہ " ایک دفعہ وہ ڈاکٹر صاحب کے ہمراہ حضرت خواجہ محمد حسن جان سرہندی مجددی قدس سرہ التعالیٰ کے مزار مبارک (قبرستان مقبرہ شریف ٹھٹھ ضلع حیدرآباد) میں فاتحہ خوانی کے بعد کچھ دیر مراقبہ میں بیٹھے تھے ۔ جب مراقبہ ختم ہوا تو ڈاکٹر صاحب نے جتوئی صاحب سے دریافت فرمایا : " پروفیسر صاحب آپ نے کچھ دیکھا " ۔ پروفیسر صاحب نے فرمایا : " جی نہیں مجھے کشف نہیں ہوتا " ۔ ڈاکٹر صاحب نے فرمایا :

" آپ کے مرشد حضرت حسن جان آپ کے پاس تشریف
لائے ۔ آپ کو گود میں لیا چوما پھر ارشاد فرمایا
" میں زندگی میں آپ کے جس کام کی تکمیل نہ کرسکا
ابھی انشاء اللہ پورا کرادوں گا لیکن شرط یہ ہے
کہ آپ کو مکمل ایک ہفتہ اس قبرستان میں آکر مراقبہ
میں بیٹھنا ہوگا " ۔

پروفیسر جتوئی صاحب فرماتے ہیں کہ یہ ڈاکٹر صاحب کی روحانی قوت کی دلیل ہے ۔ مجھے تنہا قبرستان میں رات کے سناٹے میں جانے کی کبھی ہمت نہ ہوئی ۔

ڈاکٹر صاحب کے کچھ قطعات تاریخ ان کی کتاب " تاریخ اسلاف " میں شائع ہوچکے ہیں ۔ متعدد تاریخیں مختلف کتابوں میں بھی ملتی ہیں ۔

قطعۂ تاریخ طبع دوم دیوان حلیم (۱۳۷۷ ھ)

بسم اللہ الرحمن الرحیم	کنز حل آمدہ عبدالحلیم
۷۸۶	۳۶۲ = ۱۲۲۸ ھ
عالم از اسرار خفی و جلی	نفس ہمہ دیدہ زفضل عمیم
۱۳۵۰ ھ	۱۳۵۰ ھ
صدر حقیقت ، ہنر معرفت	طبع شدہ تحت کلام حلیم
۱۹۵۷ ء	۱۳۷۷ ھ

(دیوان حلیم ، ص ۲۳۸)

ڈاکٹر صاحب نے یہ قطعۂ تاریخ حضرت مولانا عبدالحلیم شاہ نقشبندی مجددی کی تصنیف دلپذیر موسوم بہ " دیوان حلیم " (۱) کے سال طبع دوم کے موقع پر کہا ۔ اس قطعۂ تاریخ کی خصوصیت یہ ہے کہ اسکے پہلے مصرعہ کے ۷۸۶ کے مادے کو دوسرے مصرعے کے مادے ۳۶۲ کے ساتھ جوڑنے سے حضرت عبدالحلیم شاہ کا سال ولادت ۱۲۲۸ ھ ، دوسرے شعر کے ایک ایک مصرعہ سے ۱۳۵۰ ھ کا سن نکلتا ہے جو ان کا سال وصال ہے ۔ تیسرے شعر کے پہلے مصرعے سے سن عیسوی ۱۹۵۷ اور دوسرے مصرعے سے ۱۳۷۷ ھجری نکلتا ہے جو دیوان حلیم کا سال طبع دوم ہے ۔ اس انداز سے تاریخی مادے نکالنا ایک ماہر تاریخ گو کے سوا کسی دوسرے کا کام نہیں ۔

علامہ امداد علی امام علی قاضی مرحوم و مغفور بارایٹ لاء ، سابق وائس چانسلر سندھ یونیورسٹی ، سندھ کی وہ عظیم المرتبت شخصیت تھے جنہیں بین الاقوامی شہرت و مقبولیت حاصل تھی علامہ قاضی نے سرزمین سندھ میں علم و فکر ، دین و اخلاق ، تہذیب و ثقافت کی ترویج و اشاعت کے سلسلے میں جو گرانقدر و فقیدالمثال خدمات انجام دیں وہ رہتی دنیا تک فراموش نہیں کی جاسکتی ۔

بروز شنبہ ۱۴ محرم الحرام مطابق ۱۳ اپریل ۱۹۶۸ء کو علامہ قاضی کا انتقال ہوا ۔ ان کا مزار مبارک شاندار مسجد سے متصل سندھ یونیورسٹی کیمپس جام شورو شاہراہ کراچی حیدرآباد کے قریب

---

(۱) دیوان حلیم مع حیات قلندر مرتبہ پروفیسر حضور احمد سلیم صدر شعبۂ فارسی سندھ یونیورسٹی ۔ جب اس دیوان کا تیسرا ایڈیشن (ناشر مکتبۂ مسعود لطیف آباد ۹ چھپکر آیا تو پروفیسر حضور احمد سلیم صاحب نے اسکا ایک نسخہ از راہ محبت راقم کو عنایت فرمایا ۔ راقم پروفیسر صاحب کا شکر گزار ہے کہ اسے استفادے کا شرف حاصل ہوا ۔

مرجع خلائق ہے ۔ علامہ مرحوم کے مزار پر جو کتبہ نصب ہے اسکی خصوصیت یہ ہے کہ وہ پاکستان کے تین نامور دانشور و مفکر جناب اے کے بروہی ، ڈاکٹر عبدالواحد ہالے پوتہ اور ڈاکٹر غلام مصطفے خان کی خصوصی نگرانی میں اسے لکھوایا اور نصب کیا گیا تھا ۔ اس کتبہ پر جو نوحہ رقم ہے وہ ڈاکٹر غلام مصطفے خان کے نتیجہ فکر کا آئینہ دار ہے جسکے مطالعہ سے یہ حقیقت پایہ ثبوت کو پہنچ جاتی ہے کہ ڈاکٹر غلام مصطفے خان صاحب محض ایک پر گو اور خوش فکر شاعر ہی نہیں ہیں بلکہ فن تاریخ گوئی میں کمال رکھتے ہیں ۔ یہ قطعہ تاریخ فارسی میں ہے جس سے ان کی فارسی دانی کا بھی اندازہ کیا جاسکتا ہے ۔ ہر مصرعہ ہر شعر چست ، بھرپور اور جامعیت و معنویت سے معمور ہے ۔ آخری شعر کے پہلے مصرعے سے سن ہجری اور دوسرے مصرعے سے عیسوی میں تاریخ وفات نہایت قادر الکلامی اور خوش اسلوبی سے نکالی گئی ہے ۔

گذشت افسوس از این دنیائے موہوم — بقیّہ از سلف علامہ قاضی
تجّر واقف در معقول و منقول — تدّبر در قوانین سیاسی
مبلّغ در علوم دین و اخلاق — معلم در خلوص و دل نوازی
زآثارش تصانیف عدیده — ز افکارش رموز حق شناسی
مزا جش نرم و نازک مثل گل بوّد — کلامش معتدل مانند رازی
حیاتش صرف شّد در فکر قرآن — ماتش عبرت آموز جہانی

نہاں شد گنج علم و تاج دانش

۱۳۸۸ ھ

بوّد در خلد این علامہ قاضی

۱۹۶۸ ء

ڈاکٹر غلام مصطفے خان برصغیر پاک و ہند کے ایک جلیل القدر معلم و مفکر ، بلند پایہ عالم و دانشور ہیں ۔ ڈاکٹر صاحب بلاشبہ ان چند ممتاز محققین اور ناقدین میں سے ہیں جو تحقیق و تنقید کی دنیا میں روشن مینار کی حیثیت رکھتے ہیں ۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ ان کی نگارشات میں تنقیدی عنصر کم اور تحقیقی عوامل زیادہ کارفرما ہوتے ہیں ۔ تحقیق کا جو رچاو ، توازن اور تنوع و وسعت ڈاکٹر صاحب کی تحریروں میں پائی جاتی ہے وہ ان کے اپنے اسلوب اور جدت فن کا مظہر ہے ۔

ڈاکٹر صاحب ماہر تعلیم ہی نہیں ماہر لسانیات بھی ہیں ۔ عربی فارسی اردو انگریزی ادبیات میں کامل ہیں ۔ ظاہر ہے کہ یہ مقام ، یہ کمال وسیع و گہرا مطالعہ ، انتھک محنت ، شب و روز کی لگن اور خداداد ذہانت و صلاحیت کے بغیر ممکن نہیں ۔ ایسی بے مثال شخصیت علم و

عمل ، عزم و ہمت ، ایثار و استقلال کی راہ میں ایک سمبل (Symbol) ہوتی ہے جو اپنے اخلاف کو آگے بڑھنے اور کچھ کر گزرنے کی دعوت دیتی ہے ۔

ڈاکٹر صاحب کی تصنیف و تالیف کا آغاز تقریباً ۱۹۳۲ء میں ہوا تھا اسطرح ان کی علمی و ادبی خدمات کی مدت کوئی دس بیس برس نہیں بلکہ نصف صدی کے قریب ہے ۔ ان کے مضامین اور تصنیفات و تالیفات عربی فارسی انگریزی اور اردو زبانوں میں موجود ہیں ۔ کتابوں کی تعداد (مطبوعہ و غیر مطبوعہ) کوئی پچاس تک پہنچتی ہے ۔ مضامین و مقالات تین سو سے زائد ہیں ۔ پاک و ہند کے تقریباً تمام معیاری رسائل و جرائد میں ڈاکٹر صاحب کے مقالات شائع ہوچکے ہیں ۔ مقالات و مضامین کے متعدد مجموعے کتابی صورت میں چھپ چکے ہیں ۔ ان کی کئی کتابیں بی اے اور ایم اے کے نصاب میں بھی شامل رہی ہیں ۔

اس مختصر مقالہ میں ان کی جملہ تصنیفات ، تالیفات ، تراجم اور مکاتیب کا احاطہ ممکن نہیں اسلئے ایک اجمالی و سرسری جائزہ پیش کیا جاتا ہے ۔

ڈاکٹر صاحب نے انگریزی میں متعدد مضامین لکھے ہیں ۔ علاوہ ازیں دو کتابیں انگریزی میں شائع ہوچکی ہیں :

(۱) A History of Bahram Shah Ghaznavi

یہ خاصی ضخیم کتاب ہے جو ۱۹۳۲ء میں لکھی گئی اور ۱۹۵۵ء میں مکتبۂ کاروان لاہور سے شائع ہوئی اس کتاب کے پیش لفظ میں علامہ محمد شفیع (پنجاب یونیورسٹی) نے تحریر فرمایا ہے

> " اس کتاب کے مطالعہ سے ہماری معلومات میں اضافہ ہوا ۔ یہ کتاب اپنے موضوع کے اعتبار سے اہل پاکستان اور اہل افغانستان دونوں کیلئے یکساں دلچسپی کی حامل ہے " ۔ (ترجمہ)

اس کتاب میں ڈاکٹر صاحب نے سلطان بہرام شاہ غزنوی (۱۰۸۳ - ۱۱۵۲ ء) کے حالات زندگی ، اس کا عہد اور اسکے کارناموں کی تاریخ پیش کی ہے اسکے درباری شاعر سید حسن غزنوی (المتوفی ۱۱۶۱ء) اور دیگر ہمعصر شعراء کے کلام اور حوالے سے حالات و واقعات کا جائزہ لیا گیا ہے ۔

(۲) A History of Persian Literature in the Indo Pak Subcontinent

سن تالیف ۱۹۶۵ء ، سال اشاعت ۱۹۷۲ء ۔

عہد غزنوی سے بیسویں صدی عیسوی تک کے برصغیر پاک و ہند کے فارسی شعراء کی حیات ، کلام اور دیگر خدمات کا اجمالی جائزہ ۔

(٣) فارسی پر اردو کا اثر ۔ تالیف ١٩٣٠ء مطبوعہ پہلا ایڈیشن ١٩٥٢ء دوسرا ایڈیشن ١٩٦٠ء بمقام کراچی ۔ یہ ڈاکٹر صاحب کی سب سے پہلی تصنیف ہے ۔ اس کتاب میں زبان کی اہمیت ، عربی پر فارسی کا اثر ، فارسی پر اردو کا اثر اور لسانی و ثقافتی پہلووں کے بعض پہلووں پر فاضلانہ بحث کی گئی ہے ۔

(٤) فارسی کے قدیم شعراء (غیر مطبوعہ)

یہ ڈاکٹر صاحب کے ان مقالات کا مجموعہ ہے جو انہوں نے فارسی کے مستند شعراء مثلاً حکیم سنائی ، حکیم سوزنی ، عادی غزنوی ، برہانی ، سغری ، بابری وغیرہ کے بارے میں ١٩٣٠ء سے ١٩٥٠ء تک کے عرصے میں لکھے ۔ اس کتاب کی افادیت و اہمیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ اسکے متعدد مقالات انسائیکلو پیڈیا آف اسلام مرتبہ خانہ ڈاکٹر محمد شفیع مرحوم (مطبوعہ پنجاب یونیورسٹی لاہور) میں شامل کیے گئے ۔

(٥) سید حسن غزنوی (غیر مطبوعہ)

ڈاکٹر صاحب نے ١٩٣٦ء میں یہ مقالہ لکھکر ناگپور یونیورسٹی سے پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کی ۔ اس مقالے میں سید حسن غزنوی کا عہد ، اسکی حیات ، کلام ، تصانیف ، اس دور کی شاعری تقابلی مطالعہ جیسے اہم پہلووں پر محققانہ انداز میں روشنی ڈالی ہے ۔ اس کتاب کے زیادہ تر حوالے داخلی اسناد و شواہد پر مبنی ہیں ۔ یہ مقالہ ١٩٣٧ء میں اورینٹل کالج میگزین لاہور میں بالاقساط شائع ہوچکا ہے ۔

(٦) مراثی متین برہانپوری (غیر مطبوعہ) ۔ سال تحریر ١٩٥٣-٥٢ء

سی پی (بھارت) کے مشہور شاعر متین برہانپوری کی اردو اور فارسی مرثیوں پر ناقدانہ نظر ڈالی گئی ہے ۔

(٧) حالی کا ذہنی ارتقاء ۔ ناشر اعلی کتب خانہ کراچی ١٩٥٦ء

حالی پر متعدد کتابیں لکھی گئی ہیں لیکن یہ کتاب اپنی نوعیت کے اعتبار سے منفرد حیثیت رکھتی ہے ۔ حالی کی فارسی شاعری ، حالی کا ذہنی ارتقاء ، حالی کی اردو غزل ، سرسید اور مقدمہ شعر و شاعری کے عنوانات کے تحت مقالات ١٩٥٢ء اور ١٩٥٥ء کے درمیان رسالہ اردو کراچی ، مجلہ برگ گل (اردو کالج کراچی) میں شائع ہوتے رہے ۔ ١٩٥٦ء میں ان تمام مقالات کو مزید اضافہ و ترمیم کے بعد کتابی صورت میں شائع کیا گیا ۔ یہ کتاب یادگار غالب کی طرح ایک یادگار کتاب ہے

(۸) <u>تدوین لغات</u>

ڈاکٹر صاحب نے ڈاکٹر نبی بخش بلوچ کے تعاون و اشتراک سے دو ضخیم لغتیں مرتب کی ہیں جو سندھی اور اردو دونوں زبانوں میں نہایت اہم تالیف ہیں ۔

(۱) سندھی اردو لغت (۲) اردو سندھی لغت

ان دونوں لغات کو سندھ یونیورسٹی نے علی الترتیب ۱۹۵۹ء اور ۱۹۶۰ء میں بڑے اہتمام سے شائع کیا ہے ۔

(۹) <u>علمی نقوش</u> ۔ ناشر اعلی کتب خانہ کراچی ۔ ۱۹۵۷ء

اس کتاب میں ۱۳ بصیرت افروز مقالات کے دلآویز نقوش ہیں ۔ کتاب کے آخری حصے میں مصطلحات صوفیہ اور مکاتیب مشاہیر کی شمولیت سے اسکی افادیت میں اضافہ ہوگیا ہے ۔

(۱۰) <u>ادبی چاشنی</u> ۔ ناشر عبدالرحمن خان ۔ کراچی ۱۹۵۹ء

یہ کتاب ۱۷ تحقیقی و تنقیدی مضامین کا مرقع ہے ۔ شروع میں " <u>بیاد گار اکرام برادر معظم</u> " ۱۹۵۷ء کے عنوان سے ڈاکٹر صاحب کا نوشتہ قطعہ تاریخ وفات ہے ایک طرف ان کے مرحوم بھائی کا دردناک مرثیہ ہے تو دوسری جانب ڈاکٹر صاحب کے فن تاریخ گوئی کا ایک عمدہ نمونہ ہے ۔

(۱۱) <u>ثقافتی اردو</u> ۔ مطبوعہ مہار دور کراچی ۱۹۶۱ء

یہ مختصر سی کتاب اپنی افادیت کے اعتبار سے بڑی اہمیت کی حامل ہے ۔ خالص ہندوانہ الفاظ، رسم و رواج ، قومی پرستی ، اردو ہندی بحرین ، عام ثقافتی الفاظ و محاورات ، محاورات داغ ، ضرب الامثال ، مرکبات عورتوں کی زبان وغیرہ جیسے لسانی و علمی نکات پر جس فاضلانہ انداز سے بحث کی گئی ہے وہ ڈاکٹر صاحب کے نقطہ نظر کا غماز ہے ۔

(۱۲) <u>تحریر و تقریر</u> [1] ۔ ناشر حکیم محمود الزمان لطیف آباد حیدرآباد ۔ مقام اشاعت کراچی ۱۹۶۲ء

گفتنی کے زیر عنوان ۱۳ مقالات اور ناگفتنی کے تحت ۲۱ کتابوں پر تبصرے ہیں جو صاحب مقالات کی ناقدانہ نظر پر دال ہے ۔

(۱۳) <u>تاریخ اسلاف</u> ۔ مقام و سال اشاعت کراچی ۱۹۶۳ء

یہ کتاب اس اعتبار سے خصوصی اہمیت کی حامل ہے کہ اس میں ڈاکٹر صاحب کے خود نوشت خاندانی حالات کے علاوہ ان کی نجی زندگی کے واقعات و کوائف شامل ہیں ۔ کچھ طبی نسخے بھی

---

(۱) راقم کو اس کتاب پر ریڈیو پاکستان حیدرآباد سے تبصرہ نشر کرنے کا شرف حاصل ہے ۔

ہیں ۔ اس کتاب کے ایک حصہ میں ڈاکٹر صاحب کے قطعات تاریخ بھی ہیں جن کے مطالعہ سے تاریخ گوئی پر ان کی مہارت کا انکشاف ہوتا ہے ۔ یہ وہ واحد کتاب ہے جو ڈاکٹر صاحب کی زندگی ، شخصیت اور خدمات کے بارے میں بنیادی مآخذ کا درجہ رکھتی ہے ۔

(۱۴) حضرت مجدد الف ثانی ۔ مطبوعہ ۱۹۶۵ء

ڈاکٹر صاحب نے اپنی اس قابل قدر کتاب میں معروف مورخ و مصنف شیخ محمد اکرام کی کتاب " رود کوثر " (مطبوعہ ۱۹۵۸ء) کے ان مندرجات اور تحریروں کی نشاندہی کی ہے جو حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی کے بارے میں غیر محققانہ ہیں اور جن کو پڑھکر قارئین کے ذہن میں غلط تاثر مرتب ہوتا ہے ۔ ڈاکٹر صاحب نے تحقیق و تاریخ کی روشنی میں تنقید کی ہے ۔ حقائق و معارف کی طرف توجہ دلائی ہے ۔ اس کتاب کا پورا متن "حضرت مجدد الف ثانی پر حرف گیری کا جائزہ" کے عنوان سے ماہنامہ بینات کراچی کے شمارہ مئی جون جولائی ۱۹۶۴ء میں بالاقساط بھی شائع ہوچکا ہے ۔

(۱۵) تحقیقی جائزے ۔ مطبوعہ زیر اہتمام بزم غالب سکھر ۔ ۱۹۶۸ء

۱۲ تحقیقی مضامین کا فکر افروز مجموعہ جو برصغیر کے بعض علمی و ادبی رسائل کی زینت بن چکے ہیں ۔ اس کتاب کی افادیت کا اندازہ ان مضمونات سے لگایا جاسکتا ہے ۔

صوفیات میں قرآنی تجوید کی اہمیت ، غالب اور صہبائی کی فارسی شاعری ، اقبال کا نظریہ شعر و ادب ، کلام اقبال کا تاریخی و سیاسی پس منظر ، پاکستان میں اہل زبان کا مسئلہ ، اردو شعراء کے دیہی مقاصد ، اردو ادب کے نئے رجحانات ، سودا کے قصیدے ، ترک اور اردو شعراء ، ولی گجراتی ، شاہ گلشن اور شاہ گل ۔

(۱۶) قرآنی عربی ۔ اشاعت دوم ۱۹۷۲ء

قرآنی عربی کے موضوع پر اردو میں یہ پہلا مفید رسالہ ہے جسکے مطالعہ سے قرآن کی زبان اور اسکی آیتوں کو سمجھنے میں مدد ملتی ہے ۔

(۱۷) جامع القواعد ۔ مطبوعہ مرکزی اردو بورڈ لاہور ۱۹۷۲ء

(۱۸) فن تحقیق ۔ مطبوعہ سعید آرٹ پریس ۱۹۶۵ء

فن تحقیق پر اردو میں مواد بہت کم ہے ۔ ڈاکٹر صاحب نے یہ کتابچہ ایم اے کے طلباء اور اساتذہ کی رہنمائی کے لئے تحریر فرمایا ہے ۔ " فن تحقیق کا جائزہ " کے علاوہ قرآن کریم ، حدیث نبوی و دیگر علوم اسلامی و مغربی کی روشنی میں نہایت قیمتی مواد پیش کیا ہے ۔

(۱۹) تحفۃ زوارسہ درالناس سعیدیہ (فارسی) تالیف ۱۲۷۷ھ مطبوعہ کراچی ۱۹۵۵ء۔

۱۳۷ فارسی مکاتیب حضرت شاہ احمد سعید دھلوی بنام حضرت حاجی دوست محمد قندھاری مع فارسی دیباچہ مرتب۔

(۲۰) ضیاء القرآت ۔ مطبوعہ حیدرآباد سندھ ۔ ۱۹۵۶ء

فن قرآت کے بارے میں تین اہم رسائل ضیاء القرات (قاری ضیاء الدین احمد الہ آبادی، سراج القرات (قاری عبداللہ تھانوی) اور تحفۃ المبتدین (قاری محب الدین احمد)

(۲۱) المقام المحمود اردو تفسیر پارہ عم از مولانا عبیداللہ سندھی
مطبوعہ حیدرآباد سندھ ۱۹۵۹ء ۔ پیش لفظ ڈاکٹر عبدالواحد ھالی پوٹہ

(۲۲) ملفوظات اکابرین صدیقیہ ۔ مطبوعہ حیدرآباد سندھ ۱۹۵۹ء

(۲۳) آگاھی سید امیر کلال ۔ مطبوعہ کراچی ۱۹۶۱ء

(۲۴) دیوان روشن ۔ مطبوعہ حیدرآباد سندھ ۱۹۶۱ء

فارسی دیوان حضرت خواجہ محمد اسمعیل جان روشن سرھندی

(۲۵) دیوان عظیم ٹھٹھوی ۔ ناشر سندھی ادبی بورڈ حیدرآباد ۔ ۱۹۶۲ء

فارسی دیوان عظیم الدین ٹھٹھوی (۱۲۳۹ - ۱۸۱۲ء)

(۲۶) راز معرفت (۹۹۸ھ) مطبوعہ حیدرآباد ۱۹۶۲ء

حضرت لطف اللہ مخدوم نوح ھالائی (المتوفی ۹۹۸ھ) کے فارسی ترجمہ قرآن شریف پارہ اول کا محققانہ جائزہ مع تصحیح و مقدمہ۔

(۲۷) وسیلۃ القبول الی اللہ و الرسول ۔ حصہ اول ۔ مطبوعہ حیدرآباد ۱۹۶۳ء

۱۲۸ فارسی مکاتیب خواجہ محمد نقشبند ثانی (متوفی ۱۱۱۵ھ) نبیرہ حضرت مجدد الف ثانی ۔

(۲۸) رسالہ شاہ لطیف ۔ مطبوعہ سندھ یونیورسٹی ۱۹۶۳ء

سابق وائس چانسلر سندھ یونیورسٹی اور اردو سندھی کے مشہور و ممتاز شاعر شیخ ایاز نے شاہ عبداللطیف بھٹائی کے رسالے کا مکمل اور دلکش منظوم ترجمہ کیا ہے جس پر ڈاکٹر صاحب نے نظر ثانی فرمائی ہے ۔

(۲۹) لوایح خانقاہ مظہریہ یعنی مکتوبات مدرسۂ دہر

مطبوعہ آفریشیا پرنٹنگ پریس کراچی ۱۹۷۵ء

مرزا مظہر جان جاناں اور ان کے وابستگان کے دو سو فارسی مکتوبات کا بصیرت افروز ایمان پرور مجموعہ ۔

اس کتاب کے بارے میں ایک لائق تحسین امر یہ ہے کہ ڈیمی سائز کے ۳۰۸ صفحات پر مشتمل اس مجموعہ مکاتیب سلسلۂ مظہریہ کی کتابت کاتب نے نہیں کی بلکہ سندھ یونیورسٹی کے لائق احترام اساتذۂ کرام ڈاکٹر نجم الاسلام ، ڈاکٹر مولانا سید محمد نعیم ندوی ، ڈاکٹر ابو الفتح صغیر الدین ، پروفیسر ایاز الدین اور ڈاکٹر سید سخی احمد ہاشمی نے جستہ جستہ پوری کتاب کی کتابت کی ہے ۔ اساتذۂ کرام کے اس علمی اشتراک و تعاون سے علم و ادب کی دنیا میں ایک مثال قائم ہوئی ہے ۔

(۳۰) اقبال اور قرآن ۔ مطبوعہ اقبال اکیڈیمی لاہور ۱۹۷۷ء

(۳۱) معارف اقبال ۔ مطبوعہ آل پاکستان ایجوکیشنل کانفرنس کراچی ۱۹۷۸ء

ڈاکٹر غلام مصطفی خاں صاحب کی تصنیفات و تالیفات ، تراجم ، مکتوبات و مخطوطات کی مزید تفصیلات کیلئے ملاحظہ ہو سندھ میں اردو مخطوطات (۱۹۶۹ء) سندھ میں اردو مطبوعات (۱۹۷۰ء) مطبوعہ مرکزی اردو بورڈ لاہور اور سہ ماہی العلم کراچی شمارہ جنوری تا مارچ ۱۹۷۵ء ۔

نمونۂ نثر

مقالہ " اردو املا کی تاریخ " ۔ مطبوعہ ماہنامہ معارف اعظم گڑھ ، شمارہ جون ۱۹۵۱ء

املا دراصل لفظوں میں صحیح صحیح حرفوں کے استعمال کا نام ہے اور جو طریقہ ان حرفوں کے لکھنے کے لئے اختیار کیا جاتا ہے وہ رسم الخط کہلاتا ہے ۔ لیکن ان دونوں کی حدیں چونکہ قریب قریب ہیں اسلئے فن املا کے امام ڈاکٹر عبدالستار صدیقی نے لفظوں کی صحیح تصویر کھینچنے (۱) کو املا کہا ہے اور تقریباً یہی مفہوم انشاء اللہ خاں انشاء اور غالب کے یہاں پایا جاتا ہے ۔

حقیقت یہ ہے کہ ہر زبان کے لئے صحیح املا کے قواعد نہایت ضروری ہیں ۔ لیکن جس قدر ضروری ہیں اتنی ہی ان سے بے اعتنائی برتی جاتی ہے ۔ نتیجہ یہ ہوا ہے کہ ایک لفظ ایک شخص جس طرح سے لکھ دیتا ہے وہ دوسروں کے لئے سند بن جاتا ہے اور جہاں کتابوں یا اخباروں میں اس

---

(۱) رسالہ اردو ، جولائی ۱۹۳۵ء ، ص ۲۶۵ (مقالہ نگار)

قرار ہوتی وہ مقبولیت حاصل کرلیتا ہے ۔ اس لئے محققین کے لئے یہ ضروری ہے کہ وہ زبان کی یک رنگی اور یکسانی کو قائم رکھنے کے لئے صحیح بنیادوں پر املا کے اصول قائم کریں تاکہ بے ضابطگی بھی پیدا نہ ہو اور ہر شخص آسانی سے اپنی زبان لکھ پڑھ سکے ۔

اس مضمون میں یہ عرض کیا گیا ہے کہ کس زمانے میں کون سے حروف کس طرح سے لکھے جاتے تھے اور ان میں کیا کیا تبدیلیاں ہوتی رہیں ۔ چنانچہ اس کے لئے معلومات نہ صرف مطبوعہ کتابوں سے بلکہ نادر مخطوطات سے بھی حاصل کی گئی ہیں اور کوشش کی گئی ہے کہ صحیح صحیح چیزیں نظر کے سامنے آجائیں تاکہ ہمارے محققین کچھ اسلاف کے اختیار کردہ اصول سے کچھ اپنے اجتہاد سے املا کے صحیح قاعدے منضبط کرسکیں ۔ مولوی عبدالحق صاحب کے ذاتی کتب خانے میں فخر الدین نظامی دکنی کی ایک مثنوی کدم راو پدم راو کے نام سے موجود ہے ۔ یہ ۸۲۵ ھ (۱) میں مرتب ہوئی ۔ اس لئے اس کا شمار قدیم ترین اردو تصانیف میں ہوسکتا ہے ۔ مثنوی نسخ میں ہے اور اس طرح شروع ہوتی ہے ۔

گسائیں تُہیں ایک دُنہ جگ ادآر (مالک) (سا) (آسرا)	بَسرو بَسرو جکنہ تُہیں دَیں ہار (برابر) (دینے والا)
آکاس آنچہ پاتال دھرتی تہیں (آسمان)	جہاں کچھ نکوپُہی ستھاں ہے تہیں
رچن ہار آنکھیے اجھار سوں (خالق) (آگے)	رہی ہار پچھیں ایں ہار سوں (باقی رہنے والا)
تہیں رچیا جکنہ اپرا در تال تل	اوپر تہیں نہ آکر سکی آپ بل
قلم کہاں سوں تیں لکھیا بھوگ جکہ (اکتساب)	سکایا قلم بھاگ لکھ جرم لک (عیب)

اس مخطوطہ کی املائی خصوصیات یہ ہیں :

۱۔ گاف ایک ہی مرکز ہے اور اکثر اس کے نیچے تین نقطے ہیں ۔

۲۔ ب گاف اور ج کسی لفظ کے آخر میں آتا ہے تو اس کے ساتھ " ہ " بھی ہے اور یہ بات دکنی ادب میں عام ہے ۔

---

(۱) لیکن اس کا سال کتابت معلوم نہیں ۔ ـــــ (ع م خ)

لے لے لے

۳- یائے معروف و مجہول میں کوئی فرق نہیں ہے -

۴- ہائے ہوّز کی مختلف شکلوں کو بغیر کسی امتیاز کے لکھا ہے

۵- الف ساکن کے پہلے زبر ہے اور ایسے الف پر اکثر لکھا گیا ہے -

۶- ہمزۂ مکسوری کے نیچے دو نقطے ضرور ہیں -

۷- حرف نفی " نہ " کو اکثر پہلے یا بعد کے لفظ سے جوڑ کر لکھا ہے ....

....

.... اٹھارویں صدی عیسوی کے آخر میں جب نستعلیق ٹائپ شروع ہوا تو بہت کچھ ترقی یافتہ املا کا رواج ہونے لگا - ان کے بعد انشاء اور غالب وغیرہ نے جو اصلاحیں اور تجویزیں اس فن سے متعلق پیش کی تھیں وہ سب اوپر آچکی ہیں - اب ہمارے اساتذہ کا فرض ہے کہ زبان کی یکرنگی کو قائم رکھنے کے لئے اپنے اسلاف کی کوششوں پر نظر رکھتے ہوئے آسان اور بہتر اصول اختیار کریں تاکہ مبتدی بھی کوئی دقت محسوس نہ کریں -

(اقتباس از تحقیقی جائزے ، ص ۱۰۵ تا ۱۰۷ ، ۱۲۸)

پیر اسحاق جان سرہندی

۱۳۳۰ — ۱۳۹۵ ھ
۱۹۱۳ — ۱۹۷۶ ء

الحاج پیر محمد اسحاق جان مجددی سرہندی نقشبندی ، سندھ کے مشہور و معروف سرہندی خاندان کے چشم و چراغ تھے ۔ پیر اسحاق جان ، خواجہ محمد حسین جان (۱) (۱۲۹۰ - ۱۳۶۷ ھ) برادر عزیز خواجہ حسن جان (۲) (۱۲۷۸ - ۱۳۶۵ ھ) ولد حضرت خواجہ عبدالرحمٰن قندھاری (۳) مجددی فاروقی (۱۲۳۳ - ۱۳۱۵ ھ) کے پوتے ، محمد اسمٰعیل جان روشن (۴) (۱۳۰۷ - ۱۳۶۱ ھ) کے فرزند اول اور محمد ابراهیم جان خلیل (۵) (ولادت ۱۳۳۳ ھ) کے برادر معظم تھے ۔

سندھ میں سرہندی خاندان (جسکا سلسلۂ نسب حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی کے واسطے سے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے جا ملتا ھے) کے مورث اعلی حضرت خواجہ عبدالرحمٰن عرف قندھاری صاحب تھے ۔ اسحاق سرہندی نے اپنے خاندانی حالات اپنے والد کے فارسی مجموعۂ کلام " دیوان روشن " میں قلمبند کئے ھیں ۔ اسکے علاوہ انھوں نے اپنی ایک کتاب " سفر نامۂ ایران " میں بھی اردو میں کچھ حالات لکھے ھیں ۔ اس کتاب میں اپنے حسب و نسب کے بارے میں رقمطراز ھیں :

> " میرے آبا و اجداد کا وطن قندھار تھا ۔ جدامجد حضرت آقا محمد حسین جان نے بارہ سال کی عمر میں اپنے والد حضرت خواجہ عبدالرحمٰن صاحب کی معیت میں انگریزوں کے خلاف جنگ آزادی اور جہاد کیا ۔ پھر والی افغانستان امیرعبدالرحمٰن کے مظالم سے تنگ آکر ھجرت کی اور سندھ کے ایک قصبہ ٹھر متصل حیدرآباد میں آباد ھوئے " ۔ (سفر نامۂ ایران)

پیر اسحاق جان سرہندی ۵ ذیقعدہ ۱۳۳۰ ھ (۱۹۱۳ء) میں شہر حیدرآباد میں پیدا ھوئے آنکھیں کھولیں تو اپنے چہار طرف دین اور روحانیت کی روشنی دیکھی ۔ یہ روشن ماحول ان کی صحت مند پرورش اور ذھنی و فکری تربیت میں معاون ثابت ھوا ۔ اپنے خاندانی روایت کے مطابق قرآن مجید ، حدیث نبوی ، فقہ حنفی ، علوم اسلامی کی تکمیل کی ۔ جن اساتذۂ کرام کے زیر عاطفت

علوم ظاهری سے بہرہ ور هوئے ان مین مولانا حاجی عبدالرحیم دل ، مولانا قائم حیدر شاہ خیرپوری ، مولانا غوث محمد اور مولانا عطا اللہ کےنام نامی اسم گرامی وہ فخر و مسرت سے لیا کرتے تھے ـ کچھ عرصہ اجمیر شریف مین بھی رہ کر اعلیٰ تعلیم حاصل کی (۲) ـ ان تمام استادون کی صحبت اور فیضان کے علاوہ ان کے عالم و فاضل باپ مولانا آقا محمد اسمٰعیل جان روشن سرهندی نے خصوصی توجہ دی ـ اسحاق جان نے اپنے والد محترم کی آغوش شفقت هی مین علوم باطنی کے اسرار و نکات سے آگہی حاصل کی ـ جب سلوک و معرفت کی منزل پر پہنچے تو اپنے والد مکرم کے دست مبارک پر بیعت کی

اللہ کے فضل و کرم سے اسحاق سرهندی نے چار مرتبہ حج بیت اللہ کی سعادت حاصل کی ـ پانچوین دفعہ حج کی تیاری مین مصروف تھے کہ اسی دوران ۳ ذالحج ۱۳۹۵ ھ (۱۹۷۶ء) کو جوار رحمت سے پیوست هوگئے (۷) ـ

عبادت و ریاضت اور مطالعہ کے ساتھ ساتھ عملی زندگی مین تجربات و مشاهدات حاصل کرنے کی بڑی لگن رکھتے تھے ـ اسلئے انھون نے نہ صرف سندھ و هند کے گوشے گوشے کا سفر کیا بلکہ دنیا کے طول و عرض کی سیر و سیاحت کی ـ حجاز ، عراق ، مشرق وسطیٰ ، افغانستان اور ایران وغیرہ جہان کہین گئے وهان کے حالات و کوائف ، مشہور مقامات اور زیارت گاهون کے متعلق اپنے خیالات و تاثرات بھی معلوماتی انداز مین تحریر کئے ـ اس سلسلے مین ان کی دو کتابین جو اردو مین هین " سفر نامہ ایران " اور " منازل و مراحل " (سفر نامہ شرق اوسطیٰ) بڑی اهمیت کی حامل هین ـ اپنی سیر و سیاحت کے بارے مین اپنے سفر نامہ مین لکھتے هین

" ابتداء عمر مین جب والد مرحوم حیات تھے اور گھر کی کوئی فکر دامن گیر نہ تھی تو هر سال هندوستان کی سیر و تفریح کے لئے چلا جاتا تھا چنانچہ اگر گرمی هوتی تھی تو " ماونٹ آبو " پہنچ جاتا اور اگر ملک دیکھنے کا شوق هوا توبمبئی سے دکن جا پہنچتا تھا ـ مہینون وهان رهتا " (۸) ـ

اسحاق سرهندی کی آبائی زبان پشتو اور مادری زبان سندھی تھی ـ ان دونون زبانون مین وہ بولنے کے علاوہ بخوبی لکھ پڑھ سکتے تھے ـ عربی فارسی سرائیکی مارواڑی بلوچی اور براهی زبان سے بھی اچھی طرح واقف تھے ـ سندھی اور اردو مین نظم و نثر لکھتے تھے ـ انھون نے اپنے والد مکرم کے " دیوان روشن " کے شروع مین فارسی مین " حالات مصنف " کے تحت جو کچھ لکھا هے وہ ان کی

فارسی مین دسترس اور فارسی نثر کا عمدہ نمونہ ہے ۔ ان کی تصنیف و تالیف مین حسب ذیل کتابین شامل ہین :

اردو

۱۔ بنات الرسول ۔ مقام اشاعت قصر دلکشا ، میرپور خاص ۱۹۷۰ء ۔

۲۔ برتھ کنٹرول ۔ طابع آفتاب الیکٹرک پرنٹنگ پریس میرپور خاص ۔

اس کتاب مین اسحاق سرہندی نے ضبط تولید کو شرعی رو سے غیراسلامی فعل ثابت کیا ہے ۔

۳۔ حضرت مجدد الف ثانی کامشن

۴۔ تجارت ایوان زراعت

۵۔ سفر نامہ ایران ۔ سندھ یونیورسٹی پریس ، ۱۹۷۰ء

۶۔ منازل و مراحل (سفر نامہ مشرق وسطیٰ) ۔

فارسی = " دیوان روشن " ۔ (ترتیب و تدوین) سال اشاعت ۱۹۶۱ء ۔ اس کتاب کا مقدمہ ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خان نے " بیان روشن " کے نام سے تحریر فرمایا ہے ۔

عربی = لیسر العربی (عربی سندھی لغت)

سندھی = اقبال اور شاہ بھٹائی ۔

پیر اسحاق سرہندی کی کوئی کتاب ضخیم نہین ۔ وہ اپنی اختصار پسندی کے بارے مین خود تحریر فرماتے ہین :

" میری طرز تحریر اختصار پسند ہے اس عدیم الفرصتی کے زمانہ مین طوالت ملامت کا باعث ہوتی ہے ۔ کتاب اتنی مختصر ہو کہ کھڑے کھڑے پڑھ لے ۔ کوئی بار خاطر نہ ہو ۔ اسلئے اس شعر پر عمل کیا گیا ہے

کار دنیا کسے تمام نکرد   ہرچہ گیرد مختصر گیرد " (۹)

ہر کتاب مختصر ہونے کے باوجود جامعیت و معنویت کے اعتبار سے دقیع معلوماتی ، بصیرت افروز اور فکر انگیز ہے ۔ اسلئے کہ وہ جو کچھ لکھتے تھے سوچ و فکر سے علمی ، دینی و شرعی افادیت کے پیش نظر لکھتے تھے ۔ ان کی زبان اور بیان کی صفائی و سادگی ان کی نثر کی جان ہے ۔ اپنے خیالات

کے اظہار کے لئے ایسے موزوں اور سادہ الفاظ استعمال کرتے تھے کہ تحریر میں دلکشی پیدا ہوجاتی تھی ۔ جابجا تشبیہات و استعارات اور شعروں کی برمحل تدوین سے اپنی تحریر کو دلنواز و دلفریب بنا دیتے تھے ۔ قرآنی آیات اور حدیث نبوی کے حوالے سے جو باتیں کرتے وہ اتنی مدلل اور پر مغز ہوتی تھیں کہ قارئین متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتے ۔ ان کی طرز تحریر کا ایک نمونہ دیکھئے ۔ تہران جو ایران کا ایک خوبصورت شہر ہے اسکی ایک شاہراہ کی تصویر الفاظ کے رنگ اور خطوط میں یوں بناتے ہیں :

" یہ بہت ہی عالی شان شاہراہ ہے ۔ اسکے دونوں طرف دوکانیں ہیں آخر میں خوبصورت فوارے اور حوض ہیں جنمیں رنگین قمقمے بیحد دلکش منظر پیش کرتے ہیں ۔ شمرون گو کہ شہر سے پیوستہ ہے خیابان شاہ کا ایک دلفریب بازار وہاں تک پہنچا دیتا ہے مگر فاصلہ ۱۸ میل ہے۔ فوارے کے کنارے پر پھولوں کی مہک ، چاندنی رات کی دل آویزی ، چاند ستاروں کے مقابلے میں ہزاروں مصنوعی چاند ستارے ان کا مقابلہ معنوی و ظاہری حسن کر رہا تھا کہ یکایک سبز سرو کے سائے میں ایک سیاہ چادر اوڑھے ہوئے سروں کی طرح کھڑی ہوئی ایک دلفریب صورت نظر آئی ۔ سلام کیا ۔ بیٹھنے کا اشارہ کیا ، بیٹھ گئی " آقا خوش آمدید " اب ان ہزاروں قمقموں کی تیز روشنی میں جب چادر ہٹا کر گویا ہوئی تو مجھے حافظ شیرازی کا شعر یاد آگیا

روئے نگار در نظرم جلوہ می نمود
ورنہ دو بوسہ بر رخ مہتاب می زدم "

(سفر نامہ ایران)

• نجات الوصول پیر اسحاق سرحدی کی ایک تصنیف ہے اس کتاب کے آغاز میں وہ لکھتے ہیں :

" اکثر حضرات فقط سیدۃ النساء حضرت فاطمہ الزہرہ رضی اللہ عنہا کو حضور پاک کی صاحبزادی کہتے ہیں ۔ باقی صاحبزادیوں کا نام نہیں آتا اگر آتا ہے تو انکی تفصیلی تاریخ نہیں ملتی ۔ ایک گروہ تو باقی صاحبزادیوں سے منکر ہے ۔ شاید وہ اس آیت کریمہ کو بھول چکے ہیں یا ایہا النبی کل ازواجک و بناتک " (ص ۲)

اسحاق سرهندی نے بنات الرسول لکھکر آنحضرت کی صاحبزادیوں سے متعلق بہت بڑی غلط فہمی دور کردی ہے ۔ انہوں نے اس کتاب میں حضور کی چار صاحبزادیوں بی بی زینت ، بی بی رقیہ ، بی بی ام کلثوم اور بی بی فاطمۃ الزہرۃ کے حالات ، نکاح ، ازدواجی زندگی اولاد ، وفات وغیرہ جیسے اہم واقعات کو تاریخی حقائق کی روشنی میں مدلل اور دلچسپ پیرایہ میں بیان کیا ہے ۔ اب اس کتاب سے اسحاق سرہندی کی اردو تحریر کا نمونہ دیکھئے

" ایک مرتبہ ایک تابعی نے حضرت بی بی عائشہ سے پوچھا کہ حضور کو سب سے زیادہ محبوب و پیاری کون ہے ۔ تو حضرت عائشہ نے فرمایا کہ بی بی فاطمہ ۔ بی بی عائشہ فرماتی ہیں کہ جب بی بی فاطمہ حضور کی خدمت میں آتی تھیں تو حضور انکے استقبال کیلئے کھڑے ہوجاتے تھے اسی طرح جب حضور بی بی صاحبہ کے گھر تشریف فرما ہوتے تھے تب بی بی صاحبہ اٹھ کر کھڑی ہوتی تھیں اور حضور کو اپنی جگہ بٹھاتی تھیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ دستور تھا کہ جب کسی سفر یا غزوہ سے واپس تشریف لاتے تو پہلے مسجد میں جاکر دو رکعتیں نماز ادا کرتے تھے پھر حضرت بی بی صاحبہ کے گھر تشریف لاتے اس کے بعد ازواج مطہرات کی طرف جاتے ۔ بخاری شریف میں ہے حضور نے فرمایا کہ فاطمہ میرے جگر کا ٹکڑا ہے میرے دل کا باغ ہے ۔ مسلم شریف میں ہے کہ حضور نے فرمایا کہ فاطمہ حسن و حسین کا جو خیر خواہ ہے میں ان کا خیرخواہ ہوں جو ان کا دشمن ہے میں ان کا دشمن ہوں ۔ عبداللہ بن بریدۃ (جو صحابی تھے) روایت کرتے ہیں کہ حضور کو سب عورتوں میں پیاری بی بی فاطمۃ الزہرۃ تھی اور مردوں میں حضرت علی رضی اللہ تعالی عنہ سے محبت تھی ۔ اس محبت کا تقاضا یہ تھا کہ جب آیت تطہیر نازل ہوئی تب حضور نے بی بی صاحبہ کے ساتھ حضرت علی اور دونوں صاحبزادوں امام حسن و امام حسین علیہم السلام کو اپنی چادر میں بلاکر بٹھایا کہ یا اللہ مجھے اور میرلے اہل بیت کو برائیوں سے پاک و صاف کر " ۔

(بنات الرسول ، ص ٢٥ ، ٢٦)

حاشیے

(۱) الحاج خواجہ محمد حسین جان سرہندی = ۱۲۹۰ ھ میں قصبہ ارغستان (قندھار) میں پیدا ہوئے - بارہ سال کی عمر میں اپنے والد بزرگوار حضرت خواجہ عبدالرحمن عرف قندھاری صاحب کے ہمراہ سندھ آئے - پہلے ٹکھر (ضلع حیدرآباد) میں اقامت پذیر ہوئے - پھر ۱۳۲۹ ھ میں تعلقہ ساماری ضلع تھرپاکر میں سکونت اختیار کی - اب یہ مقام گوٹھ پیر سرہندی کے نام سے مشہور ہے -

خواجہ محمد حسین جان سرہندی عربی و فارسی کے جید عالم اور قادرالکلام شاعر تھے - سرہندی تخلص کرتے تھے - انکے عربی وفارسی کلام کا مجموعہ جو ۱۶۶ صفحات پر مشتمل ہے " خیابان سرہندی " کے نام سے زیور اشاعت سے آراستہ ہوکر منظر عام پر آچکا ہے - (تذکرہ شعرائے ٹھٹہ ، ص ۱۱۲ - ۱۲۰)

(۲) (۳) خواجہ محمد حسن جان سرہندی اور خواجہ عبدالرحمن سرہندی قندھاری کے کچھ حالات زیر نظر باب میں عبداللہ جان شاہ آغا سرہندی کے تذکرے کے حاشیئے میں شامل ہیں - علاوہ ازیں خواجہ محمد حسن جان کے سوانح اور علمی و ادبی خدمات کے لئے ملاحظہ ہو مقالہ " خواجہ محمد حسن جان سرہندی " از وفا راشدی مطبوعہ ماہنامہ المعارف (ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور) شمارہ جنوری ۱۹۷۹ء -

(۳) پیر آغا محمد اسماعیل جان روشن سرہندی = پدر بزرگوار پیر اسحاق جان سرہندی کی زندگی دینی و سماجی خدمات کے لئے وقف تھی - وہ اپنے وقت کے صاحب فیض بزرگ ہی نہ تھے بلکہ تحریک آزادی کے متوالے اور تحریک خلافت کے سرگرم کارکن تھے - انھوں نے اتحاد عالم اسلامی کے مشن کے تحت علی برادران کے ہمراہ حجاز مقدس کا بھی دورہ کیا -

محمد اسمٰعیل جان فارسی سندھی اور اردو کے بلند پایہ شاعر اور صاحب طرز ادیب تھے - ماہنامہ " الاصلاح " ٹھٹہ کے نامور مدیر تھے - وہ سندھی اردو عربی فارسی پشتو زبانوں میں طبع آزمائی فرماتے تھے - ان سب زبانوں میں ان کا کلام موجود ہے - نثر میں خطبات روشن ، جوٗہر فلسفہ ، شمیم چمن ، انشائے روشن اور نظم میں دیوان روشن (فارسی) مرتبہ ڈاکٹر غلام مصطفےٰ خان صدر شعبہ اردو جامعہ سندھ ۱۹۶۱ء ان کی

لازوال تصانیف هیں ۔ استاد و مکرم ڈاکٹر غلام مصطفی خان صاحب نے از راہ شفقت دیوان روشن کا ایک نسخہ راقم کو بھی عطا فرمایا تھا جو اسکے کتب خانے میں محفوظ ھے ۔

(ضلع تھرپارکر کے فارسی ادب کا جائزہ ، ماھنامہ الرحیم (سندھی) مارچ اپریل ۱۹۷۸ء ص ۴۵ — تذکرہ شعرائے ٹھٹ، ص ۱۵۹ - ۱۶۷)

(۵) الحاج مولانا محمد ابراھیم جان خلیل = محمد اسمعیل جان روشن کے منجھلے صاحبزادے اور محمد اسحاق جان کے چھوٹے بھائی ھیں ۔ پیر طریقت صاحب دل ، عالم با عمل ھیں عربی فارسی سندھی اور اردو پرکامل قدرت رکھتے ھیں ۔ سندھی اور فارسی کے اچھے نثر نگار اور سخنور ھیں ۔ انہوں نے اپنے علم و فضل سے خاندانی روایات کو بحسن و خوبی زندہ رکھا ھے ۔

(تذکرہ شعرائے ٹھٹ ، ص ۱۹۸ - ۲۰۳)

(۶) ضلع تھرپارکر کے فارسی ادب کا جائزہ ، از ڈاکٹر گل حسن لغاری ، ص ۱۷ - الرحیم (سندھی) اپریل مارچ ۱۹۷۸ء ۔

(۷) حکیم پیر غلام محی الدین سرھندی (سرھندی دواخانہ ٹنڈو محمد خان) پیر اسحاق جان کے پھوپی زاد بھائی ھیں ۔ اسحاق جان کی وفات کا حال غلام محی الدین صاحب کی زبانی معلوم ھوا اور ان کی تاریخ وفات محی الدین صاحب کی ذاتی ڈائری سے نقل کی گئی ۔

(۸) سفر نامہ ایران ، ص ۷

(۹) بوتھ کنٹرول عرض حال ، ص ۱ ۔

پروفیسر علی نواز جتوئی

ولادت ۱۳۳۲ ھ / ۱۹۱۳ ء

الحاج پروفیسر علی نواز جتوئی سندھ کے مشہور " جتوئی " خاندان سے تعلق رکھتے ھین - ان کے آبا و اجداد عہدہ کلہوڑہ مین بلوچستان سے ھجرت کرکے وادی مہران مین آباد ھوئے - علی نواز جتوئی کے دادا کا نام حاجی نبی بخش خان اور والد مکرم کا نام حاجن خان جتوئی تھا -

علی نواز کی پیدائش مورخہ ۱۱ جولائی ۱۹۱۳ء (۱۳۳۲ ھ) مین جتوئی نامی گاون (تعلقہ مورو ضلع نواب شاہ) مین ھوئی - ابھی پانچ سال کے تھے کہ ۱۹۱۸ء مین ان کے والد فوت ھوگئے - اپنے بچپن کے بارے مین جتوئی صاحب فرماتے ھین :

> " جب میرے والد نے وفات پائی اس وقت مین اتنا چھوٹا تھا کہ انکی شکل و شبیہہ مجھے یاد نہین - لیکن اتنا خیال ھے کہ عین جوانی مین ان کا انتقال ھوا - والد نے تھوڑی سی جائداد چھوڑی تھی اس وقت میرا ایک بڑا بھائی اور ایک چھوٹا بھائی تھا - چچا خدا بخش نے میری پرورش کی " (۱)

علی نواز نے ابتدائی تعلیم اپنے گاون کے اسکول مین پائی - ۱۹۲۹ء مین ورناکلر (Vernacular) مین امتحان پاس کیا اسکے بعد غلام مصطفیٰ جتوئی (سابق وزیر اعلیٰ صوبہ سندھ) کے دادا خان بہادر امام بخش خان جتوئی نے انگریزی تعلیم میٹرک تک دلوائی - ۱۹۳۷ء مین میٹرک نوشہرہ فیروز گورنمنٹ ھائی اسکول سے ، ۱۹۴۳ء مین بی اے بمبئی یونیورسٹی سے اور ۱۹۵۰ء مین ایم اے (سندھی) سندھ یونیورسٹی سے کیا - وہ پہلے طالب علم تھے جنھوں نے سندھی مین ایم اے امتیازی نمبروں سے پاس کیا -

۱۹۴۳ء مین بی اے کے بعد سندھ کے مختلف اسکولوں مین ٹیچر کے عہدے پر فائز رھے - اسی عرصے مین ۱۹۴۵ء مین محکمہ تعلیم نے انھین ان کے حسن خدمت سے خوش ھوکر اسکالر شپ کے ساتھ بی ٹی کیلئے بھیجا - انھوں نے کامیابی حاصل کی - یہ ان کے ھونہار اور ذھین طالبعلم و استاد ھونے کی دلیل تھی کہ ابھی وہ بی اے بی ٹی تھے کہ ایم اے کرنے سے پہلے ڈاکٹر داؤد پوتہ ڈائریکٹر تعلیمات

---

(۱) زیب ادبی مرکز حیدرآباد مین پروفیسر علی نواز جتوئی سے ایک انٹرویو کے دوران ان کے حالات زندگی قلمبند کئے گئے -

کی سفارش پر ۱۹۳۸ء میں انہیں گورنمنٹ کالج حیدرآباد میں سندھی کے لکچرر مقرر ہوئے - پھر
ایم اے کرنے کے بعد ۱۹۵۲ء میں گورنمنٹ ہائی اسکول ہالا کی ہیڈ ماسٹری کے منصب پر مامور ہوئے -

۱۹۵۳ء میں سندھ یونیورسٹی (۱) میں براہ راست اسسٹنٹ پروفیسر کا عہدہ ملا - پھر ریڈر ہوئے ۱۹۷۲ء میں پروفیسر مقرر ہوگئے - اکیس سال تک درس و تدریس کے فرائض خوش اسلوبی و نیک نامی سے انجام دینے کے بعد اعزاز و اکرام کے ساتھ سبکدوش ہوئے - ان کی بے لوث و بے پناہ خدمات اخلاص و محبت اور نیکی و شرافت کا چرچا سندھ یونیورسٹی کے اساتذہ ، طلباء اور حلقہ علم و دانش میں آج تک پایا جاتا ہے - وہ اپنے زمانے کے ایک مثالی استاد اور پروفیسر ثابت ہوئے -

پروفیسر علی نواز جتوئی بچپن سے صوم و صلواۃ ، زہد و تقی اور عبادت و ریاضت کے عادی ہیں - ان کی طبیعت اوائل عمر سے ہی حقیقت و معرفت کی طرف مائل رہی ہے - وہ کیا عوامل اور محرکات تھے جسکی بناء پر انھوں نے دنیاوی عیش و عشرت پر فقر و درویشی کی زندگی کو ترجیح دی وہ ان کی زبانی سنئے :

" میں پانچویں چھٹی جماعت میں تھا میرا ایک دوست جو میرا عزیز بھی تھا اچانک شدید بیمار ہوگیا - اسے رات کے گیارہ بجے سرسام ہوگیا اور راتوں رات اللہ کو پیارا ہوگیا - اسکی بیماری اور موت کا خوف میرے دل پر کچھ اسطرح طاری ہوگیا کہ میں خوفزدہ ہوکر محلے کی قریبی مسجد میں جاچھپا جب میرے رشتہ داروں کو معلوم ہوا تو مجھے لینے آئے لیکن میں کسی حال میں مسجد سے باہر جانا نہیں چاہتا تھا - میرا خیال تھا کہ باہر نکلتے ہی مجھے موت آ گھیریگی اور مسجد کے اندر موت نہیں آسکتی "

اس کے بعد سے جتوئی صاحب ایک ایسے ذہنی انقلاب سے دوچار ہوئے کہ اسی عمر میں کسی مرشد کامل کی صحبت حاصل کرنے کے لئے بے چین رہنے لگے - مذہبی اور علمی مجلسوں میں شرکت کرنے لگے - بزرگوں اور درویشوں کی صحبتیں اختیار کیں - چھٹی جماعت میں تھے کہ قصبہ " قاضی احمد (تعلقہ سکرنڈ ضلع نواب شاہ) کی درگاہ شریف کے حضرت پیر محمد کے مرید ہوئے - اسکول اور پڑھائی سے فارغ ہوکر زیادہ وقت اپنے پیر و مرشد کی خدمت اور صحبت میں گزار دیتے -
جب انٹر میں پہنچے تو حضرت خواجہ حسن جان سرہندی (۲) کے حلقہ بیعت میں شامل ہوئے

---

(۱) سندھ یونیورسٹی ۱۹۳۶ء میں کراچی میں قائم ہوئی اور ۱۹۵۲ء میں حیدرآباد میں منتقل ہوگئی
(۲) خواجہ حسن جان کی حیات ، خدمات ، کمالات اور ان کے مریدوں کے حالات کیلئے ملاحظہ ہو مونس المخلص ، انیس المریدین (فارسی) از حضرت خواجہ عبداللہ جان شاہ آغا سرہندی مجددی

ان کی وفات کے بعد حضرت خواجہ مصطفیٰ حجت اللہ شاہ ایرانی کے دست مبارک پر شرف بیعت سے مشرف ہوئے ۔ ۱۹۳۵ء سے ۱۹۵۵ء تک موجودہ مقام و مرتبہ تک پہنچنے کیلئے سلوک و معرفت کی منزلوں سے گزرے اس کا مختصر سا حال ان کے الفاظ میں دلچسپی سے خالی نہیں ۔ یہ عبارات جتوئی صاحب کی اردو نثر نگاری کا ایک نمونہ ہیں :

" اس خاکسار بیحد گنہگار پر اللّٰہ تعالیٰ کا یہ خاص فضل ہے کہ اولیاء اللہ کا معتقد غلام کیا گیا ہوں اسی وجہ سے چھوٹی عمر میں نقشبندی سلسلے میں داخل ہوا ۔ اس کے قریباً چھ سال بعد روحانی ترقی کی خاطر حضرت قبلہ گاہم خواجہ محمد حسن جان نقشبندی سرهندی کا مرید ہوا ۔ انکے انتقال کے بعد کافی عرصہ تک ایک ایسے مرد کامل کی تلاش میں رہا جسکی صحبت اکسیر کا کام دے ۔ ۱۹۵۵ء میں پہلی مرتبہ محترم دوست ڈاکٹر نبی بخش قاضی (صدر شعبۂ فارسی سندھ یونیورسٹی) کے توسط سے حضور قبلہ گاہ روحانی رحمت ربانی آقا پیر ایرانی مدظلہ ضیم کی خدمت اقدس میں حاضری کا شرف حاصل ہوا اور تسکین روحانی محسوس ہوئی ۔ مسلسل حاضر ہونے کا موقع ملا اکثر مغرب کی نماز قبلہ گاہ کی امامت میں ادا کرتا رہا اور نماز کے بعد مراقبہ اور تعلیم سے مستفید ہوتا رہا ۔

۱۹۵۵ء جبکہ میرا کوہ مری جانا ہوا تو موہڑہ شریف قطب وقت حضرت خواجہ محمد قاسم کیانی موہڑوی قدس سرہ کے روضۂ اقدس پر حاضری دینے کا شرف حاصل ہوا اور یہ دعا مانگی کہ صرف روحانی ترقی کا سوالی ہوں ۔ واپس آنے پر حضور قبلہ گاہی حضرت پیر ایرانی دام فیوضہ کی بیعت مبارک کا شرف حاصل ہوا ۔ حضرت قبلہ گاہی کی توجہات بابرکات و تعلیمات کو اس خاکسار نے جسطرح پایا قلم اس کو کما حقہ بیان کرنے سے بالکل قاصر ہے ۔ اتنا کہنا کافی ہے

مصطفیٰ آمد دلیل مصطفیٰ "

(دیباچہ میکدۂ مصطفائی ، ص ۵ ، ۶)

علی نواز جتوئی اب سلوک و معرفت کی اس منزل پر ہیں کہ اکثر لوگ ان سے طریقت کے درس لیتے ہیں اور قلب و روح کو انوار توحید سے منور کرتے ہیں جن میں ڈاکٹر اقبال نسیم کا نام بھی خاص طور پر قابل ذکر ہیں ۔

" ڈاکٹر اقبال نسیم جو راہ رسم طریقت روحانی کے قائل نہ تھے اس احقر سے آداب طریقت میں ذکر کا پہلا سبق حاصل کیا " (میکدۂ مصطفائی ، ص ۷)

پروفیسر علی نواز جتوئی عربی فارسی انگریزی سندھی اور اردو زبان اور ادبیات سے خوب واقف ہیں ۔ انھوں نے انگریزی میں چند بہت اچھے مضامین لکھے ہیں جو انگریزی جریدے کی زینت بن چکے ہیں ۔ مجموعہ مضامین کے علاوہ انگریزی میں ان کی مندرجہ ذیل دو تصانیف مکمل ہیں اور منتظر اشاعت ہیں

1. Historical Development of Sindhi Language upto Sama Period.
2. Shah Abdul Latif in the Culture of human mind.

سندھی میں ان کی یہ کتابیں ہیں :

(۱) علم لسانیت = ۱۹۶۳ء میں جتوئی صاحب سندھ یونیورسٹی کی طرف سے لندن تشریف لے گئے لسانیات (Linguistic) میں ٹریننگ لیکر آئے تو یہ کتاب لکھی ۔ ماسکو ، لندن اور ہندوستان کی اورینٹل اکیڈیمیز (Oriental Academies) نے اس کتاب کی توصیف کی ۔

(۲) مخدوم عبدالرحیم گرھوڑی جو سندھی کلام ۔ مطبوعہ آزاد بک ڈپو حیدرآباد ۱۹۶۵ء
(۳) ویروچ وھکرا (ویرون آبن وھکرا) یعنی ھوجڑز تنقیدی و تحقیقی مضامین کا مجموعہ
(۴) لطیفی لھرون ۔ ناشر سندھی ادبی سوسائٹی کالج حیدرآباد ۱۹۶۹ء
شاہ عبداللطیف کی شخصیت ، شاعری اور افکار کے بارے میں مضامین کا مجموعہ
(۵) انتخاب دیوان حافظ مع مقدمہ مطبوعہ آزاد بک ڈپو ۱۹۶۵ء

اردو

پروفیسر علی نواز جتوئی کی اب تک اردو میں دو کتابیں موجود ہیں ۔

(۱) میکدۂ مصطفائی مطبوعہ ادارہ المصطفیٰ گنج بخش بڈ حیدرآباد ۱۹۶۵ء ۔
یہ کتاب دراصل حضرت خواجہ پیر مصطفیٰ صفت اللہ شاہ ایرانی بانی سلسلۂ مصطفائیہ کی تقاریر کا مجموعہ ہے جو حضرت پیر ایرانی ہر شام بعد نماز مغرب اور مراقبہ میں ارشاد فرماتے تھے اور آپکے حسب ہدایت جتوئی صاحب نوٹ کرلیا کرتے تھے بعد میں انھیں مضامین کی شکل دے دیا کرتے تھے پہلے یہ تمام مضامین قسط وار ماہنامہ المصطفیٰ حیدرآباد میں شائع ہوئے ۔ جتوئی صاحب نے ان تمام مضامین پر نظرثانی کے بعد ترتیب و اشاعت کے حسن سے آراستہ کرکے " میکدۂ مصطفائی " کی خوبصورت شکل دی ۔ اب یہ میکشان حقیقت و معرفت کیلئے باعث سرور و شادمانی اور جرعات روحانی ہے ۔

" میکدہ مصطفائی " میں حضرت صبغت اللہ کے جو ملفوظات شامل ہیں ان کی معنویت و افادیت کے بارے میں پروفیسر جتوئی صاحب رقمطراز ہیں :

" ویسے تو اس کتاب کا ہر عنوان اپنی جگہ ایک خاص ندرت رکھتا ہے اور اعلیٰ حضرت کی مخصوص تعلیمات اور حقیقت و معرفت کا حامل ہے لیکن دعا و عطا ، فرض و گناہ ، اعتبارات و اختیارات ، خود شناسی ، حرام و حلال کا اسلامی نظریہ ، بخل ، علم اور عالم ، بصیرت و بصارت ، الحافظ و الناصر ، ظہور و بطون ، جبر و اختیار ، خود شناسی ، قابل توجہ عنوانات ہیں جو فکر و تخیل کو ایسی بصیرت اور وسعت عطا کرتے ہیں جو اب تک دیگر کتب تصوف میں اس تفصیل و تشریح کے ساتھ نظر نہیں آتے " ۔

(دیباچہ کتاب ہذا ص ۸)

(۲) <u>صبغت اللہ یعنی رنگ ربانی</u> (غیر مطبوعہ)

یہ کتاب ابھی تک قلمی ہے ۔ حضرت پیر ایرانی کے باقی تقاریر و مضامین کا روح پرور ، ایمان افروز صحیفہ ہے ۔ اس کی ترتیب و تدوین سے متعلق جتوئی صاحب لکھتے ہیں :

" اس خاکسار کے پاس نوٹس کی دو تین کاپیاں اور بھی ہیں اور اس اعلیٰ تعلیمات کے چند جواہر سینے کے صندوقچے میں بھی محفوظ ہیں جن کو جب بھی میں نے کسی کے سامنے پیش کیا وہ حضور پرنور پر فریفتہ ہوگیا ۔ اگر اللہ نے چاہا تو ان جواہرات کو ترتیب دیکر کتابی صورت میں شائع کیا جائے گا جس کا نام ہوگا صبغت اللہ یعنی رنگ ربانی "

(دیباچہ میکدۂ مصطفائی ، ص ۷)

پروفیسر علی نواز جتوئی ماہر تعلیم ہی نہیں ماہر لسانیات بھی ہیں ۔ سندھی زبان و ادب میں اتھارٹی سمجھے جاتے ہیں ۔ سندھی کے علاوہ اردو ادب اور پی ایچ ڈی کے طلباء کی اعانت و رہنمائی کرتے رہے ہیں ۔ اردو ان کی مادری زبان نہیں لیکن بہت صاف سلیس اور صحیح اردو میں گفتگو کرتے ہیں ۔ نہ صرف یہ بلکہ سندھی کی طرح اردو میں بھی تحقیقی و تنقیدی مقالات لکھتے ہیں ۔ تصوف ، تحقیق ، تنقید اور لسانیات ان کے مخصوص میدان ہیں ۔ ان کے چند مقالات کے عنوانات یہ ہیں :

(۱) ولایت اور ولایت (تصوف) ۔ مطبوعہ ماہنامہ آئینہ لاہور

(۲) پاکستان میں اردو زبان (لسانیات) ۔ یہ مقالہ لاہور کے کسی ماہنامہ میں اشاعت پذیر ہوا تھا جسکا نام اور وہ شمارہ نمبر جتوئی صاحب کو یاد نہیں رہا ۔

(۳) اردو زبان اور سندھ (لسانیات) ۔ مطبوعہ اخبار جسارت کراچی

یہ مضمون جسارت میں اس سرخی کے ساتھ شائع ہوا تھا

" یہ الزام غلط ہے کہ اردو کے خلاف سندھ میں سازش کی جارہی ہے "

مضمون کے شروع میں ایڈیٹر کا یہ نوٹ شامل تھا

" ذیل میں ہم جناب علی نواز جتوئی رئیس شعبہ سندھی جامعہ سندھ کا مضمون پیش کر رہے ہیں تاکہ قارئین کو لسانی تنازعہ کے ایک فریق کا نقطہ نظر معلوم ہوسکے "

اس مضمون کا پس منظر یہ ہے کہ ۱۹ میں بھٹو حکومت کے عہد میں جب ممتاز بھٹو سندھ کے وزارت اعلیٰ پر فائز تھے سندھ میں لسانی تنازعہ " نے سارے ملک کی فضا مکدر کر رکھی تھی جسکی بنیاد غلط فہمیوں پر تھی ۔ جتوئی صاحب کا یہ اہم مضمون اس اعتبار سے سیاسی نوعیت کے ہونے کے باوجود تاریخی اہمیت کا حامل ہے کہ یہ مضمون خصوصاً سندھ میں بہت سی غلط فہمیوں کو دور کرنے میں معاون و مددگار ثابت ہوا ۔ اس مضمون سے جتوئی صاحب کی علمی و ادبی سوجھ بوجھ ، سیاسی آگہی ، زرف نگاہی اور اعلی ظرفی کا زندہ ثبوت ملتا ہے ۔ انہوں نے حقائق کی روشنی میں سندھی اور اردو کے الگ الگ مقام اور اہمیت کو نہایت خوبصورتی سے واضح کیا ہے ۔ وہ لکھتے ہیں :

" ہمیں ایک ایسی زبان کی ضرورت ہے جو پاکستان کے لئے سب صوبوں کیلئے مشترکہ ہو اور صرف اردو ہی ایسی زبان ہے جو یہ ضرورت پوری کرسکتی ہے " ۔

(۴) اردو صوتیے اور ان کی تحریری صورتیں ۔ مطبوعہ نگار پاکستان کراچی مئی جون ۱۹۶۷ء

یہ مقالہ ایک سندھی زبان بولنے اور پڑھانے والے استاد کا ہے ۔ جتوئی صاحب نہ تو اردو کے ماہر ہیں اور نہ لسانیات پر مہارت کا انہیں کوئی دعوی ہے ۔ نہ اردو کے اہل قلم میں ان کا شمار ہے اور نہ ادیب ، محقق یا نقاد کی حیثیت سے ان کی کوئی شہرت ہے ۔ وہ نہایت خاموش طبع ، منکسر المزاج ، سادہ لوح اور درویش صفت انسان ہیں ۔ لکھنا پڑھنا ان کا دلچسپ مشغلہ ہے لیکن اردو میں انہوں نے گنتی کے چند ہی مضامین تحریر فرمائے ہیں ۔ ان چند مضامین و مقالات سے ثابت ہوتا ہے کہ ان کے لکھنے پڑھنے کا معیار بہت بلند ، متوازن ، دقیع اور موثر ہے ۔

پروفیسر علی نواز جتوئی کا مقالہ " اردو صوتیے اور اردو تحریرین " ان چند مضامین مین سے ایک ہے ۔ اس مقالے کے مطالعہ سے جتوئی صاحب کی لسانیات اور اس فن پر مطالعہ و تحقیق کی بے پناہ صلاحیتون کا قائل ہونا پڑتا ہے ۔ انھون نے جدید لسانیات کی تاریخ اور ارتقاء کی روشنی مین اردو صوتیے (Phoneme) پر منطقی ، تحقیقی اور علمی انداز مین مدلل بحث کی ہے ۔ ان تمام عناصر و عوامل کا احاطہ بھی کیا ہے جن کے بغیر اس مباحثہ کی کڑیان مربوط نہین ہوتین ۔

ڈاکٹر شوکت سبزواری مرحوم مشہور ماہر لسانیات تھے ۔ لسانیات پر ان کی کئی کتابین شائع ہوکر اہل نقد و نظر سے خراج تحسین وصول کرچکی ہین لیکن ان کی ایک کتاب " اردو لسانیات " پروفیسر علی نواز جتوئی کی نظر سے گزری تو وہ ان کے تیز نظر سے نہ بچ سکی ۔ جتوئی صاحب نے اس کتاب کے بعض نکات سے اختلاف کیا اور ڈاکٹر شوکت سبزواری کی غلطیون کی نشاندھی کی ۔ زوردار دلائل کے ساتھ اپنے خیال کا اظہار کیا ۔ اس وقت سبزواری صاحب بقید حیات تھے ۔ لیکن انھون نے جتوئی صاحب کے اس اختلافی مقالے کا کوئی جواب تحریر نہین کیا ۔ ظاہر ہے کہ انھون نے جتوئی صاحب کے خیالات سے اتفاق کیا ہوگا ۔

پروفیسر جتوئی صاحب کی زبان شستہ ، شگفتہ اور شائستہ ہے ۔ موضوع خشک اور دقیق ہونے کے باوجود طرز تحریر دلچسپ اور موثر ہے ۔ بلاشبہ ان کی تحقیق عالمانہ ، تنقید ناقدانہ ، لب و لہجہ نرم اور شریفانہ ہے ۔

اب ہم پروفیسر جتوئی صاحب کے " نمونۂ نثر " کے طور پر ان کے مقالے " اردو صوتیے اور اردو تحریرین " کا وہ حصہ نقل کرتے ہین جو ڈاکٹر شوکت سبزواری کی کتاب " اردو لسانیات " سے متعلق ہے :

" کسی زبان کے لسانیاتی مسئلہ پر بحث کرتے وقت اس زبان کے رسم الخط کو نہ دیکھا جائے بلکہ اسکی آوازون کو دھیان مین رکھا جائے ۔ لسانیات کے نقطہ نگاہ سے ہر مروج رسم الخط ناقص ہے اسلئے لسانیاتی بحث کے دوران زبانون کے الفاظ یا جملون کو بین الاقوامی صوتی تحریر (International Phonetic Transcription) مین لایا جاتا ہے اگر ایسا نہ کیا جائے تو غلطیون کا احتمال رہ جاتا ہے ۔ ڈاکٹر شوکت سبزواری اردو صوتیے پر بحث کرتے وقت ایسی غلطیون کے مرتکب ہوئے ہین ۔ انھون نے صوتیہ کے بارے مین کتابین ضرور پڑھی ہین اور بڑی حد تک ان کے مفہوم کو پا بھی لیا ہے لیکن ان کو وہ کما حقہ سمجھنے سے قاصر رہے ہین ۔ جدید لسانیات ایک ایسا فنی علم ہے جس سے باخبر ہونے کے لئے لسانیات کے ادارے یا شعبے مین کم از کم ایک سال کے لئے ماہر استاد کے تحت تعلیم پانا ضروری ہے ۔

ڈاکٹر صاحب نے " صوتیہ " کے بارے میں ص ۷۹ سے ۸۱ تک اپنی کتاب " اردو لسانیات "
میں جو کچھ لکھا ہے ، صحیح لکھا ہے لیکن اسی مواد کے اندر تین چیزیں ایسی ہیں جن کی تفہیم
اتنی آسان نہیں جتنی سرسری طور پر نظر آتی ہے ۔ وہ تین چیزیں یہ ہیں :

(۱) صوتی اکائی (Phonological Unit) ص ۷۹

(۲) چھوٹی سی چھوٹی صوتی وحدت ص ۸۰

(۳) صوتیہ کی صوتیاتی حیثیت ص ۸۱

اب صوتی اکائی کو لیجئے اس بارے میں فرانسیسی ماہر لسانیات دی ساسور کا حوالہ (ص ۵۳) بالکل
درست ہے لیکن ڈاکٹر صاحب نے اس کو نہیں سمجھا ۔ وہ فرماتے ہیں " میرا خیال ہے کہ مغرب کے
اہل علم لاطینی رسم تحریر سے فریب کھا کر یہ کہتے ہیں کہ طویل و قصیر ضربات و تعدات میں
سماعی طور سے کوئی فرق نہیں ۔ اس لئے کہ روس میں "ر ل" اور "دال" دونوں DAL لکھے جاتے ہیں
لیکن اس فرانسیسی فاضل کا مقصد دوسرا ہے ۔ کہنا یہ ہے کہ مختلف آوازوں پ ت ، وغیرہ کو چاہے
لمبا کیا جائے یا چھوٹا ان کی انفرادی اکائی میں فرق نہیں پڑتا ۔ یہ کان کی خصوصیت ہے کہ
آوازوں کی اکائی کو محسوس کرتی ہے اگر مسلسل آوازوں کی حرکات کی فوٹو گرافی کی جائے تو پتہ
نہیں چلے گا کہ ایک آواز کہاں ختم ہوئی اور کہاں دوسری شروع ہوئی ۔ سماعی تاثر سے مدد لئے
بغیر یہ کیسے معلوم ہوسکتا ہے کہ فال (FAL) میں تین آوازیں ہیں نہ کہ دو یا چار ؟ اسی
طرح فال اور فیل میں جو فرق معلوم ہوتا ہے وہ آواز کی لمبائی کی وجہ سے نہیں بلکہ آواز کے سماعی
تاثر کی وجہ سے ہے ۔

F.D.
Sanssure

اتنی سی بات تھی جسکو ڈاکٹر صاحب سمجھ نہ سکے اور اتنے بڑے صاحب لسانیات
کو فریب خوردہ قرار دے دیا ۔ حقیقت یہ ہے کہ ڈاکٹر صاحب الفاظ کے تلفظ اور تحریری صورتوں کو
گڈ مڈ کردیتے ہیں اور الجھ جاتے ہیں ۔ کبھی فرماتے ہیں کہ " اردو کی ہائیہ آوازیں مفرد نہیں
مخلوط (Complex) ہیں " ۔ (ص ۵۷) حالانکہ یہ خیال غلط ہے کیونکہ صوتیات میں کوئی آواز
مخلوط نہیں ہوتی ۔ اس بارے میں فرانسیسی پروفیسر کا جو حوالہ دیا گیا ہے وہ بھی درست نہیں ۔

کبھی ڈاکٹر صاحب فرماتے ہیں کہ " انگریزی KING-CUP کے K اور C کی شکلیں بھی
مختلف ہیں اور آوازیں بھی " (ص ۵۳) ۔ وہ یہ نہ سمجھ سکے کہ اصلی آوازوں میں کوئی فرق
نہیں لیکن مذکورہ لفظوں میں بعد میں واقع شدہ مختلف صوتوں کی وجہ سے مخرجی فرق ہوگیا ہے
جو سماعت میں محسوس نہیں ہوتا ۔ اسی غلطی کو ڈاکٹر صاحب نے ص ۹۲ پر پھر دوہرایا ہے اور
مسٹر راس (Ross) کے قول کو بھی سمجھ نہ سکے ۔

کبھی فرماتے ھیں کہ " رومن میں مثلاً KH کو " کھ " بھی پڑھ سکتے ھیں اور " خ " بھی (ص ۵۹) وہ یہ نہ سمجھ سکے کہ یہ دو مشروط " بدل صوت " (Allophones) ھیں ۔ کبھی فرماتے ھیں کہ " وہ ھم آواز حروف اگر زبان کے دو کلموں میں امتیاز کا باعث ھوں تو وہ دو مختلف صوتیے شمار ھونگے " (ص ۲۰ – ۲۱) ۔ یہاں بھی غلط فہمی ھوئی ھے دراصل " حروف " صوتیے نہیں ھوتے اور نہ ایک آواز کے دو یا زائد صوتیے ھوتے ھیں ۔

(اقتباس ۔ مقالہ " اردو صوتیے اور ان کی تحریری صورتیں "
ماھنامہ نگار پاکستان مئی جون ۱۹۶۷ء ، ص ۲۰ ، ۲۱)

پیر غلام محی الدین سرھندی

ولادت ۱۳۳۳ ھ / ۱۹۱۵ ء

پیر غلام محی الدین مجددی سرھندی نقشبندی ٹنڈو محمد خان (ضلع حیدرآباد سندھ) کے مشہور حکیم اور ھردلعزیز صاحب دل صوفی ھین ۔ موصوف سندھ کے اس سرھندی خاندان عالی وقار سے تعلق رکھتے ھین جسکی علم و فضیلت اور معرفت و روحانیت کا سرچشمہ فیض سندھ مین کوئی ایک صدی سے جاری ھے ۔

حکیم پیر غلام محی‌الدین سرھندی خانوادہ سرھندی کے عظیم المرتبت علمی و روحانی بزرگ عارف کامل حضرت خواجہ محمد حسن جان سرھندی کے نواسے ، عبداللہ جان شاہ آغا سرھندی کے بھانجے حکیم عبدالعزیز سرھندی کے برادر معظم اور پیر غلام دستگیر جان مجددی کے خلف اکبر ھین ۔

پیر غلام محی الدین کے جدامجد الحاج غلام عبداللہ مجددی الفاروقی افغانستان کے اولیائے عظام مین سے تھے ۔ غلام محی الدین کے والد ماجد پیر غلام دستگیر افغانی (ولادت ۱۲۸۳ ھ ، وفات ۲۵ ربیع الاول ۱۳۳۷ ھ) کا وطن اور جائے وفات و مدفن گرجہ ارضستان (افغانستان) تھا لیکن وہ سندھ مین آیا کرتے تھے اور برسون یہان حضرت خواجہ عبدالرحمنؒ افغانی کی صحبتون سے فیض یاب ھوا کرتے تھے ۔ خواجہ عبدالرحمن کے صاحبزادے خواجہ محمد حسن جان کی صاحبزادی پیر غلام دستگیر (۱) کے دامن ازدواج سے وابستہ تھین ۔

پیر غلام دستگیر افغانی کے دوفرزند ھین ۔ حکیم غلام محی الدین جان اور حکیم عبدالعزیز جان (۲) مرحوم ۔ دونون نے دنیائے طب مین نیکنامی حاصل کی ۔

غلام محی الدین کی پیدائش ۱۳۳۳ ھ (۱۹۱۵ء) مین بمقام ٹنڈو سائین داد ھوئی ۔ ابتدائی تعلیم و تربیت والدہ ماجدہ اورنانا حضور کی آغوش رحمت مین پائی ۔ فارسی و عربی علوم اپنے دادا کے قائم کردہ مدرسہ ٹنڈو سائین داد مین حاصل کئے ۔ عربی کی اعلی تعلیم ، مدرسہ " حزب الاحناف " لاھور مین حاصل کی ۔ مسجد وزیر خان کے امام و خطیب مولانا دیدار علی شاہ اور ان کے فاضل فرزند مولانا ابوالحسنات ابوالبرکات سے شرف شاگردی حاصل کیا ۔ لاھور مین باکمال اساتذہ سے مستفیض ھوئے ۔ اجمیر مین جید عالم و فاضل حضرت معین الدین کے دامن فیض سے بھی وابستہ رھے ۔

۱۹۳۶ء میں طب کی تعلیم کے لئے طبیہ کالج دھلی میں داخلہ لیا ۔ چار سال کی تعلیم کے بعد سالانہ امتحان میں اول آئے ۔ ایک سال وھاں ھاوس فزیشن کی حیثیت سے کام کیا دھلی میں پورے پانچ سال قیام رھا ۔ دھلی سے فاضل طب و جراحت کی سند حاصل کی ۔

۱۹۴۲ء میں ٹنڈو محمد خان میں سرھندی دواخانہ کے نام سے مطب قائم کیا ۔ طب و حکمت کے فن پر کمال رکھتے ھیں ۔ طباع اور ذھین طبیب ھیں ۔ اپنی پریکٹس کے دوران پرائیویٹ اسٹوڈنٹس کی حیثیت سے گریجویشن کیا ۔

غلام محی الدین کو اردو سے دلی لگاو رھا ھے ۔ دھلی اور اجمیر کے قیام سے ان کے ذوق علم و ادب کو فروغ ھوا ۔ ارباب اردو کے صحبت یافتہ ھیں ۔ اساتذہ کی آنکھیں دیکھی ھیں ۔ شعر نہیں کہتے لیکن ذوق شاعرانہ ھے ۔ اردو میں بہت اچھے مضامین لکھتے ھیں ۔ بہت خوشخط ھیں ۔ ان کی اب تک کسی زبان میں کوئی مستقل تصنیف نہیں ھے ۔ ۱۹۴۱ء میں جن دنوں وہ طبیہ کالج دھلی میں اسسٹنٹ ھاوس فزیشن کے عہدے پر مامور تھے ان کا ایک مضمون کالج کے ماھنامہ " اجمل میگزین " (زیر ادارت ڈاکٹر سید ناصر عباس پرنسپل طبیہ کالج دھلی) کے شمارہ فروری ۱۹۴۱ء میں " درد دل " جیسے شاعرانہ عنوان سے اشاعت پذیر ھوا تھا ۔ اس مضمون میں انھوں نے وجع القلب (Angina Pectoris) کے مختلف پہلو ، علامت ، اسباب ، اقسام مرض ، علاج بوقت درد ، اصول علاج ، علاج بوقت فترہ ، غذا ، ھدایات وغیرہ پر طبی نکتہ نگاہ سے بحث کی ھسے ۔ یہ مضمون طب اور ادب کا ایک ایسا خوبصورت امتزاج ھے کہ ایک طرف ان کے فن طب پر مہارت اور دوسری جانب ادب سے لگاو کی غمازی کرتا ھے ۔ طرز تحریر دلچسپ اور دلکش ھے ۔ بطور نمونہ نثر اس مضمون کا ابتدائی حصہ نقل کیا جاتا ھسے :

" گذشتہ نومبر کی ایک رات جب کہ تقریباً دس گیارہ کا عمل ھوگا مجھے ایک ایسے مریض کو دیکھنے کیلئے بلایا گیا جسکے سینے میں شدید درد کا دورہ ھو رھا تھا ۔ میں نے مریض کا معائنہ کیا ۔ مریض کا چہرہ پیلا پسینہ سے تر تھا ۔ آنکھوں سے آنسو جاری تھے ۔ درد کے مارے چارپائی پر کروٹیں بدل رھا تھا ۔ تنفس رک رک کر آرھا تھا ۔ نبض سریع ۱۴۰ اور ۱۵۰ کی رفتار تک لیکن منظم تھی ۔ قلب زور زور سے ٹھوکریں ماررھا تھا۔ بائیں جانب رقبۂ مقدم قلبی میں درد اور وجع القلب کی پرانی ھسٹری تھی لہذا تشخیص مرض میں تو کوئی دقت نہ تھی البتہ سوال یہ تھا کہ اس وقت میں وھاں تن تنہا تھا ۔ نہ میرے پاس کوئی مفرح معجون تھی اور نہ کوئی مقوی و محرک

مکسچر نہ حب جواہر اور نہ آکسیجن ، نہ مارفیا نہ ایمائل نائٹرائٹ کہ جن سے مریض کا علاج کرسکوں
میں نبض دیکھ رہا تھا اور سوچ رہا تھا کہ کیا کروں ۔ دفعتاً مجھے ایک بات یاد آئی اور میں
نے مریض کی ناک اور منہ اس شدت سے بند کرلیا کہ مریض کا تنفس بالکل رک گیا ۔ تقریباً نصف منٹ
کے بعد میں نے گرفت کو ڈھیلا کیا جب مریض نے ایک سانس لے لیا تو پھر دوبارہ مجاری تنفس کو
نصف منٹ کے لئے بند کردیا گیا ۔ اسی طرح دوبارہ اور بھی یہ عمل کیا گیا ۔ دو منٹ کے بعد
مریض کی یہ حالت تھی کہ وہ خواب شیریں سے مدھوش مزے سے سورہا تھا ۔ اسی حالت میں مریض
۲۰ منٹ تک سوتا رہا اسکے بعد اٹھا بالکل تندرست تھا ۔ دورہ رک چکا تھا ۔ درد غائب تھا ۔
نبض کی رفتار طبعی ہوچکی تھی البتہ کسی قدر ضعف باقی تھا جو ہونا چاہئے تھا ۔ طبعی طور
پر آپ کو یہ شوق ہوگا کہ آخر ناک بند کرنے میں کون سی مصلحت تھی اور کیوں اس سے مریض کو اس
قدر جلد آرام حاصل ہوگیا ۔ قبل اس کے کہ میں اس کی حقیقت آپ پر واضح کروں مناسب معلوم ہوتا
ہے کہ اولاً مرض کی ماہیت ، اسباب و علامات کے متعلق بھی کچھ بحث کی جائے ۔

وجع القلب یا انجائنا پیکٹوریس ایک قلبی مرض ہے جس میں عضلات قلب میں تشنج ہوکر شدید
قسم کا درد ہوتا ہے مریض کا دم بند ہونے لگتا ہے اور حالات اس قدر اندیشہ ناک ہوتے ہیں کہ
مریض کو موت کے آثار نظر آتے ہیں ۔

یہ مرض عام طور پر ۳۰ ، ۳۵ سال کی عمر میں زیادہ تر مردوں کو لیکن بعض اوقات عصبی
مزاج نوجوانوں مرد اور عورتوں کو بھی ہوجاتا ہے ۔ یہ درد سینے میں بائیں جانب اقبۂ مقدمی قلبی
اور اس سے کچھ اوپر محسوس ہوتا اور ساتھ ہی یہ درد بائیں جانب کے مونڈھے اور بائیں بازو کی
طرف بھی منتقل ہوتا ہے ۔ بازو میں بھی خاص طور پر اندرونی جانب پایا جاتا ہے ۔ ان مقامات
کی جلد اور عضلات میں بھی درد ہوتا ہے اسکی وجہ یہ ہے کہ قلب کی طرف " نظام عصبی شرکی "
سے کچھ ریشے آتے ہیں اور ان عصبی ریشوں کا مبدا زوین عنقی اور پشت کے بالائی آٹھ نخاعی اعصاب
ہوتے ہیں لہذا جہاں جہاں ان اعصاب کی شاخیں پہنچتی ہیں وہاں قلبی درد کا احساس ہوتا
بھی لازمی ہوتا ہے ۔ اصطلاحاً اس قسم کے درد کو " تحویل تاثیر کا درد (Referred Pain)
کہا جاتا ہے ۔ اگر مذکورہ بالا مقامات میں درد نہیں ہے اس درد کا سبب کوئی قلبی خرابی
نہیں ہوسکتی " ۔

(ماہنامہ اجمل میگزین ، دہلی فروری ۱۹۳۱ء ، ص ۱۸ ، ۱۹)

۵۹۷

حاشیے

(پیر غلام محی الدین سرہندی)

(۱) پیر غلام دستگیر کے تفصیلی حالات کیلئے ملاحظہ ہو " فائق علیا فردوس میں " از حکیم عبدالعزیز جان سرہندی مرحوم ۔

(۲) حکیم پیر عبدالعزیز جان سرہندی مرحوم ۔ کی پیدائش ۱۳۳۵ ھ (۱۹۱۷ء) میں بمقام ٹنڈو سائیں داد ہوئی ۔ ۲۸ نومبر ۱۹۷۱ء کو کنری شہر ضلع تھرپارکر میں انتقال کیا ۔ ۱۹۳۵ء میں جامعہ طبیہ دہلی سے " سند الاطباء " کی سند حاصل کرنے کے بعد کنری میں مطب کرتے تھے ۔ خدمت خلق ، عبادت خالق کے ساتھ ساتھ تصنیف و تالیف ان کا دلچسپ مشغلہ تھی ۔ فارسی ، سندھی اور اردو کے بہت اچھے ادیب تھے ۔ (مقالہ " ضلع تھرپارکر کے فارسی ادب کا جائزہ " ، الرحیم ، ۱۹۷۸ء) ۔ کئی کتابوں کے مصنف تھے ۔ چند کتابوں کے نام یہ ہیں :

اردو

۱۔ تذکرہ خواجگان نقشبند (قلمی) ضخامت ۲۰۰ صفحات ۔

حضور اکرم حضرت ابوبکر صدیق ، حضرت مجدد الف ثانی ، امام محمد معصوم اور سلسلہ نقشبندیہ مجددیہ کے بزرگان کے حالات اور خدمات و کرامات پر مشتمل ہے ۔

۲۔ خفتگان خاک (قلمی)

اس کتاب میں اولیاء ، شعراء ، ادباء اور شاہان وقت کی قومی ، ملی ، علمی و ادبی خدمات کا اجمالی و تفصیلی جائزہ پیش کیا گیا ہے ۔

سندھی

۱۔ فائق علیا فردوس میں ۔ مطبوعہ سرہندی پبلیکیشن کنری ضلع تھرپاکر ۱۳۹۰ء (۱۹۷۰ء)
(تذکرہ افراد سرہندی)

۲۔ مقالات عزیز ۔ ضخامت تین سو صفحات ، تاریخ ، تصوف اور ادب سے متعلق مختلف موضوعات پر مضامین کا مجموعہ ۔

(راقم نے اس مضمون کی تیاری میں مذکرہ بالا کتابوں کے علاوہ زیادہ تر معلومات پیر غلام محی الدین سے براہ راست ملاقاتوں کے دوران حاصل کی ہیں) ۔

شاہ اکرام حسین سیکری

ولادت ۱۳۳۵ ھ / ۱۹۱۷ ء

سید شاہ اکرام حسین چشتی سیکری ہمارے عصر کے ایک جلیل القدر صاحب علم و عرفان اور صاحب فکر و دانش ہیں ۔ علم ، تصوف اور طب کے ہر میدان میں انکی پیہم اور انتھک خدمات نہایت قابل قدر ہیں ۔

شاہ اکرام حسین ابن حکیم سید سجاد حسین شاہ ابن حکیم سید اکبر علی شاہ سیکر شریف راجستھان کے اس خاندان عالیۂ چشتیہ کے روشن چراغ ہیں جس کے مورث اعلیٰ حضرت حاجی سید ابراہیم بغدادی (۱) رحمت اللہ علیہ تھے ۔ یہ بزرگ ۸۲۸ ہجری میں (یہ دہلی میں سلطان مبارک شاہ کی حکومت کا عہد تھا) بغداد سے ہندوستان تشریف لائے ۔ راجستھان کے ایک ویرانے میں سکونت اختیار کی ۔ یہ وہ مقام ہے جو " سنگھانہ " کے نام سے انہیں اللہ والے کے دم سے آباد ہوا آپ نے وہاں کے انسانوں کو کفر و شرک کی تاریک دنیا سے نکال کر توحید و رسالت کی روشن راہیں دکھائیں ۔

۱۲۵۰ ھ میں سنگھانہ کے اس معروف و مقتدر خاندان کی ایک شاخ سیکر شریف (راجپوتانہ) میں قائم ہوئی جسکے موسس و موثر حضرت مولانا حکیم سید شاہ ولی محمد چشتی (۲) قدس سرہ (۱۲۱۸ - ۱۲۸۳ ھ) تھے ۔

سید شاہ اکرام حسین کا سلسلہ نسب (۳) پندرھویں پشت پر حضرت حاجی ابراہیم بغدادی اور چھٹی پشت پر حضرت سید شاہ ولی محمد چشتی جیسی برگزیدہ ہستیوں کے واسطے سے بتیسویں پشت

---

(۱) حضرت سید ابراہیم بغدادی حضرت امام علی رضا کی اولاد میں سے تھے اس نسبت سے آپکا خاندان " رضوی سادات سنگھانہ " کے نام سے مشہور ہے ۔ موصوف نے ۸۹۸ ھ میں وصال فرمایا ۔ سادات سنگھانہ کے خاندانی قبرستان میں آپکا مزار پرانوار زیارت گاہ خاص و عام ہے ۔ بزرگان سلسلۂ چشتیہ نظامیہ نیازیہ سیکر کے نقشہ مع تاریخ و جائے دفن کیلئے ملاحظہ ہو " تذکرہ شاہ شمشاد حسین چشتی " از شاہ اکرام حسین مطبوعہ مکتبہ چشتیہ حیدرآباد ۱۹۷۸ء (ص ۸-۲۰ ، ۲۱)-

(۲) حیات و خدمات کیلئے ملاحظہ ہو " تذکرہ شاہ ولی محمد چشتی " مصنفہ شاہ اکرام حسین پیش لفظ وفا راشدی ناشر ادارہ بزم چشتیہ حیدرآباد ، ۱۹۶۳ ء ۔

(۳) شاہ اکرام حسین کی ایک کتاب " حالات ملا الٰہی بخش چشتی آسی " (مکتبہ چشتیہ ۱۹۷۸ء) میں منظوم شجرہ خاندان عالیشان چشتیہ نظامیہ نیازیہ (ص ۸-۹) شائع ہوچکا ہے ۔

پر امیرالمومنین امام اولیا حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے جا ملتا ہے ۔ یہ حضرات برصغیر کے ان اولیائے کبار میں سے تھے جنکی ذات بابرکات کی بدولت راجپوتانہ (اور اب سندھ میں بھی) تجلیات الٰہی اور انوار محمدی کی ضیا پاشی ہوتی رہی ۔ اسلامی تہذیب و تمدن کی کرنیں پھوٹیں اور جن کے رشد و ہدایات، کشف و کرامات، روحانی کمالات اور علوم و فیوض کا سرچشمہ آج تک جاری و ساری ہے [1] ۔ شاہ اکرام کے بزرگوں میں صرف صوفیائے کرام ہی نہ تھے بلکہ علماء و فضلاء، حکیم حاذق اور شعراء و ادباء بھی گزرے ہیں ۔

شاہ اکرام کی ولادت ۱۷ شعبان ۱۳۳۵ ھ مطابق ۱۸ جون ۱۹۱۷ء کو خانقاہ سیکر شریف میں ان کے والد کی رہائش گاہ ڈھلی میں ہوئی ۔

قرآن حکیم اور عربی کے ابتدائی درس عطا اللہ دین سیکری سے لئے ۔ اردو کی تعلیم اپنے حقیقی ماموں حکیم مولوی ظہور الحسن سنگھانوی سے حاصل کی ادیب کا کورس منشی نسیم احمد کامل اور منشی فاضل کرصاب مولوی فضل الرحمن سے پڑھے ۔ ان امتحانات کی سندیں پنجاب یونیورسٹی سے حاصل کیں ۔

طب و حکمت شاہ اکرام حسین کا آبائی پیشہ رہا ہے ۔پیری مریدی کے خاندانی سلسلے کے باعث گھر پر تصوف و معرفتکی فضا موجود تھی ۔ ساتھ ہی آباواجداد کے طب و حکمت سے قدیم تعلق کی وجہ سے انہیں بھی شروع سے طب سے شغف رہا ہے ۔ اجمل طبیہ کالج راولپنڈی سے کامل طب و جراحت کی سند عطا ہوئی ۔ حکومت پاکستان سے درجہ اول میں رجسٹرڈ ہوئے ۔

پاکستان سے قبل اپنے آبائی مکان واقع سیکر شریف (راجستھان) میں اپنے ذاتی مطب "رہنمائے صحت دواخانہ" میں پریکٹس شروع کی ۔ ۱۹۴۷ء میں پاکستان میں ہجرت کے بعد سے اب تک "رہنمائے صحت دواخانہ" گھاٹی روڈ حیدرآباد میں بےشمار دکھی انسانوں کے علاج و معالجہ اور جسمانی و روحانی صحت شفا کی آماجگاہ ہے ۔

شاہ اکرام آستانہ عالیہ حضرت شاہ ولایت سیکر شریف کے چوتھے سجادہ نشین ہیں ۔ ایک ایسے سادہ مزاج، سادہ گفتار صاحب حکمت ہیں جو امراض ظاہری و باطنی دونوں کے نبض شناس ہیں ۔ وہ سراپا گداز، مجسم اخلاق و اخلاص اور محبت و مروت کے پیکر ہیں ۔ غریبوں مسکینوں کے حاجت روا، ملجا و ماوا، انکی زندگی خدمت خلق اور خدمت علم و شریعت کیلئے وقف ہے ۔ وہ اپنی ذات میں ایک انجمن ایک ادارہ ہیں ۔

---

(۱) "گلزار مناقب" مولفہ شاہ اکرام میں انکے اسلاف و اجداد کے حالات و کوائف موجود ہیں ۔

شاہ اکرام کی شاعری کی ابتدا نعت گوئی سے ہوئی ۔ غزلیں بھی کہتے ہیں ۔ طبیعت کا رجحان حمد ، نعت ، منقبت ، قصیدے اور سلام وغیرہ جیسی اسلامی اصناف کی طرف زیادہ پایا جاتا ہے ۔ ان کی تربیت ، ان کے ماحول ، ان کی پاکیزہ زندگی کا یہی تقاضا ہے ۔ مثال کے طور پر ان کے لاتعداد قصائد و مناقب میں سے ایک منقبت جو ان کے مورث اعلیٰ حضرت شاہ ولی محمد چشتی کی شان میں ہے یہاں نقل کی جاتی ہے ۔

مطلوب کبریا ہیں حضرت ولی محمد	محبوب مصطفیٰ ہیں حضرت ولی محمد
تنویر اولیاء ہیں حضرت ولی محمد	عالم کے پیشوا ہیں حضرت ولی محمد
نور نگاہ زہدا ہے انکی ذات والا	اولاد مرتضےٰ ہیں حضرت ولی محمد
گنجینۂ علوم و عرفان ہے انکا سینہ	سالار اصفیا ہیں حضرت ولی محمد
دریتیم عرب ہیں فخر شہ نجف ہیں	مقصود اتقیا ہیں حضرت ولی محمد
ہے گرم ان کے دم سے سیکر کی بزم	ایمان اولیا ہیں حضرت ولی محمد
اکرام کو ملی ہیں جو نعمتیں جہاں میں	سب آپ کی عطا ہیں حضرت ولی محمد

(تذکرہ ولی محمد چشتی ، ص ۲۶ - ۲۷)

قطعہ تاریخ وفات حضرت شاہ ولی محمد چشتی

از جہاں رفت عارف سیکر	شادماں روح پرفتوحش باد
گفت اکرام بہر سال وصال	ہر کہ دارفع مقام روحش باد (۱)
	۸۳ ۱۲ھ

تاریخ بڑی مشکل صنف ہے شاید اسی لئے بہت کم شعراء نے اس صنف کی طرف توجہ دی ہے ۔ شاہ اکرام کو اس فن میں ید طولیٰ حاصل ہے ۔ تاریخ گوئی ان کا سب سے محبوب مشغلہ ہے ۔ انھوں نے اپنے عزیز و اقارب ، اکابر و احباب کے علاوہ برصغیر کے مشاہیر علم و فضل کی مختلف تقریبات اور سانحات کے موقعوں پر بے شمار قطعات تاریخ کہے ہیں ۔ مشکل سے مشکل الفاظ کی ترتیب و تدوین سے نہایت دیدہ زیبی کے ساتھ نظر افروز اور دلنشیں مادہ ہائے تاریخ نکالے ہیں ۔ سچ تو یہ ہے کہ

---

(۱) گلہائے تاریخ ، مشاہیر عالم کی تاریخہائے وفات اور دیگر خاص خاص واقعات تاریخ کی روشنی میں ۔ مطبوعہ ماہنامہ الولی حیدرآباد ، اکتوبر نومبر ، ۱۹۷۲ء ۔

سندھ میں شاہ اکرام جیسے ماہر تاریخ گو کے دم سے تاریخ گوئی کا قدیم فن زندہ و تابندہ ہے ۔ فن تاریخ گوئی پر انھوں نے ایک ضخیم کتاب پانچ سو صفحات پر مشتمل " الفاظ و اعداد " کے نام سے مرتب کی ہے جس میں چالیس ہزار الفاظ اور ان کے اعداد ترتیب وار ایک سے لیکر تیس ہزار تک لکھے گئے ہیں ۔ اگر یہ کتاب شائع ہوجائے تو فن تاریخ گوئی کی اہم اور یادگار کتاب ثابت ہوگی ۔ بطور نمونہ چند تاریخیں نذر قارئین ہیں :

حضور سرور کائنات نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی
ولادت شریف ۔ سال ولادت ۲۲ اپریل ۵۷۱ء

جاودان جشن میلاد نبوی		حبیبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم	
۵۷۱	۵ء	۵۷۱	۵ء

سال میلاد نبی بطحا جناب محمد ابن عبداللہ

۵۷۱ ۵ع

حضرت شیخ عبدالقادر سید محی الدین جیلانی ۔
سال وصال ۱۷ ربیع الثانی ۵۷۱ھ / ۱۱۷۵ء یوم جمعہ

سال وصال سیدنا پیر اقوام عالم سید محی الدین جیلانی

۷۵ ۱۱ء

دین پناہ پیر جیلان از جہان رفت

۱۱۷۵ء

بلند پایہ قادری پیشوا اٹھ گیا (۱)

۱۱۷۵ء

---

(۱) گلہائے تاریخ کے چند اوراق ، زیر عنوان مشاہیر عالم کی تاریخہائے وفات اور دیگر خاص خاص واقعات تاریخ کی روشنی میں ، الولی ، حیدرآباد ، اکتوبر نومبر ، ۱۹۷۶ء ۔

مشاہیر سندھ کی تاریخہائے وفات ، حضرت شاہ لطیف بھٹائی

ممدوح فخر صوفیا
۱۱۶۵ ھ

زبان ملت شاہ عبداللطیف رفت
۵۲ ۱۷ ھ

گوہر یک دانۂ شاہ عبداللطیف رفت
۶۵ ۱۱ ھ

یک شہرۂ آفاق اہل دل شاہ عبداللطیف بھٹائی (۲)
۵۲ ۱۷ ھ

صوفیائے کرام اور علمائے دین کے سوانح و تذکرے ، احوال خدمات و کرامات قوم کے اخلاق و کردار کی تعمیر و تشکیل ، ذہنی و روحانی تربیت میں روشنی کا کام دیتی ہیں ۔ شاہ اکرام نے اس اہم مقصد کے پیش نظر ۱۹۵۲ء میں میرپور خاص (ضلع تھرپارکر) سے ایک صوفی ماہنامہ " سیر المشائخ " جاری کیا جسکے صرف چند شمارے منظر عام پر آسکے ۔

حکیم شاہ اکرام حسین سیکری کی تصنیف و تالیف میں چھوٹی بڑی کتابیں بھی ہیں ، رسالے بھی جن کی تعداد ان کے خودنوشت سوانح حیات (قلمی جو راقم کے پیش نظر ہے) کے مطابق تقریباً ستر تک پہنچتی ہے ۔ یہ سب اسلامی تاریخ و تصوف ، سیرت و سوانح ، ادب و ثقافت ، طب و حکمت اور مکتوبات سے متعلق ہیں ۔ ایک مختصر فہرست حسب ذیل ہے ۔

سیرت و سوانح

(۱)	سیرت حضرت امام حسن	مطبوعہ اجمل پریس بمبئی ،	۱۹۳۶ء
(۲)	سید الشہدا	ناشر ساجد علی حسن ناردولوی	۱۹۶۹ء
(۳)	تذکرہ حضرت امام حسین	" "	۱۹۷۰ء
(۴)	مختصر تذکرہ حضرت مسکین شاہ	مطبوعہ معین پریس میرپورخاص	۱۹۵۲ء
(۵)	مختصر تذکرہ شاہ ولی محمد چشتی پیش لفظ وفا راشدی	ادارہ بزم چشتیہ حیدرآباد	۱۹۶۳ء
(۶)	گلزار مناقب	" "	۱۹۶۸ء
(۷)	گنج دانائی	" "	۱۹۶۸ء

---

(۱) الولی ، اگست ۱۹۷۵ء

(۸) تذکرہ شاہ شمشاد حسین سیکری — مکتبہ چشتیہ لطیف آباد — ۱۹۷۷ء
(۹) حالات ملا الٰہی بخش چشتی امیری — " " — ۱۹۷۸ء
(۱۰) تذکرہ بزرگان راجستھان — (غیر مطبوعہ)

طب و حکمت
---

(۱) انتخاب لاجواب (حکیم اکرام کے طبی مجربات) مطبوعہ ۱۹۳۹ء
(۲) بیاض اکرام (" ") "
(۳) صحیفہ حکمت (معمولات مطب حکیم سجاد حسین) ادارہ تحقیقات طبیہ ڈیرہ نواب صاحب ۱۹۶۳ء
(۴) چشمہ صحت (معمولات مطب حکیم اکرام) " " ۱۹۶۳ء
(۵) مکتوبات بابائے طب (مجموعہ مکاتب بابائے طب حکیم فرید احمد عباس بنام اکرام) " " ۱۹۶۶ء
(۶) اکرام الحکمت (مجموعہ مجربات) ناشر مدیر رسالہ لقمان نظام آباد پنجاب
(۷) نسخۂ شفا - سال تحریر ۱۹۵۹ء - ملک دین محمد اینڈ سنز لاہور نے شائع کردی -
(۸) رسالہ خواص املی (املی کے خواص و فوائد پر رسالہ) مطبوعہ
(۹) اولیاء اللہ کا طبی فیضان (اولیائے کرام کے طبی نسخوں کا مرقع) "
(۱۰) بیاض طبیب سیکر - (ذاتی مجربات اور احباب کے تجربہ کردہ نسخوں کا مجموعہ) ۱۹۷۵ء
(۱۱) اکرام طب - طبی رسالہ - سال تحریر ۱۹۷۳ء غیر مطبوعہ

ادب
---

(۱) مجموعہ لطائف - مطبوعہ شمیم بک ڈپو حیدرآباد
(۲) سیکری عوامی بولی غیر مطبوعہ
(۳) سیکر کا پھیرا - سفرنامہ - پاکستان سے راجستھان تک - ۱۹۶۱ء -- غیر مطبوعہ

مکاتیب

شاہ اکرام نے مشاہیر و اکابر ، معروف و غیر معروف احباب و اہل قلم کے خطوط کے مجموعے ترتیب دیئے ہیں جنکی تعداد ایک درجن سے کم نہیں - ان مجموعوں میں مکاتیب عرشی (مکتوبات علامہ حکیم محمد حسین عرشی بنام شاہ اکرام) اور مکاتیب مسعودیہ خاص طور پر قابل ذکر ہیں -

منظومات

شاہ اکرام کے فارسی اور اردو منظومات کے حسب ذیل مجموعے مرتب ہوچکے ہیں اور منتظر اشاعت ہیں :

(۱) برگ گل ـــ فارسی غزلیات ، قطعات تاریخ کا گلدستہ   سن ترتیب ۱۹۷۵ء
(۲) گلہائے عقیدت در مدح حضرت امام حسین   سال تحریر ۱۹۷۳ء
(۳) مشاہیر سندھ کی تاریخہائے وفات   سال تدوین ۱۹۷۷ء
(۴) بزم سخن ـ غزلیات اور دیگر اصناف سخن پر مشتمل دلنواز مرقع
(۵) ہندی ادب ـ ہندی زبان کے مشہور دوہے بھجن اور گیتوں کا مجموعہ ـ

حکیم شاہ اکرام حسین سیکری ایک صاحب دل و صاحب نظر شاعر بھی ہیں ـ ادیب بھی ، عالم بھی ہیں محقق بھی ـ ہر اعتبار سے انکا مرتبہ بلند ہے ـ سادگی و صفائی جو جزو ایمان ہے انکی تقریر و تحریر ، نظم و نثر ، تصنیف و تالیف ہر چیز سے عیاں ہے ـ انکی باتوں میں گلوں کی خوشبو ، تحریروں میں پھولوں کی رعنائی و تازگی ، جس موضوع پر بھی قلم اٹھاتے ہیں اسکا ایک ایک لفظ اخلاص اور عشق سے معمور ہوتا ہے ـ ان کے متعدد علمی و تحقیقی مضامین معیاری رسائل و جرائد کی زینت بن چکے ہیں ـ ان میں ماہنامہ الولی حیدرآباد سندھ (یکے از مطبوعات شاہ ولی اللہ اکیڈیمی) بڑی اہمیت رکھتا ہے ـ سادہ اور سلیس زبان میں اہم سے اہم موضوع پر اس انداز سے لکھنا کہ دل کی گہرائی میں اتر جائے ان کی طرز نگارش اور اسلوب بیان کی خصوصیات ہے ـ

اب ہم شاہ اکرام کے ایک قابل قدر مضمون جسے انہوں نے مولانا محمد گرامی کے انتقال (۱۵ ستمبر ۱۹۷۶ء) کے فوراً بعد تحریر فرمایا تھا ، سے چند عبارات بطور نمونہ نثر نذر قارئین کرتے ہیں :

تاریخ سندھ کی ایک دلچسپ علمی شخصیت (۱)

محترم مولانا گرامی صاحب سندھ کی ادبی تاریخ کا ایک دلچسپ باب تھے ـ انہوں نے سندھی ادب میں گرانقدر اضافہ فرمایا ـ وہ بہت ہی دلچسپ شخصیت کے مالک تھے ـ میری اور ان کی

---

(۱) مطبوعہ ماہنامہ الولی ، اگست ستمبر ، ۱۹۷۶ء

تعلقات چند ملاقاتوں تک محدود ھیں ۔ یہ مضمون ان ھی ملاقاتوں کے چند واقعات اور تاثرات پر مشتمل ھے ۔

ملاقاتوں کے درمیان اکثر ان سے مذھبی اور تاریخی موضوعات پر گفتگو ہوا کرتی تھی ۔ سندھ کی تاریخ کی نسبت ان کی معلومات بہت اچھی تھیں ۔ مذھبی اعتبار سے وہ ایک آزاد خیال انسان تھے ۔اسلامی تاریخ کے بہت سے مسلمات میں وہ تقلیدی ذھن نہیں رکھتے تھے ۔

ایک روز میں صبح کے وقت ان کی قیام گاہ واقع گاڑی کھاتہ میں پہنچا ۔ ایک مختصر سا مکان ھے جسمیں جدید دور کی آرام و آسائش کی سہولت تقریباً نہ ھونے کے برابر ھے ۔ ایک کمرے میں جس میں وہ خود رھتے تھے دیواروں کے ساتھ صحن سے لیکر چھت تک انکی کتابیں چنی ھوئی تھیں جیسے کتابوں کی دیوار بنادی ھو ۔ اسکے سامنے ایک مختصر سا صحن ھے قریب ھی دوسرا کمرہ تھا اس میں ان کی اھلیہ اور صاحبزادی رھتی تھیں ۔ یہ پہلا موقع تھا کہ میں ان کے مکان پر گیا تھا اور اس کے بعد دوسری بار جانا نہیں ھوا ۔ موصوف نے پہلے اپنے کمرے میں چائے اور دیگر اشیاء سے میری تواضع فرمائی پھر اھل خانہ کی نبض دکھلائی ۔ اس سے فارغ ھوکر ھم دونوں ان کے کمرے میں آکر بیٹھ گئے ۔ دوران گفتگو مولوی محمود احمد عباسی کی کتابوں کا ذکر ھوا ۔ انھوں نے اس سلسلے میں اپنے خیالات کا بلا تامل دو ٹوک الفاظ میں اظہار کیا اور کہا ــــ " میں امیر شاہ کو نہیں مانتا نہ اسکے ساتھیوں کو مانتا ھوں ۔تاریخ میں اسکے لئے جو کچھ لکھا گیا ھے وہ اس کے حواریوں کا تیار کردہ یکطرفہ افسانہ ھے ۔ حضرت علیؓ مظلوم تھے ان کے ساتھ جو کچھ ھوا ھے بہرحال غلط ھے خواہ اس کی تاویلیں کچھ بھی ھوجائیں " ۔

وہ بیک وقت محقق بھی تھے ادیب بھی ، شاعر بھی تھے اور صحافی بھی ۔ ان کی نگارشات عالیہ سندھی ادب کا بیش قیمت ذخیرہ ھوں ۔ بلاشبہ ان کی وفات سے سندھ کا عظیم علمی نقصان ھے ۔

مـرزا محمـد افضل بیگ

ولادت ۱۳۳۵ ھ / ۱۹۱۸ ء

الحاج ابوالمشتاق مرزا رئیس محمد افضل بیگ سندھ کی نامور شخصیت شمس العلماء مرزا قلیچ بیگ [۱] کے فرزند اور مرزا فریدون بیگ (المتوفی ۱۸۷۱ ء) کے پوتے ھین ـ سندھ مین یہ خاندان اپنی علمی و ادبی خدمات کی بناء پر نہایت معزز و محترم رھا ھـے ـ

مرزاافضل بیگ کی پیدائش ۳ شعبان المعظم ۱۳۳۵ ھ (۲۵ مئی ۱۹۱۸ء) مین ان کے آبائی مکان واقع ٹنڈو ٹھورو [۲] مین ھوئی ـ ابتدائی تعلیم و تربیت گھر کے علمی و دینی ماحول مین ان کے والد مرزا قلیچ بیگ کی خصوصی نگرانی مین ھوئی ـ مولوی مرزا عبدالسبحان بیگ سـے قرآن کریم کے درس لئے ـ عربی و فارسی کی اعلی تعلیم کئی اتالیق سے حاصل کی ـ گورنمنٹ ھائی اسکول حیدرآباد سے میٹرک پاس کیا ـ

مرزا افضل بیگ نے علم و تصوف کی روحانی فضا مین پرورش پائی ـ مرزا قلیچ بیگ کے کتب خانـہ [۳] مین لاتعداد علوم و فنون کی کتابوں کا نہایت قیمتی،نادر و نایاب ذخیرہ موجود ھے ـ مرزا افضل نے اپنے عظیم کتب خانے سے خاطر خواہ فیض حاصل کیا ـ اپنے مقتدر اھل علم و اھل قلم باپ کی رھنمائی مین مطالعہ و محنت سے غیر معمولی استعداد حاصل کی ـ وسیع مطالعہ اور گہری سوچ و فـکر کی عادت نے انھین معاشرے مین ایک ممتاز درجہ عطا کیا ـ علوم ظاھری سے بہرہ ور ھوئے تو باطنی کمال حاصل کرنے کی خاطر اھل سنت و الجماعت کے شہرۂ آفاق دینی رھنما مفکر اسلام اور مفسر قرآن حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمـۃ اللہ علیہ کی صحبت مین روحانی فیضان سـے فیضیاب ھوئے ـ مولانا نے انھین جوھر قابل دیکھکر اپنا مرید بنایا اور خلافت کے درجہ پر فائز کیا ـ

---

(۱) مرزا افضل بیگ کے خاندانی حالات کیلئے ملاحظہ ھو تـذکرہ مرزا قلیچ بیگ چوتھا دور عہـد برطانیہ ، کتاب ھذا ـ

(۲) ٹنڈو ٹھورو، حیدرآباد کے مشرقی نواح مین ایک پرانی بستی ھے جو اب قلیچ آباد (مرزا قلیچ کی نسبت سے) کے نام سے موسوم ھـے ـ

(۳) راقم السطور کو ڈاکٹر محمد اسمعیل شیخ ولد ڈاکٹر شیخ محمد ابراھیم خلیل کی معیت مین اس کتب خانے سے استفادے کا شرف حاصل ھـے ـ

مرزا افضل بیگ نے مولانا اشرف علی تھانوی کے مکتبۂ خیال اور مدرسۂ فکر سے دستار فضیلت حاصل کرنے کے بعد درس و تدریس ، خدمت علم و دین اور تبلیغ اسلام و شریعتکے لئے اپنی زندگی وقف کردی ـ کئی مدرسے اور تعلیمی درسگاہوں کی داغ بیل ڈالی جن میں حاجی مانک بخش ہائی اسکول ، مدرسۂ قاسمیۂ گھانگرو اور مکتب مسجد جامع محمدی ریلوے پھاٹک حیدرآباد ان کی زندہ جاوید یادگارین ہیں ـ

مرزا افضل انگریزی سے بخوبی واقف ہیں ـ عربی فارسی اور اردو کی جید عالم ہیں ـ ان زبانوں کے ادبیات کا وسیع مطالعہ رکھتے ہیں ـ قرآن، حدیث اور فقہ کے علوم میں مستند سمجھے جاتے ہیں ـ

مشہور خطیب ہیں ـ ان کا ہر خطبہ قرآنی آیات اور علمی استدلال کا موثر و مفید گنجینہ ہوتا ہے ـ انکی بصیرت افروز تقریریں دلوں کو موہ لیتی ہیں ـ موقع محل کے مطابق موزون اشعار استعمال سےان کی تقاریر و خطبات کے تاثر میں دو چند اضافہ ہوجاتا ہے ـ ایک مدت تک مسجد محمدی اہل سنت و الجماعت میں ہرجمعہ کو پابندی سے خطبہ دیا کرتے تھے ـ ان خطبات نے بے شمار لوگوں کے دلوں میں توحید و رسالت ، رشد و ہدایت کا دیا روشن کیا ہے ـ

مرزا افضل کے منشور و منظوم خطبات جو جمعۃ المبارک اور عیدین کے موقعے پر سنائے گئے کا ایک مجموعہ موسوم بہ " افضل الخطبات " (ضخامت ۱۸۶ صفحات) ۱۳۸۳ ھ (۱۹۶۳ء) میں ایجوکیشنل پریس کراچی کے تحت طبع ہوچکا ہے ـ مولانا عبیداللہ سندھی کے مرزا افضل بیگ کسے خاندانی تعلقات تھے ـ مرزا قلیچ بیگ سے مولانا سندھی کے دوستانہ مراسم تھے ـ مولانا سندھی نے " افضل الخطبات " کے قلمی نسخے کو دیکھکر فرمایا تھا :

> " یہ مجموعہ اپنی حیثیت میں ایک دلفریب مجموعہ ہے ـ ہر ایک مومن اس گلدستۂ ایمان کو پڑھکر ضرور محظوظ ہوگا ـ ان خطبات میں توحید خداوندی سےلیکر محبت رسول اور محبت صحابہ اور اہل بیت رضوان اللہ علیہم اجمعین اور مدح اولیاء اور دین کی اصولی اور فروعی چیزوں کو بحث میں لایا گیا ہے اور ہر طرح کے ذخائر اس میں موجود ہیں ـ ہر رنگ میں رنگا ہوا آدمی ان خطبات کو پڑھکر ظاہری اور باطنی سرور حاصل کرسکتا ہے " ـ
>
> (دیباچہ افضل الخطبات ، ص ح)

افضل الخطبات کے مندرجات حسب ذیل ہیں :

تقریظ ، دیباچہ ، گزارش ، خطبات ، دعائے استقلال ، پاکستان مجاہد پاکستان کی دعا ، درود شریف ، سلام

مرزا افضل بیگ اردو نظم و نثر پر یکساں قدرت رکھتے ھیں ۔ انکی زبان صاف اور شگفتہ ، بیان دلپذیر اور عالمانہ ہے ۔ " افضل الخطبات " کی مندرجہ ذیل سطروں سے نثر مین ان کی طرز نگارش کا اندازہ کیا جاسکتا ہے ۔

" واضح ہو کہ نماز جمعہ سے پہلے خطبہ پڑھنے کا رواج نبی کریم صلی‌اللہ علیہ وسلم سے آج تک بدستور چلا آرہا ہے ۔ سبحان اللہ خطبہ جمعہ کی کیا شان وعظمت ہے اور اسکو غور سے سننے کیلئے یہاں تک تاکید آئی ہے کہ جس وقت خطبہ پڑھا جائے اس وقت بات کرنا بھی لغو ہے یہاں تک کہ نماز و تلاوت قرآن مجید ناجائز ہے ۔ جبکہ آیت کریمہ ان اللہ و ملائکتہ یصلون علی النبی پڑھی جائے یا حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم کا نام نامی اسم گرامی لیا جائے تو درود شریف بھی دل میں پڑھے۔
اگر کسی سنت یا نفل نماز شروع کی اور سجدہ کرنے سے پہلے خطیب نے خطبہ شروع کیا تو نماز توڑ کر خطبہ سننے بیٹھ جائے ۔ یہ تاکید اسلئے ہے کہ احکام خدائے تعالیٰ جل شانہ کو شوق دل سے سنے اور احادیث خیر الوری نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور نصائح رشد و ہدایت کو غور سے سمجھکر اس پر عمل کرے " (۱) ۔

افضل بیگ شاعر بھی ھیں لیکن انکی شاعری تفریح طبع یا تسکین دل کیلئے نہیں بلکہ تبلیغ اسلام اور ماحول و معاشرے کی اصلاح و تربیت اور خدا و محبوب خدا کی حمد و ثناء جیسے نیک و بلند مقاصد سے مملو ہے ۔ مرزا افضل قرآنی آیات کو بڑی سادگی اور مہارت سے شعروں کے قالب میں ڈھال دیتے ھیں ۔ اسلامی تاریخ اور واقعات کی تلمیحات کو بھی اپنے اشعار میں نہایت خوبی سے پیش کرتے ھیں اور یہی انکی شاعری کی خصوصیت ہے وہ میلاد میں بھی زیادہ تر اپنے ہی اشعار پڑھتے ھیں اور خطبات میں بھی اس موزونیت سے استعمال کرتے ھیں کہ سننے والوں کے دلوں میں اترجاتی ہے ۔ اس انداز کے یہ چند اشعار آپکی خدمت میں پیش کئے جاتے ھیں ۔

رب کعبہ ہے سزاوار ثنائے بے شمار
ورد لب میرا ستائش اس کی ہے لیل و نہار

فرض جس نے اہل سنت پر کیا کعبے کا حج
اور اسے اسلام کا ٹھہرایا رکن استوار

تاکہ وہ کفارہ ہو پچھلے گناہوں کا تمام
حاجیوں پر ہے یہ فضل نعمت پروردگار (۲)

تعریف خالق جہاں اور مالک کون و مکاں
اک شمہ ہو کس سے بیاں بیشک وہ علیشان ہے

اور نعت شاہ اصفیا بدرالدجیٰ شمس‌الضحیٰ
کیا ہوسکے ہم سے ادا جسطرح شایان شان ہے

نیکی کسی سے جب کرو منظور رحمت حق کو ہو
منت نہ تم اس پر دھرو ورنہ بہت خسران ہے

عاصی ہیں رب العلا تو بخشدے سارا خطا
بہر نبی مصطفیٰ جو شافع عصیان ہے

---

(۱) افضل الخطبات ، ص ۳ - ۴ (۲) ایضاً ص ۸۲ ، ۸۳

مخدوم محمد زمان طالب المولیٰ

ولادت ۱۳۳۸ھ / ۱۹۱۹ء

مخدوم محمد زمان اصل نام ، طالب المولیٰ قلمی نام ہے ۔ سرزمین سندھ کے اس خاندان عالی وقار کے چشم و چراغ ہیں جسکا سرچشمہ علم و روحانیت سترہ پشتوں سے آج تک جاری و ساری ہے ۔ ان کے آبا و اجداد میں کئی بزرگان دین (۱) ایسے گزرے ہیں جنھوں نے علمی و دینی کمالات کے ساتھ ساتھ شعر و ادب میں بھی گرانقدر خدمات انجام دی ہیں ۔

حضرت غوث الحق مخدوم نوح سرور صدیقی ہالائی (۲) (۹۱۱ - ۹۹۸ھ / ۱۵۰۰ - ۱۵۸۲ء) اس خاندان کے موسس اور مورث اعلیٰ تھے ۔ طالب المولیٰ اپنے والد ماجد حضرت غلام محمد عرف گلن جام کے وصال کے بعد درگاہ شریف ہالا کے سترھویں سجادہ نشین (۳) مقرر ہوئے ۔

طالب المولیٰ کی پیدائش ماہ محرم الحرام ۱۳۳۸ھ مطابق ۲۲ ستمبر ۱۹۱۹ء میں بمقام ہالا ہوئی ۔

قرآن مجید کا درس حافظ ولی محمد مجاور درگاہ شریف ہالا سے لیا ۔ آخوند حاجی عبدالرحمٰن انجم اور ماسٹر حاجی عبدالغفور وکیلانی سے سندھی ، غلام حیدر مخدوم ، مولوی عبدالحئی ٹھٹھیوں والا اور مولوی محمد عالم ڈیری والے سے فارسی پڑھی (۴) ۔ انگریزی کی واجبی تعلیم مخدوم غلام حیدر ہائی اسکول سے حاصل کی ۔

اللہ تبارک و تعالیٰ نے طالب المولیٰ کو دینی و دنیاوی دونوں جہانوں کی نعمتوں اور رحمتوں سے نوازا ہے ۔ دور حاضر کی سیاست میں بھی ناموری حاصل کی ہے ۔ پاکستان کی قومی اسمبلی کے سرگرم رکن رہ چکے ہیں ۔

---

(۱) مخدوم امین محمد امین ہالائی (۱۲۵۴ - ۱۳۰۳ھ) درگاہ شریف سروری ہالا کے تیرھویں سجادہ نشین تھے ۔ سندھی اور اردو کے باکمال اور صاحب دیوان شاعر تھے ۔ ان کا تذکرہ تیسرے دور کتاب ھذا میں آچکا ہے ۔

(۲) سوانح حیات مخدوم نوح کیلئے ملاحظہ ہو ماھنامہ الرحیم ، حیدرآباد (سندھی) شمارہ ستمبر اکتوبر ۱۹۷۶ء ۔

(۳) سجادہ نشینوں کی ایک فہرست کلیات امین مرتبہ پروفیسر محبوب علی چنہ میں موجود ہے ۔

(۴) مہران جا ماتک مرتبہ رشید احمد لاشاری مرحوم ، مطبوعہ پاکستان پبلیکیشن کراچی (ص ۵۰)

وطن عزیز کے اکثر سرکاری و غیر سرکاری اداروں ادبی و ثقافتی انجمنوں اور علمی درسگاہوں کے سرپرست ، صدر ، معتمد اور رکن رہے ہیں جن میں سندھ یونیورسٹی ، سندھی ادبی بورڈ ، سچل سرمست کالج ، جمعیت الشعرائے سندھ۔سندھی سوسائٹی اور بزم طالب المولیٰ (۱) وغیرہ قابل ذکر ہیں ۔ ان کی ذات گرامی سے عوام ، اساتذہ ، طلباء سب ہی کو حسب استطاعت فیض پہنچا ہے ۔ انھوں نے اپنے اسلاف کی طرح ہر قسم کے امتیاز اور حدود و قیود سے بالاتر ہوکر علم ، ادب ، دین ، تصوف ، وطن اور قوم کی بے لوث و بے غرض خدمات انجام دی ہیں ۔

طالب المولیٰ کو ذوق علم و ادب کی طرح فقر و عجز کے اوصاف بھی ورثے میں ملے ہیں ۔ مطالعہ اور شاعری کے علاوہ شکار اور موسیقی کا شوق بھی رکھتے ہیں ۔

۱۳۵۰ ہجری یعنی بارہ سال کی عمر سے شعر کہتے ہیں ۔ پہلے محمد زمان تخلص کے طور پر لکھا کرتے تھے بعد میں طالب تخلص کرنے لگے ۔ اسطرح ان کا قلمی نام " طالب المولیٰ " مشہور ہوگیا (۲) ۔

فارسی میں تحفۃ الکرام ، دیوان حافظ ، دیوان سعدی ، اردو میں مرآۃ الوحدت خاص طور پر ان کے زیر مطالعہ رہیں ۔ فارسی شعراء میں حافظ و سعدی سے متاثر ہیں اور ان کی اتباع میں فارسی اشعار کہے ہیں ۔

نظم و نثر میں طالب المولیٰ کی فارسی و سندھی تصانیف کی فہرست یہ ہے :

نثر ـــ اسلامی تصوف ، خود شناسی ، یاد رفتگاں ، شیطان ، امام غزالی جا خطوط

نظم ـــ بہار طالب ، رباعیات طالب ، مثنوی عقل و عشق اور ~~کشکول~~ کشکول ۔

~~کشکول~~ کشکول ان کے فارسی سندھی اور اردو کلام کا مجموعہ ہے ۔

طالب المولیٰ سندھی فارسی سرائیکی اور اردو سے بخوبی واقف ہیں ان سب زبانوں میں اعلیٰ شعر کہتے ہیں ۔ اردو کلام میں کہیں کہیں غالب اور داغ کا رنگ بھی جھلکتا ہے ۔ ان کے اشعار میں ان کے خیالات و نظریات اور جذبات و احساسات واضح طور پر نمایاں ہیں ۔ نعت کے یہ اشعار دیکھئے :

---

(۱) مرکزی بزم طالب المولیٰ حیدرآباد نومبر ۱۹۵۵ء میں قائم ہوئی ۔ اسکے سرپرست مخدوم صاحب اور پہلے صدر اللہ بخش سرشار وکیلی مرحوم ہیں ۔ اسکی متعدد شاخیں سندھ کے قصبوں اور شہروں میں موجود ہیں جمعیت الشعرائے سندھ (جسکے صدر ڈاکٹر شیخ ابراہیم خلیل ہیں) کی طرح بزم طالب المولیٰ نے سندھ کی تہذیب و ثقافت زبان و ادب کی ترقی و اشاعت میں نمایاں حصہ لیا ہے (برصغیر پاک و ہند کے علمی ادبی اور تعلیمی ادارے، جلد دوم ، ۱۹۷۵ء ص ۲۳۲)

(۲) سندھ کے جدید اردو شعراء از پروفیسر مشتاق علی جعفری ، ص ۹۶

خدایا دکھا دے دیدار مدینہ | کہ ہوں عندلیب بہار مدینہ
یہی راستہ بس ہے میرے لیے تو | میں ہو جاؤں غبار راہ مدینہ
بچاؤ، گناہوں نے ہے آن گھیرا | صدا سن لو یا تاجدار مدینہ

اب رنگ تغزل دیکھئے :

اگر ذوق چمن تجھکو ہے تو کر بال وپر پیدا
گلوں کے سامنے تو بھی کوکر خون جگر پیدا
قفس میں یہ تمنا تھی کبھی گلشن بھی دیکھینگے
مگر ناگاہ مجھ پر ہے نسیم نامہ بر پیدا
یہ حسرت رہ گئی دل میں کہ پہنچینگے کبھی گل تک
نہیں صیاد پر اس بیکس کا کچھ اثر پیدا
اجازت تجھ کو گلشن کی نہ جب صیاد دیتا ہے
تو اپنے آپ میں کرلے تصور کی نظر پیدا
اسی بلبل مقید کی کشش سے طالب شاید
" صبا کرتی ہے بوئے گل کو اپنا ہم سفر پیدا "

تو چاہتا ہے خدائی کو ہاتھ میں رکھنا | تو پہلے دل ہی میں عزم بلند پیدا کر
رخ گلگوں پہ آتا ہے پسینہ اس طرح جیسے | گلوں کی زیب و زینت کے لئے شبنم ہے

مزا لے لو شباب آئے نہ آئے | کہ توبہ پر صواب آئے نہ آئے
وہ رخ روشن نگاہیں شرمگیں وہ | مقابل ماہتاب آئے نہ آئے

صنم خانوں میں دیروں میں کلیساؤں میں کعبہ میں
جہاں بھی دیکھئے دیکھئے جب دیکھئے جلوہ تمہارا ہے
کئے جاتا ہوں میں سجدوں پہ سجدے بیخودی میں اب
کہ ہر اک چیز میں بوئے بتاں معلوم ہوتی ہے
محبت میں گزرتا ہے جو دم وہ دم غنیمت ہے
جو غم ہے باعث تسکین دل وہ غم غنیمت ہے
میں نے اپنے آپ کو ہے آپ کا طالب کہا
غیر سے مطلب نہیں ہم غیر بن جائیں گے کیا

حافظ پیر محب اللـه شاہ

ولادت ۱۳۴۱ ھ / ۱۹۲۱ ء

مولانا حافظ پیر محب اللہ شاہ ، حضرت پیر سید رشد اللہ شاہ [1] (متوفی ۱۳۴۰ ھ) پیر جھنڈو سوم کے پوتے اور پیر جھنڈو چہارم حضرت پیر سید فضل اللہ شاہ [2] المعروف بہ سید احسان اللہ شاہ کے صاحبزادے ھیں - محب اللہ شاہ اپنے والد ماجد کی وفات (۱۳۵۷ ھ) کے بعد سعید آباد کی مسند سجادہ نشینی پر فائز ہوئے جب سے پیر جھنڈو پنجم کہلاتے ھیں -

پیر سید محب اللہ شاہ ۲ اکتوبر ۱۹۲۱ء (۱۳۴۱ ھ) میں پیر جھنڈو نامی گاؤں (جو سعید آباد کے قریب ھے) میں پیدا ہوئے -

ابتدائی تعلیم و تربیت خاندانی روایت کے مطابق پورے ضابطے اور قاعدے سے ہوئی - کم سنی میں قرآن مجید حفظ کیا - اپنے دادا حضور کے مشہور مدرسہ دارالرشاد سے عربی فارسی اور اردو میں فاضل کا امتحان پاس کرنے کے بعد سندھ یونیورسٹی سے ۱۹۶۱ء میں بی اے اور ۱۹۶۳ء میں ایم اے (اسلامیات) کیا -

محب اللہ شاہ کو درس و تدریس ، مطالعہ اور تعلیم سے شروع سے لگاؤ رہا ھے - اس مقصد سے زندگی کے بہترین اوقات صرف کئے ھیں - علم کے شوق اور قومی جذبے سے سرشار ھیں - سندھ میں علم اور تعلیم کی توسیع و ترقی اور تبلیغ و اشاعت کی غرض سے انھوں نے سعید آباد میں ۱۹۶۱ء میں اورینٹل کالج کی داغ بیل ڈالی - دور دور کے طلباء کی رھائش کے لئے ھاسٹل بھی قائم کیا - کالج کے پرنسپل کے فرائض انھیں کے سپرد ھوا - شاہ صاحب علمی و روحانی دنیا میں ایک نمایاں مقام رکھتے ھیں -اللہ نے انھیں ان تمام اوصاف باطنی سے متصف کیا ھے جو ایک قابل احترام عالم و فاضل شخص کے لئے ضروری ھیں -

سندھی ان کی مادری زبان ھے - اردو سے محبت ان کی وراثت ھے - اردو میں لکھنا پڑھنا ان کے گھرانے کی قدیم روایت ھے - قرآن ، تفسیر ، حدیث ، فقہ اور اسلامی تاریخ و ادب کا مطالعہ ان کا دلچسپ مشغلہ ھے - قومی و ملی کاموں سے جو وقت بچتا ھے اسے زیادہ سے زیادہ

---

(۱) و (۲) پیر رشد اللہ شاہ اور پیر سید فضل اللـہ شاہ کے تذکرے چوتھے دور میں شامل ھیں -

علمی مشاغل میں صرف کرتے ھیں ۔ اردو بہت اچھی لکھتے اور بولتے ھیں ۔ ان کے خطبات اور تقریریں علمی نوعیت کی ھوتی ھیں ۔ اردو میں وہ بہت کم لکھتے ھیں اس لئے اردو میں ان کی کوئی کتاب موجود نہیں ھے البتہ کبھی کبھی اپنے خطبات اور مقالات قلمبند کرلیتے ھیں ۔ بعض مقالات رسائل میں شائع ھوچکے ھیں ۔

۱۹٦۷ء میں انھوں نے ایک مذھبی اجتماع سے خطاب کیا تھا جو انھیں کی صدارت میں منعقد ھوا تھا ۔ان کا وہ خطبۂ صدارت اشرف پریس لاھور سے طبع ھوچکا ھے ۔ اس خطبہ میں انھوں نے اھل حدیث اور وھابی عقائد پر بحث کی ھے اور وضاحت کے ساتھ یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ھے کہ انگریزوں نے مسلمانوں میں نفاق و تنازعہ پیدا کرنے کی غرض سے " وھابی " جماعت کو اھل سنت سے منسوب کیا ھے حالانکہ حقائق اسکے برعکس ھیں ۔ اس خطبے میں شاہ صاحب کی رائے چونکہ اختلافی نوعیت کی ھے اسلئے راقم یہاں ان کی تحریر کے کسی حصے کو بطور مثال پیش کرنے سے اجتناب کرتا ھے ۔

شاہ صاحب کا ایک مقالہ " پردہ اور اسلام " کے موضوع پر رسالہ " الاعتصام " لاھور مورخہ ۲۹ مارچ ۱۹٦۸ء میں شائع ھوا تھا ۔ اس موضوع پر مولانا ابوالکلام آزاد اور مولانا ابوالعلی مودودی جیسے اکابر علمائے کرام نے بارھا اظہار خیال کیا ھے ۔ اس سلسلے میں ان کی کتابیں بھی موجود ھیں لیکن محب اللہ شاہ نے ان سب سے ھٹ کر اپنا ایک الگ نکتۂ نظر پیش کیا ھے ۔ انھوں نے اپنے موقف کی تائید و حمایت میں قرآن و حدیث سے دلائل بھی پیش کی ھیں ۔ انھوں نے خواتین کے لئے بے پردگی و بے نقابی کی سخت مخالفت کی ھے ۔ ان کا خیال یہ ھے کہ عورت کی بے پردگی و بے حجابی سے معاشرے میں بہت سی برائیاں جنم لیتی ھیں اسی لئے اسلام نے اس روش کی مذمت کی ھے ۔

شاہ صاحب کی اردو تحریر کی خوبی یہ ھے کہ وہ جو کچھ کہنا چاھتے ھیں سیدھے سادھے عام الفاظ میں کہتے ھیں ۔ تحریر میں کوئی الجھاو یا خیال میں کوئی پیچیدگی نہیں ۔ ان کی زبان صاف اور عام فہم ھے ۔ قرآن و حدیث کے استدلال سے ان کی تحریر زیادہ جاندار اور پر اثر ھوجاتی ھے ۔ یہ تمام خوبیاں ان کے زیر تبصرہ مقالے میں موجود ھیں ۔

اب ان کی یہ عبارتیں ملاحظہ فرمائیے :

" عنوان بالا پر پہلے ھی بہت کچھ لکھا جاچکا ھے لیکن اس وقت اس پر قلم اٹھانے کی ضرورت اس لئے محسوس ھوئی کہ ھمارے معاشرے

مین ایک مغرب زدہ طبقہ ایسا پیدا ہوچکا ہے کہ جس نے یہی ٹھان لی ہے کہ وہ جس طرح بھی ممکن ہو اپنے مغربی ماسٹرون کو ضرور ہی راضی کرے گا ....

....

اس حقیقت سے بھی کسی عقل سلیم رکھنے والے انسان کو انکار کی گنجائش نہین ہے کہ جنس کثیف (مرد) کی جملہ فتنہ سامانیان پیدا کرنے والے اہم عناصر بھی جنس لطیف کے چہرے کے خد و خال مین ہین ۔ اس صورت مین اگر عورت کو جسم کے اس حصہ کو کھلا رکھنے کی رخصت مل جائے جو اصل طوفان و ہیجان کا باعث ہے تو پردہ کے حکم سے کیا حاصل "

(اقتباس مقالہ بعنوان " پردہ اور اسلام " مطبوعہ رسالہ الاعتصام لاہور ، شمارہ ۲۵ - ۲۹ مارچ ۱۹۶۸ء ، ص ۳)

شاہ بشیر الدین مخفی قادری

۱۳۳۱ -- ۱۳۸۲ ھ
۱۹۲۱ -- ۱۹۶۲ ء

شاہ بشیر الدین احمد قادری المتخلص بہ مخفی ، حاجی حافظ شاہ غلام رسول قادری کے صاحبزادے ، سائیں عبدالغنی قادری کے نواسے ، سائیں عبدالرشید قادری کے بھانجے اور علم الدین علمی قادری کے بڑے بھائی تھے ۔ ۱۳۳۱ ھ (۱۹۲۱ء) میں شہر کراچی میں تولد ہوئے ۔

سندھ مدرسۃ الاسلام کراچی میں انگریزی کی واجبی تعلیم حاصل کی بعد میں بطور خود انگریزی ادبیات کا تفصیلی مطالعہ کیا ۔ اپنے عارف کامل والد شاہ غلام رسول قادری کے زیر نگرانی عربی فارسی اردو اور دینی تعلیمات کے زیور سے آراستہ ہوئے ۔

قرآن اور سنت کے آئین پر عمل کو اسلامی تصوف کی روح تصور کرتے تھے ۔ " درویش صفت باش کلاہ تتری دار " ۔ کے مصداق سادگی اور سادہ پوشی کو اپنایا ۔ ساری زندگی مجرد رہے مگر عبادت حق اور خدمت خلق سے کبھی غافل نہ رہے ۔

۱۳۸۲ ھ (۱۹۶۲ء) میں جب کہ ان کی عمر صرف اکتالیس برس کی تھی اللہ کو پیارے ہوگئے ۔ لیاری قبرستان [۱] کراچی میں اپنے نانا سائیں عبدالغنی قادری کی ابدی آرام گاہ کے قریب مدفون ہوئے ۔

بشیر الدین مخفی نے علم و تصوف ، سلوک و صفا کے ایمان افروز ماحول میں پرورش پائی ۔ ابتدا سے ان کی طبیعت عبادت و ریاضت اور حصول علم کی طرف مائل تھی ۔ اپنے نانا ماموں اور والد کی علمیت و روحانیت سے بھرپور صحبتوں نے ان کے ذوق علم اور شوق سجود کو جلا بخشی ۔ اس ذوق و شوق کی بناء پر انبیائے کرام ، اکابر اسلام اور مشائخ دین کے نظریات و خیالات کا وسیع مطالعہ کیا ۔ رومی حافظ سعدی صائب عطار سنائی خاقانی گرونانک اور اقبال کے افکار عالیہ سے مستفید ہوئے ۔ مشاہیر مشرق و مغرب مثلاً بیدل ، غالب ، داغ ، حالی ، گوئٹے ، نیٹشے اور آرنلڈ وغیرہ کے ادب پاروں سے بھی استفادہ کیا ۔ ان ارباب فکر و نظر کے شہ پاروں سے متعلق اپنی تحریر و تصنیف میں اپنا نکتہ نظر پیش کیا ۔ وہ نقاد بھی تھے اور محقق بھی ۔ ان کی نثر میں

---

(۱) شمع نور مصنفہ محمد علم الدین علمی قادری میں لیاری قبرستان میں آسودہ اہل اللہ و اہل سلوک کے احوال و کوائف شامل ہیں ۔

تنقید بھی ہے اور تنقیح بھی ۔ ان کی ایک مطبوعہ کتاب " اقبال کی خودی اور حافظ کی بے خودی " کے صفحہ ۱۷ سے ایک اقتباس پیش کیا جاتا ہے جس سے ان کے اسلوب نگارش کا بخوبی اندازہ ہوسکتا ہے :

> " اقبال اور حافظ کی فکر و نظر میں کوئی تضاد نہیں معلوم ہوتا البتہ بہ ظاہر بیان ، مقام اور ماحول جداگانہ ہے ۔ اقبال کسی قومی اور ملی زندگی نے جو احساسات پیدا کئے لازماً وہ ماحول سے وابستہ تھے ۔ ایک قومی مصلح اور رہنما کی حیثیت سے اقبال کا پیغام انہیں تاثرات کا حامل ہے لیکن اقبال علم عرفان اخلاق اور روحانیت کے رموز و نکات بھی عریاں کرچکا ہے ۔ خواجہ صاحب بھی اپنے یکتا انداز میں یہی دولت بے بہا لٹاتے ہیں ۔ اگر صحیح احساس کے اظہار و تفکر کو علم و عمل کا نظام تصور کرلیا جائے تو آج بھی ارباب بصیرت اور اہل نظر حافظ کی بے خودی میں اقبال کی خودی کے جوہر پاسکتے ہیں ۔ حضرت علامہ کی بلند و بالا نگاہ اور بلند پرواز تخیل اپنے اندر مشرق و مغرب کے اہل کمال کی قدر افزائی پاتا ہے اور جو غالب و داغ ، حالی و بیدل ، صائب و رومی ، سنائی و عطار ، خاقانی ، رام نانک ، گوئٹے ، نیٹشے ، آرنلڈ وغیرہ سے یکساں انس رکھتا ہے ۔ کیا وہ ایران کے روحانی عارف اور بے مثال شاعر خواجہ حافظ شیرازی سے کچھ بھی انس نہیں رکھتا " ۔

مخفی قادری شعرائے کرام میں مولانا رومی اور علامہ اقبال سے بے انتہا متاثر تھے ۔ ان حضرات سے ان کے عشق کا یہ عالم تھا کہ ان کے بیشتر اشعار انہیں از بر تھے اور اکثر پڑھا کرتے تھے ۔ علامہ اقبال کا یہ شعر انہیں اس قدر پسند تھا کہ اکثر گنگنایا کرتے تھے :

خودی کی گتھیاں سلجھا چکا ہوں
مرے مولا مجھے صاحب جنوں کر

غالباً یہ شعر مخفی کے حسب حال ثابت ہوا ۔ اس شعر کی روحانی کیفیت کا یہ اثر ہوا کہ وہ واقعی صاحب جنون ہوگئے ۔ وفات سے کوئی چھ سات سال پہلے ان پر جذب و کیف کا عالم رہا ان کا یہ زمانہ گوشہ نشینی و بیخودی میں گزرا ۔

شاہ بشیر الدین مخفی شعر بھی کہتے تھے ۔ نظم و نثر میں بشیر الدین مخفی لکھتے تھے ۔ ان کی منظومات ، مضامین و مقالات کا خاصا حصہ ان کے عرصۂ جنون میں ضائع ہوگیا ۔ جن تصانیف کا سراغ مل سکا ہے ان کے نام یہ ہیں ۔ ان کی تمام تصانیف علمی و فکری قدروں کی حامل ہیں ۔

مطبوعہ

(۱) اقبال کی خودی اور حافظ کی بیخودی — مطبوعہ ضیاء پریس کراچی

(۲) مقالات مخفی

(۳) عرفان اقبال

غیر مطبوعہ

(۱) اقبال تصوف اور اسلام

(۲) جرعات رومی

(۳) افادات نوادر ۔

محمد علم الدین علمی قادری

ولادت ۱۳۴۲ھ / ۱۹۲۳ء

صاحبزادہ محمد علم الدین علمی قادری کراچی کے ممتاز عالم دین اور مشہور خوش بالّسہ شمس الفقراء حاجی حافظ قاری خطیب شاہ محمد غلام رسول المعروف بہ "حاجی غلام رسول" کے لائق و فائق فرزند عزیز اور شاہ بشیر الدین مخفی قادری کے چھوٹے بھائی ہیں ۔ سلسلہ قادریہ کا وہ چراغ جو ان کے نانا جان سائیں عبدالغنی (۱) رحمۃ اللہ علیہ کے ہاتھوں صدی قبل روشن ہوا تھا علم الدین نے اسے اپنے ماموں سائیں عبدالرشید قادری (۲) اور اپنے والد شاہ غلام رسول قادری (۳) کے بعد سے آج تک فروزاں رکھا ہے ۔

محمد علم الدین قادری ۱۹۲۳ء میں اپنی آبائی رہائش گاہ بمقام کراچی پیدا ہوئے ۔ ابتدائی تعلیم و تربیت گھر کے علمی و دینی ماحول میں ہوئی ۔ سندھ مدرسۃ الاسلام کراچی سے مڈل پاس کیا ۔ دین اسلام سے عشق اور زبان عربی سے محبت کی بناء پر مزید انگریزی تعلیم جاری نہ رکھ سکے ۔ اپنے والد مکرم حاجی غلام رسول کے زیر عاطفت عربی و فارسی علوم کی تحصیل و تکمیل کی ۔ درس و تدریس جیسا مقدس پیشہ اختیار کیا ۔ اپنے باپ کے مدرسہ علیمہ قادریہ کے مدرس اعلیٰ اور نگراں ہیں ۔

ذوق علم و فقر اور شوق معرفت و خدمت انہیں ورثے میں ملا ۔ اپنے بزرگوں کی طرح عالمانہ و درویشانہ زندگی کو اپنایا ۔ اپنے والد مرشد کامل حضرت شاہ غلام قادری کے حلقۂ بیعت میں شامل ہوکر خدمت دین اور توسیع علم و فقر کا بیڑا اٹھایا ۔ والد کے وصال کے بعد درگاہ سائیں عبدالغنی کی سجادہ نشینی کے عہدہ جلیلہ پر مامور ہوئے اور آج تک ان سب فرائض کی انجام دہی میں ہمہ تن معروف ہیں ۔

شاہ علم الدین اردو نثر نگاری میں ایک مقام رکھتے ہیں ۔ مضامین بھی لکھتے ہیں اور ناول بھی ۔ ان کی مطبوعہ تصانیف کے نام یہ ہیں :

---

(۱) آپ سائیں عبدالغنی کا تذکرہ گذشتہ باب میں ملاحظہ فرماچکے ہیں ۔

(۲) و (۳) سائیں عبدالرشید اور حاجی غلام رسول کے تذکرے زیر نظر باب کے گذشتہ صفحات میں پیش کئے جاچکے ہیں ۔

(۱) تحفہ علمی مطبوعہ ، جاوید پریس کراچی ، ۱۳۸۳ ھ

اس کتاب میں خلفائے راشدین ، شہدائے کربلا ، شہدائے بدر ، بزرگان سلاسل عالیہ قادریہ چشتیہ نقشبندیہ سہروردیہ کے حالات اور خدمات کا تفصیلی ذکر ہے ۔ حضرت امام اعظم اور حضرت داتا گنج بخش رضوان اللہ علیہم اجمعین کی شان میں قصائد و مناقب بھی ہیں ۔

(۲) قادری نامہ

جیسا کہ نام سے ظاہر ہے سلسلۂ قادریہ کے بزرگوں کا قابل قدر تذکرہ ہے ۔

(۳) نغمہ سرور

یہ ایک کتابچہ ہے جو بیس صفحات پر حاوی ہے ۔ اس میں لیاری قبرستان میں آسودگان کراچی کے تذکرے ہیں ۔

غیر مطبوعہ تصانیف

(۱) دو سلسلہ ۔ یہ ایک ناول ہے جو عبدالحلیم شرر کے مشہور ناول ملک العزیز ورجنا کے جواب میں لکھا گیا ہے ۔ سن تصنیف ۱۳۶۵ ھ اسکے علاوہ حسب ذیل کتابیں قابل ذکر ہیں ۔

(۲) بہشتی جہیز (۳) جہاد اصغر (۴) قدم النبی

اب بطور نمونہ نثر علمی قادری کی ایک کتاب موسوم بہ تحفہ علمی (ص ۷۲) کی یہ عبارت ملاحظہ فرمائیے ۔

" سلسلۂ عالیہ سہروردیہ حضرت شہاب الدین سہروردی سے منسوب ہے ۔ آپ حضرت شیخ ضیاء الدین ابو نجیب سہروردی کے چھوٹے بھائی تھے ۔ کہتے ہیں کہ شیخ شہاب الدین سہروردی بچپن ہی سے حضور غوث پاک کی صحبت میں رہے اور حضور غوث پاک بھی نہایت مہربانی فرمایا کرتے تھے ۔ چونکہ شہاب الدین سہروردی کا وجود بھی سرکار غوث الاعظم کی ایک زبردست کرامت اور آپ ہی کی دعا کا نتیجہ تھا اسلئے آپ سرکار غوث الابرار رضی اللہ عنہ کے بہت ہی معتقد اور مداح تھے " عوارف المعارف " آپ ہی کی مشہور تصنیف ہے جسکا حضرت بابا فریدالدین گنج شکر باقاعدہ درس دیا کرتے تھے ۔ حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی کے خلفائے عظام میں سے حضرت شیخ فریدالدین عطار ، شیخ بہاء الدین ذکریا ملتانی ، حضرت شیخ مصلح الدین سعدی شیرازی مشہور و متعارف ہیں ۔ شیخ بہاؤ الدین زکریا ملتانی کے وجود سے سلسلۂ سہروردیہ کی ھند و سندھ میں بہت اشاعت ہوئی " ۔

علمی قادری نے اپنے ولی صفت بزرگون کے علمی ادبی و روحانی نقوش کو ہمیشہ پیش نظر رکھا ۔ اپنے والد ، نانا اور ماموں وغیرہ کی اتباع مین اپنی شاعری کو بھی اشاعت اسلام اور تبلیغ دین کا موثر ذریعہ بنایا ۔ انہوں نے جو بھی اشعار کہے کسی نہ کسی تعمیری پہلو اور نیک و بلند مقاصد کو ملحوظ رکھکر کہے ۔ اسلام ، تاریخ اسلام کے واقعات اور کارناموں اور اولیائے عظام کی خدمات و کرامات کے موضوعات پر بیشتر نظمین اور قصیدے کہے ۔ غزل کی جگہ نظم گوئی کو ترجیح دی ۔ ان کے کلام کا بیشتر حصہ حمد نعت منقبت سلام اور دعائیہ منظومات پر محیط ہے ۔ اپنی شاعری مین جابجا طریقہ قادریہ کی بھی تبلیغ کی ہے ۔ مثلاً اس قسم کے مقطعے ان کے کلام مین بہت ہین ۔ تخلص علمی اختیار کیا ۔

قادری علمی ہو قادریون کے بھی   پیر رشد و ہدایت پہ لاکھون سلام

اس قادری علمی اور سب اس کے محبون پر   ہو لطف و کرام داتا مخدوم علی ہجویری

مولانا رومی انکے روحانی مرشد تھے ۔ مثنوی مولانا روم کا نہایت غائر مطالعہ کیا ۔ ان کے افکار و خیالات سے بیحد استفادہ کیا ۔ علمی کا کمال یہ ہے کہ انہوں نے بھی مثنوی کا اردو مین ترجمہ کیا ہے ۔ ان کا یہ کارنامہ ایک طرف مولانا روم سے والہانہ عشق کا نتیجہ ہے تو دوسری جانب علمی کی شاعرانہ عظمت کا مظہر ہے ۔ یہ ترجمہ مخطوطہ کی شکل مین مولانا علمی قادری کے پاس موجود ہے ۔

علمی قادری کے بزرگون کو غوث الاعظم اور حضرت داتا گنج بخش سے بے اندازہ عقیدت و ارادت رہی ہے ۔ علمی کے ہان بھی اسکی تقلید ملتی ہے ۔ اس کا اندازہ مندرجہ ذیل مناقب سے بخوبی لگایا جاسکتا ہے ۔

حضرت غوث الاعظم کی خدمتمین کس والہانہ انداز مین ہدیہ سلام پیش کرتے ہین ۔

غوث اعظم کی سیرت پہ لاکھون سلام   قطب عالم کی شہرت پہ لاکھون سلام
جوہر مصطفےٰ کو ہر مرتضےٰ   ان کے نور سیادت پہ لاکھون سلام
انس و جن و ملک کے بھی وہ پیرھین   ان کی شان رسالت پہ لاکھون سلام
رہزنون کو کیا اک نظر سے ولی   ان کی شان کرامت پہ لاکھون سلام
بیڑہ برسون کا ڈوبا دکھالا وہین   ان کے زور ولایت پہ لاکھون سلام

ان کے سارے مریدوں پہ ہو لطف حق — ان کی پیاری جماعت پہ لاکھوں سلام
جس نے جومانگا منہ مانگی اس کو دیا — ان کے جود و سخاوت پہ لاکھوں سلام
قادری علمی ہو قادریوں کے بھی — پیر رشد و ہدایت پہ لاکھوں سلام

ایک منقبت میں حضرت مخدوم علی ہجویری داتا گنج بخش کی خدمت اقدس میں یوں نذرانہ عقیدت پیش کرتے ہیں اور حلقہ قادریہ کے اہل اللہ کے لئے لطف و کرم کی دعا مانگتے ہیں ۔

ہوں تم پہ سلام آقا مخدوم علی ہجویری — گنج بخش ہو تم داتا مخدوم علی ہجویری
اسلامی تصوف کے مشاد و مبلغ ہو — دین تم سے ہے حسن افزا مخدوم علی ہجویری
ہر سالک حق کی تم بھردیتے ہو جھولی کو — سائل جو کوئی آیا مخدوم علی ہجویری
یہ حلقہ ذکر اللہ ہم قادریوں کا بھی — طالب ہے دعاؤں کا مخدوم علی ہجویری
اس قادری علمی اور سب اسکے محبّوں پر — ہو لطف و کرام داتا مخدوم علی ہجویری

مولانا غلام مصطفےٰ قاسمی

ولادت ۱۳۳۳ ھ / ۱۹۲۴ ء

استاد العلماء ، الحاج حکیم مولانا ابو سعید غلام مصطفےٰ قاسمی کی ہمہ جہت شخصیت علمی تحقیقی و ادبی اعتبار سے بین الاقوامی شہرت کی حامل ہے ۔ وہ عصر حاضر میں سندھ کے ان چند علمائے عظام اور صوفیائے کرام میں سے ہیں جن کے دم سے علم و عرفان تہذیب و معاشرت اور تاریخ و ثقافت کا اعتبار باقی ہے ۔ مولانا قاسمی مولانا عبیداللہ سندھی جیسے امام وقت اور مجاہد اسلام کے نامور تلمیذ ارشد ، فیض یافتہ اور رفیق خاص رہ چکے ہیں ۔ مولانا قاسمی نے پاکستان میں معارف و تعلیمات ولی اللہی اور افکار عبید اللہی کے تعارف اور اشاعت کے سلسلے میں جو گراں قدر خدمات انجام دی ہیں ان میں ان کا کوئی ثانی نہیں ۔ ان کی سربراہی میں شاہ ولی اللہ اکیڈیمی حیدرآباد کے زیر اہتمام معارف ولی اللہی کی ترویج و اشاعت کا کام بھی رفتار سے جاری ہے ۔

مولانا ابو سعید غلام مصطفےٰ قاسمی کو اللہ تبارک و تعالیٰ نے بیک وقت گوناں گوں اعزازات و مقامات کے ساتھ ساتھ معاشرے میں جو بلند و برتر مرتبہ عطا کیا ہے وہ اہل سندھ کے لئے بلاشبہ باعث ناز و افتخار ہے ۔ علمی زندگی میں مولانا کی موجودہ سوشل پوزیشن یہ ہے کہ وہ پاکستان کے ایک اہم علمی و تحقیقی ادارے شاہ ولی اللہ اکیڈیمی کے ڈائرکٹر ، اس ادارے کی مطبوعات کے نگراں اور ماہنامہ الرحیم سندھی ، ماہنامہ الولی (اردو) کے مدیر اعلیٰ ہیں ۔ مولانا کو نہ صرف سندھ یونیورسٹی سینٹ ، اکیڈمک کونسل اور بورڈ آف انسٹی ٹیوٹ آف سندھالوجی کی رکنیت حاصل رہی ہے بلکہ اس یونیورسٹی کے کئی شعبوں سندھی ، اردو ، اسلامیات کے اعزازی پروفیسر اور پی ایچ ڈی کے نگراں بھی ہیں ۔ مولانا کو سندھی ادبی بورڈ کی چیئرمین شپ کا اعزاز بھی حاصل ہے ۔

مولانا غلام مصطفےٰ قاسمی کا تعلق ضلع لاڑکانہ کے ایک ایسے معزز و معتبر خانوادے سے ہے جسکی دینی و روحانی خدمات سے ایک مخلوق فیضیاب ہوچکی ہے ۔ ان کی والدہ مکرمہ بڑی متقی و پرہیزگار خاتون تھیں ۔ ان کے والد مکرم حافظ مولوی محمود قادری طریقت کے ایک برگزیدہ بزرگ تھے ۔ استاد العلماء مولانا غلام صدیق شہداد کوٹی کی خدمت میں رہ کر قرآن مجید حفظ کیا اور ساتھ ہی قادری طریقت میں خرقہ خلافت بھی حاصل کیا ۔ حافظ محمود نے

اپنے گوٹھ (گاؤن) مین مدرسہ تحفیظ القرآن قائم کیا ـ اس مدرسے نے نہ صرف گوٹھ مین بلکہ لاڑکانہ کے مختلف علاقون اور قصبون مین کتنے ہی حافظ قرآن پیدا کئے ـ مولوی حافظ محمود نے ۱۹ ربیع الاول ۱۳۳۸ھ مطابق ۳ دسمبر ۱۹۱۹ء مین وفات پائی (۱) ـ

مولانا قاسمی کے خسر مولانا محمد مدنی (۲) (المتوفی ۱۳۹۹ ھ - ۱۹۷۹ء) بڑے پائے کے عالم گزرے ہین ـ موصوف مولانا عبیداللہ سندھی کے فیض یافتگان اور رفقائے کار مین سے تھے سالہا سال حرم مکہ مین قرآن و حدیث کا درس دیتے رہے اور اپنے استاد علامہ سندھی کے حکم سے سندھ آکر سندھ مدرسۃ الاسلام کراچی کے عربی اور اسلامیات کے استاد بنے ـ مولانا مدنی نے قرآن مجید کا سندھی مین مکمل ترجمہ کیا اور بہت اچھی تفسیر لکھی ہے ـ اس کے علاوہ بھی ان کی متعدد گران قدر تصانیف ہین جو دعائے علم و فضل کیلئے مشعل راہ کی حیثیت رکھتی ہین ـ

مولانا غلام مصطفےٰ قاسمی کی ولادت با سعادت رئیس جو گوٹھ (ضلع لاڑکانہ) مین ۲۴ جون ۱۹۲۴ء کو ہوئی ـ انہون نے دینی و روحانی ماحول مین پرورش پائی ـ عربی و فارسی کی ابتدائی تعلیم حضرت علامہ خوش محمد کے مدرسہ میرو خان ضلع لاڑکانہ مین پائی ـ بقول مولانا قاسمی "علامہ خوش محمد (۳) سندھ کے ایک بہت بڑے عالم دین ، شمالی سندھ اور بلوچستان کے اکثر علماء کے استاد تھے ـ تقریر ، تحریر اور تدریس مین آپ کا کوئی ثانی نہ تھا ـ فقہی تحریر مین بھی بے نظیر تھے ـ سلوک مین حضرت مولانا امروٹی سے مجاز تھے اور اخیر عمر تک برابر تدریس کا شغل جاری رہا " (شذرات الولی اکتوبر نومبر ۷۶ء ، ص ۳)

مولانا قاسمی مولانا خوش محمد سے فارغ التحصیل ہونے کے بعد دارالعلوم کور سلیمان (۴) تحصیل قمبر لاڑکانہ مین علامہ عبدالکریم سے علم حدیث ، درس نظامیہ کے علاوہ طبی درس بھی لئے ـ مولانا کوراشی ، علامہ فضل حق خیرآبادی کے ایک واسطہ سے شاگرد تھے ـ وہان سے مولانا قاسمی دیوبند تشریف لے گئے ـ وہان مولانا حسین احمد مدنی (۵) جیسے یکتائے روزگار مستند عالم دین کی خدمت مین رہ کر درس حدیث کی تکمیل کی ـ ۱۹۳۶ء مین دارالعلوم دیوبند (۶) سے "فاضل دیوبند" کی سند حاصل کی ـ دین اور تصوف کا رجحان بچپن سے تھا ـ دارالعلوم کے ایام طالبعلمی مین مولانا حسین احمد مدنی کے دست شفقت پر بیعت کی ـ

۱۹۳۹ء مین دہلی کے دوران قیام پنجاب یونیورسٹی سے مولوی فاضل اور ادیب فاضل

کی ڈگریاں لیں ۔ دہلی میں مولانا عبیداللہ سندھی کی صحبتوں میں رہے اور ان سے تفسیر قرآن اور حجۃ البالغۃ بالتفصیل پڑھی ۔

۱۹۳۹ء میں ہی مدرسۂ طبیہ دہلی سے فاضل طب کی سند حاصل کی ۔ حکیم اجمل خان کے استاد اور مولانا رشید احمد گنگوہی دیوبندی کے خلیفہ حکیم جمیل الدین کے مدرسہ طبیہ میں مولانا قاسمی کے استاد تھے ۔ مولانا نے کچھ عرصہ تک حکیم ظفر خان برادر زادہ حکیم اجمل خان کے مطب بمقام دہلی میں پریکٹس بھی کی ۔

۱۹۳۲ء میں مولانا قاسمی دہلی سے سرزمین سندھ واپس آئے ۔ انھیں دنوں مدرسہ دارالسعادت موضع گورو پیہوڑ تحصیل شکار پور ضلع سکھر کا قیام عمل میں آیا ۔ مولانا اس مدرسے میں شیخ الحدیث (صدر معلم) کے عہدۂ جلیلہ پر فائز ہوئے ۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کی تعلیمات ، افکار اور فلسفہ و حکمت کی تجارت و ترقی اور تبلیغ و اشاعت کی غرض سے مولانا سندھی نے ۱۹۳۰ء میں دہلی میں بیت الحکمت (۷) کی داغ بیل ڈالی تھی ۔ بیت الحکمت ایک ادارہ ہی نہیں ایک ہمہ گیر و ہندوستان گیر تحریک تھی جسکی شاخیں برصغیر پاک و ہند کے بیشتر اہم شہروں اور مقامات میں پھیلی ہوئی تھیں مثلاً لاہور ، کراچی ، شہداد کوٹ (ضلع لاڑکانہ) اور بہاولپور وغیرہ ۔ دہلی میں اس کا صدر دفتر تھا ۔

مولانا عبیداللہ سندھی بیت الحکمت کی کارکردگی کا جائزہ لینے اور اسکے آئندہ عملی پروگرام کو زیادہ جاندار اور موثر بنانے کی خاطر سندھ تشریف لائے ۔ دارالرشاد پیر جھنڈو میں مولانا قاسمی نے مولانا سندھی کی صحبتوں سے مزید فیض حاصل کیا ۔ مولانا قاسمی مولانا سندھی کے بڑے مستعد و ذہین اور لائق شاگرد سمجھے جاتے تھے اسلئے مولانا سندھی انھیں ہمیشہ اپنے ساتھ ساتھ رکھتے ۔ استاد معظم کی شفقت و رہنمائی سے مولانا قاسمی کو اپنی معلومات اور تجربات کو وسیع تر کرنے کا موقع ملا ۔

اسی زمانے میں بیت الحکمت لاڑکانہ کی ایک شاخ ۴ اگست ۱۹۴۲ء میں محمد بن قاسم ولی اللہ تھیولوجیکل کالج میں اور بعد میں دوسری شاخ ضلع لاڑکانہ گوٹھ پیر بخش میں قائم ہوئی ۔ مولانا عبیداللہ سندھی نے اپنے آخری خطبے مورخہ ۱۲ شعبان ۱۳۶۳ھ میں جمعیت الطلباء سندھ سے خطاب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا تھا : " محمد قاسم ولی اللہ تھیالوجیکل اسکول شہداد نگر (ضلع لاڑکانہ) میں مولانا غلام مصطفیٰ قاسمی اور اس کے رفیق خاص عزیز اللہ کی ہمت سے کھولا جاتا ہے " ۔ (خطبات عبیداللہ ، ص ۱۷۳)

یہاں یہ امر بھی قابل ذکر ہے کہ مولانا قاسمی بیت الحکمت کراچی کی شاخ مدرسۃ مظہر العلوم کھڈہ کے سکریٹری بھی رہ چکے ہیں ۔

الحاج مولانا قاسمی ۱۹۶۳ء میں حج بیت اللہ سے مشرف ہوئے ۔ ہندوستان کے علاوہ مشرق وسطیٰ کے مختلف مقامات مثلاً سعودی عربیہ ، بیت المقدس ، اردن ، شام ، لبنان اور عراق وغیرہ کی سیر و سیاحت بھی کرچکے ہیں ۔ جہاں کہیں تشریف لے گئے وہاں کے آثار و نوادرات سے اپنی معلومات اور مشاہدات میں اضافہ کیا ۔ علمی و اہم شخصیات سے ملاقاتیں کیں اہم کتب خانوں سے استفادہ کیا ۔ حال ہی میں روس کا بھی سرکاری دورہ کرچکے ہیں ۔

قیام پاکستان کے بعد کچھ عرصہ سندھ مسلم کالج کراچی میں شعبہ سندھی و اسلامیات کے پروفیسر بھی رہے ۔ ۱۹۶۳ء سے شاہ ولی اللہ اکیڈیمی (۸) کے ریسرچ پروفیسر اور بعد میں ڈائرکٹر کے عہدہ جلیلہ پر فائز ہیں ۔ پاکستان میں یہ وہ واحد ادارہ ہے جسکے تحت امام الہند حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے علوم و افکار اور نظریات و تعلیمات کی تشریح و تفسیر اور توسیع و اشاعت کیلئے وقف ہے ۔ اس ادارے کی جانب سے پہلے اردو میں ماہنامہ الرحیم شائع ہوتا تھا جو جون ۱۹۶۳ء سے ۱۹۶۸ء تک جاری رہا ۔ نومبر ۱۹۶۳ء تک محمد سرور جامعی (شاگرد عبیداللہ سندھی) الرحیم کے ایڈیٹر رہے ۔ ان کے بعد سے اب تک مولانا قاسمی الرحیم کے مدیر ہیں ۔ ۱۹۶۹ء سے " الرحیم " اردو کے بجائے سندھی میں نکلتا ہے ۔ ۱۹۷۱ء سے اردو میں ایک ماہنامہ " الولی " کے نام سے شائع ہونا شروع ہوا ۔ مولانا قاسمی الرحیم (سندھی) اور الولی (اردو) دونوں کے مدیر اعلیٰ ہیں ۔ الرحیم سندھی کے مشاہیر سندھ نمبر (۱۹۶۷ء) اور مولانا عبیداللہ سندھی نمبر بڑے معرکے کے خاص نمبر ہیں اور اہل تحقیق و تاریخ کے لئے بیحد کارآمد ہیں ۔ معارف و افکار ولی اللہی کو انگریزی داں طبقے میں روشناس کرانے کی غرض سے " الحکمۃ " کے نام سے اکیڈیمی نے انگریزی میں تین خصوصی نمبر بھی شائع کئے ہیں ۔

علاوہ ازیں معارف و للہی کے سلسلے میں عربی سندھی اردو اور انگریزی میں متعدد کتابیں بھی شائع ہوچکی ہیں اور برابر ہور ہی ہیں ۔ یہ تمام علمی و تحقیقاتی کام برسوں سے مولانا قاسمی کی نگرانی میں سر انجام پا رہا ہے ۔ مولانا قاسمی کا کمال یہ ہے کہ وہ شاہ ولی اللہ اکیڈیمی کے انتظامی امور اور الرحیم و الولی کی ادارت کے ساتھ ساتھ تصنیف و تالیف ترتیب و تدوین کے کاموں میں بھی نہایت مستعدی و انہماک سے شب و روز مصروف رہتے ہیں ۔

راقم نے انھیں علالت کی حالت میں بھی بے انتہا کام کرتے دیکھا ہے ۔ اس وقت اکیڈیمی کی جانب سے شائع کی ہوئی زیادہ تر کتابیں خود مولانا قاسمی ہی کی ایڈٹ کی ہوئی ہیں جنکی تفصیلات آگے پیش کی جائینگی ۔ سچ تو یہ ہے کہ مولانا عبیداللہ سندھی کے بعد شاہ ولی اللہ کی فلسفہ و حکمت اور خیالات و نظریات پر جتنی گہری نظر اور قرآن و حدیث ، فقہ و تاریخ کا جتنا وسیع مطالعہ مولانا قاسمی کا ہے اس کا صحیح اندازہ کرنا بہت مشکل ہے ۔ مولانا محترم بلاشبہ معارف ولی اللہی پر اتھارٹی (Authority) ہیں ۔ انھوں نے اپنے استاد معظم مولانا سندھی کی تحقیق و تعلیمات اور تصنیفات و نگارشات کی ترتیب و تہذیب اورنشر و اشاعت میں نمایاں کارنامہ انجام دیا ہے اور فرد مثلث (ولی ، عبید ، قاسمی) کا حق ادا کردیا ہے ۔

پروفیسر مولانا غلام مصطفیٰ قاسمی کو عربی فارسی اور اردو پر کامل عبور حاصل ہے بلکہ ان تمام زبانوں کے علوم و ادبیات پر استاد کل کی حیثیت رکھتے ہیں ۔ انگریزی زبان و ادب سے بھی بخوبی واقف ہیں ۔ مولانا کے بے شمار مضامین عربی فارسی اور اردو میں برصغیر کے معیاری علمی و دینی رسائل میں شائع ہوتے رہتے ہیں ۔ ماہنامہ الرحیم (اردو ، سندھی) اور الولی (اردو) کے مضامین اور شذرات مولانا کی علمی بصیرت اور تحقیقی وسعت کے مظہر ہیں جو تاریخ ادب ثقافت اور تحقیق کا گنجینہ گراں مایہ ہیں ۔

مولانا نے متعدد کتابیں تصنیف کی ہیں ۔ اکثر کتابیں ان کی تالیف ہیں ۔ قدیم مخطوطات کی تصحیح ، تشریح ، حواشی اور مقدمات مولانا کی غیر معمولی ذہانت ، انتھک محنت و عرق ریزی ، وسیع مطالعہ اور دیدہ وری ان کے شاہد ہیں ۔

ترجمہ ایک فن ہے اس فن میں وہی اہل قلم جوہر دکھا سکتے ہیں جو بیک وقت دونوں زبانوں پر ید طولیٰ رکھتے ہوں ۔ تصانیف کا اصل متن عربی میں ہو یا فارسی میں سندھی میں ہو یا اردو میں مولانا ترجمہ کرتے وقت عالمانہ و ماہرانہ انداز اختیار کرتے ہیں ۔ زبان رواں دواں بیان برجستہ و شستہ ہوتا ہے جسکی وجہ سے قارئین کو ترجمے کے مطالعہ کے دوران اصل کا گمان ہوتا ہے ۔ یہی مولانا کا کمال ہے ۔ ان کے اکثر و بیشتر تراجم کتابی شکل میں شائع ہوچکے ہیں ۔ بعض الولی اور الرحیم (سندھی) میں قسط وار شائع ہوتے رہتے ہیں ۔ انھوں نے قرآن حکیم کے سندھی تراجم اور تفاسیر پر ایک بڑا مقالہ لکھا جو ماہنامہ نئی زندگی کراچی میں بالاقساط چھپ چکا ہے ۔ اس مقالہ کو ڈاکٹر پروفیسر میری شیمول نے انگریزی میں منتقل کیا ہے اس طرح قاسمی صاحب کی نگارشات کا تعارف اہل انگریزی اور یورپ تک ہوچکا ہے ۔ مقالہ

سندھیالوجی سندھ یونیورسٹی کی جانب سے کتابی شکل میں بھی منظر عام پر آچکا ہے ۔

اب ہم مولانا پروفیسر غلام مصطفےٰ قاسمی کی چند تصنیفات و تالیفات کا ذکر کرتے ہیں جن سے ان کے تبحر علمی ، اعلیٰ معیار تحقیق و تجسس اور حسن ترتیب و تہذیب کا اندازہ کیا جاسکتا ہے ۔

عربی (ترتیب ، مقدمہ ، حواشی)

۱) المتاعۃ فی مرمۃ الخزانۃ از مخدوم جعفر ابوبکانی ۔ یہ برصغیر کی پہلی اسلامی کتاب ہے ۔ یہ کتاب ایک ہزار صفحات پر مشتمل ہے ۔ اس کے ۱۱۸ صفحات مولانا کے مقدمہ اور حواشی پر محیط ہیں ۔ ۱۹۶۲ء میں سندھی ادبی بورڈ حیدرآباد نے شائع کیا ہے ۔

۲) مختصر قدوری ، مصنف علامہ احمد قدوری (جو چوتھی صدی ہجری میں گزرے ہیں ۔ کارخانہ تجارت کراچی نے طبع کیا ہے ۔

۳) الہام الرحمٰن =(دو جلدیں) تفسیر مولانا عبیداللہ سندھی ، ناشر الحکمت کراچی

۴) تمدن عرب = تفسیر سورہ سبا از مولانا عبیداللہ سندھی مطبوعہ بیت الحکمت شاخ گوٹھ پیر بخش بھٹو ضلع لاڑکانہ ۔

۵) منطق مفید طلباء = تصنیف مولانا قاسمی ، مطبوعہ عزیزیہ دیوبند

۶) خلاصۃ القرآن = تفسیر مولانا عبیداللہ سندھی مطبوعہ بیت الحکمت کراچی

۷) لمعات = مصنفہ شاہ ولی اللہ ، مطبوعہ شاہ ولی اللہ اکیڈیمی حیدرآباد

۸) تاویل الاحادیث ، مصنفہ شاہ ولی اللہ ، مطبوعہ " "

۹) تفہیم الالہیا = (دو جلدیں) از ولی اللہ " "

۱۰) ابطاء الانباء = " "

۱۱) امعان النظر " "

فارسی

۱) سطعات از شاہ ولی اللہ مطبوعہ شاہ ولی اللہ اکیڈیمی

۲) لمعات " " "

سندھی

۱) شاہ جو رسالو (دو جلدیں) از شاہ عبداللطیف بھٹائی ، بشیر اینڈ سنز کراچی ۱۹۵۲ء

۲) قرآن حمائل شریف مع تفسیر مولانا محمد ولی مدنی (ترجمہ) مولانا قاسمی ۱۹۵۳ء
۳) الہام الرحمٰن ، تفسیر مولانا عبیداللہ سندھی ترجمہ مولانا قاسمی بیت الحکمت کراچی ۱۹۶۰ء
۴) تفسیر فتح الرحمٰن شاہ (فارسی) از شاہ ولی اللہ ـ ترجمہ مولانا قاسمی ناشر مولانا محمد مدنی کراچی ـ

<u>اردو</u>

۱) الخیر الکثیر = تالیف شاہ ولی اللہ ، اصل متن کا املا و ترجمہ از مولانا عبیداللہ سندھی تحقیق مقدمہ مولانا قاسمی مطبوعہ شاہ ولی اللہ اکیڈیمی ، ۱۹۷۷ء
۲) قصص الانبیاء اور ان کی حکمت ، مولانا قاسمی نے اس نام سے شاہ ولی اللہ کی تصنیف تاویل الاحادیث کا اردو ترجمہ کیا ہے ـ مطبوعہ شاہ ولی اللہ اکیڈیمی حیدرآباد
۳) سماجی انصاف اور اجتماعیت شاہ ولی اللہ کی نظر میں ـ مطبوعہ شاہ ولی اللہ اکیڈیمی حیدرآباد ۱۹۷۳ء

" سماجی انصاف اور اجتماعیت " مولانا غلام مصطفٰی قاسمی کی تازہ ترین تصنیف ہے ـ مولانا نے اپنی اس کتاب میں قرآن و حدیث کی روشنی میں شاہ ولی اللہ کی فلسفہ و حکمت کے بعض گوشوں کو جدید سائینٹفک انداز میں تحریر کیا ہے ـ یہ کتاب اپنی افادیت کے اعتبار سے اہم اور لائق مطالعہ ہے ـ اس کتاب کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ اس میں مولانا کے اپنے خیالات و نظریات کے ساتھ ساتھ مخصوص طرز تحریر بھی آشکارا ہے ذیل میں اس کتاب کے چند اقتباسات پیش کئے جاتے ہیں :

نمونۂ نثر

" شاہ صاحب (شاہ ولی اللہ) کے اصلاحی اور انقلابی پروگرام کا اہم اصول اقتصادیات میں توازن اور معاشیات میں مساوات کا واضح کرنا تھا ـ شاہ صاحب کے نزدیک انسانوں کی اجتماعی زندگی کیلئے اقتصادی توازن ایک ضروری امر ہے اور ہر انسانی جماعت کو ایک ایسے اقتصادی نظام کی ضرورت ہے جو اسکی ضروریات زندگی کا کفیل ہو جب لوگوں کو اپنی معاشی ضرورتوں سے فراغت نصیب ہوتی ہے تو پھر وہ اپنے خالی وقت میں جو ان کے پاس کسب معاش کے بعد بچ جاتا ہے زندگی کے ان شعبوں کی ترقی اور تہذیب کی طرف متوجہ ہوسکتے ہیں جو انسانیت کا اصل جوہر ہیں لیکن اگر ان کی اقتصادی ضروریات بھی فراہم نہ ہوں اور ان کی وجہ سے

انسان کی جدوجہد اس کی حیوانی ضرورتوں تک محدود ہوجائے تو انسانیت کے اعلیٰ مقامات کا کسے ہوش رہے گا ۔ اقتصادی نظام کے درست اور متوازن ہونے کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ حیات دنیاوی میں انسانیت کے اجتماعی اخلاق تکمیل پذیر ہوتے ہیں ....

سیاسی قوت اجتماعی قوت سے پیدا ہوتی ہے اور معاشرتی طاقت کا مدار کسی نہ کسی فلسفہ پر ہوتا ہے جس معاشرے کا فلسفہ اعلیٰ ہوگا اسکی ذہنی قوتیں اس اعلیٰ فلسفہ کی بدولت کبھی نہ کبھی درجہ کمال تک پہنچ جائینگی اور اسکی معاشرتی اور اقتصادی طاقت بھی اچھی ہوگی کیونکہ ذہنی قوتوں کا اثر معاشرت اور اقتصادیات پر پڑتا ہے اگر سماجی حالت (جو کہ ذہنی قوتوں کی پیداوار ہے) اچھی ہوگی تو اس سے جو سیاسی قوت پیدا ہوگی وہ بھی اچھی کہلائیگی ۔

اصل حقیقت یہ ہے کہ معاشیات کے متعلق شاہ صاحب کے بتائے ہوئے اصولوں کی بنیاد قرآن حکیم کی حکیمانہ تعلیم اور اسکی عملی شکل پیغمبر علیہ السلام کی سنت پر ہے اس لیئے فلسفہ ولی اللہی میں معاشی ضروریات اور مذہب و اخلاق کے متصادم ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا ۔ شاہ صاحب نے اسلام کی تعبیر دو لفظوں " اِخْبات " اور " اِرْتِفاق " سے فرمائی ہے ۔ خدا پرستی اور انسان دوستی کو انسانیت کی بنیاد قرار دیا ہے ۔ انسان دوستی کی صحیح تعبیر مال و دولت کی مساویانہ تقسیم ہے تاکہ یہ نہ ہو کہ معاشرہ میں ایک تو عظیم سرمایہدار بن جائے اور دوسرے کو کھانے کیلئے روٹی اور اوڑھنے کیلئے کپڑا بھی میسر نہو ۔

فاشتی نظام میں سارا زور فرد کی انفرادیت و صلاحیت اور ذاتی ملکیت پر دیا جاتا ہے ۔ اس سے اجتماعی اور تمدنی زندگی میں معاشی فلاح اور خوشحالی کا ہونا ناممکن نہیں تو دشوار ضرور ہے ۔ یہی وجہ ہے کہ شاہ صاحب فرد کے مقابلہ میں اجتماعیت پر زور دیتے ہیں ۔ شاہ صاحب کے فلسفہ میں جملہ کائنات فی الحقیقتہ ایک وحدت ہے جس کا مظہر کل عالم طبیعیہ ہے جس کا نام ان کے فلسفہ میں " شخص اکبر " ہے ۔

(سماجی انصاف اور اجتماعیت از مولانا غلام مصطفیٰ قاسمی ، ص ۱۲-۱۵)

حاشیئے - مولانا غلام مصطفیٰ قاسمی

(۱) مضمون بعنوان " استاد العلماء مولانا غلام مصطفیٰ قاسمی مدظلہ سان (سے) ملاقات " از عبدالوہاب چاچڑ ، مطبوعہ ماہنامہ شریعت (سندھی) سکھر بابت اپریل ۷۹ء ص ۵-۱۶

(۲) مقالہ دارالعلوم کی تعمیری خدمات از مولانا حکیم انیس احمد صدیقی مطبوعہ ماہنامہ الرشید لاہور دیوبند نمبر ، ص ۶۱ مارچ ۱۹۷۶ء

(۳) علامہ خوش محمد کا سن ولادت ۱۳۰۳ھ بمقام میرو خان ضلع لاڑکانہ ہے - فارسی کی تعلیم میرو خان میں میاں نیک محمد توبعہ سے حاصل کی - یہ وہ مدرسہ ہے جہاں ہزاروں شاگردوں نے اپنی علمی پیاس بجھائی - علامہ خوش محمد کے نامور شاگردوں میں مولانا غلام مصطفیٰ قاسمی کے علاوہ مولانا خلیفہ عبدالعزیز بحاوڈی ، مولانا حافظ محمد بخش ، مولانا شاہ محمد بگڑو ، مولانا عبداللہ چانڈیو ، مولانا عبدالکریم قریشی لاڑکانہ اور مولانا محمد نواز وغیرہ نے علوم عربیہ میں ممتاز مقام حاصل کیا -

(ماخوذ از شذرات الولی اکتوبر نومبر ۱۹۷۶ء)

(۴) دارالعلوم کور سلیمان کے بانی پیر تراب علی شاہ پابند شریعت بزرگ تھے - قومی و تعلیمی خدمات میں اپنی مثال آپ تھے - تحریک خلافت کے سرگرم رکن تھے - عہد برطانیہ میں مسلمانان سندھ نے انگریزوں کے خلاف ترکوں کی حمایت و مدد کی خاطر جمع عطیات کی جو رقم جمع کی تھی اسے انگریزوں نے ترکی میں بھیجنے کی اجازت نہ دی - لھذا قوم کی اس امانت کو قومی مقصد کیلئے وقف کردیا گیا یعنی یہ رقم دارالعلوم کور سلیمان کی تعمیر و ترقی کیلئے صرف کی گئی -

(۵) <u>مولانا حسین احمد مدنی :</u> متحدہ ہندوستان کے ممتاز علمائے کرام میں سے تھے - قومی تحریک میں ان کی بے مثال خدمات کو مسلمانان ہند کی تاریخ کبھی فراموش نہیں کرسکتی " جمعیت العلمائے ہند " برطانوی استعمار کے خلاف ایک زبردست سیاسی قوت تھی - مولانا حسین احمد مدنی اسی ہندوستان گیر جماعت کے سربراہ تھے - جماعت مذکورہ کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے بھی لگایا جاسکتا ہے کہ مولانا احمد سعید ، مفتی کفایت اللہ ، مولانا محمد میاں اور مولانا حفظ الرحمن جیسے صف اول کے علمائے کرام اور ارباب سیاست جمعیت العلمائے ہند کے اراکین تھے -

(۲) دارالعلوم دیوبند : ضلع سہارنپور یوپی (بھارت) میں ۱۸۵۷ء (جنگ آزادی) میں شاہ ولی اللہ تحریک کی شکل میں عالم وجود میں آیا ۔ اس تحریک کے اکابر مولانا مملوک علی ، حاجی امداد اللہ مہاجر مکی ، مولانا شیخ محمد تھانوی ، مولانا ذوالفقار علی دیوبندی کے علاوہ مولانا محمد قاسم نانوتی ، مولانا رشید احمد گنگوہی ، شیخ الہند مولانا محمود حسن ، مولانا اشرف علی تھانوی وغیرہ تمام علماء نے اردو زبان کو درس و تدریس اور تصنیف و تالیف کا ذریعہ بنایا اور آج ان علمائے کرام کی تصانیف اردو زبان کیلئے سرمایہ افتخار ہیں ۔

دارالعلوم دیوبند کے فارغ التحصیل علماء درس و تدریس ، تصنیف و تالیف ، صحافت و سیاست ہر میدان میں اپنے اپنے طور پر خدمات انجام دے رہے ہیں ۔ شمس العلماء مولانا ممتاز علی (بانی دارالاشاعت لاہور) شمس العلماء مولانا تاجور نجیب آبادی (ادیب شہیر) مولانا شائق احمد عثمانی (مدیر عصر جدید کلکتہ) مولوی مظہر الدین شیرکوٹی (مدیر وحدت والایمان) ، مولوی محمد حسن (مالک مدینہ بجنور) وغیرہ حضرات دارالعلوم دیوبند کے فرزند ہیں ۔ فارغ التحصیل علماء میاں اصغر حسین ، مولانا انورشاہ کاشمیری ، مفتی عزیز الرحمٰن ، مولانا شبیر احمد عثمانی مولانا عاشق الہٰی میرٹھی ، مولانا مناظر احسن گیلانی ، مولانا محمد ادریس کاندھلوی ، قاری محمد طیب مولانا بدر عالم میرٹھی ، مولانا حسین علی ، مولانا غلام اللہ خان مفتی محمد شفیع اور سید محبوب رضوی کی علمی و ادبی خدمات اور تصانیف کا حد و شمار بہت مشکل ہے ۔ حال میں دارالعلوم کا ایک نیا شعبہ مجلس معارف القرآن قائم ہوا ہے ۔

مولانا عبیداللہ سندھی بھی دارالعلوم دیوبند کے نامور فرزند تھے جنھوں نے علوم و افکار ولی اللہی کی تبلیغ و شرح اور تجارت و اشاعت میں سب سے زیادہ حصہ لیا ۔ بیت الحکمت اور شاہ ولی اللہ اکیڈیمی نے مولانا عبیداللہ سندھی کے علوم و افکار کی نشر و اشاعت کی ہے اب مولانا عبیداللہ کے لائق و فائق شاگرد و جانشین اور شاہ ولی اللہ اکیڈیمی کے ڈائرکٹر مولانا غلام مصطفیٰ قاسمی معارف ولی اللّٰہی اور افکار عبیداللّٰہی کی شرح و تبلیغ اور نشر و اشاعت میں پیش پیش ہیں ۔

(اس نوٹ کے بعض حصے پروفیسر محمد ایوب قادری کے مقالہ " اردو میں مذہبی ادب " مطبوعہ سہ ماہی اردو نامہ دسمبر ۱۹۷۵ء ، ص ۵۲-۵۳ سے ماخوذ ہیں) ۔

(۷) قیام بیت الحکمت کی ایک مختصر روئداد تذکرہ مولانا عبیداللہ سندھی کے حاشیئے میں موجود ہے ۔

(۸) شاہ ولی اللہ اکیڈیمی :

مولانا عبیداللہ سندھی نے دہلی میں ۱۶ شوال ۱۳۵۹ ھ کو جامعہ ملیہ کا ایک شعبہ بیت الحکمت کے نام سے قائم کیا تھا بعد میں بیت الحکمت نے شاہ ولی اللہ اکیڈیمی کی شکل اختیار کرلی ۔ آج اکیڈیمی برصغیر کا ایک ایسا اہم تاریخی ادارہ ہے جو قرآن و حدیث ، فقہ و تاریخ کی روشنی میں اسلامی نظریات و تحریکات کی فروغ و اشاعت میں نمایاں کردار ادا کر رہا ہے ۔

حافظ پیر سید بدیع الدین شاہ

ولادت ۱۳۴۲ھ / ۱۹۲۴ء

مولانا حاجی حافظ پیر ابی محمد سید بدیع الدین شاہ ، حضرت پیر سید رشد اللہ شاہ صاحب العلم سوم کے پوتے ، حضرت پیر سید فضل اللہ شاہ صاحب العلم چہارم کے فرزند دوم اور مولانا حافظ پیر محب اللہ شاہ پیر جھنڈو پنجم (حال پیر جھنڈو) کے چھوٹے بھائی ہیں ۔

حالات زندگی: ان کی پیدائش ۱۳۴۲ ھ مطابق ۱۰ جولائی ۱۹۲۴ء کو پیر جھنڈو میں ہوئی ۔ انہوں نے اپنے برادر معظم پیر سید محب اللہ شاہ کی طرح علم و شریعت کی فضا میں پرورش پائی اور پاکیزہ و اعلیٰ تربیت سے ذہنی و روحانی تقویت حاصل کی ۔ چار ماہ کی قلیل مدت میں حافظ قرآن ہونے کی سعادت حاصل کی ۔

علوم عربیہ کی تحصیل و تکمیل مدرسہ دارالرشاد پیر جھنڈو اور مدرسہ غزنویہ امرتسر سے کی ۔ جن اساتذہ سے خصوصی درس لئے ان میں مولانا عبدالحق بہاولپوری مہاجر مکی اور مولانا ثناء اللہ امرتسری کے نام فراموش نہیں کئے جاسکتے ۔

عشق رسول: مولانا بدیع الدین شاہ علوم باطنی و علوم ظاہری دونوں نعمتوں سے مالا مال ہیں ۔ ان کی زندگی اشاعت اسلام ، خدمت دین اور علم و تصوف کی توسیع و ترویج کے لئے وقف ہے ۔ سرور کائنات حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے والہانہ عشق ہے ۔ اس عشق سے سرشار ہوکر کئی بار حج بیت اللہ سے مشرف ہوئے ۔ مکہ معظمہ مدینہ منورہ اور مشرق وسطیٰ کے دیگر اسلامی ممالک و مقامات کی سیر و زیارت کی ۔ انہوں نے مکہ معظمہ میں پہنچکر وہاں سکونت اختیار کرنے کا ارادہ کیا لیکن " معمار کعبہ " کو کچھ اور ہی منظور تھا اسلئے وہ اپنا وطن واپس آگئے ۔

سادگی ، اعلیٰ اخلاق ، منکسر المزاجی ، ہمدردی و محبت اور دین سے رغبت ، راشدی اور پیر جھنڈو گھرانے کا شعار ہے ۔ یہ تمام اوصاف حمیدہ بدیع الدین شاہ میں بھی پوری تازگی و شگفتگی کے ساتھ موجود ہیں ۔ اس لئے ان کی شخصیت دلآویز ہے ۔ ہر خاص و عام میں مقبولیت کی نگاہ سے دیکھےجاتے ہیں ۔

حافظ بدیع الدین شاہ قرآن ، حدیث اور فقہ کے بڑے عالم ہیں ۔ فقہی مسائل پر کئی مضامین اور کتابیں لکھی ہیں ۔ اردو اور سندھی دونوں زبانوں میں لکھنے کی کامل قدرت رکھتے ہیں ۔ اپنی تحریروں میں موقع محل کے مطابق قرآنی آیات اور ارشادات نبوی کے حوالے بڑے عالمانہ انداز میں دیتے

ھیں ۔ انہیں موضوع کے لحاظ سے عربی و فارسی الفاظ ، محاورات اور تراکیب کا استعمال خوب آتا ہے ۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے مضامین دقیق اور علمیت سے پر ہوتے ہیں ۔ عبارت بوجھل نہیں بلکہ جو عبارت ہے سلجھی ہوئی ، جو جملے ہیں رواں اور سادہ ۔ ان کی کوئی بات قارئین کے لئے مبہم یا غیر فہم نہیں ہوتی ۔ یہی ان کی تحریر کی خصوصیت ہے ۔

پیر سید بدیع الدین شاہ خطیب بھی ہیں ، مقرر بھی ، مقالہ نگار بھی ہیں ، صاحب تصانیف بھی ۔ ان کی تصانیف میں بعض شائع ہوچکی ہیں اور بعض منتظر اشاعت ہیں ۔ ان کی مطبوعہ کتابوں کی صراحت حسب ذیل ہے :

(۱) زیادۃ الخشوع
(۲) الدلیل التام علیٰ ان سنۃ المصلیٰ الوضع کلما قام
(۳) الا علام بہ جواب رفع الا بہام و تائید الدلیل التام

" ارسال الدین " فقہ کا ایک ایسا مسئلہ ہے جس کے بارے میں مختلف جماعتوں میں اختلاف پایا جاتا ہے ۔ بعض کے نزدیک رکوع کے بعد قیام میں ہاتھ باندھنا درست ہے اور بعض کے نزدیک درست نہیں ہے ۔

اس سلسلے میں مولانا حافظ عبداللہ روپڑی مرحوم نے حسب ذیل دو مضامین لکھے جن میں انہوں نے رکوع اور سجدے کے درمیانی وقفے میں ہاتھ نہ باندھنے کو درست قرار دیا ہے ۔

(۱) ارسال الدین
(۲) رفع الا بہام فی جواب دلیل التام (مطبوعہ ہفت وار تنظیم الحدیث ، فروری ۱۹۷۶ء)

مولانا بدیع الدین شاہ نے اس مسئلے پر مندرجہ بالا تین رسالے قلمبند کئے ۔ شاہ صاحب نے اس مناظرے کے دوران جو تین مضامین لکھے تھے اپنے آخری طویل مضمون " الاعلام بہ جواب رفع الا بہام و تائید الدلیل التام " میں حدیث کی روشنی میں اپنے موقف کی تائید اور استدلال میں آنحضرت صلعم کے طریقہ نماز کی مثال پیش کی ہے اور ثابت کیا ہے کہ رکوع کے بعد کھڑے ہونے کے دوران ہاتھ باندھنا سنت رسول ہے ۔

بدیع الدین شاہ کی دیگر کتابوں کے نام یہ ہیں جو غیر مطبوعہ ہیں :

(۱) بدیع الفتاویٰ

یہ تقریباً ایک ہزار صفحات کی ایک ضخیم کتاب ہے ۔ شاہ صاحب کے اکثر مریدین ، عقیدتمند اور دیگر حضرات کسی نہ کسی شرعی مسئلے پر شاہ صاحب سے فتویٰ حاصل کرتے رہتے ہیں ۔ شاہ صاحب نے ان کے جواب میں جو فتاویٰ صادر فرمائے ہیں " بدیع الفتاویٰ " انہیں کا مجموعہ ہے ۔

(۲) تنقید السدید بر رسالہ اجتہاد و تقلید

۳۶۵ صفحات کی یہ کتاب ۱۹۶۵ء میں علامہ محمد ادریس کاندھلوی کے رسالہ موسوم بہ " اجتہاد و تقلید " کے جواب میں تحریر کی گئی ہے ۔

(۳) خالصا توحید ۔ ضخامت ۲۰۰ صفحات

قرآنی آیات اور حدیث نبوی کے حوالوں سے مسئلہ وحدت الوجود کی وضاحت کی گئی ہے اور بعض طبقوں کی غلط فہمیوں کا ازالہ کیا گیا ہے ۔

(۴) نشاط العبد

۳۷۲ صفحات پر مشتمل ایک علمی رسالہ ہے جسمیں اس مسئلہ کو زیر بحث لایا گیا ہے کہ نماز کے دوران " ربنا و لک الحمد " بآواز بلند کس موقع پر کہنا چاہئے ۔ اس مسئلہ پر شاہ صاحب نے اپنے نقطہ نظر کی صراحت ان الفاظ میں کی ہے یہ سطور ان کے نمونہ نثر کے طور پر پیش کی جارہی ہیں

" اما بعد ! ارباب رکوع و عبادت و اصحاب خشوع و ریاضت کی خدمت بابرکت میں عرض ہے کہ نماز اللہ تعالی کی خالص حمد کا نمونہ ہے ۔ جب بندہ رکوع سے سیدھا ہوتا ہے تو سمع اللہ لمن حمدہ کہتا ہے جسکا مطلب ہے کہ جس بندے نے اپنے رب کی تعریف کی تو وہ اس کی سنتا ہے یعنی قبول فرماتا ہے یہ جملہ جواب کا متقی ہے یعنی اسکے عقب میں جوابی طور پر خدا کی حمد کرنا ضروری ہے کیونکہ اس وقت قبولیت ایزدی منتظر ہوتی ہے ۔ اس لئے جواب میں اللھم ربنا لک الحمد یعنی اے اللہ ہمارے پروردگار تیرے لئے حمد ہے ، کہنا شروع ہوا چونکہ اس ترتیب سے ظاہر ہوا کہ یہ جواب اس جملے کا تابع ہے لہذا جو حکم متبوع کا ہوگا وہی تابع کا ہونا چاہئے ۔ یعنی اگر متبوع جہراً ہے تابع بھی جہراً ۔ اور وہ سرا ہے تو یہ سرا ہونا چاہئے ۔ جیسا کہ آمین قرآۃ کی تابع ہے ۔ مگر باین ہمہ زمانے میں اکثر جگہ پر اسکے خلاف عمل ہو رہا ہے بلکہ دیکھا گیا ہے کہ بعض اہل علم جہراً ربنا و لک الحمد کہنے کو ناپسند کرتے ہیں حتیٰ کہ بعض تو ایسے کہنے والوں کو نفرت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں ۔اگرچہ علماء سے ایسا ہرگز متوقع نہ تھا مگر کیا کیا جائے نظر اپنی اپنی پسند اپنی اپنی ۔ اس حالت کے مدنظر اس مختصر رسالہ موسوم بہ نشاط العبد بہ جہر ربنا و لک الحمد میں چند احادیث و آثار جمع کئے جاتے ہیں " ۔

(نشاط العبد (نسخہ قلمی) ص ۱ ۔ ۲)

سوسوکہ

پروفیسر حضور احمد سلیم نقشبندی
(ولادت ۱۳۴۲ھ / ۱۹۲۴ء)

پروفیسر حضور احمد سلیم سلسلہ نقشبندیہ کے صاحب سلوک درویش ، فارسی کے استاد کامل اور منفرد شاعر و ادیب ہیں ۔ نام حضور احمد ، تخلص سلیم ، ولادت ۱۹۲۴ء میں مہندر گڑھ ضلع نارنول ریاست پٹیالہ (مشرقی پنجاب) میں ہوئی ۔

حضور احمد سلیم کے دادا عبدالغفور خان اور والد عبدالشکور خان مشائخ طریقت میں سے تھے (۱) ۔

حضور احمد کی ابتدائی دینی و اسلامی تعلیم اور تربیت ان کے والد ماجد کے زیر نگرانی علمی و دینی فضا میں ہوئی ۔ ۱۹۳۲ء میں ریاستی ہائی اسکول سے میٹرک پاس کیا ۔ ۱۹۳۵ء میں منشی فاضل ۱۹۳۶ء میں ادیب فاضل اور ۱۹۳۸ء میں بی اے کی اسناد پنجاب یونیورسٹی سے حاصل کیں ۔ ۱۹۵۱ء میں سندھ یونیورسٹی سے فارسی میں ایم اے کیا ۔

میٹرک سے ایم اے تک کے عرصے میں کئی محکموں میں ملازمتیں کیں ۔ ۱۹۳۳ء میں محکمہ سنٹرل ایکسائز دھلی سے وابستہ ہوئے پھر بسلسلہ ملازمت مظفر گڑھ اور لاھور میں قیام رہا ۔ قیام پاکستان کے بعد اپنے والدین کے پاس حیدرآباد میں سکونت اختیار کی ۔ یہاں ایک شعبہ تعلیمی ادارے کی بنیاد رکھی اور درس و تدریس کا سلسلہ شروع کیا ۔ ۱۹۵۱ء میں ایم اے کے بعد اورینٹل کالج میں لکچرار مقرر ہوئے ۔

۱۹۵۲ء میں حکومت ایران کی تعلیمی وظیفہ کی پیشکش پر فارسی کی اعلی تعلیم کیلئے تہران روانہ ہوئے ۔ تہران یونیورسٹی سے فارسی علوم کی تحصیل کی ۔ تہران کے دوران قیام ۱۹۵۳ء میں حضور احمد کے پیر و مرشد شیخ طریقت حضرت قلندر شاہ نقشبندی مجددی (۲) مکہ معظمہ میں تشریف فرما تھے وہاں مرشد کے ہمراہ فریضہ حج بیت اللہ کی سعادت سے سرفراز ہوئے ۔ بقول سلیم :

کھلا یہ راز جو پہنچا دیار اقدس میں
میں ایک حرف تمنا تھا مستجاب ہوا

---

(۱) حضور احمد سلیم کے خاندانی حالات و کوائف کیلئے ملاحظہ ہو "نسب نامہ الف خان بهشتی" ترتیب و تحقیق حضور احمد سلیم مطبوعہ حیدرآباد سندھ ۱۹۸۰ء

(۲) شاہ صاحب کے حالات اور علمی و روحانی کمالات کیلئے ملاحظہ ہو حیات قلندر شاہ مولفہ حضور احمد سلیم ۔

اس کے بعد مدینہ منورہ بغداد عان ، بیت المقدس (مسجد اقصیٰ میں جمعہ کی نماز پڑھی) اور مشرقی وسطی کے مختلف مقامات دیکھے ۔ دوسری بار ۱۹۷۸ء میں ایران کا سفر کیا ۔ دوران قیام ایران کے تاریخی مقامات اور علمی و ثقافتی مراکز کی سیاحت کی جن میں تہران نیشاپور ، اصفہان شیراز همدان اور قم وغیرہ قابل ذکر ہیں ۔ وہاں نادر و نایاب کتب فارسی (قدیم و جدید) کا مطالعہ کیا ۔ ایران کے مشہور و ممتاز دانشوروں اور مفکروں سے تبادلہ خیالات کے مواقع بھی ملے ۔ بغداد میں حضرت امام اعظم ابو حنیفہ ، حضرت غوث الاعظم عبدالقادر جیلانی ، کربلا معلیٰ میں سیدنا حضرت امام حسین کے روضہ ہائے مبارک پر آستان بوسی ہونے کی سعادت حاصل کی ۔

۱۹۵۳ء میں ایران کے پہلے سفر سے واپس آئے تو پہلے حیدرآباد سٹی کالج پھر ملتان گورنمنٹ کالج میں استاد فارسی کی حیثیت سے فرائض انجام دیئے ۔ ۱۹۵۶ء میں سندھ یونیورسٹی کے شعبہ فارسی سے منسلک ہوئے ۔ ۱۹۷۳ء میں ایسوسی ایٹ پروفیسر کے عہدے پر ترقی ملی ۔ اب بحیثیت صدر شعبہ فارسی اپنے فرائض منصبی کی انجام دہی میں جس انہماک اور لگن کے ساتھ مصروف ہیں وہ ان کے جذبہ خدمت کا شاہد ہے ۔ حضور احمد سلیم کی تعلیم اور تربیت کے بدولت طلباء میں فارسی علم و ادب کا بہت ستھرا ذوق پایا جاتا ہے ۔

۱۹۷۰ء میں لطیف آباد (نواح حیدرآباد) میں خانہ فرہنگ [1] ایران کا قیام عمل میں آیا تو حضور احمد وہاں فارسی کے درس و تدریس کیلئے مقرر ہوئے ۔

---

(۱) خانہ فرہنگ کے سربراہ رشید فرزانہ ایران کے ایک مقتدر دانشور اور صاحب قلم ہیں ۔ انھوں نے پاکستان اور ایران کے تاریخی و ثقافتی روابط کے سلسلہ میں خانہ فرہنگ میں فارسی ادباء و شعراء کو جمع کیا ۔ ادبی نشستیں اور مشاعرے منعقد کئے ۔ ان اجتماعات اور محفلوں میں فارسی کے جو مقالات اور اشعار پڑھے گئے ، تقریریں ہوئیں ان سب کی روداد کے ساتھ سائیکلو اسٹائل کے ذریعہ اشاعت کی ۔ حیدرآباد کے جن اکابر فارسی نے ان اجتماعات اور مجالس میں شرکت کی اور جن کے مضامین نظم و نثر خانہ فرہنگ کے ریکارڈس میں محفوظ ہیں ۔ (راقم نے یہ ریکارڈس خود دیکھے ہیں)

ان میں ڈاکٹر نبی بخش بلوچ ، مولانا دین محمد ادیب ، ڈاکٹر شیخ ابراہیم خلیل اور پروفیسر حضور احمد سلیم کی خدمات قابل قدر ہیں ۔

بتاریخ ۱۱ صفر المظفر ۱۳۷۲ ھ مطابق ۳۱ اکتوبر ۱۹۵۲ء بروز جمعہ بمقام کراچی
خوش وقت رہبر دین حضرت قلندر شاہ نقشبندی کے دست مبارک پر مشرف بہ بیعت (۱) ہوئے
پھر ان کے وصال تک ان کی ذات گنجینہ فیض سے روحانی کسب کیا ۔ حضور احمد کی اپنے
مرشد گرامی سے والہانہ عقیدت و محبت اس شعر سے آشکارا ہے :

ما دامن از بساط جہان بر کشیدہ ایم
رخت خرد بہ کوئے قلندر کشیدہ ایم

پروفیسر حضور احمد سلیم نقشبندی فارسی زبان پر اہل ایرانی جیسی دسترس رکھتے ہیں ۔
فارسی بڑی روانی سے بولتے اور لکھتے ہیں ۔ فارسی میں بے مثال شعر کہنے کا ملکہ بھی حاصل ہے
ان کی کئی فارسی غزلیں ایران کے مشہور مجلہ ارمغان تہران میں اہتمام سے شائع ہوچکی ہیں ۔

فارسی سے اردو میں ترجمہ کرنے کی غیر معمولی صلاحیت کے مالک ہیں ۔ فارسی کے
متعدد افسانوں کو نہایت خوش اسلوبی سے اردو میں منتقل کیا ہے ۔

سلیم صاحب نے فارسی شعروں کے اردو میں جس کمال اور فنکارانہ پختگی و شگفتگی
کے ساتھ منظوم ترجمے کئے ہیں وہ ان کے اہم کارنامے ہیں ۔ اس سلسلے میں اب تک ان کے دو
کارنامے ایسے ہیں جن کا اعتراف پاکستان اور ایران میں حکومتوں کی سطحوں تک کیا گیا ہے
یہ کارنامے دراصل پاکستان اور ایران کی تہذیبی و ثقافتی تاریخ کے ضمن میں بڑی اہمیت رکھتے
ہیں ۔ ایک " دو بیتی نامہ بابا طاہر " کی سو بیتوں کا منظوم اردو ترجمہ (مطبوعہ زیر
اہتمام فیروز سنز لاہور) اور دوسرا کارنامہ علامہ اقبال کی پیام مشرق کا منظوم اردو ترجمہ ہے
سلیم صاحب نے پیام مشرق کا ترجمہ ۱۹۷۷ء میں سال اقبال کی تقریبات پر وزارت تعلیم کی
فرمائش پر کیا جسے اقبال اکیڈیمی لاہور (زیر نگرانی ڈاکٹر محمد معز الدین ، ڈائریکٹر اکیڈیمی)
نے نہایت خوبصورت اور جاذب نظر انداز میں شائع کیا ہے ۔ سلیم صاحب نے یہ ترجمہ جس
بیساختگی روانی اور قادر الکلامی کے ساتھ کیا ہے اسکی کوئی مثال نہیں ملتی ۔ پروفیسر صوفی
تبسم مرحوم اور فیض احمد فیض نے بھی کلام اقبال کے ترجمے کئے ہیں لیکن حضور احمد سلیم
کا یہ ترجمہ منفرد ہے ۔

---

(۱) حاشیہ دیوان حلیم ص ۹ مرتبہ حضور احمد سلیم

حضور احمد سلیم سخن فہمی و سخن سنجی کا نہایت پاکیزہ اور ستھرا ذوق رکھتے ہیں ۔ فارسی شعر و ادب سے فطری لگاؤ کی بناء پر ان کی اردو شاعی کو خوب نکھرنے اور سنورنے کا موقع ملا ہے ۔ فارسی کی حلاوت و شیرینی محبوبانہ لب و لہجہ ان کی اردو زبان میں بھی نمایاں ہے ۔ شرافت ، روایت ، انسانی اقدار اور زندگی کے نرم و نازک احساسات کو جس حسن اور خوش اسلوبی سے اپنے فکر و فن کے دامن میں سمویا ہے وہ ان کے فن کا نکتۂ معراج ہے ۔ طبیعت کی فقر و سادگی مزاج کی نرمی و انکساری کی عکاسی ان کے اردو کلام میں بدرجۂ اتم نظر آتی ہے ۔ کہیں عارفانہ و صوفیانہ رنگ بھی جھلکتا ہے ۔ بطور نمونہ چند اشعار نذر قارئین ہیں :

هر طرف اک خامشی ہے کون دے اس کا جواب

شہر علم و فن میں کس کو بدگمان کس نے کیا

کف خاک تھے کیمیا ہوگئے ہم   رہ عشق میں کیا سے کیا ہوگئے ہم

کون دے گا پتہ غزلوں کا   مٹنے والوں میں نقش پا بھی ہے

ہم نہیں وہ کہ اپنے لب سی لیں   کچھ سنا ہے تو کچھ کہا بھی ہے

آدمی پیکر خطا ہی نہیں   آدمی مظہر خدا بھی ہے

ہم سلیم آفتاب زنداں ہیں   ہم سے حدت بھی ہے ضیا بھی ہے

من میلا ہے تن اجلا ہے   آج کا یہ انسان ہے یارو

کوئی شاکی غم دل کا ، کوئی رسوائی کا   حق ادا کس نے کیا تجھ سے شناسائی کا

دل کا ہر زخم دہن بن کے دہائی دے گا   سحر ٹوٹا جو کبھی تیری مسیحائی کا

کوچہ کوچہ ہمہ نکہت ہمہ نغمہ ہم آنگ   پوچھنا کیا ہے تیرے شہر کی رعنائی کا

وہ بھٹکتا ہی رہا عالم امکاں میں سلیم   جس نے دیکھا نہیں عالم تری یکتائی کا

جو گزرے ہوں دار و رسن سے یارو ان کی بات کرو

ورنہ یوں تو آج بھی سبھی ہیں فخر شہر نگاراں لوگ

درد کی لذت سے ناواقف سوز محبت سے انجان

کیسے کیسے بن جاتے ہیں میر مجلس یاراں لوگ

حضور احمد سلیم کی تصانیف فارسی اور اردو دونوں زبانوں میں شائع ہوچکی ہیں

فارسی

۱) آموز گار فارسی ۲) دو بیتی نامہ بابا طاہر مع منظوم اردو ترجمہ

۳) انتخاب پیام مشرق مع منظوم اردو ترجمہ

۴) فارسی کی درسی کتب

۱- کتاب اول و دوم فارسی

۲- ارمغان فارسی

۳- دبستان فارسی

۴- خزینہ دانش وغیرہ

اردو

۱) دیوان حلیم مع حیات قلندر شاہ اشاعت سوم ۱۹۷۸ء مکتبہ مسعود لطیف آباد

۲) نسب نامہ الف خان بہشتی - ۱۹۸۰ء مکتبہ مسعود لطیف آباد

یہ کتاب حضور احمد سلیم کے اسلاف اور ان کے افراد خاندان کے حالات زندگی اور شجرہ نسب سے متعلق ایک مختصر ڈائرکٹری کی حیثیت رکھتی ہے -

دیوان حلیم مع حیات قلندر دراصل دو کتابوں کی ایک جلد ہے - پہلی جلد میں دیوان حلیم ہے جو حضرت مولانا عبدالحلیم شاہ امروہی کے حالات اور کلام پر مشتمل ہے - دوسری جلد سلیم صاحب کے پیر و مرشد حضرت قلندر شاہ نقشبندی مجددی کے حالات زندگی ، سیرت پاک اور روحانی خدمات و کمالات پر محیط ہے -

پروفیسر حضور احمد سلیم نقشبندی نے مذکورہ بالا مرقع سیرت و بصیرت کو نہایت عقیدت ، جامعیت و معنویت کے ساتھ موضوع سے متعلق تمام اہم پہلوؤں کا احاطہ کیا ہے - " حیات قلندر " کے مطالعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ سلیم صاحب کو اردو نثر نگاری کا خاص سلیقہ فطرت نے ودیعت کی ہے - سادگی ، بیساختگی ، روانی اور حقیقت بیانی اس کتاب کی سب سے بڑی خصوصیت ہے - سلیم صاحب کی طرز نگارش سادہ اور بے تکلف ، الفاظ و عبارات سے عبارت ہے - حالات و واقعات کو حقائق و معارف کے آئینے میں پیش کیا گیا ہے - ترتیب و تدوین میں دلکشی ہے - یہی انداز ان کا اسلوب ہے -

مودۂ شیر

٦

" رحمت عالم اس دنیا میں تشریف لائے تو تاریکیوں میں بھٹکنے والے لوگوں کی کایا پلٹ کر ان کو رشد و ہدایت کا مینار بنا دیا ۔ صحابۂ کرام کی جماعت نے اپنے قول و فعل کو تعلیمات نبی کے سانچے میں ڈھالا تو اللہ تعالی نے ان پر انعام و اکرام کے دروازے کھول دیئے اور ان کو قابل رشک مقام عطا فرمایا ۔ صحابۂ کرام کے بعد ان کی اتباع کرنے والے تابعین اور پھر ان کے بعد کے لوگ ہیں جن میں ان کے درجے جدا جدا ہیں لیکن منزل سب کی ایک ہے یعنی رضائے الٰہی کا حصول ، یہی بندگی اور انسانیت کی معراج ہے ۔ گاڑی میں سفر کرنے والے لوگ مختلف ڈبوں میں سوار ہوتے ہیں سب ایک ہی درجے میں سوار نہیں ہوتے لیکن گاڑی کی منزل ایک ہی ہوتی ہے اسی طرح بندگان خدا کا حال ہے ۔

اطاعت و اتباع کا سلسلہ جاری ہے ۔ صلحائے امت نے ہمیشہ اپنے افعال و کردار سے شریعت مطہرہ کو زندہ کیا ہے ۔ ان کی زندگی عام لوگوں کے مقابل عمل میں فوقیت کی وجہ سے ارفع ہوتی ہے ۔ ان حضرات کی سیرت اور تعلیمات کی اشاعت کا مقصد بھی زندگی کو بندگی کے نصب العین کی طرف لانا ہے تاکہ دارین کی کامیابی اور کامرانی نصیب ہو " ۔

(حیات قلندر ص ٦ ، ٧)

مخدوم غلام احمد

ولادت $\frac{\text{١٣٣٩ ھ}}{\text{١٩٢٩ ء}}$

مولانا مخدوم غلام احمد ہاشمی ، سندھ کے یکتائے عصر عالم دین یگانہ روزگار معلم اور ماہر تعلیم ، استاد العلماء الحاج مولانا حافظ مخدوم امیر احمد کے لائق فرزند ہیں ۔ مخدوم غلام احمد کھوڑا (تعلقہ گمبٹ ضلع خیرپور) کے اس خانوادۂ مخادم [1] سے تعلق رکھتے ہیں جس کا سرچشمہ فیض آج بھی وادی مہران میں جاری ہے ۔

مخدوم غلام احمد کا شمار حیدرآباد کی ممتاز علمی و تعلیمی شخصیتوں میں ہوتا ہے وہ اپنے جلیل القدر والد مخدوم امیر احمد کے شاگرد اور رفیق کار رہ چکے ہیں ۔ ان کی زندگی ان کے والد کی طرح اللہ اور اس کے دین کی خدمت اور قوم و معاشرے کی تطہیر و تعمیر کے لئے وقف ہے ۔ درس و تدریس ، تحریر و تقریر اور عبادت و ریاضت ان کا اوڑھنا بچھونا ہے ۔

مخدوم غلام احمد یکم دسمبر ۱۹۲۹ء مطابق ۱۳۳۹ھ میں پیدا ہوئے

مخدوم غلام احمد کی ابتدائی تعلیم ان کے پدر بزرگوار کی نگرانی اور گھر کے دینی ، شرعی و روحانی ماحول میں ہوئی ۔ نو شہرۂ فیروز ہاشمی اسکول نواب شاہ سے فارغ التحصیل ہونے کے بعد ۱۹۴۶ء میں بمبئی یونیورسٹی سے انگریزی سندھی اور عربی میں امتیاز کے ساتھ میٹرک پاس کیا ۔ سندھ یونیورسٹی سے عربی میں بی اے (آنرز) کرنے کے بعد ۱۹۵۰ء میں ایل ایل بی ۱۹۵۷ء میں بی ٹی ، ۱۹۶۱ء میں ایم اے (عربی) اور ۱۹۶۳ء میں ایم ایڈ کی اعلیٰ اسناد حاصل کیں ۔

۱۹۴۹ء سے ۱۹۵۵ء تک جامعہ عربیہ ہاشمی اسکول میں اور ۱۹۵۵ء سے ۱۹۷۱ء تک سندھ اورنٹیل کالج حیدرآباد میں استاد کی حیثیت سے درس و تدریس کے فرائض انجام دیئے ۔ دونوں تعلیمی درسگاہوں میں ان کے والد ماجد حضرت مولانا مخدوم امیر احمد پرنسپل تھے ۔ ۱۹۷۱ء میں جب سندھ اورنٹیل کالج کے پرنسپل مخدوم امیر احمد کا انتقال ہوا تو ان کی جگہ ان کے لائق فرزند مخدوم غلام احمد پرنسپل کے عہدے پر فائز ہوئے ۔ اکتوبر ۱۹۷۲ء میں جب

---

(۱) خاندان مخدوم کی مختصر تاریخ اور حالات مخدوم غلام احمد کے والد مکرم حضرت مخدوم امیر احمد کے تذکرے میں بیان کئے جاچکے ہیں ۔

حکومت وقت نے تمام تعلیمی اداروں کو قومی تحویل میں لے لیا تو سندھ اورئنٹیل کالج حیدرآباد کو بند کردیا گیا ۔ مخدوم غلام احمد کا تبادلہ اسلامیہ ماڈرن ہیشٹائزڈ ہائی اسکول حیدرآباد میں بحیثیت ہیڈ ماسٹر ہوگیا جب سے اب تک اس عہدہ جلیلہ پر فائز ہیں ۔

مخدوم غلام احمد نے درس و تدریس کے میدان میں جو کمال حاصل کیا ہے ، علم و ادب کی دنیا میں جو مقبولیت حاصل کی ہے بلاشبہ یہ سب کچھ ان کے اپنے مجموعۂ کمالات و جامع الصفات والد بزرگوار کی صحبت و تربیت کا نتیجہ ہے جس کا اظہار وہ فخر سے کرتے ہیں ۔

مخدوم غلام احمد نے عربی فارسی سندھی اور اردو میں مکمل تعلیم حاصل کی ہے ۔ ان زبانوں پر انہیں کامل عبور حاصل ہے ۔ عربی ادب اور اسلامیات کے موضوع سے انہیں خاص دلچسپی ہے ۔ انگریزی ادب کا مطالعہ بھی خاصہ ہے ۔ کبھی کبھی وقت ضرورت انگریزی میں مضامین بھی لکھ لیتے ہیں ۔

۱۹٦۲ء میں روزنامہ خادم وطن حیدرآباد کی ادارت سے بھی وابستہ رہے ۔ ان کے سندھی مضامین اخبار " ہلال پاکستان " مسلمان مہران وغیرہ میں پابندی سے چھپتے رہے ہیں ۔ مشہور سندھی رسالہ سہ ماہی مہران کے مستقل مقالہ نگار ہیں ۔

مخدوم غلام احمد اور ان کا گھرانا سرزمین سندھ سے وابستگی کی بناء پر مادری زبان سندھی ہونے کے باوجود اردو زبان سے خاص تعلق رکھتے ہیں ۔ بقول مخدوم غلام احمد —— " اردو کو ان کے گھرانے میں مادری زبان کی حیثیت حاصل ہوچکی ہے " ۔ اس مخدوم گھرانے کا لائق تحسین پہلو یہ ہے کہ اس خاندان کا ہر فرد اتنی ہی صاف ستھری اردو بولتا اور لکھتا ہے جتنی کہ سندھی زبان میں ۔ مخدوم غلام احمد کے والد مکرم حضرت حافظ مولانا مخدوم امیر احمد کی اردو زبان میں اعلیٰ پایہ کی تصانیف اور نگارشات موجود ہیں (۱) ۔ مخدوم غلام احمد نے نہ صرف اپنی آبائی روایت کو قائم رکھا ہے بلکہ انھوں نے اپنی اولاد کو بھی اس روایت کو آگے بڑھانے کی تربیت دی ہے ۔ مخدوم غلام احمد نے اردو میں مضامین بھی لکھے ہیں ، شاعری بھی کرتے ہیں اور مشاعروں میں شریک بھی ہوتے ہیں ۔

ریڈیو پاکستان حیدرآباد سے بیک وقت اردو اور سندھی میں ان کی تقریریں نشر ہوتی رہتی ہیں ۔

---

(۱) مخدوم امیر احمد کی تصنیفات و نگارشات کی تفصیلات ان کے تذکرے میں (گزشتہ صفحات) میں پیش کی جاچکی ہیں ۔

فارسی سندھی اور اردو میں شعر کہتے ہیں ۔ مخدوم تخلص کرتے ہیں ۔ اپنے والد محترم مخدوم امیر احمد کی وفات ۱۳۹۱ ھ (۱۹۷۱ء) کے موقع پر فارسی میں دس شعر کا ایک قطعہ تاریخ کہا ۔ یہ قطعہ تاریخ مخدوم مرحوم کے لوح مزار (واقع مخادیم کھوڑا کے قبرستان شہیدون تعلقہ گمبٹ ضلع خیرپور) پر کندہ ہے ۔ اس قطعہ تاریخ سے نہ صرف ان کی فارسی گوئی بلکہ فن تاریخ گوئی سے دلچسپی کا بھی اندازہ ہوتا ہے ۔ اس قطعہ تاریخ کا ایک شعر یہ ہے ۔ " یغفر اللہ سے مادہ تاریخ نکالا ہے ۔

سال و ملش چون جستم شدی آمدہ
گفت ہاتف بخوان " یغفراللہ " (۱)
۱۳۹۱ ھ

مولانا مخدوم غلام احمد ہاشمی عاشقان رسول میں سے ہیں ۔ ان کی اردو شاعری کا بیشتر حصہ نعت پر محیط ہے ۔ نعت کا ایک ایک شعر عشق رسول سے سرشار ہوکر کہا گیا ہے ۔ طرز ادا سادہ لیکن کیفیت بے پناہ ہے ۔ صوفی منش باپ کے صوفی صفت بیٹے ہیں یعنی پیر ولی ـ اس لئے ان کے مزاج میں عجز و انکسار ہے ، لہجہ میں نرمی و سادگی ہے ۔ طبیعت میں فقیری ، سپردگی و بندگی کا بے پایاں جذبہ کارفرما ہے ۔ ایک نعت کے یہ شعر دیکھئے

ہم کو وزیر سے نہ کسی شاہ سے غرض
اللہ کے فقیر ہیں اللہ سے غرض

عشق نبی کی دولت کونین چاہئے
جزو اس کے مال و زر نہ ہمیں جاہ سے غرض

تنویر حسن سید نورالوری گـواہ
مہر و نجوم سے نہ ہمیں ماہ سے غرض

مخدوم رکھ بپاس حدیث شہ اُمم
الفت ہو ، چاہے پیر ہو، اللہ سے غرض

غزلیں بھی کہتے ہیں تو دل کی لگی سے کہتے ہیں ۔ کہیں بے چارگی و بے بسی کا عالم ہے اتو کہیں غم جانان کا احساس

تم کیا گئے کہ ہوگئے بیزار جی سے ہم
فرقت کے مارے رو دیئے بے چارگی سے ہم

ہان یاد ہے ہنوز قیامت کی وہ گھڑی
رخصت ہوئے تھے جبکہ بڑی بے بسی سے ہم

دل کی لگی کو دل لگی سمجھا کئے مگر
پھر ہائے اب تو ایسی صدم دلگی سے ہم

مخدوم بس کہ ہیں یہ مقدر کے فیصلے
شکوے گلے کریں تو کریں کیا کسی سے ہم

مخدوم غلام احمد نے اردو میں ریڈیائی تقاریر کے علاوہ بیشتر مضامین بھی لکھے ہیں جو کالجوں اور

---

(۱) مکمل قطعہ تاریخ کے لئے ملاحظہ ہو تذکرہ مخدوم امیر احمد باب ہذا

اسکولون کے مجلون کے علاوہ ملک کے مختلف معیاری رسائل و اخبارات کی زینت بن چکے ھین جن
مین ماھنامہ فاران (بانی و سابق مدیر مولانا ماھر القادری مرحوم) اور روزنامہ نوائے وقت لاھور
(بانی حمید نظامی ، ایڈیٹر مجید نظامی) قابل ذکر ھین ۔ انکے مقالات و مضامین کے موضوع
اکثر ملک و قوم اور ماحول و معاشرے کی اصلاح و تطہیر سے متعلق ھوتے ھین ۔ ھر مقالہ یا مضمون
مین کوئی نہ کوئی تعمیری پہلو مضمر ھوتا ھے ۔ وہ نہ ترقی پسندی کے حامی ھین نہ رجعت پسندی
کے قائل بلکہ زندگی کے ھر معاملہ مین حقیقت پسند ھین ۔ صحت مند اصول پر کاربند ھین یہی
روش ، یہی رجحان ان کی تحریر کی جان ھے ۔ جو بات کہتے ھین سیدھے سادھے الفاظ اور
بامعنی جملون مین کہتے ھین ، علمی پرشواھد و دلائل کے ساتھ کہتے ھین ۔ ان کی گفتگو اور
تحریر دونون مین خودی و اعتماد کے اوصاف کار فرما ھوتے ھین اسلئے ان کی باتون مین وزن ھوتا
ھے اور دلون کو موہ لیتی ھین ۔ اب ذیل مین نمونہ نثر کے طور پر مخدوم غلام احمد کے ایک
مقالہ " ایک پیغام نوجوانون کے نام " سے اقتباس پیش کیا جاتا ھے :

" نوجوانون کے لئے یہی ھمارا پیغام ھے کہ انھین چاھئے کہ اپنی اصلیت اور
ملی حیثیت کو پہچاننے کی سعی کرین اور اس حیثیت مین اپنے فرائض ملـی
نبھانے کی کوشش کرین ۔ کاربردازان حکومت اور ارباب حل و عقد کو بھی
چاھئے کہ قوم کو مذھب و ملت کے صراط مستقیم پر چلنے کے مواقعے فراھم کرین
اور خود بھی بہترین عملی مثالین پیش کرین ۔ ساتھ ھی ان اسباب کا
مداوا بھی کرین جن کی بناء پر ھم نے قومی سطح پر اپنی یہ درگت بنا
ڈالی ھے ۔ تطہیر معاشرہ کا کام ان ادارون سے شروع کیا جائے جو معاشرے
پر سب سے زیادہ اثر انداز ھوتے ھین اور وہ ھین تعلیمی ادارے اور مساجد ۔
اس ضمن مین سب سے پہلا کام یہ ھونا چاھئے کہ تعلیمی ادارون کو خرب الاخلاق
لوگون سے یکسر پاک و صاف کیا جائے ۔ اسکے لئے مکمل محکمہ جاتی تطہیر
(خصوصاً محکمہ تعلیم مین) انتہائی ضروری اور لازمی ھے ۔ اگر خرابی سے
چھٹکارا حاصل کرنا مقصود ھے تو خرابی کی جڑ کاٹنا از بس ضروری ھے ۔
والسلام "

دستخط
مخدوم غلام احمد ھاشمی

(یہ مقالہ خود مخدوم غلام احمد صاحب کے قلم سے لکھا ہوا راقم کے پاس موجود ھے)

تیسرا حصہ

ضمیمہ ۱

عہد کلہوڑا

تاریخی پس منظر

سندھ کے عباسی کلہوڑوں کے حکمران میاں یار محمد خان عباسی (۱۱۱۲ - ۱۱۳۱ھ / ۱۷۰۰ - ۱۷۱۸ء) کی وفات کے بعد اس کا فرزند اکبر میاں نور محمد خان عباسی (۱۱۳۲ - ۱۱۶۷ھ / ۱۷۱۹ - ۱۷۵۳ء) ۱۱ محرم ۱۱۳۲ ھ مطابق ۱۳ نومبر ۱۷۱۹ء کو مسند نشین ہوا(۱) ۱۱۹۶ ھ مطابق ۱۷۸۲ء تک سندھ کی سرزمین عباسی کلہوڑوں کے زیر نگین رہی (۲)۔

یار محمد خان کے زمانے تک سندھ سلطنت مغلیہ کے زیر اقتدار تھا ۔ نور محمد خان وہ پہلا حاکم تھا جس نے سندھ میں مغل صوبہ داری کا سلسلہ منقطع کردیا ، دھلی کی مرکزی حیثیت ختم کردی اور ایک مکمل خود مختار سلطنت کی بنیاد رکھی ۔ یہ دور عہد مغلیہ کے انحطاط کا دور تھا ۔ پورے ھندوستان میں بدامنی و بے چینی اور انتشار و اضطراب کا دور دورہ تھا ۔ اس پرآشوب و پراضطراب زمانے میں میاں نور محمد نے نہایت تدبر و شجاعت اور فہم و فراست سے سندھ پر نادر شاہ (۳) (۱۱۵۲ ھ مطابق ۱۷۴۰ء) اور احمد شاہ ابدالی (۴) (۱۱۶۲ ھ مطابق ۱۷۴۹ ء) کے طوفانی حملوں کا مقابلہ کیا اور سندھ کو بیرونی خطرات و خدشات سے ہمیشہ کیلئے آزاد کردیا ۔

---

(۱) تاریخ سندھ جلد اول‌از مولانا غلام رسول مہر ، ص ۳۵۳ ، ۵۳۸

(۲) میاں نور محمد خان کے بعد حسب ذیل پانچ فرمانروا یکے بعد دیگرے مسند آرائے سلطنت ہوئے

۱۔ مراد یاب خان — ۱۱۶۷ - ۱۱۷۱ھ / ۱۷۵۳ - ۱۷۵۷ء

۲۔ غلام شاہ — ۱۱۷۱ - ۱۱۸۶ھ / ۱۷۵۷ - ۱۷۷۲ء

۳۔ سرفراز خان — ۱۱۸۶ - ۱۱۸۹ھ / ۱۷۷۲ - ۱۷۷۵ء

۴۔ غلام نبی — ۱۱۸۹ - ۱۱۹۱ھ / ۱۷۷۵ - ۱۷۷۷ء

۵۔ میاں عبدالنبی — ۱۱۹۱ - ۱۱۹۶ھ / ۱۷۷۷ - ۱۷۸۲ء (تاریخ سندھ جلد اول و دوم از مہر)

(۳) و (۴) تاریخ سندھ جلد دوم مولانا مہر ، ص ۲۳۲ ، ۳۳۹ ، ۵۱۱

علم و ادب کی سرپرستی

۲

میان نور محمد خان عباسی اپنے عظیم باپ میان یار محمد خان کی طرح شجیع و ذکی ، مدبر و فہیم تھا ۔ وہ عزم و استقلال اور انتظامی صلاحیتوں میں عدیم المثال تھا ۔ اس کا عہد حکومت نہ صرف منظم و مستحکم نظم و نسق کے لحاظ سے بلکہ علم و فضل اور فن و ادب کی ترقی و ترویج توسیع و اشاعت کے اعتبار سے بھی تاریخ سندھ کا ایک درخشاں باب ہے ۔

میان نور محمد خان ایک صاحب دین اور صاحب ذوق فرمانروا تھا ۔ اسکے دل میں ارباب علم وفن کی بے حد قدر و منزلت تھی ۔ اسے اپنے والد یار محمد خان کی طرح کتب بینی اور کتب خانے کی تدوین و توسیع کا شوق تھا ۔ اس نے نہ صرف اپنے والد کے کتب خانے کو محفوظ رکھا بلکہ اس میں نادر و نایاب ذخائر کتب کا اضافہ بھی کیا ۔ کہتے ہیں کہ نادر شاہ سندھ پر یورش کے بعد نور محمد کے کتب خانے کے نوادرات لوٹ کر لے گیا (۱) ۔

خاندان کلہوڑا کے فرمانروا اہل اللہ اور صوفیاء بھی تھے ۔ فقر و تصوف ، پیری مریدی ، عالمانہ و درویشانہ آداب کا خاص خیال رکھا جاتا تھا (۲) ۔ اس دور کے ارباب حکومت اولیائے کرام اور علمائے عظام سے بڑی عقیدت رکھتے تھے (۳) ۔

میان غلام شاہ کلہوڑا کو اس کی فقیدالمثال علمی و ادبی سرپرستی کی بناء پر " اکبر سندھ " کہا جاتا ہے ۔

---

(۱) تاریخ سندھ جلد دوم مولانا مہر ، ص ۹۷۵ ، ۹۷۶

(۲) ایضـــــاً ص ۹۳۲ تا ۹۳۴

(۳) " میان نور محمد خان کلہوڑا کے وصیت نامہ سے پتہ چلتا ہے کہ اس خاندان کے اولین سربرآوردہ فرد میان آدم شاہ دو تین واسطوں سے طریقۂ سہروردیہ میں حضرت سید محمد جونپوری کے مرید تھے ۔ میان آدم شاہ کے بعد سلسلۂ نسب میں میان داؤد ، میان الیاس ، میان نصیر محمد ، میان یار محمد اور میان نور محمد ، سب یکے بعد دیگرے اس سلسلے کے مرید اور سجادہ نشین تھے ۔ ان کے مریدوں کی کثرت ہی نے انھیں اتنی عظیم طاقت بخشی تھی کہ معمولی زمیندار کی حیثیت سے ترقی کرکے سندھ کے حکمران بن گئے تھے " ۔

(مقدمہ کلیات مائل ص ۵۲ سے منقول)

میان سرفراز خان دانشمند ، فضیلت پرور ، علم و شعر فہمی مین یکتائے روزگار اور قدر دانی علماء و شعراء مین بے مثال حاکم تھا ۔ اسکی علم دوستی ، ادب نوازی اور اہل علم و فن کی قدر دانی کی شہرت سندھ سے ایران تک پھیلی ہوئی تھی ۔ وہ ارباب علم و ادب کو انعام و اکرام سے بھی نوازا کرتا تھا ۔

سرفراز خان کو حضرت شاہ فقیر اللہ علوی جیسے برگزیدہ صاحب علم اور شیخ طریقت بزرگ سے خاص ارادت تھی ۔ اسکی شہادت شاہ فقیر اللہ کے ان مکاتیب سے ملتی ہے جو انھون نے سرفراز خان کے نام تحریر فرمائے تھے اور یہ خطوط شاہ صاحب کے مجموعۂ مکاتیب مین شامل ہین (۱) ۔

میر عظیم الدین عظیم ، میر علی شیر قانع ، شیوک رام عطارد اور محمد پناہ رجا ٹھٹھہ کے رہنے والے تھے اس دور کے اہم شعراء مین سے تھے اور ارباب سلطنت کے دربارون سے وابستہ رہے ۔ عظیم ٹھٹھوی میان سرفراز خان کے دربار سے اپنی وابستگی اور اسکی علمی و ادبی مجلسون مین شرکت کا اظہار فخر و مباہات کے ساتھ کرتے ہین ۔

من از بزم آن خان صاحب کمال
ہمی یافتم کام دل چند سال (۲)

میر علی شیر قانع ، میان نور محمد خان ، میان سرفراز خان اور میان غلام نبی خان کے دربارون سے وابستہ رہے ۔ قانع نے میان سرفراز کی مدح مین قصیدہ بھی کہا اپنے قصیدے مین کہتے ہین

زقدر دانی آن بحر فضل و کان کرم	رواج یافتہ جنس سخن کہ داشت کساد
ز در گہت کہ بود مرجع ذوی الافہام	برائے اہل کمال است بس خجستہ معاد (۳)

عطارد ٹھٹھوی مصنف " انشائے عطارد " نے میان غلام شاہ اور میان سرفراز خان کے دربارون مین منشی کے فرائض انجام دیئے ۔ میر بجار خان کی مراسلہ نگاری کے منصب پر بھی مامور تھے محسن ٹھٹھوی سے شرف تلمذ تھا خوش فکر شعراء مین ان کا شمار ہوتا تھا (۴) ۔

محمد پناہ رجا کو وزیر سندھ میر لطف اللہ عرف میر ستارہ سے شرف قرب حاصل تھا جنھون نے ان کی شایان شان پذیرائی کی (۵)

---

(۱) " شاہان وقت کی عقیدت " ص ۱۹۰ ، ۱۹۱ مشمولہ تذکرہ صوفیائے سندھ

(۲) فتح نامہ ، ص ۶۰

(۳) ماخوذ از قصائد قانع (قلمی) مملوکہ پیر حسام الدین راشدی بحوالہ تاریخ سندھ جلد دوم مولانا مہر ، ص ۷۲۱

(۴) مقالات الشعراء ، ص ۴۴۶ (۵) ایضاً ص ۲۲۳

ضمیمہ ۲

عہد تالپور

تاریخی پس منظر

سندھ کی جس سلطنت کلہوڑا کی بنیاد عباسی کلہوڑوں کے سردار میاں محمد آدم شاہ شہید (۱) نے رکھی تھی اور جسے یار محمد خان اور اسکے فرزند نور محمد خان نے اپنی حکمت و شجاعت اور فہم و فراست سے کمال عروج پر پہنچایا تھا ۔ وہ کلہوڑوں کے آخری فرمان روا میاں عبدالنبی کی بد باطنی اور ناعاقبت اندیشی کے باعث ہمیشہ کیلئے کلہوڑوں کے ہاتھوں سے نکل گئی ۔ ۱۱۹۶ ھ مطابق ۱۷۸۲ء میں ہالانی کے میدان (واقع حیدرآباد) میں کلہوڑا اور تالپوروں کے درمیان گھمسان کی جنگ (۲) ہوئی ۔ میاں عبدالنبی کو شکست ہوئی ، وہ فرار ہوگیا (۳) ۔ تالپوروں کے سردار میر صوبدار خان شہید کے فرزند میر فتح علی خان نے زبردست فتح حاصل کی (۴) ۔ کلہوڑوں کا مہر اقبال ڈوب گیا ۔ تالپوروں کا آفتاب اقتدار طلوع ہوا ۔

فاتح سندھ ، میر فتح علی خان تالپور ایک شجاع ، دور اندیش اور بیدار مغز فرمان روا ثابت ہوا ۔ اس نے نظم ونسق کو بہتر اور عوام کے معیار زندگی کو بلند تر بنانے کی خاطر ملک سندھ کو سات ٹکڑوں میں تقسیم کردیا ۔ چار حصوں میں ایک حصہ اپنے پاس رکھا تین حصے اپنے تینوں بھائی میر کرم علی خان ، میر غلام علی خان اور میر مراد علی خان کو دے دیئے ۔ ان چار حصوں پر مشتمل مشترکہ حکومت کا دارالسلطنت حیدرآباد تھا (۵) ۔ میر فتح علی خان اس " چو یاری " حکومت کا سربراہ تھا ۔ دو حصے میر سہراب خان بن چاکر خان کو دیئے ۔ یہ شمالی سندھ کا علاقہ تھا جس کا دارالخلافہ خیر پور (۶) قرار پایا ۔

ایک حصہ جو تھرپارکر کا علاقہ تھا میر ٹھارو خان خلف فتح خان کے حوالے کیا ۔ اس خطے کا پایہ تخت میر پور (۷) (خاص) تھا ۔ اس طرح تالپوروں کے عہد میں سندھ تین مرکزی حکومتوں حیدرآباد ، خیر پور اور میر پور میں منقسم تھا ۔ سندھ پر تالپوروں کی یہ حکومت انگریزوں کے تسلط (۱۲۵۹ ھ ، ۱۸۴۳ء) تک قائم رہی ۔

(ماخوذ از لب تاریخ سندھ ص ۱۳۰ تا ۱۵۸ ، تاریخ سندھ جلد دوم مولانا قدوسی ، ص ۵۹۷ تا ۵۹۹)

۲

علم و ادب کی سرپرستی

تالپوروں کا عہد تاریخ و ثقافت اور علم و ادب کے عروج کا عہد تھا ۔ والیان تالپور کو عوام میں تعلیم عام کرنے کا بڑا شوق تھا انھوں نے نظام تعلیم پر خاص توجہ دی، اس زمانے میں سندھ کے مختلف شہروں اور قصبوں میں اسلامی علوم و فنون کے مدارس و مکاتب قائم تھے جہاں عربی و فارسی کی خصوصی تعلیم کا انتظام تھا ۔ حیدرآباد ، خیر پور ، میر پور ، سیوھن ، عمر کوٹ ، مٹیاری مہڑ اور کھہڑا وغیرہ مشہور علمی مراکز تھے ۔
(جنت السندھ، سلطان کراچی اور سندھ کی تعلیم)

امیران تالپور اہل دل ، اہل علم ، اہل نظر اور اہل صفا تھے ۔ انھوں نے علوم و معارف ، فنون و ادبیات کے ہر شعبہ کی ترقی و توسیع میں کوئی دقیقہ فرو گذاشت نہ کی ۔ کتب خانے کی تدوین و تحفظ کا شوق پشت در پشت ورثے میں ملا تھا ۔ انگریزوں کے ہند و سندھ پر غاصبانہ قبضے کے بعد بہت سے قیمتی نوادرات سندھ کے کتب خانوں سے لندن کی لائبریریوں میں منتقل ہوگئے ۔

تالپور فرماں روا روایتی طور پر مذھبی رجحانات کے حامل تھے ۔ صوفیائے کرام اور بزرگان دین سے بے پناہ عقیدت و ارادت رکھتے تھے ۔ وقتاً فوقتاً امور سلطنت اور شرعی معاملات و مسائل کے بارے میں ان سے صلاح و مشورہ بھی کرتے تھے ۔ میر علی مراد خان والی خیر پور سائیں سچل سرمست کے بیحد ارادت مند تھے ۔ انھوں نے سائیں کے مزار پر انوار کی تعمیر اپنی نگرانی میں کرائی ۔ علی مراد خان فقیر محمد یوسف نانک کے مرید تھے ۔ فقیر قادر بخش بیدل ان کے مقرب خاص تھے ۔

(علمی آئینہ ، ۱۹۷۳ء ، ص ۱ تا ۲۳)

۳

حاشیئے ضمیمہ ۲ (عہد تالپور)

(۱) میان آدم شاہ شہید بہت بڑے خدا ترس اور بافیض بزرگ تھے ۔ بقول مولانا غلام رسول مہر " ان کے پیروون کی تعداد کافی تھی ۔ ان کی وفات کے بعد ان کی شہرت اور اثر و رسوخ کو اخلاف کی چھ پشتون مین بقائے دوام مل گئی جو یکے بعد دیگرے باقاعدگی سے دعوت و ارشاد کی مسند کے لئے وجہ زینت بنے رہے " ۔
(تاریخ سندھ ، عہد کلہوڑہ ، جلد اول ص ۱۶۵-۱۶۶)

(۲) جواہر عباسیہ ، قدیم سندھ قلیچ بیگ ، فتح نامہ عظیم

(۳) لب تاریخ سندھ ص ۱۳۰

(۴) میر عظیم الدین عظیم ٹھٹھوی نے اس فتح کی تاریخ کہی

از پئے این فتح کہ آمد عظیم فتح علی فتح علی سال شد
۱۱۹۶ ھ (جواہر عباسیہ ص ۲۵۸)

مضاعف کی اعداد فتح علی کہ تاریخ این فتح گردد جلی
(فتح نامہ ص ۲۲۱)

(۵) میران حیدرآباد : میر صوبدار خان شہید (۱۱۸۹ ھ مطابق ۱۷۷۵-۷۶ ء) کے چار بیٹے تھے ۔ میر فتح علیخان ، میر کرم علیخان ، میر غلام علیخان ، میر مراد علیخان
میران حیدرآباد کے دور حکومت کی تفصیل یہ ہے :

نام	وفات	دور حکومت
۱- میر فتح علی خان فتح سندھ	(متوفی ۱۲۱۷ھ / ۱۸۰۲ء)	۱۱۹۶ - ۱۲۱۷ ھ / ۱۷۸۲ - ۱۸۰۲ ء
۲- میر غلام علی خان	(متوفی ۱۲۲۷ھ / ۱۸۱۱ء)	۱۲۱۷ - ۱۲۲۷ ھ / ۱۸۰۲ - ۱۸۱۲ ء
۳- میر کرم علیخان	(متوفی ۱۲۳۳ھ / ۱۸۲۸ء)	۱۲۲۷ - ۱۲۳۳ ھ / ۱۸۱۲ - ۱۸۲۸ ء
۴- میر مراد علی خان	(متوفی ۱۲۳۹ھ / ۱۸۳۲ء)	۱۲۳۳ - ۱۲۳۹ ھ / ۱۸۲۸ - ۱۸۳۲ ء
۵- میر نور محمد خان	(متوفی ۱۲۵۵ ھ)	ولد میر مراد علی خان
۶- میر نصیر خان	(متوفی ۱۲۶۱ ھ)	۱۲۳۹ - ۱۲۵۹ ھ / ۱۸۳۲ - ۱۸۴۳ ء

(لب تاریخ سندھ ، تاریخ سندھ جلد دوم قدوسی)

(۶) میران خیر پور : ۱۱۹۹ - ۱۲۶۲ ھ / ۱۷۸۳ - ۱۸۳۶ ء

میر سہراب خان (- ۱۲۳۶ ھ / ۱۸۲۰ - ۱۸۳۵ ء) خیر پور کی حکومت کا پہلا حکمران اور موسس اول تھا ۔ اس نے ۱۱۹۹ - ۱۲۳۶ ھ / ۱۷۸۳ - ۱۸۲۰ ء تک حکومت کی ۔ ۳۷ سال حکومت کرنے کے بعد اپنے خطہ سلطنت کو اپنے تین فرزندوں میں تقسیم کیا ۔ دو حصے میر رستم خان کو ، ایک حصہ میر مبارک خان کو اور ایک حصہ میر علی مراد خان کو دیا ۔

میر سہراب خان کے انتقال کے بعد میر رستم خان (سنہ شمسی ۱۲۳۶ ھ / ۱۸۲۰ ء) اپنی وفات ۱۲۶۲ ھ (۱۸۳۶ ء) تک مملکت کا سربراہ رہا ۔ یہ حکومت بھی میران حیدرآباد کی طرح خیر پور کی " چو یاری " حکومت کے نام سے موسوم ہوئی ۔

(لب تاریخ سندھ ص ۱۵۳ ، تاریخ خیر پور نسیم امروہوی ۳۲-۳۳)

(۷) میران میر پور خاص : میر ٹھارو خان حکومت میر پور کا پہلا موسس اور فرمان روا تھا اس نے ۱۱۹۶ ھ (۱۷۸۲ ء) سے اپنی وفات ۱۲۲۵ ھ (۱۸۲۹ ء) تک خطہ میر پور پر حکمرانی کی ۔ اس کے بعد اس کے ایک فرزند اور پوتے یکے بعد دیگرے مسند آرائے سلطنت ہوئے ۔

۱- میر علی مراد خان (خلف میر ٹھارو خان) وفات ۱۲۵۲ ھ / ۱۸۳۷ ء

۲- میر شیر محمد خان شیر سندھ (ولد میر علی مراد خان) وفات ۱۲۹۴ ھ / ۱۸۷۷ ء

(لب تاریخ سندھ ص ۱۵۴)

ضمیمہ ۳

عہد برطانیہ

تاریخی پس منظر

انگریزوں نے سرزمین سندھ پر حکومت کرنے کی غرض سے کلہوڑوں کے دور میں جس سازش کا آغاز کیا تھا وہ تالپوروں کے عہد میں انتہا کو پہنچی ۔ فرنگیوں نے پہلے امیران تالپور میں پھوٹ ڈالی پھر ان کے باہمی اختلافات و افتراق سے خاطر خواہ فائدہ اٹھایا ۔ میجر آوٹرام کے اکسانے پر میر صوبدار خان ، میر علی مراد خان (والی خیرپور) ، میر محمد خان اور میر حسن علی خان نے ہر ہر قدم پر انگریزوں کی حمایت اور میروں کی مخالفت کی ۔ جب برطانوی سامراجؔ کی شاطرانہ چال کامیاب ہوئی تو میجر جنرل سر چارلس نیپئر ، سپہ سالار افواج برطانیہ نے بھاری لشکر ، توپوں اور بندوقوں سے میانی (جو حیدرآباد سے چھ میل کے فاصلے پر مشرقی جانب پھلیلی کے قریب واقع ہے) کے میدان میں تالپوروں پر بھرپور حملہ کردیا ۔ میروں اور بلوچوں نے بڑی جی داری و جگرداری سے انگریزوں کا مقابلہ کیا ۔ حریت پسند بلوچ مجاہدین نے آزادی کی راہ میں جانیں نثار کردیں اور جام شہادت نوش کیا ۔ انگریزوں کی بندوقوں اور توپوں کے آگے ان کی شمشیروں نے جوہر تو دکھائے لیکن فتح و نصرت کا پرچم انگریزوں کے ہاتھ لگا ۔ ۱۷ فروری ۱۸۴۳ء کو سندھ پر برطانیہ کا غاصبانہ قبضہ ہوگیا ۔ لارڈ ایلنبکرو (Lord Ellenborough) گورنر جنرل کے حسب الحکم سرچارلس نیپئر کل اختیارات کے ساتھ ملک سندھ کا پہلا گورنر مقرر ہوا ۔ اس کے ہاتھوں غدار میر صوبدار کا عبرتناک انجام ہوا ۔

آخری فرمان روائے حیدرآباد میر محمد نصیر خان ، اس کے بیٹے میر محمد خان ، میر صوبدار خان میر شہداد خان ، میران خیرپور میر رستم خان ، والی میرپور شیر سندھ میر شیر محمد خان کو گرفتار کرکے بحری راستے سے بمبئی بھجدیا گیا اور وہ قید حیات سے آزاد ہونے تک اسیر فرنگ رہے ۔

(لب تاریخ سندھ ص ۱۵۹ ، تازہ نوائے معارک ، ص ۴۷۳ ، ۶۷۳ ۔ تاریخ سندھ جلد دوم قدوسی ، ص ۶۶۹ ۔ ۷۰۴ ، ۷۹۱)

ضمیمہ ۴

عہد پاکستان

تحریک پاکستان

پاکستان ، برصغیر کے مجاہدان اسلام ، بزرگان دین اور علمائے کرام کی طویل جدوجہد کا ثمر ہے ۔ نظریہ پاکستان کی بنیاد حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی کے ہاتھوں شہنشاہ ہند جلال الدین محمد اکبر اور اس کے بیٹے نور الدین محمد جہانگیر کے دور ہی دینی و غیر اسلامی میں پڑچکی تھی ۔ شاہجہان اور اورنگ زیب کے عہد میں اسلامی اقدار اور دین اسلام کو قدرے تحفظ ملا لیکن اورنگ زیب کی اولاد کی ناعاقبت اندیشیوں کی بناء پر مسلمانوں کے ہندوستان پر آٹھ سو سالہ دور اقتدار نے دم توڑ دیا ۔

حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی ، شاہ عبدالعزیز کے بعد حضرت اسمٰعیل شہید اور ان کے مرشد سید احمد شہید بریلوی نے ہندوستان میں فرنگیوں کی غلامی سے نجات حاصل کرنے اور اللہ کے دین کو نافذ کرنے کی خاطر سنہ ۱۸۳۱ء میں بالاکوٹ (۱) میں جانیں نثار کردیں (۲) اس کے علاوہ ۱۸۵۷ء کی تحریک آزادی کی ناکامی کے بعد انگریزوں نے ہندوؤں کو اپنا ہم نوا و ہم خیال بناکر مسلمانان ہند کی تہذیب و ثقافت اور تاریخ و روایات کو تباہ و برباد کرنے کے منصوبہ کو عملی جامہ پہنانے کیلئے طرح طرح کے حربے استعمال کئے ۔ ۱۸۶۷ء میں ہندوؤں نے سرکاری دفتروں اور عدالتوں میں اردو فارسی کے بجائے ہندی اور دیوناگری رسم الخط رائج کرنے کی پرزور تحریک چلائی ۔

سرسید احمد خان نے محسوس کیا کہ ہندو مسلم دو علیحدہ قومیں ہیں ۔ ان کا مذہب ، کلچر اور نظریہ حیات جداگانہ ہے ۔ سرسید نے اعلان کردیا کہ مسلمان ایک علیحدہ قومیت اور نظریات کے حامل ہیں ۔ ایک الگ مملکت کی تشکیل کے بغیر مسلمانوں کی قومیت اور ثقافت کا تحفظ ممکن نہیں ۔ سرسید اور ان کے رفقائے کار نے آخری دم تک اس نظریہ قومیت

---

(۱) راقم الحروف کو بالا کوٹ کی زیارت کی سعادت حاصل ہے ۔

(۲) تحریک پاکستان میں سندھ نے بھی خاص کردار ادا کیا ہے جو ہماری قومی تاریخ کا ایک اہم حصہ ہے ۔ تفصیلات کیلئے ملاحظہ ہو "تحریک پاکستان میں سندھ کا کردار" مطبوعہ ماہنامہ پیغام کراچی شمارہ خاص مارچ ۱۹۷۸ء شائع کردہ شعبہ مطبوعات محکمہ اطلاعات سندھ کراچی ۔

کی بحالی کے لئے جدوجہد جاری رکھی ۔ سرسید کی کتاب " اسباب بغاوت ھند " اور ان کی تحریروں و تقریروں میں ان کے تعلیمی و قومی نظریات کی آئینہ دار ھیں ۔

۱۸۸۵ء میں انڈین نیشنل کانگریس نے جنم لیا ۔ ۱۹۰۵ء میں مسلم اکثریتی صوبے بنگال اور آسام کی تقسیم عمل میں آئی لیکن ھندوؤں نے " ھندو مسلم ایک قوم " کا فریب دیکر ۱۲ دسمبر ۱۹۱۱ء کو یہ تقسیم انگریز بہادر سے منسوخ کرالی ۔ سرسید احمد خان کے رفیق کار نواب محسن الملک کی تحریک ، مولانا محمد علی جوہر ، مولانا ظفر علی خان ، حکیم اجمل خان کی تائید سے ۳۰ دسمبر ۱۹۰۶ء کو نواب سر سلیم اللہ کی رہائش گاہ بمقام ڈھاکہ (سابق مشرقی پاکستان) میں مسلمانوں کی ایک تنظیم مسلم لیگ عالم وجود میں آئی ۔ سارے ھندوستان کے مسلمان اس پرچم تلے جمع ہوگئے ۔ مسلم لیگ نے برصغیر کے مسلمانوں میں سیاسی شعور اور قومی بیداری کی روح پھونک دی ۔

۱۹۱۴ء میں برطانیہ اور جرمنی کے درمیان پہلی عالمی جنگ (جو ۱۹۱۸ء تک جاری رہی) چھڑ گئی ۔ مسلمانان ھند نے خلیفہ اسلام سلطان ترکی کو امداد پہنچانے کی موثر تحریک چلائی ۔ انگریزوں نے اس تحریک سے باز رھنے کے صلے میں مسلمانوں کے مطالبات ماننے کے وعدے کئے لیکن انگریز اپنے وعدوں سے پھر گئے اور ترکی و بلقان کے خلاف معاندانہ رویہ اختیار کیا جسکے ردعمل کے طور پر مولانا محمد علی جوہر اور مولانا شوکت علی کی قیادت میں خلافت تحریک شروع ہوئی ۔ پھر عدم تعاون تحریک اور حادثہ جلیاں والا باغ نے مسلمانوں کے حق میں حالات زیادہ بگاڑ دیئے ۔ ادھر ھندوؤں نے مسلمانوں کے خلاف بیک وقت کئی تحریکیں چلادیں جن میں " شدھی تحریک " سب سے زیادہ خطرناک اور اشتعال انگیز تھی ۔ شدھی تحریک کے تحت مسلمانوں کو اسلام ترک کرنے اور ھندو مذھب قبول کرنے پر آمادہ کرنے کی ناپاک سازش کی گئی جبرو تشدد ، ظلم و استبداد کا سلوک روا رکھا گیا ۔ ھندو مسلم فسادات کا لامتناھی سلسلہ جاری ھوا ۔ ستم بالائے ستم یہ کہ اسی عرصے میں ۱۹۲۸ء میں نہرو رپورٹ میں مسلم قومیت کی حقیقت سے قطعی انکار کردیا گیا اور ھندو مسلم اشتراک سے حکومت تشکیل دینے کی پیشکش کی گئی ۔

۱۹۳۰ء میں مصور پاکستان علامہ ڈاکٹر سر محمد اقبال نے الہ آباد کے اجلاس میں اسلامی نظریات کی بنیاد پر ایک علیحدہ اور خود مختار " ریاست بنانے کی تجویز پیش کی ۔
۱۹۳۴ء میں قائد اعظم محمد علی جناح کو مسلم لیگ کا تاحیات صدر تسلیم کیا گیا ۔

۲۳ مارچ ۱۹۴۰ء کو لاهور مین (اس مقام پر جو اس زمانے مین منٹو پارک کے نام سے موسوم تھا اب مینار قرار داد پاکستان ، اقبال پارک) ۲۳ مارچ کی اهمیت کی یاد دلاتا هے - قرارداد پاکستان منظور کی گئی - اس قرار داد کو شیر بنگال مولوی فضل الحق نے پیش کیا تھا جس مین ایک آزاد ملک (پاکستان) حاصل کرنے کا مطالبہ کیا گیا تھا -

اسی عرصے مین پورا هندوستان دوسری عالمگیر جنگ (۱۹۳۹ء تا ۱۹۴۵ء) کے شعلون کی لپیٹ مین آگیا - انگریز مسلمانون کے خلاف طرح طرح کی چالین چلتے رهے اور هندوون سے ساز باز کرتے رهے لیکن تحریک پاکستان (" لے کے رهین گے پاکستان ") روز بروز زور پکڑتی گئی دسمبر ۱۹۴۵ء مین عام انتخابات هوئے (۱) مسلم لیگ کو سو فیصد کامیابی حاصل هوئی -

۱۹۴۶ء مین هندو مسلم مخلوط وزارت " عبوری حکومت " کے نام سے قائم هوئی لیکن وہ هندو مسلم خونریز فسادات کی نذر هوگئی - هندوستان کے گورنر جنرل لارڈ ویول ~~~~~ انگلستان واپس بلالئے گئے ان کی جگہ لارڈ ماونٹ بیٹن هندوستان کے گورنر جنرل هوکر آئے جن کی نگرانی مین تقسیم هند کی کاروائیان عمل مین آئین - ریڈ کلیف کمیشن (جو هندوون سے ملا هوا تھا) نے مسلم اور غیر مسلم اکثریتی علاقون کی بنیاد پر بنگال اور پنجاب کو تقسیم کرکے اس کی حدین مقرر کردین اس کے بعد منقسم بنگال اور پنجاب کے علاوہ سندھ سرحد بلوچستان کے (پانچ) صوبون کو ایک حدود مین شامل کرکے ایک آزاد و خود مختار ملک کی تشکیل کی گئی جو پاکستان کے نام سے دنیا کے نقشے پر ابھر آیا -
۲۷ رمضان المبارک ۱۳۶۶ ھ مطابق ۱۴ اگست ۱۹۴۷ء وہ تاریخ هے جس تاریخ کو پاکستان معرض وجود مین آیا -

قائد اعظم محمد علی جناح پاکستان کے پہلے گورنر جنرل اور قومی اسمبلی کے پہلے صدر منتخب هوئے لیکن انهین اسلامی نظریات پر مبنی پاکستان کی تعمیر و ترقی کی مہلت نہ ملی وہ ۱۱ ستمبر ۱۹۴۸ء کو اللہ کے پیارے هوگئے -

نظریہ پاکستان کے پیش نظر هر پاکستانی کی هر سانس اپنے وطن عزیز کی مُحبّت و اخوت تعمیر و ترقی، بقا و استحکام اللہ اور اسکے رسولؐ کے دین کی سلامتی و سربلندی کیلئے وقف هونی چاهئے همین اپنی منزل مقصود تک پہنچنے کیلئے انفرادی و اجتماعی طور پر محنت و دیانت کے ساتھ مسلسل جدوجہد جاری رکھنے کی سخت ضرورت هے - پاکستان پائندہ باد -

---

(۱) اس سلسلےمین قائد اعظم کے زیر صدارت کلکتہ مین جو جلسے هوئے ان مین اس خاکسار (وفا راشدی) کو بھی شرکت کا شرف حاصل هے اسکے علاوہ اس عاجز کو عام انتخابات کے سلسلے مین بھی کچھ خدمات انجام دینے کی سعادت نصیب هوئی هے -

ضمیمہ ۵

اردو، سندھی ادب کے سرچشمے

ادبی انجمنیں

۱۹۴۷ کے بعد ادبی انجمنوں کا قیام عمل میں آیا ۔ کئی انجمنیں پہلے سے قائم تھیں ۔ ان انجمنوں کے زیر اہتمام مشاعرے اور ادبی اجتماعات منعقد ہوتے رہے ہیں ۔ سندھ کے کسی نہ کسی پہلووں سے متعلق متعدد اردو اور سندھی کتابیں شائع ہوئیں ۔ اس نوعیت کے چند انجمنوں کے نام یہ ہیں

کراچی = سندھی ادبی سنگت ، محفل احباب ، بزم نظامی ، سندھی ادبی سوسائٹی

حیدرآباد = مسلم ادبی سوسائٹی ، سندھی مرکزی بورڈ ، سندھی ساہت سوسائٹی ، جمعیت الشعرائے سندھ ، بزم خلیل (۱) ۔

خیرپور ڈویژن = سکھر ، پاکستان رائٹرز گلڈ ذیلی حلقہ (۲) سکھر ، بزم ادب ، انجمن فروغ ادب ، ادبی سرکل ، ادبی سنگت ، ادبستان ، ادبی سوسائٹی ، مجلس ادب ۔ روہڑی ۔ المنظر ، خیرپور ۔ ادبستان ، جمعیت الشعرائے سندھ ۔

گھوٹکی = جمعیت الشعرائے سندھ ، جھوک شریف ۔ بزم سخن ، دادو ۔ آفتاب ادب ، لاڑکانہ ۔ سندھ سدھار سوسائٹی ، بزم ادب شکار پور ۔ بزم ادب ، ہالا ۔ انجمن علم و ادب ، ادارہ روح ادب

---

(۱) ڈاکٹر شیخ ابراہیم خلیل کے اہل ذوق شاگردوں نے قیام پاکستان سے قبل " بزم خلیل " کی داغ بیل ڈالی ۔ جب سے اب تک خلیل صاحب کی رہائش گاہ پر پہلے ہر اتوار اور اب ہر جمعہ کی شام کو پابندی سے اردو سندھی اہل قلم کا اجتماع ہوتا ہے جس میں ادبی گفتگو بھی ہوتی ہے اور مشاعرے بھی ۔

(۲) پاکستان رائٹرز گلڈ سکھر کی سندھی اردو کانفرنسیں منعقدہ ۱۹۵۰ء ، ۱۹۵۳ء ، اور ۱۹۵۸ء یادگار ہیں ۔ اس ادارے کے سکریٹری آفاق صدیقی نے شیخ ایاز اور عبدالرزاق راز کے تعاون سے کئی مفید کتابیں اجتماعات ، ریگزار کے موتی بوٹے گل ناولٹ ، ماروی کے دیس میں (لوک کہانیاں) وغیرہ شائع کی ہیں ۔

اشاعتی ادارے

قیام پاکستان کے بعد چند نجی اشاعت گھر مثلاً آر ایچ احمد برادرز ، آزاد بکڈپو ، یوسف برادرز حیدرآباد ، عباسی بکڈپو ، ماڈرن سندھی ھاوس کراچی اور رفیق پبلیکشنز - ھالا نے سندھی زبان میں کئی اچھی کتابیں شائع کیں لیکن ان میں زیب ادبی مرکز حیدرآباد (ناشر و نگران احمد شیخ ، قیام ۱۹۷۲ء) وہ اہم ادارہ ہے جسکی مطبوعات علمی ادبی ، تاریخی و ثقافتی اعتبار سے بڑی اہمیت و افادیت کی حامل ہیں - زیب ادبی مرکز کی چند قابل ذکر مطبوعات حسب ذیل ہیں جو سندھ پرنٹنگ پریس سے طبع ہوئیں -

۱) ڈاکٹر شیخ ابراھیم خلیل کی تصانیف = بیت اللہ (مسجد نبوی کی جامع تاریخ) ، رہنمائے شاعری (۳ جلدوں میں) انتخاب خلیل ، بلبل سندھ (تذکرہ شمس الدین بلبل) عبرت کدہ (نفسیاتی و تجرباتی افسانوں کا مجموعہ تین حصوں میں) ، ادب اور تنقید سندھی رباعیات ، سندھی مثنویان -

۲) شیخ عبدالمجید سندھی = فتح اسپین

۳) ڈاکٹر غلام علی الانا = سندھی نثر جی تاریخ ، سندھی بولی جو بنیاد

۴) ڈاکٹر نبی بخش خان بلوچ = سندھی بولی جی مختصر تاریخ

۵) ڈاکٹر عبدالجبار جونیجو = لاڑ جی لغات

۶) عبدالقیوم صائب = سرد ہڑ ، تاریخ ہند و پاکستان ، سر سختی ، سرمایہ (چار ~~مقالات~~

۷) ممتاز مرزا = آخری رات (ٹی وی ریڈیائی ڈراموں کا مجموعہ)

۸) شیخ ایاز = وجوں و سوئیں آکھوں ،

حکومت پاکستان کی توجہ سے کئی بڑے طباعتی و اشاعتی ادارے عالم وجود میں آئے - ان اداروں نے سندھ سے متعلق قدیم عربی فارسی مخطوطات و دستاویزات کو سندھی میں منتقل کیا سندھ کی تاریخ ، ثقافت ، معاشرت ، تعلیم اور مختلف علوم و فنون سے متعلق کتابیں لکھوا کر شائع کیں - اسطرح مہران کے مالک ، مہران کی موجوں اور مہران کے موتیوں کی دریافت سے علم و آگہی کا بہت بڑا ذخیرہ فراہم کیا ہے - یہ ذخیرہ پاکستان کے ایک تاریخی

خطہ سندھ کا قیمتی سرمایہ اور قومی رسرمایہ ہے ۔

اس سلسلہ میں جن اشاعتی اداروں نے گرانقدر خدمات انجام دی ہیں اور آج بھی پوری منصوبہ بندی کے ساتھ برسرعمل ہیں ان میں سے چند کی صراحت حسب ذیل ہے ۔

<u>سندھی ادبی بورڈ</u> = احاطہ سندھ یونیورسٹی جام شورو ، قیام ۱۹۵۱ء ، موجودہ صدر مولانا غلام مصطفیٰ قاسمی ، سکریٹری غلام ربانی ۔ سہ ماہی رسالہ " مہران " سن اجرا ۱۹۵۵ء اس کا ہر شمارہ خاص نمبر کی طرح ضخیم اور متنوع ہوتا ہے لیکن سوانح نمبر ۱۹۵۷ء اور شاعر نمبر ۶۶ء ادبی و تاریخی دستاویزات ہیں ۔

سندھی ادبی بورڈ نے حکومت کی سرپرستی میں سندھی زبان و ادب کی ترویج و اشاعت کے سلسلے میں وہی خدمات انجام دی ہیں جو فورٹ ولیم کالج کلکتہ نے اردو زبان و ادب کی ترقی و اشاعت کے سلسلے میں انجام دی تھیں ۔ سندھی ادبی بورڈ پاکستان کے علمی و ادبی اداروں میں ایک نہایت فعال اور مستعد ادارہ ہے ۔ بورڈ نے قدیم اور کلاسیکل مخطوطات و نوادرات کو جمع کیا اور منظم منصوبے کے تحت ان کو زیور اشاعت سے آراستہ کیا ۔ بورڈ کی مطبوعات سندھی کے علاوہ عربی فارسی ، اردو اور انگریزی میں بھی ہیں ۔ بورڈ کے مصنفین و مترجمین میں ملک کے نامور علماء ، ادباء ، محققین اور مورخین شامل ہیں ۔ جن کی تصنیفات ، تالیفات اور نگارشات تاریخ ، ادب ، سیاست ، ثقافت ، سوانح ، تذکرہ ، شخصیات وغیرہ تمام اہم علوم و فنون پر محیط ہیں ۔ اسلامی علوم اور صوفیائے کرام کی تعلیمات سے متعلق جن بزرگان دین اور اکابر علم و ادب کے دواوین اور افکار و معارف کو محفوظ کیا گیا ہے ان میں شاہ ولی اللہ ، شاہ لطیف شاہ عنایت رضوی ، سچل سرمست ، روحل فقیر ، فقیر بیدل ، محسن بیکس ، خلیفہ نبی بخش ، حضرت شاہ ولی اللہ ، حضرت مخدوم نوح سرور ہالائی ، مخدوم طالب مولی خاص طور پر قابل ذکر ہیں ۔ اب چند مطبوعات کی ایک مختصر فہرست درج ذیل ہے ۔

۱) سندھی زبان کا لوک ادب چالیس جلدوں میں

۲) سندھ کی مستند تاریخ ۹ جلدوں میں (آریاؤں کے عہد سے پاکستان تک)

	مصنفین و مترجمین	مطبوعات
۱)	علامہ آئی آئی قاضی	شاہ جو رسالو
۲)	حکیم فتح محمد سیوہانی	حیات النبی ، آفتاب ادب

۳) ڀیرومل مہر چند اڈواڻی	سندھی بولی جی تاریخ ، قدیم سندھ
۴) مرزا قلیچ بیگ	دیوان قلیچ ، تحفتہ النسواں ، مقالات الحکمت ، لغات لطیفی ، قدیم سندھ ـ
۵) محبوب علی چنا	کلیات امین
۶) عثمان علی انصاری	رسالہ سچل سرمست
۷) صادق رانیپوری	سچل جو سرائیکی کلام ، سیف الملوک
۸) ڈاکٹر نبی بخش بلوچ	جامع سندھی لغات ، لوک کہاڻیاں (سات جلد) ، سندھی قصے ، لوک گیت ، لیلا چنیسر ، خلیفی جو رسالو ، کلیات سانگی ، کلیات لغاری
۹) عبدالحسین شاہ موسوی	دیوان بیدل ، دیوان بیکس
۱۰) لطف اللہ بدوی	(مصنف تذکرہ لطفی تین حصص) کشڻی وارن جو کلام ، کلیات خادم ، چار درویش
۱۱) مولائی شیدائی	جنت السندھ ،
۱۲) عارف المولیٰ	کلام حسن بخش شاہ
۱۳) جی ایم سید	رہاں ، شاہ جوں وایوں و کافیوں
۱۴) غلام حسین جلبانی	کیمیائے سعادت ، کامیابی ، چھوکارو
۱۵) سید حسام الدین راشدی	تذکرہ امیر خانی
۱۶) مخدوم امیر احمد	چچ نامہ ، تحفتہ الکرام ، تاریخ معصومی
۱۷) سراج الحق میمن	سندھ جی اقتصادی تاریخ
۱۸) شمشیر الحیدری	تاریخ کلہوڑا ، امریکا جو سیاسی سرشتو
۱۹) سید غلام مصطفیٰ شاہ	سیر و سفر
۲۰) نیاز ہمایونی	فرہنگ جعفری (۳ جلدوں میں) ، دیوان مفتون
۲۱) ڈاکٹر علی احمد قاضی	تن و تندرستی ، جنرل سائنس ، نفسیات
۲۲) ڈاکٹر اسد اللہ شاہ اسد ٹھٹوائی	تذکرہ شعرائے ٹھٹہ ، مقدمہ ابن خلدون کلیات ڈیگلر
۲۳) رشید احمد لاشاری	کلیات گدا ، شکنتلا ، نل دمنی
۲۴) رشید بھٹی	ریاست و آزادی ، دنیا کے عظیم افسانے

اسٹی ٹیوٹ آف سندھالوجی : ذیلی ادارہ سندھ یونیورسٹی جام شورو ، قیام ۱۹۶۳ء " موسوم
بہ سندھی اکیڈیمی ، سرپرست محمد الیاس ابڑو ، وائس چانسلر
سندھ یونیورسٹی ، نگران پروفیسر انچارج ڈاکٹر خواجہ غلام علی الانا

اسٹی ٹیوٹ آف سندھالوجی سندھ یونیورسٹی کیمپس جام شورو میں مزار علامہ آئی آئی قاضی کے قریب لب سڑک سپرہائی وے پر ایک جدید طرز کی حسین و دلکش قبہ نما عمارت میں قائم ہے - اس خوبصورت عمارت میں سندھ کے قدیم تہذیبی آثار و نوادرات سے مزین عجائب گھر ، مختلف علوم و فنون سے متعلق چالیس ہزار سے زائد کتب و دستاویزات پر مشتمل عظیم تحقیقی کتب خانہ شعبہ مخطوطات و دستاویزات ، سندھ آرٹس گیلری ، انتھراپائی لاجیکل ریسرچ سینٹر ، فوٹوگرافک سیکشن ، شعبہ ساز و آواز ، مائیکرو فارم اور کتب خانہ جس حسن سلیقہ اور حسن ذوق سے آراستہ ہیں وہ سندھیا لاجی کے روح رواں ڈاکٹر غلام علی الانا کی محنت شاقہ ، حسن کارکردگی ذوق نظر اور شوق جستجو کا آئینہ دار ہیں -

شعبہ تصنیف ، تالیف و ترجمہ اور نشر و اشاعت کے زیر اہتمام سندھ کی تاریخ ، تہذیب ، ثقافت تہذیب ، زندگی ، علم و ادب سے متعلق نہ صرف سندھی بلکہ انگریزی ، پنجابی اور اردو میں اسی (۸۰) کے قریب کتابیں شائع ہوچکی ہیں جن میں پی ایچ ڈی کے مقالات (----) بھی شامل ہیں -

رسائل و رجرائشد : ۱) علمی آئینو مطبوعہ سالانہ ۱۹۷۲ء تا ۱۹۷۵ء
۲) سالنامہ پرک (پرکھ) ۱۹۷۷ء
۳) سہ ماہی سندھی ادب (اقبال نمبر ، سندھی ادب نمبر ، قائد اعظم نمبر)

سندھی مطبوعات :

مصنفین و مترجمین	مطبوعات
۱) ڈاکٹر غلام علی الانا	منتخب دیوان فاضل ، سندھی بولی جا لسانی جغرافیہ ، سندھی دیہی ادب جو کھلاگ ، سندھ لیکھکن جی ڈائرکٹری ، سندھی کتابن جی ببلوگرافی
۲) عبدالغفار سومرو	سندھی غزل جی ارتقاء
۳) شیخ عبدالرزاق راز	سندھی غزل جو تجزیو (تجزیہ)

۴)	ڈاکٹر نبی بخش بلوچ	سندھی اردو لغات ، اردو سندھی لغات (بہ اشتراک ڈاکٹر غلام مصطفے خان) ، شاہ لطف اللہ جو کلام ، شاہ شریف بھٹائی جو رسالو
۵)	مس رادہن خیانی	سندھی افسانے
۶)	غلام رسول بلوچ	سندھی مرثیہ نویسی
۷)	اللہ بخش نظامانی	سندھی لوک ادب جی ارتقائی تاریخ
۸)	غلام محمد سرور	مثنوی بو علی قلندر
۹)	علی نواز جتوئی	غزلن جو غنچو
۱۰)	غلام حسین جلبانی	شاہ ولی اللہ جی تعلیم
۱۱)	ڈاکٹر عبدالجبار جونیجو	لطیفیات
۱۲)	مولائی شیدائی	تاریخ تمدن سندھ
۱۳)	عبداللہ شیخ	داستان اندلس
۱۴)	جی ایم خسخیلی	بین الاقوامی اقتصادیات
۱۵)	عبدالکریم لغاری	سندھی ادب جی ارتقاء
۱۶)	عباس عنایت اللہ	سندھی ٹائپ رائٹر جا سکھیا
۱۷)	شیخ ایاز	جو بیجل نے آکھیا (پنجابی ترجمہ احمد سلیم)
		منتخب کلام ایاز " ~~حلقہ سر دار~~ کا " حلقہ میری زنجیر کا (منظوم اردو ترجمہ فہمیدہ ریاض)

ادارہ مطبوعات پاکستان کراچی : محکمۂ فلم و مطبوعات وفاقی حکومت پاکستان

سندھی ماھنامہ = نئین زندگی

ایڈیٹر علی الترتیب = مولانا عبدالواحد سندھی نائب رشید احمد لاشاری شمشیر الحیدری نائب محمو موسی سومرو ، شعبان بخت ، ڈاکٹر عبدالجبار لغاری

حسب ذیل مطبوعات نئین زندگی میں شائع شدہ منتخب تاریخی ، ادبی و سوانحی مضامین نظم و نثر پر مشتمل ھیں :

۱)	مہران جو موجون	مرتبہ حسام الدین راشدی	۱۹۶۳ء
۲)	مہران جا ماک	" مولانا عبدالواحد سندھی	۱۹۷۰ء
۳)	مہران جا موتی	" " "	۱۹۷۰ء

۴) ماک پڑا را بیل   مرتبہ حسام الدین راشدی
۵) مہران جون چولون   " شمیرہ زیدی
۶) سچل سرمست (حیات و کلام)   " پروفیسر عطا محمد حامی

شاہ ولی اللہ اکیڈیمی حیدرآباد :

قیام ۱۹۶۳ء، زیر سرپرستی محکمہ اوقات سندھ ، ڈائریکٹر مولانا غلام مصطفیٰ قاسمی
اغراض و مقاصد = بالعموم اسلامی علوم ، بالخصوص شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے افکار و معارف اور نظریات و تعلیمات (قرآن و حدیث کی روشنی میں) کی تشریح و شارحت اور توسیع و اشاعت ۔

رسائل =   ۱) ماہنامہ الرحیم (سندھی)
۲) ماہنامہ الولی (اردو)
۳) سالنامہ الحکمہ (انگریزی)

شاہ ولی اللہ اکیڈیمی نے علی الترتیب مولانا محمد سرور جامعی ، مولانا مخدوم امیر احمد اور مولانا غلام مصطفیٰ قاسمی (موجودہ نگران و ڈائریکٹر) کی نگرانی میں شاہ ولی اللہ کی تصانیف کے علاوہ مولانا عبیداللہ سندھی ، ڈاکٹر ہالے پوٹا ، محمد سرور جامعی اور دیگر علماء و محققین کی نہایت مفید و مستند کتابیں شائع کی ہیں ۔ یہ مطبوعات سندھی کے علاوہ عربی فارسی اور اردو میں بھی ہیں ۔ کچھ مطبوعات کی تفصیلات زیر نظر مقالہ میں مولانا عبیداللہ سندھی اور مولانا غلام مصطفیٰ قاسمی کے تذکروں میں شامل ہیں ۔

سندھی صحافت

سندھی صحافت کا ذکر کئے بغیر سندھی ادب کا تذکرہ نامکمل رہ جائے گا ۔ پاکستان سے پہلے سندھ (بشمول کراچی) میں کچھ رسائل و اخبارات شائع ہوئے تھے ۔ پاکستان بننے کے بعد کچھ بند ہوگئے اور کچھ نئے جاری ہوئے ۔ ان رسائل و اخبارات نے عوام میں سیاسی ، ثقافتی ، علمی ادبی احساسات پیدا کئے ۔ قومی و ملی حمیت کو جھنجھوڑا سندھ کے مسلمانوں کو قومی نقطہ نظر/اور تحریک پاکستان کی ماہیت و اصلیت سے آگاہ کیا ۔
نظریہ پاکستان

ان اخبارات میں علمی ادبی سیاسی و ثقافتی مضامین اور نظمیں بھی شائع ہوتی تھیں - جن صحافیوں نے صحافت کی دنیا میں بے مثل کردار ادا کیا اور قوم و ادب کی ترقی و عروج کے ضمن میں دیوانہ وار حصہ لیا ان میں سے چند کے نام یہ ہیں :

مولانا دین محمد وفائی ، معاون شیخ عبدالرزاق راز (ایڈیٹر روزنامہ الوحید کراچی)

مولوی فتح محمد (مدیر الاصلاح)

قاضی عبدالرزاق (مدیر معارف)

علی محمد راشدی (مدیر ستارہ سندھ)

مولوی خیر محمد نظامانی (مدیر باب الاسلام ، الاصلاح ، کاروان، الوحید اور خاکسار)

مولوی عبدالغفور (مدیر نوائے سندھ)

علی محمد شیخ ، پیرزادہ بخشی (مدیر روزنامہ ہلال پاکستان) و (عبرت)

سید سردار علی شاہ (مدیر روزنامہ مہران)

سردار لطف علی ولی (مدیر خادم وطن)

ان کے علاوہ بھی کچھ اخبارات ہیں جو سکھر ، جیکب آباد ، لاڑکانہ وغیرہ سے شائع ہوتے اور بند ہوتے رہے ہیں -

---

سندھ کے چند کتب خانے جن سے استفادہ کیا گیا

	کتب خانے	مقام	معاونین کرام
۱)	سندھ یونیورسٹی لائبریری	جام شورو حیدرآباد	ڈاکٹر نجم الاسلام
۲)	انسٹی ٹیوٹ آف سندھالوجی	سندھ یونیورسٹی جام شورو	ڈاکٹر غلام علی الانا
۳)	سندھی ادبی بورڈ	" "	غلام ربانی/انور ہالائی
۴)	شاہ ولی اللہ اکیڈیمی	حیدرآباد	مولانا غلام مصطفٰے قاسمی
۵)	کراچی یونیورسٹی لائبریری	کراچی	عبداللہ قدسی
۶)	نجی کتبخانہ ڈاکٹر طاہر ملک	کراچی یونیورسٹی کیمپس	ڈاکٹر طاہر ملک
۷)	کتب خانہ نیشنل میوزیم	کراچی	مرزا نظام بیگ
۸)	کتب خانہ پیر جھنڈو	پیر جھنڈو سعید آباد	پیر وہب اللہ شاہ راشدی ، پیر حماد اللہ شاہ راشدی
۹)	لیاقت نیشنل لائبریری	کراچی	
۱۰)	نجی کتبخانہ ڈاکٹر غلام مصطفٰے خان	سندھ یونیورسٹی اولڈ کیمپس حیدرآباد	ڈاکٹر غلام مصطفٰے خان
۱۱)	نجی کتب خانہ خلیل	خلیل بلڈنگ لطیف آباد	ڈاکٹر شیخ ابراہیم خلیل، ڈاکٹر شیخ محمد اسمٰعیل
۱۲)	نجی کتبخانہ ڈاکٹر نجم الاسلام	لطیف آباد حیدرآباد	ڈاکٹر نجم الاسلام
۱۳)	نجی کتبخانہ حضور احمد سلیم	"	پروفیسر حضور احمد سلیم
۱۴)	کتبخانہ حسن جان سرہندی	ٹنڈو سائیں داد	پیر حکیم غلام محی الدین سرہندی
۱۵)	کتبخانہ زیب ادبی مرکز	حیدرآباد	احمد شیخ
۱۶)	انجمن ترقی اردو	کراچی	پروفیسر شبیر علی کاظمی، افسرامروہوی
۱۷)	میونسپل لائبریری	سکھر	شیخ عبدالرزاق راز ، آفاق صدیقی
۱۸)	سندھ گورنمنٹ کالج آف کامرس، سٹی آرٹس کالج لائبریری	حیدرآباد	پرنسپل سید قوی احمد

کتابیات

اردو

۱) چچ نامہ (فتح نامہ سندھ) ، اردو ترجمہ اختر رضوی
محقق و شارح ڈاکٹر نبی بخش خان بلوچ ، مطبوعہ سندھی ادبی بورڈ ، حیدرآباد سندھ ۱۹۶۳ء

۲) تاریخ معصومی ، تصنیف میر محمد معصوم بکھری
اردو ترجمہ اختر رضوی تصحیح و حواشی ڈاکٹر نبی بخش بلوچ ، حیدرآباد سندھ ، ۱۹۵۹ء

۳) تحفۃ الکرام ، تصنیف میر علی شیر قانع ٹھٹھوی (اردو ترجمہ)
تصحیح و حواشی مخدوم امیر احمد ، ڈاکٹر نبی بخش بلوچ ، " "

۴) تاریخ سندھ جلد اول دوم (عہد کلہوڑہ) ، مولانا غلام رسول مہر ، حیدرآباد ، ۱۹۵۸ء

۵) تاریخ سندھ ، مولوی ابو ظفر ندوی ، دارالمصنفین ، اعظم گڑھ ، ۱۹۳۲ء

۶) تاریخ سندھ ، حصہ اول دوم ، اعجاز الحق قدوسی ، مرکزی اردو بورڈ لاہور ، ۱۹۷۱ء

۷) تاریخ اسلام (تین حصے) ، مولانا اکبر شاہ خان نجیب آبادی ، نفیس اکیڈیمی کراچی

۸) بزم مملوکیہ مرتبہ صباح الدین عبدالرحمن ، مطبع معارف اعظم گڑھ ، ۱۹۵۴ء

۹) بزم صوفیہ " " " " "

۱۰) بزم تیموریہ " " " " "

۱۱) ثقافت پاکستان ، مولفہ شیخ محمد اکرام ، ادارہ مطبوعات پاکستان کراچی ، ۱۹۶۰ء

۱۲) آب کوثر " " فیروز سنز لاہور

۱۳) موج کوثر " " " "

۱۴) رود کوثر " " " "

۱۵) تاریخ پاکستان و ہند جلد اول و دوم ، سید عبدالقادر ، حق برادرز لاہور ، ۱۹۵۳ء

۱۶) اخبار الاخیار ، اسرار الابرار ، تصنیف شیخ عبدالحق محدث دهلوی
اردو ترجمہ (انوار صوفیہ) لطیف ملک ، شعاع ادب لاہور ، ۱۹۶۲ء

۱۷) تذکرہ اولیائے ہند (جلد اول تا سوم) مصنفہ مرزا محمد اختر دہلوی ،
کتب خانہ میسور پریس دہلی ، ۱۹۲۸ء

۱۸) تذکرہ علمائے ہند مولفہ مولوی رحمٰن علی ، اردو ترجمہ پروفیسر ایوب قادری
پاکستان ہسٹاریکل سوسائٹی ، کراچی ، ۱۹۶۲ء

۱۹) تذکرہ علماء و المشائخ ، محمد دین فوق ، گلزار محمدیہ اسٹیم پریس لاہور ، ۱۹۳۰ء

۲۰) حیات العلماء ، مولوی عبدالباقی سہوانی ، نولکشور پریس لکھنو ، ۱۹۲۲ء

۲۱) علمائے ہند کا شاندار ماضی (سہ جلد) مولانا محمد میاں دہلوی ، ۱۹۳۲ء

۲۲) عہد اسلامی کا ہندوستان ریاست علی ندوی ، ادارۃالمصنفین پٹنہ ، ۱۹۵۰ء

۲۳) برہانپور کے سندھی اولیاء ، سید مطیع اللہ راشد برہانپوری ، سندھی ادبی بورڈ ، ۱۹۵۷ء

۲۴) تذکرہ صوفیائے سندھ ، اعجاز الحق قدوسی ، اردو اکیڈیمی سندھ کراچی ، ۱۹۵۹ء

۲۵) اولیائے سواری شریف ، ڈاکٹر مولچند بخشانی ترجمہ عبدالکریم جان تالپور درگاہ سواری شریف ۱۹۷۶ء

۲۶) سرزمین سندھ میں علم حدیث (قلمی) مخدوم امیراحمد مملوکہ مخدوم غلام احمد حیدرآباد

۲۷) سندھی ادب ، سید حسام الدین راشدی ، ادارہ مطبوعات پاکستان کراچی

۲۸) سندھی ادب کے مختلف رجحانات ، پروفیسر محبوب علی چنہ ، سندھ پرنٹنگ پریس ۱۹۷۴ء

۲۹) سندھ میں اردو شاعری ، ڈاکٹر نبی بخش خان بلوچ ، مہران آرٹس کاونسل حیدرآباد ۱۹۷۵ء

۳۰) سندھ کے جدید اردو شعراء پروفیسر مشتاق جعفری سندھ یونیورسٹی پریس حیدرآباد ۱۹۶۱ء

۳۱) اردو سندھی کے لسانی روابط ، ڈاکٹر شرف الدین اصلاحی

۳۲) سندھ میں اردو مخطوطات ، علی احمد زیدی ، مرکزی اردو بورڈ ، ۱۹۶۹ء

۳۳) سندھ میں اردو مطبوعات ، عبدالجلیل ، اسلام اختر ، مرکزی اردو بورڈ ، ۱۹۷۰ء

۳۴) شاہ ولی اللہ اور ان کی سیاسی تحریک ، مولانا عبیداللہ سندھی
(مطبوعہ شاہ ولی اللہ اکیڈیمی حیدرآباد)

۳۵) امام ولی اللہ دہلوی کی حکمت کا اجمالی تعارف ، مولانا عبیداللہ سندھی ، مکتبہ الفرقان لکھنو

۳۶) مرزا غازی خان ترخانی اور اسکی بزم ادب ، حسام الدین راشدی ،
انجمن ترقی اردو ، کراچی ، ۱۹۷۰ء

۳۷) سید احمد شہید ، مولانا غلام رسول مہر ، کتاب منزل لاہور

۳۸) شعرالعجم ، علامہ شبلی نعمانی ، دارالمصنفین ، اعظم گڑھ ، ۱۹۳۷ء

۳۹) روح تصوف ، مولانا اشرف علی تھانوی ، دارالاشاعت کراچی ، ۱۹۶۳ء

۴۰) نقوش سلیمانی ، سید سلیمان ندوی ، دارالمصنفین ، اعظم گڑھ ، ۱۹۳۹ء

۴۱) تاریخ ادبیات مسلمانان پاکستان و ہند (تیرھویں جلد)
پنجاب یونیورسٹی ، لاہور ، ۱۹۷۱ء

۴۲) ارض ملتان ، شیخ اکرام الحق ، شعبہ نشر و اشاعت الاکرام ملتان ، ۱۹۷۱ء

۴۳) اردو کی نشو و نما میں صوفیائے کرام کا کام ، مولوی عبدالحق ، انجمن ترقی اردو کراچی ۱۹۵۳ء

۴۴) داستان تاریخ اردو ، حامد حسن قادری ، اردو اکیڈیمی سندھ (تیسرا ایڈیشن) ۱۹۶۶ء

۴۵) تاریخ ادب اردو ، رام بابو سکسینہ ، نولکشور لکھنو ، تیسرا ایڈیشن

۴۶) داستان اردو ، نواب نصیر حسین خیال ، ادارہ اشاعت اردو حیدرآباد دکن ، ۱۹۳۳ء

۴۷) تاریخ ادب اردو (حصہ اول) ڈاکٹر جمیل جالبی مجلس ترقی ادب لاہور

۴۸) پنجاب میں اردو ، پروفیسر محمود شیرانی (طبع سوم) مکتبہ معین الادب لاہور ، ۱۹۲۹ء

۴۹) دکن میں اردو ، نصیر الدین ہاشمی (پانچواں ایڈیشن) اردو اکیڈیمی سندھ

۵۰) بنگال میں اردو ، وفا راشدی ، مکتبہ اشاعت اردو حیدرآباد سندھ ۱۹۵۵ء

۵۱) ارباب نثر اردو ، پروفیسر سید محمد ، مکتبہ معین الادب لاہور ، ۱۹۵۰ء

۵۲) بلوچستان میں اردو ، ڈاکٹر انعام الحق کوثر ، ترقی اردو بورڈ لاہور ، ۱۹۶۸ء

۵۳) اردو غزل ، ڈاکٹر یوسف حسین خان ، اعظم اسٹیم پریس حیدرآباد دکن

۵۴) تاریخ نثر اردو (جلد اول) احسن مارہروی ، مسلم یونیورسٹی علیگڑھ ، ۱۹۳۰ء

۵۵) ثقافتی اردو ، ڈاکٹر غلام مصطفی خان ، مکتبہ نیا دور کراچی ، ۱۹۶۱ء

۵۶) علمی نقوش ، " " اعلی کتب خانہ کراچی، ۱۹۵۷ء

۵۷) ادبی جائزے ، " " کراچی ۱۹۵۹ء

۵۸) اردو پر فارسی کا اثر " "

۵۹) حیات سعیدیہ ، مولانا زوار حسین شاہ ، ادارہ مجددیہ کراچی

۶۰) سیر المصنفین ، مولوی محمد یحی تنہا ، شیخ مبارک علی لاہور طبع دوم ۱۹۳۸ء

۶۱) مسلمانان کراچی و سندھ کی تعلیم ، سید مصطفی علی بریلوی ،
آل پاکستان ایجوکیشنل کانفرنس ، کراچی ، ۱۹۶۸ء

۶۲) حیات صبغت اللہ شاہ ایرانی ، اردو ترجمہ حکیم ذوقی ادارہ المصطفی حیدرآباد ۱۹۶۹ء

۶۳) میکدہ مصطفائی ، مولفہ پروفیسر علی نواز جتوئی " " ۱۹۶۵ء

۶۴) مینائے مصطفائی (دور اول دوم) " " " ۱۹۶۰ء

۶۵) سماجی انصاف اور اجتماعیت شاہ ولی اللہ کی نظر میں ،
مولانا غلام مصطفی قاسمی ، شاہ ولی اللہ اکیڈیمی حیدرآباد ، ۱۹۷۳ء

۶۶) خطبات و مقالات مولانا عبیداللہ سندھی ، سندھ ساگر اکادمی لاہور ، اشاعت دوم ، ۱۹۷۰ء

۶۷) سرسید احمد خان اور ان کے نامور رفقاء ، ڈاکٹر سید عبداللہ ، مکتبہ کاروان لاہور ۱۹۶۰ء
کی نثر کا فکری اور فنی جائزہ

۶۸) جدید اردو شاعری ، پروفیسر عبدالقادر سروری ، شیخ غلام اینڈ سنز لاہور اشاعت چہارم ۱۹۶۲

۶۹) پاکستان کی علاقائی زبانوں پر فارسی کا اثر ، ادارہ مطبوعات پاکستان کراچی ، ۱۹۵۵ء

۷۰) حیات قلندر شاہ ، پروفیسر حضور احمد سلیم ، مکتبہ مسعود لطیف آباد ، ۱۹۷۸ء

۷۱) نسب نامہ الف خان بہشتی ، " " " " ۱۹۸۰ء

۷۲) علی گڑھ تحریک کا شاہکار ، سید الطاف علی بریلوی ، آل پاکستان ایجوکیشنل کانفرنس کراچی ۱۹۵۳ء

۷۳) تاریخ اسلام ، محمود الحسن صدیقی ، مطبوعہ سلور برفرٹ کمپنی ، نیویارک ، ۱۹۵۳ء

۷۳) تاریخ ہند و پاکستان ، ریاض الاسلام ، " " " "

۷۵) تاریخ فیروز شاہی ، ضیاء الدین برنی ترجمہ ڈاکٹر سید معین الحق ، مرکزی اردو بورڈ
لاہور (بار اول) ۱۹۶۹ء

۷۶) تاریخ فیروز شاہی ، شمس سراج عفیف ، ترجمہ مولوی فدا علی ، نفیس اکیڈمی کراچی ۱۹۶۵ء

۷۷) تاریخ فرشتہ ، جلد اول دوم ، محمد قاسم فرشتہ ترجمہ عبدالحئی خواجہ
شیخ غلام علی اینڈ سنز لاہور ، اشاعت دوم ، ۱۹۷۳ء

۷۸) انگریزی عہد میں ہندوستان کے تمدن کی تاریخ ، علامہ عبداللہ یوسف علی ، کریم سنز
کراچی ، ۱۹۶۷ء

۷۹) تحریک پاکستان (افکار و مسائل) گورنمنٹ نیشنل کالج ، کراچی ، ۱۹۷۹ء

۸۰) تہذیب و تمدن اسلامی (حصہ اول تا سوم) رشید اختر ندوی
ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور ۱۹۵۳ء

۸۱) تقویم ہجری و عیسوی مرتبہ ابوالنصر محمد خالدی
انجمن ترقی اردو ہند دہلی ۱۹۳۹ء

سنڌي

١) تذڪره لطفي (جلد اول تا سوم) لطف الله بدوي، ناشران نئي لعل بهوڪر داس بڪ سيلرز، ڪراچي، ١١٣٦ هه (١٩٥٢ع)

٢) تذڪره مشاهير سنڌ، تصنيف دين محمد وفائي، تحقيق و حواشي حسام الدين راشدي، سنڌي ادبي بورڊ، ١٩٧٤ع

٣) تذڪره امير خاني، حسام الدين راشدي، سنڌي ادبي بورڊ،

٤) تذڪره شعرائ ٺٽو، اسدالله شاه، " " ١٩٥٩ع

٥) قديم سنڌ، مرزا قليچ بيگ، " "

٦) جنت السنڌ، مولائي شيدائي، " "

٧) سنڌي نثر جي تاريخ، ڊاڪٽر خواجه غلام علي الانا، سنڌ يونيورسٽي پريس حيدرآباد ١٩٦٦ع

٨) سنڌي مصنفين جي ڊائرڪٽري " " انسٽيٽيوٽ آف سنڌالوجي، ١٩٦٨ع

٩) سنڌي نثر جي ادبي تاريخ، محمد صديق ميمڻ، حيدرآباد، ١٩٥٣ع

١٠) سنڌي نثر جي تاريخ، پروفيسر منگهارام ملڪاڻي (پاڪستاني ايڊيشن)، زيب ادبي مرڪز، سنڌ يونيورسٽي پريس حيدرآباد، ١٩٧٧ع

١١) شاه جي رسالي جا سرچشما، تحقيق ڊاڪٽر نبي بخش، سنڌ يونيورسٽي پريس حيدرآباد، ١٩٧٤ع

١٢) شاه جي رسالي جي ترتيب " " " ١٩٧٤ع

١٣) بلبل سنڌ، ڊاڪٽر شيخ محمد ابراهيم خليل، ١٩٥١ع

١٤) مهراڻ جا موتي، مرتبه مولانا عبدالواحد سنڌي، اداره مطبوعات پاڪستان ڪراچي ١٩٧٠ع

١٥) مهراڻ جا ماڪ، " " " " ١٩٧٠ع

١٦) مهراڻ جو موجون مرتبه حسام الدين راشدي " " ١٩٦٤ع

١٧) فائق عليا فردوس، حڪيم عبدالحفيظ سرهندي، سرهندي پبليڪيشن ڪلهوڙي، ١٩٧٠ع

١٨) تاريخ مخاديم ڪلهوڙا (مخطوطه) مخدوم الله بخش عاصي مملوڪه مخدوم غلام احمد

١٩) سنڌي صحافت، ڪريم بخش خالد، حيدرآباد

٢٠) سنڌي ليڪسيڪوگرافي، ڊاڪٽر غلام علي الانا، انسٽيٽيوٽ آف سنڌالوجي، ١٩٧٤ع

٢١) مانجهيءَ جا رابيل، مرتبه حسام الدين راشدي، مطبوعه پاڪستان پبليڪيشن ڪراچي

٢٢) سچل سرمست (حيات و ڪلام) پروفيسر عطا محمد حامي " ١٩٦٤

٢٣) ادب ۽ تنقيد ڊاڪٽر شيخ ابراهيم خليل زيب ادبي مرڪز حيدرآباد ١٩٧٦ع

٢٤) سنڌي ٻوليءَ جي مختصر تاريخ - ڊاڪٽر [illegible] زيب ادبي مرڪز ١٩٨٠ع

شعری مجموعے (سندھی اردو)

۷

۱) شاہ جو رسالو ، شاہ عبدالطیف بھٹائی ، نسخہ ھندوستان کتاب گھر بمبئی ، ۱۹۵۸ء

۲) بیاض سندھی (شاہ جو رسالو) نسخہ برٹش میوزیم لندن ، او آر نمبر ۲۹۶۷/۱۸۸۶ء
تحقیق و تصحیح ڈاکٹر نبی بخش خان بلوچ ، مطبوعہ شاہ عبدالطیف ثقافتی مرکز کمیٹی بھٹ شاہ ، ۱۹۶۷ء

۳) سچل کا سرائیکی کلام ، مرتبہ حکیم محمد صادق رانیپوری ، سندھی ادبی بورڈ حیدرآباد ۱۹۵۹ء

۴) دیوان عطا ، عبدالحکیم عطا ٹھٹھوی ، " "

۵) دیوان بیدل ، فقیر قادر بخش بیدل ، مرتبہ عبدالحسین شاہ " " ۱۹۶۱ء

۶) دیوان بیکس ، خلیفہ محمد حسن بیکس " " " " ۱۹۶۵ء

۷) کلیات گدا ، غلام محمد شاہ گدا ، مرتبہ رشید احمد لاشاری ، " " ۱۹۵۷ء

۸) کلیات امین محمد امین ھالائی مخدوم محمد زمان طالب المولی " " ۱۹۶۶ء

۹) کلیات مائل ، غلام علی مائل ، ترتیب و مقدمہ محمد احمد عباسی ، حبیب اللہ رشدی ، سندھی ادبی بورڈ حیدرآباد ،

۱۰) کلیات حمل ، حمل فقیر ، مرتبہ ڈاکٹر نبی بخش بلوچ ، سندھی ادبی بورڈ حیدرآباد ۱۹۵۳ء

۱۱) کلام حسن بخش شاہ ، مولفہ طالب المولی ، " " ۱۹۵۷ء

۱۲) کلام نواب ولی محمد لغاری ، مرتبہ ڈاکٹر نبی بخش " "

۱۳) کلیات ساقی " "

۱۴) دیوان حلیم ، مرتبہ پروفیسر حضور احمد سلیم ، مکتبہ مسعود حیدرآباد ، ۱۹۷۹ء

فارسی (نظم و نثر)

۱) تذکرہ مقالات الشعرا تصنیف میر علی شیر قانع ٹھٹھوی ، مقدمہ و حواشی سید حسام الدین راشدی سندھی ادبی بورڈ کراچی ، ۱۹۵۷ء

۲) تکملہ مقالات الشعراء ، تصنیف مخدوم ابراھیم خلیل ٹھٹھوی ، مقدمہ و حواشی سید حسام الدین راشدی ، سندھی ادبی بورڈ کراچی ، ۱۹۵۸ء

۳) تحفۃ الکرام تصنیف میر علی شیر قانع ، مرتبہ حسام الدین راشدی، سندھی ادبی بورڈ کراچی

۴) ترخان نامہ " " "

۵) مکلی نامہ " " "

۶) حدیقۃ الاولیاء " " "

۷) تواریخ خانقاہ مظہریہ مرتبہ ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خان کراچی ، ۱۹۵۷ء

۸) مونس المخلصین ، عبداللہ جان سرھندی مطبع عباسی لیتھو آرٹ پریس کراچی ۱۹۲۶ء

۹) لب تاریخ سندھ خداداد خان ، سندھی ادبی بورڈ حیدرآباد ۱۹۵۹ء

۱۰) تاریخ ریاست خیرپور " مطبع ریاض ھند امرتسر

۱۱) تاریخ سندھ ، معصوم بکھری مرتبہ ڈاکٹر داؤد پوتہ مطبع قیمّہ بمبئی

۱۲) دیوان عظیم ، عظیم ٹھٹھوی مرتبہ ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خان ، سندھی ادبی بورڈ

۱۳) فتح نامہ " "

۱۴) دیوان آشکار ، سچل سرمست مرتبہ مخدوم امیر احمد سچل ادبی اکیڈیمی لاھور ، ۱۹۵۷ء

۱۵) کلیات ادیب ، دین محمد ادیب ، حیدرآباد ۱۹۶۳ء

۱۶) دو بیتی نامہ بابا طاہر ترجمہ منظوم بہ اردو ، پروفیسر حضور احمد سلیم ، مکتبہ مسعود حیدرآباد ۱۹۷۳ء

۱۷) انتخاب پیام مشرق ، اردو ترجمہ پروفیسر حضور احمد سلیم ، اقبال اکادمی لاھور ، ۱۹۷۷ء

رسائل و اخبارات (اردو)

٩

۱) ماہنامہ نگار لکھنو اردو غلطی نمبر مرتبہ علامہ نیاز فتحپوری ، ۱۹۳۵ء

۲) سہ ماہی اردو حیدرآباد دکن جولائی تا اکتوبر ۱۹۳۷ء

۳) سہ ماہی اردو کراچی جولائی ۱۹۳۵ء ، اپریل اکتوبر ۱۹۵۱ء ، دسمبر ۱۹۷۵ء

۴) سہ ماہی اردو نامہ کراچی ، مارچ ۱۹۶۶ء ، جولائی ۱۹۷۳ء ، اپریل ۱۹۷۴ء ، مارچ و دسمبر ۱۹۷۵ء

۵) سہ ماہی العلم کراچی مارچ ۱۹۷۵ء

۶) سہ ماہی صحیفہ لاہور ، اپریل ۱۹۷۲ء

۷) ماہنامہ معارف اعظم گڑھ ، جون ۱۹۵۱ء

۸) ماہنامہ المعارف لاہور ، جنوری ۱۹۷۹ء

۹) ماہنامہ الرشید لاہور دارالعلوم دیوبند نمبر فروری مارچ ۱۹۷۶ء

۱۰) ماہنامہ المصطفیٰ حیدرآباد (سندھ) دسمبر ۱۹۵۷ء ، مئی ۱۹۵۹ء

۱۱) ماہنامہ الولی حیدرآباد (سندھ) اگست ستمبر اکتوبر ۱۹۷۵ء ، فروری دسمبر ۱۹۷۶ء ، جنوری ۱۹۷۷ء

۱۲) ماہنامہ پیغام کراچی ، مارچ ۱۹۷۸ء

۱۳) مجلہ صریر خامہ قومی شاعری نمبر مرتبہ وفا راشدی مطبوعہ سندھ یونیورسٹی ۱۹۶۶ء ، صریر خامہ نعت نمبر مرتبہ حمایت علی شاعر ۱۹۷۸ء

۱۴) مجلہ علم و آگہی برصغیر پاک و ہند کے علمی ادبی تعلیمی اداری ، جلد اول ، دوم ۔ گورنمنٹ نیشنل کالج کراچی ۱۹۷۵ء

۱۵) ہفت روزہ اخبار جہاں کراچی فروری ۱۹۶۸ء

۱۶) روزنامہ حریت کراچی میگزین ایڈیشن ۲ جون ۱۹۷۵ء

۱۷) روزنامہ انجام کراچی ۱۸ جنوری ۱۹۶۸ء

۱۸) روزنامہ جنگ کراچی پاکستان ایڈیشن ۱۹۶۳ء ، ۲ اپریل ۱۹۶۸ء

۱۹) روزنامہ نوائے وقت کراچی ۱۲ ، ۲۹ مئی ۱۹۸۰ء

(سندھی)

۱) ماهنامه نئی زندگی کراچی ، جون ۱۹۷۵ء ، جنوری ۱۹۷۸ء

۲) ماهنامه الرحیم حیدرآباد (سندھ) مشاهیر سندھ نمبر ۱۹۶۱ء ، مئی جون ۱۹۷۵ء ، اکتوبر ۱۹۷۶ء ، اپریل ۱۹۷۸ء

۳) سه ماهی مهران حیدرآباد سوانح نمبر ۱۹۵۷ء ، شاعر نمبر ۱۹۶۱ء ، جون ۱۹۷۹ء

۴) مجله علمی آئینو مرتبه ڈاکٹر غلام علی الانا مطبوعه سندھیالوجی ۱۹۷۳ء

۵) مجله پرکھ شعبه سندھی ، سندھ یونیورسٹی ۱۹۷۷ء

۶) ششماهی سندھی ادب جلد ۳ شماره ۱ ، ۱۹۷۹ء ، مطبوعه سندھیالوجی -

BIBLIOGRAPHY

1. Burton Richard F — Sind and Races that inhabit in the Valley. Oxford University Press London/ Karachi 1851/1973.

2. Cousens Henry — The Antiquities of Sind with Historical outline. Oxford University Press London/ Karachi 1925/1975.

3. Khera P.N. — British Policy in Sind.

4. Arnold Thomas. — The Preaching of Islam.

5. Stack G — A Grammar of the Sindhi Language, American Mission Press Bombay 1953.

6. Sorley H.T. — Shah Abdul Latif of Bhit Oxford University Press London 1940.

7. Tites Dr. — Indian Islam.

8. East Henry Sir — History of India.

9. Prashad Ishwari — A new History of India. The Indian Press Allahbad 1936.

10. Sadarangani H.I.Dr. — Persian Poets of Sind. Sindhi Adabi Board Hyderabad 1956.

11. Vaswani T.L. — Desert Voices.

12. Vaswani T.L. — The vision of a Village Singer.

13. Pit Wala M.B. — A Physical & Economical Geography of Sind.

14. Yousuf Mazhar — Sindhological Studies, Institute of Sindhology Sind University Summer 1979.

15. Ansari Akram Prof: — Latif and the Modern World. Sind Printing Press Hyderabad.

16. Allana G.A. Dr. — Progress Report of the Institute of Sindhology, University of Sind 1978-79.

17. Khan Ghulam Mustafa Dr — A History of Persian Literature in the Indo Pak Continent - Karachi 1972